موجودہ حالات میں
جمعہ کے لیے مصر ہونے کی شرط

[اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے اکتیسویں فقہی سمینار منعقدہ مؤرخہ ۱۰-۱۲ ربیع الثانی ۱۴۴۴ھ
مطابق ۵-۷ نومبر ۲۰۲۲ء کو دار العلوم شیخ علی متقی، برہانپور (مدھیہ پردیش)
میں پیش کئے گئے علمی، فقہی اور تحقیقی مقالات ومناقشات کا مجموعہ]

ایفا پبلیکیشنز-نئی دہلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : موجودہ حالات میں جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط
مرتب : مفتی امتیاز احمد قاسمی
صفحات: 595
قیمت: 420/روپے
سن اشاعت: نومبر 2023

باہتمام: اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

ناشر

ایفا پبلیکیشنز-نئی دہلی
161-ایف، جوگا بائی، جامعہ نگر، نئی دہلی-110025
ای میل: fiqhacademyindia@gmail.com
فون: 011 - 26981779

مجلس ادارت

۱- مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی

۲- مولانا بدرالحسن قاسمی

۳- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۴- مولانا عتیق احمد بستوی

۵- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

	پیش لفظ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۱

پہلا باب-تمہیدی امور

۱-	اکیڈمی کے فیصلے		۱۵
۲-	سوالنامہ		۱۷
۳-	تلخیص مقالات	مفتی امتیاز احمد قاسمی	۱۹
۴-	عرض مسئلہ	مفتی انور علی اعظمی	۷۱

دوسرا باب-تفصیلی مقالات

۱-	جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط موجودہ حالات کے پس منظر میں	مفتی انور علی اعظمی	۸۳
۲-	موجودہ عہد میں اقامت جمعہ فی القری-ایمان کی حفاظت کا اہم ذریعہ	حافظ مفتی محمد صادق محی الدین فہیم	۸۹
۳-	دیہات میں جمعہ موجودہ حالات کے پس منظر میں	مولانا خورشید انور اعظمی	۱۰۰
۴-	موجودہ حالات کے پس منظر میں جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط	ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی	۱۰۶
۵-	جمعہ اسلام کا ایک مقدس فریضہ ہے	مفتی محمد عثمان بستوی	۱۱۲
۶-	قیام جمعہ کے لئے مصر (شہر) کی شرط	مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی	۱۱۸
۷-	جمعہ کے لئے مصر کی شرط موجودہ حالات کے پس منظر میں	مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی	۱۲۶
۸-	جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط (موجودہ حالات میں)	مفتی اقبال احمد قاسمی	۱۴۳
۹-	قیام جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط-موجودہ حالات کے پس منظر میں	مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی	۱۶۲
۱۰-	جمعہ کے بعض اہم مسائل-موجودہ حالات کے پس منظر میں	مفتی محمد جمیل اختر جلیلی ندوی	۱۷۱
۱۱-	موجودہ دور میں اقامت جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط	مولانا رحمت اللہ ندوی	۱۷۹

۱۲-	جمعہ کے لئے مصر کی شرط-ایک تحقیقی مطالعہ	مولانا محمد صابر حسین ندوی	۱۹۴
۱۳-	گاؤں میں جمعہ کا مسئلہ عصر حاضر کے تناظر میں	ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی	۲۱۱
۱۴-	جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط موجودہ حالات کے پس منظر میں	مفتی فضل الرحمٰن اصلاحی قاسمی	۲۱۷
۱۵-	قریہ میں قیام جمعہ موجودہ حالات کے پس منظر میں	مفتی محمد مقصود فرقانی	۲۲۴
۱۶-	موجودہ حالات میں جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرطیں	قاضی محمد حسن ندوی	۲۳۱
۱۷-	موجودہ فضا میں جمعہ کی نماز ایمان کی حفاظت کا مؤثر راستہ	مولانا عبید اللہ ندوی	۲۳۸
۱۸-	نماز جمعہ کے لئے اور اقامت جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط	مفتی حافظ کلیم اللہ عمری	۲۵۲
۱۹-	جمعہ کی نماز کے لئے مصر کی شرط	مفتی محمد سلطان کشمیری	۲۶۲
۲۰-	جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط موجودہ حالات کے پس منظر میں	مولانا محمد شاکر نثار مدنی اعظمی	۲۷۲
۲۱-	موجودہ حالات میں جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط	مولانا اسجد دیولوی	۲۸۱
۲۲-	موجودہ زمانہ میں دیہاتوں میں جمعہ کا قیام	مفتی محمد عارف باللہ قاسمی	۲۹۰
۲۳-	جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط موجودہ حالات کے پس منظر میں	مولانا قمر الزماں ندوی	۲۹۷
۲۴-	دیہات میں اقامت جمعہ موجودہ حالات کے پس منظر میں	مفتی عبد الرحیم قاسمی	۳۰۴
۲۵-	جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط-موجودہ حالات کے تناظر میں	مولانا محمد ابوبکر قاسمی	۳۱۱
۲۶-	نماز جمعہ اور یوم جمعہ	مولانا عزیر اختر قاسمی	۳۱۸
۲۷-	الجمعۃ فی القری	مولانا محمد اکرام سعادتی	۳۲۴
۲۸-	دیہات میں جمعہ کا حکم	مولانا روح الامین مظاہری	۳۳۲
۲۹-	جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط-موجودہ حالات کے پس منظر میں	مولانا زبیر ندوی بہرائچی	۳۳۹
۳۰-	جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط-عصر حاضر کے تناظر میں	مولانا محمد ممتاز خان ندوی	۳۴۵
۳۱-	اقامت جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط موجودہ حالات کے پس منظر میں	مفتی محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی	۳۵۱
۳۲-	موجودہ عہد میں جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط کا اعتبار	مولانا عبد الاحد قاسمی	۳۵۹
۳۳-	موجودہ حالات کے تناظر میں چالیس مسلمانوں پر مشتمل آبادی میں قیام جمعہ	مفتی محمد اشرف قاسمی	۳۷۸
۳۴-	حکم الجمعۃ فی القری	مولانا عبد التواب اناوی	۳۹۳

۳۵-	دیہات میں قیام جمعہ موجودہ حالات کے پس منظر میں	مفتی محمد عاشق صدیقی ندوی	۴۰۴
۳۶-	جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط موجودہ حالات کے پس منظر میں	مولانا جلال الدین چودھری	۴۱۱
۳۷-	قیام جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط موجودہ حالات کے پس منظر میں	مولانا محمد شفیق بڑودوی	۴۱۸
۳۸-	جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط اور موجودہ حالات	مولانا سعید احمد ندوی	۴۲۶
۳۹-	عصر حاضر میں جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط	مولانا جنید احمد قاسمی	۴۳۳
۴۰-	جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط موجودہ حالات کے پس منظر میں	مفتی ارشاد پالنپوری	۴۴۳
۴۱-	دیہات میں اقامت جمعہ سے متعلق مسائل	مفتی سیف الاسلام اصلاحی	۴۵۲
۴۲-	جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط اور موجودہ حالات	مفتی حبیب اللہ نعمانی	۴۶۰
۴۳-	موجودہ حالات میں مصر کی تعریف اور قیام جمعہ	مولانا راسخ الاسلام قاسمی اررياوی	۴۶۷
۴۴-	جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط اور موجودہ حالات	مولانا محمد سیف اللہ عرشی قاسمی	۴۷۳
۴۵-	قریہ میں قیام جمعہ اور موجودہ حالات	مفتی اسعد بن مولانا عبدالرزاق پالنپوری فلاحی	۴۸۴

تیسرا باب- مختصر تحریریں

۱-	جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط موجودہ حالات کے پس منظر میں	ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی	۴۹۵
۲-	قیام جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط اور موجودہ حالات	مفتی حبیب اللہ قاسمی	۴۹۷
۳-	موجودہ صورتحال میں جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط	ڈاکٹر مفتی محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی	۵۰۰
۴-	نماز جمعہ اور اس کی شرائط	مولانا حفیظ الرحمٰن اعظمی مدنی خیرآبادی	۵۰۴
۵-	مصر کی تعریف اور گاؤں میں نماز جمعہ	مولانا محمد ابرار خان ندوی	۵۰۹
۶-	جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط	قاضی عبدالجبار طیب ندوی	۵۱۵
۷-	جمعہ فی القری درست نہیں	مفتی جنید پالنپوری	۵۲۰
۸-	موجودہ حالات کے تناظر میں اشتراط مصر کی شرعی حیثیت	مفتی عبدالغفار قاسمی	۵۲۴
۹-	جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط موجودہ حالات کے پس منظر میں	شیخ محمد صالح الزماں قاسمی ازہری	۵۲۹
۱۰-	عصر حاضر میں جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط	مفتی رضی احمد رحمانی ندوی	۵۳۳
۱۱-	موجودہ صورتحال میں جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط	مولانا سیف الرحمٰن قاسمی	۵۳۸

۱۲-	قیام جمعہ کے لئے مصر کی شرط اور موجودہ حالات	مفتی محمد فاروق قاسمی	۵۴۳
۱۳-	جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط موجودہ حالات کے پس منظر میں	مفتی عبدالسلام قاسمی	۵۴۷
۱۴-	اقامت جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط	مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی آوا پوری	۵۵۲
۱۵-	جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط کا اعتبار	مولانا مظاہر حسین عماد عاقب القاسمی	۵۵۵
۱۶-	موجودہ صورتحال میں جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط	مولانا ارشد عطاء اللہ غوری	۵۵۷
۱۷-	دیہات میں قیام جمعہ موجودہ حالات کے پس منظر میں	مولانا ابومعاویہ محمد معین الدین ندوی قاسمی	۵۶۱
۱۸-	جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط موجودہ حالات کے پس منظر میں	مولانا محمد انور حسین مدنی بن محمد اشرف حسین	۵۶۷

چوتھا باب-اختتامی امور

	مناقشہ	۵۷۵

☆☆☆

پیش لفظ

جمعہ کی نماز ایک اہم شرعی فریضہ ہے ؛ بلکہ کسی بھی مسلمان آبادی کے لئے اس کی حیثیت ایک شعار اور علامت کی ہوگئی ہے، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دین سے غفلت اور نمازوں سے لاپرواہی کی موجودہ فضا میں جمعہ کی نماز بہت سے لوگوں کے لئے صرف ایک عمل صالح نہیں ہے ؛ بلکہ ایمان کی حفاظت اور عوام کو دین پر قائم رکھنے کا ایک مؤثر راستہ ہے، دوسری طرف یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ نماز جمعہ کا فرض ہونا نص قطعی سے ثابت ہے، لیکن جمعہ سے متعلق جو شرائط فقہاء امت نے رکھی ہیں، وہ زیادہ تر اجتہاد، نصوص کے اشارات اور صحابہ وتابعین کے آثار پر مبنی ہیں، اس لئے جن ممالک کے مسلمان اقلیت میں ہوں اور جمعہ ان کے لئے صرف ایک عبادت ہی نہیں ہے ؛ بلکہ لوگوں کو اسلام سے جوڑے رکھنے کا ذریعہ ہو وہاں اہل علم نے شرائط جمعہ میں نرمی برتنے کی کوشش کی ہے۔

ہندستان ایک بڑا ملک ہے جہاں مسلمانوں کی بڑی آبادی شہروں اور قصبات سے دور دیہاتوں میں رہتی ہے، غربت و پسماندگی اور جہالت و ناخواندگی کی وجہ سے نہ وہاں مدارس و مکاتب کا معقول انتظام ہے، نہ دعوتی اجتماعات اور اصلاحی جلسوں کا نظم ہے، جمعہ کی نسبت سے آبادی کے زیادہ سے زیادہ مسلمان جمعہ میں جمع ہوجاتے ہیں اور مسجد کے خطیب کو موقع ملتا ہے کہ وہ اپنے دینی بھائیوں سے پند وموعظت کی کچھ بات کرلے، اور زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق اسلام کی تعلیمات سے آشنا کرنے کی کوشش کرے، اس کا بڑا نفع ہوتا ہے، کم سے کم نفع اس کا یہ ہے کہ مسلمانوں میں اپنے مسلمان ہونے کی پہچان باقی رہتی ہے اور وہ ارتداد کی سازشوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ پاتے ہیں، اسی پس منظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی نے اپنے ۳۱ ویں فقہی سمینار منعقدہ مؤرخہ ۱۰-۱۲/ربیع الثانی ۱۴۴۴ھ مطابق ۵-۷/نومبر ۲۰۲۲ء کو دارالعلوم شیخ علی متقی، برہانپور (مدھیہ پردیش) میں ''موجودہ حالات میں جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط'' کے موضوع کو غور وفکر کے لئے شامل کیا۔

بحمداللہ اس موضوع پر ۶۴/مقالات اکیڈمی کو موصول ہوئے، تجویز کمیٹی نے بہت ہی غور وخوض کے بعد اور

مسلم اقلیت ممالک کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے تجاویز مرتب کیں، جو باتفاق رائے منظور کی گئیں، ان ہی مقالات کا مجموعہ پیش نظر مجلّہ کی شکل میں قارئین کی خدمت میں پیش ہے جس کو اکیڈمی کے شعبہ علمی کے رفیق مفتی امتیاز احمد قاسمی صاحب نے مرتب کیا ہے۔ یہ فیصلہ بڑا اہم ہے اور ہندستان کے پس منظر میں ان شاء اللہ ارباب افتاء کو بھی اور عوام کو بھی اس سے روشنی حاصل ہوگی۔

خالد سیف اللہ رحمانی

(جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)

14/ربیع الاول 1445ھ

مطابق 30/ستمبر 2023ء

☆☆☆

پہلا باب

تمہیدی امور

اکیڈمی کے فیصلے:

موجودہ حالات میں جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط

نماز جمعہ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہندوستان جیسے ملک میں دوسری نمازوں میں غفلت برتنے والے مسلمان بھی عام طور پر نماز جمعہ کا اہتمام کرتے ہیں اور بیشتر مسجدوں میں خطبہ جمعہ سے پہلے مقامی زبانوں میں دینی واصلاحی باتیں کہی جاتی ہیں، جن سے لوگوں کو بہت نفع ہوتا ہے۔

اس پس منظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے اکتیسویں فقہی سمینار منعقدہ برہانپور (مدھیہ پردیش) میں مندرجہ ذیل فیصلے کئے گئے:

۱-جس آبادی میں بنیادی ضروریات جیسے اشیاء خوردونوش وغیرہ مل جاتی ہوں وہاں جمعہ قائم کرنا درست ہے۔

۲-ایسی چھوٹی آبادی جہاں بنیادی ضرورتیں بھی مقامی طور پر نہیں مل پاتی ہوں وہاں جمعہ قائم کرنا درست نہیں ہے۔

۳-البتہ جہاں پہلے سے جمعہ ہوتا آرہا ہو وہاں جمعہ کو نہیں روکا جائے۔

۴-موجودہ حالات میں مسلمانوں کو دین سے دور کرنے اور مرتد بنانے کی سازشیں کی جارہی ہیں، اس صورت حال کا مقابلہ کرنے میں جمعہ کا قیام مفید وموثر ہوسکتا ہے، اس لئے جہاں بھی مسلمانوں کو فتنہ ارتداد سے بچانے کے لئے جمعہ قائم کرنے کی ضرورت محسوس کی جائے؛ خواہ وہ چھوٹا گاؤں ہی کیوں نہ ہو، وہاں معتبر علماء کی اجازت سے جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

سوالنامہ :

موجودہ حالات میں جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط

جمعہ کے دن کا ایک اہم فریضہ نماز جمعہ ہے، نماز جمعہ کا فرض ہونا قرآن، حدیث متواتر اور اجماع امت سے ثابت ہے؛ اسی لئے شروع سے مسلم معاشرہ میں اِکا دُکا بے توفیق لوگوں کو چھوڑ کر اہتمام اور پابندی کے ساتھ جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے؛ البتہ شرائط جمعہ کے سلسلہ میں فقہاء کے درمیان بعض اختلافات پائے جاتے ہیں، موجودہ دور میں جمعہ کی اہمیت کا ایک پہلو یہ ہے کہ بہت سے مسلمان اپنی غفلت یا جہالت کی وجہ سے پنج وقتہ نمازوں کا اہتمام نہیں کرتے، صرف جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اور نمازوں میں تو مصلیوں کی ایک ڈیڑھ صف ہوتی ہے؛ لیکن جمعہ میں پوری مسجد بھر جاتی ہے، اگر مسجد کی کئی منزلیں ہوں تو تمام منزلیں پُر ہوجاتی ہیں، شہروں میں تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ مسجد کے باہر سڑکوں پر بھی نماز ادا کی جاتی ہے، یہ اسی وجہ سے ہے کہ جمعہ کا خصوصی اہتمام لوگوں کے ذہن میں ہے؛ اگرچہ کہ صرف جمعہ پر اکتفاء کرنا اور بقیہ نمازوں کی ادائیگی سے غفلت برتنا حد درجہ ناپسندیدہ بات ہے؛ لیکن اس کا ایک بہتر پہلو بھی ہے کہ جمعہ کی نماز فی الجملہ مسجد سے اور مسجد کے واسطہ سے دین سے ان کے رشتہ کو استوار رکھتی ہے، جمعہ میں ان کو دینی باتیں سننے اور سمجھنے کا موقع مل جاتا ہے، اور اس ہفتہ وار وعظ ونصیحت کے تسلسل سے ان کے مزاج میں بھی مثبت تبدیلی آتی ہے، جب وہ دوسرے مسلمان بھائیوں سے ملتے ہیں تو مسلم معاشرہ کا حصہ ہونے کا تصور ان کے ذہنوں میں راسخ ہوتا ہے، نیز ارتداد کے فتنوں سے بچانے میں بھی جمعہ کا اجتماع بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔

ہمارے بزرگوں کا طریقہ یہی تھا کہ وہ دین وایمان کے تحفظ کے لئے بعض دفعہ فروعات سے صرف نظر کرلیا کرتے تھے، جیسے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مسلمانوں کی ایک بستی کے حالات کو دیکھ کر تعزیہ داری کی اجازت دیدی اور استفسار پر فرمایا کہ یہ بدعت ان کے لئے وقایہ کفر ہے، علماء دیوبند عرس اور سماع وغیرہ کے قائل نہیں رہے ہیں؛ لیکن تقسیم ملک کے وقت جب اجمیر شریف اور بعض دوسری درگاہوں پر فرقہ پرست قوتوں نے قبضہ کرلیا تو حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ وغیرہ نے اس کو خالی کرایا اور غیر مجاز قبضہ سے بچانے کے لئے درگاہ کے ارباب حل وعقد سے کہا کہ وہ اپنے رسوم کو جاری رکھیں، اِس وقت بھی صورت حال یہ ہے کہ عیسائی مشنریز، قادیانی، قادیانیوں کی طرح کے بعض نو پید فرقے اور منکرین

حدیث وغیرہ دیہات وقصبات میں بسنے والے مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے کوشاں ہیں۔

اس پس منظر میں درج ذیل سوالات کے جواب مطلوب ہیں:

۱- فقہاء حنفیہ نے بعض دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے قیام جمعہ کے لئے مصر یا قریہ جامعہ ہونے کی شرط لگائی ہے؛ لیکن نصوص میں مصر کا مفہوم واضح طور پر نہیں آیا ہے، فقہاء حنفیہ کے درمیان بھی اس میں خاصا اختلاف ہے، موجودہ دور میں جو ترقی ہوئی ہے، اس کے تحت پہلے جو سہولتیں چھوٹے موٹے شہروں میں میسر ہوتی تھیں، وہ اب بہت سے بڑے دیہاتوں میں بھی مہیا ہوگئی ہیں، اور جیسا کہ اوپر ذکر آیا موجودہ دور میں جمعہ بہت سے ناخواندہ اور کم خواندہ مسلمانوں کے ایمان کے تحفظ کا ذریعہ بھی ہے، اس پس منظر میں موجودہ حالات میں مصر کی کیا تعریف ہوسکتی ہے، جس سے اس کے اطلاق کا دائرہ وسیع ہو جائے؟۔

۲- جہاں مسلمانوں کی باقاعدہ آبادی ہو، چاہے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو، نماز باجماعت کا مسجد کے ساتھ یا مسجد کے بغیر نظام ہو، کیا وہاں جمعہ کا نظام بنایا جاسکتا ہے؟۔

۳- کیا گاؤں میں جمعہ ادا کرنے کی اجازت اس مقصد کے پیش نظر دی جاسکتی ہے کہ یہ نظام عام مسلمانوں اور مسلمانوں کے عام طبقات کو بہرحال کسی نہ کسی درجہ میں دین سے جوڑ کر رکھے گا، ان کے ایمان کی حفاظت کرے گا، اور اس کے واسطے سے آج کے گمراہ فتنوں سے ان کو آگاہ کیا جاسکے گا؟۔

☆☆☆

تلخیص مقالات:

موجودہ حالات میں
جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط

مفتی نا امتیاز احمد قاسمی☆

إن الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله و على آله و صحبه أجمعين۔

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے اکتیسویں فقہی سمینار میں جن چار اہم موضوعات پر بحث وتحقیق اور مناقشہ ہونا ہے ان میں ایک موضوع ''جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط موجودہ حالات کے پس منظر میں'' ہے، جس میں کل تین سوالات قائم کئے گئے ہیں، اور اہل علم وتحقیق اور مفتیان کرام سے گزارش کی گئی تھی کہ وہ ان سوالات کا مفصل جواب قرآن وسنت، آثار صحابہ، اجتہادات فقہاء کی روشنی اور ملکی حالات کے تناظر میں تحریر فرمائیں۔

چنانچہ اکیڈمی کو اس موضوع پر کل ۶۴/مقالات موصول ہوئے جن کی تلخیص کی ذمہ داری اکیڈمی نے مجھے دی ہے، تاکہ ایک دوسرے کی آراء اور دلائل سے واقف ہوا جاسکے، ان مقالات میں سے بعض بہت مفصل ہیں، جس میں موضوع کے تمام گوشوں اور پہلوؤں کا احاطہ ہے، بلکہ بہت سے متعلقات بھی ذکر کئے ہیں جن سے اصل مسئلہ کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، بعض مفصل ہیں اور سوالات کے مکمل جوابات مع دلائل موجود ہیں، جبکہ بعض مقالے مختصر ہیں، ملک کے موجودہ صورت حال میں یہ موضوع اہم ہے، اگرچہ جمعہ فی القری کا مسئلہ ابتداء سے اختلافی رہا ہے، صحابہ کے درمیان بھی اور ائمہ کے درمیان بھی، اسی لئے فقہاء کرام نے اپنے اپنے نقطہ ہائے نظر اختیار کئے ہیں اور دلائل دیئے ہیں، ماضی قریب میں ہمارے علماء نے خاص اس موضوع پر رسائل اور کتابیں بھی لکھی ہیں، لیکن کرونا کے دور کے بعد اور بعض ریاستوں کے دیہاتوں میں ارتداد کی لہر نے اس موضوع پر دوبارہ غور وفکر کرنے کی ضرورت پیدا کردی ہے، اسی لئے اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) نے اپنے آئندہ سمینار کے لئے اس کو موضوع بحث بنایا، امید ہے کہ بحث ومناقشہ کے بعد بہتر نتائج نکلیں گے اور امت کے لئے آسانیاں پیدا ہوں گی۔

☆ رفیق شعبہ علمی، اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)۔

مقالہ نگار کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی انور علی اعظمی، ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، ڈاکٹر مفتی محمد مصطفیٰ عبد القدوس ندوی، مفتی صادق محی الدین نظامی، حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مولانا حفیظ الرحمٰن اعظمی مدنی، مفتی رحمت اللہ ندوی، مفتی جمیل اختر جلیلی ندوی، مولانا عبید اللہ ندوی، مفتی محمد اشرف قاسمی، مفتی محمد زبیر ندوی بہرائچی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مولانا روح الامین مظاہری، مولانا ابو معاویہ محمد معین الدین ندوی قاسمی، مفتی ارشاد پالنپوری، مفتی محمد مقصود فرقانی، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مفتی راسخ الاسلام قاسمی اررياوی، مفتی ابوبکر قاسمی، مفتی سیف الاسلام اصلاحی، مولانا محمد ابرار خان ندوی، مفتی محمد فاروق قاسمی، مولانا محمد شاکر نثار مدنی اعظمی، مولانا عبد التواب اناوی، مفتی محمد سلطان خان کشمیری، مولانا ارشد عطاء اللہ غوری، مفتی سعید احمد ندوی، مفتی جنید احمد قاسمی، مفتی رضی احمد رحمانی ندوی، مولانا محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی، مفتی اسعد بن مولانا عبد الرزاق پالنپوری، مولانا محمد اکرم سعادتی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا سیف الرحمٰن صاحب، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، مولانا عبد الاحد قاسمی، مفتی جنید محمد پالنپوری، مولانا محمد صالح الزماں قاسمی ازہری، مفتی فضل الرحمٰن اصلاحی قاسمی، مفتی محمد شفیق بڑودوی، مولانا جلال الدین چودھری، مفتی عبد الغفار قاسمی، مولانا سلمان بن سلیمان ندوی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مفتی محمد عارف باللہ قاسمی، مولانا اسجد دیولوی، مفتی شباب کوثری، مفتی حبیب اللہ نعمانی، قاضی محمد حسن ندوی، مولانا محمد سیف اللہ عرشی قاسمی، مولانا محمد انور حسین مدنی، مفتی عبد السلام قاسمی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، قاضی عبد الجبار طیب ندوی، مفتی محمد عاشق صدیقی ندوی۔

سوال نمبر:۱۔ فقہاء حنفیہ نے بعض دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے قیام جمعہ کے لئے مصر یا قریہ جامعہ ہونے کی شرط لگائی ہے؛ لیکن نصوص میں مصر کا مفہوم واضح طور پر نہیں آیا ہے، فقہاء حنفیہ کے درمیان بھی اس میں خاصا اختلاف ہے، موجودہ دور میں جو ترقی ہوئی ہے، اس کے تحت پہلے جو سہولتیں چھوٹے موٹے شہروں میں میسر ہوتی تھیں، وہ اب بہت سے بڑے دیہاتوں میں بھی مہیا ہوگئی ہیں، اور جیسا کہ اوپر ذکر آیا موجودہ دور میں جمعہ بہت سے ناخواندہ اور کم خواندہ مسلمانوں کے ایمان کے تحفظ کا ذریعہ بھی ہے، اس پس منظر میں موجودہ حالات میں مصر کی کیا تعریف ہوسکتی ہے، جس سے اس کے اطلاق کا دائرہ وسیع ہوجائے؟

اس سوال کا جواب دینے سے قبل بیشتر مقالہ نگار حضرات نے فرضیت جمعہ، شرائط جمعہ، مصر اور قریہ کی لغوی، اصطلاحی اور فقہی تعریف اور اقامت جمعہ کے لئے مصر کی شرط کے تعلق سے ائمہ کی آراء و دلائل وغیرہ تمہیداً ذکر کئے ہیں:

فرضیت جمعہ:

جمعہ کی نماز دین کی مخصوص علامتوں، نشانیوں اور شعائر میں سے ہے، وہ عام نمازوں کی طرح نہیں ہے، بلکہ بہت سے مصالح اور حکمتوں کی بنا پر ایک ممتاز نماز ہے، جو ہفتہ میں ایک بار ظہر کے وقت مشروع ہے۔

نماز جمعہ کا فرض ہونا قرآن مجید، حدیث متواتر اور اجماع امت سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"**يأيها الذين آمنوا إذا نودى للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله و ذروا البيع**" (سورہ جمعہ:۹)۔

صحیح سنن ابوداؤد میں ہے، حضرت طارق بن شہابؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"**الجمعة حق واجب على كل مسلم فى جماعة إلا أربعة: عبد مملوك أو امرأة أو صبى أو مريض**" (صحیح سنن أبی داؤد ۱/ ۲۹۴، ۹۷۸)۔

سنن نسائی میں حدیث ہے، علامہ شوکانی نے لکھا ہے: "**الجمعة واجب على كل محتلم**" (سنن نسائی ۱/ ۲۰۲)۔

"**وذلک أن الجمعة فرضت على النبى ﷺ وهو بمكة قبل الهجرة، كما أخرجه الطبرانى عن ابن عباس فلم يتمكن من إقامتها هنالک من أهل الكفار فلما هاجر من هاجر من أصحابه إلى المدينة كتب إليهم بأمرهم أن يجمعوا فجمعوا**" (نیل الأوطار ۳/ ۲۸۳، باب انعقاد الجمعۃ)۔

رسول اللہ ﷺ نے پہلی بار ہجرت کے موقع سے جمعہ کی نماز ادا فرمائی: "**عن كعب بن عجرة أن النبى ﷺ جمع أول جمعة حين قدم المدينة فى بنى سالم فى مسجد عائكة**" (آثار السنن، باب اقامۃ الجمعۃ فی القری)۔

اور قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ جب جمعہ ظہر کا بدل ہے تو ظہر ہی کی طرح یہ بھی فرض ہوگا، نیز امت کا اجماع اور اتفاق بھی ہے کہ جمعہ کی نماز ہر مسلمان، عاقل، بالغ، آزاد، مقیم، ادائیگی پر قادر، اذان سننے والے، دخول وقت کا علم رکھنے والے اور اعذار مبیحہ عن التخلف سے خالی شخص پر واجب ہے۔

جمعہ کی فرضیت اور اس کی تاکید میں نہ تو کوئی شبہ ہے اور نہ کسی کا اختلاف، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ جمعہ کہاں فرض ہوا؟ اکثر کا قول یہ ہے کہ مدینہ میں فرض ہوا، ان کی دلیل "**يأيها الذين آمنوا إذا نودى للصلوة من يوم الجمعة**" ہے، یہ آیت بلکہ پوری سورت مدنی ہے، لیکن امام غزالیؒ فرماتے ہیں: جمعہ مکہ مکرمہ میں فرض ہوا، لیکن تعداد مفقود ہونے کی وجہ سے قائم نہ ہوا، یا اس وجہ سے کہ جمعہ کا شعار اظہار ہے اور رسول اللہ ﷺ وہاں علی الإعلان عبادت نہیں کر رہے

تھے، علامہ ابن حجر کا کہنا ہے کہ مدینہ ہی میں فرض ہوا، یہ ممکن ہے کہ مطالبہ مکہ مکرمہ میں ہوا ہو، لیکن حالات سازگار نہ ہونے کی وجہ سے وجوب کا استقرار مدینہ میں ہوا ہو، کشاف القناع میں ہے:

"فرضت بمكة قبل الهجرة، لما روى الدار قطنى عن ابن عباسؓ قال: أذن للنبى صلى الله عليه وسلم فى الجمعة قبل أن يهاجر، فلم يستطع أن يجمع بمكة، فكتب إلى مصعب بن عمير:

"أما بعد ! فانظر إلى اليوم الذى تجهر فيه اليهود الزبور لسبتهم، فأجمعوا نساء كم و أبناء كم، فإذا مال النهار عن شطره عند الزوال من يوم الجمعة، فتقربوا إلى الله بركعتين" (الجمعۃ ومکانتہا فی الدین، أحمد بن حجر آل بوطامی ۵۶/۔ الجمعۃ والہند، ص ۸ تا ۲۳) (مولانا رحمت اللہ ندوی)۔

شرائط جمعہ:

جمعہ کی نماز پنج وقتہ نمازوں کی طرح نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے کچھ خصوصی شرائط ہیں جو دوسری عام نمازوں کے لئے نہیں ہیں، چنانچہ آیت کریمہ **"يأيها الذين آمنوا إذا نودى للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله و ذروا البيع"** (سورہ جمعہ:۹) کے تحت علامہ ابوبکر جصاص رازیؒ نے تحریر فرمایا ہے:

"اتفق فقهاء الأمصار على أن الجمعة مخصوصة بموضع لايجوز فعلها غيره لأنهم مجمعون على أن الجمعة لايجوز فى البوادى و مناهل الأعراب" (أحکام القرآن للجصاص ۶۶۶/۳)۔

البنایہ للعینی میں ہے: **"لاتقوم الجمعة فى المفازة عند الأربعة"** (البنایہ، باب الجمعہ ۱۰۰۰/۱)۔

شیخ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

"وقد تلقت الأمة تلقيا معنويا من غير تلقى لفظ أنه تشترط فى الجمعة الجماعة و نوع من التمدن و كان النبى ﷺ و خلفاء ه و أصحابه رضى الله عنهم و الأئمة المجتهدون رحمهم الله تعالىٰ يجتمعون فى البلدان ولايؤاخذون أهل البدو، بل ولايقام فى عهدهم فى البدو ففهموا من ذلك قرنا بعد قرن عصرا بعد عصر أنه تشترط لها الجماعة والتمدن، أقول وذلك لأنه لما كان حقيقة الجمعة إشاعة الدين فى البلد وجب أن ينظر إلى تمدن و جماعة" (حجۃ اللہ البالغہ، الجمعۃ فی البلدان ۷۶/۲)۔

علامہ ابن قیم حنبلی فرماتے ہیں: **"(الحادى والعشرون من خصائص يوم الجمعة) أن فيه صلوة الجمعة التى خصت من بين سائر الصلوات المفروضة بخصائص لاتوجد فى غيرها من الإجتماع والعدد المخصوص واشتراط الإقامة والاستيطان"** (زاد المعاد ۱۵۰/)۔

شرائط جمعہ سے متعلق ائمہ اربعہ کی تصریحات مندرجہ ذیل ہیں:

"**ففی نیل المآرب لفقه الحنابله: لصحة الجمعة أربعة شرائط أحدها: الوقت والثانی: أن تکو ن بقریة مبنیة بماجرت به عادة أهلها لامن قصب یستوطنها أربعون رجلا استیطان الإقامة لایظعنون عنها و الثالث: حضور أربعین صلاتها و خطبتها الرابع: تقدم خطبتین**" (أوجز المسالک باب ماجائز الامام ینزل بقریة یوم الجمعة فی السفر ۲/ ۲۴۴)۔

فقہ مالکیہ کی مختصر الخلیل میں ہے:"**شرط الجمعة وقوع کلها بالخطبة وقت الظهر باستیطان بلد أو خصاص لا خیم و بجامع مبنی متحد**" (اوجز المسالک ۲/ ۲۵۴)۔

فقیہ شافعی صاحب "اقناع" نے تحریر کیا ہے:

"**شرائط فعلها ثلاثة الأول: البلد مصرا کانت أو قریة و الثانی: عدد أربعین و الثالث: الوقت**" (اوجز المسالک ۲/ ۴۳۰، کتاب الجمعۃ)۔

حنفیہ کا مسلک معروف ومشہور ہے:"**لاتصح الجمعة إلا فی مصر جامع أو مصلی المصر**" (ہدایہ ۱/ ۱۶۸، باب صلوۃ الجمعۃ)۔

خلاصہ یہ ہے کہ مطلقا جمعہ کا قیام بلا شرائط کسی کے نزدیک نہیں ہے، البتہ شرائط کی نوعیت میں فقہاء کا اختلاف چلا آرہا ہے، احناف کے مسلک میں صحت جمعہ کے لئے مندرجہ ذیل سات شرائط ہیں: (۱) شہر، قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا۔ (۲) حاکم یا اس کا قائم مقام ہونا۔ (۳) ظہر کا وقت پایا جانا۔ (۴) خطبہ کا ہونا۔ (۵) خطبہ کا جمعہ سے پہلے ہونا۔ (۶) کم از کم ۳/ مردوں کا جمعہ کی جماعت میں شامل ہونا۔ (۷) جمعہ کی شرکت کی عام اجازت ہونا۔

"**و یشترط لصحتها سبعة أشیاء: الأول: المصر الخ والثانی: السلطان الخ والثالث: وقت الظهر الخ والرابع: الخطبة فیه الخ والخامس: کونها قبلها الخ والسادس: الجماعة الخ والسابع: الإذن العام**" (الدر المختار مع رد المحتار ۳/ ۵ تا ۲۵) (مفتی اقبال احمد قاسمی)۔

مصر اور قریہ کا معنی لغوی واصطلاحی:

قیام جمعہ کے لئے فی الجملہ تمدن کی شرط تو متفق علیہ ہے، البتہ مدنیت کی صورت کی تعیین میں اختلاف ہے، اس لئے مصر اور قریہ کی تعریف پیش کی جاتی ہے:

امام راغب لکھتے ہیں:"**المصر اسم لکل بلد ممصور أی محدود، یقال مصرت مصراً أی بنیته و**

المصر: الحد، وكان من شروط هجر: اشترى فلان الدار بمصورها، أى حدودها، قال الشاعر:

وجاعل الشمس مصرا لا خفاء به

بين النهار و بين الليل قد فصلا ''

(المفردات،کلمہ:مصر)

یعنی مصر ہر اس شہر کو کہتے ہیں جو مصور یعنی محدود (اس کی حد بندی کی گئی ہو جس کے گرد فصیل ہو)، کہا جاتا ہے: ''مصرت مصراً، یعنی میں نے شہر بسایا اور مصر یعنی حد (دو چیزوں کے درمیان فاصل) کو کہتے ہیں، چنانچہ ''ہجر شہر'' کے بیع ناموں کی شروط میں یہ لکھا جاتا تھا: فلاں نے یہ مکان اس کے حدود (اربعہ) کے ساتھ خریدا اور کسی شاعر نے کہا ہے:

بلاشبہ اللہ نے سورج کو رات اور دن کے درمیان حد فاصل بنا رکھا ہے، جس میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے، دونوں ایک دوسرے سے جدا ہیں۔

نیز قریہ کی تعریف میں لکھتے ہیں: **القرية: اسم للموضع الذى يجتمع فيه الناس، وللناس جميعا، ويستعمل فى كل واحد منهما،،** (دیکھئے: المفردات،کلمہ:قریہ)، (وہ جگہ جہاں لوگ آباد ہو کر جمع ہو جائیں تو بحیثیت مجموعی ان دونوں کو قریہ کہتے ہیں، اور جمع ہونے والے لوگوں اور جگہ پر انفراداً بھی قریہ بولا جاتا ہے)۔

''منطقة كبيرة تقام فيها الدور والأسواق والمدارس وغيرهامن المرافق العامة'' (معجم اللغۃ العربیۃ المعاصرۃ،ص:۲۱۰۳، لفظ نمبر:۴۸۳۹، المعجم الوجیز،ص:۵۸۴)۔

المعجم الوسیط میں ہے: ''**القرية: المصر الجامع وكل مكان اتصلت به أبنية واتخذ قرارا و تقع على المدن وغيرها**'' (المعجم الوسیط، مادۃ:ق،ر،ی، معجم اللغۃ العربیۃ المعاصرۃ، لفظ:قریۃ) (قریہ ''مصر جامع،، کو کہتے ہیں اور ہر اس جگہ کو جس کی عمارتیں متصل ہوں، اور جس نے قرار پکڑ لیا ہو، نیز اس کا اطلاق مدینہ (شہر) وغیرہ پر بھی ہوتا ہے)۔

قریہ، بلد، مدینہ اور مصر کی یہ تعریفات معاصر اور نو ایجاد کردہ ہیں، عرب اس کو جانتے بھی نہیں تھے، اس لئے اس کو اعتبار کا وہ درجہ نہیں دیا جا سکتا ہے، عرب قریہ بول کر شہر اور شہر بول کر قریہ مراد لیتے تھے اور کبھی کبھی وہ قریہ (گاؤں) کو مصر (شہر) سے بھی تعبیر کرتے تھے اور قرآن میں بھی اس کی شہادتیں موجود ہیں، چنانچہ فرمایا: ''**واسأل القرية التى كنا فيها**'' (یوسف:۲۸)، ابن عاشور لکھتے ہیں: ''**والمراد بها مدينة مصر، والمدينة والقرية مترادفان، وقد خصت المدينة فى العرف بالقرية الكبيرة**'' (دیکھئے: تفسیر ابن عاشور) ((قریہ) سے مراد یہاں شہر مصر ہے، اور مدینہ (شہر) اور قریہ (گاؤں) دونوں مترادف الفاظ ہیں، البتہ عرف میں مدینہ کو بڑے گاؤں کے لئے خاص کر دیا گیا ہے)، اسی طرح سورہ

یسین میں بھی مدینہ سے مراد قریہ ہے، چنانچہ ابن عاشور ''وجاء من أقصى المدينة رجل يسعى'' (یسین:۲۰) کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''والمراد هنا بالمدينة نفس القرية المذكورة فى قوله:أصحاب القرية،،عُبر عنها هنا بالمدينة تفننا'' (دیکھئے:تفسیر ابن عاشور) (اور مدینہ سے مراد یہاں وہی گاؤں ہے جو قرآن کی اس آیت: ''أصحاب القرية'' میں مذکور ہے، یہاں اس (گاؤں) کو مدینہ سے تفننا تعبیر کیا گیا ہے)، نیز تفسیر الوسیط میں ہے: ''عبر هنا بالمدينة بعد التعبيرعنها فى أول القصة بالقرية للإشارة إلى سعتها'' (دیکھئے:تفسیر الوسیط) (یہاں اس (بستی) کو مدینہ (شہر) سے تعبیر کیا، بعد اس کے کہ شروع قصہ میں اس کو قریہ (گاؤں) سے تعبیر کیا تھا، اس کی وجہ اس کی وسعت کی طرف اشارہ کرنا ہے)۔

علامہ رشید رضا مصری لکھتے ہیں: قریہ، بلد، مصر اور مدینہ لغت میں ایک معنی کے لئے آتے ہیں، اگرچہ ان کے درمیان معنی میں بہت باریک فروق ہیں، چنانچہ قرآن کریم نے مکہ مکرمہ پر قریہ اور بلد دونوں کا اطلاق کیا ہے، اور بغیر کسی اختلاف کے وہ مدینہ اور مصر بھی ہے، اور سورہ یوسف میں قریہ کا اطلاق مصر پر کیا ہے، چنانچہ فرمایا: ''واسأل القرية التى كنا فيها'' (یوسف:۲۸) اور علماء لغت فرماتے ہیں: ''القرية –بالفتح والكسر–المصر الجامع'' (قریہ-راء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ-مصر جامع کو کہتے ہیں، خدا جانے مولدین نے کب چھوٹے شہروں کا نام قریہ اور بڑے شہر کا نام مصر رکھ دیا؟ اہل لغت نے مصر کی تفسیر کُوْرہ (شہر، ضلع اور کبھی اس کا اطلاق دیہی علاقوں پر بھی ہوتا ہے) اور صُقُع (گاؤں اور محلے) سے کی ہے، اور کورہ کی مدینہ (شہر) سے کی ہے، وہ کہتے ہیں: کورہ، خلاف، رستاق (گاؤں) اور جند (شہر) سب ایک ہے، اور اس سے مراد کئی گاؤں اور کھیتیوں کا مجموعہ ہے، گویا کہ اس سے مراد وہ شہر ہے جس کے تابع کئی زراعتیں، کھیتیاں اور زمینیں ہوں، گویا کہ (ملک) مصر کے عرف میں وہ بندر (گاؤں) کی طرح ہے) (المنار ۲۰/۱۰۶، ۱۰۷)۔

فقہاء کے یہاں مصر کی تعریف:

مصر کی تعریف میں خود احناف کے درمیان بہت زیادہ اختلاف ہے، حتی کہ خود امام ابوحنیفہؒ کے دو مختلف قول ہیں، مثال کے طور پر چند اقوال نقل کرتا ہوں:

۱- مصر جامع وہ ہے جہاں امیر اور قاضی ہو جو احکام نافذ کرے اور حدود جاری کرنے پر قدرت رکھتا ہو، یہ قول امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے، نیز امام ابوحنیفہؒ سے بھی ایک قول اسی مضمون کا منقول ہے، اور امام کرخی وغیرہ فقہاء نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

۲- مصروہ ہے جہاں کی سب سے بڑی مسجد میں اگر سب باشندے جمع ہوں تو اس میں سَما نہ سکیں، یہ بھی امام ابو یوسفؒ کا ہی قول ہے، اس کو ابن شجاع نے پسند کیا ہے اور امام ابو عبداللہ بلخی نے بھی اس کو اختیار کیا ہے، بیشتر فقہاء حنفیہ نے اسی کے مطابق فتوے صادر کئے ہیں، اور احتیاط اسی میں ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔

۳- مصر اس جگہ کو کہتے ہیں، جہاں بازار، سڑکیں اور محلے ہوں، اور کوئی ایسا حاکم ہو جو مظلوموں کو ظالموں سے انصاف دلا سکے، اور کوئی ایسا عالم ہو جس کی طرف مسائل میں رجوع کیا جا سکے، یہ قول امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے (دیکھئے: ہدایہ ۱/۲۶۶، فتح القدیر وشرح العنایۃ علی الہدایۃ ۱/۴۰۹-۴۱۱)۔

۴- امام جس مقام کو مصر قرار دے اور اقامت جمعہ کا حکم کرے وہی مصر ہے۔

۵- مصروہ ہے جہاں ہر پیشہ کا آدمی اپنے پیشہ سے گزر بسر کر سکتا ہو (المبسوط ۲/۲۴)۔

۶- جس کی آبادی دس ہزار ہو، صرف اسی جگہ کو مصر کہا جا سکتا ہے، یہ قول بھی امام ابو یوسفؒ کا ہے۔

۷- جس کی آبادی تین ہزار سے کم نہ ہو، وہ مصر ہے۔

۸- جس کی آبادی چار ہزار ہو۔

۹- جس کی آبادی ایک ہزار ہو۔

۱۰- جس کی کیفیت، حضور ﷺ کے زمانہ میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی کیفیت کے مطابق ہو وہ مصر ہے (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص: ۲۳۳) (مولانا عبیداللہ ندوی)۔

۱۱- **عن أبی یوسف: "هو کل موضع یکون فیه کل محترف، ویوجد فیه جمیع مایحتاج الناس إلیه فی معایشهم عادة، وبه قاض یقیم الحدود".**

۱۲- **"وقیل: أن یکون بحال یعیش فیها کل محترف بحرفته من سنة إلی سنة من غیر أن یشغل بحرفة أخری".**

۱۳- **وعن محمد: "کل موضع مصره الإمام، فهو مصر؛ حتی إنه لو بعث إلی قریة نائباً لإقامة الحدود والقصاص یصیر مصراً، فإذا عزله ودعاه یُلحق بالقری"** (شرح أبی داود للعینی، باب الجمعة فی القری: ۴/۳۹۰)۔

۱۴- **وعن سفیان: "أنه کل مصر فیه جماعة وإمام".**

۱۵- **وعنه أیضاً نقلاً عن ابن المبارک: "أن المصر الجامع ماعرفه الناس أنه جامع"** (فتح الباری لابن

رجب، باب الجمعۃ فی القری والمدن:۸/۱۴۰)۔

۱۶- **سئل عطاء عن القرية الجامعة، فقال: ذات الجماعة والأمير والقاضي والدور المجتمعةالآخذ بعضها ببعض مثل جدة**''(فیض الباری شرح البخاری، باب الجمعۃ فی القری والمدن:۲/۴۲۶)۔

ڈاکٹر رواس قلعہ جیؒ نے دو تعریفیں لکھی ہیں:

۱۷- ''**المصرالجامع: البلدالذی عظمت فيه العمارة وكان فيه سلطة قضائية وسلطة تنفيذية وأسواق للمعاملة**''(معجم لغۃ الفقہاء، ص:۴۰۳)۔

۱۸- ''**البلدة العظيمة: مالا يتسع أكبر مسجد فيه لجميع المكلفين بالصلاة**''۔

۱۹- ''**والحدالصحيح المعمول عليه: أنه كل مدينة ينفذ فيها الأحكام ويقام الحدود كمافی جواهرالفقه**''(کشاف اصطلاحات الفنون:۲/۱۵۵۷)۔

ان تمام تعریفات میں جو بہتر اور مناسب ہے اور جس کو فقہائے احناف نے مفتی بہ قرار دیا ہے، وہ درج ذیل تعریف ہے:

''**إن أهلهابحيث لواجتمعوا فی أكبر مساجدهم لم يسعهم ذلک؛ حتی احتاجوا إلی بناء مسجد الجمعة**''(المبسوط للسرخسی، باب صلاۃ الجمعۃ:۱/۳۸)۔

علامہ حصکفی اس تعریف کے تعلق سے تحریر فرماتے ہیں:

''**وعليه فتوی أكثرالفقهاء، مجتبی لظهورالتوانی فی الأحكام**''(الدرالمختار مع ردالمحتار، باب الجمعۃ:۳/۵)

(اکثر فقہاء کا اسی پر فتوی ہے، مجتبی، احکام میں سستی ظاہر ہونے کی وجہ سے)۔

پھر اس تعریف کی مزید وضاحت کرتے ہوئے علامہ شامی لکھتے ہیں:

''**(مالايسع) هذايصدق علی كثيرمن القری. قوله(وعليه فتوی أكثرالفقهاء الخ)وقال أبوشجاع: هذاأحسن ماقيل فيه، وفی الولوالجية: وهوصحيح، بحر.وعليه مشی فی الوقاية ومتن المختار وشرحه، وقدمه فی متن الدررعلی القول الآخر، وظاهره ترجيحه، أيده صدرالشريعة بقوله: لظورالتوانی فی أحكام الشرع سيما فی إقامة الحدودفی الأمصار**''(ردالمحتار، باب الجمعۃ:۳/۵)(مقالہ مولانا عبیداللہ ندوی، مفتی محمد جمیل اختر جیلی ندوی، نیز دیکھئے مقالہ مفتی محمد سلطان قاسمی)۔

اقامت جمعہ کے لئے مصر کی شرط کے تعلق سے ائمہ کی آراء ودلائل:

۱- مذہب شافعی: امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ ایسے قریوں میں جمعہ ناجائز ہے جن کے باشندے گرمی اور سردی میں کہیں اور منتقل ہوجاتے ہیں، ان کے سوا ایسی تمام بستیوں میں جمعہ کی نماز ہوسکتی ہے جس میں چالیس یا اس سے زیادہ عاقل، بالغ، آزاد مرد موجود ہوں، ان کے دلائل یہ ہیں:

الف: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے: ''**إن أول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول اللهﷺ فی مسجد عبد القيس بجُواثیٰ من البحرين**'' (بخاری رقم:۲۹۸، کتاب الجمعۃ، باب الجمعۃ فی القری والمدن) (مدینہ کی مسجد (مسجد نبوی) کے بعد پہلا جمعہ جو پڑھا گیا وہ بحرین کے ایک قریہ ''جُواثی،، میں مسجد عبدالقیس میں پڑھا گیا تھا)۔

ب: حضرت عمرؓ نے اہل بحرین کے ایک استفسار کے جواب میں تحریر فرمایا: ''**أقيموا الجمعة حيث كنتم**'' (فتاوی ابن تیمیہ ۲۴/۱۶۷، صحیح ابن خزیمہ) (جمعہ قائم کرو جہاں کہیں بھی ہو)۔

ج: عبدالرزاق نے مصنف میں صحیح سند سے روایت کیا ہے: ''**أن ابن عمرؓ كان يرى أهل المياه بين مكة والمدينة يجمعون فلا يعتب عليهم**'' (مصنف عبدالرزاق رقم:۵۸۱۵) (حضرت عبداللہ بن عمرؓ مکہ اور مدینہ کے درمیان پانی کے پاس رہنے والے لوگوں کو دیکھتے تھے کہ وہ جمعہ قائم کرتے ہیں، لیکن وہ ان پر عتاب (سرزنش) نہیں فرماتے تھے)۔

د: نماز جمعہ اس زمانہ میں ان مسائل میں سے تھی جس میں صحابہ کرامؓ اجتہاد نہیں کرتے تھے، بلکہ حضور ﷺ کے حکم سے کرتے تھے۔

ھ: ''**عن الليث بن سعد أن أهل مصر وسواحلها كانوا يجمعون على عهد عمر وعثمان بأمرهما وفيها رجال من الصحابة**'' (بیہقی ۷/۱۷۸، نیل الاوطار ۳/۲۶۶) (حضرت لیث بن سعد سے روایت ہے کہ اہل مصر اور اس کے سواحل پر آباد لوگ حضرت عمرؓ اور عثمانؓ کے دور میں ان کے حکم سے جمعہ قائم کرتے تھے، حالانکہ اس میں صحابہ کرامؓ میں سے کئی حضرات صحابہ ہوتے تھے)، معلوم ہوا کہ قریہ (گاؤں) میں اقامت جمعہ جائز ہے اگر صحیح نہ ہوتا تو صحابہ میں کوئی اس پر نکیر ضرور فرماتے۔

۲- مذہب حنبلی: امام احمدؒ کا مسلک امام شافعیؒ سے ملتا جلتا ہے، اور ان کے دالائل بھی وہی ہیں جو امام شافعیؒ کے ہیں۔

۳- مذہب مالکی: امام مالکؒ کے نزدیک جمعہ کی نماز ہر ایسے قریہ میں ہوسکتی ہے جس کی آبادی مستقل ہو، خواہ اس کی آبادی چالیس مردوں سے بھی کم ہو، البتہ بارہ سے کم نہیں ہونی چاہئے (حاشیۃ الدسوقی ۱/۳۷۶، الشرح الصغیر ۱/۱۷۷)۔

دلیل: "وإذا رأوا تجارة أو لهوا انفضوا إليها وتركوك قائما" (جمعۃ:۱۱) (اور (بعض لوگوں نے) جب کبھی ایک سودے یا تماشے کی چیز کو دیکھا تو اس کی طرف دوڑتے ہوئے بکھرے اور آپ (ﷺ) کو کھڑا ہی چھوڑ دیا)، (ماجدی)۔

وجہ دلالت: سارے لوگ آپ ﷺ کو چھوڑ کر چلے گئے تھے صرف بارہ پختہ اور راسخ صحابہ کرامؓ ہی بچے تھے، جانے والے واپس آئے تھے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، اور صحیح یہ ہے کہ نہیں آئے تھے۔

مذہب حنفی: امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ جمعہ صرف مصر (شہر) ہی میں قائم کیا جاسکتا ہے، دیہات میں اقامت جمعہ جائز نہیں ہے، الا یہ کہ وہ قریہ کبیرہ ہو۔

الف: احناف نے جمعہ کے لئے جو مصر جامع کی شرط لگائی ہے اس کے حق میں ان کا استدلال اس روایت سے ہے: "لاجمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع" (مصنف ابن ابی شیبہ رقم:۵۰۹۸-۵۱۰۶، مصنف عبد الرزاق رقم: ۵۱۷۷، سنن کبری للبیہقی ۳/۱۷۹، کنز العمال ۸/۲۷۰ رقم:۲۳۳۱)، (جمعہ اور عیدین مصر جامع کے سوا اور کہیں نہ پڑھی جائیں)۔

ب: نیز جو حضرت علیؓ سے منقول ہے: "لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع" (مصنف ابن ابی شیبہ رقم:۵۰۹۹)، لیکن دونوں (ابن ابی شیبہ، عبد الرزاق) نے اسے حضرت علیؓ کے قول کی حیثیت سے ہی نقل کیا ہے، نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب نہیں کیا ہے، نیز اس حدیث کو امام احمد نے مرفوعا ضعیف مانا ہے اور ابن حزم نے موقوفا صحیح مانا ہے (دیکھئے: نیل الاوطار ۳/۱۹۸) (جمعہ، تشریق، عید الفطر اور عید الاضحیٰ مصر جامع کے سوا اور کہیں نہ پڑھی جائیں)۔

ج: نیز وہ اس سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے جب ممالک فتح کئے تو دیہات میں کہیں بھی منبر نصب نہیں کئے، یہ گویا جمعہ کے لئے مصر کے شرط ہونے پر صحابہ کا اجماع ہے۔

د: جب حجاج بن یوسف نے اہواز میں جمعہ قائم کیا تو امام حسن بصریؒ نے فرمایا: "لعن الحجاج يترك الجمعة في الأمصار ويقيمها في حلاقيم البلاد" (احکام القرآن ۵/۳۳۸) (خدا کی لعنت ہو حجاج پر، یہ شہروں کو چھوڑ کر ملک کے گوشوں میں جمعہ قائم کرتا ہے)۔

خلاصہ یہ کہ احناف کے نزدیک مصر کی شرط ہے اور بقیہ ائمہ کے نزدیک مصر کی شرط نہیں ہے، ان کے یہاں اقامت جمعہ کے مسئلہ میں مصر اور قریہ دونوں برابر ہیں (مولانا عبید اللہ ندوی، نیز دیکھئے مقالہ مفتی جمیل اختر جلیلی ندوی، مفتی روح الامین مظاہری، مفتی محمد شاہ جہاں ندوی، مفتی محمد سلطان قاسمی وغیرہ)۔

مذکورہ بالا تمہید کے بعد اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاران کی تین رائیں پائی جارہی ہیں:

پہلی رائے یہ ہے کہ مصر کی نئی تعریف کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہورہی ہے، اس لئے مصر کی کوئی ایسی تعریف کرنا کہ اس کا دائرہ اس حد تک وسیع ہوجائے کہ چھوٹے چھوٹے دیہات جہاں مدنیت واجتماعیت کا عنصر مفقود ہو وہ اس میں شامل ہوجائے یہ عرف کے مفہوم کے بالکل مغایر ہے، اور خلاف واقعہ ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہے (مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی محمد مقصود فرقانی، مفتی محمد تبریز حلیمی اور مفتی اسعد بن مولانا عبدالرزاق پالنپوری)۔

دوسری رائے ہے کہ ہر ایسی جگہ جمعہ کا قیام درست ہے جہاں مسلمانوں کی جماعت ہو اور لوگوں کا اجتماع ہو (ڈاکٹر مفتی کلیم اللہ عمری مدنی، مفتی محمد صادق محی الدین فہیم نظامی، مولانا محمد مصطفیٰ آواپوری)۔

جبکہ تیسری رائے جو بیشتر مقالہ نگاران کی ہے، جہاں انہوں نے قدرے فرق کے ساتھ اور چند شرائط کے ساتھ یہ تعریف کی ہے کہ شہر، قصبات اور قریہ کبیرہ یا وہ آبادی جہاں بنیادی ضرورتوں کی چیزیں بہ سہولت ملتی ہوں اور وہاں تمدن و اجتماعیت کا اثر موجود ہو وہ مصر کے حکم میں ہے اور وہاں جمعہ درست ہے (مفتی محمد شاہ جہاں ندوی، مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا صابر حسین ندوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا جنید احمد قاسمی، مولانا ابو معاویہ ندوی قاسمی، مفتی ارشاد پالنپوری، مفتی راسخ الاسلام قاسمی، مفتی ابرار خان ندوی، مولانا عبدالتواب اناوی، مولانا ارشد عطاء اللہ غوری، مولانا اکرم سعادتی، مولانا مظاہر حسین قاسمی، مولانا سیف الرحمٰن، مفتی محمد شفیق بڑودوی، مولانا سلمان بن سلیمان ندوی، مفتی حبیب اللہ نعمانی، مفتی عبدالسلام قاسمی وغیرہ)۔

مقالہ نگار نے مصر کی مزید کچھ تعریفیں ذکر کی ہیں جو درج ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

☆ ہر وہ آبادی جس کی مردم شماری تین ہزار ہو یا تین ہزار سے کم ہو، لیکن وہاں روزمرہ کی ضروریات کی تکمیل کے لئے بازار بھی ہو جس کی بناء پر وہ علاقے واطراف میں مرکزی حیثیت حاصل کرلے (مولانا عبدالاحد قاسمی، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی عارف باللہ قاسمی)۔

☆ مصر وہ ہے جہاں کی سب سے بڑی مسجد میں اگر سب باشندے جمع ہوں تو اس میں سما نہ سکیں، یہ امام ابو یوسف کا ہی قول ہے، اس کو ابن شجاع نے پسند کیا ہے اور امام ابو عبداللہ بلخی نے بھی اس کو اختیار کیا ہے، بیشتر فقہاء حنفیہ نے اسی

کے مطابق فتوی صادر کیا ہے اور احتیاط اسی میں ہے (مفتی عبید اللہ ندوی، مفتی مصطفیٰ عبد القدوس ندوی، مفتی انور علی اعظمی، مفتی محمد زبیر ندوی، مولانا روح الامین مظاہری، مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی، مفتی جنید محمد پالنپوری، مفتی رضی احمد رحمانی، مولانا صالح زماں ازہری، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا جلال الدین چودھری، ڈاکٹر اسرار الحق سبیلی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا محمد سیف اللہ قاسمی، مفتی ابوبکر قاسمی)۔

☆ (اس قول میں تیسیر ہے، اور یہ اشبہ بالفقہ ہے) (مفتی ابوبکر قاسمی)۔

☆ مصر سے مراد وہ جگہ ہے، جہاں مرافق الدین والدنیا موجود ہوں (مفتی جمیل اختر جلیلی ندوی)۔

☆ ایسی بستی جہاں مسجد کی عمارت ہو اور وہاں پنج وقتہ نمازیں پابندی سے ادا کی جاتی ہوں اور چالیس مصلی کی تعداد موجود ہو وہاں جمعہ قائم کرنا درست ہے (مفتی محمد اشرف قاسمی، مولانا ممتاز خان ندوی، مفتی شہاب کوثری وغیرہ)۔

☆ جو گاؤں عرفاً بڑا سمجھا جائے، اس میں جمعہ قائم کرنا جائز اور جو عرفاً چھوٹا سمجھا جائے وہاں قیام جمعہ درست نہیں ہے (مولانا شاکر نثار مدنی اعظمی، مفتی جنید محمد پالنپوری، قاضی عبد الجبار طیب ندوی)۔

☆ روزمرہ کی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لئے کچھ دکانوں پر مشتمل ایک بازار، متعدد گلی کوچے، ایک مکتب اور کم سے کم تین مساجد ہوں جہاں نماز باجماعت ہوتی ہو (مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی عثمان بستوی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی عبد الغفار قاسمی، مولانا محمد انور حسین مدنی)۔

☆ موجودہ حالات میں جہاں قیام جمعہ کی غرض ومقصد کی بجا آوری ممکن ہو وہاں کے گاؤں مصر کے حکم میں ہوگا (قاضی محمد حسن ندوی)۔

☆ جہاں ایک ہزار کی آبادی ہو وہاں جمعہ قائم کرنا درست ہے (مفتی فضل الرحمٰن اصلاحی قاسمی)۔

☆ مصر جامع اور قریہ کبیرہ کے لئے یک گونہ تمدن، مرکزیت اور عرف میں مرجع ومرکز کی حیثیت سے مسلم ہونا ضروری ہے، اس سے کم پر مصر یا قریہ کا اطلاق درست نہیں ہے (مفتی حبیب اللہ نعمانی)۔

☆ ایسی بستی جہاں پچاس آدمی رہتے ہوں اور جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے وقت اتنے لوگ جمع ہو جائیں جن کو جماعت کہا جا سکے، مصر قرار دیتے ہوئے صحت جمعہ کی اجازت دی ہے (مفتی محمد اسجد دیولوی)۔

آج کل کے حالات کے پیش نظر بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ اکبر مساجد کی تعریف کو راجح قرار دیا جا سکتا ہے، تاکہ مصر کے اطلاق کا دائرہ وسیع ہو جائے، جیسا کہ مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی تحریر فرماتے ہیں:

''شہر (مصر) سے کیا مراد ہے؟ یہ حدیث میں متعین نہیں ہے، فقہاء نے اپنے ذوق ومزاج اور اپنے عہد کے عرف کو ملحوظ رکھتے ہوئے مصر کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی ہے، اور اس میں خاصا اختلاف ہے، فقہاء کے نزدیک شہر کا جو مفہوم

راجح ہے وہ یہ ہے کہ اگر اس جگہ کے تمام لوگ وہاں کی بڑی مسجد میں جمع ہوجائیں تو مسجد نا کافی ہوجائے، یہ شہر کا ایسا مفہوم ہے کہ اس کے اعتبار سے شہر کا دائرہ بہت وسیع ہوجاتا ہے اور ضرورت اس وقت یہی ہے کہ شہر کا ایسا مفہوم متعین ہو کہ زیادہ سے زیادہ مقامات پر نماز جمعہ کی گنجائش نکل آئے، کیونکہ جمعہ نہ صرف ایک عبادت ہے، بلکہ یہ تذکیر وموعظت کا بھی بہترین موقعہ ہے اور بعض علاقوں میں جمعہ کی وجہ سے اسلام سے اپنی وابستگی محسوس کرتے ہیں'' (کتاب الفتاوی: ۳/ ۳۷، ط: نعیمیہ، دیوبند) (مفتی اقبال محمد ٹنکاروی)۔

پہلی رائے کے حاملین کے دلائل:

آیت قرآنی: ''**یأیها الذین آمنوا إذا نودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعوا إلی ذکر الله و ذروا البیع**'' (الجمعۃ:۹)۔

اس آیت کی رو سے جس طرح جمعہ کی فرضیت ثابت ہوتی ہے، اسی طرح آیت میں وارد کلمات کے اشارات اور احادیث وآثار صحابہ کی تصریحات سے یہ بات بھی بلا اختلاف مسلم ہے کہ جمعہ کی نماز صلواتِ خمسہ کی طرح نہیں ہے کہ اس کی ادائیگی انفراداً واجتماعاً، اداء وقضاء اور ہر جگہ صحیح ہوجائے اور مرد وعورت، مقیم مسافر آزاد وغلام سب پر واجب قرار پائے، بلکہ اس کے لئے کچھ خصوصی شرائط ہیں جو دوسری عام نمازوں کے لئے نہیں ہیں، چنانچہ اس آیت کے تحت فقیہ ابوبکر جصاص رازیؒ نے تحریر فرمایا ہے:

''**اتفق فقهاء الأمصار علی أن الجمعة مخصوصة بموضع لایجوز فعلها فی غیره لأنهم مجمعون علی أن الجمعه لا یجوز فی البوادی ومناهل الأعراب**'' (احکام القرآن للجصاص ۳/ ۶۶۶، الجمعۃ)۔

شیخ ولی اللہ محدث دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں: ''**وقد تلقت الأمة تلقیا معنویا من غیر تلقی لفظ أنه تشترط فی الجمعة الجماعة ونوع من التمدن ، وکان النبی ﷺ وخلفاء ه وأصحابه رضی الله عنهم والأئمة المجتهدو ن رحمهم الله تعالیٰ یجتمعون فی البلدان ولایؤاخذون أهل البدو، بل ولایقام فی عهدهم فی البدوففهموا من ذلک قرنا بعد قرن عصرا بعد عصر أنه تشترط لها الجماعة والتمدن، أقول: وذلک لأنه لما کان حقیقة الجمعة إشاعة الدین فی البلد ،وجب أن ینظر إلی تمدن وجماعة**'' (حجۃ اللہ البالغۃ الجمعۃ فی البلدان ۲/ ۷۶)۔

یعنی جمعہ کے لئے ایک قسم کی شہریت اور جماعت بالاتفاق شرط ہے، حضور اکرم ﷺ اور خلفاء اور مجتہدین نے بلدان میں جمعہ قائم کیا ہے، بوادی میں قائم نہیں کیا جس سے ہر زمانہ کے لوگوں نے سمجھا ہے کہ جمعہ کے لئے جماعت اور تمدن

شرط ہے اور یہ اس لئے کہ جمعہ کی حقیقت وغایت اشاعۃ الدین فی البلدان ہے، لہٰذا جماعت اور تمدن کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ ائمہ اربعہ اور محدثین میں سے کسی کے نزدیک بھی میدان اور جنگل میں آبادی سے دور جمعہ جائز نہیں ہے: ''**لاتقوم الجمعة فی المفازة عند الأربعة**'' (البنایہ للعینی باب الجمعۃ ۱/۱۰۰۰)۔

علامہ ابن قیم حنبلیؒ فرماتے ہیں: ''**(الحادية والعشرون من خصائص يوم الجمعة) أن فيه صلوة الجمعة التى خصت من بين سائر الصلوات المفروضة بخصائص لاتوجد فى غيرها من الاجتماع والعدد المخصوص واشتراط الإقامة والاستيطان**'' (زاد المعاد لابن قیم، فصل فی ھدیہ صلی اللہ علیہ وسلم فی تعظیم یوم الجمعۃ ص ۱۵۰)۔

ائمہ اربعہ کی تصریحات:

باتفاق فقہاء جمعہ سے متعلق آیت بالا اپنے اطلاق وعموم پر نہیں ہے، اسی لئے ائمہ اربعہ کے نزدیک جس طرح جمعہ کی فرضیت سے خواتین، غلام ومسافر مستثنیٰ ہیں اسی طرح جگہ کے اعتبار سے بھی بعض قیودات ہیں اور بعض مقامات اس سے مستثنیٰ ہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے کہ مطلقاً اقامت جمعہ ہر جگہ جائز قرار دیا گیا ہو، چنانچہ ائمہ اربعہ کے مسلک کی تصریحات ملاحظہ ہوں اس تلخیص کے صفحہ ۳، ۴ پر۔

حنفیہ کا مسلک معروف ومشہور ہے: ''**لا تصح الجمعة إلا فى مصر جامع أومصلى المصر**'' (ھدایہ ۱/ ۱۶۸ باب صلوٰۃ الجمعۃ)۔

خلاصہ یہ ہے کہ مطلقا جمعہ کا قیام بلا شرائط کسی کے نزدیک نہیں ہے، البتہ شرائط کی نوعیت میں فقہاء کا اختلاف چلا آرہا ہے، احناف کے مسلک میں صحت جمعہ کے لئے مندرجہ ذیل سات شرائط ہیں: (۱) شہر، قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا۔ (۲) حاکم یا اس کا قائم مقام ہونا۔ (۳) ظہر کا وقت پایا جانا۔ (۴) خطبہ کا ہونا۔ (۵) خطبہ کا جمعہ سے پہلے ہونا۔ (۶) کم از کم ۳/مردوں کا جمعہ کی جماعت میں شامل ہونا۔ (۷) جمعہ کی شرکت کی عام اجازت ہونا (الدر المختار مع رد المحتار ۳/ ۵-۲۵) (مفتی اقبال احمد قاسمی کانپور)۔

دوسری رائے کے حاملین کے دلائل:

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**يأيها الذين آمنوا إذا نودى للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله و ذروا البيع ذلكم خير لكم إن كنتم تعلمون**'' (سورہ جمعہ: ۹)۔

☆ حضرت طارق بن شہابؓ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: ''**الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة إلا أربعة: عبد مملوک أو امرأة أو صبی أو مریض**'' (صحیح سنن ابی داؤد:۱/ ۲۹۴۔۹۷۸)۔
(جماعت کے ساتھ جمعہ کا قائم کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے، البتہ غلام، عورت، بچہ اور بیمار اس سے مستثنیٰ ہیں)۔

☆ نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے وقت قباء سے مدینہ جاتے ہوئے بنی سالم کے وادی (رانونا ء) میں نماز جمعہ ادا فرمائی (فتح الباری:۱۱/ ۲۳۶) اور یہ ہجرت کے بعد سب سے پہلا جمعہ تھا (تلخیص الحبیر :۲/ ۵۴، زاد المعاد:۳/ ۳۷۳)۔

☆ نیز آپ ﷺ کے دور میں مسجد نبوی میں جمعہ کے قیام کے بعد سب سے پہلا جمعہ بحرین کے علاقہ جواثی گاؤں میں واقع مسجد عبد القیس میں قائم کیا گیا تھا (صحیح بخاری:۲/ ۳۷۹، (۸۹۲)، کتاب الجمعۃ، باب الجمعۃ فی القری والمدن، فتح الباری:۲/ ۳۸۰)۔

☆ نماز جمعہ گاؤں، دیہات اور شہروں میں مقیم، صحت مند، مسلمان، عاقل و بالغ، آزاد مردوں پر فرض ہے، جمعہ کی فرضیت کے لئے اسلام کے ساتھ صرف یہ شروط وقیود ہیں:

۱۔ جماعت میں دو یا دو سے زائد بالغ مردوں کی حاضری۔

۲۔ ذکورۃ یعنی مرد ہونا، عورت پر جمعہ فرض نہیں ہے۔

۳۔ مقیم ہونا۔

۴۔ آزاد پر جمعہ فرض ہے۔

۵۔ بیمار نہ ہونا ورنہ مریض پر جمعہ فرض نہیں ہے۔

۶۔ آبادی ہو، خواہ وہ شہر ہو یا آبادی، گاؤں ہو یا قصبہ اور شہر، ایسے آبادیوں میں جمعہ قائم کرنا فرض ہے، قرآن وحدیث میں جمعہ کی فرضیت یا جواز کے لیے شہر (مصر جامع) کی شرط یا قید ہرگز ثابت نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس گاؤں میں نماز جمعہ پڑھنا ثابت ہے، نبی کریم ﷺ کا ہجرت کے موقع پر بنو سالم بن عوف کے گاؤں میں جمعہ قائم کرنا ثابت ہے، نیز حضرت عمر فاروقؓ سے مروی ہے کہ اہل بحرین نے جمعہ قائم کرنے کی اجازت طلب کی تو آپؓ نے جوابی خط میں لکھا: ''**عن عمرؓ أنه کتب إلی أهل البحرین أن جمعوا حیث کنتم' وقال الحافظ وهذا یشمل المدن و القری، و عن ابن عمرؓ أنه کان یری أهل المیاه بین مکة والمدینة یجمعون فلا یعیب علیهم**'' (فتح الباری: ۲/ ۳۸۰، مصنف ابن ابی شیبۃ ۲/ ۱۱)۔

(تم جہاں بھی رہو جمعہ قائم کرو، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ شہر اور دیہات دونوں کو شامل ہے، حضرت ابن عمرؓ

مکہ اور مدینہ کے درمیان پانی کے چشموں کے پاس رہنے والوں کو دیکھتے تھے کہ وہ جمعہ پڑھتے ہیں، اور وہ انہیں منع نہیں کرتے تھے (ان پر عیب نہیں لگاتے تھے)۔

☆ فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن بازؒ نے فرمایا: ''**أقل عدد تجب عليه الجمعة ثلاثة فی أصح أقوال أهل العلم، فإذا كانوا فی قرية متوطنين وجبت عليهم الجمعة و لايجوز لهم أن يصلوا ظهرا**'' (**نور علی الدرب ، مشروعة إقامة الجمعة فی القری الصغيرة و إن كانوا ثلاثة ..**)۔

(یعنی علماء کے اقوال میں سے صحیح قول کے مطابق کم سے کم تین افراد بھی ہوں تو ان پر بھی جمعہ واجب ہے، جب وہ کسی قریہ میں مقیم ہوں تو نماز ظہر ادا کرنے کی بجائے ان پر جمعہ قائم کرنا واجب ہے)۔

☆ فضیلۃ الشیخ ابن عثیمینؒ نے فرمایا: **الجمعة يصح أن تقام بالقری و لا يشترط أن يكون بالأمصار لأن اشتراط أن تكون بالأمصار ليس له دليل لا من كتاب و لا من سنة رسوله ﷺ و ما لادليل له فإنه ليس بشیء**'' **وقال النبی ﷺ كل شرط ليس فی كتاب الله فهو باطل و إن كان مائة شرط ، وهؤلاء الذين فی القری مستوطنين ، هؤلاء مخاطبون فی قوله يأيها الذين آمنوا إذا نودی للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلی ذكر الله وذروا البيع ذلكم خير لكم إن كنتم تعلمون**''(سورۂ جمعہ:۹)۔

''**فيجب عليهم إقامة الجمعة فی أماكنهم**'' (مجموع فتاوی ورسائل الشیخ محمد صالح العثیمین) (المجلد السادس عشر۔ باب صلاۃ الجمعۃ) (ڈاکٹر کلیم اللہ عمری)۔

☆ مفتی صادق محی الدین نظامی لکھتے ہیں:

اس تناظر میں دیگر فقہاء کی آراء کو سامنے رکھتے ہوئے ہر اس جگہ نماز جمعہ کی اقامت کی اجازت دی جانی چاہیے، جہاں لوگوں کا اجتماع ہو، لفظ جمعہ اسی سے مشتق ہے، جمعہ کو جمعہ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں زیادہ لوگ جمع ہوتے ہیں، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور ان سے جمعہ کی نماز کے بارے میں دریافت کیا، تو انہوں نے لکھا: ''تم جہاں کہیں ہوں جمع ہو جاؤ یعنی نماز جمعہ ادا کرو''، ابن ابی شیبہ نے اس کی تخریج کی ہے: ''**عن أبی هريرة أنهم كتبوا إلی عمر يسألونه عن الجمعة؟ فكتب: جمعوا حيثما كنتم**'' (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۰۱)۔

یہ روایت (معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ۵/۱۵) میں بھی مذکور ہے، بعد ازاں امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے درج ہے کہ جب

یہ حدیث پاک ہے تو اس کا معنی یہی ہوں گے تم کسی قریہ میں رہو اقامت جمعہ کے لئے جمع ہو جاؤ، اور اس روایت میں بحرین کا ذکر ہے جبکہ وہ قریہ ہے، امام احمد نے اس روایت کی اسناد کو حسن قرار دیا ہے، قال الشافعی: ''**إن كان هذا حديثا يعنى ثابتا ولا أدرى كيف هو فمعناه فى أى قرية كنتم ؛ لأن مقامهم فى البحرين إنما يكون فى القرى قال أحمد : وهذا الأثر إسناده حسن**''۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں اس حکم میں شہر و دیہات سب شامل ہیں، ''**وهذا يشمل المدن والقرى**'' (فتح الباری ۲/ ۳۸۰) (مفتی صادق محی الدین فہیم نظام)۔

تیسری رائے کے حاملین کے دلائل:

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ''**وذروا البيع**'' کا مفہوم ''عبارۃ النص'' کے طور پر یہ ہے کہ جمعہ کی اذان سننے کے بعد خرید و فروخت اور دیگر معاملات میں مشغول رہنا حرام ہے اور جمعہ کے لئے چل پڑنا اور اللہ تعالیٰ کی یاد کی طرف لپکنا ضروری ہے، جبکہ اس آیت کی ''اشارۃ النص'' کے طور پر یہ ہے کہ جمعہ کی نماز ایسی جگہ قائم کی جائے جہاں لوگوں کے لئے خرید و فروخت کے مواقع ہوں (مفتی محمد شاہ جہاں ندوی)۔

☆ عہد نبوی میں عام طور سے ایسی آبادی کو ہی شہر سمجھا جاتا تھا جہاں بنیادی سہولتیں میسر ہوتی تھیں، اور ان کی خرید و فروخت ہوتی تھیں (مفتی محمد شاہ جہاں ندوی)۔

☆ حضرت نافع حضرت عبداللہ بن عمر کے تعلق سے نقل کرتے ہیں: ''**كان ابن عمر يرى أهل المياه بين مكة و المدينة يجمعون ملا يعيب عليهم**'' (مصنف عبدالرزاق، حدیث نمبر: ۵۱۸۵) (مفتی محمد سلطان قاسمی، مولانا روح الامین مظاہری)۔

☆ عون المعبود میں ''**فيه جواز إقامة الجمعة فى القرى**'' (عون المعبود حدیث نمبر: ۱۰۶۸) (مولانا محمد قمر الزماں ندوی)۔

☆ فقہاء نے بھی مختلف ادوار میں اپنے اپنے زمانہ کے عرف کے لحاظ سے ''مصر'' کے دائرہ کو وسیع کرنے کی کوشش کی ہے، چنانچہ علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

''**وفى رواية: قال: إذا اجتمع فى قرية من لايسعهم مسجد واحد بنى لهم الإمام جامعاً و نصب لهم من يصلى بهم الجمعة و فى رواية: لو كان فى القرية عشرة آلاف أو أكثر أمرهم بإقامة**

الجمعة فيها، و قال بعض أصحابنا: المصر الجامع ما يتعيش فيه كل محترف بحرفته من سنة إلى سنة من غير أن يحتاج إلى الانتقال إلى حرفة أخرى۔

و عن أبى عبد الله البلخى أنه قال: أحسن ما قيل فيه: إذا كانوا بحال لو اجتمعوا فى أكبر مساجدهم لم يسعهم ذلک، حتى احتاجوا إلى بناء مسجد الجمعة، فهذا مصر تقام فيه الجمعة و قال سفيان الثورى: المصر الجامع ما يعده الناس مصرا عند ذكر الأمصار المطلقة" (بدائع الصنائع باب الجمعۃ ۱/ ۲۵۹، ۲۶۰)(مفتی محمد شاہ جہاں ندوی)۔

☆ علامہ ابن نجیم تحریر فرماتے ہیں:

"**وعن أبى يوسف أنه ما إذا اجتمعوا فى أكبر مساجدهم للصلوات الخمس لم يسعهم، و عليه فتوى أكثر الفقهاء و قال ابو شجاع: هذا أحسن ما قيل فيه، و فى الولواجبة: وهو الصحيح**" (البحر الرائق کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ ۲/ ۱۵۲)(مفتی محمد شاہ جہاں ندوی، مفتی محمد زبیر ندوی)۔

اقامت جمعہ فی القری کے قائل اکابرین:

ہندوستان کے کئی جلیل القدر علماء ومحدثین نے جمعہ فی القری کی اجازت دی ہے، بلکہ بعضوں نے تو "مصر جامع" کی شرط پر سخت تنقید کی ہے، انھیں مجوزین میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مولانا عبد العلی فرنگی محلی، مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد (نائب امیر شریعت بہار واڑیسہ وجھارکھنڈ)، مولانا محمد امین حسنی نصیر آبادی وغیرہم ہیں، نیز مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا رجحان بھی یہی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:" **أقول :وذلک لأنه لما كان حقيقةالجمعةإشاعة الدين فى البلد،وجب أن ينظر إلى تمدن وجماعة،والأصح عندى أنه يكفى أقل مايقال فيه القريةلما روى من طرق شتى يقوى بعضها بعضا"خمسة لا جمعة عليهم،،وعدّ منهم أهل البادية،قال ﷺ:الجمعة على الخمسين رجلا،،أقول: الخمسون يتقرّىٰ بهم قرية،وقال ﷺ:الجمعة واجبة على كل قريه**" (حجۃ اللہ البالغۃ ۲/ ۱۱۵)، (میں کہتا ہوں: اور وہ بات (یعنی جمعہ کے لئے جماعت اور آبادی کی شرط) اس لئے ہے کہ جمعہ کی حقیقت (غرض) شہر میں اشاعت دین ہے، تو ضروری ہوا کہ تمدن اور جماعت پر نظر کی جائے، اور میرے نزدیک اصح یہ ہے کہ کم سے کم جس کو قریہ (گاؤں) کہنا صحیح ہو، بس یہ کافی ہے، اس لئے کہ متعدد طرق (مختلف اسانید) - جو ایک دوسرے کو تقویت

دیتے ہیں- سے روایت ہے کہ: پانچ لوگوں پر جمعہ واجب نہیں ہے،،اوران میں اہل بادیہ (بادیہ نشینوں) کو بھی شمار کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: جمعہ پچاس مردوں پر فرض ہے،، میں کہتا ہوں: کہ پچاس لوگوں سے (کوئی بھی جگہ) قریہ بن جاتی ہے،اور آپ ﷺ نے فرمایا: جمعہ ہر قریہ (گاؤں) پر واجب ہے) (مولانا عبیداللہ ندوی، قاری ظفر الاسلام صدیقی، مولانا عارف باللہ قاسمی، مولانا روح الامین مظاہری، مفتی محمد اسجد دیولہ وغیرہ)۔

☆ مصفیٰ میں ہے: ''پس نماز جمعہ دو رکعت است در وقت ظہر با جماعت عظیمہ از مسلمین در قریہ یا در شہر'' (مصفیٰ، کتاب الصلاۃ، باب التشدید علی من ترک الجمعۃ بغیر عذر ۱/ ۳۰۰)۔

نیز مصفی ہی میں لکھتے ہیں: ''**فالعمران الذی یطلق علیه–عرفا–اسم القریةتجب علیهم الجمعة سواء کانوا مأة أو أزید،وقد جاء فی بعض الأحادیث ذکر خمسین شخصا عاقلا بالغاحرا کأقل عدد لذلک**'' (المصفیٰ ۱۰۳/۱، مترجم: مولانا سید سلمان الحسینی الندوی) (وہ آبادی جس پر عرفاً قریہ کا اطلاق ہوتا ہو ان پر جمعہ واجب ہے، چاہے وہ سو کی تعداد میں ہوں یا زیادہ، اور بعض احادیث میں اس کی کم سے کم تعداد کے طور پر پچاس عاقل، بالغ، آزاد شخص کا ذکر آیا ہے)۔

نوٹ: یہ شاہ صاحبؒ کا صاف اور صریح موقف ہے جو میں نے یہاں ان کی تین کتابوں (مصفیٰ فارسی، مصفیٰ مترجم عربی اور حجۃ اللہ البالغۃ) سے نقل کی ہے، مگر خدا بہتر جانے کب، کیسے، کہاں سے، کس سے یہ سہو ہوا کہ ''فتاوی محمودیہ،، جلد نہم، مطبوعہ زکریا بکڈپو دیوبند، ص: ۱۴۱، پر شاہ صاحبؒ کی حجۃ اللہ کی اسی عبارت سے جمعہ فی القری کے عدم جواز کا استدلال کیا گیا ہے اور عبارت'' اِلی جماعۃ وتمدنٍ،، تک ہی نقل کی گئی ہے، جو کسی طور صحیح نہیں ہے، اگر شاہ صاحبؒ کی رائے عدم جواز کی ہی ہوتی تو بظاہر مفتی سعید احمد صاحبؒ پالنپوری کو رحمۃ اللہ الواسعۃ میں مسلک حنفی کی وضاحت کی ضرورت قطعاً نہ ہوتی، نیز مولانا ابو المحاسن سجادؒ اسی عبارت کا حوالہ دیکر اقامت جمعہ فی القری کے جواز کا فتوی نہ دیتے، واللہ اعلم (مولانا عبیداللہ ندوی وغیرہ)۔

☆ مولانا ابو المحاسن محمد سجادؒ لکھتے ہیں: ''ہمارے نزدیک جس گاؤں میں مسلمانوں مستقل آبادی ہو اور جماعت کے لئے بالغ مرد کافی ہوں وہاں نماز جمعہ ہوسکتی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ بھی اس کے قائل ہیں، صرف وہ یہ فرماتے ہیں کہ چالیس مسلمان وہاں موجود ہوں تو جمعہ پڑھنا چاہئے، حجۃ اللہ البالغۃ وغیرہ میں انہوں نے بوضاحت لکھا ہے'' (فتاوی امارت شرعیہ ۱/ ۳۵)۔

☆ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں: '' تاہم ہندوستان وغیرہ کے موجودہ حالات میں، کہ بعض علاقوں

میں جمعہ ہی سے مسلمانوں کی شناخت رہ گئی ہے اور اسی کے ذریعہ نماز اور اسلام سے لوگ اپنی وابستگی کا احساس کرتے ہیں، ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ آراء وخیالات کے ان اختلافات سے فائدہ اٹھا کر شہر کے مفہوم میں جس قدر توسع ممکن ہو پیدا کی جائے، کہ جمعہ محض ایک عبادت ہی نہیں، تذکیر ودعوت بھی ہے، مسلمانوں کی اجتماعیت کا اظہار بھی ہے اور اسلام کا ایک شعار بھی'' (قاموس الفقہ ۳/ ۱۲۷)۔

☆ مولانا امین احمد نصیر آبادیؒ لکھتے ہیں: ''نماز جمعہ مثل نماز پنج گانہ کے فرض ہے، جو شرطیں ان میں ہیں وہ اس میں ہے، فقط دو خطبوں کی زیادتی ہے، شہر ہو یا دیہات ہر جگہ بلا شرطِ شہر و بادشاہ یا اس کے نائب کے صحیح ہے'' (مجموعۃ الفتاوی ص: ۴۱۲)۔

☆ مولانا عبدالعلی فرنگی محلیؒ نے مصر کی تعریفات پر زبردست نقد کیا ہے اور اعتراضات قائم کئے ہیں اور یہ رجحان ظاہر کیا ہے کہ گاؤں میں جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: ارکان اربعہ ۱/ ۲۱۹۔۲۲۰) (مولانا عبید اللہ ندوی، مفتی راسخ الاسلام قاسمی وغیرہ)۔

مولانا عبدالعلی فرنگی محلی اور مفتی کفایت اللہ دہلوی کا موقف:

☆ مولانا عبدالعلی فرنگی محلی اپنی کتاب '' رسائل الارکان'' میں فرماتے ہیں:

''كان مطلع الأسرار أبى قدس سره يفتى بأن المصر موضع يندفع حاجة الإنسان الضرورية من الأكل بأن يكون هناك من يبيع طعاما والكسوة الضرورية وأن يكون هناك أهل حرف يحتاج إليهم كثيرا، ولاأدرى أهذا كله كان عن اجتهاده قدس سره أووجد رواية. واللّٰه اعلم'' (رسائل الأركان: ص ۱۱۴)۔

چنانچہ مولانا عبدالعلی صاحب فرنگی محلی نے اپنے والد مولانا ملا نظام الدین فرنگی محلی کے رجحان کو معیار قرار دیا کہ نماز جمعہ ہر اس جگہ صحیح ہے جہاں پر انسانوں کی بنیادی ضروریات خواہ کھانے پینے کی ہوں یا کپڑے وغیرہ کی پوری ہوسکے۔

☆ مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کفایت المفتی میں لکھتے ہیں: ''ایسا قریہ جس پر مصر کی کوئی تعریف بھی صادق آجائے مثلاً: **''مالايسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها''** اس میں اقامت جمعہ جائز ہے، اگر کوئی تعریف بھی صادق نہ آئے جب بھی اس مسئلے میں حنفیہ کیلئے مصالح عامہ اسلامیہ کے لحاظ سے شوافع کے مسلک پر عمل کر لینا جائز ہے (کفایت المفتی ۳/ ۲۱۷)۔

☆ دوسرے مقام پر مسلمانوں کو اتحاد کے ساتھ رہنے، آپس کے فروعی اختلافات کو نظر انداز کر کے مصالح مسلمین کی

رعایت کے ساتھ زندگی بسر کرنے پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''**قلت هذا إن كان غير موافق لما عليه الحنفية ولكنه أشد موافقة للمصالح الإسلامية الاجتماعية خصوصاً فی هذا القطر وفی هذا الزمان فإن أعداء الإسلام يظفرون بمقاصدهم المشومة فی قری لاتقام فيها الجمعة ويخيبون فی مواضع إقامة الجمعة والتوفيق من الله عزوجل وحفاظة الإسلام خير من الإصرار علی تركها والمسئلة مجتهد فيها**'' (کفایت المفتی ۳/ ۲۲۷) (مفتی سیف الاسلام اصلاحی)۔

☆ علامہ ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں:

''**والذی عليه الجمهور كمالک والشافعی و أحمد أن الجمعة تقام القری لأن فی الصحيح للبخاری عن ابن عباس رضی الله عنه أنه قال: أولی الجمعة جمعت فی الإسلام بعد جمعة المدينة، جمعة بجواثی، قرية من قری البحرين و كان ذلک علی عهد رسول الله صلی الله عليه وسلم حين قدم عليه وفد عبد القيس و كذلک عمر بن الخطاب كتب إلی المسلمين يأمرهم بالجمعة حيث كانوا و كان عبد اللّٰه بن عمر يمر بالمياه التی بين مكة و المدينة و هم يقيمون الجمعة فلا ينكر عليهم**'' (مجموعۃ فتاوی ابن تیمیہ الکبری ۱/ ۱۳۵) (مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا مصطفیٰ عبد القدوس ندوی)۔

☆ ''**سمعت عمر بن دينار يقول إذا اكان المسجد يجمع فيه الصلوة فلتصل فيه الجمعة**''

(مصنف عبد الرزاق باب القری الصغار ۳/ ۱۷۰، حدیث نمبر ۵۱۸۴) (مفتی محمد اشرف قاسمی)۔

☆ محققین احناف کی عبارتوں میں اقامت جمعہ فی القری کی گنجائش:

فتاوی عالمگیری میں ہے: ''**لو تعذر الاستئذان من الإمام فاجتمع الناس علی رجل يصلی بهم الجمعةجاز، كذا فی التهذيب**'' (فتاوی ہندی ۱/ ۱۴۱) (اگر مسلمانوں کو امام وقت سے اجازت لینے میں دشواری ہو اور لوگ کسی شخص پر متفق ہو کر اسے امام بنا دیں جو ان کو جمعہ پڑھائے تو جائز ہے، اسی طرح ''تہذیب'' میں ہے)۔

نیز اسی میں ہے: ''**بلاد عليها ولاة كفار ،يجوز للمسلمين إقامة الجمعة ،ويصير القاضی قاضيا بتراضی المسلمين ،ويجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما، كذا فی معراج الدراية**'' (حوالہ سابق) (ایسا ملک جس پر کفار کی حکومت ہو، اس میں مسلمانوں کے لئے جمعہ قائم کرنا جائز ہے، اور قاضی مسلمانوں کی تراضی (آپسی رضامندی) سے قاضی بن سکتا ہے، اور ان پر مسلمان والی تلاش کرنا واجب ہے،'' معراج الدرایۃ،، میں (مسئلہ) اسی طرح ہے)۔

حاشیہ شامی میں ہے:''**ولذا لومات الوالی أو لم یحضر لفتنة أو لم یوجد ممن له حق إقامة الجمعة ،نصب العامة لهم خطیبا للضرورة ،کما سیأتی مع أنه لا أمیر ولا قاضی ثمة**'' (ردالمحتار۲/ ۳،کتاب الصلاۃ،باب صلاۃ الجمعۃ)،(اوراسی لئے اگروالی (حاکم) مرگیا ہو، یا کسی فتنہ وفساد کی وجہ سے حاضر نہ ہو پایا، یا ایسا شخص نہ مل سکا جس کو اقامت جمعہ کا حق ہے،توعوام (مسلمانوں) کو چاہئے کہ ضرورت کی وجہ سے (آپس میں مشورہ کرکے) کسی کو خطیب مقرر کرلیں،جیسا کہ آگے آئے گا،حالانکہ اس جگہ نہ امیر ہے اور نہ قاضی)۔

حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:''**غلب علی المسلمین ولاۃ الکفار،یجوز للمسلمین إقامة الجمعة والأعیاد،ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین ،ویجب علیهم أن یلتمسوا والیا مسلما،انتهی ما فی مفتاح السعادة،کذا فی الطحطاوی**'' (طحطاوی علی مراقی الفلاح،کتاب الصلاۃ،باب الجمعۃ ۱/ ۷۰۵) (جب کفار مسلمانوں پر غالب ہوجائیں تو مسلمانوں کو چاہئے کہ نماز جمعہ وعیدین جاری وقائم رکھیں،اور قاضی مسلمانوں کی تراضی (آپسی رضامندی) سے قاضی بن سکتا ہے،اوران پر مسلمان والی تلاش کرنا واجب ہے،مفتاح السعادہ کی عبارت پوری ہوئی،اسی طرح طحطاوی میں ہے)(مولانا عبیداللہ ندوی وغیرہ)۔

☆ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی رائے:

قریه کبیره وصغیره عرف پر مبنی:

''**القریة والمصر من الأشیاء العرفیة التي لا تکاد تنضبط، وإن نص، ولذا ترک الفقهاء تعریف المصر علی العرف، کما ذکره في البدائع**'' (فیض الباري علی شرح البخاري،الجمعۃ:۲/ ۲۲۴)(مفتی شاکر نثار مدنی اعظمی)۔

☆ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی رائے:

شیخ محمد زکریا کاندھلویؒ نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے:

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب (۱۴۰۲ھ) علیہ الرحمہ نے لامع (۲/ ۱۰) میں مولانا رشید احمد گنگوہی (ت: ۱۳۲۳ھ) علیہ الرحمہ کی الکوکب کے حوالے سے لکھا: ''**لیس هذا کله تحدیدا له؛ بل إشارة إلی تعیینه وتقریب له إلی الأذهان، وحاصله إدارة الأمر علی رأي أهل کل زمان في عدّهم المعمورة مصرا، فما هو مصر في عرفهم جازت الصلاة فیه، وما لیس بمصر لم یجز فیه؛ إلا أن یکون فناء**

المصر..... إلى آخر ما بسط من أقوال الفقهاء في ذلک، فارجع إليه لوشئت تفصيل كلام الشيخ قدس سره، ولا ريب أن مدار القرية الكبيرة التى يقال لها في لساننا قصبه على العرف'' مذکورہ عبارت میں حضرت شیخ نے دو چیزوں کی طرف نشاندہی فرمائی ہے:

۱۔گزشتہ اوراق میں مصر کی جو تعریف ذکر کی گئی وہ علی سبیل التحدید نہیں ہے؛ بلکہ اذہان کو اس سے قریب کرنے کیلئے ایک تمثیل ذکر کی گئی ہے۔

۲۔قریہ کبیرہ وصغیرہ کی تعیین عرف وعادات پر چھوڑ دی گئی ہے (مفتی شاکر نثار مدنی اعظمی)۔

☆مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی کا فتوی:

اسی طرح مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی (ت: ۱۳۴۷ھ) علیہ الرحمہ عزیز الفتاوی میں ایک سوال کے جواب میں رقم طراز ہیں: ''یہ امر عرف پر چھوڑا گیا ہے کہ بڑا گاؤں کون سا ہے اور چھوٹا کونسا، پس جس کو اہل عرف بڑا گاؤں سمجھیں وہ بڑا ہے اور جس کو چھوٹا سمجھیں وہ چھوٹا ہے، محققین کی تحقیق یہ ہے کہ جو قریہ مثل چھوٹے قصبہ کے ہو مثلا تین چار ہزار آدمی اس میں آباد ہوں وہ قریہ کبیرہ ہے اور جو اس سے کم ہو وہ چھوٹا ہے'' (ص:۲۸۷) (مفتی شاکر نثار مدنی اعظمی)۔

☆ندوۃ العلماء لکھنو کا فتوی:

اس کی تائید دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو کے فتوی سے ہوتی ہے جو ایک استفتاء کے جواب میں ہے:

''اسی طرح مصر کی جو شرطیں ہیں وہ پوری طرح سے اگر نہیں پائی جائیں تو بڑی آبادی اور عام ضروریات کی چیزیں جہاں ملتی ہیں تو وہاں بھی جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے'' (مولانا ابرار خان ندوی)۔

☆حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی کی تطبیق:

مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی لکھتے ہیں: ''**لاجمعة و لاتشری**'' حنفیہ نے اس میں ''لا'' سے نفیِ صحت مراد لی ہے مگر متحمل ہے کہ نفی وجوب مراد ہو، مزید لکھتے ہیں کہ شرطیت مصر وجوب جمعہ کے لئے تو صحیح ہے، لیکن جواز کے لئے بھی ہو یہ میں نہیں سمجھ سکا''۔

مفتی کفایت اللہ صاحب کے مذکورہ موقف کے مطابق ان تمام روایات اور واقعات کی تطبیق ہو جاتی ہے جن میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے زمانہ میں بہت سے دیہات میں نماز جمعہ کا قائم کرنا ثابت نہیں، کیونکہ عدم ثبوت سے عدم وجوب کا حکم ثابت ہوتا ہے نہ کہ عدم صحت کا، اور جن روایات سے ثبوت ملتا ہے وہ صحت کو ثابت کرتی ہیں، اور کوئی صحیح وصریح

مرفوع حدیث ایسی موجود نہیں جس میں نبی کریم ﷺ نے گاؤں میں جمعہ کی صحت کی نفی فرمائی ہو، اس صورت میں "لا جمعه الخ" کا مطلب یہ ہوگا "لایجب الجمعة إلا فی مصر جامع" (مفتی محمد سلطان قاسمی)۔

☆مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ کا فتوی:

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی (۱۴۱۷ھ) علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں: "قریہ اور شہر کی تعریف میں عرف کے اعتبار سے تغیر ہوتا رہتا ہے؛ اس لیے کہ ماہیت کی تعریف تو مقصود نہیں ہے، آثار وعلامات کے اعتبار سے تعریف کی جاتی ہے جس سے دونوں میں فی الجملہ امتیاز قائم ہوجائے، آثار وعلامات کا تغیر یہی ہے مثلاً جس جگہ جمعہ کی اجازت ہو اس کے متعلق اس طرح علامات بتائی جائیں کہ وہاں گلی کوچے ہوں، محلے ہوں، ضروری پیشہ ور رہتے ہوں، ڈاکخانہ ہو، شفا خانہ ہو، یا حکیم یا ڈاکٹر ہو، نزاعات کا فیصلہ کرنے کے لیے سرکاری حاکم یا پنچایت ہو، بازار ہو، روزمرہ کی ضروریات ہمیشہ ملتی ہوں، ایسا نہ ہو کہ ہفتہ میں ایک دن بازار لگا، باہر سے دکاندار سامان لائے، ان سے ضروریات خرید لی گئیں وہ چلے گئے، بازار ختم ہوگیا، پھر ضروریات خریدنے کے لیے دوسرے بازار کا انتظار کرنا پڑے، کم وبیش ڈھائی ہزار کی آبادی ہو، یہ تعریف حقیقی نہیں جس سے ادراک بالکُنہ حاصل ہو (دیکھیے فتاوی محمودیہ، باب الجمعہ: ۸/ ۶۶) (مفتی شاکر نثار مدنی اعظمی)۔

☆ علامہ ابن بازؒ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"...الواجب علیهم أن یقیموا صلاة الجمعة فی قریتهم ولو کانوا أقلّ من أربعین ،فلیس اشتراط الأربعین شرطا معتبرا علی الصحیح، فعلیهم أن یقیموا صلاة الجمعة ...

فالحاصل أن الواجب علی أهل القریة أن یصلوا جمعة ولوکانوا عشرة ولو کانوا عشرین ،حتی ولو کانوا ثلاثة علی الأقل، أقل عددتجب علیه الجمعة ثلاثة فی أصح أقوال أهل العلم، فإذا کانوا فی قریة مستوطنین وجبت علیهم الجمعة ولایجوز لهم أن یصلوا ظهرا ،....

فالمقصود أن هذا واجب علیهم لیس لهم التساهل فیه وأنت أیها السائل من جملتهم إذا أقاموا الجمعة صلیت معهم نعم" (BINBAZ.ORG.SA/FATWA) (مولانا فضل الرحمٰن اصلاحی)۔

☆ حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ ومفتی محمود حسن گنگوہیؒ دونوں کے مشترکہ فتوی میں ہے:

"اصل یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک قریہ کبیرہ میں جمعہ جائز ہوتا ہے "تقع فرضاً فی القصبات و القری الکبیرة التی فیها أسواق" اور قریہ کبیرہ یا صغیرہ ہونا اس کا مدار عرف پر ہے، یہ جو چیزیں گلی کوچے سڑکیں، بازاریں وغیرہ بیان کی جاتی ہیں یہ علامات ہیں، لہٰذا وہاں کے مشاہدہ کرنے والے اگر اس کو قریہ کبیرہ نہیں سمجھتے ہیں تو جواز جمعہ محمل کلام

ہے‘‘ (نظام الفتاوی ۶/ ۱۸۲) (مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

☆ مصر وہ جگہ ہے جہاں مرافق الدین والدنیا موجود ہوں۔

اس کا اگر لحاظ کیا جائے تو تمام وہ جگہیں، جہاں ’’مسجد، مصلیٰ، قبرستان اور جماعت المسلمین‘‘ وغیرہ ہوں، نیز وہاں کھانے پینے کی ضروریات کی چیزیں ملی جاتی ہوں، یعنی راشن دوکان بھی اور دواخانہ وغیرہ بھی ہو تو اسے ’’مصر‘‘ کہا جاسکتا ہے؛ کیوں کہ یہی چیزیں ان جمہوری یا غیر اسلامی ممالک کے حق میں ’’مرافق الدین والدنیا‘‘ ہیں۔

پھر اس تعریف کو اس بات کے پیش نظر بھی دیکھنا چاہئے کہ آج کا دور پہلے کے دور سے بہت مختلف ہے، اس زمانہ میں پیادہ پا سفر کرنا پڑتا تھا، آن لائن کا نظام نہیں تھا، جب کہ آج کی دنیا ’’ایک گاؤں‘‘ (Global Village) بن چکی ہے، سواریوں کی سہولت کی وجہ سے شدید سے شدید ضروریات کی چیزیں بھی گھنٹوں میں حاصل کی جاسکتی ہیں اور آن لائن نظام کی وجہ سے تو جو چیزیں بازار میں بھی دستیاب نہ ہوں، وہ بھی مہیا ہوجاتی ہیں؛ اس لئے راقم کے نزدیک ’’مصر‘‘ کی یہ تعریف زیادہ مناسب ہے (مفتی جمیل اختر جلیلی ندوی)۔

جبکہ مفتی محمد قمر الزماں ندوی، مفتی محمد سلطان قاسمی اور مولانا سعید احمد ندوی وغیرہ نے اس کے ساتھ ساتھ اس رائے کا بھی اظہار کیا ہے کہ چونکہ حنفیہ کے نزدیک قیام جمعہ کے لئے مصر شرط ہے، اس لئے اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ کے قول کو اختیار کیا جائے، اس میں زیادہ آسانی ہے اور تاکہ مسلمانوں کی شناخت اور اسلام سے وابستگی باقی رہ سکے اور تذکیر و دعوت جو جمعہ کا ایک اہم مقصد ہے وہ زیادہ سے زیادہ حاصل ہو سکے۔

سوال نمبر ۲: جہاں مسلمانوں کی با قاعدہ آبادی ہو، چاہے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو، نماز با جماعت کا مسجد کے ساتھ یا مسجد کے بغیر نظام ہو، کیا وہاں جمعہ کا نظام بنایا جاسکتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں تقریباً تمام مقالہ نگار کا اس پر اتفاق ہے کہ جمعہ کے لئے مسجد کی شرط نہیں ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ صحراء، بیابان اور جنگل میں جمعہ کا قیام جائز نہیں ہے، مقالہ نگار کے درمیان اختلاف اس صورت میں ہے کہ جہاں مسلمانوں کی با قاعدہ آبادی ہو چاہے چھوٹی ہو، نماز با جماعت کا مسجد کے ساتھ نظام قائم ہو یا مسجد کے بغیر ہی نماز با جماعت کا نظام قائم ہو، وہاں جمعہ قائم کرنا درست ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں مقالہ نگاران کی چار آراء سامنے آرہی ہیں:

ایک رائے یہ ہے کہ جہاں مسلمانوں کی با قاعدہ آبادی ہو، چاہے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو، نماز با جماعت کا مسجد کے ساتھ یا مسجد کے بغیر نظام ہو، وہاں جمعہ کا نظام قائم کرنا درست ہے (مفتی ابوبکر قاسمی، مفتی صادق محی الدین نظامی، ڈاکٹر مفتی

کلیم اللہ عمری، مولانا مظاہر حسین حماد قاسمی، مولانا عبدالتواب اناوی، قاضی محمد فارق قاسمی وغیرہ)۔

دوسری رائے یہ ہے کہ قریہ صغیرہ اور ایسی چھوٹی آبادی میں جمعہ قائم کرنا درست نہیں ہے، چاہے وہاں باقاعدہ آبادی ہو (مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، قاضی عبدالجبار طیب ندوی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مفتی عبدالسلام قاسمی، مولانا محمد انور حسین مدنی، مفتی حبیب اللہ نعمانی، مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی، مفتی عبدالغفار قاسمی، مولانا جلال الدین چودھری، مفتی شفیق بڑودوی، مولانا محمد صالح الزماں ازہری، مفتی جنید محمد پالنپوری، مولانا عبدالاحد قاسمی، قاضی سیف الرحمٰن، مفتی اکرم سعادتی، مولانا ارشد عطاء اللہ غوری، مفتی شاکر نثار مدنی، مفتی ارشاد پالنپوری، مولانا رحمت اللہ ندوی، مفتی اقبال محمد ٹنکاروی)۔

تیسری رائے جو پہلے رائے سے ملتی جلتی ہے، یہ ہے کہ اگر کسی جگہ مسلمانوں کی باقاعدہ آبادی ہو اور وہاں بنیادی ضروریات کی چیزیں فروخت کرنے کی دکانیں موجود ہوں تو پھر مسلمانوں کی ایسی آبادی میں جمعہ کا نظام قائم کرنا جائز ہے، چاہے آبادی چھوٹی ہی کیوں نہ ہو اور نماز باجماعت کا مسجد کے ساتھ یا مسجد کے بغیر نظام ہو (مفتی محمد شاہ جہاں ندوی، قاری ظفر الاسلام صدیقی، مولانا محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، مفتی سیف الاسلام اصلاحی، مولانا ابرار خان ندوی، مولانا ممتاز خان ندوی، مولانا فضل الرحمٰن اصلاحی قاسمی، مفتی سلمان بن سلیمان ندوی، مفتی عارف باللہ قاسمی، مفتی اسجد دیولوی، مولانا شہاب کوثری، قاضی محمد حسن ندوی، مولانا محمد سیف اللہ عرشی قاسمی، ڈاکٹر اسرار الحق سبیلی، مفتی اقبال احمد قاسمی)۔

جبکہ چوتھی رائے یہ ہے کہ مسلم معاشرہ کو الحاد وارتداد اور موجودہ حالات کے فتنوں سے بچانے اور اصلاح وتربیت اور دینی شعور پیدا کرنے کے لئے جمعہ سے بہتر کوئی اور پلیٹ فارم نہیں ہے، اس لئے اگرچہ فقہ حنفی میں چھوٹی آبادی میں مصر کی شرط پوری نہ ہونے کی وجہ سے قیام جمعہ درست نہیں ہے، لیکن مقاصد بالا کی بنا پر اس مسئلہ میں دوسرے ائمہ کی رائے کو اختیار کرتے ہوئے اس طرح کی چھوٹی آبادی میں بھی جمعہ کی اجازت ہونی چاہئے (مولانا ابومعاویہ معین الدین ندوی، مفتی محمد زبیر ندوی، مفتی محمد سلطان قاسمی، مفتی قمر الزماں ندوی، مولانا سعید احمد ندوی)۔

بعض متفرق آراء:

☆ جس علاقہ میں مسلمانوں کی تعداد مجموعی طور پر دو ڈھائی ہزار کے قریب ہو، وہاں جمعہ قائم کرنا درست ہوگا، بلکہ وہاں موجودہ حالات میں جمعہ کا نظام بنانا چاہئے (مولانا روح الامین مظاہری، مفتی محمد عثمان بستوی)۔

☆ جہاں مسلمانوں کی باقاعدہ آبادی ہو چاہے چھوٹی آبادی کیوں نہ ہو، اگر وہاں کے مکلّف مسلمانوں کی تعداد اس

قدر رہو کہ اگر سب مل کر وہاں کسی پنج وقتہ بڑی مسجد میں جمع ہونا چاہیں تو اس مسجد میں ان سب کی گنجائش نہ ہو، تو حضرت امام ابو یوسف سے ابوعبداللہ بلخی کے واسطے سے مصر کی تعریف کی روشنی میں اس آبادی میں قیام جمعہ کی گنجائش ہے (مفتی راسخ الاسلام قاسمی، مولانا جنید احمد قاسمی، مفتی رضی احمد رحمانی)۔

☆ مسلمانوں کی دینی غفلت و دیگر مصالح کے پیش نظر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی و حنابلہ کے مسلک جہاں چالس مسلمان بالغ مرد آباد ہوں، وہاں نماز جمعہ درست ہے کو اختیار کرنا قرین انصاف ہے، حالات کا تقاضہ بھی یہی ہے (مولانا ابرار خان ندوی، مفتی اقبال احمد قاسمی)۔

پہلی رائے کے حاملین کے دلائل:

☆ آیت کریمہ عام ہے، اس میں کہیں بھی جمعہ کے قیام کے لئے شہر یا دیہات، پختہ مسجد وغیرہ کی کوئی شرط نہیں ہے۔

☆ نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے: "**رواح الجمعة واجب على كل محتلم**" (سنن النسائی:۱۲۹۹، صحیح) (جمعہ کے لئے جانا ہر بالغ پر واجب ہے)۔

☆ "**الجمعة حق واجب على كل مسلم فى جماعة إلا أربعة: عبد مملوك أوامرأة أوصبى أو مريض**" (صحیح سنن ابی داؤد:۱/ ۲۹۴-۹۷۸)، (جماعت کے ساتھ جمعہ کا قائم کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے، البتہ غلام، عورت، بچہ اور بیمار اس سے مستثنیٰ ہیں)۔

مذکورہ بالا دونوں حدیثیں اس بات پر دال ہیں کہ اقامت جمعہ کے لئے کسی خاص مقام اور جگہ کی کوئی قید و شرط ثابت نہیں ہے، بلکہ جہاں کہیں بھی (شہر، دیہات، وادی، صحراء) مسلمانوں کی جماعت ہو، کم سے کم دو یا تین افراد بھی جمع ہو جائیں اور جمعہ کا وقت (زوال) شروع ہو جائے وہاں پر جمعہ قائم کرنا جائز ہے، بلکہ اس کا حکم اور تاکید ہے، جیسا کہ امام بخاریؒ کے ترجمۃ الباب "**إثنان فما فوقهما جماعة**" (دو اور دو سے اوپر افراد ایک جماعت ہیں) سے معلوم ہوتا ہے (ڈاکٹر کلیم اللہ عمری مدنی)۔

☆ فقہاء احناف کے نزدیک امام کے علاوہ تین آدمی کا موجود ہونا بھی صحت جمعہ کے لئے درست ہے، کیونکہ قرآن میں "**فاسعوا**" لفظ جمع کے صیغہ کے ساتھ استعمال کیا ہے، جو تین افراد کا متقاضی ہے، لہٰذا اتنے آدمی کی موجودگی میں جمعہ کا قیام درست ہے..... شرح وقایہ میں ہے: "**والجماعة و هم ثلاثة رجال سوى الإمام عند الإمام و عند أبى يوسف إثنان سوى الإمام**" (شرح وقایہ/ ۲۰۰)، اس کے حاشیہ میں مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے تحریر فرمایا ہے: "**قوله الجماعة: كونها شرطا لصحة الجمعة مجمع بين الأئمة وغيرهم كما**

فی الغنیة والبنایة و الأصل فیه قوله تعالیٰ: "فاسعوا إلی ذکر الله"، و به استدل محمد و الإمام علی أن أقل الجماعة أربعة، فیه أربعة مع الإمام لأن الأمر بالسعی ورد بصیغة الجمع و أقله ثلاثة و فهم عنه أن الذاکر غیرهم و عند أبی یوسف یکفی فیه ما یکفی لغیرها و هو ثلاثة مع الإمام و رجح الشارحون دلیل قول الإمام قاله قاسم بن قطلوبغا فی تصحیح القدوری" (حاشیہ شرح وقایہ ۲۰۰/۱)، (مفتی ابوبکر قاسمی)۔

☆ فتح الباری میں ہے: **"و عن عمر أنه کتب إلی أهل البحرین أن جمعوا حیثما کنتم، و هذا یشمل المدن و القری، أخرجه ابن أبی شیبة، و روی البیهقی من طریق الولید بن مسلمه سألت اللیث بن سعد فقال: کل مدینة أو قریة فیها جماعة أمروا بالجمعة، فإن أهل مصر و سواحلها کانوا یجمعون الجمعة علی عهد عمر و عثمان بأمرهما و فیهما رجال من الصحابة، و عند عبد الرزاق بإسناد صحیح عن ابن عمر أنه کان یری أهل المیاه بین مکة و المدینة یجمعون فلا یعیب علیهم، فلما اختلف الصحابة و جب الرجوع إلی المرفوع"** (فتح الباری ۴۶۱/۲، باب الجمعۃ فی القری والمدن)۔

☆ اور دار قطنی میں ہے: **"عن أم عبد الله الدوسیة قالت قال رسول الله ﷺ الجمعة واجبة علی کل قریة و إن لم یکن فیها إلا أربعة، و رواه أیضا، الجمعة واجب علی أهل کل قریة و إن لم یکونوا إلا ثلاثة و رابعهم إمامهم"** (سنن دار قطنی ۷/۲ باب الجمعۃ علی اہل القریۃ، وأخرجہ البیہقی ۱۷۹/۳، وابن عدی ۶۲۱/۲)۔

و فیها أیضا: عن جابر ؓ أن رسول الله ﷺ قال: من کان یؤمن بالله و الیوم الآخر، فعلیه الجمعة یوم الجمعة، إلا مریض أو مسافر أو إمرأة أو صبی أو مملوک، فمن استغنی بلهو أو تجارة استغنی الله عنه و الله غنی حمید" (سنن دار قطنی ۳/۲ باب من تجب علیہ الجمعۃ وأخرجہ البیہقی ۱۸۳/۳)۔

☆ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے''، حضرت یونس ؒ فرماتے ہیں کہ رزیق بن حکیم نے ابن شہاب کو خط لکھا کہ کیا میں یہاں جمعہ قائم کروں، جبکہ رزیق ایک دیہات میں تھے اور میں ان کے ہمراہ تھا، کچھ لوگ سوڈان وغیرہ کے بھی تھے، اس وقت رزیق ایلہ میں تھے، ابن شہاب نے ان کا جواب لکھوایا کہ وہاں جمعہ قائم کرو، اس بات کو میں بروقت سن رہا تھا'' (بخاری رقم الحدیث ۸۹۳)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی مذکورہ بالا احادیث کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ جمعہ مذکور کا حکم شہر اور قریہ دونوں کو شامل ہے، پھر حضرت عمرؓ کا اثر نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل بحرین کو خط لکھا کہ تم لوگ جہاں کہیں بھی رہو وہیں جمعہ پڑھو اور بیہقی نے ولید بن سلمہ کے طریق سے نقل کیا ہے کہ حضرت لیث بن سعد سے جمعہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جس شہر یا گاؤں میں جماعت ہوتی ہو وہاں کے لوگوں کو جمعہ قائم کرنے کا حکم دو، کیونکہ اہل شہر اور اس کے اطراف کے لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اپنی اپنی بستیوں میں ان کی اجازت سے جمعہ پڑھتے تھے اور یہی صورت حال حضرت عثمان کے دور میں بھی رہی، جبکہ اس دور میں بہت سے صحابہ موجود تھے۔

☆ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما مکہ اور مدینہ کے درمیانی دیہاتی بستیوں میں لوگوں کو جمعہ پڑھتے دیکھتے تھے، لیکن کبھی ان کو جمعہ سے منع نہیں فرمایا (مولانا عبدالتواب اناوی)۔

☆ ایمان کا تحفظ واجب ہے، مسلمانوں میں دینی شعور پیدا کرنا واجب ہے اور جو چیز بھی ایمان کے تحفظ کا ذریعہ ہوگی وہ چیز بھی واجب ہوگی (مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی)۔

دوسری رائے کے حاملین کے دلائل:

☆ گاؤں میں جمعہ کی نماز کے صحیح ہونے کے لئے دو چیزوں میں سے ایک چیز لازم ہوتی ہے:

(۱) آبادی کی حیثیت: یعنی ایسی آبادی ہو جس میں ضروریات زندگی کی ہر چیز موجود ہو، اسکول، اسپتال، تھانہ اور روزمرہ کے خورد ونوش کی ہر چیز کی دکانیں، بازار نما موجود ہوں اور قصبہ جیسی شکل ہو، اگرچہ مردم شماری کم ہو (جیسا کہ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے بارہ سو، تیرہ سو کی تعداد بھی فرمائی ہے)، لیکن آبادی کی حیثیت قصبہ نما ہونے کی وجہ سے وہاں جمعہ جائز ہو جائے گا۔

(۲) آبادی کی مردم شماری: اگرچہ بازار نما نہ ہو؛ لیکن وہاں کی مردم شماری تین ہزار سے اوپر ہو، تو ایسی صورت میں وہ گاؤں قصبہ کے حکم میں ہونے کی وجہ سے وہاں بھی جمعہ جائز ہوگا۔

☆ "**تقع فرضا فی القصبات، والقری الکبیرة التی فیها أسواق**" (شامی، کتاب الصلوۃ، باب الجمعۃ، ط: زکریا: ۶/۳، ط: کراچی: ۸۳۱/۲)۔

☆ "**عن حذیفة رضی الله عنه لیس علی أهل القریٰ جمعة؟ إنما الجمعة علی أهل الأمصار مثل المدائن**" (أوجز المسالک، باب ماجاء فی الإمام ینزل بقریة یوم الجمعۃ: ۲/ ۶۴۲، ط: دار الفکر، بیروت)۔

☆ "**وفی المسوی : اتفقوا علی أن لا جمعة فی العوالی .....فقال أصحابنا :هی مخصوصة**

بالأمصار ولا تصح فی السواد ، وهو قول الثوری و عبید الله بن الحسن ‘‘ (أوجز المسالک/باب ماجاء فی الإمام ینزل بقریۃ یوم الجمعۃ فی السفر: ۲ / ۴۴۲، ط: إدارہ تالیفات أشرفیۃ، ملتان)۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ جمعہ ہر جگہ جائز نہیں، بلکہ وہ مصر اور قریۂ جامعہ کے ساتھ خاص ہے، جیسا کہ حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

☆ یہ تو بالاجماع ثابت ہے کہ جمعہ سب جگہ جائز نہیں، رہا یہ کہ کس جگہ جائز ہے؟ یہ محتاج دلیل ہے۔

اور یہ آیت ﴿ **فاسمعوا الی ذکر الله** ﴾ کا اطلاق باب امکنہ میں مسلم ہے اجماعاً، ورنہ جواز جمعہ صحراء میں لازم آئے گا، اور اس کا کوئی قائل نہیں ہوا، پس اجماعاً یہ آیت مخصص ساتھ بعض اماکن کے ہے اور تخصیص ساتھ حدیث علی مرتضیٰؓ کے انسب ہے، ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

’’**والقاطع للشغب أن قوله تعالی: ﴿فاسعوا الیٰ ذکر الله﴾ لیس علی إطلاقه اتفاقاً بین الأمة، إذ لا تجوز إقامتها فی البراری إجماعاً ولا فی کل قریة عند الشافعی، بل بشرط أن لا یظعن أهلها عنها صیفاولا شتاء، فکان خصوص المکان مراداً فیها إجماعاً،فقدر القریة الخاصة وقدرنا المصر وهو أولیٰ لحدیث علیؓ وهو لوعورض بفعل غیره کان علیؓ مقدماً علیه، فکیف ولم یتحقق معارضة ما ذکرنا إیاه ولهذالم ینقل عن الصحابة أنهم حین فتحوا البلاد اشتغلوا بنصب المنابروالجمع إلا فی الأمصار دون القریٰ ولو کان لنقل ولو آحادًا**‘‘ (فتح القدیر: باب صلاۃ الجمعۃ: ۲ / ۵۰، ط: زکریا، دیوبند)۔

پس مانحن فیہ میں حنفیہ نے تخصیص اطلاق قرآن ساتھ خبر آحاد کے نہیں کی، بلکہ تعیین ایک امر مبہم کی کی، واللہ اعلم بالصواب‘‘۔

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:’’ بلکہ واسطے صحت جمعہ کے مخصوص مکان کا ہونا بالاجماع مراد ہے، کیونکہ جائز نہیں جمعہ جنگل اور میدان میں بالاتفاق، اس لئے امام شافعیؒ کے نزدیک ادائے جمعہ صحیح نہیں سوائے ایسے گاؤں کے جہاں چالیس مرد آزاد مکلّف بستے ہوں اور امام احمدؒ کے نزدیک بھی ایسا ہی ہے اور امام مالکؒ کے پاس صحت ادائے جمعہ کیلئے وہ جگہ شرط ہے جہاں ملا ہوا بستی اور مسجد و بازار ہو۔

’’**کما یدل من عبارة المیزان العبد الوهاب الشعرانی: ومن ذلک قول الشافعی لا تصح الجمعة إلا فی أبنیة یستوطنها من تنعقد بهم الجمعة من بلدة أو قریة مع قول بعضهم لاتصح الجمعة إلا فی قریة اتصلت بیوتها ولها مسجد وسوق ومع قول أبی حنیفة أن الجمعة لا تصح إلا فی مصر جامع لهم سلطان**‘‘ (المیزان الکبریٰ: باب صلاۃ الجمعۃ: ۱ / ۲۶۱، ط: المطبعۃ العامرۃ الشرفیۃ، مصر)۔

اور وجوب جمعہ بھی کچھ مطلق نہیں، یعنی ہر جگہ میں جائز ہونے کا حکم شامل نہیں، جیسا کہ مذکور کبیری میں ہے:

''**إن قوله تعالى ﴿فاسعوا الى ذكر الله﴾ ليس على إطلاقه اتفاقا، إذلا يجوز فى البرارى إجماعاً، فهو قدروا القرية ونحن قدرنا المصروهو أولى لحديث علیؓ سيماولا معارض له إذ لم ينقل عن الصحابة، أنهم حين فتحوا البلاد اشتغلوا بنصب المنابر والجمع فى الأمصار**'' (کبیری فی شرح منیۃ المصلی: فصل فی صلاۃ الجمعۃ: ۵۵۰، ط: سہیل اکیڈمی، لاہور)۔

''**وفى مراقى الفلاح ولم ينقل عن الصحابة رضى الله عنهم أجمعين أنهم حين فتحوا البلاد اشتغلوا بنصب المنابر والجمع فى الأمصار دون القرىٰ ولو كان لنقل ولو آحادًا فلا بد من الإقامة بمصر وفى حاشيته (قوله: ولم ينقل عن الصحابة) وكذا لم ينقل أنه ﷺ أمر بإقامة الجمعة فى قرى المدينة على كثرتها**'' (طحطاوی علی مراقی الفلاح، باب الجمعۃ: ۲۱۴، ط: مصطفیٰ البانی، قاہرہ)۔

لہٰذا امت کا اجماع ہوگیا ہے کہ آیت قرآنی {**إذا نودى للصلوة.....**} اپنے عموم پر نہیں ہے؛ بلکہ جمعہ کی نماز کے ساتھ اور ایسی بستی (جگہ) کے ساتھ خاص ہے جس کے باشندے گرمی اور سردی وغیرہ تمام موسموں میں وہاں رہتے ہوں'' (مستفاد از القول البدیع فی اشتراط المصر للجمع للعلامۃ اشرف علی التھانویؒ)۔

☆ مفتی سلمان صاحب منصور پوری ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''کسی گاؤں میں نبی کریم ﷺ کا نماز جمعہ پڑھنا یا صحابہ کو نماز جمعہ پڑھنے کی اجازت دینا ثابت نہیں ہے، بلکہ روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی طرف سے چھوٹی آبادی میں جمعہ قائم کرنے کا حکم نہیں تھا، اسی وجہ سے جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے اور چودہ دن قبا میں قیام فرمایا جو اس وقت مدینہ کے قریب ایک گاؤں تھا، تو اگرچہ جمعہ کی فرضیت مکہ معظّمہ میں ہو چکی تھی، پھر بھی آپ نے قبا میں جمعہ کی نماز قائم نہیں فرمائی، حالاں کہ وہاں جمعہ قائم کرنے میں کوئی اور رکاوٹ نہیں تھی، بلکہ جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں جمعہ قائم کیا، اور روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کے ہجرت فرمانے کے پہلے ہی سے مدینہ منورہ میں رہنے والے صحابہ، صحابی جلیل حضرت اسعد بن زرارہ کی امامت میں نماز جمعہ ادا کیا کرتے تھے، اور مدینہ منورہ کے بعد سب سے پہلے جمعہ کا قیام بحرین کے شہر جواثی میں ہوا یہ کوئی چھوٹی آبادی نہیں تھی، بلکہ بڑا ساحلی شہر تھا، جہاں مسلمانوں کو اجتماعیت حاصل تھی، اگر جمعہ چھوٹے چھوٹے گاؤں اور بستیوں میں جائز ہوتا تو کیا وجہ تھی کہ مدینہ کے اردگرد آبادیوں میں آپ نے جمعہ قائم نہیں کیا؟ ان آبادیوں میں جمعہ کا قائم نہ کرنا دلیل ہے کہ اقامت جمعہ کے لئے بڑی آبادی شرط ہے'' (کتاب النوازل، گاؤں میں جمعہ کے احکام: ۵/ ۴۱۲، ط: المرکز العلمی، مرادآباد)۔

☆ "جمع أهل المدينة قبل أن يقدمها رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل أن تنزل الجمعة وهم الذين سموها الجمعة فاجتمعوا إلى أسعد بن زرارة ، فصلى بهم يومئذ ، وذكرهم فسموه الجمعة" (المصنف لعبدالرزاق:۳ /۹۵۱،رقم:۴۴۱۵ ،ط: المجلس العلمی،ڈابھیل)۔

☆ "إن أول جمعة جمعت فى الإسلام بعد جمعة جمعت فى مسجد رسول الله ﷺبالمدينة لَجمعة جمعت بجُواثىٰ من البحرين" (صحیح البخاری: رقم الحدیث:۲۹۸ ،سنن أبی داؤد:رقم الحدیث:۸۶۰۱ ،باب الجمعۃ فی القریٰ والمدن)۔

" وفى الصحاح: أن جواثا حصن بالبحرين فهى مصر" (فتح القدیر ۲/ ۱۵،ط:دارالفکر،بیروت)۔

☆ "شرعت صلاة الجمعة بمكة ولم يصلها النبى صلى الله عليه وسلم بها لعدم تمكنه من ذلک ، وأول جمعة أقيمت فى الإسلام الجمعة التى أقامها أسعد بن زرارةؓ أحد النقباء الإثنى عشر ، فصلاها بالمدينة بأمر رسول الله ﷺقبل قدومه المدينة " (شامی:حاشیہ،کتاب الصلوۃ،باب الجمعۃ:۳/ ۳،ط:زکریا،دیوبند)۔

☆ "لا تصح الجمعة إلا فى مصر جامع أو فى مصلى المصر ولا تجوز فى القرىٰ" (ہدایہ: باب صلوۃ الجمعۃ:۱ /۸۶۱،ط: اشرفی بکڈپو،دیوبند)۔

☆ "إن رسول الله ﷺلم يصل الجمعة فى القرى ولم يأمر بها فيها فعلم بهذا أن القرى ليست محل إقامة الجمعة ." (بذل المجہود:۵ /۳۶،ط: مرکز الشیخ أبی الحسن الندوی،أعظم جراہ،یوفی)۔

☆ "وأما القرى فإن أراد الصلاة فيها فغير صحيحة على المذهب " (البحر الرائق: باب صلوۃ الجمعۃ:۲/ ۸۴۲،ط: بیروت)۔

☆ "وفيما ذكرنا إلى أنه لاتجوز فى الصغيرة التى ليس فيها قاض وخطيب ، كما فى المضمرات .والظاهر أنه أريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة إلا أن فى الجواهر لو صلوا فى القرى لزمهم أداء الظهر " (شامی:۳ /۷،ط:زکریا)۔

☆ شرط جواز أداء الجمعة المصر حتى لا يجوز أداؤها فى المفازة ولا فى القرى .....وما روينا من قول على وحذيفة ليس على أهل القرى جمعة الخ." (تبیین الحقائق:۱/ ۳۲۵،۴۲۵، ط:زکریا،دیوبند)۔

☆ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ تحریر فرماتے ہیں:

اور نہ اس پر سرزنش فرمائی کہ مدینہ میں جمعہ ہوتا ہے تم نے اب تک جمعہ کیوں نہیں پڑھا؟ تو اہل قریہ پر اگر جمعہ فرض تھا تو اس ترک نماز جمعہ کی اہل قبا سے اور جناب رسول اللہ ﷺ سے کیا وجہ تھی۔

اور جن علماء کو اس روایۃ جمعہ ''جواثی'' سے شبہ وجوب جمعہ بر اہل قری ہے وہ کئی وجہ سے درست نہیں ہے، اول تو یہ کہ ''جواثی'' گاؤں نہ تھا؛ بلکہ شہر تھا اور جب اس میں احتمال ان معنی کا ہوا تو استدلال درست نہ رہا۔

اور اوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ جتنی احادیث موقوفہ یا مرفوعہ بلفظ عموم آئی ہیں وہ سب مخصوص ہیں، اس میں عموم مدن ہے، نہ قری اور جہاں قریہ کا لفظ وارد ہوا ہے وہاں مراد مدینہ ہے حسب لغت قرآن، نہ قریہ صغیرہ، ورنہ دس سال فعل رسول اللہ ﷺ سے سخت مخالفت ہوگی، چنانچہ اوپر ذکر ہو چکا۔

الحاصل نہ اقوال صحابہ میں اختلاف ہے اور نہ رجوع الی المرفوع سے جواز اقامت جمعہ قری ثابت ہے، پس مذہب حنفیہ پر کسی طرح کا اشکال نہیں ہے، البتہ نظر غائر درکار ہے اور بس اور پھر جناب رسول اللہ ﷺ باب جمعہ میں کس قدر تاکید فرماتے تھے اور ترک جمعہ پر تغلیظ فرماتے تھے، اور اس کو تمام اہل عوالی سنتے تھے، مع ہذا کسی نے اپنے قریہ میں جمعہ قائم نہ کیا اور نہ جناب رسول اللہ ﷺ نے دس سال حیات خود میں ان کو اقامت جمعہ کا حکم فرمایا اور ترک جمعہ پر تغلیظ فرمائی، جس سے صاف ظاہر ہے کہ تمام صحابہ اہل عوالی وغیرہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ تاکید اور تغلیظ انہیں لوگوں پر ہے جن پر جمعہ فرض ہے، اہل قری اہل صحاری اس سے خارج اور مستثنی ہیں، علی ہذا آیت کے عموم اور عموم الفاظ جملہ احادیث واردہ فی الجمعہ سے بھی یہ لوگ خارج ہیں، لہٰذا کسی قریہ میں کبھی کسی نے جمعہ قائم نہ کیا (مستفاد من رسالہ: أوثق العری فی تحقیق الجمعۃ فی القری) (مفتی اقبال محمد ٹنکاروی)۔

☆ ایسی آبادی میں سرکاری عملہ، سرکاری دفاتر، پولیس محکمہ، اسکول اور ہسپتال وغیرہ سہولیات مہیا ہوں، کیوں کہ ان چیزوں کی وجہ سے اس کی حیثیت میں اضافہ ہوتا ہے، پس مذکورہ صفات کے حامل شہر یا قصبہ میں جمعہ قائم کرنا شرعاً درست ہے اور جو شہر یا قصبہ ان صفات کا حامل نہ ہو وہاں جمعہ قائم کرنا درست نہ ہوگا، مصنف ابن أبی شیبہ میں حضرت علیؓ سے ایک روایت منقول ہے:

☆ ''**عن علی رضی الله عنه قال: لا جمعة، ولا تشریق، ولا صلاة فطر، ولا أضحی، إلا فی مصر جامع أو مدینة عظیمة**'' (المصنف لابن أبی شیبۃ، کتاب الصلاۃ: ۴/۴۶، رقم الحدیث: ۵۰۹۹)۔

اور مصنف بن ابی شیبہ ہی میں حضرت حذیفہؓ سے منقول ہے:

☆ **"عن حذيفة رضى الله عنه قال: ليس على أهل القرى جمعة، إنما الجمعة على أهل الأمصار مثل المدائن"** (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، مؤسسة علوم القرآن: ۴/۴۶، رقم الحديث: ۵۱۰۰)۔

ان دونوں احادیث سے واضح طور پر ثابت ہورہا ہے کہ گاؤں اور دیہات میں نماز جمعہ جائز نہیں، کیونکہ اگر گاؤں اور دیہات میں نماز جمعہ جائز ہوتی تو خلیفہ راشد حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور جلیل القدر صحابی حضرت حذیفہ بن الیمانؓ ہرگز یہ نہ فرماتے کہ جمعہ صرف شہر ہی میں ہوسکتا ہے، کیونکہ کسی جگہ نماز کا ہونا یا نہ ہونا کوئی ایسا امر نہیں ہے جس میں اپنی رائے اور قیاس کا دخل ہو، ضرور ان حضرات تک حضور ﷺ سے اس سلسلہ میں کوئی ہدایت پہنچی ہوگی، جس کی بنیاد پر ان حضرات نے یہ بات کہی ہوگی (مفتی اسعد بن عبدالرزاق پالنپوری)۔

حضرت علیؓ کا قول ہے: **"لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا أضحى إلا فى مصر جامع"** ۔

مزید یہ بھی دلیل دیتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب ممالک فتح کئے تو دیہات میں کہیں بھی منبر نصب نہیں کئے، جس سے گویا جمعہ کے لئے مصر ہونے پر صحابہ کا اجماع ہے۔

حضرت علیؓ کے مذکورہ بالا اقوال کو امام شافعیؒ کے خلاف حجت کے طور پر پیش کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار مؤلف "مجمع الأنہر شرح ملتقی الأبحر"، محقق عبدالرحمٰن بن محمد کلیوبی معروف بہ داماد آفندی تحریر فرماتے ہیں:

"والحجة عليه قول على .....كما فى أكثر الكتب، لكن هذا مشكل جدا، لأن الشرط الذى هو فرض لايثبت إلا بقطعى، كما فى شرح التنوير" (مولانا رحمت اللہ ندوی)۔

☆ **اتفق فقهاء الامصار على أن الجمعة مخصوصة بوضع لايجوز فعلها فى غيره، لأنهم مجمعون على أن الجمعة لاتجوز فى البوادى و مناهل الأعراب، فقال أصحابنا: هى مخصوصة بالأمصار ولاتجوز فى السواد"** (احکام القرآن ۳/۴۴۵) (مفتی محمد شاکر نثار مدنی)۔

☆ **و مذهب أبى حنيفةؒ: لا تصح الجمعة إلا فى مصر جامع أو فى مصلى مصر ولاتجوز فى القرى"** (عمدۃ القاری ۶/۲۷۰، ۲۷۱) (مفتی جنید محمد پالنپوری)۔

☆ **" و أنه ﷺ لم يصل الجمعة فى عرفات و هذا إجماع"** (أوجز المسالک ۱/۳۵۴)، (مفتی عبدالرحیم قاسمی)۔

تیسری رائے کے حاملین کے دلائل:

☆ آپ ﷺ کے دور میں حجاز کے دیہات کی جو حالت تھی، ہندوستان کے دیہات کی حالت اس سے مختلف ہے،

حجاز کے دیہات میں بنیادی ضروریات کی چیزیں دستیاب نہیں تھیں، جبکہ موجودہ وقت میں ہندوستان کے بہت سے گاؤں میں بنیادی ضروریات کی چیزیں دستیاب رہتی ہیں، لہٰذا یہ گاؤں شہر کے حکم میں ہے (مفتی شاہ جہاں ندوی)۔

☆ نبی اکرم ﷺ کے دور میں مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کی یہی حالت تھی کہ وہاں بنیادی ضروریات کی چیزیں دستیاب تھیں، لہٰذا یہ صورت حال جس آبادی کی ہوجائے، وہ شرعی اعتبار سے ''مصر'' ہے، خواہ عرف میں اسے لوگ ''گاؤں'' کہتے ہوں۔

علامہ احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی رقم طراز ہیں:

''**فكل موضع كان مثل أحدهما فهو مصر**'' (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب الجمعۃ/ ۳۳۲) (مفتی محمد شاہ جہاں ندوی)۔

☆ **أول من قدم من المهاجرين المدينة: مصعب بن عمير، وهو أول من جمع بها يوم الجمعة جمعهم قبل أن يقدم رسول الله ﷺ فصلى بهم**'' (المعجم الأوسط للطبرانی، حدیث نمبر ۶۲۹۴)۔

وجہ استشہاد اتنا ہے کہ اس وقت مدینہ منورہ میں کوئی مسجد نہیں تھی، جمعہ کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو اسلام پر باقی رکھا جائے اور ایک اسلامی ماحول تیار کیا جائے، تاکہ لوگ اپنا رشتہ اسلام سے قائم رکھیں اور ان کا تعلق اسلام سے خوب مستحکم رہے۔

نیز حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ مسجد نبوی میں جمعہ کا نظام قائم ہونے کے بعد بحرین کے ایک دیہات بنام جواثی میں جمعہ قائم ہوا (ابوداؤد، باب الجمعۃ فی القری، حدیث ۱۰۶۴، بخاری تعلیقا، باب الجمعۃ فی القرن والمدن، حدیث: ۸۹۲)، وجہ استشہاد یہ ہے کہ حدیث سے معلوم ہوا کہ گاؤں دیہات میں جمعہ قائم کرنا درست ہے، اس میں تعداد کا کوئی صراحت نہیں ہے، اور یہ واقعہ عہد نبوی کا ہے، ظاہر ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ نبی کریم ﷺ کے حکم واجازت کے بغیر اتنا بڑا کام نہیں کر سکتے، وہ بھی یہ عمل شرعی امور سے متعلق ہے، معلوم ہوا کہ یہ حدیث اصولی اعتبار سے مرفوع تقریری ہے (دیکھئے: فتح الباری، باب الجمعۃ فی القری والمدن: ۲/ ۴۶۷)۔

نیز مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اہل بحرین کو خط لکھا کہ جہاں تم لوگ چاہو جمعہ قائم کر سکتے ہو، (راوی کا بیان ہے) اس میں گاؤں اور شہر دونوں شامل ہیں (مصنف ابی شیبہ، من کان یری الجمعۃ فی القری وغیرہا، حدیث: ۵۰۶۸)، اس روایت سے معلوم ہوا کہ گاؤں میں جمعہ قائم کرنا درست ہے، اس میں بھی تعداد کا کوئی تذکرہ نہیں ہے (مفتی محمد مصطفیٰ

عبدالقدوس ندوی)۔

☆ مصر کی شرط سے بہت سے لوگ جمعہ کی نماز سے محروم ہوجائیں گے، حرج میں پڑیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"**یرید الله بکم الیسر ولایرید بکم العسر**" (سورہ بقرہ:۱۸۵)۔

"**هو اجتباکم و ما جعل علیکم فی الدین من حرج**" (سورہ حج:۷۸)۔

"**إن الدین یسر**" (**صحیح بخاری کتاب الایمان**) (مولانا ممتاز خان ندوی)۔

☆ آیت قرآنی، احادیث نبوی اور آثارِ صحابہ میں شہر اور دیہات کی تحدید نہیں کی گئی ہے، اور ترکِ جمعہ پر سخت تہدید وارد ہوئی ہے، اس لئے عصر حاضر میں چھوٹے گاؤں میں بھی جمعہ کا نظام بنانا زیادہ بہتر ہے، جیسا کہ موسوعہ فقہیہ میں ہے:

"**وفی هذه الآثار السلفیة عن عمر و مالک و أحمد من الاهتمام العظیم اللائق بهذه الشعیرة الإسلامیة الخالدة: صلاة الجمعة، حیث أمروا بأدائها و المحافظة علیها حتی فی القری و ما دونها من أماکن التجمع و هذا ..... هو الذی یتفق مع عمومات النصوص الشرعیة و اطلاقاتها، و بالغ التحذیر من ترکها، و هی معروفة ..... و الحق أن هذه الجمعة فریضة من فرائض الله و شعار من شعارات**"

(الموسوعۃ الفقہیۃ فی فقہ الکتاب والسنۃ المطہرۃ:۲/۳۷۵-۳۷۶)

(سیدنا عمرؓ، امام مالک واحمد سے مروی ان آثار میں نماز جمعہ کا حد درجہ اہتمام ہے جو اسلام کا داعی شعار بننے کے لائق ہے، جیسا کہ اس کی ادائیگی اور اس کی پابندی ومحافظت کا حکم دیا گیا ہے، یہاں تک کہ گاؤں میں بھی اور جو اس سے کم تر درجہ کا مقام ہے، اسی پر عام شرعی نصوص متفق ہیں جو اس شرط سے خالی ہیں، اور جن میں جمعہ کے چھوڑنے پر سخت تہدید کی گئی ہے، جیسا کہ وہ احادیث معروف ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ جمعہ اللہ تعالیٰ کے فرائض میں سے ایک اہم فریضہ ہے اور شعائر میں سے ایک اہم شعار ہے) (ڈاکٹر اسرار الحق سبیلی)۔

☆ حضرت تھانوی فرماتے ہیں: "جس گاؤں کی آبادی قصبے کے برابر ہو، مثلاً تین ہزار، چار ہزار کی آبادی ہو، وہاں جمعہ درست ہے" (مولانا روح الامین مظاہری)۔

☆ حضرت نانوتوی فرماتے ہیں "اگر کسے در دیہے جمعہ قائم کند دست وگریبانش نہ زنند (فیوض قاسمیہ/۲۸)، لیکن مقامی علماء کے استصواب رائے کے بعد ہی قیام عمل میں لائے، ورنہ ممکن ہے کہ انتشار کا باعث ہو (ڈاکٹر قاری ظفر الاسلام صدیقی)۔

☆ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے جس گاؤں میں تقریباً تین ہزار مردم شماری یا کچھ کم ہے اور اس میں بازار بھی نہیں ہے، کوئی سودا اور غلہ وغیرہ نہیں ملتا ہے، ایسے گاؤں کو ''قریہ کبیرہ'' قرار دیا ہے (مولانا روح الامین مظاہری)۔

قیام جمعہ کے مقصد کو شرائط جمعہ پر ترجیح:

قاضی محمد حسن ندوی لکھتے ہیں: اب رہا یہ مسئلہ کیا مقصد قیام جمعہ کو شرائط جمعہ پر ترجیح دی جاسکتی ہے؟ اس سلسلہ میں ذخیرہ فقہ وفتاوی میں کئی نظائر ملتی ہیں، جہاں مقاصد کو شرائط پر نہ صرف ترجیح دی گئی ہے؛ بلکہ شرائط کے بجائے مقاصد کا لحاظ اوفق بالسنۃ قرار دیا گیا ہے، یہاں چند نظائر دیکھیں:

(۱) قضاء قاضی کے لیے عام حالات میں قاضی کے روبرو بیان اور گواہی کا ہونا ناگزیر ہوتا ہے، لیکن موجودہ کورونا میں (جبکہ بالمشافہ بیان وشہادت محال ہو) آن لائن ویڈیو کانفرنس کے ذریعہ کار قضاء کو انجام دینے کی بعض فقہاء نے اجازت دی ہے، اور راقم کی بھی ناقص رائے یہی ہے۔

ذرا غور کیجیے اس مثال میں شرائط کار قضاء سے نظر انداز کیوں کیا گیا؟ تاکہ مقصد کار قضا اور ہدف عدالت مجروح نہ ہو؛ بلکہ باقی رہے۔

(۲) بیع استصناع، اور بیع سلم کی اجازت عاقدین کی ضرورت پوری کرنے کے لیے ہے، دونوں عقود کی اجازت میں مقصد کو شرط بیع پر ترجیح حاصل ہے۔

(۳) تیسری مثال یہ ہے کہ امارت شرعیہ اور عدالت اسلامیہ کے قیام کو اسلامی حکومت اور قوت قاہرہ پر فقہاء متقدمین نے موقوف کیا ہے، مگر متأخرین علماء نے دارالحرب اور دارالامن میں ہر اس جگہ پر اس کے قیام اور قاضی کی تقرری کو ضروری قرار دیا ہے چاہے وہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہو، یا کم۔ اس صورت میں بھی ہدف اور مقصد قضاء کو شرائط قیام امارت پر ترجیح دی گئی ہے، اسی بنا پر سو سال قبل ابوالمحاسن مولانا محمد سجاد صاحب ۱۹۲۱ء میں بہار میں امارت اور دارالقضاء کو نہ صرف قائم کیا، بلکہ پورے ہندوستان میں قیام قضاء کے باب میں امارت شرعیہ کے طریقہ کار کو نمونہ اور مشعل راہ کا مقام حاصل ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ فقہا کا ایک مشہور قاعدہ ہے کہ جب منفعت اور مفسدہ میں تضاد ہو اور منفعت کا پہلو مفسدہ پر غالب ہو تو منفعت کو مفسدہ پر ترجیح حاصل ہوتی ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم رقم طراز ہیں:

"وقد تراعى المصلحة لغلبتها على المفسدة من ذلك جازت الصلاة بدونه تقديما

لمصلحة الصلاة على هذه المفسدة".

"ومنه الكذب مفسدة محرمة، وهو متى تضمن جلب مصلحة تربوا عليه جاز كالكذب للاصلاح بين الناس" (الاشباہ:۱/۳۲۵)۔

یعنی شرائط قیام جمعہ کے مفقود ہونے کی صورت میں جو مفسدہ لاحق ہوگا اس کے مقابلہ میں قیام جمعہ کے مقصد کو مقدم کرنے میں جو منفعت ہے وہ مضرت کے مقابلہ میں اغلب ہے اور ایسی صورت میں منفعت کو مضرت پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

لہٰذا جس طرح کسی خاص وقت میں بغیر طہارت کے نماز درست ہے اور متنازع اشخاص میں صلح و مفاہمت کے لیے جھوٹ بولنا درست ہے، اسی طرح احناف کے یہاں ائمہ ثلاثہ کی تعریف کی طرح مصر کی تعریف کرنا درست ہوگا (قاضی محمد حسن ندوی)۔

مولانا صابر حسین ندوی لکھتے ہیں: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہندوستان میں خاص طور پر اور بالعموم بھی بہت سے چھوٹے موٹے علاقوں میں بسنے والے مسلمان صرف اس وجہ سے مسلمان ہیں کہ وہ جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں، بلکہ بعض تو صرف عیدین کی ادائیگی پر اکتفا کرتے ہیں اور اسی کو مسلمان ہونے کی علامت جانتے ہیں، اسی طرح مسجد مسافت میں دور ہوتی ہے حکماً انہیں ظہر پڑھنا ہے، لیکن جمعہ کا نظام نہ ہونے کی وجہ سے وہ مسجد ہی نہیں آتے، اس میں یہ بھی شامل ہے کہ مزدور، دہاڑی پر کام کرنے والے افراد زیادہ دور نہیں جاسکتے، اور اگر جمعہ نہ ہو تو پھر وہ مسجد بھی نہیں آتے، ان صورتوں کو سامنے رکھئے! پھر سوچئے تو معلوم ہوگا یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ جمعہ مسلمانوں کی تربیت، مسجد سے لگاؤ کا اہم ذریعہ ہے، بلکہ یہ حضرت تھانوی کی اصطلاح میں وقایہ ایمان بن چکا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر انہیں مسجد سے نہ جوڑا جائے تو قوی امکان ہے کہ وہ غیر اسلامی رسوم و رواج اور ارتداد کی ہواؤں کا مقابلہ نہ کرسکیں گے، اور یہ بات مسلم ہے کہ مسلمانوں کو مسلمان رکھنے کے ذرائع اگر لازم ہو جائیں تو انہیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا (مولانا صابر حسین ندوی)۔

مولانا رحمت اللہ ندوی لکھتے ہیں: اب مجمع الأنہر اور بخاری کے اس قول کو سامنے رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو وہ گاؤں یا چھوٹی آبادی جہاں کچھ خاص ایام میں بازار لگتے ہیں وہاں بھی اس کی اجازت ہوسکتی ہے اور جب منی کے بیس تیس لوگ یا زیادہ سے زیادہ بیس تیس گھر پر مشتمل آبادی نماز جمعہ پڑھ سکتی ہے تو بیس تیس گھر پر مشتمل آبادی ہندوستان جیسے علاقے اور ملک میں بھی پڑھ سکتی ہے۔

دوسری بات جو زیادہ اہمیت کی ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان اور اس قسم کے جمہوری ممالک میں ان احکام و وسائل اور

ان اصول وضوابط کی مکمل رعایت نہیں کی جاسکتی ہے جو دارالاسلام یا مسلم اکثریتی ممالک میں ممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ متعدد جدید مسائل میں کسی نہ کسی حد تک نزول سے کام لیتے ہوئے تخفیف اور یسر وسہولت پر ہی احکام امت کے سامنے پیش کئے گئے ہیں خود وہ مساجد جہاں پہلے سے جمعہ ہورہا ہو یا وہ گاؤں ہوں ان میں جمعہ شروع ہونے کے بعد جمعہ بند نہ کرنے کا فتوی ہندوستان کے مفتیان کرام نے دیا ہے، اور امام شافعیؒ کے قول پر بلاتکلف عمل کرانے کی کوشش کی گئی ہے، مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اسی سلسلے میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''جہاں پر جمعہ کی نماز پہلے سے ہوتی چلی آرہی ہو وہاں اس کو بند کرنے میں بہت سے مفاسد کا اندیشہ ہے، اس لئے اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کے قول پر عمل کرنا جائز ہے'' (معارف مدنیہ ۳/ ۸۳، مفتی کفایت اللہ) (مفتی محمد زبیر ندوی)۔

مفتی جمیل اختر جلیلی اور مفتی محمد اشرف قاسمی نے دونوں شقوں (ایسی آبادی جہاں نماز باجماعت کا مسجد کے ساتھ نظم ہو یا جہاں نماز باجماعت کا مسجد کے ساتھ نظم نہ ہو) کے درمیان حکم میں فرق کیا ہے اور اس کے اعتبار سے الگ الگ رائے قائم کی ہے۔

مفتی جمیل اختر جلیلی پہلی شق کے بارے میں لکھتے ہیں: جہاں تک پہلی شق کی بات ہے تو سوال نمبر ایک میں مذکور مصر کی تعریف اگر اس پر صادق آجاتی ہو تو جمعہ کا نظام بنانے میں کوئی حرج محسوس نہیں ہوتا ہے اور اغلب یہی ہے کہ ایسی آبادی میں ''مرافق الدین والدنیا'' دونوں ہی پائے جاتے ہوں گے۔

رہی بات دوسری شق کی، تو جب وہاں باقاعدہ آبادی ہے اور باجماعت نماز کا نظم بھی قائم ہے تو ایسی صورت میں بالخصوص آج کے زمانہ میں اور ہمارے جیسے ملک میں، جہاں اسلام کی شناخت ہی جمعہ اور عیدین کے ساتھ باقی رہ گئی ہے، جمعہ کی اجازت دی جانی چاہئے، ایک تو اس لئے کہ مصر یا آبادی وغیرہ کی شرط مجتہد فیہ ہے اور مجتہد فیہ میں اس طرح کی گنجائش نکل آتی ہے، دوسرے حضرت عمرؓ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور حضرت عطاءؒ کے اقوال کی وجہ سے، جو درج ذیل ہیں:

۱- ''**عن أبی رافع عن أبی هريرة–رضی الله عنهما– أنهماكتبوا إلى عمريسألونه عن الجمعة، فكتب: جمعوا حيث كنتم**'' (مصنف ابن أبی شیبۃ، باب من یری الجمعۃ فی القری وغیرہا، حدیث نمبر: ۵۰۶۸)۔

۲- ''**وكيع عن جعفربن برقان قال: كتب عمربن عبدالعزيزإلى عدی بن عدی: أيما أهل قرية، ليسوا بأهل عمود ينتقلون، فأمرعليهم أميراً يجمع بهم**'' (مصنف ابن أبی شیبۃ، باب من یری الجمعۃ فی القری وغیرہا، حدیث نمبر: ۵۰۶۹)۔

۳- ''**عن عطاء قال: إذاكانت قرية لازقة بعضها ببعض جمعوا**'' (مصنف ابن أبی شیبۃ، باب من یری

الجمعۃ فی القری وغیرہا، حدیث نمبر: ۵۰۷۰)۔

۴- ''عن مالک قال: کان أصحاب محمد فی هذه المیاه بین مکة والمدینة یجمعون'' (مصنف ابن أبی شیبۃ، باب من یری الجمعۃ فی القری وغیرہا، حدیث نمبر: ۵۰۷۱) (دیکھئے مقالہ: مفتی جمیل اختر جلیلی، مولانا محمد اشرف قاسمی)۔

مولانا اشرف قاسمی نے مزید لکھا ہے کہ جہاں نماز باجماعت کا مسجد کے ساتھ نظم نہ ہو یا مسجد ہو لیکن مسلمانوں کی کمیٹی نہ ہو یا دونوں ہوں، لیکن امام وخطیب کا انتظام نہ ہو تو وہاں جمعہ درست نہیں ہے۔

سوال نمبر ۳: اور کیا گاؤں میں جمعہ ادا کرنے کی اجازت اس مقصد کے پیش نظر دی جاسکتی ہے کہ یہ نظام عام مسلمانوں اور مسلمانوں کے عام طبقات کو بہر حال کسی نہ کسی درجہ میں دین سے جوڑ کر رکھے گا، ان کے ایمان کی حفاظت کرے گا، اور اس کے واسطے سے آج کے گمراہ فتنوں سے ان کو آگاہ کیا جاسکے گا؟

اس سوال کے جواب میں بنیادی طور پر مقالہ نگاران کے درمیان دو رائیں پائی جارہی ہیں:

پہلی رائے جو بیش تر مقالہ نویس حضرات کی ہے، یہ ہے کہ عام مسلمانوں اور مسلمانوں کے عام طبقات کو دین سے جوڑے رکھنے، ان کے ایمان کی حفاظت کرنے اور ان کو موجودہ حالات کے گمراہ فتنوں سے آگاہ کرنے اور دور رکھنے کا یہی ذریعہ ہو کہ وہاں جمعہ کی نماز قائم کی جائے، تو ایسی صورت حال میں وہاں جمعہ کی نماز اور خطبہ کا نظام قائم کرنا جائز ہے (مفتی محمد شاہ جہاں ندوی، مفتی جمیل اختر جلیلی، مولانا صابر حسین ندوی، مفتی زبیر ندوی، مولانا ابو معاویہ معین الدین ندوی، مولانا مصطفیٰ عبد القدوس ندوی، مفتی سیف الاسلام اصلاحی، مولانا ابرار خان ندوی، مولانا ممتاز خان ندوی، مولانا فضل الرحمٰن اصلاحی، مفتی محمد اسجد دیولوی، مولانا شہاب کوثری، قاضی محمد حسن ندوی، مولانا محمد سیف اللہ قاسمی، ڈاکٹر مولانا اسرار الحق سبیلی، مفتی محمد عثمان بستوی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا مصطفیٰ آوا پوری، ڈاکٹر کلیم اللہ عمری، مفتی صادق محی الدین نظامی، مولانا فاروق قاسمی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا عبد التواب اناوی، مفتی محمد سلطان قاسمی، مولانا سعید احمد ندوی، مولانا قمر الزماں ندوی، مفتی محمد شفیق بڑودوی)۔

دلائل:

پہلی رائے اختیار کرنے والوں نے مندرجہ ذیل دلائل پیش کئے ہیں:

☆ ''**الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة أو خاصة**'' (مجلۃ الأحکام العدلیہ، مادہ: ۳۲) (مفتی محمد زبیر ندوی)۔

☆ ''**الضرورات تبیح المحظورات**'' (مفتی محمد زبیر ندوی)۔

☆ ''إذا ضاق الأمر اتسع'' (القواعد الفقہیہ ۳۵۷/)(مولانا ممتاز خان ندوی)۔

☆ کیونکہ دین کا تحفظ اختلافی شرط کے تحقق سے بڑھ کر ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

☆ ''وما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون'' (سورہ ذاریات:۵۶)(مفتی محمد شاہ جہاں ندوی)۔

☆ ''الذی خلق الموت والحياة ليبلوكم أيكم أحسن عملا'' (سورہ ملک: ۲) (مفتی محمد شاہ جہاں ندوی)۔

☆ ''من كفر بالله من بعد إيمانه إلا من أكره و قلبه مطمئن بالإيمان'' (نحل:۱۰۶)(مولانا ممتاز خان ندوی)۔

☆ انہی مقاصد کے پیش نظر بہت سے علماء نے جمعہ کا خطبہ مقامی زبان میں دینے کی اجازت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''و ذكر فإن الذكر تنفع المؤمنين'' (سورہ ذاریات:۵۵) (مفتی ابوبکر قاسمی، مفتی صادق محی الدین نظامی)۔

☆ لہٰذا جہاں مسلمانوں کو فتنہ ارتداد سے بچانے کے لئے جمعہ کی نماز قائم کرنا ناگزیر ہو جائے وہاں شرط کے تحقق سے زیادہ اہم دین وایمان کو بچانا ہے''ويقدم حفظ الدين من الضروريات على ما عداه عند المعارضة، لأنه المقصود الأعظم'' (التقریر والتحریر ۳۰۷/۳، شرح الکوکب المنیر ۴۲۷/۴)(مفتی محمد شاہ جہاں ندوی، مفتی محمد سلطان قاسمی، مفتی جمیل اختر جلیلی، مولانا صابر حسین ندوی، ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی، ڈاکٹر حافظ کلیم اللہ عمری)۔

☆ حفاظت دین شریعت کے اولین اور اہم مقاصد میں ہے اور ان مقاصد کو جس چیز سے تحفظ فراہم ہو اس کو ''مصلحت'' کہتے ہیں، اور جو چیز ان مقاصد میں حائل و مانع ہو اس کو'' مفسدہ'' کہا جاتا ہے، اور اس کا ازالہ و دفاع ''مصلحت'' کہلاتا ہے، امام غزالیؒ اسی کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''و مقصود الشرع من الخلق هو أن يحفظ عليهم دينهم و نفسهم و عقلهم و نسلهم و مالهم، فكل ما يتضمن حفظ هذه الأصول الخمسة فهو مصلحة، و كل مايفوت هذه الأصول فهو مفسدة و دفعه مصلحة'' (المستصفی:۴۸۲، المجلد الثانی)۔

(شریعت کا مقصد لوگوں کے دین، جان، عقل، نسل اور مال کی حفاظت ہے، ان کو لاحق ہونے والا کسی بھی طرح کا نقصان مفسدہ کہلائے گا، اس کا دفاع کرنا اور ان مقاصد شریعت کو محفوظ بنانا مصلحت کہلاتا ہے)۔

''مفسدہ'' اور ''مصلحت'' کی اس جامع تعریف کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ آج کے اس بے دینی والحادی ماحول

میں مسلمانوں کے دین وایمان کوتحفظ بخشنا شریعت کا عین مقصود ہے،اس لیے جمعہ کے قیام کی شکلیں نکالی جائیں (مولانا سعید احمد ندوی)۔

☆ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا فتوی:

البتہ چھوٹے دیہات جہاں پر کثیر آبادی نہ ہو، بلکہ وہاں پر صرف پچاس ساٹھ مسلمان ہی ہوں اور روزمرہ کی ضروریات کے لئے دوتین چھوٹی دکانیں ہوں ان کے بارے میں فقہاء احناف کی عام تصریحات یہی ہے کہ ان میں جمعہ جائز نہیں ہے،لیکن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ کا رجحان اس طرف ہے کہ حفظ ایمان وتبلیغ دین کے مقصد کی خاطر ایسے دیہاتوں میں بھی جمعہ کی اجازت ہونی چاہئے، چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

"لما كان حقيقة الجمعة إشاعة الدين فى البلد وجب أن ينظر إلى تمدن وجماعة، والأصح عندى أنه يكفى اقل ما يقال فيه قرية، لما روى من طرق شتى يقوى بعضها بعضا ،خمسة لاجمعة عليهم وعد منهم أهل البادية قال ﷺ الجمعة على الخمسين رجلا "أقول: الخمسون يتقرى بهم قرية، وقال الجمعة واجبة على كل قرية" (حجۃ اللہ البالغہ ۲/ ۳)۔

(جب جمعہ کا مقصد شہر آبادیوں میں دین کی اشاعت ہے تو جماعۃ اور تمدن کا لحاظ رکھنا ضروری ہوا، میرے نزدیک کم از کم جسے قریہ کہا جائے وہ جمعہ کے لیے کافی ہے، کیونکہ آنحضرت سے باختلاف طرق مروی ہے (جو ایک دوسرے کے موید ہیں) کہ پانچ قسم کے لوگوں پر جمعہ فرض نہیں، ان میں خانہ بدوش، بادیہ نشینوں کو شمار فرمایا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: پچاس آدمیوں پر جمعہ فرض ہے، شاہ صاحب فرماتے ہیں اسی تعداد پر قریہ کا لفظ بولا جاتا ہے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: ہر بستی پر جمعہ واجب ہے)۔

حضرت شاہ صاحب کی یہ بات موجودہ زمانے کے پس منظر میں بڑی اہمیت کی حامل ہے، کیونکہ مسلمانوں کی بڑی تعداد نمازوں سے دور ہے، وہ لوگ صرف جمعہ کو ہی نماز پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں اسی بہانے وہ لوگ ہفتہ میں ایک بار جمع ہوکر کچھ دین کی باتیں سن لیتے ہیں، اور اس طرح ان کے دین وایمان کا تحفظ ہوتا ہے، اور شہروں کے مقابلہ دیہاتوں میں جہالت اور بے دینی کچھ زیادہ ہی ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ جن روایات سے دیہاتوں میں جمعہ کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، ان کی روشنی میں دیہاتوں میں بھی جمعہ قائم کرنے کی اجازت دی جائے، تاکہ یہ چیز لوگوں کی دین سے وابستگی میں معاون ہو (مفتی عارف باللہ قاسمی، مولانا ممتاز خان ندوی، مفتی محمد اسجد دیولوی، مولانا محمد سیف اللہ قاسمی)۔

☆ مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کا فتوی:

حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد رحمہ اللہ نے متعدد استفتاءات کے جواب میں دیہات میں نماز جمعہ کے قیام کا فتوی دیا ہے:

فتوی: ۱

''ہمارے نزدیک جن گاؤں میں مسلمانوں کی مستقل آبادی ہو اور جماعت کے لئے بالغ مرد کافی ہوں، وہاں نماز جمعہ ہوسکتی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بھی اسی کے قائل ہیں، صرف وہ یہ فرماتے ہیں کہ چالیس مسلمان وہاں موجود ہوں تو پڑھنا چاہئے'' (فتاوی امارت شرعیہ ۱/۵۶)۔

فتوی: ۲

''میرے نزدیک حق یہ ہے کہ چالیس گھر مسلمانوں کی مستقل آبادی جہاں ہو، وہاں جمعہ وعیدین جائز ہے، اور میں یہ حکم دیتا ہوں کہ ایسی بستی میں جمعہ قائم کیا جائے'' (فتاوی امارت شرعیہ ۱/۵۶)۔

فتوی: ۳

''دیہات میں جمعہ کی بابت جو فتوی امارت سے بھیجا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جس گاؤں میں مسلمانوں کی مستقل آبادی ہو اور بالغ مرد جماعت کے لئے کافی ہوں، وہاں نماز ہوسکتی ہے'' (فتاوی امارت شرعیہ ۱/۵۶) (مولانا ابرار خان ندوی، مولانا ممتاز خان ندوی، مولانا محمد سیف اللہ قاسمی)۔

☆ علامہ ابن بازؒ کا فتوی:

"ولأنها إحدى الصلوات الخمس في يوم الجمعة، فوجب أداؤها على أهل القرى كأهل الأمصار، و كصلاة الظهر في حق الجميع في غير يوم الجمعة و إنما تركت إقامتها في البادية و السفر لعدم أمره صلى الله عليه وسلم للبوادي والمسافرين بإقامتها، و لأنه ﷺ لم يقم في السفر، وجبت إقامتها فيما سوى ذلك، و معلوم أن الذي سوى ذلك هو القرى و الأمصار، ولأن في إقامتها مصالح عظيمة من جمع أهل القرية في مسجد واحد و وعظهم و تذكيرهم كل أسبوع بما شرع الله في خطبتي الجمعة" (مجموع فتاوی، ورسائل الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز۔ المجلد الثانی عشر) (مولانا قمر الزماں ندوی)۔

☆ علامہ جزیری کی عبارت:

مقاصد شریعت میں سب سے اول مقصد دین کی حفاظت ہے، اس اعتبار سے بھی گاؤں میں جمعہ کی اجازت دی

جاسکتی ہے، جیسا کہ علامہ جزیری لکھتے ہیں:

"و لكن المشهور من مذهب أبى حنيفة أن المصر هو كل موضع له أمير وقاض يقدر على إقامة الحدود و إن لم ينفذها بالفعل، فلا يصح على هذا الرأى فى مساجد البلدان التى لاينطبق عليها هذا الشرط، و حيث أن معظم علماء المذهب أفتوا بالرأى الأول فمن الحيطة العمل به خصوصا أن جميع الأئمة لم يشترطوا هذا الشرط، فالذين يتركون صلاة الجمعة بناء على ما اشتهر عنه بعض الحنفية فى تعريف المصر لم يأخذوا بالأحوط لديهم خصوصاً إذا ترتب على ترك الجمعة تشكيک العامة ..... و استهانتهم بأداء واجباتهم الدينية" (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ: ۱/ ۳۴۴) (ڈاکٹر اسرار الحق سبیلی)۔

☆ مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی کی رائے:

مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی لکھتے ہیں: "ہندوستان وغیرہ کے موجودہ حالات میں کہ بعض علاقوں میں جمعہ ہی سے مسلمانوں کی شناخت رہ گئی ہے اور اسی کے ذریعہ نماز اور اسلام سے لوگ اپنی وابستگی کا احساس کرتے ہیں، ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ آراء وخیالات کے ان اختلافات سے فائدہ اٹھا کر شہر کے مفہوم میں جس قدر توسع ممکن ہو پیدا کی جائے کہ جمعہ محض ایک عبادت ہی نہیں تذکیر ودعوت بھی ہے مسلمانوں کی اجتماعیت کا اظہار بھی ہے اور اسلام کا ایک شعار بھی ہے" (قاموس الفقہ: ۳/ ۱۲۷، زمزم پبلشرز، کراچی) (مولانا ابومعاویہ معین الدین ندوی قاسمی، مفتی محمد اسجد دیولویی)۔

☆ جمعہ کے قیام کے دیگر بہت سے فوائد ہیں:

مفتی صادق محی الدین نظامی لکھتے ہیں: اتحاد ملت وقت کا اہم ترین تقاضہ ہے، اتحاد کے قیام میں مساجد کا بڑا رول ہے، جہاں باقاعدہ اذان وجماعت قائم ہوتی ہے وہاں مسلمان عام نمازوں میں کم تعداد میں کیوں نہ ہوں ضرور جمع ہوتے ہیں جس سے اجتماعیت ظاہر ہوتی ہے، اس میں مزید اضافہ کیلئے ذہن سازی کی جاسکتی ہے، تذکیر سے یقیناً فائدہ ہوتا ہے۔ "وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ" (الذاریات: ۵۵) (اور نصیحت کرتے رہیں یقیناً یہ نصیحت ایمان والوں کو فائدہ دے گی)، یوں تو جمعہ اور عیدین کے موقع سے مسلمان کثیر تعداد میں جمع ہوتے ہی ہیں اس کوشش سے ان شاء اللہ نماز پنجگانہ میں بھی بکثرت مسلمان جمع ہوسکتے ہیں، ظاہر ہے مساجد میں باجماعت نمازوں کے ادائیگی کیلئے مسلمانوں کا بکثرت جمع ہونا جہاں وحدت اسلامی کو ظاہر کرتا ہے وہیں خود مسلمانوں کے نفوس پر اور معاشرہ میں رہنے بسنے والی دوسری اقوام پر بھی

اس کے روحانی اثرات ضرور مرتب ہوتے ہیں، یہ وہ اجتماعیت ہے جس کا نظم شہروں اور دیہاتوں میں قائم ہوتو اس سے اقوام عالم پر بھی رعب قائم ہوتا ہے اور مسلمان بہت سے مصائب وآلام سے محفوظ رہ سکتے ہیں (مفتی صادق محی الدین فہیم نظامی)۔

انہیں میں سے بعض مقالہ نگار نے اس مسئلہ میں دوسرے مسالک کی آراء کو اختیار کرنے اور ان پر فتوی دینے کا مشورہ دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

☆ ایسے موقع پر دوسرے مذہب پر فتوی دینا بھی جائز ہے، لہٰذا موجودہ حالات میں مالکیہ کے مسلک پر فتوی دینا مناسب ہے، جن کے یہاں جمعہ صحیح ہونے کی شرطیں درج ذیل ہیں:

۱-آبادی باقاعدہ ہو۔ ۲-امام کے علاوہ بارہ مرد کا حاضر ہونا۔ ۳-امام کا ہونا۔ ۴-دو خطبے۔ ۵-مسجد کا ہونا۔

(مفتی محمد شاہ جہاں ندوی، مفتی محمد زبیر ندوی، مولانا روح الامین مظاہری (شافعیہ کے مسلک پر)، مولانا سعید احمد ندوی، مفتی محمد سلطان قاسمی)۔

مولانا روح الامین مظاہری، مولانا جنید احمد قاسمی اور مفتی محمد عثمان بستوی نے مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کے موقف کو اختیار کرتے ہوئے اس مسئلہ میں مسلک شوافع پر عمل کو جائز کہا ہے، مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کی رائے یہ ہے:

''جن بستیوں میں قدیم سے جمعہ پڑھا جاتا ہے، اور جمعہ چھڑانے سے لوگ نماز پنج وقتہ بھی چھوڑ دیتے ہیں، ایسی بستیوں میں جمعہ پڑھنا چاہئے، تاکہ اسلام کی رونق اور شوکت قائم رہے۔..... ہاں! جن چھوٹے گاؤں میں پہلے سے جمعہ قائم نہیں ہے وہاں قائم نہ کریں، اور جہاں پہلے قائم تھا، پھر چھوڑ دیا، اور اس کی وجہ سے لوگوں نے نماز جمعہ چھوڑ دی، وہاں پھر شروع کردیں۔

''**واستشهد له بما فی التجنیس عن الحلوانی: إن کسالی العوام إذا صلوا الفجر بعد طلوع الشمس لایمنعون، لأنهم إذا منعوا ترکوها أصلا، و أداؤها مع تجویز أهل الحدیث لها أولی من ترکها أصلا الخ**'' (کفایت المفتی ۳/ ۲۳۵)۔

ایک اور استفتاء کے جواب میں آپ نے لکھا ہے: ''ان دونوں موضعوں میں جمعہ کی نماز حنفی مذہب کے موافق قائم نہ کرنا چاہئے، لیکن اگر قدیم الایام سے ان میں جمعہ قائم ہوتو اسے بند بھی نہ کرنا چاہئے کہ دوسرے ائمہ کے مذہب کے موافق جمعہ ہوجاتا ہے۔

مسئلہ مجتہد فیہ ہے، اور مفاسد لازمہ عمل بمذہب الغیر کے لیے وجہ جواز ہے'' (أیضاً: ۳/ ۲۳۸، ۲۳۹)۔

الغرض جمعہ کی فرضیت قطعی ہے، اس کے شرائط ظنی ہیں، اور مسئلہ مجتہد فیہ ہے، اس لیے تشدد مناسب نہیں، سوال نامے میں تو مذکور ہے کہ اکابر نے دین وایمان کے تحفظ کی خاطر بدعات سے بھی وابستہ رہنے کی اجازت دے دی، بلکہ مصالح کی خاطر مسلک شوافع پر بھی عمل جائز ہونا چاہئے، ''کفایت المفتی'' میں ایک مقام پر ہے:

''قریۂ کبیرہ جس پر ''مصر'' کی کوئی تعریف بھی صادق آجائے، مثلاً: ''**مالایسع أکبر مساجده أهله المکلفین بها**''، اس میں اقامت جمعہ جائز ہے اور اگر کوئی تعریف بھی صادق نہ آئے جب بھی اس مسئلے میں حنفیہ کے لیے مصالح عامہ اسلامیہ کے لحاظ سے شوافع کے مسلک پر عمل کرلینا جائز ہے'' (کفایت المفتی ۲/۲۴۱) (مقالہ روح الامین مظاہری)۔

مولانا سعید احمد ندوی لکھتے ہیں: دوسری طرف آج حالات بھی یکسر تبدیل ہو چکے ہیں، دنیا کافی آگے نکل چکی ہے، موبائل اور انٹرنیٹ گاؤں گاؤں پہنچ چکے ہیں، پہلے کے بالمقابل گاؤں اور شہر میں زیادہ فرق نہیں رہا، عام طور سے ساری بنیادی ضرورتیں گاؤں میں ہی پوری ہوجاتی ہیں، ساری اہم سہولتیں مہیا ہوچکی ہیں، اب وہ دور نہیں رہا کہ معمولی معمولی کاموں کے لیے شہر کا رُخ کیا جاتا، گاؤں کی اس برق رفتار ترقی کو مدنظر رکھتے ہوئے اور دوسری طرف ملت اسلامیہ کو درپیش چیلنجز کو دیکھتے ہوئے کہ اس وقت امت کے ایمان کی حفاظت کا انتظام وقت کا سب سے بڑا تقاضہ ہے اور اس میں سب سے اہم کردار نماز جمعہ ہے، جہاں ہر ہفتہ مسلمان گاؤں گاؤں قریہ قریہ بہ آسانی جمع ہوجاتے ہیں، راقم کی رائے ہے مسلک غیر کو اختیار کرنے کی فقہ حنفی میں نظیر ملتی ہے، زوجہ مفقود الخبر کے تعلق سے امام مالکؒ کے مسلک کو اختیار کیا گیا، آج اس سے زیادہ خطرناک بات کیا ہوگی اور کونسا نازک موقع ہوگا کہ امت کا ایمان اور اعمال خطرہ میں ہے، اس لیے امام ابوحنیفہؒ کا پہلا قول جو اوپر گزرا اس کو اختیار کیا جائے، مصلحتاً جمعہ قائم کرنے کی اجازت دی جائے، اور نماز جمعہ قائم کیا جائے اور جہاں پہلے سے قائم ہے اسے برقرار رکھا جائے (مولانا سعید احمد ندوی)۔

جبکہ دوسری رائے یہ ہے کہ گاؤں میں جمعہ کے قیام سے عام مسلمانوں اور مسلمانوں کے عام طبقات کو دین سے جوڑے رکھنے، ان کے ایمان کی حفاظت کا ذریعہ اور آج کے گمراہ فتنوں سے آگاہ کرنے کا اہم ترین پلیٹ فارم ہے، لیکن محض مذکورہ مقاصد کے لئے دیہات میں جمعہ قائم کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، بلکہ فقہاء نے قیام جمعہ کے لئے مصر یا جس قصبہ پر مصر کی تعریف صادق آتی ہو کی شرط لگائی ہے، لہٰذا جہاں وہ شرط پائی جائے گی وہاں جمعہ کا قیام جائز و درست ہوگا، ورنہ نہیں (مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی راسخ الاسلام قاسمی، مفتی رضی احمد رحمانی، مفتی محمد اشرف قاسمی، مولانا سلمان بن سلیمان ندوی، مفتی اسعد بن عبد الرزاق پالنپوری، مفتی مقصود فرقانی، مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مفتی ارشاد

پالنپوری، مولانا شاکر نثار مدنی، مولانا ارشد عطاء اللہ غوری، مفتی اکرم سعادتی، مولانا سیف الرحمٰن، مولانا عبدالاحد قاسمی، مفتی جنید محمد پالنپوری، مولانا محمد صالح ازہری، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا جلال الدین چودھری، مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی، مولانا حبیب اللہ نعمانی، مولانا محمد انور حسین مدنی، مفتی عبدالسلام قاسمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، قاضی عبدالجبار طیب ندوی)۔

دلائل:

ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

☆ شریعت میں مصلحت کی رعایت اس وقت ہوتی ہے جب وہ حکم شرعی کے خلاف نہ ہو اور جب مصلحت حکم شرعی کے خلاف ہو تو پھر مصلحت کی اجازت ہرگز نہ ہوگی؛ بلکہ حکم شرعی پر عمل کرنا لازم ہوگا، گاؤں میں جب شرائط جمعہ موجود نہ ہوں، تو پھر کسی دینی فائدہ و مصلحت کے پیش نظر جمعہ پڑھنا درست نہیں ہونا چاہئے؛ بلکہ ظہر باجماعت ادا کرنا ضروری ہے، جس کی قسمت میں نماز اور عبادت لکھی ہے اور جس کو خوف خدا ہے وہ پھر بھی ادا کرے گا۔

☆ "**المفسدة إذا ترجحت على المصلحة اقتضت تحريم الفعل**" (روح المعانی: سورۃ البقرۃ: ۲۱۹: ۲/۱۷۳، ط: زکریا، دیوبند)۔

☆ "**إذا كان فعل الإمام مبنياً على المصلحة فيما يتعلق بالأمور العامة لم ينفذ أمره شرعاً إلا إذا وافقه، فإن خالفه لم ينفذ**" (الأشباہ والنظائر قدیم: ص: ۹۸۱، ط: دارالعلوم دیوبند)۔

☆ نیز دوسرے مجتہد کے قول پر عمل کرنا اس وقت جائز ہے جب اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آئے اور یا موضع ضرورت میں جائز ہے اور ظاہر ہے کہ جمعہ میں نہ تو کوئی ضرورت ہے اور جو مصلحتیں لکھی ہیں یہ ضرورت کی حد کو نہیں پہونچتیں، کیونکہ ضرورت کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے بغیر ضرر لاحق ہونے لگے اور ضرر سے مراد حرج اور تنگی اور مشقت ہے، سو یہ امور متحقق نہیں اور جمعہ پڑھنے سے اپنے مذہب کے چند مکروہات کا ارتکاب بھی لازم آتا ہے (مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، مولانا جلال الدین چودھری)۔

☆ حضرت مفتی شفیع شاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں:

اور کسی کا یہ کہنا بالکل صحیح نہیں کہ اس بہانہ سے نماز پڑھ لیتے ہیں، مسلمان تو احکام شرعیہ کے مامور ہیں، حدود مذہب کے اندر لوگوں کو نماز کے لئے جمع کرنا چاہئے، اگر وہ کسی ایسی صورت میں جمع ہوں جو شرعاً ناجائز ہو تو ایسے اجتماع ہی سے

کیا فائدہ ہے، جب نماز جمعہ چھوٹے گاؤں میں ادا نہیں ہوگی، تو پھر ایسی نماز کے لئے اگر جمع ہو بھی گئے اور پڑھ بھی لی تو کیا فائدہ؟ اس لئے مسلمانوں کو تو فتوے پر عمل کرنا چاہئے، جس کی قسمت میں نماز اور عبادت لکھی ہے اور جس کو خدا کا خوف ہے وہ پھر بھی پڑھے گا، اور جو بدقسمت نہ پڑھے تو اس کا فکر کسی کے ذمہ نہیں وہ اپنی قبر کا خود سامان کرے گا'' (جواہر الفقہ : ۳۱۱/۴، ط: مکتبہ تفسیر القرآن، دیوبند) (مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، مفتی شاکر ثار مدنی)۔

☆ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

'' حنفیہ کی تمام کتابیں متون وشروح وفتاویٰ جمعہ کے لئے مصر یا قریۂ کبیرہ کی شرط کو ضروری قرار دیتی ہیں،، مالکیہ اور شافعیہ کے یہاں بلاشبہ گاؤں میں بھی جمعہ ہوجاتا ہے؛ لیکن کسی ایک مسئلے میں مالکیہ یا شافعیہ کے قول کو لینا اور باقی نماز حنفیہ کے طریقے پر پڑھنے میں ''تلفیق'' کا اندیشہ ہے جو باجماع فقہاء باطل ہے اور اس سے کسی کے نزدیک نماز صحیح نہیں ہوتی؛ لہذا مالکیہ یا شافعیہ کے مسلک پر عمل کر کے جمعہ ادا کر لینا کسی طرح درست نہیں، حنفیہ کے نزدیک گاؤں میں جمعہ کے جواز کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ امام مسلمین وہاں جمعہ پڑھنے کا حکم دیدے، یہ صورت بھی ہمارے ملک میں مفقود ہے۔

اس پر مفصل رسائل حنفیہ نے لکھدیئے ہیں، جن میں علامہ نیموی، حضرت گنگوہی، حضرت شیخ الہند رحمہم اللہ وغیرہ کے رسائل معروف ومشہور ہیں، حضرت شیخ الہندؒ کا رسالہ '' اوثق العریٰ فی تحقیق الجمعۃ فی القریٰ'' سب سے زیادہ مفصل ہے۔

تیسری مختصر بات یہ ہے کہ بخاری اور ابوداؤد وغیرہ کی معروف حدیث کے مطابق مدینہ طیبہ کے بعد سب سے پہلا جمعہ'' جواثی'' نامی قلعے میں پڑھا گیا ہے جو بحرین کی تجارتی منڈی تھی، حالانکہ بحرین کی فتح سے پہلے بیشمار دیہات مسلمان ہو چکے تھے، وہاں کہیں بھی جمعہ پڑھنا ثابت نہیں؛ بلکہ جمعہ نہ پڑھنا ثابت ہے۔

نیز صحیح بخاری میں مروی ہے کہ عوالی بستیوں کے صحابہ کرامؓ باری باری جمعہ پڑھنے کیلئے مدینہ آیا کرتے تھے، اگر وہاں جمعہ جائز ہوتا تو اس کی کوئی ضرورت نہ تھی، اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات میں جمعہ کے دن ظہر کی نماز پڑھائی ہے، جس پر تمام روایات متفق ہیں، یہ تمام دلائل اس قدر قوی ہیں کہ حنفیہ کے مسلک کو ضعف دلیل کی بنیاد پر چھوڑنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا'' (فتاوی عثمانی: ۱/ ۵۶۳، ۵۶۴، ط: نعیمیہ، دیوبند)۔

''ولو أن رجلا برء من مذهبه باجتهاد و صح له كان محمودا مأجورا ، أما انتقال غيره من غير دليل بل لما يغب من غرض الدنيا و شهوتها فهو مذموم الإثم المستوجب للتأديب والتعزير ، لإرتكابه المنكر فى الدين واستخفافه بدينه و مذهبه '' (شامی باب التعزیز/ مطلب فیما إذا ارتحل إلی غیر مذہبہ: ۸۰/۴ ط: کراچی) (مفتی اقبال محمد ٹنکاروی)۔

مفتی اقبال محمد ٹنکاروی لکھتے ہیں: البتہ رہی یہ مصلحت کہ اقامت جمعہ کا یہ نظام عام مسلمانوں کو کسی نہ کسی درجہ میں دین سے جوڑے رکھے گا، اور آج کل کے گمراہ فتنوں سے ان کو آگاہ کیا جاسکے گا اور ان کے ایمان کی حفاظت کرے گا، تو اس کے واسطے میرے خیال سے جمعہ کا قیام ہی کوئی ضروری نہیں ہے، بلکہ اس کا حصول تو اس سے بھی ہوسکتا ہے کہ جمعہ کی جگہ ظہر کی نماز ہی ادا کی جائے، لیکن جس طرح جمعہ سے پہلے وعظ ونصیحت کا نظام ہے، تو چھوٹے گاؤں میں بھی ظہر سے پہلے وعظ ونصیحت کا نظام قائم کیا جائے اور عام مسلمانوں کو نیز ناخواندہ یا کم خواندہ مسلمانوں کو اس میں شریک ہونے کی ترغیب دی جائے، اور پند ونصائح کے ذریعہ سے ان کو اسلامی احکامات اور آج کل کے گمراہ فتنوں سے بھی آگاہ کیا جائے، تاکہ وہ کسی نہ کسی درجہ میں دین سے وابستہ رہیں اور ان کے ایمان کی حفاظت ہوتی رہے، اور ان کو جمعہ کے دن کی عظمت کا اور ایک درجہ میں جمعہ پڑھنے کا احساس بھی ہوتا رہے (مفتی اقبال محمد ٹنکاروی)۔

تاہم ان میں سے بیشتر مقالہ نگار نے اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ اگر کسی چھوٹی بستی میں وہاں کے لوگ جمعہ قائم کرلیں اور جمعہ کو بند کرانے میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کے قول پر عمل کیا جاسکتا ہے کہ وہاں جمعہ بند نہ کرایا جائے (مفتی انور علی اعظمی وغیرہ)۔

مولانا عبد الغفار قاسمی لکھتے ہیں: اس کے باوجود اگر کسی جگہ کی بدحالی اور بے دینی کی وجہ سے وہاں کے فقہاء کرام اضافی طور پر انفرادی حیثیت سے وہاں کے لئے کوئی الگ حکم طے کریں تو اس کی گنجائش ہوسکتی ہے، جیسا کہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے مسلمانوں کی ایک بستی کے حالات دیکھ کر تعزیہ داری کی اجازت دے دی اور استفسار پر فرمایا کہ بدعت ان کے لئے وقایہ کفر ہے، تاہم اس سلسلہ میں عام حکم مناسب نہیں۔

مولانا خورشید انور اعظمی لکھتے ہیں: پھر آج جبکہ حکومت کی منشاء کے بموجب مساجد کی تعمیر کی اجازت لینی پڑتی ہے اور اس کا رجسٹریشن کرانا ضروری ہوتا ہے، تو بہتر یہ ہے کہ مسجد کی تعمیر، حکومت کی اجازت سے کی جائے، تاکہ وہاں مندرجہ ذیل جزئیہ کی روشنی میں اقامت جمعہ کی گنجائش بھی پیدا ہوسکے، ردالمحتار میں ہے:

"**إذا بنى مسجد في الرستاق بأمر الإمام فهو أمر بالجمعة اتفاقا على ما قاله السرخسي**" (رد المحتار ۲/ ۱۳۸)۔

دوسری رائے کے حاملین نے مسلمانوں کو دین سے جوڑے رکھنے، ایمان کی حفاظت اور گمراہ فتنوں اور ارتداد سے بچانے کے لئے متبادل طریقوں اور راہوں کی طرف رہنمائی کی ہے:

- گاؤں میں مکاتب کا سلسلہ شروع کیا جائے اور ہر گھر کے بچے اور بچیوں کو اس نظام سے مربوط کیا جائے، معیاری

مدرسہ قائم کرنا بھی بہت ضروری سمجھا جائے۔

- گھر میں اور مسجد میں روزانہ تعلیم کا نظام قائم کیا جائے۔
- مکتب دینی کا قیام ضروری سمجھا جائے۔
- جمعہ کے دن ظہر سے پہلے دینی باتیں بتانے کا اہتمام کیا جائے۔
- دینی اجتماعات ومشورے کا نظام رائج کرنا وغیرہ۔

(مفتی محمد اشرف قاسمی، مفتی رضی احمد رحمانی، مولانا سلمان بن سلیمان ندوی، مفتی اسعد بن عبدالرزاق پالنپوری، مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، مولانا ارشد عطاء اللہ غوری، مفتی اکرم سعادتی، مولانا عبدالاحد قاسمی، مولانا محمد صالح زماں ازہری، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا جلال الدین چودھری، مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی، مفتی عبدالسلام قاسمی، قاضی عبدالجبار ندوی)۔

فتاوی محمودیہ میں حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ نے اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے:

''اگر دیہات میں لوگ نماز نہیں پڑھتے تو ان کو نمازی بنانے کے لئے دوسری تدابیر اختیار کی جائیں، مثلاً وعظ وتبلیغ سے اگر کام نہ چلے تو انجمنیں قائم کی جائیں اور اس میں تارک صلاۃ کے لئے مختلف سزائیں مقرر کردی جائیں، مثلاً تارک صلاۃ کے یہاں کوئی شادی نہیں کرے گا، برادری کے کاموں میں شریک نہیں کیا جائے وغیرہ وغیرہ، یہ کیا ضروری ہے کہ ان کو نمازی بنانے کے لئے ایک ناجائز فعل کا ارتکاب کیا جائے، اگر اقامت جمعہ کی وجہ سے انہوں نے نماز پڑھ لی تو دیگر نمازوں کے لئے کیا کیا جائے گا'' (فتاوی رحیمیہ ۱۲/ ۲۴۲) (مولانا محمد صالح زماں ازہری، مفتی عبدالرحیم قاسمی)۔

☆☆☆

عرض مسئلہ:

موجودہ حالات میں جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط

مفتی انور علی اعظمی☆

الحمد الله و کفی و سلام علی عباده الذین اصطفی۔

راقم الحروف کو کل اٹھاون (58) مقالات موصول ہوئے، مقالہ نگار حضرات کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی رحمت اللہ ندوی، ڈاکٹر محمد شاہ جہاں ندوی، مفتی محمد اشرف قاسمی، مولانا عبید اللہ ندوی، مفتی محمد زبیر ندوی بہرائچی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مولانا جمیل اختر جلیلی ندوی، مولانا روح الامین مظاہری، مولانا ابو معاویہ محمد معین الدین ندوی قاسمی، ڈاکٹر مفتی محمد مصطفیٰ عبد القدوس ندوی، مفتی ارشاد پالنپوری، مفتی محمد مقصود فرقانی، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مفتی راسخ الاسلام قاسمی اریاوی، مفتی ابو بکر قاسمی، مفتی سیف الاسلام اصلاحی، مولانا محمد ابرار خان ندوی، مفتی محمد فاروق قاسمی، مولانا محمد شاکر نثار مدنی اعظمی، مولانا عبد التواب اناوی، مفتی محمد سلطان کشمیری، مولانا ارشد عطاء اللہ غوری، مفتی سعید احمد ندوی، مفتی جنید احمد قاسمی، مفتی رضی احمد رحمانی ندوی، مفتی محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی، مفتی اسعد بن مولانا عبد الرزاق پالنپوری، مولانا محمد اکرام سعادتی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا سیف الرحمٰن صاحب، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، مولانا عبد الاحد قاسمی، مفتی جنید محمد پالنپوری، مولانا محمد صالح الزماں قاسمی ازہری، مفتی فضل الرحمٰن اصلاحی قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی محمد شفیق بڑودوی، مولانا جلال الدین چودھری، مفتی محمد اقبال قاسمی، مفتی عبد الغفار قاسمی، مولانا سلمان بن سلیمان ندوی، مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی خیر آبادی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی، ڈاکٹر حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مفتی محمد عارف باللہ قاسمی، مولانا اسجد دیولاوی، مفتی شباب کوثری، مفتی حبیب اللہ نعمانی، مولانا حافظ صادق محی الدین نظامی، قاضی محمد حسن ندوی، مولانا محمد سیف اللہ عرشی قاسمی، ڈاکٹر مفتی اسرار الحق سبیلی، مولانا محمد انور حسین مدنی، مفتی محمد عثمان بستوی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی عبد السلام قاسمی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، قاضی

☆ سابق شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم، مئو۔

عبدالجبار طیب ندوی، مفتی محمد عاشق صدیقی ندوی، مفتی انور علی اعظمی۔

۱-سوال نمبر ا کے جواب میں علماء کرام کی چار آراء ہیں:

۱-علماء اور مفتیان کا ایک گروہ مصر ہونے کے لئے اس تعریف کو ترجیح دیتا ہے۔

"المصر وهو مالا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها"۔

مصر وہ جگہ ہے جہاں چند مسجدیں ہوں اور اس جگہ کی سب سے بڑی مسجد وہاں کے تمام مکلّف مردوں کے لئے تنگ ہو جائے۔

اس رائے کے قائلین تیرہ حضرات ہیں جن کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

ڈاکٹر مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مولانا خورشید انور مظہر العلوم بنارس، مفتی جنید عالم ندوی، مفتی رضی احمد رحمانی، مولانا عبید اللہ ندوی، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، مولانا روح الامین مظاہری، مولانا سیف اللہ عرشی، مولانا محمد زبیر ندوی، مفتی محمد اسجد دیولوی، راقم الحروف انور علی اعظمی۔

۲-دوسری جماعت نے مصر کی تعریف میں عرف کو بنیاد بنایا ہے، اس رائے کے قائلین مندرجہ ذیل حضرات ہیں:

مفتی اقبال احمد قاسمی کانپور، مفتی ارشاد پالنپوری، مولانا سیف الاسلام اصلاحی، مولانا محمد شفیق بڑودروی، مولانا محبوب فروغ قاسمی، مفتی فضل الرحمٰن اصلاحی، مولانا تبریز عالم قاسمی، مفتی جنید پالنپوری، مولانا جنید احمد قاسمی، مفتی اقبال ٹنکاروی، مولانا صابر حسین ندوی، مولانا حبیب اللہ قاسمی۔

۳-تیسرا گروہ وہ ہے جو مسلمانوں کی چھوٹی بستی اور قریہ صغیرہ کو مصر مانتا ہے اور ائمہ ثلاثہؒ اور شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی کے قول کو بنیاد بنا کر پچاس مردوں یا چالیس مردوں کی تعداد کو مصریت کے لئے کافی سمجھتا ہے، اس رائے کے قائلین مندرجہ حضرات ہیں:

مولانا ممتاز احمد خان ندوی، مفتی محبوب علی رامپوری، مولانا سلمان بن سلیمان کیرالہ، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا ابوبکر قاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا سعید احمد ندوی، مولانا عبدالتواب اناوی، مولانا ابرار ندوی، مولانا مصطفیٰ قاسمی آواپوری، مفتی سلطان کشمیری، مفتی راسخ الاسلام قاسمی اریاوی، مفتی محمد فاروق قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مفتی محمد اشرف قاسمی، ڈاکٹر کلیم اللہ عمری، مولانا جمیل اختر جلیلی ندوی، مولانا شہاب کوثری کیرالہ، ڈاکٹر مفتی حافظ محمد صادق محی الدین، قاضی محمد حسن ندوی۔

چوتھی جماعت قریہ کبیرہ میں جمعہ کو صحیح مانتی ہے، قریہ صغیرہ یا چھوٹی بستی میں قیام جمعہ کی صحت کا انکار کرتی ہے، اس

رائے کے حاملین مندرجہ ذیل حضرات ہیں:

مفتی محمد مقصود فرقانی رامپور، مولانا عبید اللہ قاسمی، مولانا شاکر نثار مدنی اعظمی، شیخ صالح زماں قاسمی، مولانا ارشد عطاء اللہ غوری، مولانا ابو معاویہ معین الدین ندوی قاسمی، مولانا اسعد عبد الرزاق پالنپور، مولانا سیف الرحمٰن الہ آباد، مولانا عارف باللہ قاسمی حیدرآباد، قاضی عبد الجبار ندوی، مفتی محمد عثمان بستوی۔

پہلی رائے جس کی بنیاد اس تعریف پر ہے ''**المصر وهو مالايسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها**'' وہ حنفی فقہ کی بہت سی کتابوں میں مذکور ہے اور عصر حاضر کے متعدد علماء نے اسے قبول بھی کیا ہے، مفتی کفایت اللہؒ نے اپنے فتاوے میں کئی جگہ اس کو ترجیح دی ہے، مولانا ابو المحاسن سجادؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے، حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی ایک عبارت بھی متعدد حضرات نے حضرت سے نقل کی ہے، اس سے اس کی حمایت ہوتی ہے، چنانچہ درمختار کی یہ عبارت ان میں سے بیشتر حضرات نے ذکر کی ہے۔

''**ويشترط لصحتها سبعة أشياء:**

الأول المصر وهو ما لايسع أكثر مساجده أهله المكلفين بها و عليه فتوى أكثر الفقهاء مجتبى لظهور التوانى فى الأحكام''۔

علامہ شامی اس تعریف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''**عن أبى السعود قوله: (مالايسع الخ) هذا يصدق على كثير من القرى ط قوله (المكلفين بها) احترز به عن صاحب الأعذارمثل النساء والصبيان والمسافرين ط عن القهستانى قوله: (وعليه فتوى أكثر الفقهاء الخ) وقال ابو شجاع: هذا احسن ما قيل فيه و فى الولوالجيه: وهو صحيح ''بحر'' و عليه مشئ فى الوقايه و متن المختار و شرحه وقدمه فى متن الدرر على القول الآخر و ظاهره ترجيحه وأيده صدر الشريعة بقوله لظهور التوانى فى أحكام الشرع سيما فى إقامة الحدود فى الأمصار**'' (ردالمحتار باب الجمعہ ۳/۷، مکتبہ دارالکتاب دیوبند، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۲۶۶)۔

علامہ وہبہ زحیلیؒ نے اپنی مشہور کتاب ''الفقہ الاسلامی وادلتہ'' میں اسی کو حنفیہ کا مسلک قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''**قال الحنفيه: يشترط لإقامته فى مصر أى بلد كبير وهو ما لايسع أكبر مساجدها بأهله المصلين بالجمعه و القرية بخلافها**'' (ص ۲۵)۔

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ عبد القدوس ندوی اور متعدد حضرات نے ''الفقہ علی مذاہب الاربعہ'' کی یہ عبارت بھی اسی مسئلہ میں

ذکر کی ہے:''**والفرق بين القريه والمصر ، أن المصر مالا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بصلاة الجمعه و لو لم يحضروا بالفعل و بهذا أفتى أكثر فقهاء الحنفيه**''۔اسی کتاب میں آگے مذکور ہے:''**و لهذا جري جمهور محققى الحنفيه على أن المصر هو ما كان أكبر مسجد فيه لايسع أهله الذين تجب عليهم الصلاة وإن لم يحضروا فعلا**''(الفقہ علی مذاہب الاربعہ،ص:۳۴۵)۔

مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی نے مفتی کفایت اللہ کا فتوی نقل کیا ہے،مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''مالایسع اکبر مساجدہ پر بہت سے مشائخ حنفیہ نے فتوی دیا ہے،تنفیذ احکام اور اقامت حدود والی تعریف آج کل کسی شہر پر صادق نہیں آتی''(کفایت المفتی ۱۷۶/۳)۔

مولانا خورشید انور مظہر العلوم بنارس نے مولانا قاسم نانوتویؒ کی یہ عبارت نقل کی ہے:

''احتیاط ہمیں است کہ تا مقدور رعایت شہر پیش نظر ماند واگر کسے در دیہے جمعہ قائم کند دست گریبانش نہ زنند کہ اول این شرط ظنی بود باز حسب تقریر مذکور ضعفے دیگر دراں ہم رسید''(لطائف قاسمیہ)۔

(احتیاط اس میں ہے کہ جہاں تک ہو سکے شہر کی رعایت پیش نظر رہے اور اگر کوئی دیہات میں جمعہ قائم کرے تو اس کا گریبان نہ پکڑیں اس لئے کہ اول یہ شرط ظنی ہے اور پھر مذکورہ تقریر کے بعد اس میں دوسرے قسم کا ضعف بھی ہے)۔

مصریت کے ثبوت کے لئے اس تعریف کو بنیاد بنانے میں مسلک حنفی سے عدول کا الزام نہیں آسکتا،اس لئے کہ اس تعریف کو محققین حنفیہ نے اختیار کیا ہے،دوسرے یہ کہ اس تعریف کو قبول کرنے میں مصر کے اطلاق کا دائرہ وسیع ہوسکتا ہے، جب کہ علامہ شامی نے شیخ ابوالسعود کا قول نقل کیا ہے:''ہذا یصدق علی کثیر من القری''،تیسرے یہ کہ جہاں کم از کم تین مسجدیں ہوں وہاں مسلمانوں کی ایک معتد بہ آبادی ہوگی،کسی دیہات میں تین مسجد کا ہونا اس کے بڑی بستی ہونے پر دلالت کرتا ہے اور ہندوستان میں جہاں اکثر و بیشتر ہندو و مسلم دونوں کی آبادیاں مشترک ہوتی ہیں اگر مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی آباد ہیں تو اس کے قریہ کبیرہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں،ایسی بستی میں تمدن بھی ہوگا،انٹرنیٹ کے اس دور میں اشیاء ضروریہ کا ملنا بھی آسان ہوگا،اس لئے وہاں اقامت جمعہ سے انکار کرنا بالکل نامناسب ہے،ایسی جگہوں پر جمعہ کا قیام ضرور ہونا چاہئے، ہمارے مئوضلع میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کا گاؤں فتح پور ہے اس کے بغل میں مشہور گاؤں حمید پور ہے اور اس کے بالکل متصل دوسرا گاؤں رسول پور ہے،دونوں گاؤں کی مجموعی آبادی تین ہزار سے زائد ہے،متعدد مسجدیں ہیں،اشیاء ضروریہ ملتی ہیں،بڑا بازار نہیں ہے،اس بنا پر بہت دنوں تک لوگ اقامۃ جمعہ کے سلسلہ میں تذبذب کا شکار تھے،مفتی عبداللہ پھولپوریؒ کو لے گئے،ہم لوگوں کو بلایا،لیکن کچھ متشدد لوگ جمعہ قائم کرنے سے روکتے تھے،

دارالعلوم دیوبند سے استفتاء کیا، انھوں نے لکھا کہ مقامی علماء سے رابطہ کیا جائے، اب بہت دنوں کے بعد دونوں گاؤں میں جمعہ قائم ہوگیا۔

دوسرا گروہ جو مصر کی کوئی تعریف کرنے کے بجائے عرف کو بنیاد بناتا ہے، اس کے نزدیک مصر یا تو بڑا شہر ہوگا یا ایسی بڑی آبادی ہوگی جس کو ہمارے ملک کی اصطلاح میں قصبہ یا گاؤں ٹاؤن ایریا کہا جاتا ہے، جہاں ڈاکخانہ، تھانہ، بڑا بازار، یہ تمام چیزیں موجود ہوں، مصر کی تحدید میں اس گروہ کی رائے اور ان لوگوں کی رائے جو قیام جمعہ کے لئے شرط لگاتے ہیں قریب قریب ہے۔

ان حضرات کی رائے وہی ہے جس پر احناف کے یہاں عمومی طور پر عمل چل رہا ہے، لیکن اس رائے کی بنیاد پر بہت سے بڑے گاؤں جہاں تین یا اس سے زائد مسجدیں ہیں، بڑی آبادی ہے وہ مصر سے نکل جاتے ہیں؛ جبکہ محققین احناف نے اس کو قریہ کبیرہ میں شامل کرکے وہاں قیام جمعہ کو درست کہا ہے۔

دوسرا گروہ جو ہر چھوٹی بڑی مسلم بستی میں جمعہ کے قیام کی رائے دیتا ہے، ان حضرات نے ائمہ ثلاثہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے اقوال کو بنیاد بنایا ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے پچاس مسلم مردوں والے گاؤں کو قریہ مان کر جمعہ درست قرار دیا ہے اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبل کے یہاں چالیس مردوں کا ہونا کافی ہے، اور امام مالکؒ کے نزدیک وطن بنا کر مستقل آباد ہونا ضروری ہے، مصر کی شرط نہیں ہے۔

ان حضرات نے جمعہ کی افادیت، فتنوں سے حفاظت اور دین وایمان کے تحفظ کے مقصد سے عدول عن مسلک الحنفیہ کی گنجائش دی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ کام آسان نہیں ہے، ان کے جذبات اچھے ہیں؛ لیکن اس کے نتیجہ کو سامنے رکھنا بھی ضروری ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے فیصلہ سے نفع سے زیادہ نقصان ہوجائے۔

عرف کو بنیاد بنانے والے کچھ حضرات نے بھی مسلمانوں کی چھوٹی بستی میں جمعہ کو جائز کہا ہے؛ جیسے مولانا فضل الرحمٰن اصلاحی، مفتی سیف الاسلام اصلاحی، مولانا شفیق بڑودہ، مولانا اقبال احمد قاسمی کانپوری، البتہ مولانا قاری ظفر الاسلام صدیقی صاحب نے چھوٹی بستی میں جمعہ کی اجازت کے ساتھ یہ شرط بھی لگائی ہے کہ مقامی علماء کے استصواب کے بعد قائم کیا جائے۔

سوال نمبر ۲:

جہاں مسلمانوں کی باقاعدہ آبادی ہو چاہے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو نماز باجماعت کا مسجد کے ساتھ یا مسجد کے بغیر نظام قائم ہو کیا وہاں جمعہ کا نظام بنایا جاسکتا ہے؟

جواب:

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگار حضرات کی دو آراء ہیں:

ایک رائے اثبات میں ہے، دوسری رائے انکار میں۔

چھوٹی بستی میں جمعہ کی اجازت دینے والے حضرات کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا ممتاز احمد خان ندوی، مفتی محبوب علی رامپور، مولانا سلمان بن سلیمان ندوی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا ابوبکر قاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا سعید احمد ندوی، مولانا عبد التواب اناوی، مولانا ابرار خان ندوی، مولانا مصطفیٰ قاسمی آواپوری، مفتی سلطان کشمیری، مولانا راسخ الاسلام قاسمی ارریاوی، مفتی محمد فاروق قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مفتی محمد اشرف قاسمی، ڈاکٹر حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا جمیل اختر جلیلی ندوی، مولانا شہاب کوثری، حافظ محمد صادق محی الدین، قاضی محمد حسن ندوی، مولانا فضل الرحمٰن اصلاحی، مولانا سیف الاسلام اصلاحی، مولانا شفیق بڑودوی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی۔

ان کے علاوہ بقیہ مقالہ نگار حضرات چھوٹی بستی میں جمعہ کے قیام کی اجازت نہیں دیتے، ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

مولانا حفیظ الرحمٰن اعظمی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی جنید عالم ندوی، مفتی رضی احمد رحمانی، مولانا عبید اللہ ندوی، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ عبد القدوس ندوی، مولانا روح الامین مظاہری، مولانا سیف اللہ عرشی قاسمی، مولانا زبیر ندوی، مولانا اسجد دیولوی، مولانا محمد مقصود فرقانی، مولانا عبد اللہ قاسمی، مولانا شاکر نثار اعظمی مدنی، مفتی محمد صالح زماں قاسمی، مولانا ارشد عطاء اللہ غوری، مولانا ابو معاویہ معین الدین ندوی قاسمی، مفتی اسعد عبد الرزاق پالنپوری، مفتی سیف الرحمٰن قاسمی، مولانا عارف باللہ قاسمی، مولانا عبد الغفار قاسمی، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی ارشاد پالنپوری، مفتی محمد تبریز عالم قاسمی، مولانا جنید پالنپوری، مولانا جنید احمد قاسمی، مولانا اقبال محمد ٹنکاروی، مولانا صابر حسین ندوی، مولانا حبیب اللہ نعمانی، راقم الحروف مفتی انور علی اعظمی۔

ہر چھوٹی مسلم بستی میں جمعہ کی اجازت دینا ائمہ ثلاثہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے یہاں بھی درست نہیں، شاہ ولی اللہؒ نے پچاس مرد ہونے کی شرط لگائی ہے اور امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کے نزدیک کم از کم چالیس مسلمان مردوں کا ہونا ضروری ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں یہ عبارت ہے: ''**أقول الخمسون يتقرى بهم القريه**'' (حجۃ اللہ البالغہ ۲/۳۰)۔

حنابلہ کا مسلک بیان کرتے ہوئے علامہ جزیری نے کتاب ''الفقہ علی المذاہب الاربعۃ'' میں ذکر کیا ہے: ''**ولا تجب الجمعه على سكان الخيام ولا على أهل القرى الصغيره التى لايتجاوز عدد سكانها أربعين فإن كانوا أربعين أو أكثر فإن الجمعة يجب عليهم إذا كانوا لايفارقونها صيفا ولاشتاء**'' (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۳۴۹)۔

امام شافعیؒ کے یہاں بھی بستی کے چالیس مسلمان مردوں کا ہونا ضروری ہے، اگر چالیس کا عدد متوطن کے ہٹ کر غیر متوطن سے پورا ہوتا ہے تو جمعہ کا قیام درست نہیں، علامہ جزیری لکھتے ہیں: ''**فلا تنعقد الجمعة إلا بمن كان متوطنا بمعنى أنه لو حضر من المستوطنين أقل من أربعين، و كمل العدد بغير متوطن فإن الجمعه لا تنعقد**'' (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۳۴۸)۔

صرف مالکیہ کے یہاں امام کے علاوہ بارہ مقتدیوں کا ہونا کافی ہے، اور وطن بنا کر رہنا ضروری ہے، لہٰذا چھوٹی بستی میں جہاں مسلمان آباد ہوں جمعہ کی اجازت دینا احناف کے مسلک کے خلاف تو ہے ہی امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی رائے کے بھی خلاف ہے، ہندوستان میں بھاری اکثریت احناف کی ہے، ساحلی علاقوں میں شوافع حضرات آباد ہیں، حنابلہ اور مالکیہ ہندوستان میں شاذ و نادر ہی ملیں گے، اس لئے قیام جمعہ میں توسع ایسی مضبوط دلیل کے ساتھ ہونا چاہئے کہ ہندوستان کی بڑی جمعیت یعنی احناف کے درمیان انتشار اور اختلاف کا دروازہ نہ کھلے، اور قیام جمعہ کی افادیت کے پیش نظر لوگ اس کو قبول کرلیں۔

سوال نمبر ۳: کیا گاؤں میں جمعہ ادا کرنے کی اجازت اس مقصد کے پیش نظر دی جاسکتی ہے کہ یہ نظام عام مسلمانوں اور مسلمانوں کے عام طبقات کو بہر حال کسی نہ کسی درجہ میں دین سے جوڑ کر رکھے گا، ان کے ایمان کی حفاظت کرے گا اور ان کے واسطے سے آج کے گمراہ فتنوں سے ان کو آگاہ کیا جاسکے گا۔

جواب: اس سوال کے جواب میں مقالہ نگار حضرات کی دو آراء ہیں:

ایک رائے یہ ہے کہ اس مقصد سے مسلمانوں کی چھوٹی بستی یعنی قریہ صغیرہ میں بھی جمعہ قائم کرنا درست ہے، دوسری رائے یہ ہے کہ محض تحفظ دین اور گمراہ فتنوں سے حفاظت کی خاطر جمعہ کا قیام درست نہیں، یہ کام دوسرے ذرائع سے بھی کیا جاسکتا ہے۔

پہلی رائے کے قائلین مندرجہ ذیل حضرات ہیں:

مولانا ممتاز خان ندوی، مفتی محبوب علی رامپور، مولانا سلمان بن سلیمان ندوی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا ابوبکر

قاسمی، مولانا سعید احمد ندوی، مولانا عبدالتواب اناوی، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی آواپوری، مفتی سلطان کشمیری، مولانا راسخ الاسلام قاسمی، مفتی محمد فاروق قاسمی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مفتی محمد اشرف قاسمی، ڈاکٹر حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا ارشاد پالنپوری، مولانا جمیل اختر جلیلی ندوی، مولانا شہاب کوثری، مفتی صادق محی الدین، قاضی محمد حسن ندوی، ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی، مفتی محمد شفیق احمد بڑودوی، مفتی فضل الرحمٰن اصلاحی، مفتی اقبال احمد قاسمی۔

دوسرے حضرات جن کے نزدیک صرف تحفظ دین اور دفع فتن کے مقصد سے جمعہ قائم کرنا درست نہیں ہے، ان کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

مولانا حفیظ الرحمٰن اعظمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی جنید عالم آسام، مفتی رضی احمد رحمانی، مولانا عبید اللہ ندوی، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، مولانا روح الامین مظاہری، مولانا سیف اللہ عرشی قاسمی، مولانا محمد زبیر ندوی بہرائچی، مولانا اسجد دیولوی، مفتی مقصود علی فرقانی، مولانا عبداللہ قاسمی، مولانا شاکر نثار ندوی اعظمی، مفتی محمد صالح الزماں قاسمی، مولانا ارشد عطاء اللہ غوری، مولانا ابومعاویہ معین الدین قاسمی، مفتی اسعد بن عبدالرزاق پالنپوری، مفتی سیف الرحمٰن اصلاحی، مولانا عارف باللہ قاسمی، مولانا عبدالغفار قاسمی، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی اقبال ٹنکاروی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مفتی حبیب اللہ نعمانی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی سیف الاسلام اصلاحی، مفتی جنید احمد قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مفتی جنید احمد پالنپوری، مولانا تبریز عالم۔

مفتی اقبال محمد ٹنکاروی لکھتے ہیں کہ شریعت میں مصلحت کی رعایت اسی وقت ہوتی ہے جب وہ حکم شرعی کے خلاف نہ ہو، لہٰذا گاؤں میں جب شرائط موجود نہ ہوں تو پھر کسی دینی مصلحت اور دینی فائدہ کے پیش نظر جمعہ پڑھنا درست نہیں ہونا چاہئے، مفتی ارشاد پالنپوری لکھتے ہیں کسی گاؤں یا بستی میں جہاں شرائط نہیں پائے جاتے اس مقصد سے جمعہ قائم کرنا کہ کسی نہ کسی درجہ میں مسلمانوں کو جوڑ کر رکھے گا اور ان کے ایمان کی حفاظت کرے گا اس کی گنجائش نہ ہوگی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی نے بھی یہ بات لکھی ہے۔

راقم الحروف انور علی اعظمی کی رائے یہ ہے کہ اگر سوال نمبر ۳ میں گاؤں سے مراد مسلمانوں کی ایسی بستی ہے جہاں کم از کم تین مسجدیں موجود ہیں اور سب سے بڑی مسجد مکلّف مسلمان مردوں کے لئے تنگ ہوجاتی ہے تو ایسی مسجد میں جمعہ کی گنجائش اس تعریف کی بنیاد پر دی جائے گی، جسے جمہور احناف نے قبول کیا ہے؛ جیسا کہ شامی، الفقہ علی المذاہب الاربعہ،

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں محققین احناف کا مسلک ذکر کیا گیا ہے، لیکن اگر گاؤں سے مراد قریہ صغیرہ ہے جہاں کوئی مسجد نہیں یا ایک مسجد ہے اور مسلمانوں کی آبادی بہت معمولی ہے، چالیس پچاس مسلمان مرد بھی وہاں نہیں ہیں تو اسی چھوٹی بستی میں جمعہ کی اجازت امام شافعیؒ، امام احمد حنبلؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے یہاں بھی نہیں ہے، اس سے بڑی بستی میں جہاں صرف ایک مسجد ہو وہاں بھی وہ تعریف صادق نہیں آتی جس میں تین مسجدوں کے ہونے کی شرط ہے، لہٰذا ایسی بستی میں جمعہ قائم کرنا صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ یہ بھی احناف کے مسلک کے خلاف ہے۔

حنفیت سے عدول کرنے میں علماء اور مفتیان کرام کے درمیان شدید اختلاف کا اندیشہ ہے اور ابھی ملک میں اختلافی ذہن رکھنے والوں کو مسلمانوں کے درمیان انتشار پیدا کرنے کا ایک موقع ہاتھ آجائے گا، اور بجائے اس کے کہ جمعہ مسلمانوں کو جوڑنے کا سبب بنے آپس میں دوری پیدا کرنے کا سبب بن جائے گا، رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسے موقع پر انتشار سے بچنے کو ترجیح دی ہے، فتح مکہ کے موقع پر آپ نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اگر مجھے موقع ملا تو خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر کروں گا، حطیم کو اس میں شامل کروں گا، دو دروازے بناؤں گا، دروازوں کو نیچا کروں گا؛ تاکہ اندر جانے والے کو اترنے اور چڑھنے میں دقت نہ ہو، حضرت عائشہؓ نے کہا کہ آپ ایسا کیوں نہیں کرتے تو آپ ﷺ نے جواب دیا: ''**یا عائشه لولا قومک حديث عهدهم بكفر لنقضت الكعبة فجعلت لها بابين: باب يدخل الناس و باب يخرجون منه ففعله ابن الزبير**'' (بخاری شریف ۱/ ۲۴)۔

امام بخاریؒ نے اس واقعہ سے ایک نکتہ نکالا جیسا کہ ان کی عادت ہے اور بہت ہی معنی خیز ترجمۃ الباب قائم فرمایا۔

''**باب من ترک بعض الاختيار مخافة أن يقصر فهم بعض الناس عنه، فيقعوا فی أشد منه**'' (صحیح بخاری ۱/ ۲۴)۔

مسئلہ مذکورہ میں ہر چھوٹی مسلم بستی میں قیام جمعہ کا فیصلہ کرنے کی صورت میں علماء احناف میں شدید اختلاف پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اور علماء کے اختلاف کے بعد عوام الناس میں انتشار پیدا ہوگا، اس لئے زیادہ سے زیادہ اتنی گنجائش نکالی جاسکتی ہے کہ فقہ حنفی کی کتابوں میں قریہ کبیرہ کی جو تعریف سب سے زیادہ توسع پیدا کرتی ہو اور اسے محققین فقہاء احناف نے قبول بھی کیا ہے اس کو بنیاد بنا کر ایسی بستیوں میں جمعہ کی اجازت دی جائے جہاں کم از کم تین مسجدیں ہوں اور سب سے بڑی مسجد سارے مکلّف مردوں کے لئے ناکافی ہوجائے۔

البتہ اگر کسی چھوٹی بستی میں وہاں کے لوگوں نے جمعہ قائم کرلیا ہے اور جمعہ کو بند کرانے میں فتنہ کا اندیشہ ہے تو اس

صورت میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ، اور مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے قول پر عمل کرلیا جائے اور جمعہ بند نہ کرایا جائے، کفایت المفتی (جلد ۵) میں اس طرح کے متعدد فتاوے مذکور ہیں اور مفتی کفایت اللہ صاحب نے اس کی اجازت دی ہے، **ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔**

☆☆☆

دوسرا باب

تفصیلی مقالات

جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط موجودہ حالات کے پس منظر میں

مفتی انور علی اعظمی☆

۱- مصر کی ایک تعریف جو مبسوط میں مذکور ہے وہ یہ ہے: مصر ایسی بڑی بستی ہے جہاں سلطان یا قاضی موجود ہوں، حدود قائم کرنے کے لئے اور شرعی احکام نافذ کرنے کے لئے۔

"قال فی المبسوط وظاهر المذهب فی بيان حد المصر الجامع: أن يكون فيه سلطان أو قاضی لأقامة الحدود وتنفيذ الأحكام" (المبسوط ۲/ ۲۳ بحوالہ الموسوعۃ الفقہیہ ۲۷/ ۱۹۶)۔

بعد کے فقہاء نے مصر کی تعریف میں وسعت پیدا کرنے کے لئے جو تعبیر اختیار کی ہے وہ اس طرح ہے: **"المصر وهو مالايسع أكبر مساجده أهل المكلفين بها"**۔

(مصر وہ بستی ہے جس کی مسجدوں میں سب سے بڑی مسجد وہاں کے سارے مکلّف لوگوں کے لئے تنگ پڑ جائے)۔

یعنی مصر گویا ایسی بڑی بستی ہے جہاں کم از کم تین مسجدیں ہوں اور اگر سارے بالغ مرد اس بستی کی سب سے بڑی مسجد میں اکٹھا ہو جائیں تو اس میں سارے لوگ نہ آ پائیں، درمختار میں اسی تعریف کو اختیار کیا گیا ہے (درمختار ۶/ ۳، دار الکتاب دیوبند)۔

اس تعریف میں بہت سی وہ شرطیں نظر انداز کر دی گئی ہیں جو مصر کی تعریف میں پہلے ذکر کی جاتی تھیں، جیسے ہدایہ میں مذکور ہے: **"قال فی شرح المنية والحد الصحيح مااختاره صاحب الهداية أنه الذی له أمير وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود"**، اسی طرح سے تحفہ میں امام ابوحنیفہؒ سے یہ منقول ہے: **"أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر على انصاف المظلوم من الظالم"**، صاحب ہدایہ نے اپنی تعریف میں سکک اور رساتیق کا ذکر چھوڑ دیا۔

بعد کے لوگوں نے بعض دوسری شرطوں میں تخفیف کی اور مصر کی تعریف میں یہ ذکر کیا کہ ایسی بڑی بستی جہاں چند

☆ سابق شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم، مئو۔

مسجدیں ہوں اور سب سے بڑی مسجد وہاں کے رہنے والے بالغ مسلمانوں کے لئے ناکافی ہوجائے۔

علامہ وہبہ الزحیلی نے بھی اپنی مشہور کتاب ''الفقہ الاسلامی وادلتہ'' میں اسی کو حنفیہ کا مسلک قرار دیا ہے۔

"قال الحنفية:يشترط الإقامة فى مصر أى بلد كبير وهو مالا يسع أكبر مساجده أهله المصلين بالجمعة و القرية بخلافها" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۲۶۶)۔

لہذا فقہاء کی آراء کو سامنے رکھتے ہوئے مصر کی یہ تعریف اپنے اندر زیادہ گنجائش رکھتی ہے، اس تعریف میں بہت ساری وہ شرائط چھوڑ دی گئی ہیں جو متقدمین فقہاء کے یہاں ذکر کی جاتی تھیں، لہذا ایسی بستی جہاں چند مسجدیں ہوں اور بڑی مسجد میں سارے لوگ آکر اکھٹا ہوں تو تنگی کا احساس ہو، اتنی بڑی بستی کو مصر کہا جاسکتا ہے اور آج کے زمانے میں اس طرح کی بستیوں میں ضرورت کے سامان ملتے ہیں، شہری سہولیات میسر ہوتی ہیں اور تین چار مسجد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی وہاں اچھی خاصی آبادی موجود ہے، مصر کی اس تعریف کو بنیاد بنا کر ایسی بستی میں جمعہ قائم کرنا درست ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے نقل کیا ہے: **"قال ﷺ: الجمعة على الخمسين رجلا أقول الخمسون يتقرى بهم القرية وقال ﷺ: الجمعة واجبة على كل قرية"** (حجۃ اللہ البالغۃ ۲/۳۰)۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے جمعہ کی اہمیت کے پیش نظر آج سے تقریبا تین سو سال پہلے ایسی بستی میں جمعہ قائم کرنے کی گنجائش دی، جہاں پچاس بالغ مرد رہتے ہوں اور اسے قریہ تسلیم کیا، لہذا جس بستی میں آج کے دور میں تین یا اس سے زیادہ مسجدیں ہوں اور بڑی مسجد میں اگر سارے لوگ اکٹھا ہوجائیں تو وہ تنگ پڑ جائے وہاں جمعہ کی اجازت ہونی چاہئے، اقامت جمعہ کے لئے تھوڑا توسع پیدا کرنا موجودہ حالات کا تقاضا ہے، علامہ جزیری نے اپنی مشہور کتاب ''الفقہ علی المذاہب الاربعۃ'' میں بھی حنفیہ کا مصر کی تعریف میں یہی قول ذکر کیا ہے: **"أن المصر مالايسع أكبر مساجده أهله المكلفين بصلاة الجمعة"** (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۳۴۴)۔

۲- احناف کے علاوہ دوسرے مسلک کے فقہاء نے اقامت جمعہ کے لئے مصر کی شرط نہیں لگائی ہے، چنانچہ مالکیہ کے یہاں اس موقع پر جو بات مذکور ہے وہ اس طرح ہے:

"استيطان قوم ببلدة أو جهة بحيث يعيشون فى هذ البلد دائما أمنين على أنفسهم من الطوارئ الغالبة" (یعنی کسی قوم کا ایک بستی میں یا کسی علاقہ میں وطن بنا کر مستقل طور پر امن کے ساتھ وہاں رہنا اور عام طور پر پیش آنے والے حادثات سے مطمئن ہوکر زندگی گذارنا)۔

ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ مالکیہ کے یہاں اقامت جمعہ کے لئے مصر کی پابندی نہیں (الفقہ علی المذاہب

الاربعۃ ۱/۳۴۶)۔

علامہ وہبہ زحیلی نے مالکیہ کا مذہب بیان کرتے ہوئے اتنا اضافہ کیا ہے:"**وتجب الجمعة على مقيم ببلد الجمعة وعلى المقيم بقرية و خيمة بعيدة عن بلد الجمعة بنحو فرسخ أو ثلثة أميال وثلث لا أكثر۔**

ولا يشترط فى بلد الجمعة أن يكون مصرا فتصح فى القرية، وفى الأخصاص وهى بيوت الجريد أو القصب، ولا تصح ولا تجب فى بيوت الشعر لأن الغالب عليهم الإرتحال" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۲۶۷)(اور مالکیہ نے کہا جمعہ واجب ہے ایسی بستی میں رہنے والے پر جہاں جمعہ ہوتا ہو اور دیہات کے رہنے والے پر اور خیمہ میں رہنے والے پر جو جمعہ کی بستی سے ایک فرسخ کی دوری پر ہو اور جمعہ کی بستی کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ مصر ہو، لہذا جمعہ دیہات میں بھی صحیح ہوگا اور اخصاص میں رہنے والوں کا بھی صحیح ہوگا، اخصاص کا مطلب ایسے مکانات ہیں جو بانس اور لکڑی سے بنائے گئے ہوں، البتہ بیوت شعر میں رہنے والوں پر جمعہ واجب بھی نہیں ہے اور ان کا جمعہ درست بھی نہیں ہے، اس لئے کہ اس طرح کے خیمہ بدوش لوگ اس جگہ کو وطن بنا کر نہیں رہتے، بلکہ تھوڑے تھوڑے دنوں پر وہاں سے کوچ کر جاتے ہیں)۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں مالکیہ کا مذہب اس طرح بیان کیا گیا ہے:"**وأما المالكية فإنما شرطوا أن تقام فى مقام صالح للاستيطان فتصح إقامتها فى الأبنية أو الأخصاص لصلاحها لاستيطان فيها مدة طويلة ولا تصح فى الخيم لعدم صلاحتها لذلک فى الغالب قال فى الجواهر الذكية فى تعداد شروطها موضع الاستيطان ولوكان بأخصاص لاخيم فلا تقام الجمعة إلا فى موضع يستوطن فيه بأن يقيم فيه صيفا وشتاء**"(موسوعہ فقہیہ ۲۷/۱۹۶)۔

موسوعہ کی عبارت کا مفہوم یہی ہے کہ مالکیہ کے یہاں صحت جمعہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہاں لوگ وطن بنا کر جاڑا گرمی ہر موسم میں مستقلا رہتے ہوں، چاہے باقاعدہ تعمیر شدہ مکانات ہوں یا بانس اور ٹہنیوں سے ملا کر چھپر بنائے گئے ہوں، مصر ہونا ضروری نہیں ہے، اگر چھوٹی بستی بھی ان شرائط کے ساتھ موجود ہو تو مالکیہ کے یہاں جمعہ قائم کرنا صحیح ہے۔

شوافع کے نزدیک جمعہ قائم کرنے کے لئے مصر کی شرط نہیں ہے، ان کے نزدیک جمعہ شہر اور دیہات دونوں جگہ ہوسکتا ہے، شرط یہ ہے کہ وہاں لوگ باقاعدہ وطن بنا کر مکانات میں اتنے لوگ رہتے ہوں جن کے ذریعہ جمعہ منعقد ہوجائے چاہے وہ شہر ہو یا دیہات۔

"**قال صاحب المهذب:لاتصح الجمعة إلا فى أبنية يستوطنها من تنعقد بهم الجمعة من بلد**

أوقرية"(موسوعۃ ۲۷/۱۹۶)۔

علامہ وہبہ زحیلیؒ شافعیہ کا مذہب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"**وقال الشافعية:تجب الجمعة على المقيم ببلد مصر أو قرية سمع النداء أولم يسمعه وعلى من فى خارجه إن سمع النداء لقوله ﷺ الجمعة على من سمع النداء**"(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۲۶۷)۔

(اور شافعیہ نے کہا کہ جمعہ واجب ہے بستی میں رہنے والے پر؛ چاہے وہ مصر میں ہو یا دیہات میں، اذان سنے یا نہ سنے اور اس شخص پر بھی جو بستی سے خارج ہو اگر اذان سن لے، رسول اللہ ﷺ کے فرمانے کی وجہ سے کہ جمعہ اس شخص پر واجب ہے جو اذان سنے)۔

علامہ عبدالرحمٰن الجزیری نے کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں شافعیہ کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر کچھ لوگ بڑی بستی سے دور رہتے ہوں جہاں اذان کی آواز نہیں سنائی دے سکتی تو ان کے اوپر جمعہ فرض نہیں، البتہ اگر ان کی تعداد چالیس تک پہنچ جائے تو ان کے لئے اپنی بستی میں جمعہ قائم کرنا واجب ہے اور ان لوگوں کے لئے اپنی قریبی شہر کی جانب جمعہ کے لئے جانا ضروری ہے۔

اس طرح شافعیہ کے یہاں مستقلا وطن بنانا بھی ضروری نہیں ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ مستقلاً وطن بنانا والے لوگوں کی تعداد چالیس سے کم نہ ہو، اگر مستقلاً وطن بنانے والے لوگ چالیس سے کم ہیں اور چالیس کا عدد دوسرے لوگوں کو ملا کر پورا ہو تو اس صورت میں جمعہ کا انعقاد درست نہیں ہوگا اور جمعہ کی نماز بھی درست نہیں ہوگی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کم از کم اس بستی میں جمعہ کے لئے آنے والے چالیس مرد ایسے ہوں جو وہاں کے اصل باشندہ ہوں، اگر اصل باشندوں کی تعداد اس سے کم ہوگی تو جمعہ کی نماز درست نہیں ہوگی (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۳۴۸)۔

حنابلہ کے یہاں جمعہ واجب ہے بستی میں رہنے والے پر یا اس کے قریب صحرا میں رہنے والوں پر جو باقاعدہ کسی بستی میں وطن بنا کر رہتے ہوں؛ اگر چہ وہ ایسا شہر نہ ہو جہاں جمعہ قائم کیا جاتا ہو اور اگر اس کے درمیان اور جمعہ قائم کئے جانے والے موضع کے درمیان ایک فرسخ کا فاصلہ ہو اور وہ اذان نہ بھی سنے جب بھی جمعہ واجب ہے، اس لئے اتنی دوری تک کے مواضعات اسی بستی کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں اور اسی کے حکم میں ہیں۔

"**ومذهب الحنابلة تجب الجمعة على مستوطن ببناء أو ماقاربه من الصحراء مقيم فى بلد وإن لم يكن مصرا تقام فيه الجمعة ولو كان بينه وبين موضع إقامة الجمعة فرسخ ولو لم يسمع النداء لأنه بلد واحد**"(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۲۶۷)۔

علامہ مغنی کا قول الموسوعۃ الفقہیہ میں نقل کیا گیا ہے:"**ولا یشترط لصحة الجمعة إقامتها فی البنیان ویجوز إقامتها فیما قاربه من الصحراء**"(الموسوعۃ الفقہیہ ۲۷/۱۹۶)(یعنی جمعہ قائم کرنے کے لئے بنیان اور آبادی کا ہونا شرط نہیں اور جمعہ قائم کرنا جائز ہے آبادی کے قریب صحراء میں بھی)۔

الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں حنابلہ کے مسلک کی تفصیل بیان کرتے ہوئے یہ بات مذکور ہے:"**ولاتجب الجمعة علی سکان الخیام ولا علی أهل القری الصغیرة التی لایتجاوز عدد سکانها أربعین فإن کانوا أربعین فأکثر فإن الجمعة تجب علیهم إذا کانو لایفارقونها صیفا ولا شتاء**" (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۱/۳۴۹)۔

مذکورہ کتاب کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحراء میں رہنے والے اور بہت سی چھوٹی بستی میں رہنے والوں پر حنابلہ کے یہاں جمعہ واجب نہیں ہے، اگر اس کے باشندوں کی تعداد چالیس سے کم ہو، اور اگر چالیس مرد یا اس سے زیادہ لوگ وہاں مستقل طور پر رہتے ہوں جاڑے گرمی میں، وہاں سے بھاگتے نہ ہوں تو ان پر جمعہ واجب ہے۔

اس مسئلہ میں شوافع اور حنابلہ کا مسلک قریب قریب معلوم ہوتا ہے، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے مسلک کی جو تفصیلات ذکر کی گئیں اس سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ جہاں مسلمانوں کی باقاعدہ آبادی ہو چاہے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو، نماز باجماعت کا مسجد کے ساتھ یا مسجد کے بغیر نظام ہو وہاں جمعہ کا نظام بنایا جاسکتا ہے، اس مسئلہ میں شافعیہ اور حنابہ کے یہاں یہ ضروری ہے کہ بالغ مسلمان مرد کم از کم چالیس کا عدد پورا کرتے ہوں، شافعیہ کے یہاں اتنا اور اضافہ ہے کہ اس بستی کے اصل باشندے کم از کم چالیس مرد جمعہ میں موجود رہیں، مالکیہ کے یہاں وطن بنا کر جاڑا گرمی ہر موسم میں رہنا ضروری ہے، مکانات چاہے باقاعدہ تعمیر کئے گئے ہوں یا چھاونی چھپڑ میں رہتے ہوں، ان کے یہاں ایسے مصر اور قریہ دونوں جگہ جمعہ قائم کرنا درست ہے، تعداد کی کوئی صراحت نہیں ہے۔

لیکن حنفیہ کے نزدیک مصر یا قریہ کبیرہ ہونا ضروری ہے اور قریہ کبیرہ کی جو تعریف سب سے زیادہ وسعت رکھتی ہے جسے جمہور نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس بستی میں کم از کم تین مسجدیں ہوں اور اگر سارے مکلّف مرد سب سے بڑی مسجد میں جمع ہو جائیں تو وہ تنگ ہو جائے۔ اس بنیاد پر احناف کے یہاں ایسی چھوٹی بستی جہاں کوئی مسجد نہ ہو یا صرف ایک مسجد ہو وہاں جمعہ قائم کرنا درست نہیں ہے۔

۳- اگر گاؤں سے مراد ایسی بستی ہے جہاں کم از کم تین مسجدیں ہیں اور بڑی مسجد میں سارے مکلّف مرد اکٹھا نہیں ہو سکتے اگر سب لوگ اکٹھا ہوں تو مسجد ان کے لئے ناکافی ہو جائے تو ایسی بستی میں جمعہ کی گنجائش اس تعریف کی بنیاد پر دی

جاسکتی ہے جسے بہت سے حنفی فقہاء نے اختیار کیا ہے، اور جو تعریف سوال نمبر ا کے جواب میں تفصیل کے ساتھ ذکر کی گئی ہے، لیکن اگر گاؤں سے مراد مسلمانوں کی ایسی چھوٹی بستی ہو جہاں کوئی مسجد ہی نہ ہو یا صرف ایک مسجد ہو اور مسلمانوں کے چند گھر ہوں، بالغ مردوں کی تعداد چالیس سے بھی کم ہو تو ایسی بستی میں احناف، شوافع اور حنابلہ کسی کے یہاں جمعہ درست نہیں اور اگر گاؤں میں صرف ایک مسجد ہو اور بالغ مردوں کی تعداد چالیس سے زیادہ ہو تو ایسی بستی میں احناف کے نزدیک جمعہ قائم کرنا درست نہیں ہے، اگرچہ جمعہ کے ذریعہ بہت سارے دینی مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں، مگر حنفی مسلک سے عدول کرنا آسان کام نہیں ہے اور ایسا کرنے سے علماء اور مفتیان کرام کے درمیان اختلاف پیدا ہوگا جو بجائے مفید ہونے کے مضر ثابت ہو سکتا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اگر مجھے موقع ملا تو خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر کروں گا، حطیم کو اس میں شامل کردوں گا، اور اس میں دو دروازے بناؤں گا اور دروازوں کو نیچا کروں گا تاکہ اندر جانے والے کو اترنے اور چڑھنے میں دقت نہ ہو۔

حضرت عائشہؓ نے کہا آپ ایسا کیوں نہیں کرتے؟ تو حضور ﷺ نے جواب دیا: "**يا عائشة! لولا قومك حديث عهدهم بكفر لنقضت الكعبة فجعلت لها بابين: باب يدخل الناس وباب يخرجون منه ففعله ابن الزبير**" (بخاری شریف ۱/ ۲۴)۔

امام بخاریؒ نے اس موقع پر جو ترجمۃ الباب اختیار کیا ہے وہ اس طرح ہے: "**باب من ترک بعض الاختيار مخافة أن يقصر فهم بعض الناس عنه فيقعوا في أشد منه**"۔

مذکورہ مسئلہ میں ہر چھوٹی بڑی بستی میں جمعہ کی اجازت کا فیصلہ کرنے کی وجہ سے علماء کے درمیان شدید اختلاف پیدا ہوگا اور علماء کے اختلاف کے نتیجے میں عوام الناس میں اختلاف پیدا ہوگا، اس لئے زیادہ سے زیادہ اتنی گنجائش دی جاسکتی ہے کہ حنفی فقہ کی کتابوں میں جو تعریف اپنے اندر سب سے زیادہ گنجائش رکھتی ہو اس کو بنیاد بنا کر ایسی بستیوں میں جمعہ کی اجازت دی جائے جہاں کم از کم تین مسجدیں ہوں اور سب سے بڑی مسجد سارے مکلّف مردوں کے لئے ناکافی ہو جائے۔

البتہ اگر کسی اور چھوٹی بستی میں وہاں کے لوگ جمعہ قائم کرلیں اور جمعہ کو بند کرانے میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں مولانا رشید احمد گنگوہی اور مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے قول پر عمل کیا جاسکتا ہے کہ وہاں جمعہ بند نہ کرایا جائے (کفایت المفتی ۵/ ۱۵۹، زکریا بکڈپو ۵/ ۱۶۰)، کفایت المفتی جلد ۵ میں اس طرح کے متعدد فتاوی مذکور ہیں اور مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے اسی تعریف کو بنیاد بنا کر اجازت دی ہے۔

☆☆☆

موجودہ عہد میں اقامت جمعہ فی القری-ایمان کی حفاظت کا اہم ذریعہ

حافظ مفتی محمد صادق محی الدین فہیم☆

۱- نماز جمعہ کی صحت اوراس کے وجوب کیلئے فقہاء احناف نے مصر یا قریہ جامعہ ہونے کی شرط لگائی ہے،" **أحدها المصر وهذا مذهبنا**"مصراورفناء مصر کی تعریف میں ائمہ احناف کے ہاں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے،حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی روایت ہے کہ مصرجامع سے مرادوہ آبادی ہے جہاں دینی ودنیوی سہولتیں مہیا ہوں،امام ابویوسفؒ سے تین روایات ہیں: پہلی یہ کہ ہروہ جگہ جہاں امیر اورقاضی ہواوروہ احکام نافذکرتااورحدودقائم کرتاہو،اورخانیہ میں ہے :مکۃ المکرّمہ سے آگے منی کے قرب میں جومکانات ہیں وہ بھی مصرجامع میں شریک ہیں،اسی طرح کے ایک روایت حضرت امام ابوحنیفہؒ کی بھی ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ ہروہ بستی جہاں کے رہنے والے شہرکی بڑی مسجد میں جمع ہوں تووہ ناکافی ہو،ابوعبداللہ کہتے ہیں :یہ رائے امام اعظم ابوحنیفہ اورامام ابویوسف رحمہا اللہ کے مذہب سے قریب ترہے اوریہی رائے احسن(زیادہ بہتر) ہے۔

تیسری یہ کہ ہروہ جگہ جہاں مسلمانوں کی آبادی دس ہزارنفوس پرمشتمل ہو۔

"**روی عن أبی حنیفة أن المصر الجامع ما یجتمع فیه مرافق أهلها دینا ودنیا،وعن أبی یوسف ثلاث روایات،فی روایة قال: کل موضع فیه أمیر وقاض ینفذ الأحکام ویقیم الحدود، وفی الخانیه: وبلغت أبنیته منی فهو مصر جامع ،وهو روایة عن أبی حنیفة،وفی الخلاصة:وعلیه الاعتماد،وفی روایة أخری:کل موضع أهله بحیث لو اجتمعوا فی أکبر مساجدهم لم یسعهم ذلک فهو مصرجامع،وفی الینابیع:قال أبوعبد الله:وهذا أقرب من مذهب أبی حنیفة وأبی یوسف وأحسن ما قیل فیه،وفی روایة أخری عنه قال: کل موضع یسکن فیه عشرة آلاف نفر**"(تاتارخانیہ ۲/۴۸/۴۹)۔

☆ حیدرآباد۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جہاں یہ شرط نہ پائی جائے وہاں نہ جمعہ واجب ہوگا اور ادا کریں تو جمعہ صحیح نہیں ہوگا، جمعہ کے واجب ہونے اور اس کے صحیح ہونے سے متعلق مصر اور فناء مصر، اذن سلطان کی شرط ہے، جہاں تک نماز جمعہ واجب ہونے اور صحیح ہونے کی شرط ہے اس میں سب کا اتفاق ہے اور وہ وقت جمعہ کا پایا جانا ہے، قبل از وقت یا بعد از وقت نماز جمعہ ادا کی جائے تو نماز صحیح نہیں ہوگی، جمہور کی رائے میں اس کا وقت وہی ہے جو ظہر کا ہے، البتہ حنابلہ کے ہاں نماز جمعہ کا وقت طلوع آفتاب کے بعد شروع ہوجاتا ہے، تاہم ان کے ہاں بھی زوال کے بعد ہی جمعہ ادا کرنا افضل ہے، اس بارے میں ایک بحث یہ بھی ہے کہ جمعہ مستقلا فرض ہے یا ظہر کا بدل، ائمہ ثلاثہ امام مالک مذہب جدید میں امام شافعی اور امام احمد کی رائے یہ ہے، جمعہ مستقل فرض ہے، علامہ رملی نے حضرت عمرؓ کے ارشاد سے استدلال کیا ہے:

"**الجمعة ركعتان ، تمام غير قصر على لسان نبيكم ﷺ وقد خاب من افترى**" (الموسوعہ ۲۷/ ۱۹۴)۔

اس روایت میں گو کہ بعضوں نے اختلاف کیا ہے، لیکن یہ بیہقی کے ہاں متصلاً مروی ہے، ابن حجر ابن سکن کے حوالہ سے اس کی تصحیح نقل کی ہے۔

جمعہ کے وقت کا فرض: ائمہ ثلاثہ امام مالک، مذہب جدید میں امام شافعی، اور امام احمد کی رائے ہے کہ جمعہ مستقل فرض ہے، ظہر کا بدل نہیں ہے، یہ قصر کے ساتھ ظہر کی نماز نہیں ہے، مستقل نماز ہونے پر رملی نے یہ استدلال کیا ہے کہ اس کے عوض ظہر کافی نہیں ہے، نیز اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "جمعہ دو رکعات ہے، مکمل ہے، قصر نہیں، تمہارے نبی کی زبانی ثابت ہے، افتراء پرداز ناکام ہو"۔ امام ابوحنیفہؒ وابو یوسفؒ نے کہا ہے کہ جمعہ کے وقت کا فرض، دراصل، صرف ظہر ہے، البتہ جس کے اندر جمعہ کی مکمل شرائط موجود ہوں جن کا بیان آگے آرہا ہے اس کو حکم ہے کہ ظہر کو ساقط کر کے اس کی جگہ حتمی طور پر جمعہ قائم کرے اور جس میں جمعہ کی ساری شرائط نہ ہوں، وہ اصل ظہر پر باقی رہے گا، البتہ رخصت کے طور پر ظہر کی جگہ جمعہ کی ادائیگی کا وہ مخاطب ہے، یعنی جمعہ کی مکمل شرائط نہ پائے جانے کے باوجود اگر وہ جمعہ ادا کرے تو اس کی وجہ سے اس کے اوپر سے جو ظہر ساقط ہوجائے گی، اسی کے ساتھ جمعہ کی فرضیت کی کیفیت میں امام محمد وزفر کے کچھ اور اقوال ہیں (موسوعہ فقہیہ ۲۷/ ۱۹۵)۔

امام ابوحنیفہؒ وامام ابو یوسفؒ کی رائے میں دراصل جمعہ کے وقت کا فرض نماز ظہر ہے، البتہ جہاں قیام جمعہ کی تمام شرطیں پائی جاتی ہوں ان کو اجازت ہے کہ ظہر کو ساقط کر کے نماز جمعہ قائم کریں اور جہاں تمام شرائط مفقود ہوں وہاں وہ وقت اصل ظہر پر باقی رہے گا یعنی وہ نماز ظہر ادا کرے، تاہم ظہر کے بجائے جمعہ کی نماز ادا کرلے تو اس کی رخصت حاصل ہے۔

"فرض الوقت هو الظهر لكن أمر بإسقاط الظهر بالجمعة"(بدائع الصنائع ۱۱/۳)۔

اس بارے میں دو باتیں مزید اہمیت رکھتی ہیں: (الف) وہ امکنہ جہاں جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے، (ب) اذن سلطان کا پایا جانا۔

فقہاء احناف کے نزدیک وجوب نماز جمعہ اور صحت جمعہ دونوں شروط کا پایا جانا ضروری ہے ،ایک وقت کا ہونا، دوسرے مصر یا فناء مصر کا ہونا، فناء مصر سے مراد خارج مصر ہے، جیسے عیدگاہ وغیرہ۔

"وكما تجوز إقامة الجمعة فى المصر تجوز إقامتها خارج المصر قريبا منه نحو مصلى العيد،الهداية:الحكم غير مقصورعلى المصلى،بل تجوز فى جميع أفنية المصروفى فتاوى الشيخ الإمام الفقيه أبى الليث شرط الفناء نصا فقال:تجوز إقامة الجمة خارج المصر اذا كان فى فناء المصر،وفى النوازل:وبه نأخذ،وفى الخانية:فناء المصر هو الموضع المعد لمصالح المتصل به"(تاتارخانیہ ۵۱/۲)۔

فناء مصر کے تخمینی اندازہ میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، نوادر میں امام محمد رحمہ اللہ نے اس سے الغلوۃ مراد لیا ہے۔

عتابیہ میں ہے:" الغلوۃ سے مراد تین سو سے چار سو گز تک کا فاصلہ ہے، اور بعض مشائخ نے اس سے دو فرسخ کا اندازہ کیا ہے اور بعضوں نے تین میل کی مسافت مراد لی ہے، وہ میل جس میں تین فرسخ پائے جاتے ہوں، اور بعضوں نے حدصوت کا اعتبار کیا ہے ،یعنی شہر سے کوئی آواز لگائے یا موذن اذان دے تو جہاں تک آواز پہنچے وہ فناء مصر ہے ،امام ابو یوسفؒ نے اس کی مسافت ایک میل یا دو میل مانی ہے اور مثال دی ہے، بالفرض امام صاحب بستی کے رہنے والوں کے ساتھ کسی حاجت سے باہر نکلیں ایک یا دو میل کی مسافت طے کرنے کے بعد جمعہ کی نماز کا وقت ہوجائے اور وہ وہاں جمعہ کی نماز پڑھادیں تو نماز جمعہ ادا ہوجائے گی"(فتاوی تاتارخانیہ ۵۱/۲)۔

بعضوں نے مصر کی تعریف یہ کی ہے کہ جہاں حدود قائم ہوں اور ان کے نفاذ کیلئے کوئی سلطان یا ان کا نائب ہو، فناء شہر سے مراد وہ چھوٹی چھوٹی آبادیاں جو شہر کے اطراف واکناف میں ہوتی ہیں جن کو دیہات کہا جاتا ہے، فقہاء احناف کی ایک رائے یہ بھی ہے کہ اگر امام المسلمین کسی مقام کو مصر قرار دے اور وہاں اقامت جمعہ کا حکم جاری کرے تو نماز جمعہ ادا کی جاسکتی ہے۔

"ولو مصر الإمام موضعا وأمرهم بالإقامة فيه جاز"(فتح القدیر ۲۰۱/۳)۔

اسلامی ممالک میں امام المسلمین یا ان کے نائبین موجود ہوتے ہیں، غیر اسلامی ممالک (جیسے اس دور کی جمہوری

حکومتیں ہیں) میں امام المسلمین کا کوئی تصور نہیں تو پھر غیر اسلامی ملکوں کے بڑے بڑے شہروں میں بھی اقامت جمعہ کے جواز پر سوال اٹھ سکتا ہے، لیکن چونکہ نماز جمعہ فرض ہے اور نماز پنج گانہ کی جماعت سے زیادہ اس کی جماعت کی تاکید ہے، اسلام کی فرض عبادات میں اجتماعیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے، پنج گانہ نمازوں کی جماعت سے یہی اجتماعیت مقصود ہے کہ مسلمان روز وشب میں پانچ مرتبہ اپنی اپنی بستیوں کی مساجد میں جمع ہوکر باجماعت نماز ادا کریں، ایک بڑے شہر کی آبادی کے مسلمانوں کو روزانہ جامع مسجد میں جمع ہوکر نماز ادا کرنا باعث مشقت تھا، اس لئے اس کا پابند نہیں کیا گیا، البتہ ہفتہ میں ایک دن روز جمعہ مسلمانوں کے محلّہ واری اجتماع کے بجائے شہری سطح پر اجتماع کو پسند کیا گیا ہے، نماز جمعہ بستی کی مسجد کے بجائے جامع مسجد میں ادا کرنا زیادہ افضل ہے اور اس کا اجر وثواب بھی زیادہ ہے، اس سے مقصود ہفتہ میں ایک دن مسلمانوں کو ایک جگہ جوڑنا ہے، سال میں دو مرتبہ عیدین کا اجتماع سے بھی یہی مقصود ہے کہ وہ مسلمان جو نماز پنجگانہ اور نماز جمعہ میں بھی یکجا نہیں ہوسکتے وہ عیدین کے مواقع پر ایک جگہ جمع ہوں، اس لئے عیدین کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنا زیادہ افضل ہے، روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ جیسے اہم فرائض میں بھی اسی اجتماعیت کا لحاظ ہے، اس میں کئی مصالح ہیں اللہ سبحانہ کی حکم کے تعمیل میں فریضہ کی ادائیگی کے ساتھ مسلمانوں کا باہم ایک جگہ جمع ہونا، ایک دوسرے کے احوال سے باخبر رہنے کا ایک اعلی ترین ذریعہ ہے، اسلام چاہتا یہ ہے کہ فرد کی حیثیت سے انسانوں کی شخصی تعمیر ہو اور ان کے ذریعہ ایک صالح معاشرہ تشکیل پائے، اس کے بغیر ایک اچھے انسانی تمدن کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ الغرض ان جیسے اہم ترین فرائض کے ادا کرنے میں اسلام نے اجتماعیت کو بڑی اہمیت دی ہے، مسلمانوں کے ان اجتماعات سے دوسروں پر ایک رعب قائم ہوتا ہے، نماز وغیرہ جیسے فرائض سے حق بندگی ادا کرنے کا طریقہ خود انسانی دلوں کو اپیل کرتا ہے اور اس سے جو روحانی فضاء بنتی ہے وہ باطل پرستوں کے قلوب پر رعب طاری رکھتی ہے،، اجتماعی طور پر عبادات کا اہتمام روحانی اقدار کو فروغ دیتا ہے، دیہاتوں کے حالات پہلے سے کہیں زیادہ بڑی حد تک تبدیل ہوچکے ہیں، موجودہ دور میں جو ترقی ہوئی ہے اس کی وجہ اکثر دیہاتوں میں شہری سہولتیں مہیا ہوگئی ہیں، اس لئے دیہاتوں میں رہنے والوں کو اس سے محروم کیا جانا قرین قیاس نہیں، زمانۂ نبوت سے دوری کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کا دین سے جو رشتہ کمزور ہوتا جارہا ہے اسلام کے یہ اجتماعات ان کو دین سے جوڑے رکھنے میں مدد ومعاون ہوں گے، ائمہ احناف کے ہاں خود جب ان شرائط میں اختلاف پایا جاتا ہے تو یہ حکم کوئی منصوص نہیں ہوسکتا کہ جس کی پابندی لازم ہو۔

ان شرائط کو بنیاد بنا کر دیہاتیوں سے فرضیت جمعہ کو ساقط کرنا شریعت کا منشاء نہیں معلوم ہوتا۔

"یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِذَا نُودِیَ لِلصَّلَاةِ مِنْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰی ذِکْرِ اللهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَکُمْ إِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُونَ" (سورۂ جمعہ/۹)۔

اللہ سبحانہ کے ارشادسے اذان جمعہ کے ساتھ ہی اللہ سبحانہ کے ذکرکی طرف دوڑنے اورتجارت وکاروبارکوچھوڑ دینے کی تاکید ثابت ہے،اس سے دنیاکے مشاغل کوترک کردینااورنماز جمعہ ادا کرنامقصود ہے،عام طور پرشہری تجارت کرتے ہیں تو دیہاتی کھیتی باڑی کرتے ہیں،ظاہر ہے یہ بھی مشاغل دنیا ہیں،اس لئے وہ بھی ان کوترک کرکے نماز جمعہ ادا کریں،ترک جمعہ کے بارے میں احادیث پاک میں سخت وعیدوارد ہے:

"ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليسع إلى الجمعة ومن استغنى عنها بلهو وتجارة استغنى الله عنه والله غنى حميد" (المعجم الاوسط ۷/۲۱۸)۔

(جوکوئی اللہ اور یوم آخرت پرایمان رکھتا ہےاس پر جمعہ لازم ہے،اس لئے جولایعنی وفضول مشاغل یاتجارت میں مشغولیت کی وجہ جمعہ کی نماز ادا کرنے سے استغناء برتے یعنی سستی وبے پرواہی کرے تو اللہ سبحانہ کی ذات اس سے مستغنی ہےاوراللہ سبحانہ بے نیازاورلائق حمدوثناء ہے)(سنن دارقطنی ۲/۳) میں اسی طرح کی روایت ہے،لیکن اس میں **"إلا مريض أو مسافر أو امرأة أو صبى أو مملوك"**(یعنی مریض،مسافر،عورت،بچہ،مملوک پر جمعہ واجب نہیں ہے)۔

" لينتهين أقوام عن ودعهم الجمعات أو ليختمن الله على قلوبهم ثم ليكونن من الغافلين"(مسلم ۳/۱۰)۔(لوگ جمعہ چھوڑنے سے باز آجائیں،ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگادے گااوروہ غافلوں میں سے ہوجائیں گے)۔

"من ترک الجمعة من غير ضرورة كتب منافقا فى كتاب لا يمحى ولا يبدل" (کنز العمال ۷/۷۳۰)۔'

' **وفى بعض الروايات : ثلاث"**(جوآدمی بغیرکسی عذرکےنماز جمعہ چھوڑ دیتا ہےوہ ایسی کتاب میں منافق لکھا جاتا ہے جونہ کبھی مٹائی جاتی ہےاورنہ تبدیل کی جاتی ہے)۔اوربعض روایات میں یہ ہے کہ(جوآدمی تین جمعے چھوڑ دے)(یہ وعیداس کیلئے ہے)۔

"من ترک ثلاث جمع تهاونا بها طبع الله على قلبه"(سنن ابوداود ۳/۲۴۷)(جوآدمی محض سستی وکاہلی کی بناپرتین جمعے چھوڑ دے گا،اللہ تعالیٰ اس کے دل پرمہرلگادے گا)۔

"من سمع النداء يوم الجمعة ولم يأتها،ثم سمع النداء،ثم لم يأتها طبع على قلبه،فجعل قلب منافق"(کنزالعمال ۷/۷۳۱)(جس نے جمعہ کے دن اذان کی آوازسنی اوروہ نماز ادا کرنے کیلئےنہیں آیا پھراس نے اذان کی آوازسنی پھربھی نہیں آیا تواس کےقلب پراللہ تعالیٰ مہرلگادیتے ہیں اوراس کا قلب منافق کا ہوجاتا ہے)۔

"لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ رَجُلاً يُصَلِّي بِالنَّاسِ ثُمَّ أُحَرِّقَ عَلَى رِجَالٍ يَتَخَلَّفُونَ عَنِ الْجُمُعَةِ بُيُوتَهُمْ" (مسند احمد ۸/۴۲۰) (میں چاہتا ہوں کہ کسی کو نماز پڑھانے کا حکم دوں پھر ان لوگوں کے گھروں کو جلادوں جو جمعہ کو چھوڑ کر گھروں میں رہتے ہیں)۔

دیہاتیوں کیلئے اقامت جمعہ کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں: پہلی صورت یہ کہ ایسے دیہات جو شہر سے قریب ہوں وہاں کے باشندوں کو شہر پہنچ کر جامع مسجد میں جمعہ ادا کرنا چاہیے، اور اس میں اختلاف ہے، امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں شہر میں دی جانے والی اذان کی آواز جہاں تک سنائی دیتی ہے وہ مصر کے تابع ہے ورنہ نہیں، اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر قریہ جس سے متصل شہری ضروریات کی تکمیل کیلئے کھلی جگہ ہو جہاں جانور باندھے جاتے ہیں اور وہاں ان کے چارہ پانی کا انتظام کیا جاتا ہے یا یہ کہ شہر کے مکانات ومحلات کے اطراف واکناف جو جگہیں سیر وتفریح کے لئے مختص رہتی ہیں یہ بھی توابع مصر میں شامل ہیں، اور جو اس طرح متصل نہ ہوں وہ توابع مصر کی تعریف میں نہیں آتیں اور ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس کی مسافت تین فرسخ ہے اور بعضوں نے ایک میل اور بعضوں نے دو میل اور بعضوں نے چھ میل کا تخمینہ کیا ہے، امام مالکؒ نے اس کا اندازہ چھ میل سے کیا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے جو اپنی بستی سے نکل کر جمعہ میں حاضر ہوتا ہو اور پھر واپس لوٹ کر کسی تکلیف کے بغیر اپنے اہل وعیال کے ساتھ آرام کرسکتا ہو تو اس پر جمعہ واجب ہے ورنہ نہیں اور بدائع میں ہے کہ یہ رائے مستحسن ہے۔

"ومن كان من مكان من توابع المصر فحكمه حكم أهل المصر فى وجوب الجمعة عليه بأن يأتى المصر فليصلها فيه .واختلفوا فيه ؛ فعن أبى يوسف إن كان الموضع يسمع النداء فيه من المصر فهو من توابعه وإلا فلا ، وعنه كل قرية متصلة بربض المصر ، وغير المتصلة لا ، وعنه أنها تجب فى ثلاثة فراسخ ، وقال بعضهم قدر ميل ، وقيل قدر ميلين ، وقيل ستة أميال .وعن مالك ستة ، وقيل إن أمكنه أن يحضر الجمعة ويبيت بأهله من غير تكلف تجب عليه الجمعة وإلا فلا .قال فى البدائع : وهذا حسن" (فتح القدیر ۳/۲۰۳)۔

دیگر فقہاء کے ہاں مصر کی تعریف میں اختلاف ہے، شوافع کی رائے ہے کہ جہاں پکے مکانات پر مشتمل مستقل انسانی بستیاں آباد ہوں، گھانس پھوس پر مشتمل مکانات یا عارضی اقامت گاہیں جیسے خیمے وغیرہ پر مشتمل آبادی نہ ہو، وہاں جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے خواہ وہ شہر ہوں کہ دیہات، امام شافعی رحمہ اللہ کی ایک اور رائے یہ ہے کہ ہر وہ قریہ جہاں چالیس آزاد اور مکلّف مسلمان موسم سرما ہو کہ گرما ہمیشہ رہتے ہوں، وہاں جمعہ قائم کیا جائے گا۔

"وقال الشافعى المصرليس بشرط وكل قرية يسكنها الأربعون من الأحرارالبالغين لا

یظعنون عنها شتاء ولا صیفا تقام بها الجمعة" (تاتارخانیہ ۲/۴۸)،ان کا استدلال حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی اس روایت سے ہے جس میں اس کا ذکر ہے کہ اسلام میں مسجد نبوی میں جمعہ قائم کئے جانے کے بعد پہلا جمعہ قریہ ''جواثی'' میں قائم کیا گیا جو بحرین کے علاقہ کا ایک دیہات ہے۔

مالکیہ کی رائے شوافع کی رائے سے قریب تر ہے،تاہم پکے مکانات کا ہونا ان کے ہاں شرط نہیں،گھانس پھوس وغیرہ کے ایسے مکانات ہوں جو عام طور پر ایک طویل مدت تک قیام کے لئے بنالئے جاتے ہیں،ایسی آبادیوں میں بھی جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے،البتہ عارضی خیموں سے آباد انسانی بستیوں میں جمعہ کی اقامت ان کے ہاں بھی درست نہیں،کیونکہ ان کی تنصیب طویل عرصہ تک سکونت کے ارادہ سے نہیں ہوتی۔

اور حنابلہ کے نزدیک صحت جمعہ ووجوب جمعہ کیلئے ان شروط کا پایا جانا ضروری نہیں،ان کے ہاں جنگلوں،بیابانوں کے قریب اور خیموں میں جہاں عارضی طور پر مسلمان آباد ہوں نماز جمعہ ادا کی جاسکتی ہے

"**قال أحمد... ولا یشترط لصحة الجمعة إقامتها فی البنیان ، ویجوز إقامتها فیما قاربه من الصحراء**"(المغنی ۴/۱۷۰)، اس سے یہی مفہوم مستفاد ہوتا ہے کہ وہ نماز جمعہ قائم کریں گے تو جمعہ ادا ہوجائے گا اور ظہر کی فرضیت ان سے ساقط ہوجائے گی۔

اقامت جمعہ کیلئے صرف فقہاء حنفیہ کے نزدیک سلطان یا اس کے نائب کی اجازت شرط ہے،دوسروں کے ہاں نہیں،مالکیہ کے ہاں اذن سلطان مندوب ہے کہ اس سے اجازت لی جائے،اگر وہ اجازت نہ دے اور اس کے شر سے مسلمان مامون ہوں تو اس کے منع کرنے کے باوجود اقامت جمعہ کا قیام واجب ہے،ان کی رائے یہ ہے کہ کتاب وسنت سے اس کی کوئی دلیل نہیں ملتی،اس لئے اس (اذن سلطان کی) شرط کا اعتبار نہیں،شہروں اور قریوں میں نماز جمعہ کی ادائیگی درست ہے،امام بخاری رحمہ اللہ نے (باب الجمعة فی القری والمدن) کے عنوان سے ایک مستقل باب باندھا ہے۔

سوال میں ذکر کردہ حالات کے تناظر میں چونکہ نصوص میں مصر کا مفہوم واضح طور پر نہیں آیا ہے اور فقہاء احناف کے درمیان بھی اس میں خاصا اختلاف ہے،موجودہ دور میں جو ترقی ہوئی ہے اس کے تحت پہلے جو سہولتیں چھوٹے موٹے شہروں میں میسر ہوا کرتی تھیں وہ اب بہت سے بڑے دیہاتوں میں بھی مہیا ہوگئی ہیں،اذن سلطان کی شرط بھی جبکہ کتاب وسنت کے واضح دلائل سے ثابت نہیں ہے۔

اس تناظر میں فقہاء امت کے درمیان زیر بحث علمی نزاکتوں سے مقصود شعائر اسلامیہ کا تحفظ ہے،موجودہ حالات میں ہر چھوٹی بڑی مسلم آبادیوں میں نماز جمعہ کی اقامت بھی شعائر اسلام سے ہے،ظاہر ہے اس وقت اولین ترجیح دین وایمان

کا تحفظ ہے، اس تناظر میں دیگر فقہاء کی آراء کو سامنے رکھتے ہوئے ہر اس جگہ نماز جمعہ کی اقامت کی اجازت دی جانی چاہیے جہاں لوگوں کا اجتماع ہو، لفظ جمعہ اسی سے مشتق ہے، جمعہ کو جمعہ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں زیادہ لوگ جمع ہوتے ہیں، سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے سیدنا عمر بن خطابؓ کو خط لکھا اور ان سے جمعہ کی نماز کے بارے میں دریافت کیا، تو انہوں نے لکھا: ''تم جہاں کہیں ہو جمع ہو جاؤ یعنی نماز جمعہ ادا کرو''، ابن ابی شیبہ نے اس کی تخریج کی ہے:

''عن أبی هريرةؓ أنهم كتبوا إلى عمرؓ يسألونه عن الجمعة ؟ فكتب: جمعوا حيثما كنتم'' (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۰۱)۔

یہ روایت (معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ۵/۵۱) میں بھی مذکور ہے، بعد ازاں امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے درج ہے کہ جب یہ حدیث پاک ہے تو اس کا معنی یہی ہوں گے تم کسی قریہ میں رہو اقامت جمعہ کے لئے جمع ہو جاؤ، اور اس روایت میں بحرین کا ذکر ہے جبکہ وہ قریہ ہے، امام احمد نے اس روایت کی اسناد کو حسن قرار دیا ہے:

'' قال الشافعی : إن كان هذا حديثا يعنى ثابتا ولا أدرى كيف هو فمعناه فى أى قرية كنتم ؛ لأن مقامهم فى البحرين إنما يكون فى القرى قال أحمد : وهذا الأثر إسناده حسن''

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس حکم میں شہر و دیہات سب شامل ہیں **''وهذا يشمل المدن والقرى''** (فتح الباری ۲/۳۸۰)۔

اس وقت اکثر ممالک میں اسلام اور مسلمان دشمنان اسلام کے نشانہ پر ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو دین سے دور کر دیا جائے، قرآن اور حضور ﷺ کے ساتھ امت مرحومہ کا رشتہ کمزور سے کمزور کر دیا جائے، بھارت جیسے جمہوری ملک میں نفرت کا بازار گرم ہے، مسلسل اسلام اور پیغمبر اسلام کو ہدف تنقید بنا کر مسلمانوں کی دلآزاری، مسلمانوں کی جان و مال، عزت و آبرو اور اسلامی شعائر پر حملے دشمنان اسلام کا دن رات کا مشغلہ بن گئے ہیں، افسوسناک پہلو یہ بھی ہے کہ مسلم سماج میں جیسے احکام اسلامی کا نفاذ ہونا چاہیے تھا اور جیسے مسلمان دین و ایمان کے عملی پیکر بننا چاہیے تھا وہ نہیں ہو سکا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے مسلمان دین و ایمان کے تقاضوں سے نابلد ہیں، شہروں کا حال بھی کچھ خوش کن نہیں ہے، قریہ و دیہاتوں کا تو اللہ ہی حافظ ہے، ایسے دل شکن حالات میں مسلمانوں کا رشتہ اسلام سے باقی رکھنے کیلئے دیہاتوں میں بھی نماز جمعہ کے قیام کا اہتمام ہونا چاہیے، کیونکہ اکثر کے ہاں پنج وقتہ نمازوں کا اہتمام نہیں ہے، وہ جمعہ اور عیدین کی نماز ادا کرتے ہیں، یہی ان کی اسلام سے وابستگی کا ایک اظہار باقی رہ گیا ہے، اس تناظر میں فقہائے احناف کی رائے پر عمل امت کے مفاد میں نہیں ہے، علماء سے اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ ائمہ اربعہ کی تحقیقات اجتہادی ہیں، ہر اجتہاد میں اصابت کے ساتھ خطا کا

احتمال موجود ہے، مجتہدین احتمال خطا کے ساتھ اپنے امام کی رائے کو درست سمجھتے ہیں، وقت وحالات کے پیش نظر جو تحقیقات اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں ہوں ان پر ترجیحاً عمل ہونا چاہیے، اجتہادی علمی مباحث کے قطع نظر دیگر فقہاء کی تحقیق کو قبول کر کے بستی بستی، قریہ قریہ نماز جمعہ کے اہتمام کی اجازت دی جانی چاہیے، اس موقع کو غنیمت جان کر امت کو اسلام سے جوڑنے کی کوشش کی جانی چاہیے، قیام جمعہ کی اجازت کا یہ بھی ایک فائدہ ہے۔

عندالاحناف اقامت جمعہ کیلئے مصر جامع، سلطان، خطبہ، جماعت اور وقت کا ہونا شرط ہے، مصر جامع کا ہونا وجوب جمعہ کیلئے بھی شرط ہے اور صحت ادا کیلئے بھی، یہاں تک کہ ان دیہاتوں میں نماز جمعہ واجب نہیں جو مصر کے توابع سے ہیں اور ان میں جمعہ ادا کرنا صحیح نہیں، امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مصر کا ہونا نہ تو وجوب کیلئے شرط ہے نہ صحت ادا کیلئے، ہر وہ دیہات جہاں چالیس مرد ہمیشہ مقیم رہتے ہوں خواہ سرما کا موسم ہو کہ گرما کا ان پر جمعہ واجب ہے، استدلال میں حضرت ابن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ سے مروی روایات پیش کی ہیں، پہلی روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اسلام میں مسجد نبوی میں جمعہ قائم کئے جانے کے بعد پہلا جمعہ قریہ جواثاء میں قائم کیا گیا، جو علاقہ بحرین کا ایک گاؤں ہے، بعضوں کی رائے ہے کہ وہ قبیلہ عبدالقیس کا ایک گاؤں ہے۔

"وأما الشرائط التی ترجع إلی غیر المصلی فخمسة فی ظاهر الروایات ، المصر الجامع ، والسلطان ، والخطبة، والجماعة ، والوقت .أما المصر الجامع فشرط وجوب الجمعة وشرط صحة أدائها عند أصحابنا حتی لا تجب الجمعة إلا علی أهل المصر ومن کان ساکنا فی توابعه وکذا لا یصح أداء الجمعة إلا فی المصر وتوابعه فلا تجب علی أهل القری التی لیست من توابع المصر ولا یصح أداء الجمعة فیها وقال الشافعی المصر لیس بشرط للوجوب ولا لصحة الأداء فکل قریة یسکنها أربعون رجلا من الأحرار المقیمین لا یظعنون عنها شتاء ولا صیفا تجب علیهم الجمعة ویقام بها الجمعة واحتج بما روی عن ابن عباس رضی الله عنهما أنه قال أول جمعة فی الإسلام بعد الجمعة بالمدینة لجمعة جمعت بجواثی وهی قریة من قری عبد القیس بالبحرین .وروی عن أبی هریرة أنه کتب إلی عمر یسأله عن الجمعة بجواثی فکتب إلیه أن أجمع بها وحیث ما کنت ؛ ولأن جواز الصلاة مما لا یختص بمکان دون مکان کسائر الصلوات" (بدائع الصنائع ۱۹/۳)۔

احناف نے اقامت جمعہ کیلئے مصر ہونے کی شرط کا ان احادیث پاک سے استدلال کیا ہے، حضور ﷺ سے جو روایات منقول ہیں ان میں نماز جمعہ مصر میں پڑھنے کا ذکر ہے، حضرت علیؓ سے بھی ایسی روایات منقول ہیں ،

حضور ﷺ نے صرف مدینہ منورہ میں اقامت جمعہ کا نظم فرمایا، اطراف واکناف کی بستیوں میں جمعہ قائم نہیں فرمایا اور نہ ایسا کرنے کی ہدایت دی، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مبارک عہد میں بڑی فتوحات ہوئیں، لیکن انہوں نے صرف شہروں میں جمعہ قائم فرمایا، نماز جمعہ عظیم شعائر اسلامی سے ہے، ظاہر ہے اس کا اظہار مصر ہی میں ہوسکتا ہے (بدائع الصنائع ۳/۱۹)۔

موجودہ حالات میں نمایاں تبدیلی واقع ہوچکی ہے، اکثر دیہاتوں میں اب شہری سہولتیں مہیا ہیں، وہ شرائط جو مصر جامع کی ہیں ان میں سے اکثر دیہاتوں میں پائی جاتی ہیں، اور اور وجوہات بھی ہیں جن سے ہر جگہ اقامت جمعہ کی اہمیت ثابت ہوتی ہے، اس لئے یہی رائے بہتر معلوم ہوتی ہے کہ بستی بستی، قریہ قریہ نماز جمعہ کے قیام کا اہتمام ہو، اس تناظر میں علماء احناف کے نقطہ نظر پر نظر ثانی کی جانی چاہئے۔

عام مشاہدہ یہ ہے کہ شہر میں روزانہ ایک جگہ جہاں سارے باشندے جمع ہوں دشوار ہے، اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ اس مقصد کیلئے ایک دن اور وقت مقرر کیا جائے جس میں بستی کے سب لوگ پابندی سے جمع ہوں، عرب وعجم کے علاقوں اور اکثر مذاہب میں اس طرح جمع ہونے کا رواج ہے (بحوالہ موسوعۃ الفقہیہ ۲۷/۲۲۴، حجۃ اللہ البالغہ ۲/۲۱)۔

۱) موجودہ حالات میں ائمہ احناف کی آراء سے صرف نظر کرتے ہوئے ائمہ ثلاثہ کی جو آراء ہیں ان کو پیش رکھتے ہوئے ہر جگہ خواہ وہ دیہات چھوٹے ہوں یا بڑے اقامت جمعہ کی اجازت دی جانی چاہیے، اس سلسلہ میں شوافع وموالک کی آراء سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، تاہم حنابلہ کی جو رائے ہے موجودہ حالات میں زیادہ قابل عمل ہے، چونکہ اس میں بڑی وسعت وگنجائش ہے جس سے ہر جگہ اقامت جمعہ کی اجازت ثابت ہوتی ہے۔

۲) جہاں جہاں مسلمانوں کی باقاعدہ آبادی ہو چاہے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو وہاں وہاں نماز جمعہ کی اقامت کا نظم ہونا چاہیے، مسلمانوں کی آبادی میں مسجد نہ ہو تو مسجد کی تعمیر کی جانی چاہیے، جب تک تعمیر نہ ہو اس وقت تک آپسی مشورہ سے کسی ایک صاحب کے مکان کو جو نسبتاً وسیع وکشادہ ہو نماز جمعہ پڑھنے کیلئے مختص کرلینا چاہیے، زیادہ بہتر بات تو یہی ہے کہ نماز جمعہ کے ساتھ نماز پنجگانہ کی باجماعت بھی وہیں قائم ہونی چاہیے، اس وقت کئی اصحاب خیر اور کئی ایک تنظیمیں دیہات دیہات مساجد کی تعمیر کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں جس کی وجہ قریہ قریہ مساجد تعمیر ہو رہی ہیں، تاہم کسی قریہ میں مسجد نہ ہو تو ان سے رابطہ کیا جاسکتا ہے، مساجد کی تعمیر اور ان سے مسلمانوں کے تعلق کی موجودہ حالات میں بڑی اہمیت ہے، پنجگانہ نمازوں اور نماز جمعہ کی اقامت کے ساتھ اور کئی ایک دینی ودنیوی مصالح ہیں جو مساجد سے انجام پاسکتے ہیں، جیسا کہ عہد نبوی میں یہ سارے امور انجام پاتے تھے۔

۳)اتحادملت وقت کا اہم ترین تقاضہ ہے،اتحاد کے قیام میں مساجد کا بڑا رول ہے جہاں با قاعدہ اذان و جماعت قائم ہوتی ہے وہاں مسلمان عام نمازوں میں کم تعداد میں کیوں نہ ہوں ضرور جمع ہوتے ہیں جس سے اجتماعیت ظاہر ہوتی ہے، اس میں مزید اضافہ کیلئے ذہن سازی کی جاسکتی ہے ،تذکیر سے یقیناً فائدہ ہوتا ہے ۔ ''وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ''(سورۂ ذاریات:۵۵)(اور نصیحت کرتے رہیں یقیناً یہ نصیحت ایمان والوں کو فائدہ دے گی)۔

☆☆☆

دیہات میں جمعہ کا قیام موجودہ حالات کے پس منظر میں

مولانا خورشید انور اعظمی☆

نماز جمعہ فرض عین ہے، اس کی فرضیت، کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے، فقہاء کرام کے درمیان اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ اقامت جمعہ کے لئے مصر کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ جمہور علماء کا خیال ہے کہ صحت جمعہ کے لئے مصر کا ہونا شرط نہیں ہے، دیہات اور چھوٹی آبادی میں بھی نماز جمعہ صحیح اور درست ہے، الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے :

''لا يشترط فى إقامة الجمعة المصر الجامع، بل تجوز فى القرى، وهذا مذهب الجمهور من المالكية والشافعية والحنابلة، واختاره ابن حزم''(الموسوعۃ الفقہیہ)۔

(اقامت جمعہ میں مصر جامع کی شرط نہیں ہے، بلکہ دیہات میں بھی جائز ہے، یہ جمہور فقہائے مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے، اور ابن حزم نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے)۔

المحیط البرہانی میں ہے :"قال الشافعى : المصر ليس بشرط، وكل قرية سكانها أربعون من الأحرار البالغين، لايظعنون عنها شتاء ولا صيفا، تقام بهاالجمعة "(المحیط البرھانی:۲/۶۴)۔

(امام شافعی نے کہا: مصر شرط نہیں ہے، جس گاؤں میں چالیس آزاد بالغ افراد رہتے ہوں اور وہاں سے نہ گرمی میں کوچ کرتے ہوں اور نہ سردی میں تو اس جگہ جمعہ قائم کیا جائے گا)۔

جب کہ فقہاء احناف کے یہاں صحت جمعہ کے لئے مصر جامع ہونا شرط ہے، قریۂ کبیرہ کو بھی مصر کے حکم میں مانا گیا ہے، دیہات میں نماز جمعہ ان حضرات کے نزدیک جائز نہیں ہے، علامہ سرخسی اپنی شہرہ آفاق کتاب ''المبسوط'' میں رقم طراز ہیں:''أما المصر فهو شرط عندنا''(المبسوط ۲/۲۳)(رہا مصر تو وہ ہمارے نزدیک شرط ہے)۔

علامہ ابن الھمام تحریر فرماتے ہیں:"لاتصح الجمعة إلا فى مصر جامع أو فى مصلى المصر ولا تجوز فى القرى"(فتح القدیر ۲/۴۷)(جمعہ صرف مصر جامع اور توابع مصر میں درست ہوتا ہے، دیہاتوں میں جائز نہیں ہوتا ہے)۔

☆ صدر مدرس جامعہ مظہر العلوم، بنارس۔

علامہ شامی لکھتے ہیں: ''تقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرة التی فیها أسواق ..... ''(ردالمحتار ۲/ ۱۳۸)(جمعہ ان قصبات اور بڑے گاؤں میں فرض ہوتا ہے جن میں بازار ہوں.....)۔

فقہاء احناف اس بات پر متفق ہیں کہ صحت جمعہ کے لئے مصر کا ہونا بنیادی شرط ہے، مگر مصر کی تعریف میں ان کے درمیان خاصا اختلاف پایا جاتا ہے، ہر فقیہ نے اپنے وقت کے احوال وظروف اور عرف کے مطابق مصر کی تعریف کی ہے، کتب فقہ میں تقریباً انیس تعریفات منقول ہیں، اکثر فقہائے حنفیہ نے مندرجہ ذیل تعریف کو راجح قرار دیا ہے، گو کہ اس پر بھی اشکال کیا گیا ہے:

"إن المصر مالاتسع أكبر مساجده أهله المكلفين بصلاة الجمعة، ولولم يحضروا بالفعل، وبهذا أفتى أكثر فقهاء الحنفية''(الفقہ علی المذاھب الاربعۃ ۱/ ۵۱۷، طبع دار الثقلین بیروت)۔

(مصر اسے کہتے ہیں جس کی سب سے بڑی مسجد وہاں کے ان لوگوں کے لئے ناکافی ہو جن پر نماز جمعہ فرض ہے، اگر چہ وہ لوگ فی الحال حاضر نہ ہوں، اکثر فقہائے حنفیہ نے اسی پر فتوی دیا ہے)۔

ہمارے اکابر علماء نے تصریحات فقہاء کی روشنی میں مصر کی تحدید میں نہایت متوازن رائے قائم کی ہے اور ایسی تعریف کی ہے جس میں موجودہ زمانے کی علامات مصر کو جمع کر دیا گیا ہے، حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی ''امداد الاحکام'' میں زیر بحث مسئلے پر کلام کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''مصر کی علامات ہر زمانے میں مختلف ہوتی ہیں، آج کل علامات یہ ہیں کہ تین چار ہزار کی آبادی ہو، بازار ہو، جس میں سب ضروریات ملتی ہوں، اور وہ بازار مستقل ہو، ہفتہ وار بازار لگنا کافی نہیں، اور ڈاکخانہ وغیرہ ہو''(امداد الاحکام ۱/ ۷۵۹)۔

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ ایک استفتاء کے جواب میں مصر کی تعریف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ایک علاقہ میں جو علامات مصر ہیں، ضروری نہیں کہ دوسرے علاقہ میں بھی وہی علامات ہوں، آج کل ہمارے اطراف میں عمومی علامات یہ ہیں، پختہ مکانات کافی تعداد میں ہوں، پختہ سڑکیں ہوں، محلے ہوں، ڈاکخانے ہوں، شفاخانہ یا حکیم ہو، مدرسہ یا اسکول ہو، مستقل دوکانیں ہوں، روزمرہ کی ضروریات ہمیشہ ملتی ہوں، ضروری پیشہ ور ہوں، کچہری یا نزاعات کا فیصلہ کرنے کے لئے پنچایتی نظام ہو، آس پاس کے دیہات اپنی ضروریات وہاں سے پوری کرتے ہوں، اور اس مقام کو قصبہ یا بڑا گاؤں کہا جاتا ہو، مردم شماری کے لحاظ سے کوئی خاص عدد لازم نہیں، یہ علامات کچھ مدت پہلے تین چار ہزار کی آبادی میں ہوتی تھیں، اب تمدن تیزی سے ترقی کر رہا ہے، اب اس سے کم آبادی میں بھی یہ علامات جمع ہو جاتی ہیں، بعض بستیوں کی آبادی دو ہزار ہے اس میں بھی یہ علامات موجود ہیں، بعض میں نہیں''(فتاوی محمودیہ ۸/ ۸۳)۔

مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی نے اس مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ آج مصر کی تعریف ایسی ہونی چاہئے جس کا دائرہ وسیع ہو اور شرعی معیار کو پورا کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ جگہوں پر اقامت جمعہ کی گنجائش فراہم کرتی ہو، لکھتے ہیں:

''فقہاء کے نزدیک شہر کا جو مفہوم راجح ہے، وہ یہ کہ اگر اس جگہ کے تمام لوگ وہاں کی بڑی مسجد میں جمع ہو جائیں، تو مسجد ناکافی ہو جائے یہ شہر کا ایسا مفہوم ہے کہ اس کے اعتبار سے شہر کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے، اور ضرورت اس وقت یہی ہے کہ شہر کا ایسا مفہوم متعین ہو کہ زیادہ سے زیادہ مقامات پر نماز جمعہ کی گنجائش نکل آئے، کیونکہ جمعہ نہ صرف ایک عبادت ہے، بلکہ یہ تذکیر وموعظت کا بھی بہترین موقع ہے، اور بعض علاقوں میں جمعہ ہی کی وجہ سے اسلام سے اپنی وابستگی محسوس کرتے ہیں'' (کتاب الفتاویٰ ۳/۳۶)۔

۱- جملہ تعریفات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حالات زمانہ کے ساتھ ساتھ بہت سی قیود میں کمی آتی گئی ہے، اس سلسلے میں مولانا عبدالعلی بحر العلوم فرنگی محلی کی ذکر کردہ تعریف سے مصر کے دائرہ میں سب سے زیادہ وسعت پیدا ہوتی ہے، جس پر ان کے والد، بانی درس نظامی، ملا نظام الدین فرنگی محلی فتوی دیا کرتے تھے، بحر العلوم علامہ فرنگی محلی اپنی کتاب ''رسائل الارکان'' میں لکھتے ہیں:

"كان مطلع الأسرار أبى قدس سره يفتى بأن المصر موضع يندفع فيه حاجة الإنسان الضرورية من الأكل بأن يكون هناك من يبيع طعاما والكسوة الضرورية وأن يكون هناك أهل حرف يحتاج إليهم كثيرا ولا أدرى أهذا كان من اجتهاده قدس سره أو وجد رواية ،والله أعلم " (رسائل الارکان: ۱۱۴)۔

(میرے والد قدس سرہ، جو مطلع اسرار شریعت تھے، یہ فتوی دیا کرتے تھے کہ مصر وہ جگہ ہے جہاں انسان کی ضروری حاجت خورد ونوش پوری ہو جاتی ہو کہ وہاں کوئی کھانا فروخت کرتا ہو، اور ضروری کپڑا بیچتا ہو، اور وہاں اہل حرفت ہوں جن کی اکثر ضرورت پڑتی ہو، مجھے نہیں معلوم کہ یہ ان کا اجتہاد ہے یا ان کے پیش نظر کوئی روایت ہے، واللہ اعلم)۔

۲- جہاں مسلمانوں کی باقاعدہ آبادی ہو اور نماز باجماعت کا اہتمام ہو- خواہ مسجد میں یا کسی متعین جگہ پر- وہاں فقہ حنفی کے اعتبار سے اگر اس پر مصر کی تعریف صادق نہیں آتی ہے تو اس جگہ جمعہ قائم کرنا درست نہیں ہے، البتہ اگر وہاں پہلے سے نماز جمعہ ہو رہی ہو تو اس کو ختم نہیں کرنا چاہئے کہ اس میں فتنہ وفساد کا اندیشہ ہے، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ ایک استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں:

''اگر کسی جگہ پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے اور اب موقوف کرنے سے فتنہ پیدا ہوتا ہے جیسا کہ میوات و پنجاب کے بعض دیہات کے متعلق سنا گیا ہے کہ وہاں جمعہ موقوف کیا گیا تو لوگوں نے پنجگانہ بھی چھوڑ دی، تو ایسی صورت میں اس کا بند کرنا بھی مناسب نہیں، کیونکہ نماز چھوڑ دینے سے تو یہی بہتر ہے کہ جمعہ پڑھ لیں، اس لئے کہ جمعہ حسب اختلاف روایات یا اختلاف مجتہدین ایسی جگہ پڑھنا جائز تو ہے اور ترک صلاۃ سخت کبیرہ ہے، "استشهد له بما فی التجنیس عن الحلوانی أن کسالی العوام إذا صلوا الفجر عند طلوع الشمس لا یمنعون لأنهم إذا منعوها ترکوها أصلا وأدائها مع تجویز أهل الحدیث لها أولی من ترکها أصلا "(ردالمحتار ۳/۱۷۲، کفایت المفتی ۳/۸۱-۱۸۰)۔

مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ لکھتے ہیں:

''احتیاط ہمین است کہ تا مقدور رعایت شہر پیش نظر ماند واگر کسے در دیہے جمعہ قائم کند دست گریبانش نہ زنند کہ اول این شرط ظنی بود باز حسب تقریر مذکور ضعفے دیگر دراں ہم رسید'' (لطائف قاسمیہ: ۲۷-مطبع مجتبائی دہلی)۔

(احتیاط اس میں ہے کہ جہاں تک ہو سکے شہر کی رعایت پیش نظر رہے، اور اگر کوئی کسی دیہات میں جمعہ قائم کرے تو دست و گریباں نہ ہو، اس لئے کہ اول یہ شرط ظنی ہے اور پھر مذکورہ تقریر کے مطابق اس میں ضعف بھی ہے)۔

۳- فقہ حنفی کے اعتبار سے مسلمانوں کی کسی بھی چھوٹی بستی میں نماز جمعہ درست نہیں ہے، اور اس میں بھی کوئی شبہہ نہیں ہے کہ احناف کا موقف قوت دلیل کے اعتبار سے بہت مضبوط و مستحکم ہے، تاہم موجودہ حالات کے پیش نظر بر بنائے مصلحت دیہات میں بھی اقامت جمعہ کی اجازت ہونی چاہئے، تاکہ جاہل و ناخواندہ مسلم علاقے کم از کم ہفتے میں ایک بار نظام مساجد سے مربوط ہو کر کتاب و سنت کی روشن تعلیمات سے واقف ہو سکیں، اور اسلام مخالف افراد و تنظیم کی مذموم کوششیں سادہ لوح مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے میں ناکام ہو سکیں، جب کہ آج اس بات کا خطرہ دینی مراکز سے دوران علاقوں میں بہر حال پایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ کا یہی خیال ہے، جس پر آپ نے اپنے مختلف فتاوی میں زور دیا ہے۔

ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''قریہ کبیرہ جس پر مصر کی کوئی تعریف بھی صادق آجائے، مثلاً'' **مالا یسع أکبر مساجد ہ أهله المکلفین بها**''، اس میں اقامت جمعہ جائز ہے، اور اگر کوئی تعریف بھی صادق نہ آئے، جب بھی اس مسئلہ میں حنفیہ کے لئے مصالح عامہ اسلامیہ کے لحاظ سے شوافع کے مسلک پر عمل کر لینا جائز ہے'' (کفایت المفتی ۳/۱۹۶)۔

نیز دوسری جگہ آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے:

''حنفیہ کے اصول کے بموجب دیہات میں اقامت جمعہ درست نہیں، مصر کی تعریفیں مختلف اور متعدد منقول ہیں، اس مسئلے میں زیادہ سختی کا موقع نہیں ہے، اور اس زمانے کے مصالح عامہ مہمہ اس امر کے متقاضی ہیں کہ اقامت جمعہ کو نہ روکا جائے تو بہتر ہے، بالخصوص ایسی حالت میں کہ مدت دراز سے جمعہ قائم کو روکنا بہت سے مفاسد عظیمہ کا موجب ہوتا ہے'' (کفایت المفتی ۳/۱۹۶)۔

حضرت مفتی صاحبؒ کو دیہات میں اقامت جمعہ کی ضرورت واہمیت کا احساس بہت زیادہ تھا، جس کی وجہ سے آپ نے اس بات پر زور دیا کہ آج کے حالات میں اپنے موقف سے ہٹ کر عمل بمذہب الغیر کی ضرورت ہے، تاکہ دیہی علاقوں میں بسنے والے جاہل وناخواندہ افراد کے ایمان وعقیدہ کے تحفظ کی صورت فراہم ہوسکے، لکھتے ہیں:

''میں نے کہا: یہ فتوی اگر چہ حنفیہ کے موقف کے موافق نہیں ہے، لیکن اسلامی ومعاشرتی مصالح سے زیادہ ہم آہنگ ہے، خصوصا اس ملک اور اس زمانے میں، اس لئے کہ دشمنان اسلام ان دیہاتوں میں اپنے ناپاک مقاصد کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں، جن میں جمعہ قائم نہیں ہوتا اور جہاں قائم ہوتا ہے، ناکام ونامراد ہوجاتے ہیں، توفیق اللہ کی طرف سے ہے، اور اسلام کی حفاظت اس بات سے کہیں بہتر ہے کہ جمعہ کے قائم نہ کرنے پر اصرار کیا جائے، جب کہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے'' (کفایت المفتی ۳/۲۰۵)۔

پھر آج جب کہ حکومت کی منشاء کے بموجب مساجد کی تعمیر کی اجازت لینی پڑتی ہے، اور اس کا رجسٹریشن کرانا ضروری ہوتا ہے، تو بہتر یہ ہے کہ مسجد کی تعمیر، حکومت کی اجازت سے کی جائے، تاکہ وہاں مندرجہ ذیل جزئیہ کی روشنی میں اقامت جمعہ کی گنجائش بھی پیدا ہوسکے، ردالمحتار میں ہے:

''إذا بنى مسجد فى الرستاق بأمر الإمام فهو أمر بالجمعة اتفاقا على ما قاله السرخسى'' (ردالمحتار ۲/۱۳۸)۔

(اگر دیہات میں کوئی مسجد امام وقت کے حکم سے تعمیر کی جائے تو علامہ سرخسی کے بقول وہ بالاتفاق جمعہ کا حکم دینا ہے)۔

پھر یہ امر بھی غور طلب ہے کہ آج ترقیات زمانہ نے ''مصریت وقرویت'' کا معیار بدل ڈالا ہے، آن لائن کے ذریعہ مراسلت اور منی ٹرانسفر کا کام ہوتا ہے، کسی بھی جگہ ایک کال پر پولیس حاضر ہوجاتی ہے، ہر جگہ ڈاکٹر موجود ہوتے ہیں، اکثر دیہاتوں میں سڑکوں کا جال بچھا ہوا ہے، اور روزمرہ کی بنیادی ضروریات وہاں سے عموما پوری ہوجاتی ہیں، گوکہ وہاں

ڈاکخانہ، تھانہ، اسپتال اور ایسا بازار نہیں ہوتا کہ عرف میں اس پر شہر یا بڑے گاؤں کا اطلاق ہو سکے، ایسی صورت حال میں شریعت کے احکام، موجودہ حالات کے تقاضے اور مسلمانوں کے دین و مذہب کے تحفظ کو سامنے رکھتے ہوئے، زیر بحث مسئلے میں گنجائش پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اقامت جمعہ کی اجازت دیجائے اور مسلمانوں کو نظام مساجد سے مربوط کیا جائے۔

☆☆☆

موجودہ حالات کے پس منظر میں جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط

ڈاکٹر مفتی محمد شاہ جہاں ندوی ☆

تمہید:

جمعہ کی نماز دین کی مخصوص علامتوں، نشانیوں اور شعائر میں سے ہے، اس سے جہاں مسلمانوں کی اجتماعیت کا اظہار ہوتا ہے وہیں دین کی شان وشوکت بھی ظاہر ہوتی ہے۔

مہبط وحی اور مہد اسلام سے دور دراز ممالک میں جمعہ ہی وہ چیز ہے جو مسلمانوں کو دین سے مربوط رکھتی ہے اور دین وایمان پر ڈاکا ڈالنے والے فتنوں سے محفوظ رکھتی ہے، لہذا اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ حنفی مسلک کے مطابق ''مصر'' کی تعریف میں عموم پیدا کیا جائے، یا ناگفتہ بہ حالات کے مدنظر مالکی مسلک کے مطابق فتوی دیا جائے کہ جس مستقل گاؤں میں بارہ افراد ہوں وہ جمعہ قائم کر سکتے ہیں۔

اس مختصر تمہید کے بعد سوالات کے جوابات درج ہیں:

۱-موجودہ حالات میں مصر کی تعریف:

''مصر'' وہ آبادی ہے جہاں بنیادی ضرورتوں کی چیزیں ملتی ہوں، یعنی روزمرہ استعمال ہونے والی چیزیں وہاں بہ سہولت دستیاب ہوں، اور ان کی خرید وفروخت ہوتی ہے، اس تعریف کی رو سے مصر کا دائرہ وسیع تر ہو جاتا ہے، اس تعریف کی تائید درج ذیل دلائل سے ہوتی ہے:

۱-اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''وذروا البیع'' (جمعہ:۹) (اور خرید وفروخت اور کاروبار چھوڑ دو)، اس آیت کا مفہوم ''عبارۃ النص'' کے طور پر یہ ہے کہ جمعہ کی اذان سننے کے بعد خرید وفروخت چھوڑ دینا ضروری ہے، اور خرید وفروخت اور دیگر معاملات میں مشغول رہنا حرام ہے، اور جمعہ کے لئے چل پڑنا اور اللہ تعالی کی یاد کی طرف لپکنا ضروری ہے۔

جبکہ اس آیت کا مفہوم ''اشارۃ النص'' کے طور پر یہ ہے کہ جمعہ کی نماز ایسی جگہ قائم کی جائے جہاں لوگوں کے لئے

☆ جامعہ سید احمد شہید، کٹولی، ملیح آباد، لکھنؤ۔

خرید وفروخت کے مواقع ہوں۔

۲-عہد نبوی ﷺ میں عام طور سے ایسی آبادی کو ہی شہر سمجھا جاتا تھا جہاں بنیادی سہولتیں میسر ہوتی تھیں، اور ان کی خرید وفروخت ہوتی تھی۔

۳-فقہاء نے مختلف ادوار میں اپنے زمانہ کے عرف کے لحاظ سے ''مصر'' کے دائرہ کو وسیع کرنے کی کوشش کی ہے، چنانچہ علامہ کاسانی ابوبکر بن مسعودؒ تحریر فرماتے ہیں:

''**وفي رواية: قال:إذا اجتمع في قرية من لا يسعهم مسجد واحد بنى لهم الإمام جامعا، ونصب لهم من يصلي بهم الجمعة، وفي رواية: لو كان في القرية عشرة آلاف أو أكثر أمرتهم بإقامة الجمعة فيها، وقال بعض أصحابنا: المصر الجامع ما يتعيش فيه كل محترف بحرفته من سنة إلى سنة من غير أن يحتاج إلى الانتقال إلى حرفة أخرى.**

وعن أبي عبد الله البلخي أنه قال: أحسن ما قيل فيه: إذا كانوا بحال لو اجتمعوا في أكبر مساجدهم، لم يسعهم ذلك، حتى احتاجوا إلى بناء مسجد الجمعة،فهذا مصر تقام فيه الجمعة، قال سفيان الثوري: المصر الجامع مايعده الناس مصراعند ذكر الأمصار المطلقة'' (کاسانی، بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ، فصل: بیان شرائط الجمعۃ ۱/۲۵۹-۲۶۰، بیروت، دار الکتاب العربی، ۱۹۸۲ء)۔

(امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت ہے کہ جس بستی میں اتنے لوگ اکٹھے ہوں کہ ان کے لئے ایک مسجد کافی نہ ہوں، تو حاکم ان کے لئے جامع مسجد کی تعمیر کرے گا، اور ایسے شخص کو متعین کرے گا جو ان کو جمعہ کی نماز پڑھائے گا، اور امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر کسی آبادی میں دس ہزار یا زیادہ لوگ ہوں تو میں ان کو وہاں جمعہ قائم کرنے کا حکم دوں گا، اور ہمارے بعض فقہاء احناف نے کہا ہے کہ ''مصر جامع'' وہ جگہ ہے جہاں ہر پیشہ کا آدمی اپنے پیشہ سے ایک ایک سال تک زندگی بسر کر سکے اور اسے دوسرے پیشہ کی طرف منتقل ہونے کی ضرورت نہ پڑے۔

اور حضرت عبداللہ بلخیؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: ''مصر'' کی سب سے بہتر تعریف یہ کی گئی ہے کہ جہاں کے لوگ اپنی سب سے بڑی مسجد میں جمع ہو جائیں تو وہ مسجد ان کے لئے ناکافی ہو، یہاں تک کہ ان کو جمعہ کے لئے مسجد تعمیر کرنے کی ضرورت ہو، لہذا یہ آبادی ''مصر'' ہے، جہاں جمعہ کی نماز قائم کی جائے گی، اور سفیان ثوریؒ کا قول ہے کہ ''مصر جامع'' وہ آبادی ہے جسے لوگ مطلق شہروں کے تذکرہ کے وقت ''مصر'' شمار کریں)۔

علامہ فخر الدین عثمان بن علی زیلعی حنفیؒ تحریر فرماتے ہیں: ''اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ ہر وہ جگہ جسے حاکم شہر

قرار دے وہ شہر ہے، یہاں تک کہ اگر وہ حدود وقصاص جاری کرنے کے لئے کسی نائب کو کسی گاؤں میں بھیج دے تو وہ گاؤں شہر ہوجائے گا، اور امام ابوحنیفہؒ نے ارشاد فرمایا: ''مصر'' ہر وہ شہر ہے جہاں گلیاں، کوچے اور بازار ہوں، اور جس کے تحت دیہات اور چھوٹی چھوٹی آبادی ہوں اور جس کا کوئی حاکم ہو جو مظلوم کو ظالم سے انصاف دلاسکتا ہو، اور جہاں ایسا عالم ہو جس کی طرف واقعات کے سلسلے میں رجوع کیا جاسکتا ہو اور یہی صحیح قول ہے'' (زیلعی، تبیین الحقائق، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ ۱/ ۲۱۷، قاہرہ، دارالکتاب الاسلامی)۔

حاصل یہ ہے کہ ہر وہ آبادی جہاں بنیادی ضروریات کی اشیاء کی خرید وفروخت کی دکانیں موجود ہوں وہ ''مصر'' ہے۔

۲-مسلمانوں کی باقاعدہ آبادی میں جمعہ کا نظام بنانے کے سلسلہ میں شرعی نقطہ نظر:

اگر کسی جگہ مسلمانوں کی باقاعدہ آبادی ہو اور وہاں بنیادی ضروریات کی چیزیں فروخت کرنے کی دکانیں موجود ہوں تو پھر مسلمانوں کی ایسی باقاعدی آبادی میں جمعہ کا نظام بنانا جائز ہے، چاہے آبادی چھوٹی ہی کیوں نہ ہو اور نماز باجماعت کا مسجد کے ساتھ یا مسجد کے بغیر نظام ہو، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱-اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**يا أيها الذين آمنوا إذا نودي للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع، ذلكم خيرلكم إن كنتم تعلمون**" (جمعہ:۹) (اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز (جمعہ) کی اذان دی جائے تو اللہ کی یاد کی طرف لپکو، اور خرید وفروخت اور کاروبار چھوڑ دو، اگر تم حقیقت جانو تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے)۔

اس آیت کا اشارۃ النص یہ ہے کہ جس آبادی میں خرید وفروخت کی جگہ ہو وہاں جمعہ کی نماز قائم کی جائے گی۔

۲-آپ ﷺ کے دور میں حجاز کے دیہات کی جو حالت تھی، ہندوستان کے دیہات کی حالت اس سے مختلف ہے، حجاز کے یہات میں بنیادی ضروریات کی چیزیں دستیاب نہیں تھیں، جبکہ موجودہ وقت میں ہندوستان کے بہت سے گاؤں میں بنیادی ضروریات کی چیزیں دستیاب رہتی ہیں، لہذا یہ گاؤں شہر کے حکم میں ہیں۔

۳- نبی اکرم ﷺ کے دور میں مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کی یہی حالت تھی کہ وہاں بنیادی ضروریات کی چیزیں دستیاب تھیں، لہذا یہ صورت حال جس آبادی کی ہوجائے، وہ شرعی اعتبار سے ''مصر'' ہے، خواہ عرف میں اسے لوگ ''گاؤں'' کہتے ہوں۔

علامہ احمد محمد بن اسماعیل طحطاویؒ فرماتے ہیں:"**فكل موضع كان مثل أحدهما فهو مصر**"(طحطاوی، حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ، ص:۳۳۲، بولاق مصر، مطبعہ کبری امیریہ ۱۳۱۸ھ)۔

(چنانچہ ہر وہ جگہ جو مکہ اور مدینہ میں سے کسی ایک کی طرح ہو، وہ مصر ہے)۔

۳-مسلمان ہونے کا شعور پیدا کرنے کے لئے گاؤں میں جمعہ ادا کرنے کی اجازت دینے کے سلسلہ میں شرعی نقطہ نظر:

اگر کسی گاؤں میں بنیادی انسانی ضروریات کی چیزیں فروخت کرنے کی دکان موجود ہو، تو پھر وہ ''شہر'' کے حکم میں ہے اور وہاں جمعہ قائم کرنا ضروری ہے۔

البتہ اگر کوئی گاؤں ایسا ہو کہ وہاں بنیادی ضروریات کی اشیاء فروخت کرنے کی کوئی دوکان نہ ہو، لیکن عام مسلمانوں اور مسلمانوں کے عام طبقات کو دین سے جوڑ کر رکھنے، ان کے ایمان کی حفاظت کرنے اور ان کو گمراہ فتنوں سے آگاہ کرنے اور دور رکھنے کا یہی ذریعہ ہو کہ وہاں جمعہ کی نماز قائم کی جائے، تو ایسی صورت حال میں وہاں جمعہ کی نماز قائم کرنا جائز ہے؛ کیونکہ دین کا تحفظ اختلافی شرط کے تحقق سے بڑھ کر ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"**وما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون**" (ذاریات:۵۶)(میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں)۔

ایک جگہ ارشاد ہے:"**الذى خلق الموت والحياة ليبلوكم أيكم أحسن عملا**"(ملک:۲)(جس نے موت اور زندگی کو اس لئے پیدا کیا تا کہ تمہارا امتحان لے کہ کون تم میں سے سب سے اچھے عمل والا ہے)۔

لہذا جہاں مسلمانوں کو فتنہ ارتداد سے بچانے کے لئے جمعہ کی نماز قائم کرنا ناگزیر ہو جائے، وہاں شرط کے تحقق سے زیادہ اہم دین و ایمان کو بچانا ہے، اور ایسے موقع پر دوسرے مذہب پر فتوی دینا بھی جائز ہے، چنانچہ موجودہ حالات میں مالکیہ کے مسلک پر فتوی دینا مناسب ہے، مالکیہ کے نزدیک جمعہ صحیح ہونے کی شرطیں درج ذیل ہیں:

۱-استیطان، ۲-امام کے علاوہ بارہ مردوں کا حاضر ہونا، ۳-امام، ۴-دو خطبے، ۵-جامع۔

استیطان کی مراد:

''استیطان'' سے ان کے نزدیک مقصود یہ ہے کہ آدمی اس جگہ دوام کی نیت سے مقیم ہو، اور وہ جگہ شہر یا قصبہ یا گاؤں یا لکڑی یا بانس کی جھونپڑی والی جگہ ہو، اور اقامت ایسی جماعت کے ساتھ ہو جن سے گاؤں بن جاتا ہے، اور جو اپنی معیشت اور اپنی حفاظت کے سلسلہ میں دوسروں سے مستغنی ہوتے ہیں۔

بارہ مرد کی شرط کی مراد:

نماز اور خطبہ کے لئے امام کے علاوہ بارہ مرد موجود رہیں، اور وہ بارہ اشخاص وہاں کے اصل باشندگان ہوں، لہذا اگر تجارت وغیرہ کے لئے مقیم ہوں تو ان کی موجودگی کافی نہیں ہے، نیز یہ بھی شرط ہے کہ یہ بارہ افراد اول خطبہ سے نماز کے سلام تک امام کے ساتھ موجود رہیں۔

امام کی شرط تفصیل:

امام میں دو شرطیں ہیں:

۱- اگر امام کا وہ وطن نہ ہو تو کم سے کم مقیم ہونا چاہئے۔

۲- امام ہی خطیب ہو، مگر یہ کہ کوئی ایسا عذر ہو جو استخلاف کو مباح قرار دے، اور اگر عذر کا زائل ہونا قریبی وقت میں ہو سکے تو اس کا انتظار واجب ہے۔

دونوں خطبوں کے شرائط کی تفصیل:

دونوں خطبوں میں آٹھ شرطیں ہیں:

۱- دونوں خطبے کھڑے ہو کر دیئے جائیں، اگر بیٹھ کر دے تو گنہگار ہوگا، لیکن جمعہ درست ہے۔

۲- دونوں خطبے زوال کے بعد ہوں، اگر زوال سے پہلے ہوں تو نماز صحیح نہیں ہوگی۔

۳- عرب جسے خطبہ کہہ سکیں، خواہ قافیہ بند کلام ہو، جیسے: "**اتقوا الله فيما أمر، وانتهوا عما نهى وزجر**" اگر صرف "سبحان اللہ"، یا "لا الہ الا اللہ"، یا "اللہ اکبر" کہے تو یہ کافی نہیں ہے۔

۴- دونوں خطبے مسجد کے اندر ہوں۔

۵- نماز سے پہلے ہوں، اگر نماز کے بعد دیئے گئے تو پھر نماز کا اعادہ کیا جائے گا۔

۶- دونوں خطبوں کے وقت بارہ مرد موجود رہیں، اگر اتنی تعداد شروع سے موجود نہ ہو تو خطبے کافی نہیں۔

۷- دونوں خطبے امام بلند آواز سے دے۔

۸- دونوں خطبے عربی زبان میں ہوں خواہ عجمیوں کے سامنے ہی کیوں نہ ہوں۔

"جامع" کے شرائط کی تفصیل:

جمعہ مسجد میں ہی درست ہے، گھروں میں درست نہیں ہے، نہ میدان میں درست ہے، نہ سرائے و مسافر خانہ میں،

اور نہی گھر کے صحن میں درست ہے، اور اس کی درج ذیل چار شرطیں ہیں:

۱-مسجد تعمیر شدہ ہو، لہذا ایسی جگہ بھی جمعہ درست نہیں جس کی چہار دیواری لکڑی یا پتھر یا پختہ اینٹ سے کر دی گئی ہو، لیکن عمارت کھڑی نہیں کی گئی ہو۔

۲-آبادی میں جس طرح کی عمارت کا عرف ہو اسی طرح بنائی گئی ہو، لہذا جھونپڑی والی آبادی میں نرسل کی مسجد بھی کافی ہے۔

۳-آبادی میں ایک ہی جامع مسجد ہو نہ کہ متعدد، البتہ نمازیوں کی کثرت ہو تو دوسری مسجد میں بھی جمعہ ہو سکتا ہے، اسی طرح پرانی جامع مسجد تنگ ہو تو دوسری مسجد میں جمع ہو سکتا ہے، اسی طرح لوگوں میں ایسی دشمنی ہو کہ ایک مسجد میں یکجا نہیں ہو سکتے ہوں تو دوسری مسجد میں بھی جمعہ کی نماز ہو سکتی ہے۔

۴-مسجد آبادی سے متصل ہو، یا معمولی جدا ہو، لہذا اگر بہت زیادہ الگ ہو، یا آبادی کے عرف سے جدا اس کی عمارت ہو، تو اس میں جمعہ کی نماز درست نہیں ہے، لیکن مسقّف عمارت ہونا ضروری نہیں ہے، ہمیشہ اس میں جمعہ ادا کرنے کا قصد بھی ضروری نہیں ہے، نہ پنجگانہ نماز ادا کرنے کی شرط ہے ایسے ہی مسجد کے صحن اور راستہ پر بھی جمعہ صحیح ہے، البتہ راستے مسجد سے متصل ہونے چاہئے، گھروں یا دکانوں کی آڑ میں نہ ہو، اگر جامع مسجد میں تنگی نہ ہو اور صفیں متصل نہ ہوں تو پھر صحن اور اس تک پہنچانے والے راستے میں نماز مکروہ ہے، اور مسجد کی چھت پر جمعہ درست نہیں ہے، خواہ مسجد کے اندر تنگی ہو، اسی طرح قندیل، فانوس اور لالٹین وغیرہ رکھنے کے گھر میں بھی جمعہ درست نہیں ہے، نیز مسجد سے متصل گھر یا دکان میں بھی جمعہ درست نہیں ہے (دیکھئے: محمد عربی قروی مالکی، الخلاصۃ الفقہیۃ علی مذہب السادۃ المالکیۃ، کتاب الصلاۃ، صلاۃ الجمعۃ، ص۱۲۶-۱۲۷، بیروت، دار الکتب العلمیہ)۔

☆☆☆

جمعہ اسلام کا ایک مقدس فریضہ ہے

مفتی محمد عثمان بستوی☆

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد .قال الله تعالى يأيهاالذين آمنوا إذانودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكرالله وذروا البيع (سورۂ جمعہ:۹)۔

جمعہ اسلام کا ایک مقدس فریضہ ہے، اس کی فرضیت ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں ہی ہوچکی تھی، لیکن مکہ مکرمہ میں اسباب اور حالات کے موافق نہ ہونے کی وجہ سے اس کی ادائیگی نہیں ہوسکی، اس کی دلیل یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے مدینہ کے معلم حضرت مصعب بن عمیرؓ مدینہ کے لوگوں کو تعلیم کے ساتھ ساتھ جمعہ بھی پڑھاتے تھے:

"**إن مصعب بن عمير هو أول من جمع الجمعة بالمدينة قبل الهجرة**" (مرعاۃ المفاتیح لابن عبد السلام المبارکفوری ۵/ ۳۵۵)۔

نیز آپ ﷺ نے سفر ہجرت میں قبا سے روانہ ہونے کے بعد مدینہ منورہ کے محلّہ بنوسالم میں جمعہ ادا فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی فرضیت ہجرت سے پہلے ہوچکی تھی، لیکن قبا میں پندرہ دن قیام کے باوجود جمعہ ادا نہیں فرمایا، اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جمعہ کے لیے شہریت شرط ہے اور قبا مصر اور شہر نہیں تھا، بلکہ ایک دیہات تھا، اس لیے وہاں جمعہ نہیں ادا کیا گیا اور بنوسالم چونکہ مدینہ منورہ کا محلّہ تھا، اس لیے جمعہ ادا کیا گیا (بذل المجہود)۔

نیز حضرت علیؓ کا اثر ہے: "**لاجمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع**"۔

اور ہجرت کے بعد مدینہ کے علاوہ سب سے پہلے جو جمعہ ادا کیا گیا وہ بحرین کی ایک جگہ جواثی نامی آبادی میں تو اگر جمعہ ہر چھوٹی بڑی جگہ دیہات اور شہر سب جگہ فرض ہوتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ مدینہ کے بعد اس کے قرب وجوار اور دیگر مسلم آبادیوں میں جمعہ قائم نہ کیا جاتا، اگر جمعہ دیہات وشہر ہر جگہ فرض ہوتا تو مدینہ کے قرب وجوار یا جہاں جہاں مسلم آبادی تھی وہاں جمعہ قائم ہوتا، لیکن ان جگہوں میں قائم نہ ہونا یہ اسکی واضح دلیل ہے کہ جمعہ ہر چھوٹی بڑی آبادی میں فرض نہیں، بلکہ اس کی

☆ مفتی ریاض العلوم گورینی، جونپور۔

کچھ مخصوص شرائط تمام ائمہ کے یہاں مسلم ہیں، کسی کے یہاں تعداد کی شرط ہے، کسی کے یہاں مصریت کی شرط ہے، کسی کے یہاں مسجدیت کی شرط ہے وغیرہ وغیرہ، لہٰذا جمعہ ہر چھوٹی بڑی آبادی میں قائم کرنا تمام ائمہ کے نزدیک صحیح نہیں، بلکہ سب کے یہاں کچھ نہ کچھ مخصوص شرائط ہیں جس کا تحقق ضروری ہے، جس کے بغیر جمعہ کی ادائیگی صحیح نہیں، اس مختصر سی تمہید کے بعد جمعہ سے متعلق سوالات کے جوابات تحریر کیے جاتے ہیں:

۱-مصر کی تعریف صاحب مذہب سے جو منقول ہے وہ یہ ہے:

''**صرح به فی التحفة عن أبی حنیفة أنه بلدة کبیرة فیها سکک وأسواق ولها رساتیق وفیها وال یقدر علی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غیره یرجع الناس إلیه فیما یقع من الحوادث، وهذا هو الأصح**'' (ردالمحتار ۳/۵)۔

ہر ایسی آبادی جس میں گلی کوچے اور ایسے بازار ہوں جس میں روزمرہ کی ضروریات دستیاب ہوں اور قرب وجوار کی آبادی کے لوگ اپنی ضروریات کے لیے اسکی طرف رجوع بھی کرتے ہوں۔

چنانچہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے مصر کی تعریف پر مفصل کلام کے بعد اس کا ماحصل بھی انہوں نے یہی بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

''پس اس بناء پر ہم کہتے ہیں کہ اصل معیار مصر تو مکہ ومدینہ کی حالت موجودہ فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اس معیار کی احسن تفسیر وہ ہے جو امام صاحب رحمہ اللہ سے خود منقول ہے اور آج کل اس تعریف کا مصداق ہندوستان میں ہمارے نزدیک ہر وہ موضع ہے جس کی آبادی قریب چار ہزار کے ہو یا اس سے زیادہ اور وہاں ایسا بازار موجود ہو جس میں تیس چالیس دوکانیں متصل یک جا ہوں'' (امدادالاحکام ۲/۳۷۷)۔

لیکن دوکانوں کا اتصال اور یکجائیت یہ محل نظر ہے، امدادالفتاوی میں حضرت نے اتصال اور یکجائیت کی شرط نہیں لگائی ہے، حضرت تحریر فرماتے ہیں: '' سوق کے اشتراط کا حاصل یہ ہے کہ ہر وقت کے حوائج ضروری میں وہاں کے سکان دوسرے مصر کے محتاج نہ ہوں، چنانچہ مولانا عبدالعلی بحرالعلوم نے رسائل ارکان اربعہ میں اپنے والد کا جو قول نقل کیا ہے اس سے اس کی تائید ہوتی ہے:

''**حیث قال وکان مطلع الأسرار أبی قدس سره یفتی بأن المصر موضع یندفع حاجة الإنسان الضروریة من الأکل بأن یکون هناک من یبیع طعاما والکسوة الضروریة وأن یکون هناک أهل حرف یحتاج إلیهم کثیرا.**

وأیضاً یؤیدہ مافی المضمرات فی تعریف المصر ھوأن یعیش کل محترف بحرفتہ من سنۃ إلی سنۃ من غیر أن یحتاج إلی حرفۃ أخری'' (مجموع الفتاوی مولانا عبدالحی ۳/ ۶۲، امداد الفتاوی ۱/ ۶۲۳، ۶۲۴)۔

حضرات فقہاء نے مصر کی جتنی تعریفیں کی ہیں سب کا حاصل یہی ہے، چنانچہ امداد الفتاوی میں ہے کہ جس قدر تعریفیں فقہاء نے کی ہیں سب کا مرجع ومآل یہی ہے کہ سب عنوانات مختلف ہیں معنون واحد کے، اوراس سے زیادہ جامع ومانع تعریف جس سے تحدید تام ہوجائے امور غیر مقدرہ فی النص میں خود امام صاحب کے مسلک کے خلاف ہے:'' **لأنہ زیادۃ فی الدین.....**''۔

تعریف بالا سے ظاہر میں مستفاد ہوتا ہے کہ رقبہ کی کم متصل یعنی مقدار یا آبادی کی کم منفصل یعنی شمار پر اس کا مدار نہیں، بلکہ ہیئت آبادی اس کا معیار ہے (امداد الفتاوی ۱/ ۶۱۸، ۶۱۹)۔

یعنی آبادی کی لمبائی چوڑائی یا مردم شماری پر مصریت موقوف نہیں، بلکہ مصریت کا تحقق آبادی کے محل وقوع اور ہیئت سے ہوگا، اوراس کے علاوہ بقیہ جو چیزیں مصر کی تعریف میں بیان کی جاتی ہیں وہ رسم اور علامت کی قبیل سے ہیں، اوراس میں بھی بعض شرائط (حاکم، قاضی کا وجود) مصریت کے لئے نہیں، بلکہ انتظامی ہیں، کما فی الہدایۃ ''**لأنہ تقام لجمع عظیم وقد تقع المنازعۃ الخ**'' روایت اولی سے معلوم ہوا کہ شرط وجود سلطان لذاتہ نہیں بلکہ بحکمت سد فتنہ کے ہے الخ'' (امداد الفتاوی ۱/ ۴۴۳)۔

مصر کی تعبیر اور تشریح میں حضراتِ اکابر کی تعبیرات مختلف ہیں، لیکن اگر اسکی تعبیر اس طرح سے کی جائے کہ ہر ایسی آبادی جس میں روزمرہ کی ضروریات زندگی کا سامان دستیاب ہوجاتا ہو خواہ اس کے لیے دوکانیں متصل ہوں یا متفرق اور آبادی کی تعداد تین چار ہزار کے قریب ہو یا آبادی اس سے کم ہو، لیکن طرز آبادی شہر نما ہو اور ضروریات زندگی دستیاب ہوں تو یہی تمام اکابر کے فتاوی کا خلاصہ اور نچوڑ ہے اور اس تعبیر سے مصریت کے اطلاق کا دائرہ وسیع تر ہوجائے گا، لہذا ایسی آبادی میں جمعہ کا قیام شرعاً صحیح اور درست ہوگا۔

چنانچہ حضرت تھانویؒ نے بھی تین ہزار کی آبادی والے گاؤں کو قصبہ کے حکم میں مانا ہے، حضرت اپنے ایک فتویٰ میں فرماتے ہیں کہ:

یہ مسئلہ تو صحیح کہ دیہات میں جمعہ وعیدین کی نماز حنفیہ کے نزدیک درست نہیں مگر مراد ان دیہات سے وہ قریے ہیں جن کی حالت قصبہ کی سی نہ ہو اور جن کی حالت قصبات کی سی ہو اس کا حکم مثل قصبات وامصار کے ہے اور سوال میں جو حالت لکھی ہے کہ مردم شماری تین ہزار تین سو کی ہے وغیرہ وغیرہ اس حالت کے اعتبار سے وہ حکم میں قصبہ کے ہے جس کو فقہاء نے

قریہ کبیرہ سے تعبیر کر کے جمعہ وعیدین کو صحیح کہا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مصر کی کوئی ایسی جامع مانع تعریف جس سے مصر اور قریہ کے درمیان ایسا بیّن فرق ہو جائے کہ کسی قسم کا اشتباہ باقی نہ رہے یہ ممکن نہیں، اس لئے کہ شریعت کی طرف سے کوئی ایسی تحدید نہیں کی گئی ہے کہ جس سے مصر اور قریہ کے درمیان واضح فرق ہو جائے اور فقہاء نے مصر کی جو تعریفات اور علامات بیان کی ہیں ان کا جو حاصل نکلتا ہے وہ اوپر بیان کر دیا گیا کہ آبادی کی مردم شماری تین چار ہزار کے قریب ہو تو مصری خصوصیات اس میں پائی جاتی ہیں یا اس سے کم ہو لیکن مصری خصوصیات اس میں موجود ہوں تو بھی وہ مصر کے حکم میں ہوگا، مصریت نہ تو مردم شماری پر موقوف ہے اور نہ ہی آبادی کی وسعت پر، بلکہ ہیئت آبادی اس کا معیار ہے جو عام طور سے تین، چار ہزار کی آبادی میں متحقق ہو جاتی ہے اور کبھی کبھی اس سے کم میں بھی، البتہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے اپنے فتوی میں مالایسع اکبر مساجدہ کو معیار مانا ہے کہ جس آبادی کی سب سے بڑی مسجد اس کے عاقل بالغ باشندوں کے لئے کافی نہ ہو تو وہ محل جمعہ ہے۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ چھوٹی بستیوں میں نماز جمعہ حنفیہ کے نزدیک نہیں، لیکن انہوں نے جمعہ کی اہمیت کو قائم رکھتے ہوئے مصر کی تعریف میں یہاں تک تنزل کیا کہ " **مالایسع أکبر مساجده أهله المکلفین بها** "تک لے آئے (کفایت المفتی ۳/ ۲۲۵، ۲۲۸، ۲۳۱، ۲۳۲)۔

اگر حضرت مفتی صاحب کے فتوی کو معیار بنایا جائے تو اس میں ہندوستان جیسے ممالک میں دشواری یہ ہے کہ بہت سے بڑے شہر میں کوئی مسجد ہی نہیں ہوتی یا صرف ایک مسجد ہوتی ہے یا بہت سی مساجد ہوتی ہیں، لیکن مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے تو اس لئے اس تعریف کو معیار ماننے پر مشکل حل نہیں ہوتی کہ اس کو معیار ماننے پر کم از کم تین مساجد ہوں اور آبادی کے مسلمانوں کی تعداد اتنی ہو جو اس کی سب سے بڑی مسجد میں نہ آسکیں تو تین مساجد ہونا، اسی طرح تعداد کا کثیر ہونا یہ ہندوستان جیسے ممالک میں ہر شہر میں پایا جانا دشوار ہے، البتہ اگر اس تعریف کا مطلب یہ لیا جائے کہ بالقوۃ اس آبادی میں کم از کم تین مسجد کی ضرورت ہو اور اس آبادی کے لوگ اگر مسلمان ہوں تو بڑی مسجد میں نہ سما سکیں تو ایسی صورت میں یہ تعریف ہندوستان کے ہر شہر، قصبہ بڑے گاؤں پر صادق آئے گی اور حاصل وہی نکلے گا کہ جس کی آبادی تین چار ہزار کے قریب ہو تو اس میں بالقوۃ تین مساجد کی ضرورت بھی ہوگی اور اسکے سکان کے مسلمان ہونے کی صورت میں بڑی مسجد میں سما بھی نہ سکیں گے، تو اس توضیح کے بعد سب سے جامع تعریف یہی بنتی ہے کہ جس کی آبادی تین چار ہزار کے قریب ہو وہ حکما مصر ہے اور اس میں جمعہ کا قیام درست ہے، نیز اس توضیح پر علماء دیوبند میں اتفاق ہوتا بھی نظر آتا ہے۔

۲۔ مسلمانوں کی آبادی خواہ کم ہو یا زیادہ جماعت کا باقاعدہ نظم ہو یا نہ ہو آبادی مستقل ہو یا عارضی اگر نمبر ایک کے

تحت مصریت کی مذکور تعریف (جس آبادی کے سکان کی تعداد تین چار ہزار کے قریب ہو روزمرہ کی ضروریات دستیاب ہوں) اس جگہ پر صادق آتی ہو تو اس جگہ جمعہ کا نظام بنانا شرعاً صحیح اور درست ہوگا اور اگر مذکورہ تعریف کے مطابق وہ جگہ مصریت کے دائرے میں نہیں آتی ہے تو جمعہ کا نظام بنانا حنفیہ کے مذہب کے مطابق درست نہیں۔

۳- جن اسباب اور تقاضوں سے ہر گاؤں میں جمعہ کے قیام کو مناسب تصور کیا جارہا ہے یہ اسباب اور تقاضے چونکہ قدیم ہیں آج کے نئے نہیں اس کے باوجود حضرات اکابر فقہاء، علماء نے ہر گاؤں میں جمعہ کو درست نہیں قرار دیا جبکہ ان کی نگاہ بصیرت ہم سے کہیں زیادہ روشن تھیں تو ہم جیسے کوتاہ بینوں کے لئے ہر گاؤں میں ان اسباب سے جمعہ کو صحیح کہنا کیونکر درست ہوگا، چنانچہ امداد الفتاوی میں بعض مصالح کی بنیاد پر دیہات میں جمعہ سے متعلق سوال کیا گیا تو حضرت نے اس کے جواب میں جو تحریر فرمایا وہ درج ذیل ہے:

''فی الدرالمختار نواقض الوضوء لکن یذهب للخروج من الخلاف لاسیما للإمام لکن بشرط عدم لزوم ارتکاب مکروه مذهبه وفی ردالمحتار فی بعض المسائل لو أفتی به أی بمذهب مالک فی موضع الضرورة الخ''

ان روایات سے معلوم ہوا کہ دوسرے مجتہد کے قول پر عمل کرنا یا تو اس وقت جائز ہے جب اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آوے اور یا موضع ضرورت میں جائز ہے اور ظاہر ہے کہ جمعہ میں نہ تو کوئی ضرورت ہے اور جو مصلحتیں لکھی ہیں یہ حد ضرورت کو نہیں پہنچیں کیوں کہ ضرورت کی حقیقت یہ ہے کہ بدون اس کے کوئی ضرر لاحق ہونے لگے اور ضرر سے مراد حرج اور تنگی اور مشقت ہے، سو یہ امور متحقق نہیں اور جمعہ پڑھنے سے اپنے مذہب کے چند مکروہات کا ارتکاب بھی لازم آتا ہے: اول نفل کی جماعت، دوم نوافل نہار میں جہر، سوم غیر لازم کا التزام، چہارم ترک جماعت فرض ظہر، پنجم اگر کوئی ظہر نہ پڑھے تو ترک فریضہ کہ حرام اور فسق ہے اور یہ معلوم ہے کہ مصر شرائط جواز جمعہ سے ہے شرائط وجوب سے نہیں، پس یہ احتمال بھی دفع ہوگیا کہ اگر واجب نہیں تو جائز تو جاوے گا، لہذا صورت مسئولہ میں جمعہ پڑھنا حنفیہ کے نزدیک ممنوع اور ناجائز ہے'' (امداد الفتاوی ۱/۴۵۱)۔

ایک دوسرے فتوی میں حضرت فرماتے ہیں کہ جمعہ فی القریٰ میں شافعیہ کے مسلک پر عمل کرنے کے وقت تلفیق کا ظن غالب ہے، لہٰذا نہ تو حنفیہ کے مطابق نماز صحیح ہوگی نہ شافعیہ کے (امداد الفتاوی ۱/۶۸۹)۔

بندہ نے بعض اکابر کے فتاوی میں یہ دیکھا ہے کہ انہوں نے سوال میں مذکورہ مصالح کو حاصل کرنے کا طریقہ یہ لکھا ہے کہ جمعہ کے دن اول وقت میں ہر چھوٹی بڑی آبادی میں اذان دی جائے، پھر خطیب وعظ ونصیحت کرے، اس کے بعد اگر

وہ آبادی محل جمعہ ہے تو نماز جمعہ ادا کرائے ورنہ چار رکعت ظہر ادا کرادے، اس سے مصالح مذکورہ فی السؤال بھی حاصل ہوجائیں گی اور کسی کراہت وغیرہ کا ارتکاب بھی نہیں ہوگا۔

البتہ اگر واقعتاً ایمان کی حفاظت جمعہ کے قیام پر موقوف ہوجائے تو ایسی صورت میں مسئلہ کے مجتہد فیہ ہونے کی وجہ سے ایمان کی حفاظت کے لیے جمعہ کا قیام لازم اور ضروری ہوگا، یہی شریعت کا مزاج اور اس کے اصولوں کا تقاضا ہے

"إذا ابتلی فی البلیتین فاختر أهونهما".

نیز حضرات اکابر کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کسی دیہات اور چھوٹی آبادی میں پہلے سے جمعہ ہورہا ہو اور اس کو بند کرانے کی صورت میں لوگوں میں فتنہ وفساد، جنگ وجدال کا خطرہ ہو تو اس کو بند کرانے کی کوشش نہ کی جائے، اس لئے کہ جمعہ کے لئے مصریت کی شرط مجتہد فیہ ہے اور فتنہ وفساد اور افتراق بین المسلمین کی حرمت متفق علیہ ہے، لہذا حرمت متفقہ کو ترک کرکے مجتہد فیہ کو اختیار کرلیا جائے گا، لیکن جو شخص بذات خود جمعہ کو صحیح نہ سمجھتا ہو تو وہ خود ظہر پڑھ لے اور جنگ وجدال سے حتی الامکان دور رہے اور اگر کسی مصلحت سے جمعہ میں شرکت ناگزیر ہو تو بعد میں اپنی ظہر ادا کرلے، یہی تمام اکابر کے فتاوی کا خلاصہ ہے۔

اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اہل اسلام کے دین وایمان کی حفاظت کا یہی طریقہ متعین ہوجائے کہ ہفتہ میں کم از کم ایک مرتبہ جمعہ کے نام سے ان کو جمع کرکے وعظ ونصیحت تعلیم وتبلیغ کی جائے تو پھر ایسی صورت میں جمعہ کے قیام سے کسی کو بھی اختلاف واعتراض نہ ہوگا۔

کفایت المفتی میں ہے کہ جمعہ بند نہ کیا جائے، جاری رکھا جائے، سب لوگوں کو لازم ہے کہ اتفاق سے رہیں، آپس میں اختلاف کرنا بہت برا ہے (کفایت المفتی ۳/۲۲۷)۔

دوسری جگہ مذکور ہے: ''اگر کوئی تعریف بھی صادق نہ آئے جب بھی اس مسئلے میں حنفیہ کے لئے مصالح عامہ اسلامیہ کے لحاظ سے شوافع کے مسلک پر عمل کرلینا جائز ہے'' (کفایت المفتی ۳/۲۱۷)۔

نوٹ: حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے اپنے جن فتاوی میں شافعیہ کے مسلک پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے وہ فتاوی پہلے سے قائم جمعہ کو باقی رکھنے سے متعلق ہیں نہ کہ دیہات میں جمعہ کو شروع کرنے سے متعلق، فافہم۔

☆☆☆

قیام جمعہ کے لئے مصر (شہر) کی شرط

مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی ☆

قیام جمعہ کے لئے مصر (شہر) کی شرط:

نمازیں اظہار عبودیت کا اعلیٰ ترین مظہر ہیں، اور انھیں دین کا ستون کہا گیا ہے، اور پنجوقتہ نمازیں سفر ہو یا حضر، شہر ہو یا گاؤں، کہیں بھی اگر چہ انفراداً بھی ادا ہو جاتی ہیں مگر جماعت کے ساتھ ان کی ادائیگی شریعت میں علی سبیل التاکید مطلوب ومسنون ہے، کیونکہ بار بار مومنین کا اجتماع باہمی روابط، الفت ومحبت، اخوت و بھائی چارگی، ایک دوسرے کے احوال سے واقفیت اور معاونت وغمگساری جو شرع اسلامی میں مطلوب ہیں اور کتاب وسنت میں اس کا حکم بھی ہے اور تاکید بھی، سورہ حجرات کی آیت کریمہ: " إنما المؤمنون إخوة" اور اس کے ماقبل و مابعد کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث، "لا تحاسدوا و لا تباغضو ا و كونوا عباد الله اخوانا"، نیز معاملات کی بھی بیشتر تعلیمات علی سبیل المثال " لايسم المرء على سوم أخيه ولا يخطب على خطبة أخيه" اس کی واضح اور بین دلیل ہیں، فرض نمازوں کا باجماعت ادا کرنا اس مقصد کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے، کیونکہ اس میں ایک محلّہ کے لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔

اور نماز جمعہ کے بارے میں افراد جماعت کی تعداد میں اختلاف کے باوجود تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ اس کی صحت کے لئے جماعت شرط ہے، (امام مالکؒ کے نزدیک کم از کم بارہ افراد ہوں، امام شافعیؒ کے نزدیک چالیس افراد)، بغیر جماعت کے جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہوتی، اور احناف کے نزدیک اگر چہ امام کے ساتھ تین افراد بھی شریک ہوں تو جمعہ کی نماز باجماعت صحیح ہو جاتی ہے، مگر اس نماز میں کثرت جماعت مطلوب ہے، کیونکہ یہ نماز ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ جمعہ کے دن پڑھی جاتی ہے، لہذا اس نماز میں ایک بستی کے تمام محلوں کے افراد کو یکجا ہونا چاہئے، اسی لئے یہ نماز ہر مسجد میں ادا بھی نہیں کی جاتی، اور اگر چہ شہر کی ایک سے زائد مساجد میں جمعہ کے جواز کا فتوی اور اس پر عمل ہے، مگر اس بارے میں بھی فقہاء کا اختلاف کہ ایک شہر میں ایک سے زائد جگہ نماز جمعہ جائز ہے یا نہیں، اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اس نماز میں پوری بستی کے افراد کا

☆ جامعہ عربیہ تعلیم الدین مئو، یوپی۔

اجتماع مطلوب ہے،اور غالبًا اسی مقصد کے حصول کے لئے فقہاء احناف نے جمعہ کے وجوب اور اس کی صحت کے لئے شہر یا بڑی بستی کے اشتراط کا قول کیا ہے۔

فقہاء حنفیہ کے نزدیک جمعہ قائم کرنے کے لئے مصر ہونا شرط ہے ، ''أَمَّا الْمِصْرُ فَهُوَ شَرْطٌ عِنْدَنَا '' (المبسوط ۲/ ۲۳)(رہا شہر تو وہ ہمارے نزدیک شرط ہے)،''أَمَّا الْمِصْرُ الْجَامِعُ فَشَرْطُ وُجُوبِ الْجُمُعَةِ وَشَرْطُ صِحَّةِ أَدَائِهَا عِنْدَ أَصْحَابِنَا حَتَّى لَا تَجِبُ الْجُمُعَةُ إلَّا عَلَى أَهْلِ الْمِصْرِ وَمَنْ كَانَ سَاكِنًا فِي تَوَابِعِهِ وَكَذَا لَا يَصِحُّ أَدَاءُ الْجُمُعَةِ إلَّا فِي الْمَصْرِ وَتَوَابِعِهِ فَلَا تَجِبُ عَلَى أَهْلِ الْقُرَى الَّتِي لَيْسَتْ مِنْ تَوَابِعِ الْمَصْرِ وَلَا يَصِحُّ أَدَاءُ الْجُمُعَةِ فِيهَا''(بدائع الصنائع ۱/ ۲۵۸)(شہر جامع کا ہونا ہمارے اصحاب کے نزدیک جمعہ کے وجوب اور اس کی صحت ادا کے لئے شرط ہے، جمعہ شہر اور اس کے توابع میں بسنے والوں پر ہی واجب ہے،لہذا ان گاؤں والوں پر جو توابع شہر میں نہیں ہیں جمعہ واجب نہیں ہے اور نہ ان گاؤں میں جمعہ کا ادا کرنا صحیح ہوگا)،''لا تصح الجمعة إلا فی مصر جامع أو فی مصلی المصر ولا تجوز فی القری "لقوله علیه الصلاةوالسلام لا جمعة ولا تشریق ولا فطر ولا أضحی إلا فی مصر جامع'' (ہدایہ ۱/ ۸۲)(جمعہ صحیح نہیں ہوگا مگر شہر جامع یا اس کی عیدگاہ میں ہی، اور گاؤں میں جائز نہیں اس حدیث کی وجہ سے جس میں مذکور ہے کہ نہیں ہے جمعہ نہ تشریق نہ نماز عیدین مگر مصر جامع میں ہی)۔

دیگر کتب فقہ حنفی میں تقریبا اسی مضمون کے اقوال مذکور ہیں،جس کا ماحصل یہی ہے کہ گاؤں یا دیہات کے باشندوں پر جمعہ واجب نہیں اور نہ اس میں جمعہ کی نماز کا ادا کرنا ہی صحیح ہے، ہدایہ میں بطور دلیل مذکور روایت، کتب حدیث مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، شرح السنۃ، مسند احمد، سنن بیہقی، اور شرح مشکل الآ ثار طحاوی میں سیدنا علیؓ سے منقول ہے، اور کتاب الآ ثار میں امام ابو یوسفؒ نے کہا ہے: ''وَزَعَمَ أَبُو حَنِيفَةَ أَنَّهُ بَلَغَهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ ''اور یہ ان اقوال میں سے ہے جو محض رائے کی بنیاد پر نہیں ہوسکتا، کیونکہ یہ مطلق ظواہر نصوص سے بظاہر گاؤں میں جمعہ کے وجوب کے خلاف ہے، نیز مصنف ابن ابی شیبہ میں منقول حضرت حذیفہؓ کے قول: ''لَيْسَ عَلَى أَهْلِ الْقُرَى جُمُعَةٌ، إِنَّمَا الْجُمَعُ عَلَى أَهْلِ الْأَمْصَارِ، مِثْلِ الْمَدَائِنِ '' اور حضرت حسن بصری اور محمد بن سیرین رحمہما اللہ کے قول: ''عَنِ الْحَسَنِ، وَمُحَمَّدٍ، أَنَّهُمَا قَالَا: الْجُمُعَةُ فِي الْأَمْصَارِ''(کتاب الآ ثار ۱/ ۴۳۹) سے بھی اس قول کی تائید ہوتی ہے، کہ جمعہ کا قیام شہر میں ہونا چاہئے۔

نیز جمعہ کی فرضیت ہجرت سے پہلے مکہ میں ہو چکی ہو جیسا کہ امام العصر انور شاہؒ کا رجحان ہے اور دیگر لوگوں نے بھی کہا ہے یا اس کی فرضیت مدینہ منورہ میں ہوئی ہو جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ کا خیال ہے،مستدلًا بقوله تعالی يَاأَيُّهَا الَّذِينَ

آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ، جبکہ اس آیت کے نزول سے پہلے نبی ﷺ نے سفر ہجرت میں قبا میں بقول ابن اسحاق چار دن اور بروایت امام بخاری (صحیح بخاری) اور ابن قیم (زاد المعاد) دس دن سے زیادہ قیام فرمایا، وہاں آپ نے جمعہ نہیں پڑھا، وہاں سے جمعہ کے دن آپ ﷺ مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے، راستہ میں دیار بنو سالم میں آپ ﷺ نے نماز جمعہ پڑھی، اس سے ایک تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کی فرضیت پہلے ہو چکی ہے، دوسرے قبا میں جمعہ نہ پڑھنے سے غیر مصر میں جمعہ نہ ہونے کا بھی علم ہوتا ہے، اور آپ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری سے پہلے اہل مدینہ کے جمعہ پڑھنے کا قول ابن سیرینؒ سے بھی ملتا ہے: ''قَالَ ابْنُ سِيرِينَ: جَمَّعَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَقْدَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ، وَقَبْلَ أَنْ تَنْزِلَ الْجُمُعَةُ، وَهُمُ الَّذِينَ سَمَّوْهَا الْجُمُعَةَ'' (تفسیر قرطبی)، (ابن سیرین نے کہا کہ: اہل مدینہ نے نبی ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے سے پہلے، اور سورۂ جمعہ کے نزول سے پہلے جمعہ قائم کیا ہے، اور ان ہی لوگوں نے اس کا نام جمعہ رکھا)، آگے لکھتے ہیں: ''فَاجْتَمَعُوا إِلَى أَسْعَدَ بْنِ زُرَارَةَ (أَبُو أُمَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ) فَصَلَّى بِهِمْ يَوْمَئِذٍ رَكْعَتَيْنِ وَذَكَّرَهُمْ، فَسَمَّوْهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ حِينَ اجْتَمَعُوا'' (حوالہ سابق) (لوگ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہوئے تو انھوں نے ان کو دو رکعت نماز پڑھائی اور ان کو وعظ و نصیحت کی، تو چونکہ لوگ ان کے پاس اس کے لئے جمع ہوئے تو اس دن کا نام جمعہ رکھ دیا) اور بعض روایات میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی امامت کا ذکر ہے، ممکن ہے لوگوں نے اولاً اسعد بن زرارہؓ سے اس بارے میں گفتگو کی ہو، پھر ان کے حکم سے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے امامت فرمائی ہو، کیونکہ معلم وہی تھے، اور دیہات یا گاؤں میں جمعہ کے اثبات کے لئے جو قریہ جواثی (بحرین) میں جمعہ کی روایت پیش کی جاتی ہے: ''إِنَّ أَوَّلَ جُمُعَةٍ جُمِّعَتْ بَعْدَ جُمُعَةٍ فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فِي مَسْجِدِ عَبْدِ القَيْسِ بِجُوَاثَى مِنَ البَحْرَيْنِ'' (صحیح بخاری: حدیث نمبر: ۸۹۲) (رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں جمعہ کے قیام کے بعد سب سے پہلا جمعہ بحرین کی بستی جواثی میں عبد القیس کی مسجد میں قائم کیا گیا)، اور وفد عبد القیس کی آمد جیسا کہ علامہ عینیؒ نے قاضی عیاضؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے 08ھ میں ہوئی، اور امام العصر کشمیریؒ نے لکھا ہے کہ ان کی آمد دو مرتبہ ہوئی ہے، پہلی 06ھ میں اور دوسری مرتبہ 08ھ میں، اور شرح بخاری میں قسطلانی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، تو ہجرت کے بعد اس طویل عرصہ میں ظاہر ہے کہ اطراف میں بادیہ کے لوگ تو ایمان لائے ہونگے، یا کم از کم قبا کے لوگ تو ایمان لائے تھے، مگر اور کسی گاؤں، دیہات میں مسجد نبوی کے علاوہ جمعہ پڑھنے کا ذکر نہیں ملتا، سب سے پہلی مسجد جس کا ذکر ملتا ہے وہ جواثی کی مسجد کا ملتا ہے، اسی لئے جواثی کے ساتھ جو قریہ کا لفظ آتا ہے اس کی توجیہ میں کہا گیا ہے کہ اس کے ساتھ قریہ کا ذکر ایسا ہی ہے جیسا کہ آیت کریمہ: ''وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى

رَجُلٍ مِنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ "میں مکہ اور طائف کو قریہ کہا گیا ہے، " الْمُرَادُ بِالْقَرْيَتَيْنِ: مَكَّةُ، وَالطَّائِف "آیت کریمہ میں قریتین سے مراد مکہ اور طائف ہیں (فتح القدیر للشوکانی ۴/ ۶۳۴)، اور ظاہر ہے کہ مکہ مکرمہ اور طائف کے مصر جامع ہونے میں کسی کو تردد نہیں ہے، اور جواثی کے لئے استعمال کئے گئے قریہ کے قریہ عظیمہ اور بڑی بستی یا مصر کے معنی میں ہونے کی تائید شارح مشکاۃ علامہ طیبیؒ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے : "وعبد القيس من ربيعة، وهي قبيلة عظيمة " (۲/ ۴۶۰) (عبدالقیس ربیعہ سے ہیں اور یہ ایک عظیم قبیلہ ہے)، اور بخاری کی روایت: " وَقَالَ عَطَاءٌ: إِذَا كُنْتَ فِي قَرْيَةٍ جَامِعَةٍ فَنُودِيَ بِالصَّلاَةِ مِنْ يَوْمِ الجُمُعَةِ، فَحَقٌّ عَلَيْكَ أَنْ تَشْهَدَهَا سَمِعْتَ النِّدَاءَ أَوْ لَمْ تَسْمَعْهُ، وَكَانَ أَنَسٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فِي قَصْرِهِ أَحْيَانًا يُجَمِّعُ وَأَحْيَانًا لاَ يُجَمِّعُ وَهُوَ بِالزَّاوِيَةِ عَلَى فَرْسَخَيْنِ "(اور عطاء نے کہا کہ جب تم قریۂ جامعہ میں ہو اور جمعہ کے دن نماز جمعہ کی اذان کہی جائے تو تم پر واجب ہے کہ تم اس کی جماعت میں شریک ہو، اذان سنو یا نہ سنو، اور انس رضی اللہ عنہ اپنے قصر میں کبھی جمعہ قائم کرتے تھے اور کبھی جمعہ قائم نہیں کرتے تھے، اور وہ (قصر) مقام زاویہ میں (بصرہ سے) دو فرسخ کے فاصلہ پر تھا)، اس کی شرح میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: "وزاد عبد الرزاق فی هذا الأثر عن ابن جريج أيضا قلت لعطاء :ما القرية الجامعة قال ذات الجماعة والأمير والقاضي والدور المجتمعة الآخذ بعضها ببعض مثل جدة قوله (وكان أنس إلى قوله لا يجمع) وصله مسدد فی مسنده الكبير عن أبی عوانة عن حميد بهذا وقوله يجمع أی يصلی بمن معه الجمعة أو يشهد الجمعة بجامع البصرة قوله وهو أی القصر والزاوية موضع ظاهر البصرة معروف"(فتح الباری) (اور عبدالرزاق نے اس اثر میں ابن جریج کی روایت سے زائد یہ بھی نقل کیا ہے کہ میں نے عطاء سے کہا کہ: قریہ جامعہ کیا ہے تو انھوں نے کہا کہ وہ بستی جو امیر، قاضی اور جماعت والی ہو، اور ایسے گھروں کے مجموعہ پر مشتمل ہو جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں، جیسے جدہ، اور بخاری کا قول: (وکان انس الی قولہ لا یجمع) اس کو مسدد نے اپنے مسند کبیر میں ابوعوانہ عن حمید سے اسی سند سے موصولاً نقل کیا ہے، اور ان کا قول یجمع کبھی ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ہوتے تھے جمعہ پڑھاتے تھے یا جامع بصرہ میں جمعہ کی نماز میں شریک ہوتے تھے، اور ان کا قول ھو یعنی قصر، اور زاویہ ظاہر بصرہ میں ایک معروف جگہ ہے)۔

حضرت عطاء کا قول تو واضح ہے، اور اس سے مذہب احناف کی تائید ہوتی ہے، اور حضرت انسؓ کا عمل جو اس عبارت سے ظاہر ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس بارے میں رخصت کے قائل تھے کہ مقام زاویہ جو بصرہ سے دو فرسخ کے فاصلہ پر تھا وہاں اپنے قیام کے دوران جب لوگ جمع ہو جاتے تھے ان کے ساتھ جمعہ قائم کر لیتے تھے، اور اگر کسی ضرورت سے بصرہ چلے گئے تو وہاں جمعہ میں شریک ہوتے تھے جیسا کہ حافظؒ نے اس کی شرح میں کہا ہے: " أو يشهد الجمعة بجامع

البصرة "،مگر یہ تو خاص حضرت انسؓ کا عمل ہوا،مگر زاویہ میں بسنے والے دیگر لوگ اس موقع پر کیا کرتے تھے،ان پر جمعہ واجب تھا یا نہیں،حضرت انسؓ کی عدم موجودگی میں جمعہ پڑھتے تھے یا ظہر،حافظ ابن حجرؒ کی تشریح سے یہ واضح نہیں ہو پایا، اس کے برخلاف حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کی تشریح میں کہا ہے کہ عام طور پر اہل بادیہ اپنی حوائج کے لئے شہر جاتے ہیں، اس لئے ممکن ہے کہ جب حضرت انسؓ بصرہ جاتے تو جمعہ میں شریک ہوتے ،اور جب جمعہ کے دن بصرہ جانا نہیں ہوتا اپنی قیامگاہ پر ہی رہتے تو لاتجمع جمعہ قائم نہیں کرتے تھے، کیونکہ بادیہ میں جمعہ کا وجوب نہیں اور نہ وہاں جمعہ قائم کرنا صحیح ہے،اس صورت میں حضرت عطاءؒ کے قول اور حضرت انسؓ کے عمل میں موافقت بھی ہوجاتی ہے،اس تفصیل سے غرض یہ ہے کہ دیہات یا گاؤں میں جمعہ کے قیام کے بارے میں احتمال سے خالی کوئی صریح حدیث مرفوع یا موقوف نہیں ملتی ،اور عدم قیام کے بارے میں حضرت علیؓ سے منقول حدیث واضح اور صریح ہے۔

مصر(شہر) کی تعریف:

مصر کی تعریف میں ابھی اوپر مصنف عبدالرزاق کے حوالہ سے حضرت عطاء رحمہ اللہ کا قول گزرا، اور فقہ حنفی کی کتابوں میں مذکور اقوال بھی کچھ اسی کے مثل ہیں مثلاً:''وَظَاهِرُ الْمَذْهَبِ فِي بَيَانِ حَدِّ الْمِصْرِ الْجَامِعِ أَنْ يَكُونَ فِيهِ سُلْطَانٌ أَوْ قَاضٍ لِإِقَامَةِ الْحُدُودِ وَتَنْفِيذِ الْأَحْكَامِ .وَقَدْ قَالَ بَعْضُ مَشَايِخِنَا رَحِمَهُمْ اللَّهُ تَعَالَى أَنْ يَتَمَكَّنَ كُلُّ صَانِعٍ أَنْ يَعِيشَ بِصَنْعَتِهِ فِيهِ وَلَا يَحْتَاجُ فِيهِ إلَى التَّحَوُّلِ إلَى صَنْعَةٍ أُخْرَى وَقَالَ ابْنُ شُجَاعٍ أَحْسَنُ مَا قِيلَ فِيهِ إنَّ أَهْلَهَا بِحَيْثُ لَوْ اجْتَمَعُوا فِي أَكْبَرِ مَسَاجِدِهِمْ لَمْ يَسَعُهُمْ ذَلِكَ حَتَّى احْتَاجُوا إلَى بِنَاءِ مَسْجِدِ الْجُمُعَةِ فَهَذَا مِصْرٌ جَامِعٌ تُقَامُ فِيهِ الْجُمُعَةُ''(المبسوط ۲/ ۲۳)(مصر جامع کی تعریف کے بیان میں ظاہر مذہب یہ ہے کہ اس شہر میں اقامت حدود اور تنفیذ احکام کے لئے کوئی سلطان یا قاضی ہو،اور ہمارے بعض مشائخ نے یہ کہا ہے کہ ہر صاحب صنعت اس میں اپنی صنعت کے ذریعہ زندگی بسر کرنے پر قادر ہو،اور اپنی صنعت چھوڑ کر کوئی دوسری صنعت اختیار کرنے کا محتاج نہ ہو،اور ابن شجاعؒ نے کہا ہے کہ اس بارے میں سب سے بہتر قول جو کہا گیا ہے یہ ہے کہ اس شہر کے لوگ اپنی سب سے بڑی مسجد میں جمع ہوجائیں تو ان کے لئے تنگ پڑ جائے یہاں تک کہ وہ مسجد جمعہ کی تعمیر کے لئے محتاج ہوجائیں تو یہ وہ مصر جامع ہے جس میں جمعہ قائم کیا جائے گا)۔

"والفرق بين القرية والمصر أن المصر ما لا تسع أكبر مساجده أهله المكلفين بصلاة الجمعة، ولو لم يحضروا بالفعل، وبهذا أفتى أكثر فقهاء الحنفية''(الفقہ علی المذاہب الأربعہ ۱/ ۵۱۷،طبع دارالثقلین بیروت)(قریہ اور مصر کے مابین فرق یہ ہے کہ مصر اس (بستی) کو کہیں گے جس کی سب سے بڑی مسجد اس کے نماز جمعہ کے تمام

مکلفین کو نہ سمو سکے، اگر چہ وہ بالفعل حاضر نہ ہوں، اور اکثر فقہاء حنفیہ نے اسی کا فتوی دیا ہے)۔

اور امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے: ''(مصر جامع) وہ بڑا شہر ہے جس میں گلی کوچے اور بازار ہوں، اور چھوٹی چھوٹی متعدد آبادیاں ہوں، اور اس میں کوئی حاکم ہو جو اپنے یا اپنے غیر کے علم سے اپنے کارندوں کے ذریعہ ظالم سے مظلوم کو انصاف دلانے پر قادر ہو، اور لوگ اپنے مسائل میں اس کی طرف رجوع کرتے ہوں، اور یہی زیادہ صحیح ہے'' (تحفۃ الفقہاء ۱/ ۱۵۳)، امام ابوحنیفہؒ حضرت عطاء کے شاگرد بھی ہیں ممکن ہے امام صاحب نے یہ تعریف انھیں سے اخذ کی ہو، اس موقع سے حضرت عطاء کے قول ''**قلت لعطاء: ما القرية الجامعة قال ذات الجماعة والأمير والقاضي والدور المجتمعة الآخذ بعضها ببعض مثل جدة**'' کا اعادہ فائدہ سے خالی نہیں ہوگا۔

امداد الاحکام میں مذکور ہے: ''مصر کی علامات ہر زمانہ میں مختلف ہوئی ہیں، آجکل علامات یہ ہیں کہ تین چار ہزار کی آبادی ہو، بازار ہو، جس میں سب ضروریات ملتی ہوں، اور وہ بازار مستقل ہو، ہفتہ وار بازار لگنا کافی نہیں، اور ڈاکخانہ وغیرہ ہو'' (امداد الاحکام ۱/ ۷۵۹)۔

مفتی کفایت اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں: ''اور مصر کی تعریف صحیح معتبر یہ ہے کہ جس جگہ کوئی شخص واقعات مختلفہ میں فتوی بتانے والا اور ایک ایسا حاکم جو فتنہ وفساد کو روک سکے، اور مظلوم کی دادرسی کر سکے موجود ہو اور وہاں گلیاں، سڑکیں اور بازار ہوں وہ مصر ہے، اس بنا پر آجکل تمام ضلعے اور اکثر قصبے مصر میں داخل ہیں'' (کفایت المفتی ۳/ ۱۷۶)۔

مفتی محمود حسن صاحبؒ ایک استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں: ''ایک علاقہ میں جو علامات مصر ہیں ضروری نہیں کہ دوسرے علاقہ میں بھی وہی علامات ہوں، آجکل ہمارے اطراف میں عمومی علامات یہ ہیں: پختہ مکانات کافی تعداد میں ہوں، پختہ سڑکیں ہوں، محلے ہوں، ڈاکخانہ ہو، شفاخانہ یا حکیم ہو، مدرسہ یا اسکول ہو، مستقل دوکانیں ہوں، روزمرہ کی ضروریات ہمیشہ ملتی ہوں، ضروری پیشہ ور ہوں، کچہری، یا نزاعات کا فیصلہ کرنے کے لئے پنچائتی نظام ہو، آس پاس کے دیہات اپنی ضروریات وہاں سے پوری کرتے ہوں اور اس مقام کو قصبہ یا بڑا گاؤں کہا جاتا ہو، مردم شماری کے لحاظ سے کوئی خاص عدد لازم نہیں، یہ علامات کچھ مدت پہلے تین چار ہزار کی آبادی میں ہوتی تھیں، اب تمدن تیزی سے ترقی کر رہا ہے، اب اس سے کم آبادی میں بھی یہ علامات جمع ہو جاتی ہیں، بعض بستیوں کی آبادی دو ہزار ہے، اس میں بھی یہ علامات موجود ہیں، بعض میں نہیں'' (فتاوی محمودیہ ۸/ ۸۳)۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نماز جمعہ کا حکم دیگر پنجوقتہ نمازوں سے اس لحاظ سے کچھ الگ ہے کہ اس میں کثیر اجتماع مقصود ہے، چنانچہ بعض لوگوں نے جمعہ کی وجہ تسمیہ میں کہا ہے: ''**وقيل تجتمع الجماعات فيها وقيل**

لاجتماع الناس فيها للصلاة"، لہذا اس کے لئے جماعت شرط ہے، نیز اس نماز کے لئے خطبہ بھی شرط ہے: "وَالْخُطْبَةُ مِنْ شَرَائِطِ الْجُمُعَةِ لِحَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ وَعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا إِنَّمَا قُصِرَتْ الْجُمُعَةُ لِمَكَانِ الْخُطْبَةِ وَلِظَاهِرِ قَوْلِه تَعَالَى:فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ يَعْنِي الْخُطْبَةَ، وَالْأَمْرُ بِالسَّعْيِ دَلِيلٌ عَلَى وُجُوبِهَا وَلِأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَا صَلَّى الْجُمُعَةَ فِي عُمُرِهِ بِغَيْرِ خُطْبَةٍ فَلَوْ جَازَ لَفَعَلَهُ تَعْلِيمًا للجواز"اور خطبہ کی مشروعیت تعلیم و تذکیر کے لئے ہونا ظاہر ہے، جس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جمعہ کی مشروعیت میں لوگوں کی تعلیم بھی مقصود ہے، اور موجودہ دور اپنے ماقبل سے اس لحاظ سے کچھ دیگر گوں ہے کہ مسلمان عالمی پیمانہ پر مغلوب ہیں اور ادیان باطلہ کی طرف سے دین اسلام کی شبیہ خراب کرنے میں سرگرمی زیادہ پائی جاتی ہے، اور وسائل اعلام بھی پہلے سے زیادہ ترقی یافتہ اور سہل الحصول و سہل الاستعمال ہیں، مگر مشیت الٰہی کہ ان پر قبضہ بھی اغیار و اعداء اسلام کا ہے جس کے اثرات سیئہ واضح ہیں، اور قوم مسلم دین کے ساتھ بہت زیادہ دلچسپی نہ ہونے کے باوجود اپنے دین کے نام کے بارے میں جذباتی اور دین کے بعض امور کے بارے میں حساس اور نشیط ہے، ان ہی امور میں سے ایک نماز جمعہ بھی ہے، کہ بہت سے وہ لوگ ہیں جو نماز پنجگانہ کی پابندی تو نہیں کرتے مگر جمعہ کا اہتمام کرتے ہیں، لہذا جمعہ کا قیام لوگوں تک دین کی باتیں پہونچانے کا ایک بہترین ذریعہ بھی ہے، اور دور افتادہ گاؤں میں بسنے والے کم تعلیم یافتہ یا ناخواندہ لوگوں کے ایمان کی حفاظت کا اہم وسیلہ بھی، اور اسی کے ساتھ آجکل کے بہت سے گاؤں ایسے بھی ہیں، کہ وہاں اگرچہ قیام جمعہ کی بہت سی شرائط نہیں پائی جاتیں مثلاً احکام وحدود قائم کرنے کے لئے حاکم یا قاضی کا ہونا، ظاہر ہے کہ ہمارے وطن میں فی زمانا غیر متصور ہے، مگر اس کا بدل تھانے اور پولیس چوکیاں اور کسی عالم دین کی مستقل رہائش، جو وعظ و تذکیر کر سکے، اور گاؤں کے لوگوں کو دین کے احکام و مسائل بتا سکے ہو سکتی ہیں، وسائل کی فراہمی کے اس ترقی یافتہ دور میں بہت ساری ضروریات زندگی گھر بیٹھے پوری ہو جاتی ہیں، اس صورت حال میں روزمرہ کی بنیادی ضروریات پوری کرنے لئے کچھ دوکانوں پر ہی مشتمل ایک مستقل بازار کافی ہے، ڈاکخانہ یا اصحاب صنعت کا ہونا لازم نہیں، کیونکہ یہ ضروریات موبائل فون اور کمپنیوں کی سروس کی سہولیات سے پوری ہو جاتی ہیں، گاؤں کی آبادی متعدد گلی کوچوں پر مشتمل ہو، ایک مکتب فکر کی کم از کم تین مساجد ہوں جس میں نماز با جماعت ہوتی ہو، تو اس گاؤں کی کسی ایک مسجد میں قیام جمعہ کی اجازت دینا مناسب ہوگا، تاکہ معتد بہ اجتماع کے مفہوم کا تحقق ہو سکے۔

۲- جہاں مذکورہ بالا صورت حال نہ ہو، مسلمانوں کی چھوٹی آبادی ہو، تو وہاں کے لوگوں پر جمعہ کا وجوب یا نماز جمعہ کے قیام کی اجازت مناسب نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ پھر مصر کے شرط ہونے کا کوئی معنی نہیں رہ جاتا، مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے: مصر کی شرط بیشک ظنی ہے، لیکن حنفیہ کے اصل مذہب میں مصر کا شرط ہونا ظنی نہیں ہے، اور ایک حنفی بحیثیت حنفی

ہونے کے اس کا انکار نہیں کرسکتا (کفایت المفتی ۳/ ۱۸۲)، ہاں اگر مسلمانوں کی آبادی کثیر ہو اور باجماعت نماز پنجگانہ کے لئے کئی مسجدیں ہوں تو چونکہ نماز میں مسلمانوں کا ہی اجتماع مقصود ہے اس لئے مصر (شہر) کی اس تعریف پر ''مَا قِيلَ فِيهِ إِنَّ أَهْلَهَا بِحَيْثُ لَوْ اجْتَمَعُوا فِي أَكْبَرِ مَسَاجِدِهِمْ لَمْ يَسَعْهُمْ ذَلِكَ'' جمعہ کی اجازت دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۳- گاؤں میں اس مقصد کے تحت کہ قیام جمعہ کا نظام عام مسلمانوں اور مسلمانوں کے عام طبقات کو بہر حال کسی نہ کسی درجہ میں دین سے جوڑ کر رکھے گا ان کے ایمان کی حفاظت کرے گا اور اس کے واسطہ سے آج کے گمراہ کن فتنوں سے ان کو آگاہ کیا جاسکے گا، اس مقصد کو پورا کرنے کے دیگر ذرائع بھی موجود ہیں، ایسے گاؤں میں مکاتب و مدارس کا قیام جو دینی تعلیم کے ساتھ عصری بنیادی ضروریات کو بھی پورا کرسکیں، قریبی شہر کے علماء کی تنظیم جو قرب و جوار کے گاؤں سے رابطہ رکھے، وہاں پر ہفتہ وار دینی و علمی دروس کا قیام وغیرہ ایسے ذرائع ہیں جن کے ذریعہ گاؤں والوں کو دین کی طرف مائل کیا جاسکے، مسائل و احکام سے آگاہ کیا جاسکے، ہر قسم کے فتنوں سے متنبہ کیا جاسکے۔

لہذا محض مذکورہ مقصد کے پیش نظر گاؤں یا دیہات میں جمعہ کی اجازت دینا درست نہیں ہوگا، کیونکہ جمعہ کے لئے مصر کی شرط، رسول اللہ ﷺ کے عمل، اثر صحابی اور اقوال تابعین سے ثابت ہے۔

☆☆☆

جمعہ کے لئے مصر کی شرط موجودہ حالات کے پس منظر میں

مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی ☆

جمعہ کے دن کا ایک اہم فریضہ نماز جمعہ ہے، نماز جمعہ کا فرض ہونا قرآن وحدیث متواتر اور اجماع امت سے ثابت ہے؛ اسی لئے شروع سے مسلم معاشرہ میں اکا دکا بے توفیق لوگوں کو چھوڑ کر اہتمام اور پابندی کے ساتھ جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے، موجودہ دور میں جمعہ کی اہمیت کا ایک پہلو یہ ہے کہ بہت سے مسلمان اپنی غفلت یا جہالت کی وجہ سے پنج وقتہ نمازوں کا اہتمام نہیں کرتے، صرف جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اور نمازوں میں تو مصلیوں کی ایک ڈیڑھ صف ہوتی ہے؛ لیکن جمعہ میں پوری مسجد بھر جاتی ہے، لیکن اس کا ایک بہتر پہلو بھی ہے کہ جمعہ کی نماز فی الجملہ مسجد سے اور مسجد کے واسطہ سے دین سے لوگوں کے رشتہ کو استوار رکھتی ہے، جمعہ میں ان کو دینی باتیں سننے اور سمجھنے کا موقع مل جاتا ہے، اور اس ہفتہ وار وعظ ونصیحت کے تسلسل سے ان کے مزاج میں بھی مثبت تبدیلی آتی ہے، جب وہ دوسرے مسلمان بھائیوں سے ملتے ہیں تو مسلم معاشرہ کا حصہ ہونے کا تصور ان کے ذہنوں میں راسخ ہوتا ہے، نیز ارتداد کے فتنوں سے بچانے میں بھی جمعہ کا اجتماع بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔

اس وقت بھی صورت حال یہ ہے کہ عیسائی مشنریز، قادیانی، قادیانیوں کی طرح بعض نو پید فرقے اور منکرین حدیث وغیرہ دیہات وقصبات میں بسنے والے مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے کوشاں ہیں، اس لئے جمعہ بہت سے ناخواندہ اور کم خواندہ مسلمانوں کے ایمان کے تحفظ کا ذریعہ بھی ہے۔

اس پس منظر میں ''اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا'' کی جانب سے کچھ سوالات موصول ہوئے ہیں جن کے جوابات درج ذیل ہیں:

۱- فقہاء حنفیہ نے بعض دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے قیام جمعہ کے لئے مصر یا قریہ جامعہ ہونے کی شرط لگائی ہے؛ لیکن نصوص میں مصر کا مفہوم واضح طور پر نہیں آیا ہے، فقہاء حنفیہ کے درمیان بھی اس میں خاصا اختلاف ہے۔

☆ شیخ الحدیث ومہتمم دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ، گجرات۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

نماز جمعہ کے وجوب اور ادا دونوں کے لئے مصر یعنی شہر ضروری ہے، اور صرف شہر ہی نہیں بلکہ بڑے بڑے گاؤں بھی شہر ہی کے حکم میں ہیں، یعنی جس طرح شہروں میں نماز جمعہ ہوتی ہے، بڑے بڑے گاؤں میں بھی ہوتی ہے، جمعہ کی نماز کیلئے شہر کے ضروری ہونے کی دلیل یہ ہے:

"روی البیهقی فی المعرفة وعبدالرزاق وابن ابی شیبة فی مصنفیهما عن علی أنه قال: لاجمعة ولا تشریق أی تکبیره ولا صلوة فطرولا أضحی إلا فی مصر جامع أو مدینة عظیمة والظاهر اَنَّ أو للشاک والحدیث صححه ابن حزم ورواه عبدالرزاق من حدیث عبدالرحمن السلمی عن علی قال: لا جمعة ولا تشریق إلا فی مصر جامع ولأنه کان لمدینة النبی ﷺ قری کثیرة ولم ینقل أنه ﷺ أمر بإقامة الجمعة فیها"۔

(بیہقی نے اپنی کتاب معرفۃ اور عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ نے اپنے اپنے مصنف میں حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ سوائے مصر جامع یا بڑے شہر کے نہ نماز فطر صحیح ہے نہ نماز عید اضحیٰ، نہ جمعہ، نہ تکبیر تشریق اور یہ ظاہر ہے کہ کلمہ "او" شک کے لئے ہے، اور اس حدیث کو ابن حزم نے صحیح کہا ہے اور اس کو عبدالرزاق نے حضرت عبدالرحمٰن سلمی کی سند سے بھی حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ سوائے شہر کے نہ کہیں جمعہ کی نماز ہوتی ہے، نہ تکبیر تشریق اور اس واسطے بھی گاؤں میں جمعہ ناجائز ہے کہ مدینہ منورہ کے متعلق بہت سے گاؤں تھے؛ مگر کسی گاؤں کے متعلق منقول نہیں ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے وہاں جمعہ کی نماز پڑھنے کا حکم دیا ہو)۔

اور بڑے بڑے گاؤں کا نماز جمعہ کے صحیح ہونے کے بارہ میں شہر کی طرح ہونا، ان عبارتوں سے ظاہر ہے:

ردالمحتار میں ہے: "**وتقع فرضًا فی القصبات والقری الکبیرة التی فیها أسواق**" (شامی: کتب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۳/۶، ط: زکریا، دیوبند)۔

(اور جمعہ فرض ہے قصبہ اور بڑے قریہ میں کہ جس میں بازار ہوں اور ان بڑے گاؤں میں کہ جن میں بازار ہوں اور قصبوں میں نماز جمعہ فرض ہو کر ہی ادا ہوتی ہے)۔

اسی میں دوسری جگہ مذکور ہے:

"**وفیما ذکرنا إشارة إلی أنهالا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض ومنبر وخطیب کما فی المضمرات**" (ایضاً: ۳/۷)۔

(اور اس مذکور میں اشارہ ہے اس طرف کہ جمعہ چھوٹے قریہ میں جائز نہیں، جہاں قاضی اور منبر اور خطیب نہیں ہے)۔

طحطاوی علی الدر المختار میں ہے:"**والكلام يشير إلى أنها تقع فرضا فى القصبات والقرى الكبيرة التى فيها أسواق**" (**مع حذف شئ**) (طحطاوی علی الدر المختار ۱/ ۳۳۹، ط: دار المعرفۃ، بیروت)۔

(اور اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ قصبوں اور اُن بڑے بڑے گاؤں میں جمعہ کی نماز فرض ہو کر ہی ادا ہوتی ہے)۔

شہر کی تعریف:

شہر وہی ہے جس کو ہماری بول چال میں شہر کہتے ہیں اور فقہاء کی عبارتیں جو کچھ اس میں منقول ہیں وہ حکم شرعی کے طور پر نہیں؛ بلکہ اپنے اپنے عرف کے اعتبار سے ہیں، البحر الرائق میں ہے:

"**وفى حد المصر أقوال كثيرة، اختاروا منها قولين :أحدهما (إلى أن قال) وثانيهما ما عزوه لأبى حنيفة أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره والناس يرجعون إليه فى الحوادث، قال فى البدائع وهو الأصح**" (البحر الرائق، باب صلاۃ الجمعۃ: ۲/ ۲۴۶، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔

(شہر کی تعریف میں بہت سے اقوال ہیں، دو قولوں کو پسند کیا گیا ہے: ایک کو بیان کرنے کے بعد کہا گیا ہے کہ دوسرا قول (جس کو امام صاحب کی طرف منسوب کیا گیا ہے) یہ ہے کہ مصروہ شہر ہے جس میں کوچہ اور بازار ہوں اور اس کے متعلق گاؤں ہوں اور اس میں حاکم ہو جو اپنے لشکر کے ذریعہ سے خود جاننے یا کسی دوسرے کے بتلانے پر مظلوم کا بدلہ ظالم سے لے سکے اور قضیوں اور جھگڑوں میں لوگ اس کے فیصلوں کو منظور کریں، بدائع میں ہے کہ یہی صحیح ہے)۔

ان عبارتوں سے یہ بات صاف ظاہر ہوگئی کہ فقہاء کی عبارتوں میں شہر کے بارہ میں جو مختلف الفاظ ہیں ان میں آپس میں مخالفت نہیں، کیونکہ اس قسم کی چیزوں کی تعریف میں شرط کے الفاظ نہیں بولے جاسکتے ہیں، اس لئے ہر ایک نے اپنے زمانہ کی حالت کو دیکھ کر شہر کی علامتیں بتلادی ہیں، ورنہ ان کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اگر فلاں فلاں امور نہ ہوں گے تو شہر کو شہر نہ کہیں گے، اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ حدود وغیرہ کے جاری کرنے پر قادر ہونا شرط نہیں ہے۔

اکبر مساجد کی تعریف کو شرح منیہ میں ضعیف کہا ہے، شرح منیہ کی عبارت ذیل میں درج کی جاتی ہے، اس سے شہر کی علامتیں بھی معلوم ہوجائے گی۔

"ثم اختلفوا فی المصر اختلافاکثیراً والفصل فی ذلک أن مکة والمدینة مصران تقام بهما الجمعة من زمنه علیه الصلوة والسلام إلی الیوم فکل موضع کان مثل أحدهما فهو مصرفکل تفسیر لا یصدق علی أحدهما فهو غیر معتبر حتی التعریف الذی اختاره جماعة من المتاخرین کصاحب المختاروالوقایة وهو مالو اجتمع فی أکبر مساجده لا یسعهم فإنه منقوض بهما إذ مسجد کل منهما یسع أهله وزیادة ولم یعلم أن مکة والمدینة کانت فی زمن النبیﷺ والصحابة أکبرمماهی الاٰن ولا أن مسجدهما أصغر مما هوالآن، فلا یعتبر هذا التعریف وبالأولی لا یعتبر تعریفه بما یعیش فیه کل محترف بحرفته أو یوجد فیه کل محترف، إلی أن قال: والحد الصحیح ما اختاره صاحب الهدایة أنه الذی له أمیروقاض ینفذ الأحکام ویقیم الحدود وتزییف صدر الشریعة له عند اعتذاره عن صاحب الوقایة حیث اختار الحد المتقدم ذکره بظهورالتوانی فی أحکام الشرع سیما فی إقامة الحدود فی الأمصار مزیف بأن المراد القدرة علی إقامة الحدود علی ما صرح به فی تحفة الفقهاء عن أبی حنیفة أنه بلدة کبیرة فیها سکک وأسواق ولها رساتیق وفیها والٍ یقدر علی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غیره یرجع الناس إلیه فیما تقع من الحوادث وهذا هو الأصح اهـ .إلا أن صاحب الهدایة ترک ذکر السکک والرساتیق بناءً علی الغالب إذ الغالب أن الأمیروالقاضی شانه القدرة علی تنفیذ الأحکام وإقامة الحدود لا یکون إلا فی بلد کذلک، فالحاصل ان أصح الحدود ماذکره فی التحفة لصدقه علی مکة والمدینة وإنهما الأصل فی اعتبار المصریة الخ"(شرح منیۃ المصلی، فصل فی صلاۃ الجمعۃ: ۵۵۰، ۵۵۱، طبع سہیل اکیڈمی، لاہور)۔

(پھر زیادہ اختلاف کیا فقہاء نے مصر کی تفسیر میں اور قول فیصل اس میں یہ ہے کہ مکہ اور مدینہ- زادہما اللہ شرفًا وتعظیماً -مصر ہیں کہ ان میں آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے آج تک جمعہ قائم ہے، پس جو بستی ان میں سے کسی ایک کی مثل ہو وہ مصر ہے، پس جو تفسیر مصر کی اُن میں سے کسی ایک پر صادق نہ آئے وہ غیر معتبر ہے، یہاں تک کہ وہ تعریف مصر کی بھی غیر معتبر ہے جس کو متاخرین کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے، مثل صاحبِ مختار ووقایہ وغیرہما کے اور وہ تعریف یہ ہے کہ مصر وہ ہے کہ وہاں کہ رہنے والے وہاں کی بڑی مسجد میں نہ سما سکیں، سو یہ تعریف مکہ اور مدینہ پر صادق نہیں آتی، اس لئے کے ان دونوں میں سے ہر ایک جگہ کی مسجد وہاں کے رہنے والوں کی گنجائش رکھتی ہے، یا کہ زیادہ کی اور یہ امر معلوم نہیں ہوا کہ مکہ اور مدنیہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اس سے بڑے ہوں جس قدر اب ہیں اور نہ یہ کہ اس وقت وہ دونوں مسجدیں چھوٹی تھیں اس

وقت کی مسجد سے، پس یہ تعریف معتبر نہ ہوئی اور بدرجہ اولی غیر معتبر ہے وہ تعریف مصر کی کہ وہاں ہر ایک پیشہ والا زندگانی گزارتا ہو اپنے پیشہ سے یا ہر ایک پیشہ والا وہاں رہتا ہو الخ، پھر آگے چل کر کہا: اور تعریف صحیح وہ ہے کہ اختیار کیا اس کو صاحب ہدایہ نے کہ مصر وہ ہے کہ اس میں امیر اور قاضی ہو کہ نافذ کرے احکام کو اور قائم کرے حدود کو اور ضعیف کہنا صدر الشریعت کا اس تعریف کو اس وجہ سے کہ احکام شرع کے ظہور میں سستی آ گئی ہے، خصوصاً امصار میں حدود قائم کرنے میں سستی کی جاتی ہے اور اسی وجہ سے صاحب وقایہ نے (اکبر مساجد کی تعریف کو اختیار کیا) ضعیف ہے، اس لئے کہ مراد تنفیذ احکام اور اقامۃ حدود سے قدرت ہونا ان پر ہے، جیسا کہ تحفۃ الفقہاء میں امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ مصر وہ بڑا شہر ہے کہ اس میں کوچہ اور بازار ہوں اور اس کے متعلق دیہات ہوں اور اس میں حاکم ہو کہ وہ قدرت رکھتا ہو ظالم سے مظلوم کا بدلہ لینے پر اپنی شوکت اور احتشام سے اور اپنے علم سے یا دوسروں کے علم سے کہ جور جوع کرتے ہوں اس کی طرف آدمی ان حوادث میں جو کہ واقع ہوں، انتہیٰ، مگر تحقیق کہ صاحب ھدایہ نے کوچہ اور دیہات کا ذکر چھوڑ دیا باعتبار غالب کے، اس لئے کہ غالب یہ ہے کہ جس جگہ حاکم اور قاضی ہوں گے کہ جن کو قدرت ہو تنفیذ احکام اور حدود کے قائم کرنے پر وہ بڑا ہی شہر ہوگا، الحاصل صحیح تعریف مصر کی وہ ہے کہ ذکر کیا اس کو صاحب تحفۃ نے، کیونکہ وہ تعریف مکہ اور مدینہ پر صادق آتی ہے اور وہی دونوں اصل ہیں، شہر ہونے کے اعتبار سے) (جواہر الفقہ، گاؤں میں جمعہ کے احکام: ۴ / ۱۲۴ تا ۱۲۷، طبع تفسیر القرآن، دیوبند)۔

آج کل کے حالات کے پیش نظر بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ اکبر مساجد کی تعریف کو راجح قرار دیا جا سکتا ہے، تاکہ مصر کے اطلاق کا دائرہ وسیع ہو جائے، جیسا کہ مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی تحریر فرماتے ہیں:

''شہر (مصر) سے کیا مراد ہے؟ یہ حدیث میں متعین نہیں ہے، فقہاء نے اپنے ذوق ومزاج اور اپنے عہد کے عرف کو ملحوظ رکھتے ہوئے مصر کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی ہے، اور اس میں خاصا اختلاف ہے، فقہاء کے نزدیک شہر کا جو مفہوم راجح ہے وہ یہ ہے کہ اگر اس جگہ کے تمام لوگ وہاں کی بڑی مسجد میں جمع ہو جائیں تو مسجد ناکافی ہو جائے، یہ شہر کا ایسا مفہوم ہے کہ اس کے اعتبار سے شہر کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے اور ضرورت اس وقت یہی ہے کہ شہر کا ایسا مفہوم متعین ہو کہ زیادہ سے زیادہ مقامات پر نماز جمعہ کی گنجائش نکل آئے، کیونکہ جمعہ نہ صرف ایک عبادت ہے، بلکہ یہ تذکیر وموعظت کا بھی بہترین موقع ہے اور بعض علاقوں میں جمعہ کی وجہ سے اسلام سے اپنی وابستگی محسوس کرتے ہیں'' (کتاب الفتاوی ۳ / ۳۷، طبع نعیمیہ، دیوبند)۔

لیکن حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے اس تعریف کو ضعیف قرار دیا ہے، جیسا کہ جواہر الفقہ کی عبارت اوپر گذری، لہذا راجح یہی ہے کہ یہ عرفی شئ ہے، عرف میں جس کو شہر کہتے ہیں شہر ہیں، جس کو قصبہ کہتے ہیں قصبہ ہے اور جس کو گاؤں کہتے ہیں گاؤں ہے، بڑا گاؤں ہو یا چھوٹا، فقہاء نے مصر کی تعریف نہیں کی ہے، علامات بتلائیں ہیں اور علامات ہر زمانہ میں بدلتی رہتی

ہیں، اس لئے فقہاء کی عبارت میں اختلاف ہے، ہر بزرگ نے اپنے اپنے زمانے میں مصر کے جو علامات مشاہدہ کئے ضبط حد وتفہیم عوام کے لئے ان کے ساتھ تعریف فرمائی، اس کی ایسی مثال ہے کہ ہم کہیں شہر وہ ہے کہ جہاں تھانہ و پولیس ہو مثلاً، اگر بالفرض شہر سے پولیس اُٹھ جاوے کیا شہر نہ رہے گا؟ پس اگر چہ مساجد متعدد نہ ہوں اور حدود وقصاص جاری نہ ہوں مصر ہی ہے۔

جواب از حضرت انور شاہ صاحب کشمیریؒ:

"عبارات أصحابنا فی تفسیر المصر کلها متوافقة فی المعنی وإنما اختلفت التعبیرات والألفاظ فاشتراط القاضی فی ظاهر الروایة بناءً علی اشتراط المصر لنفاذ القضاء فی ظاهر الروایة أیضا ،کما فی التنویر من باب القضاء وتعریف المتاخرین بأنه لا یسع اهـ مبنی علی تعدد المساجد هناک لکثرة الأبنیة قال إلی القریة الکبیرة وفی العنایة زیادة مالا یسع أکبر مساجده أهله المکلفین بها حتی یحتاجوا إلی بناء مسجد جامع والحاصل أن تفسیر المصر محول علی العرف واللغة نعم فی بعض عباراتهم أن القریة الصغیرة مجتهد فیها عندنا، فینفذ قضاء القاضی الشافعی بصحتها علی الحنفی فی ضمن دعویٰ صحیحة لا إذا کانت فتوی لا دعوی من حاضر علی حاضر" (محمد انور عفا اللہ عنہ، مدرس دار العلوم دیوبند)۔

(مصر کی تعریف میں ہمارے ائمۂ احناف سے جس قدر روایات منقول ہیں وہ سب متحد المعنیٰ ہیں، اختلاف صرف لفظی وتعبیری ہے، یعنی معنون سب کا ایک ہے، فرق صرف عنوان کا ہے اور ظاہر روایۃ میں مصر کے لئے قاضی کی شرط در حقیقت اس لئے ہے کہ قضاء قاضی مصر ہی میں نافذ ہوتی ہے، جیسا کہ تنویر الابصار، باب القضاء میں ہے، اور متاخرین نے مصر کی تعریف میں جو اکبر مساجد کی قید لگائی ہے اس کا مبنی تعدد مساجد پر دلالت کرتا ہے اور تعدد ابنیہ پر اور تعدد ابنیہ بڑی بستی میں ہوتا ہے، چنانچہ عنایہ میں ہے کہ اس میں مکلفین کی اتنی زیادتی ہو کہ بڑی مسجد میں نہ سما سکیں، اور جامع مسجد کے بنانے کی ضرورت محسوس کی جائے، حاصل یہ کہ مصر کی تعریف عرف اور لغۃ پر محمول ہے اور جس قدر بھی تعریفیں مذکور ہیں وہ اپنے اپنے عرف وزمانہ کے مطابق کی گئی ہیں، ان میں کوئی تعارض نہیں، البتہ بعض فقہاء کی عبارات میں ہے کہ قریہ صغیرہ ہمارے نزدیک مجتہد فیہا ہے؛ یعنی صغیرہ کبیرہ کی تعیین میں اجتہاد کی گنجائش ہے، اسی لئے اگر کوئی قاضی شافعی کسی باقاعدہ دعویٰ کے ذیل میں کسی قریہ صغیرہ میں جمعہ کی اجازت کا حکم دے دے تو یہ حکم حنفیہ پر نافذ ہوگا)۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ اس کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

’’مطلب یہ ہے کہ قاضی کی اجازت کافی نہیں؛ بلکہ قضاء شرعی ضروری ہے، جس میں ایک دوسرے پر کسی ایسے معاملہ کا دعوی کرے جس کا تعلق اس قریہ کے کبیرہ اور موضع اقامت جمعہ ہونے سے ہو اور قاضی باقاعدہ مقدمہ کی سماعت کے بعد اقامت جمعہ کا فیصلہ دے‘‘ (محمد شفیع عفی عنہ، فتاوی دارالعلوم دیوبند ۱/ ۲۹۷، ۲۹۸ طبع زکریا، دیوبند)۔

”وقيل مافيه أربعة آلاف رجال إلى غير ذلک، وليس هذا كله تحديد له، وحاصله إدارة الأمر على رأى أهل كل زمان فى عدهم المعمورة مصراً، فما هو مصر فى عرفهم جازت الجمعة فيه، وما ليس بمصر لم يجزفيه، إلا أن يكون فناء المصر“ (الکوکب الدری، أبواب الجمعۃ ۱/ ۱۹۹، طبع مکتبۃ یحیویۃ، سہارنپور)۔

”قال فى رد المحتار: المراد القدرة على إقامتها على ما صرح به فى التحفة عن أبى حنيفة أنه بلدة كبيرة فيها سكک وأسواق ولهارساتيق وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته أو علمه أو علم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث و هذا هو الأصح اهـ ، إلا أن صاحب الهداية ترک ذكر السكک والرساتيق لأن الغالب أن الأمير والقاضى الذى شانه القدرة على تنفيذ الأحكام وإقامة الحدود لا يكون إلا فى بلد كذلک الهـ “ (ردالمحتار کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ، ۳/ ۵، ۶، ط: زکریا، دیوبند)۔

بڑا گاؤں وہ ہے جس میں گلی کوچے ہوں، بازار ہو، روزمرہ کی ضروریات ملتی ہوں، ڈاک خانہ، شفاخانہ، مدرسہ، بازار وغیرہ کے لحاظ سے قصبہ کے مثل ہو، تین چار ہزار کی آبادی ہو، اس سے مراد مردم شماری ہے، خانہ شماری نہیں، یعنی سب آدمی رہنے والے اس گاؤں کے چھوٹے بڑے، مرد عورت، ہندو مسلمان تین چار ہزار ہوں، اگرچہ اکثر آبادی مسلمانوں کی نہ ہو، تو وہاں نماز جمعہ وعیدین کی صحیح ہے اور فرض ہے، اور ادا ہوجاتی ہے، اگرچہ جمعہ کی جماعت وغیرہ میں دس بارہ آدمی ہوں، اس میں کچھ حرج نہیں ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک امام کے سوا تین آدمی بھی ہوں تو جمعہ ہوجاتا ہے، البتہ ضروری ہے کہ وہ جگہ جہاں جمعہ وغیرہ پڑھا جائے بڑی بستی ہو یا اس کے متعلقات میں سے ہو، جس کی آبادی کو عرفاً قریہ کہا جاسکے، رہائشی مکان آپس میں متصل ہوں اور ان کے درمیان کم از کم تین گلیاں ہوں، جیسا کہ مصر کی تعریف میں ہے، علامہ طحطاوی نے فیصلہ فرمایا کہ بغیر اقامت (سکونت) کے قریہ کا وجود نہیں ہوسکتا اور اقامت (سکونت) بغیر گھروں کے معتبر نہیں۔

”قوله:(مقيمون بها) قيدبها، لأنه إذا لم تعتبر الإقامة لا توجد قرية أصلاً“ (طحطاوی علی مراقی الفلاح: ۴۱۹، طبع مصطفیٰ البانی، القاہرہ)۔

”عن ابن جريجؒ قال: قلت لعطاء : ما القرية الجامعة؟ قال: ذات الجماعة ، والأمير،

والقصاص، والدور المجتمعة غيرالمفترقة الآخذ بعضها ببعض كهيئة جدة .قال : والقصاص، قال: فجدة جامعة، والطائف .قال: وإذا كنت في قرية جامعة فتودى للصلوة من يوم الجمعة ، فحق عليک أن تشهدها، إن سمعت الأذان ، أو لم تسمعه''(مصنف عبدالرزاق،کتاب الجمعۃ،باب القری الصغار:۳ /۱۶۸،رقم:۵۱۷۹،طبع المجلس العلمی)۔

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

''ایک موضع کی آبادی بارہ سو، تیرہ سو کی ہے اور اکثر دوکانیں بھی ہیں اور ضروریات بھی دست یاب ہوتی ہیں، تو قریۂ مذکورہ بڑا قریہ ہے، اس میں جمعہ واجب ہوجاتا ہے''۔

اور ایک دوسرے سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

''دوہزار آبادی جس بستی میں ہو وہ قرۂ کبیرہ ہے یا نہیں؟ سو ظاہر یہ ہے کہ وہ قریۂ کبیرہ ہے، اگر اس میں بازار، دوکانیں ہوں تو جمعہ وہاں ادا ہوگا ورنہ نہیں، آدمیوں کی تعداد صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے، بلکہ عرفاً جس کو قریۂ کبیرہ سمجھیں وہ قریۂ کبیرہ ہے، اور جس کو قریۂ صغیرہ سمجھیں وہ قریۂ صغیرہ ہے''(فتاوی دارالعلوم دیوبند: کتاب الصلاۃ، باب الجمعہ، ۱/۲۸۸،۲۸۹ط: زکریا، دیوبند)۔

۲-گاؤں میں جمعہ کی نماز کے صحیح ہونے کے لئے دو چیزوں میں سے ایک چیز لازم ہوتی ہے:

۱) آبادی کی حیثیت: یعنی ایسی آبادی ہو جس میں ضروریات زندگی کی ہر چیز موجود ہو، اسکول، اسپتال، تھانہ، اور روزمرہ کے خوردونوش کی ہر چیز کی دکانیں، بازار نما موجود ہوں اور قصبہ جیسی شکل ہو، اگرچہ مردم شماری کم ہو، جیسا کہ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے بارہ سو، تیرہ سو کی تعداد بھی فرمائی ہے، لیکن آبادی کی حیثیت قصبہ نما ہونے کی وجہ سے وہاں جمعہ جائز ہوجائے گا۔

۲) آبادی کی مردم شماری: اگرچہ بازار نما نہ ہو؛ لیکن وہاں کی مردم شماری تین ہزار سے اوپر ہو، تو ایسی صورت میں وہ گاؤں قصبہ کے حکم میں ہونے کی وجہ سے وہاں بھی جمعہ جائز ہوگا۔

''**تقع فرضاً فی القصبات، والقریٰ الکبیرة التی فیها أسواق**''(شامی، کتاب الصلواۃ، باب الجمعۃ، ط: زکریا: ۳/۶، ط: کراچی: ۲/۱۳۸)۔

''**عن حذیفة رضی الله عنه لیس علی أهل القریٰ جمعة؟ إنما الجمع علی أهل الأمصار مثل المدائن**''(أوجز المسالک، باب ماجاء فی الإمام ینزل بقریة یوم الجمعۃ ۲ /۲۴۶، ط: دارالفکر، بیروت)۔

"اختلف العلماء فی المواضع الذی تقام فیه الجمعة،و مذهب أبی حنیفة لا تصح الجمعة إلا فی مصر جامع أو مصلی المصر ، ولا تجوز فی القری، اتفق علماء الأمصار علی أن الجمعة مخصوصة بموضع لا یجوز فعلها فی غیره ؛ لأنهم مجتمعون علی أنها لا تجوز فی البوادی" (بذل المجهود، الصلاۃ/ باب الجمعۃ فی القری:۵/۶۱،طبع مرکز الشیخ أبی الحسن علی الندوی)۔

وفی المسوی :"اتفقوا علی أن لا جمعة فی العوالی .....فقال أصحابنا :هی مخصوصة بالأمصار ولا تصح فی السواد ، وهو قول الثوری و عبید الله بن الحسن" (أوجز المسالک،باب ماجاء فی الإمام ینزل بقریة یوم الجمعۃ فی السفر :۲ / ۲۴۴،ط: إدارہ تالیفات أشرفیہ،ملتان)۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ جمعہ ہر جگہ جائز نہیں، بلکہ وہ مصر اور قریۂ جامعہ کے ساتھ خاص ہے، جیسا کہ حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

یہ تو بالاجماع ثابت ہے کہ جمعہ سب جگہ جائز نہیں، رہا یہ کہ کس جگہ جائز ہے؟ یہ محتاج دلیل ہے۔

اور یہ آیت ﴿ فاسعوا الی ذکر الله ﴾ کا اطلاق باب امکنہ میں مسلم ہے اجماعاً، ورنہ جواز جمعہ صحراء میں لازم آئے گا، اور اس کا کوئی قائل نہیں ہوا، پس اجماعاً یہ آیت مخصص ساتھ بعض اماکن کے ہے اور تخصیص ساتھ حدیث علی مرتضیٰؓ کے انسب ہے، ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

"والقاطع للشغب أن قوله تعالی: ﴿فاسعوا الیٰ ذکر الله﴾ لیس علی اطلاقه اتفاقاً بین الأمة، إذ لا یجوز إقامتها فی البراری إجماعاً ولا فی کل قریة عند الشافعی، بل یشرط أن لا یظعن أهلها عنها لاصیفاولا شتاء، فکان خصوص المکان مراداً فیها إجماعاً،فقدر القریة الخاصیة وقدرنا المصر وهو أولیٰ لحدیث علیؓ وهو لوعورض بفعل غیره کان علیؓ مقدماً علیه، فکیف ولم یتحقق معارضة ما ذکرنا إیاه ولهذا لم ینقل عن الصحابة أنهم حین لما فتحوا البلاد اشتغلوا بنصب المنابروالجمع إلا فی الأمصار دون القریٰ ولوکان لنقل ولو آحادًا ،انتهیٰ"(فتح القدیر: باب صلاۃ الجمعۃ:۲ / ۵۰،ط: زکریا،دیوبند)۔

پس ما نحن فیہ میں حنفیہ نے تخصیص اطلاق قرآن ساتھ خبر آحاد کے نہیں کی، بلکہ تعیین ایک امر مبہم کی کی، واللہ اعلم بالصواب۔

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں: بلکہ واسطے صحت جمعہ کے مخصوص مکان کا ہونا بالاجماع مراد ہے، کیونکہ جائز نہیں جمعہ جنگل اور میدان میں بالاتفاق، اس لئے امام شافعیؒ کے نزدیک ادائے جمعہ صحیح نہیں سوائے ایسے گاؤں کے جہاں چالیس مرد

آزاد مکلّف بستے ہوں اور امام احمدؒ کے نزدیک بھی ایسا ہی ہے اور امام مالکؒ کے پاس صحت ادائے جمعہ کیلئے وہ جگہ شرط ہے جہاں ملا ہوا بستی اور مسجد و بازار ہو۔

"**كما يدل من عبارة الميزان لعبد الوهاب الشعرانى: ومن ذلک قول الشافعى لا تصح الجمعة إلا فى أبنية يستوطنها من تنعقد بهم الجمعة من بلدة أو قرية مع قول بعضهم لاتصح الجمعة إلا فى قرية اتصلت بيوتها ولها مسجد وسوق ومع قول أبى حنيفة أن الجمعة لا تصح إلا فى مصر جامع لهم سلطان**" (المیزان الکبری: باب صلاۃ الجمعۃ: ۱ / ۱۶۲، ط: المطبعۃ العامرۃ الشرفیۃ، مصر)۔

اور وجوب جمعہ بھی کچھ مطلق نہیں، یعنی ہر جگہ میں جائز ہونے کا حکم شامل نہیں، جیسا کہ مذکور کبیری میں ہے:

"**إن قوله تعالى ﴿فاسعوا إلى ذكر الله﴾ ليس على اطلاقه اتفاقا، إذلا يجوز فى البرارى إجماعاً، فهو قدروا القرية ونحن قدرنا المصروهو أولى لحديث علىؓ سيماولا معارض له إذ لم ينقل عن الصحابة، أنهم حين فتحوا البلاد اشتغلوا بنصب المنابر والجمع فى الأمصار**" (کبیری فی شرح منیۃ المصلی: فصل فی صلاۃ الجمعۃ: ۵۵۰، طبع سہیل اکیڈمی، لاہور)۔

"**وفى مراقى الفلاح ولم ينقل عن الصحابة رضى الله عنهم أجمعين أنهم حين فتحوا البلاد اشتغلوا بنصب المنابر والجمع فى الأمصار دون القرىٰ ولو كان لنقل ولو آحادًا فلا بد من الإقامة بمصر وفى حاشيته (قوله: ولم ينقل عن الصحابة) وكذا لم ينقل أنه ﷺ أمر بإقامة الجمعة فى قرى المدينة على كثرتها**" (طحطاوی علی مراقی الفلاح، باب الجمعۃ / ۴۱۲، طبع مصطفیٰ البانی، قاہرہ)۔

لہذا امت کا اجماع ہو گیا ہے کہ آیت قرآنی ﴿إذانودى للصلوة الخ ..﴾ اپنے عموم پر نہیں ہے؛ بلکہ جمعہ کی نماز کے ساتھ اور ایسی بستی (جگہ) کے ساتھ خاص ہے جس کے باشندے گرمی اور سردی وغیرہ تمام موسموں میں وہاں رہتے ہوں (مستفاد از القول البدیع فی اشتراط المصر للتجمیع للعلامۃ اشرف علی التھانوی)۔

مفتی سلمان صاحب منصور پوری ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

کسی گاؤں میں نبی کریم ﷺ کا نماز جمعہ پڑھنا یا صحابہ کو نماز جمعہ پڑھنے کی اجازت دینا ثابت نہیں ہے، بلکہ روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی طرف سے چھوٹی آبادی میں جمعہ قائم کرنے کا حکم نہیں تھا، اسی وجہ سے جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے اور چودہ دن قبا میں قیام فرمایا جو اس وقت مدینہ کے قریب ایک گاؤں تھا، تو اگرچہ جمعہ کی فرضیت مکہ معظّمہ میں ہو چکی تھی، پھر بھی آپ نے قبا میں جمعہ کی نماز قائم نہیں فرمائی، حالاں کہ وہاں جمعہ قائم کرنے میں کوئی

اور رکاوٹ نہیں تھی، بلکہ جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں جمعہ قائم کیا، اور روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کے ہجرت فرمانے کے پہلے ہی سے مدینہ منورہ میں رہنے والے صحابہ، صحابی جلیل حضرت اسعد بن زرارہ کی امامت میں نماز جمعہ ادا کیا کرتے تھے، اور مدینہ منورہ کے بعد سب سے پہلے جمعہ کا قیام بحرین کے شہر جواثی میں ہوا، یہ کوئی چھوٹی آبادی نہیں تھی، بلکہ بڑا ساحلی شہر تھا، جہاں مسلمانوں کو اجتماعیت حاصل تھی، اگر جمعہ چھوٹے چھوٹے گاؤں اور بستیوں میں جائز ہوتا تو کیا وجہ تھی کہ مدینہ کے اردگرد آبادیوں میں آپ نے جمعہ قائم نہیں کیا؟ ان آبادیوں میں جمعہ کا قائم نہ کرنا دلیل ہے کہ اقامت جمعہ کے لئے بڑی آبادی شرط ہے (کتاب النوازل، گاؤں میں جمعہ کے احکام: ۵ / ۲۱۴، ط: المرکز العلمی، مرادآباد)۔

"**جمع أهل المدينة قبل أن يقدمها رسول الله ﷺ قبل أن تنزل الجمعة وهم الذين سموها الجمعة فاجتمعوا إلى أسعد بن زرارة ، فصلى بهم يومئذ ، وذكرهم فسموه الجمعة**" (المصنف لعبد الرزاق: ۳/ ۱۵۹، رقم: ۵۱۴۴، ط: المجلس العلمی، ڈابھیل)۔

"**إن أول جمعة جمعت فى الإسلام بعد جمعة جمعت فى مسجد رسول الله ﷺ بالمدينة لَجمعة جمعت بجُواثىٰ من البحرين**" (صحیح البخاری: رقم الحدیث: ۸۹۲، سنن أبی داؤد: رقم الحدیث: ۱۰۶۸، باب الجمعۃ فی القریٰ والمدن)۔

"**وفى الصحاح : أن جواثا حصن بالبحرين فهى مصر**" (فتح القدیر ۲/ ۵۱، ط: دار الفکر، بیروت)۔

"**شرعت صلاة الجمعة بمكة ولم يصلها النبى ﷺ بها لعدم تمكنه من ذلك ، وأول جمعة أقيمت فى الإسلام الجمعة التى أقامها أسعد بن زرارةؓ أحد النقباء الإثنى عشر ، فصلاها بالمدينة بأمر رسول الله ﷺ قبل قدومه المدينة**" (شامی: حاشیہ، کتاب الصلوۃ، باب الجمعۃ: ۳/ ۳، ط: زکریا، دیوبند)۔

"**لا تصح الجمعة إلا فى مصر جامع أو فى مصلى المصر ولا تجوز فى القرى**" (ہدایہ: باب صلوۃ الجمعۃ: ۱/ ۱۶۸، ط: اشرفی بکڈپو، دیوبند)۔

"**عن حذيفة رضى الله عنه قال : ليس على أهل القرى جمعة ، إنما الجمعة على أهل الأمصار : مثل المدائن**" (المصنف لابن أبی شیبۃ: ۴/ ۴۶ رقم: ۵۱۰۰، ط: المحس العلمی)۔

"**إن رسول الله ﷺ لم يصل الجمعة فى القرى ولم يأمر بها فيها فعلم بهذا أن القرى ليست محل إقامة الجمعة**" (بذل المجہود: ۵/ ۶۳، ط: مرکز الشیخ أبی الحسن الندوی، أعظم جراہ، یوپی)۔

" **وأما القرى فإن أراد الصلاة فيها فغير صحيحة على المذهب**" (البحر الرائق: باب صلوۃ

الجمعۃ:۲/۲۴۸،طبع بیروت)۔

"وفیما ذکرنا إلی أنه لاتجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض وخطیب ، کما فی المضمرات .والظاهر أنه أرید به الکراهة لکراهة النفل بالجماعة إلا أن فی الجواهر لو صلوا فی القری لزمهم أداء الظهر"(شامی:۳ /۷،ط:زکریا)۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ تحریر فرماتے ہیں:اور نہ اس پر سرزنش فرمائی کہ مدینہ میں جمعہ ہوتا ہے تم نے اب تک جمعہ کیوں نہیں پڑھا؟ تو اہل قریہ پر اگر جمعہ فرض تھا تو اس ترک نماز جمعہ کی اہل قبا سے اور جناب رسول اللہ ﷺ سے کیا وجہ تھی۔

اور جن علماء کو اس روایۃ جمعہ ''جواثی'' سے شبہ وجوب جمعہ بر اہل قری ہے وہ کئی وجہ سے درست نہیں ہے،اول تو یہ کہ ''جواثی'' گاؤں نہ تھا؛ بلکہ شہر تھا اور جب اس میں احتمال ان معنی کا ہوا تو استدلال درست نہ رہا۔

اور اوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ جتنی احادیث موقوفہ یا مرفوعہ بلفظ عموم آئی ہیں وہ سب مخصوص ہیں،اس میں عموم مدن ہے، نہ قری اور جہاں قریہ کا لفظ وارد ہوا ہے وہاں مراد مدینہ ہے حسب لغت قرآن، نہ قریہ صغیرہ، ورنہ دس سال فعل رسول اللہ ﷺ سے سخت مخالفت ہوگی، چنانچہ اوپر ذکر ہو چکا۔

الحاصل نہ اقوال صحابہ میں اختلاف ہے اور نہ رجوع الی المرفوع سے جواز اقامت جمعہ قری ثابت ہے، پس مذہب حنفیہ پر کسی طرح کا اشکال نہیں ہے، البتہ نظر غائر درکار ہے اور بس، اور پھر جناب رسول اللہ ﷺ باب جمعہ میں کس قدر تاکید فرماتے تھے اور ترک جمعہ پر تغلیظ فرماتے تھے، اور اس کو تمام اہل عوالی سنتے تھے، مع ہذا کسی نے اپنے قریہ میں جمعہ قائم نہ کیا اور نہ جناب رسول اللہ ﷺ نے دس سال حیات خود میں ان کو اقامت جمعہ کا حکم فرمایا اور ترک جمعہ پر تغلیظ فرمائی، جس سے صاف ظاہر ہے کہ تمام صحابہ اہل عوالی وغیرہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ تاکید اور تغلیظ انہیں لوگوں پر ہے جن پر جمعہ فرض ہے، اہل قری اہل صحاری اس سے خارج اور مستثنی ہیں، علی ہذا آیت کے عموم اور عموم الفاظ جملہ احادیث واردہ فی الجمعہ سے بھی یہ لوگ خارج ہیں، لہذا کسی قریہ میں کبھی کسی نے جمعہ قائم نہ کیا۔

اور احادیث سے صریح ثابت ہے کہ عوالی سے لوگ مدینہ منورہ میں نوبت بنوبت آتے تھے کہ ایک جمعہ کو چند آدمی آئے باقی اپنے گھر پر رہے اور دوسرے جمعہ کو دوسری جماعت جو پہلے کو نہ آئی تھی جمعہ کے واسطے مدینہ آتے اور وہ جماعت کہ پہلے جمعہ کو مدینہ آئی تھی اپنے گھر پر رہتے اور جو لوگ اپنے گھر پر رہتے وہ ظہر پڑھتے تھے، وہاں کبھی انہوں نے جمعہ ادا نہیں کیا اور یہ امر بعلم رسول اللہ ﷺ بلکہ بامر رسول اللہ ﷺ تھا۔

اگر اہل قری پر جمعہ فرض تھا تو معاذ اللہ جناب رسول اللہ ﷺ اقامت جمعہ کا حکم ان لوگوں کو نہ فرمانے میں کیا مخالف حکم {بلغ ما أنزل إليک من ربک} کرتے؟ ہرگز نہیں؛ بلکہ اہل قری پر جمعہ فرض ہی نہ تھا، اور نوبت بنوبت ان کا آنا واسطے تحصیل برکات زیارت کے تھا اور بغرض تعلم مسائل دینیہ، ہر ہر جماعت اپنی اپنی نوبت میں شرف زیارت سے مشرف ہوجاوے اور مسائل دینیہ سیکھ کر پس ماندگان کو تعلیم کرے، بخاری میں ہے:

"**عن عروة ابن الزبير عن عايشة زوج النبی ﷺ قالت كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم والعوالی الحديث**"(رقم الحدیث:۹۰۲)، **قال العلامة ابن حجر فی شرحه : قال القرطبی: فيه رد على الكوفيين حيث لم يوجبوا الجمعة على من كان خارج المصر، كذا قال، وفيه نظر، لأنه لو كان واجبا على أهل العوالی ماتناوبوا ولكانوايحضرون جميعاً.انتهی**"(فتح الباری: ۳ / ۴۵، طبع دارالفکر، بیروت)۔

سبحان اللہ ابن حجر مرحوم نے کیا انصاف اور دیانت کو قائم فرمایا، باوجود تصلب اپنے مذہب شافعی کے حق کو ظاہر کر گئے، اہل قریٰ پر فرضیت جمعہ کی ہرگز اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتی، جیسا کہ قرطبی کو غلطی ہوئی؛ بلکہ وہ مان گئے کہ اس حدیث سے اہل قریٰ پر جمعہ فرض نہ ہونا ثابت ہوتا ہے، مگر ہاں اتنی کمی رہی کہ ابن حجر بنظر انصاف یہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے قریہ میں جمعہ کا ادا نہ ہونا بھی ثابت ہے۔

پس ان دلائل واضحہ سے ہر اہل انصاف پر مثل آفتاب روشن ہوگیا کہ نہ قریٰ صغیرہ میں جمعہ ادا ہوتا ہے اور نہ ان لوگوں پر اقامت جمعہ واجب ہے اور نہ ان کو ادائے جمعہ کے لئے شہر میں جانا فرض ہے (مستفاد من رسالہ: اوثق العری فی تحقیق الجمعہ فی القری للعلامہ رشید احمد گنگوہی، طبع اصلاحی کتب خانہ، دیوبند)۔

گاؤں میں جمعہ کے متعلق حضرت نانوتویؒ کا ایک مکتوب اور اس کی وضاحت:

حضرت مولانا موصوف قدس سرہ کا مکتوب گرامی بزبان فارسی در بارۂ بعض احکام جمعہ "فیوض قاسمی" میں طبع ہوا تھا، جس کو بعض حضرات نے اردو میں ترجمہ کر کے شائع کر دیا ہے، اس مکتوب کے بعض الفاظ سے بعض عوام کو حنفیہ کے متفق علیہ مذہب کے خلاف اس کا شبہ ہوگیا کہ ہر چھوٹے اور بڑے گاؤں میں جمعہ پڑھنا جائز ہے، اس لیے اس کی توضیح کی ضرورت ہوئی ہے؛ تاکہ حنفی مسلمان اس سے شک میں نہ پڑ جائیں، واللہ الموفق۔

پہلے یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ ادائے جمعہ کے لیے مصر کی شرط حنفیہ کے تمام ائمہ اور فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہے، کسی حنفی امام وفقیہ کو اس میں کلام نہیں، امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمدؒ اور تمام فقہاء حنفیہ کی تصریحات ہیں

کہ ادائے جمعہ کے لیے مصر شرط ہے، صحابہ وتابعین میں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہؓ اور حذیفہؓ اور عطارؒ اور حسن بن الحسن اور ابراہیم نخعیؒ اور مجاہد اور محمد بن سیرین اور سفیان ثوریؒ کا بھی یہی مذہب ہے (کذا فی الشرح الکبیر للمنیۃ: ۵۴۶) اور شمس الائمہ نے مبسوط میں فرمایا ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب بلاد عرب کو فتح کیا ہے تو کہیں منقول نہیں کہ کسی گاؤں میں کوئی جامع مسجد بنائی ہو، یا منبر قائم کیا ہو؛ بلکہ یہ کام صرف شہروں کے ساتھ مخصوص رکھا ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات بھی اس پر متفق تھے کہ ادائے جمعہ کے لیے مصر شرط ہے (کذا فی المبسوط ۱/ ۲۳)، ھدایہ اور اس کی شروح فتح القدیر، عنایہ، کفایۃ، عینی وغیرہ اور کنز اور اس کی شروح بحر، نہر یعنی مستخلص وغیرہ، قدوری اور اس کی شروح ''الجوہرۃ النیرۃ'' وغیرہ، منیۃ اور اس کی شروح صغیری وکبیری وغیرہ، شرح وقایہ اور اس کی شرح سعایہ، عمدۃ، چیلپی وغیرہ، نورالایضاح اور اس کی شروح وحواشی، مراقی الفلاح، طحطاوی وغیرہ، درمختار اور اس کی شروح شامی، طحطاوی وغیرہ، خلاصۃ الفتاوی، قاضی خان، عالمگیری، دررالحکام، بدائع الصنائع وغیرہ تو حنفیہ کے مذہب کی صحیح اور نہایت معتمد ومعتبر ترجمان ہیں، سب کی سب اس شرط پر متفق ہیں اور چھوٹے گاؤں میں جمعہ کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور ان اساطین امت اور ائمہ حنفیہ کی تصریحات کے بعد اگر بالفرض کسی حنفی المذہب عالم محقق کی تحقیق ان سب حضرات کے خلاف بھی واقع ہو کہ یہ شرط ضروری نہیں، تب بھی از روے عقل و نقل حنفی المذہب مسلمانوں کا فرض یہی ہوگا کہ ان عالم محقق کی تحقیق کا احترام باقی رکھتے ہوئے ان کی طرف سے تاویل کریں اور عمل میں جمہور فقہاء کا اتباع کریں، کیونکہ یہی دستور امت کے سنجیدہ حضرات اہل سنت والجماعت کا ہے کہ اتباع ہمیشہ جمہور کا کیا جاتا ہے اور اگر کسی بزرگ سے کوئی کلمہ ان کے خلاف ثابت بھی ہو اسکی تاویل کی جاتی ہے اور تاویل بھی نہ ہو سکے تو سکوت کیا جاتا ہے، تمام علماء امت کا سلفاً وخلفاً یہی معمول رہا ہے (جواہر الفقہ، گاؤں میں جمعہ کے احکام: ۴/ ۱۱۴، ۱۱۵، ط: تفسیر القرآن، دیوبند)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قصبات، مصر اور فناء مصر کے علاوہ قریہ میں (چھوٹے گاؤں میں) جمعہ عند الاحناف ادا نہیں ہوتا، البتہ اگر چھوٹے گاؤں میں موجودہ دور کی ترقی کی بنیاد پر وہ سہولتیں میسر ہوں جو چھوٹے موٹے شہروں میں عام طور پر میسر ہوتی ہیں تو وہ قصبہ کے حکم میں ہے اور وہاں جمعہ صحیح ہونا چاہئے۔

۳- شریعت میں مصلحت کی رعایت اس وقت ہوتی ہے جب وہ حکم شرعی کے خلاف نہ ہو اور جب مصلحت حکم شرعی کے خلاف ہو تو پھر مصلحت کی اجازت ہرگز نہ ہوگی؛ بلکہ حکم شرعی پر عمل کرنا لازم ہوگا، گاؤں میں جب شرائط جمعہ موجود نہ ہوں، تو پھر کسی دینی فائدہ ومصلحت کے پیش نظر جمعہ پڑھنا درست نہیں ہونا چاہئے؛ بلکہ ظہر باجماعت ادا کرنا ضروری ہے، جس کی

قسمت میں نماز اور عبادت لکھی ہے اور جس کو خوف خدا ہے وہ پھر بھی ادا کرے گا۔

"**المفسدة إذا ترجحت على المصلحة اقتضت تحريم الفعل**"(روح المعانی:سورۃ البقرۃ:۲۱۹ : ۲/ ۱۷۳،ط:زکریا،دیوبند)۔

"**إذا كان فعل الإمام مبنياً على المصلحة فيما يتعلق بالأمور العامة لم ينفذ أمره شرعاً إلا إذا وافقه، فإن خالفه لم ينفذ**"(الأشباہ والنظائر قدیم:ص:۱۸۹،ط:دارالعلوم دیوبند)۔

نیز دوسرے مجتہد کے قول پر عمل کرنا اس وقت جائز ہے جب اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آئے اور یا موضع ضرورت میں جائز ہے اور ظاہر ہے کہ جمعہ میں نہ تو کوئی ضرورت ہے اور جو مصلحتیں لکھی ہیں یہ ضرورت کی حد کو نہیں پہونچتیں، کیونکہ ضرورت کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے بغیر ضرر لاحق ہونے لگے اور ضرر سے مراد حرج اور تنگی اور مشقت ہے، سو یہ امور متحقق نہیں اور جمعہ پڑھنے سے اپنے مذہب کے چند مکروہات کا ارتکاب بھی لازم آتا ہے۔

(۱) نفل کی جماعت۔

(۲) دن میں نفل نماز میں زور سے قرائت کرنا۔

(۳) غیر لازم کا التزام۔

(۴) ظہر کی جماعت کے فرض کا چھوڑنا۔

(۵) اگر کوئی ظہر نہ پڑھے تو فریضے کا چھوڑنا حرام اور فسق ہے۔

کیونکہ اگر ایسی جگہ جمعہ پڑھیں گے تو وہ نماز نفل ہوگی، نفل کو فرض اعتقاد کرنا اور نفل پڑھ کر یہ عقیدہ رکھنا کہ فرض ادا ہوگیا، نفل کے لئے اذان واقامت، جماعت علی سبیل التداعی، نفل نماز میں زور سے قرائت، نفل کے لئے خطبہ وغیرہ شرعی مفاسد ہیں، فرض کا ذمے باقی رہ جانا مستقل مفسدہ عظیمہ ہے۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں:

''اور کسی کا یہ کہنا بالکل صحیح نہیں کہ اس بہانہ سے نماز پڑھ لیتے ہیں، مسلمان تو احکام شرعیہ کے مامور ہیں، حدود مذہب کے اندر لوگوں کو نماز کے لئے جمع کرنا چاہئے، اگر وہ کسی ایسی صورت میں جمع ہوں جو شرعاً ناجائز ہو تو ایسے اجتماع ہی سے کیا فائدہ ہے، جب نماز جمعہ چھوٹے گاؤں میں ادا نہیں ہوگی، تو پھر ایسی نماز کے لئے اگر جمع ہو بھی گئے اور پڑھ بھی لی تو کیا فائدہ؟ اس لئے مسلمانوں کو تو فتوے پر عمل کرنا چاہئے، جس کی قسمت میں نماز اور عبادت لکھی ہے اور جس کو خدا کا خوف

ہے وہ پھر بھی پڑھے گا، اور جو بدقسمت نہ پڑھے تو اس کا فکر کسی کے ذمہ نہیں وہ اپنی قبر کا خود سامان کرے گا'' (جواہر الفقہ : ۴/ ۱۱۳، ط: مکتبہ تفسیر القرآن، دیوبند)۔

مفتی تقی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

'' حنفیہ کی تمام کتابیں متون وشروح وفتاویٰ جمعہ کے لئے مصر یا قریۂ کبیرہ کی شرط کو ضروری قرار دیتی ہیں،، مالکیہ اور شافعیہ کے یہاں بلاشبہ گاؤں میں بھی جمعہ ہوجاتا ہے؛ لیکن کسی ایک مسئلے میں مالکیہ یا شافعیہ کے قول کو لینا اور باقی نماز حنفیہ کے طریقے پر پڑھنے میں ''تلفیق'' کا اندیشہ ہے جو باجماع فقہاء باطل ہے اور اس سے کسی کے نزدیک نماز صحیح نہیں ہوتی؛ لہذا مالکیہ یا شافعیہ کے مسلک پر عمل کر کے جمعہ ادا کر لینا کسی طرح درست نہیں، حنفیہ کے نزدیک گاؤں میں جمعہ کے جواز کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ امام مسلمین وہاں جمعہ پڑھنے کا حکم دیدے یہ صورت بھی ہمارے ملک میں مفقود ہے۔

اس پر مفصل رسائل حنفیہ نے لکھدیئے ہیں، جن میں علامہ نیموی، حضرت گنگوہی، حضرت شیخ الہند رحمہم اللہ وغیرہ کے رسائل معروف ومشہور ہیں، حضرت شیخ الہندؒ کا رسالہ '' اوثق العریٰ فی تحقیق الجمعۃ فی القریٰ'' سب سے زیادہ مفصل ہے۔

تیسری مختصر بات یہ ہے کہ بخاری اور ابوداؤد وغیرہ کی معروف حدیث کے مطابق مدینہ طیبہ کے بعد سب سے پہلا جمعہ '' جواثی'' نامی قلعے میں پڑھا گیا ہے جو بحرین کی تجارتی منڈی تھی، حالانکہ بحرین کی فتح سے پہلے بیشمار دیہات مسلمان ہو چکے تھے وہاں کہیں بھی جمعہ پڑھنا ثابت نہیں؛ بلکہ جمعہ نہ پڑھنا ثابت ہے۔

نیز صحیح بخاری میں مروی ہے کہ عوالی بستیوں کے صحابہ کرامؓ باری باری جمعہ پڑھنے کیلئے مدینہ آیا کرتے تھے، اگر وہاں جمعہ جائز ہوتا تو اس کی کوئی ضرورت نہ تھی، اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات میں جمعہ کے دن ظہر کی نماز پڑھائی ہے، جس پر تمام روایات متفق ہیں، یہ تمام دلائل اس قدر قوی ہیں کہ حنفیہ کے مسلک کو ضعف دلیل کی بنیاد پر چھوڑنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا'' (فتاوی عثمانی: ۱/ ۵۶۳، ۵۶۴، ط: نعیمیہ، دیوبند)۔

" ولو أن رجلا برء من مذهبه باجتهاد و صح له كان محمودا مأجورا ، أما انتقال غيره من غير دليل بل لما يغب من غرض الدنيا و شهوتها فهو مذموم الأثم المستوجب للتأديب والتعزير ، لإرتكابه المنكر فى الدين واستخفافه بدينه و مذهبه" (شامی باب التعزیز/ مطلب فیما إذا ارتحل إلی غیر مذہبہ ۴/ ۸۰ ط: کراچی)۔

البتہ رہی یہ مصلحت کہ اقامت جمعہ کا یہ نظام عام مسلمانوں کو کسی نہ کسی درجہ میں دین سے جوڑے رکھے گا، اور آج کل کے گمراہ فتنوں سے ان کو آگاہ کیا جاسکے گا اور ان کے ایمان کی حفاظت کرے گا، تو اس کے واسطے میرے خیال سے جمعہ کا

قیام ہی کوئی ضروری نہیں ہے، بلکہ اس کا حصول تو اس سے بھی ہوسکتا ہے کہ جمعہ کی جگہ ظہر کی نماز ہی ادا کی جائے، لیکن جس طرح جمعہ سے پہلے وعظ ونصیحت کا نظام ہے، تو چھوٹے گاؤں میں بھی ظہر سے پہلے وعظ ونصیحت کا نظام قائم کیا جائے اور عام مسلمانوں کو نیز ناخواندہ یا کم خواندہ مسلمانوں کو اس میں شریک ہونے کی ترغیب دی جائے، اور پند ونصائح کے ذریعہ سے ان کو اسلامی احکامات اور آج کل کے گمراہ فتنوں سے بھی آگاہ کیا جائے، تاکہ وہ کسی نہ کسی درجہ میں دین سے وابستہ رہیں اور ان کے ایمان کی حفاظت ہوتی رہے، اور ان کو جمعہ کے دن کی عظمت کا اور ایک درجہ میں جمعہ پڑھنے کا احساس بھی ہوتا رہے۔

☆☆☆

جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط
(موجودہ حالات میں)

مفتی اقبال احمد قاسمی☆

جمعہ کی اہمیت اور نماز جمعہ کی شرائط:

اسلام میں جمعہ کے دن کی بڑی اہمیت ہے، حدیث پاک میں ہے:

"خیر یوم طلعت علیه الشمس یوم الجمعه فیه خلق آدم وفیه أدخل الجنه وفیه أخرج منها ولا تقوم الساعة إلا فی یوم الجمعه" (مسلم، مشکوۃ ۱/۱۱۹)۔

(جن دنوں پر سورج طلوع ہوتا ہے ان میں سب سے بہتر دن جمعہ کا دن ہے، اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی، اسی دن انہیں جنت میں بھیجا گیا، اسی دن وہ جنت سے باہر تشریف لائے اور قیامت بھی اسی جمعہ کے دن ہی قائم ہوگی)۔

جمعہ کی مذکورہ اہمیت و دیگر فضائل کی بناء پر جمعہ کے دن کچھ خصوصی اعمال وارد ہوئے ہیں، مثلاً درود شریف کا اہتمام (مشکوۃ ۱/۱۲۱)، سورہ کہف کی تلاوت (ابن کثیر ص ۸۰۳)، غسل ونظافت اور خوشبو کا استعمال وغیرہ (مشکوۃ ۱/۱۲۲)، نیز جمعہ کے دن فریضۂ ظہر کی جگہ مخصوص اجتماع کے ساتھ نماز جمعہ کی ادائیگی کا حکم، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **"یأیها الذین آمنوا إذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة فاسعو إلیٰ ذکر الله وذروا البیع"** (الجمعۃ:۹) (اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور بیع کو چھوڑ دو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو)۔

اس آیت کی رو سے جس طرح جمعہ کی فرضیت ثابت ہوتی ہے، اسی طرح آیت میں وارد کلمات کے اشارات اور احادیث وآثار صحابہ کی تصریحات سے یہ بات بھی بلا اختلاف مسلم ہے کہ جمعہ کی نماز صلواتِ خمسہ کی طرح نہیں ہے کہ اس کی ادائیگی انفراداً واجتماعاً، اداء وقضاء اور ہر جگہ صحیح ہوجائے اور مرد وعورت، مقیم مسافر آزاد وغلام سب پر واجب قرار پائے، بلکہ اس کے لئے کچھ خصوصی شرائط ہیں جو دوسری عام نمازوں کے لئے نہیں ہیں، چنانچہ اس آیت کے تحت فقیہ ابوبکر جصاص رازیؒ

☆ صدر مدرس ومفتی مدرسہ مظہر العلوم، کانپور یوپی۔

نے تحریر فرمایا ہے:

"اتفق فقهاء الأمصار على أن الجمعة مخصوصة بموضع لايجوز فعلها فى غيره لأنهم مجمعون على أن الجمعه لا يجوز فى البوادى ومناهل الأعراب" (احکام القرآن للجصاص ۳/۶۶۶ الجمعۃ)۔

مسند الہند الامام ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: **"وقد تلقت الأمة تلقيا معنويا من غير تلقى لفظ أنه تشترط فى الجمعة الجماعة ونوع من التمدن ، وكان النبى ﷺ وخلفاء ه وأصحابه رضى الله عنهم والأئمة المجتهدون رحمهم الله تعالىٰ يجتمعون فى البلدان ولايؤاخذون أهل البدو، بل ولايقام فى عهدهم فى البدوففهموا من ذلک قرنا بعد قرن عصرا بعد عصر أنه تشترط لها الجماعة والتمدن ، أقول : وذلک لأنه لما كان حقيقة الجمعة إشاعة الدين فى البلد ،وجب أن ينظر إلى تمدن وجماعة"** (حجۃ اللہ البالغۃ، الجمعۃ فی البلدان ۲/۷۶)۔

(یعنی جمعہ کے لئے ایک قسم کی شہریت اور جماعت بالاتفاق شرط ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء اور مجتہدین نے بلدان میں جمعہ قائم کیا ہے، بوادی میں قائم نہیں کیا، جس سے ہر زمانہ کے لوگوں نے سمجھا ہے کہ جمعہ کے لئے جماعت اور تمدن شرط ہے اور یہ اس لئے کہ جمعہ کی حقیقت وغایت اشاعۃ الدین فی البلدان ہے، لہٰذا جماعت اور تمدن کو مدنظر رکھنا ضروری ہے)۔

اور یہی وجہ ہے کہ ائمہ اربعہ اور محدثین میں سے کسی کے نزدیک بھی میدان اور جنگل میں آبادی سے دور جمعہ جائز نہیں ہے: **"لا تقوم الجمعة فى المفازة عند الأربعة"** (البنایہ للعینی باب الجمعۃ ۱/۱۰۰۰)۔

علامہ ابن قیم حنبلیؒ فرماتے ہیں: **"(الحادية والعشرون من خصائص يوم الجمعة) أن فيه صلوة الجمعة التى خصت من بين سائر الصلوات المفروضة بخصائص لاتوجد فى غيرها من الاجتماع والعدد المخصوص واشتراط الإقامة والاستيطان"** (زاد المعاد لابن قیم، فصل فی ھدیہ صلی اللہ علیہ وسلم فی تعظیم یوم الجمعۃ/۱۵۰)۔

ائمہ اربعہ کی تصریحات:

باتفاق فقہاء جمعہ سے متعلق آیت بالا اپنے اطلاق وعموم پر نہیں ہے، اسی لئے ائمہ اربعہ کے نزدیک جس طرح جمعہ کی فرضیت سے خواتین، غلام ومسافر مستثنیٰ ہیں، اسی طرح جگہ کے اعتبار سے بھی بعض قیودات ہیں اور بعض مقامات اس سے مستثنیٰ ہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے کہ مطلقاً اقامت جمعہ ہر جگہ جائز قرار دیا گیا ہو، چنانچہ ائمہ اربعہ کے مسلک کی تصریحات ملاحظہ ہوں:

"ففی نیل المآرب لفقه الحنابله :لصحة الجمعة أربعة شرائط أحدها: الوقت والثانی :أن تکون بقریة مبنیة بماجرت به عادة أهلها لامن قصب یستوطنها أربعون رجلا استیطان الإقامة لایظعنون عنها والثالث: حضور أربعین صلاتها وخطبتها، الرابع: تقدم خطبتین" (أوجز المسالک باب ماجاء الامام ینزل بقریة یوم الجمعة فی السفر ۲/ ۲۴۴)۔

فقہ مالکیہ کی مختصر الخلیل میں ہے:"شرط الجمعة وقوع کلهابالخطبة وقت الظهر باستیطان بلد أوخصاص لاخیم وبجامع مبنی متحد" (اوجز ۲/ ۲۵۴)۔

فقیہ شافعی صاحب" اقناع" نے تحریر کیا ہے:

"شرائط فعلها ثلاثة: الأول :البلد مصراکانت أو قریة والثانی: عدد أربعین والثالث: الوقت" (اوجز المسالک ۲/ ۴۳۰ کتاب الجمعة)۔

حنفیہ کا مسلک معروف ومشہور ہے:"لا تصح الجمعة إلا فی مصر جامع أومصلی المصر" (ہدایہ ۱/ ۱۶۸ باب صلوٰۃ الجمعۃ)۔

خلاصہ یہ ہے کہ مطلقا جمعہ کا قیام بلا شرائط کسی کے نزدیک نہیں ہے، البتہ شرائط کی نوعیت میں فقہاء کا اختلاف چلا آرہا ہے، احناف کے مسلک میں صحت جمعہ کے لئے مندرجہ ذیل سات شرائط ہیں: (۱) شہر، قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا، (۲) حاکم یا اس کا قائم مقام ہونا، (۳) ظہر کا وقت پایا جانا، (۴) خطبہ کا ہونا، (۵) خطبہ کا جمعہ سے پہلے ہونا، (۶) کم از کم ۳/ مردوں کا جمعہ کی جماعت میں شامل ہونا اور (۷) جمعہ کی شرکت کی عام اجازت ہونا۔

"ویشترط لصحتها سبعة أشیاء : الأول : المصر الخ والثانی : السلطان الخ والثالث : وقت الظهر الخ والرابع : الخطبة فیه الخ والخامس : کونها قبلها الخ والسادس : الجماعة الخ والسابع : الإذن العام" (درمختار ۳/ ۲۵)۔

مذکورہ بالا شرائط میں سے شرط دوم" سلطان وقت کی قید" دارالاسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور جس جگہ مسلمانوں پر کفار کا غلبہ ہو وہاں مسلمان ازخود جمعہ کے قیام کا بندوبست کریں گے اور یہ وہاں کے مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی۔

فقہاء لکھتے ہیں:"وإذا لم یمکن استیذان السلطان لموته أوفتنة، واجتمع الناس علی رجل ، فصلی بهم للضرورة کما فعل علی رضی الله عنه فی محاصرة عثمان رضی الله عنه ، وإن فعلوا ذلک لغیر ما ذکر، لا یجوز لعدم الضرورة، وروی ذلک عن محمد فی العیون ، وهو الصحیح ، وفی مفتاح السعادة

عن مجمع الفتاویٰ : غلب علی المسلمین ولاۃ الکفار ، یجوز للمسلمین إقامۃ الجمع والأعیاد ، ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین ، ویجب علیہ بأن یلتمسوا والیا مسلما ، اھ "(طحطاوی علی مراقی الفلاح ر ۲۹۴ ھکذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ ۱ ر ۱۴۶)۔

مصر کی شرط اور اس کا مفہوم:

قیام جمعہ کے لئے فی الجملہ تمدن کی شرط تو متفق علیہ ہے، پھر مدنیت کی صورت کی تعیین میں اختلاف ہے، جیسا کہ گزرا احناف کے نزدیک اس سے مراد احادیث وآثار کی رو سے مصر ہے اور مصر کا اطلاق مصر (شہر) کے علاوہ قصبات (ٹاؤن ایریا) اور قریہ کبیرہ (بڑے گاؤں) کو بھی شامل ہے: "**وتقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرۃ التی فیھا أسواق**" (ردالمحتار باب الجمعۃ ۲ ر ۱۳۸)۔

اب رہا مسئلہ مصر اور فنائے مصر اور مصر کے حکم میں قصبہ وقریۃ کبیرہ کی تعریف، تحدید وتعیین کا تو اس میں درجنوں اقوال ملتے ہیں اور فقہاء کا مصر کی تعریف میں شدید اختلاف نظر آتا ہے "اور شد پریشاں خوابِ من از کثرت تعبیر ہا" کا مصداق معلوم ہوتا ہے، کیونکہ فقہاء کی بیان کردہ درجنوں حدود وقیود میں سے کسی ایک تعریف کو طے کرنا مشکل اور حیران کن مرحلہ ہے، لیکن الحمدللہ معمولی تأمل اور ادنیٰ غور وفکر سے یہ پیچیدگی حل ہوجاتی ہے، چنانچہ حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے اور قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے اس مسئلہ کو بحسن وخوبی حل کردیا ہے، حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمۃ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"مصر کی تشریح میں ہمارے اصحاب (حنفیہ) کے اقوال مفہوم کے اعتبار سے باہم یکسانیت رکھتے ہیں گو کہ الفاظ وتعبیرات میں اختلاف ہے، ظاہر روایت میں قاضی کی شرط لگانا اس بناء پر ہے کہ ظاہر روایت کے مطابق نفاذ قضاء کے لئے مصر ہونا شرط ہے، جیسا کہ باب القضاء کے مسائل تعزیر میں ہے، اور متاخرین کی یہ تعریف کہ بڑی مسجد اس آبادی کے لئے کافی نہ ہوگی مسجد کے لئے متعدد ہونے پر محمول ہے، آبادی کی کثرت کی وجہ سے.....اور حاصل یہ ہے کہ مصر کی تعریف عرف اور لغت پر محمول ہے" (مباحث فقہیہ ص ۲۲۴)۔

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے فتاویٰ میں ہے :

"مصر کی تعریفات بہت مختلف ملتی ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ تعریفات بالکنہ نہیں کہ ذاتیات جنس وفصل کے ذریعہ ان کو حد تام قرار دیا جائے، بلکہ درحقیقت علامات کے ذریعہ تقریب الی الفہم مقصود ہے، عرف کے تغیر سے بھی علامات متغیر ہوتی رہتی ہیں اور جغرافیائی حیثیت سے بھی تغیر ہوتا ہے، پس زمان ومکان دونوں ہی مؤثر ہیں" (فتاویٰ محمودیہ ۸ ر ۸۲ ڈابھیل)۔

دوسری جگہ ہے: ''نماز جمعہ کے لئے کچھ خصوصیات وشرائط ہیں، ان میں ایک شرط ''مصریت بھی ہے۔ مصر کی تعریف جو کی جاتی ہے وہ حد حقیقی نہیں کہ (جنس وفصل سے مرکب ہوکر اجزائے حقیقیہ پر مشتمل ہو) جب کہ وہ تعریف محض علامت کے طور پر ہے اور علامات عرف کے بدلنے سے بکثرت بدلتی رہتی ہیں، قدر مشترک کے طور پر سب تعریفوں میں یہ رعایت کی گئی ہے کہ اس جگہ ''مدنیت'' ہو جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں بیان فرمایا ہے'' (۸/۱۳۳)۔

قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے مزید وضاحت کے ساتھ اس گتھی کو سلجھایا ہے، فرماتے ہیں: ''لہٰذا مذکور الصدر مباحث کی روشنی میں میرے نزدیک کونسی آبادی مصر ہے اور کونسی قریہ، اور پھر کونسی آبادی قصبہ ہے، کونسی قریہ کبیرہ ہے، اور کونسی قریہ صغیرہ اور شہریت کی کیا خصوصیات ہیں؟ قصبات کے کیا امتیازات ہیں، قریہ کبیرہ کہتے وقت عموماً کن صفات کو سامنے رکھا جاتا ہے، ان تمام امور کو عرف پر محمول کرنا چاہئے، جو عرف وزمانہ اور مختلف علاقوں کے فرق کے ساتھ ساتھ متغیر ہوتا رہتا ہے، عرف ہی فیصلہ کرے گا کہ کس آبادی کی کیا حیثیت ہے، یہ اصول اگر آپ تسلیم کرلیں تو فقہاء کی تعبیرات کی مابین جو الفاظ کے فرق ہیں، ان سے آپ کو الجھن نہیں ہوگی، بلکہ آپ اسے اختلاف عصر وعرف پر محمول کریں گے اور یہ سارے فرق ''وهذا من اختلاف عصر وزمان لا من حجة وبرهان'' کے ذیل میں آئیں گے جن سے کسی ذہنی الجھنوں میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں رہے گی۔

اب ایک امر واضح کردینے کی ضرورت ہے کہ فقہ حنفی کے رو سے جمعہ کی ادائیگی مصر میں تو درست ہے ہی قصبات قریہ کبیرہ میں بھی درست ہے، جیسا کہ شامی نے قہستانی سے نقل کیا ہے: جمعہ قصبات اور ایسے گاؤں میں بھی فرض ہوجائے گا جہاں بازار ہو، البتہ ''قریہ صغیرہ میں درست نہیں۔

اور جیسا کہ پہلے واضح ہوچکا کہ جس آبادی کو جس علاقہ میں عرف کے اعتبار سے شہر سمجھا جاتا ہے وہ شہر ہے، جس کو قصبہ قرار دیا جاتا ہے قصبہ، اور جس کو لوگ بڑا گاؤں، بڑی بستی کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں وہ ''قریہ کبیرہ'' ہے، اور جس کو لوگ چھوٹا گاؤں کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں وہ ''قریہ صغیرہ'' قرار پائے گی اور وہاں جمعہ درست نہیں ہوگا۔

مصر کی تعریف میں دو بنیادی باتیں:

اب ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ ان مختلف اقوال میں قدرِ مشترک کیا ہے؟ اس کا پتہ چلایا جائے، ان تمام اقوال پر نظر غائر ڈالنے سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ ایک قریہ اور مصر کے درمیان جو فرق ہے اس کی بنیادیں دو ہیں: (۱) ایک تو آبادی اور مردم شماری کا فرق، (۲) دوسرے مرکزیت اور مرجعیت کا فرق، یعنی ''قریہ صغیرہ'' کی آبادی بمقابلہ ''قریہ کبیرہ'' وقصبات ومصر علی العموم کم ہوتی ہے، دوسرے مصر میں ایک شان فی الجملہ مرکزیت کی ایسی پائی جاتی ہے کہ وہ علاقہ واطراف

کے لوگوں کے لئے ایک درجہ میں مرجع بن جاتا ہے۔

چنانچہ امام ابوحنیفہؒ سے جو تعریف منقول ہے، اس میں مصر کی علامت یہ بتائی گئی ہے کہ وہاں گلیاں، بازار، اور محلے ہوں گے جو ظاہر ہے کثرت آبادی پر دال ہے، اور قاضی کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ مضافات کے لوگ وہاں مقدمات لے کر آئیں گے، وہاں مفتی و عالم کا قیام جو مرجع ہو اس بات کی علامت ہے کہ وہ علاقہ کے لوگوں کے لئے مرجع ہوگا، پس اس سے اس آبادی کی مرکزیت معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح دوسری تعریف "**مالایسع اکبر مساجد اهله** "سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آبادی میں متعدد مسجدیں ہوں گی، اور ان کی آبادی اتنی بڑی ہوگی کہ اگر تمام مکلفین ان مسجدوں میں سے سب سے بڑی مسجد میں جمع ہو جائیں تو وہ مسجد ان کے لئے ناکافی ہو جائے گی، اس سے معلوم ہوا کہ وہ آبادی کثیر ہوگی۔

اسی طرح بعض مشائخ سے مروی یہ تعریف کہ، ہر پیشہ والا اپنے ہی پیشہ سے سال بھر کی روزی کما لے، اسے دوسرے پیشہ کے اختیار کرنے کی ضرورت نہ پڑے، اسی سے اس مقام کی کثرت آبادی اور علاقہ و مضافات کی مرکزیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہاں ہر پیشہ ور کو سال بھر کا کام بے تکلف مل جاتا ہے۔

اسی طرح بعض لوگوں نے یہ تعریف کی ہے کہ" وہ آبادی جہاں کی آبادی کا شمار بغیر زحمت اور دشواری کے معلوم نہ ہو سکے" آبادی کی معتدبہ کثرت پر دلیل ہے۔

پس اگر آپ ان تمام تعریفات پر اس نقطہ نظر سے غور کریں تو آپ کی الجھنیں دور ہو جائیں گی اور آپ محسوس کریں گے کہ ان اقوال میں کوئی اضطراب نہیں ہے، بلکہ اس آبادی کی کثرت اور اس مقام کی مرکزیت کے اظہار کے لئے ہر فقیہ نے اپنے زمانہ اور اپنے عصر کے اعتبار سے خود مرکزیت اور آبادی کی زیادتی کو جو اسے" قریہ کبیرہ"، یا قصبہ، یا مصر کی تعریف میں داخل کر دے مختلف لفظوں میں تعبیر کیا ہے، ان میں کوئی تعارض نہیں۔

اب اس ذیل میں ایک امر کی اور وضاحت ضروری ہے، وہ یہ کہ آبادی کی کثرت کے لئے فقہاء نے کسی متعین تعداد کی تشخیص نہیں کی ہے۔ (سوائے ایک قول کے جو امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے، جس میں انہوں نے دس ہزار کی آبادی کو مصر کا معیار مقرر کیا ہے، میرے نزدیک یہ اس دور کے اعتبار سے مصر کا معیار ہے، اسے قصبات یا قریہ کبیرہ پر منطبق نہیں کیا جا سکتا) بلکہ علی الاجمال" قریہ کبیرہ"، یا قصبہ، یا مصر کے الفاظ استعمال کئے ہیں، اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ ان کی تعیین عرف پر محمول ہوگی، البتہ یہاں ایک خاص بات قابل لحاظ یہ ہے کہ جہاں تک مصر کا تعلق ہے، وہ معروف و متعین ہے، کوئی کسی شہر کو دیہات اور کوئی دیہات کو شہر نہیں سمجھتا، اسی طرح قصبات کا بھی حال ہے، قصبہ کی حیثیت شہر کی ہی طرح نمایاں اور ممتاز ہوتی

ہے، البتہ قری کے مابین کبیرہ اور صغیرہ کے فرق کو تھوڑا اشتباہ ہوتا ہے، اس بارے میں مختلف علاقوں میں اسفار اور دوروں کے درمیان میں نے محسوس کیا ہے کہ مختلف مقامات پر آبادی کا حال مختلف ہے، بعض علاقے ایسے ہیں جہاں رقبہ کم ہے اور آبادی زیادہ وہاں عموماً مجتمع اور گھنی آبادی کا رواج ہے، اور جہاں آبادی کم اور رقبہ زیادہ ہے وہاں عموماً منتشر آبادیاں ہیں، یکجا بہت بڑی آبادی کم ملتی ہے، اب اگر گھنی آبادی والے ''قریہ کبیرہ'' کا معیار منتشر آبادی والے علاقہ پر منطبق کیا جائے تو شاید کوئی آبادی بھی ''قریۂ کبیرہ'' کی تعریف کے ذیل میں نہیں آئے یا بہت شاذ و نادر، اس لئے میری رائے ہے کہ جس علاقہ میں کسی آبادی کو بڑا سمجھا جانے کا جو معیار ہو، وہی معیار اس علاقہ پر نافذ ہوگا، اس طرح مثلاً: اگر کسی علاقہ میں تین چار سو گھر کی آبادی سے کم کوئی بڑا گاؤں نہیں کہا جاتا ہو تو یہ معیار اس علاقہ پر نافذ نہیں ہوگا، جہاں ۱۰۰ گھر سے اوپر کی آبادی کو قریہ کبیرہ میں شمار کیا جاتا ہے، اسلئے کہ عرف کی تبدیلی میں جس طرح اختلاف عصر و زمان کا اثر پڑتا ہے اسی طرح اختلاف محل و مکان کا بھی۔

جہاں جمعہ واجب ہے:

پس مندرجہ بالا تفصیلی مباحث کی روشنی میں میرے خیال میں فقہ حنفی کی رو سے:

(الف) شہروں میں جمعہ واجب ہے۔

(ب) قصبات میں جمعہ واجب ہے۔

(ج) دیہاتوں میں جو دیہات اپنی آبادی کے اعتبار سے بڑے شمار کئے جاتے ہیں۔

(د) آبادی تو تھوڑی ہے لیکن تھانہ کا صدر مقام ہے یا بلاک ہیڈ کوارٹر ہے یا وہاں مستقل بازار ہیں جہاں مضافات کے دیہات کے لوگ یا دوکاندار سامان خریدتے ہیں، غرض یہ کہ اس بستی کو مضافات کی بستیوں کے درمیان فی الجملہ مرکزیت حاصل ہے۔

خلاصہ یہ کہ کثرت آبادی (اتنی جسکی وجہ سے عرف میں اسے بڑا گاؤں سمجھا جاتا ہو) یا اس میں مرکزیت و مرجعیت کی شان ہو تو ایسی آبادیوں کو مصر و قصبات قرار دے کر جمعہ درست قرار دیا جائے گا'' (مباحث فقہیہ: ۲۱۸ تا ۲۲۲)۔

حاصل بحث:

خلاصہ یہ کہ موجودہ حالات میں مصر کی تعریف عرف میں جو مفہوم ہے وہی رہے گی، نیز فناء مصر قصبہ اور قریہ کبیرہ بھی بتصریحات فقہاء مصر کے حکم میں داخل رہے گا، البتہ قریۂ صغیرہ اس حکم سے حسب سابق مستثنیٰ اور خارج رہے گا۔

اب رہا مسئلہ دینی ضرورت وتقاضے کا کہ موجودہ دور میں جمعہ بہت سے ناخواندہ اور کم خواندہ مسلمانوں کے ایمان کے تحفظ کا ذریعہ ہے اس بنا پر مصر کی ایسی تعریف کرنا کہ اسکا دائرہ اس حد تک وسیع ہوجائے کہ قریۂ صغیرہ (چھوٹے چھوٹے گاؤں) بھی مصر کی تعریف کے تحت داخل ہوجائیں تو ظاہر ہے کہ مصر کی تعریف میں ایسی تبدیلی جو عرف کے مفہوم کے بالکل مغایر ہو یہ خلاف حقیقت ہوگی اور عقل ونقل کے بھی خلاف ہوگی، نیز تمصر وتمدن کی شرط کی خلاف ورزی کر کے معمولی معمولی گاؤں میں مطلقا بلا کسی شرط کے جمعہ کے جواز کا دروازہ کھولنا یہ آئمہ اربعہ کے متفقہ موقف کے بھی خلاف ہوگا، البتہ بعض مقامات میں دینی ضرورت کے تحت دوسرے مسلک کی شرائط کی رعایت کے ساتھ قیام جمعہ کی راہ نکالی جاسکتی ہے (اسکی تفصیل آگے آرہی ہے)۔

۲-کسی بھی آباد مسلمانوں کی بستی میں جمعہ کا قیام:

جہاں کہیں مسلمان باضابطہ آباد ہیں اگرچہ وہ کسی چھوٹی بستی میں بستے ہوں وہ احکام شرع کے مکلّف ہیں، انہیں نماز روزہ کا اہتمام لازم ہے، اب وہ جمعہ کے دن کیا کریں؟ ان کو جمعہ کے دن جمعہ کی ادائیگی کرنی چاہئے یا عام دنوں کی طرح ظہر پڑھنا چاہئے؟ اس سلسلہ میں احناف کا نقطۂ نظر واضح ہے کہ جب تک مسلمانوں کی مذکورہ بستی قریۂ کبیرہ یا قصبہ کا مصداق نہ ہوتو وہاں جمعہ کی شرط ''مصر'' ہونا مفقود ہونے کے سبب جمعہ کا قیام درست نہ ہوگا، بلکہ ظہر پڑھنا یا کسی قریب بستی میں جا کر جمعہ پڑھنا لازم ہوگا، احناف کے علاوہ باقی ائمہ کے نزدیک یہ مصر کی شرط تو نہیں ہے، لیکن وہاں مقیم مسلمانوں کی تعداد کی بحث ان کے یہاں بھی ہے، چنانچہ صرف پانچ دس مسلمان کسی چھوٹی سی بستی ''پروہ'' میں رہتے ہوں تو کسی کے نزدیک وہاں جمعہ پڑھنا جائز نہیں، بلکہ شوافع وحنابلہ کے نزدیک چالیس عاقل بالغ افراد کا جمعہ میں شرکت کرنا جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے، جبکہ مالکیہ کے یہاں بارہ افراد پر بھی جمعہ مشتمل ہوسکتا ہے؛ بشرطیکہ اس چھوٹی بستی میں باضابطہ کوئی جگہ متعین ہو جہاں جمعہ پڑھا جائے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ جمعہ کا حکم عام نہیں ہے، اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے، چند تصریحات حسب ذیل ہیں:

''**لاتقام الجمعة فی المفازة عند الأربعة**'' (البنایہ للعینی باب الجمعۃ ۱/۱۰۰۰)۔

''**صلوة الجمعة التی خصت من بین سائر الصلوات المفروضة بخصائصها لاتوجد فی غیرها من الاجتماع والعدد المخصوص و اشتراط الإقامة والاستیطان**'' (زادالمعاد لابن قیم/۱۵۰)۔

''**اتفق فقهاء الأمصار علی أن الجمعة بموضع لایجوزفعلها فی غیره لأنهم مجمعون علی أن الجمعة لایجوز فی البوادی ومناهل الأعراب**'' (احکام القرآن للجصاص/۲۸۔الجمعہ)۔

''**المصر الجامع شرط وجوب الجمعة ویشترط صحة أدائها عند أصحابنا الحنفیه**۔

"ولم تشترط المذاهب الأخرى هذالشرط۔

فأما الشافعية: فاكتفوا باشتراط إقامتها فى خطة أبنية سواء كانت من بلدة أو قرية، قال صاحب "المهذب" لاتصح الجمعة إلافى أبنية يستوطنها من تنعقد بهم الجمعة من بلد أوقرية ۔ وأما الحنابلةفلم يشترطوا ذلک أيضا وصححوا إقامتها فى الصحارى و بين مضارب الخيام، قال صاحب "المغنى" ولايشترط صحة الجمعة إقامتها فى البنيان ويجوز إقامتها فيما قاربه من الصحراء

وأما المالكية: فإنما شرطوا أن تقام فى مكان صالح للاستيطان فتصح إقامتها فى الأبنية أوالأخصاص، لصلاحها للاستيطان فيها مدة طويلة ولاتصح فى الخيم لعدم صلاحيتها لذلک فى الغالب ۔۔۔" (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۷/ ۱۹۷)۔

"واشترط الشافعية والحنابلة أن لايقل المجمّعون عن أربعين رجلا تجب فى حقهم الجمعة قال صاحب المغنى: أما الأربعون فالمشهور فى المذاهب أنه شرط لوجوب الجمعة وصحتها۔۔۔ ويشترط حضورهم الخطبتين ۔

وقال المالكية: يشترط حضور إثنى عشر من أهل الجمعة" (الموسوعۃ الفقہیۃ ۲۷/ ۲۰۲)۔

مذکورہ بالا فقہاء کی تصریحات کی روشنی میں یہ بات تو واضح ہوگئی کہ علی الاطلاق جمعہ کے قیام کا جواز کسی کے یہاں نہیں ہے، البتہ شرائط میں اختلاف ہے، احناف کے یہاں شرط کچھ سخت ہے جس کی وجہ سے عام چھوٹی سی بستیاں اس سے خارج ہوجاتی ہیں، ائمہ ثلاثہ کے یہاں شرائط بآسانی پورے ہوسکتے ہیں، جہاں چالیس افراد عاقل و بالغ مسلمان بستے ہوں وہ جمعہ میں حاضر ہوکر جمعہ قائم کرسکتے ہیں (علی اختلاف الاقوال)۔

لیکن احناف کو اس مسئلہ میں دوسرے امام کے مسلک کو اختیار کرنے اور خروج عن المذہب کرنے کی کوئی معقول وجہ اور واقعی ضرورت پیش نظر رکھنا لازم ہے، ورنہ اپنے اکابر علماء دیوبند اور فقہاء عظام نے ابھی تک اسکی گنجائش نہیں دی ہے، چنانچہ حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی کے متعدد فتاوی میں ہے:

''حنفی کو اس مسئلہ میں دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت نہیں'' (فتاوی محمودیہ ۸/ ۹۱)۔

''جس بستی میں جمعہ کے شرائط نہ ہوں وہاں جمعہ پڑھنا مسلک حنفیہ کے خلاف ہے، وہاں ظہر پڑھنا ضروری ہے، اگر علماء وہاں جمعہ پڑھتے اور پڑھاتے ہیں تو غلطی کرتے ہیں ان کا اس میں اتباع نہیں کرنا چاہئے۔

بغیر شرائط کے جمعہ پڑھنے سے ظہر کی نماز ذمہ سے ساقط نہیں ہوگی'' (محمودیہ ۸/ ۱۰۰، ڈابھیل)۔

''احتیاط حنفی مذہب پر عمل کرنے میں ہے، حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح فرمایا ہے کہ جمعہ کے معاملہ میں اگر امام شافعیؒ کے قول پر احتیاط ہوتی تو میں اس پر فتویٰ دیدیتا مگر احتیاط حنفی مذہب میں ہے'' (محمودیہ ۸/۱۷۶، ڈابھیل)۔

تقریبا یہی عدم جواز کی بات (امداد الفتاوی ۱/۲۶۶، فتاوی دار العلوم دیوبند ۵/۹۹، امداد الاحکام ۱/۷۰۶، احسن الفتاوی ۴/ ۱۳۲، خیر الفتاوی ۳/ ۴۳، کتاب النوازل، فتاوی قاسمیہ) وغیرہ میں مذکور ہے۔

گنجائش کا پہلو:

ہندوستان کے حالات حاضرہ اور مصالح دینیہ، نیز دفع مفاسد کے خاطر مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی علیہ الرحمہ نے اپنے فتاوی میں جابجا توسع اختیار کیا ہے، نیز صاف صاف اس مسئلہ میں امام شافعی کے مذہب کے مطابق جواز جمعہ کا فتوی دیا ہے، فرماتے ہیں:

''حنفی مذہب کے موافق ایسی چھوٹی بستی میں جمعہ جائز نہیں، مگر آج کل حنفی اس مسئلہ میں شافعی مذاہب کے اوپر عمل کر سکتے ہیں'' (کفایت المفتی ۵/۱۴۸، زکریا)۔

''اس مسئلہ میں زیادہ سختی کا موقع نہیں ہے اور اس زمانہ کے مصالح عامہ مہمہ اس امر کے مقتضی ہیں کہ اقامت جمعہ کو نہ روکا جائے تو بہتر ہے، بالخصوص ایسی حالت میں کہ مدت دراز سے جمعہ قائم ہو، اس کو روکنا بہت سے مفاسد عظیمہ کا موجب ہوتا ہے'' (کفایت المفتی ۵/ ۱۲۳، زکریا)۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جونپوری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''جمعہ فی القری میں حنفیہ متشدد ہیں: **لقول علیؓ لاجمعة ولاتشریق إلا فی مصر جامع**'' (رواہ عبد الرزاق مسند صحیح)۔

دوسرے ائمہ کے یہاں اتنی شدت نہیں ہے، مخصوص شرائط اگر ہوں تو وہ لوگ جمعہ کو جائز کہتے ہیں، جسے استیطان اور چالیس کا عدد امام شافعیؒ و امام احمدؒ کے نزدیک اور بارہ کا عدد امام مالک کے نزدیک، چونکہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور ان علاقوں میں عامہ احناف رہتے ہیں، اس لئے آپ انتشار کا سبب بننے سے بچیں ایسے وقت کہیں اور چلے جایا کریں، سنا ہے دیوبند والے کچھ نرمی کے قائل ہیں، وہاں سے فتوی منگا کر عمل کیا جا سکتا ہے'' (نوادر الفقہ/ ۵۴)۔

احناف میں سے جبال علم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت مولانا عبد العلی فرنگی محلی اور مولانا قاسم نانوتویؒ کا رجحان جمعہ فی القریٰ کے مسئلہ میں نرمی و سہولت کا ہے، چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (مصفّٰی شرح مؤطا ص: ۱۵۳ باب التشدید علی ترک الجمعۃ) میں اور مولانا عبد العلی'' ارکان اربعہ'' میں دیہات میں جمعہ کی اجازت دیتے ہیں، مفتی کفایت اللہ

دہلوی فرماتے ہیں کہ ان بزرگوں کے قول کا یہ مطلب ہے کہ شرط مصر ہمارے نزدیک ضروری نہیں، اگرچہ حنفی مذہب اسکے اشتراط کی تصریح کرتا ہے، یہ مطلب نہیں کہ حنفیہ کے مذہب میں مصر شرط نہیں.....ان دونوں بزرگوں نے اس میں اگر حنفیہ کے اصل مذہب سے سے عدول کیا تو حنفی ہونے سے نہ نکلیں گے، کیونکہ ان کا تبحر اور درجۂ تحقیق بہت اعلی ہے (کفایت المفتی ۱۲۸/۵)۔

مولانا قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ ''فیوض قاسمیہ'' میں فرماتے ہیں:

''چوں موافق ایں تقریر این شرط از میان برخاست شرط مصر ہم بیک طرف رفت چہ اشتراطش ملزوم اشتراط شرط امیر بود۔ آرے ظاہر الفاظ روایات مشعرۂ ضرورت مصر عام اند، لہذا احتیاط ہمیں است کہ تا مقدور رعایت شہر پیش نظر ماند و اگر کسے در دیہے جمعہ قائم کند دست و گریبانش نہ زنند کہ اول ایں شرط ظنی بود باز حسب تقریر مذکورہ ضعفے دگر دراں بہم رسید'' (فیوض قاسمیہ/۳۰)۔

(اور جب اس تقریر کے موافق یہ شرط (امام عام) درمیان سے برخاست ہوگئی تو شرط مصر بھی ایک طرف کو کھسک گئی، کیونکہ مصر کی شرط خود امیر کے لئے ہی ہے، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ روایت جو ضرورت مصر کی طرف اشارہ کرتی ہیں عام ہیں، لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ حتی المقدور رعایت شہر پیش نظر ہو اور اگر کوئی کسی دیہات میں جمعہ قائم کرلے تو اس سے دست وگریباں نہ ہو۔

اول اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ شرط (مصر) ہی ظنی تھی، دوم حسب تقریر گذشتہ ایک طرح کا ضعف اس میں مزید داخل ہوگیا)۔

خلاصہ یہ کہ حنفیہ کے معروف مذہب اور اکابر علماء جمہور کے عام فتوی کے برعکس ایسی چھوٹی بستیوں میں جمعہ کا نظام جہاں مسلمانوں کی باقاعدہ آبادی ہو اور ان کے عاقل بالغ مردوں کی تعداد جو جمعہ میں شرکت کریں چالیس تک پہونچتی ہو تو احوال زمانہ کے پیش نظر ضرورتاً ایسی بستیوں میں جمعہ کے جواز کا قول بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔

۳- دینی ضرورت اور مخصوص حالات میں گاؤں میں نماز جمعہ کا مسئلہ:

جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے احناف نے جو شرائط ذکر کئے ہیں ان میں ایک اہم شرط جمعہ کے مقام کا ''مصر'' ہونا بھی ہے، یعنی جمعہ ایسی جگہ درست ہوگا جو دیہات نہ ہو شہر یا شہر کے مثل ہو، جیسا کہ اسکی تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے، اب رہا مسئلہ کہ جمعہ محض ایک عبادت نہیں؛ بلکہ تذکیر و دعوت بھی ہے اور مسلمانوں کی اجتماعیت کا اظہار بھی ہے اور اسلام کا ایک شعار بھی، نیز ہندوستان جیسے حالات میں عام مسلمانوں کے دینی تحفظ اور اسلام سے وابستگی کا ذریعہ بھی، ایسے مخصوص حالات میں

یہ سوال اہم بن جاتا ہے کہ مسلک کو اہمیت دینے کی وجہ سے اگر کہیں دینی وجود ہی مسلمانوں کا خطرہ میں پڑ رہا ہو تو کیا مسلک (احناف) کو نظر انداز کر کے ان کے ایمان واسلام کی فکر کرنا زیادہ ضروری نہ ہوگا؟ اس سلسلہ میں غور کرنے سے اکثر فقہاء زمانہ کی رائے جو کتابوں میں ملتی ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ دیہات میں جمعہ کا قیام چونکہ احناف کے یہاں شرط فوت ہونے کی وجہ سے جائز نہیں، لہذا وہاں جمعہ پڑھنے سے جمعہ ادا نہ ہوگا اور ظہر کو جمعہ کی شکل میں پڑھنے سے ظہر کا فریضہ بھی ساقط نہ ہوگا اور متعدد مفاسد لازم آئیں گے اور دینی ضرورت جسکی وجہ سے یہ اقدام (قیام جمعہ) کیا جارہا ہے اسکے دیگر حل ہیں، لہذا خروج عن المذہب وغیرہ کی ضرورت محقق نہیں ہورہی، لہذا دیہات میں قیام جمعہ کی اجازت نہ ہونی چاہئے، جبکہ بعض اکابر رحمہم اللہ نے البتہ اس ضرورت کو تسلیم کرتے ہوئے جمعہ فی القریٰ کی اجازت دی ہے، دونوں طرح کی رائے بزرگوں کے فتاویٰ میں ملتی ہے، احقر اولاً عدم جواز کے فتاوی پھر جواز کے فتاوی کا ذکر کر کے آخر میں اپنا رجحان ذکر کرے گا۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے فتاوی میں ہے:

سوال: (۵۶۲): قدیم ۱/ ۶۴۰۔ جن گاؤں اور قریوں میں سوسو پچاس پچاس نمازی ہوں ان کا جمعہ قائم کرنا مستحسن ہے یا نہیں؟ نہ فرض اور واجب؟ تجربہ سے ثابت ہے کہ ان کو جمعہ کی عظمت اور وقعت ہے، اس کے ادا کرنے سے اور پنجگانہ نماز کا بھی شوق رہتا ہے، ورنہ کسل اور سستی ہوجاتی ہے، حتی کہ نمازیں چھوڑ دیتے ہیں، ایسی حالت میں اگر ان کو کوئی منع کرے تو مصیب ہے یا مخطی اور ایسے وقت پر حنفیہ کو مذہب شافعی جواز جمعہ فی القری اور گاؤں پر عمل کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: ''**فی الدرالمختار : نواقض الوضوء لکن یندب للخروج من الخلاف لاسیما للإمام لکن بشرط عدم لزوم ارتکاب مکروہ مذھبہ، وفی ردالمحتار فی بعض المسائل لوأفتی بہ أی بمذھب مالک فی موضع الضرورۃ۔ الخ**'' (درمختار مع الشامی ۱/ ۱۴۷)۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ دوسرے مجتہد کے قول پر عمل کرنا یا تو اس وقت جائز ہے جب اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آوے اور یا موضع ضرورت میں جائز ہے اور ظاہر ہے کہ جمعہ میں نہ تو کوئی ضرورت ہے اور جو مصلحتیں لکھی ہیں یہ حد ضرورت کو نہیں پہنچیں؛ کیونکہ ضرورت کی حقیقت یہ ہے کہ بدون اس کے کوئی ضرر لاحق ہونے لگے اور ضرر سے مراد جرح اور تنگی اور مشقت ہے، سو یہ امور محقق نہیں اور جمعہ پڑھنے سے اپنے مذہب کے چند مکروہات کا ارتکاب بھی لازم آتا ہے: اول نفل کی جماعت، دوم نوافل نہار میں جہر، سوم غیر لازم کا التزام، چہارم ترک جماعت فرض ظہر، پنجم اگر کوئی ظہر نہ پڑھے تو ترک فریضہ کہ حرام اور فسق ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ مصر شرائط جواز جمعہ سے ہے، شرائط وجوب سے نہیں، پس یہ احتمال بھی

دفع ہوگیا کہ اگر واجب نہیں ،تو جائز ہوجائے گا، لہٰذا صورت مسئولہ میں جمعہ پڑھنا حنفیہ کے نزدیک ممنوع اور ناجائز ہے‘‘(۱۶ ربیع الثانی۔ ۱۳۲۵ھ)(امداد الفتاوی جدید مطول حاشیہ ۲۔کتاب الصلوۃ ۔۱۷ باب الجمعۃ والعیدین، ۳/ ۱۴)۔

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی کے متعدد فتاوی میں اس قسم کی تصریحات ہیں ملاحظہ ہوں:

سوال: (۳۷۲۵) دیہات میں اگر جمعہ اس لئے پڑھا جائے کہ مجمع ہوجائے گا اور کچھ مسائل وغیرہ ان کو معلوم ہوجائے تو جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہ پڑھا جائے تو لوگ مسائل سے ناواقف رہ جائیں گے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً:

’’ناجائز ہے، مسائل سکھانے کے لئے دوسرے طرق پنچایت وغیرہ کے ذریعہ سے مجمع کیا جائے‘‘ فقط واللہ سبحانہ و تعالی اعلم (فتاوی محمودیہ ۸/ ۱۵۲، ڈابھیل)۔

سوال: (۳۷۴۷): ہم لوگ جس جگہ رہتے ہیں اس سے دو میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے وہاں پر مسجد غیر آباد ہے، صرف جمعہ کی وجہ سے مسجد آباد ہوسکتی ہے تو اس جگہ جمعہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً:

’’اگر وہ چھوٹا گاؤں ہے تو وہاں جمعہ جائز نہیں، مسجد آباد ہو یا ویران ہو، جمعہ نہ پڑھا جائے، بلکہ پانچوں وقت اذان و جماعت کا انتظام واہتمام کیا جائے‘‘ فقط واللہ تعالی اعلم (محمودیہ ۸/ ۱۷۸، ڈابھیل)۔

’’حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے، ان کے فتاوی کی جو عبارت آپ نے نقل کی ہے کہ ’’مذاہب سب حق ہیں، مذہب شافعیؒ پر عند الضرورۃ عمل کرنا کچھ اندیشہ نہیں مگر نفسانیت اور لذت نفسانی سے نہ ہو عذر یا حجت شرعیہ سے ہووے کچھ حرج نہیں، سب مذاہب کو حق جانے کسی پر طعنہ نہ کرے سب کو اپنا امام جانے‘‘ (فتاوی رشیدیہ) وہ صحیح و معتبر ہے، چنانچہ زوجۂ مفقود کے متعلق دوسرے امام کے مسلک پر فتوی دیا جاتا ہے، کیونکہ وہاں ضرورت متحقق ہے، مسئلہ زیر بحث میں اول تو ضرورت کیا ہے کہ کسی دوسرے امام کے مسلک کو اختیار کیا جائے، دوسرے وہ کون سے امام ہیں جن کے نزدیک ہر چھوٹی بڑی بستی میں جمعہ کا وجوب ہے، جس غلط علم یا عمل میں لوگ مبتلا ہیں اس کی اصلاح کی جائے، یہ ہے اصلی علاج، نہ کہ ان کی خاطر غلط فتوی دے کر ان کی غلطی کو مستحکم کیا جائے‘‘ فقط واللہ سبحانہ وتعالی اعلم (فتاوی محمودیہ ۸/ ۸۸، ڈابھیل)۔

گاؤں میں جمعہ اور تعزیہ پر قیاس:

سوال: (۳۷۱۷): دیہاتوں میں جمعہ ہوتا ہے منع کیا جائے کہ نہیں؟ اگر روکا جائے تو بعض لوگ جو جمعہ کے دن

صرف جمعہ پڑھنے آتے ہیں وہ بالکل چھوڑ دیں گے، بعض لوگ اس کو اسلام کی نشانی قرار دیتے ہیں جیسا کہ تعزیہ کو نشانی خیال کرتے ہیں اس کے بارے میں تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً:

''جس دیہات میں جمعہ کی شرائط موجود نہ ہوں وہاں ظہر باجماعت پڑھنا فرض ہے، جمعہ پڑھنے سے فریضہ ظہر ساقط نہیں ہوتا'' **ولو صلوا فی القری لزمهم أداء الظهر**''(شامی ۷/۵۳)، البتہ اگر جمعہ کی مخالفت کرنے سے اختلاف ہو کہ مسجد ویران ہونے کا اندیشہ ہو تو مسئلہ بتا کر خاموشی اختیار کرلیں اور خود جمعہ میں شرکت نہ کریں، تعزیہ کو جائز قرار دیکر اس پر اسی مسئلہ کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (محمودیہ ۸/۱۳۹، ڈابھیل)۔

ندوۃ العلماء کے دارالافتاء سے بھی اس جیسے مسئلہ میں عدم جواز کا فتوی دیا جاتا ہے، ملاحظہ ہو:

سوال: کیا کسی ایسے گاؤں میں جمعہ وعیدین کی نماز قائم کی جاسکتی ہے جہاں ہفتہ میں چار بار بازار لگتا ہو، آبادی ہزار مکانات پر مشتمل ہے، لیکن اکثریت غیر مسلموں کی ہے، مسلمانوں کے دو چار مکان ہوں، ضرورت کا سامان وقتی طور پر مل جاتا ہو، آس پاس کے جو مواضعات ہیں وہاں بھی شرائط جمعہ مفقود ہیں، ایک خاص شکل یہ ہے کہ اس علاقہ کے غیر مسلم مسلمانوں کو دین سے ورغلاتے ہیں، اگر عیدین وغیرہ کی اجازت دے دی جاتی تو دین سے کچھ واقفیت ہوجائے گی۔

هوالمصوب:

''صورت مسئولہ میں چونکہ دونوں گاؤں میں شرائط جمعہ مفقود ہیں، اس لئے ان گاؤں میں جمعہ وعیدین کی نماز قائم کرنا جائز نہیں ہے، چنانچہ ان گاؤں والوں کے لئے حکم شرعی یہی ہے کہ وہ ظہر کی نماز ادا کریں، اور جہاں تک ان کے شرک و کفر اور غیر مسلموں کے بہکاوے سے بچانے اور محفوظ رکھنے کی بات ہے تو اس کے لئے دوسرا طریقہ اپنایا جاسکتا ہے اور ان کے سامنے توحید ورسالت کی بات رکھ کر اپنے عقیدے پر جمے رہنے کی تلقین کی جاسکتی ہے'' (فتاوی ندوۃ العلماء ۳/۲۰۶)، اس کے علاوہ فتاوی معاصرہ امدادالفتاویٰ: ۱/۲۶۶، خیر الفتاویٰ: ۳/۲۳، احسن الفتاویٰ: ۴/۱۳۲، امدادالاحکام: ۱/۷۰۶، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۹۹، وغیرہ میں بھی عدم جواز کے فتاویٰ موجود ہیں۔

جواز کی رائے:

مذکورہ رائے عدم جواز کے برعکس بعض دیگر اکابر رحمہم اللہ کے یہاں مذکور فی السوال جیسی دینی ضرورت اور مخصوص حالات کے پیش نظر جمعہ کے جواز کا رجحان بلکہ صراحت مذکور ہے، جیسا کہ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی فیوض قاسمیہ کی مندرجہ ذیل عبارت سے ظاہر ہے۔

امام نانوتویؒ فرماتے ہیں: ''فہم ایں اشارات از کلام ربانی چوں ہمہ مردم را میسر نیست واحادیث مصرحہ ایں معنی بحد تواتر نرسیدہ اند افہام علماء مختلف شدند وعوام را گنجائش امید مغفرت بر تہاون درصورت وجوب نزد یکے وعدم وجوب نزد یکے بہم رسید۔ ورفتہ رفتہ کاہلی نوبت تاباں رسانید کہ متعصّباں حنفیہ عمداً ترک وتہاون جمعہ آغاز کردند الخ'' (فیوض قاسمیہ:۲۸)۔

(کلام ربانی سے ان اشارات کا فہم جب سبھی کو میسر نہ ہوا اور احادیث جو اس معنی کی تصریح کرتی ہیں حد تواتر کو نہ پہونچیں تو علماء کی آراء مختلف ہوگئیں اور بعض کے نزدیک وجوب اور بعض کے نزدیک عدم وجوب جمعہ کی صورت میں عوام کو تہاون وسستی پر امید مغفرت حاصل ہوگئی اور رفتہ رفتہ اس کاہلی نے نوبت اس حد تک پہونچادی کہ متعصبین حنفیہ نے جمعہ کے ترک اور اس کی ادائیگی میں تہاون کا آغاز کردیا)۔

''ومردمان کم فہم را بوجہ کوتاہ فہمی ومعونت کاہلی مقصود شدن شرائط موجب ترک جمعہ شود نہ باعث افزائش نماز ظہر۔ اندریں صورت بہ گماں ایں ہیچمداں مفتی وقت رااختیار تاکید جمعہ وممانعت ادائے ظہر است واورا میرسد کہ از ظہر باز دارتا بجمعہ مستقیم شوند وجمعہ را قائم کنند'' (فیوض قاسمیہ:۲۹)۔

(کم فہم لوگوں کے لئے کوتاہ فہمی اور کاہلی کے سبب شرائط جمعہ کا مقصود ہونا ترک جمعہ کا باعث بن جائے گا، نماز ظہر کی افزائش کا نہیں، اس صورت میں اس ہیچمداں کے گمان کے مطابق مفتی وقت کو جمعہ کی تاکید کا اختیار کرنا چاہئے اور ظہر کی ممانعت کو، اس کو حق ہے کہ ظہر سے باز رکھے تاکہ لوگ جمعہ کی ادائیگی میں مستقیم ہوں اور جمعہ کو قائم کردیں)۔

''آرے ظاہر الفاظ روایات مشعرۂ ضرورت مصر عام اند، لہذا احتیاط ہمیں است کہ تا مقدور رعایت شہر پیش نظر ماند واگر کسے در دیہے جمعہ قائم کند دست وگریبانش نہ زنند کہ اول ایں شرط ظنی بود باز حسب تقریر مذکورہ ضعفے دگر دران بہم رسید'' (فیوض قاسمیہ:۳۰)۔

(لیکن ضرورت مصر کو بیان کرنے والی روایات میں الفاظ عام ہیں؛ اسی لئے احتیاط یہی ہے کہ تا مقدور رعایت شہر پیش نظر ہو اور اگر کوئی کسی دیہات میں جمعہ قائم کرلے تو اس سے دست وگریباں نہ ہوں، پہلی بات تو یہی ہے کہ یہ شرط ہی ظنی تھی، پھر تقریر سابق کے موافق ایک کمزوری اور اس میں داخل ہوگئی)۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بھی جمعہ فی القری کے جواز کی طرف ہے، ملاحظہ ہو:

"وذلک لأنه لماکان حقیقة الجمعة إشاعة الدین فی البلاد وجب أن ینظر إلی تمدن وجماعة والأصح عندی أنه یکفی أقل مایقال فیه قریة ، لماروی من طرق شتی یقوی بعضها بعضا "خمسة لا جمعة علیهم وعد منهم أهل البادیه" (حجۃ اللہ البالغہ:۲/۳۰)۔

(اوراس کی یہی وجہ ہے کہ حقیقت جمعہ بلد (قصبہ،شہر) میں دین کی اشاعت ہےتوضروری ہواہے کہ تمدن اور جماعت کواس کے لئےملحوظ رکھاجائے اور میرے نزدیک زیادہ صحیح یہی ہے کہ کم ازکم اس کے لئے گاؤں کافی ہے؛ کیونکہ مختلف طریقوں سے مروی حدیث (بعض طریق بعض کوتقویت پہونچاتے ہیں) میں مذکورہے کہ پانچ پر جمعہ نہیں ہےاوران میں بادیہ نشینوں کوشمارکیا)۔

موجودہ حالات میں ہندوستان میں جمعہ فی القریٰ کی اجازت شدومد کے ساتھ حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی مفتی اعظم ہند کے فتاویٰ میں ملتی ہے، ملاحظہ ہو:

سوال (۱۸۳۶) جس موضع کی مسجد میں صرف بیس یاتیس تقریباً یااس سےاورکم مجمع ہو، کیاایسے دیہات میں جمعہ کی نماز ہوسکتی ہے یانہیں؟اگردیہاتوں میں ایسی حالت پرنمازِ جمعہ پڑھ لیں توحکم شرعی کیا ہے؟

جواب: ''حنفی مذہب کے موافق ایسی چھوٹی بستی میں جمعہ جائزنہیں،مگرآج کل حنفی اس مسئلے میں شافعی مذہب کےاوپرعمل کرسکتے ہیں'' (کفایت المفتی ۵/۱۴۸،جدید)۔

''قریہ کبیرہ جس پرمصرکی کوئی تعریف بھی صادق آجائے مثلاً''**مالا یسع أکبر مساجد ہ أهله المکلفین بها**''اس میں اقامت جمعہ جائزہےاوراگرکوئی تعریف بھی صادق نہ آئے جب بھی اس مسئلہ میں حنفیہ کے لئے مصالح عامہ اسلامیہ کےلحاظ سےشوافع کےمسلک پرعمل کرلیناجائزہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چھوٹے گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا ہے،مگرروکنانہیں چاہئے، نہ روکنے کی صورت میں جولوگ جمعہ پڑھیں گےان کافرض اداہوجائے گایانہیں؟اگرنہیں ہوگاتوکیاہوگا؟

جس جگہ نماز جمعہ فرض نہیں ہےوہاں جمعہ پڑھنے سےاپنے مذہب کےلحاظ سے چندمکروہات کاارتکاب لازم آتا ہے، اول نفل کی جماعت، دوم نوافل نہار میں جہر،سوم غیرلازم کاالتزام، چہارم ترک جماعت فرض ظہر،پنجم اگرکوئی ظہرنہ پڑھےتوترک فریضہ کہ حرام اورفسق ہے؟**بینوا، توجروا**۔

جواب:''گاؤں میں جمعہ کاصحیح ہونانہ ہونا مجتہدین میں مختلف فیہ ہے،حنفیہ کےنزدیک جوازجمعہ کے لئےمصرہونا شرط ہے،لیکن مصرکی تعریف میں اختلاف عظیم ہے، تاہم جس مقام میں کہ زمانہ قدیم سے جمعہ مستحکم ہے وہاں جمعہ کوترک کرانے میں جومفاسد ہیں، وہ ان مفاسد سے بدرجہازیادہ سخت ہیں جوسائل نے جمعہ پڑھنے کی صورت میں ذکرکئے ہیں، جولوگ جمعہ کوجائزسمجھ کرجمعہ پڑھتے ہیں ان کافرض اداہوجاتا ہے،نفل سے جماعت یاجہربقرأت نفل نہاریاترک فرض لازم نہیں آتا'' (کفایت المفتی ۵/۱۵۹،جدید)۔

ترجیح الراجح:

مذکورہ بالا تفصیلات سے واضح ہوتا ہے کہ اکثر اکابر علماء معتبر دلائل کی بناء پر اشتراط مصر کی شرط کو نظر انداز کرنے پر آمادہ نہیں ہیں، البتہ ماضی قریب کے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کی رائے میں یہ شرط مجتہد فیہ ہونے کی وجہ سے اس زمانہ میں نظر انداز کر دینی چاہئے، خصوصا ہندوستان کے حالات میں بعض مصالحہ دینیہ کی بناء پر یہ شرط متروک کر دینی چاہئے، ابھی تک زیادہ تر دارالافتاء کا معمول فتووں کا یہی چلا آرہا ہے کہ اکثر اکابر کے فتاویٰ کے مطابق جمعہ فی القریٰ کے عدم جواز کا حکم بتایا جاتا ہے۔

لیکن اب آجکل کے حالات میں جو سوال، سوالنامہ میں اٹھایا گیا ہے اس کے پیش نظر یہ اجتماعی غور وفکر کا مرحلہ ہے کہ واقعی حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کی رائے کے مطابق اب چھوٹے چھوٹے دیہاتوں میں بھی جمعہ کی اجازت ہونی چاہئے۔

احقر کا خیال ہے کہ ''**الضرورة تتقدر بقدر الضرورة**'' کے اصول کا خیال رکھتے ہوئے جہاں کوئی متبادل اس دیہات میں وہاں کے باشندوں کے دینی شعار میں باقی رہنے کا نہ رہ جائے اور جمعہ فی القریٰ کا قیام ہی محض وسیلہ بن سکے صرف ایسے دیہات میں جمعہ کے قیام کا سہارا لیا جاسکتا ہے، عمومی اجازت دینے سے مذہب کا بالکلیہ ترک لازم آئے گا اور وہ بلا ضرورت شدیدہ جائز نہیں، معدودے چند مقامات مستثنات میں شامل ہوں گے، باقی اصل حکم عدم جواز فی القریٰ کا باقی رہے گا، عمومی تجویز یا فتویٰ دیہاتوں میں جمعہ کے جواز کا دینا درست نہ ہوگا بلکہ وہاں کے لوگوں کے حالات کے بعد قرب وجوار کے اہل علم اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہاں اجازت دینا ضروری ہے یا نہیں؟

اب یہ اشکال کہ اکابر نے تو اجازت نہیں دی اور جمعہ صحیح بھی نہیں ہوتا تو ہم اجازت وجواز والے کون ہیں؟

جواب یہ ہے کہ یہاں مذکورہ مسئلہ میں جہاں دو تقاضے جمع ہو جائیں (۱) تحفظ دین (۲) تحفظ مسلک تو وہاں تحفظ دین کو ترجیح دینا خود یہ متفقہ اصول ہے اور اکابرین علماء سے اس کی تائید فراہم ہوتی ہے مثلاً: تین طلاق دینے سے تینوں واقع ہو جانا نہ صرف حنفی مسلک کا مسئلہ ہے بلکہ ائمہ اربعہ کا متفق علیہ مسئلہ ہے، لیکن جب ایک نومسلم جوڑے کے درمیان تین طلاق کا واقعہ پیش آیا اور یہ خطرہ ہوا کہ اگر تین طلاق کے بعد حلالہ وغیرہ کا مسئلہ ان پر نافذ ہوا تو شاید یہ اسلام سے ہی ہاتھ دھو بیٹھیں تو اس وقت کے اکابر علماء نے مسلک کو بالائے طاق رکھ کر ان کے اسلام کے تحفظ کے لئے ایک طلاق کا حکم لگایا (رسالہ ''برہان'' دہلی، دسمبر ۱۹۸۴ء)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے بھی اس کی ضرورت کا اظہار کیا ہے، فرماتے ہیں:

''حقیقت یہ کہ مصر (شہر) ان اصطلاحات میں سے ہے کہ کتاب وسنت میں اس کی تحدید وتعیین نہیں کی گئی ہے، اس لئے اس کا مدار ''عرف'' پر ہے، قوموں کے عرف میں جس زمانہ میں جو جگہ شہر کہلائے اور حکومت کی طرف سے جس کو شہر کی حیثیت دی جائے وہی ''شہر'' ہے، تاہم ہندوستان وغیرہ کے موجودہ حالات میں، کہ بعض علاقوں میں جمعہ ہی سے مسلمانوں کی شناخت رہ گئی ہے اور اسی کے ذریعہ اسلام سے لوگ اپنی وابستگی کا احساس کرتے ہیں، ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ آراء وخیالات کے ان اختلافات سے فائدہ اٹھا کر شہر کے مفہوم میں جس قدر توسیع ممکن ہو پیدا کی جائے کہ جمعہ محض ایک عبادت ہی نہیں، تذکیر ودعوت بھی ہے، مسلمانوں کی اجتماعیت کا اظہار بھی ہے اور اسلام کا ایک شعار بھی'' (قاموس الفقہ ۳/ ۱۲۷)۔

مفتی کفایت اللہ صاحب کی رائے کا حاصل بھی یہی ہے کہ احناف کو اس مسئلہ میں حالات کی بناء پر گنجائش دینی چاہئے فرماتے ہیں کہ:

جواب: ''چھوٹی بستیوں میں نماز جمعہ حنفیہ کے نزدیک نہیں ہے؛ لیکن انہوں نے جمعہ کی اہمیت کو قائم رکھتے ہوئے مصر کی تعریف میں یہاں تک کہ تنزل کیا ہے کہ ''**مالایسع أکبر مساجد أهله المکلفین**''، بہت سے قریٰ پر صادق آتی ہے، پس نماز جمعہ کی اہمیت اور مصالح عالیہ اسلامیہ کا مقتضی یہ ہے کہ نماز جمعہ کو ترک نہ کیا جائے، اگر چہ امام شافعی کے مسلک پر عمل کے ہی ضمن میں ہو'' (کفایت المفتی جدید ۵/ ۱۴۷)۔

☆ نیز قیام جمعہ میں سلطان وامیر (حاکم وقت) کے قائم مقام جماعت مسلمین کو قرار دیا گیا ہے اور یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر دیہات میں بھی حاکم وقت نے جمعہ قائم کرادیا ہے تو وہاں جمعہ درست ہے تو حاکم وقت کے قائم مقام جماعت مسلمین اگر یہی فیصلہ کرے کسی مصلحت کی وجہ سے تو اس کی بھی گنجائش ہوگی، مثلاً امداد الفتاویٰ میں اسی نوع کا سوال وجواب ملاحظہ ہو:

سوال: (۵۴۸) قدیم: ۱/ ۶۳۲۔ درملک افغانستان ایں قاعدہ است کہ بفرمائش امیر صاحب.....الخ

ترجمہ سوال: افغانستان میں صورت یہ ہے کہ علماء کی تحریک اور امیر کے حکم سے دیہاتوں میں جمعہ قائم کرتے ہیں اور چار پانچ دیہاتوں کے لئے بادشاہ کی طرف سے ایک خطیب مقرر ہوتا ہے، بادشاہ کی اجازت کی صورت میں ''مصر'' کی شرط کو ضروری نہیں سمجھتے اور اس علاقہ میں اگر کوئی جمعہ میں حاضر نہ ہو تو خطیب صاحب نکیر کرتے ہیں اور کبھی حاکم تک شکایت کی نوبت بھی آجاتی ہے، اندریں صورت جمعہ کی دو رکعتیں ظہر کے قائم مقام ہوجائیں گی یا نہ؟ اور اگر کوئی عذر وحیلہ کر کے ایسے جمعہ میں شریک نہ ہو تو گنہگار ہوگا یا نہ؟

الجواب:''قال الشامی : قال أبوالقاسم : هذا بلاخلاف إذا أذن الوالی أوالقاضی (إلی قوله)

ولوصلوا فی القریٰ لزمهم أداء الظهر وهذا إذا لم یتصل به حکم فإن فی فتاویٰ الدیناری : وإذا بنی مسجدا فی الرستاق بأمر الإمام فهو أمر بالجمعه اتفاقا"۔

پس درصورت مسئولہ جمعہ صحیح است ،لکن وقت تبدیل حکومت اذن امیر سابق غیر سالہ غیر کافی ست اذن امیر جدید شرط ست۔

قال الشامی: لا یبقی إلی الیوم الإذن بعد موت السلطان الإذن بذلک إلا إذا أذن به أیضا سلطان زماننا نصره الله ۔ ص ۸۴۰ والله اعلم

ترجمہ جواب: قال الشامی: ۔۔۔۔۔۔صورت مسئولہ میں جمعہ صحیح ہے،لیکن جب حکومت بدلے (یعنی بادشاہ بدلے)تب نئے امیر کی اجازت شرط ہوگی،امیر سابق کی اجازت کافی نہ ہوگی۔واللہ اعلم

لہٰذا مجموعہ روایات اور حالات کے پیش نظر خیال ہوتا ہے کہ مسلک احناف کے برخلاف تغیر زمان کے سبب ہندوستان جیسے حالات میں مندرجہ ذیل دیہاتوں میں بھی جمعہ کے قیام کی شرعاً گنجائش ہونی چاہئے۔

(۱) جہاں جمعہ پہلے سے قائم چلا آرہا ہے اور بند کرنا فتنہ وانتشار کا سبب ہوسکتا ہے۔

(۲) جہاں قیام جمعہ نہ ہونے پر فرقہ باطلہ جمعہ قائم کرکے مسلمانوں کو گمراہ کرسکتے ہوں یا مسجد کا وجود خطرہ میں پڑسکتا ہو۔

(۳) جہاں جاہل، ناخواندہ لوگوں کا جمعہ کے علاوہ جمع ہونا مشکل ہو تو ان کو دینی تعلیم وتربیت کی طرف راغب کرنے کیلئے جمعہ کا قیام درست ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ بہت سے دیہاتوں میں سے ایسے دیہات بھی ہوسکتے ہیں جہاں جمعہ کا قیام تحفظ دین کا واحد سبب ہو وہاں گنجائش دینے میں حرج نہیں،البتہ عمومی اجازت جمعہ فی القریٰ کی یہ کسی طرح درست نہیں۔

☆☆☆

قیام جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط-موجودہ حالات کے پس منظر میں

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی☆

دنیا کی آبادی اور آبادی کی آبادکاری مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے آج نقطہ عروج پر پہنچ چکی ہے، جو کبھی ترقی یافتہ شہر سمجھا جاتا تھا آج کی نظر میں پس ماندہ اور ترقی سے دور افتادہ تصور کیا جارہا ہے، زمین کا ہر خطہ بجلی کی روشنی سے جگمگا رہا ہے، کیا ارضی اور زمینی آبادیاں اور کیا بلند و بالا پہاڑوں پر بنی کالونیاں دونوں میں فرق نہیں کیا جاسکتا، سڑکوں اور آرسی سی راستوں کا جال اکثر حصوں کو مربوط کر چکا ہے، جدید ٹکنالوجی کی مدد سے مواصلاتی نظام اور رابطہ کے آلاتی سسٹم نے دنیا کے اکثر حصے کو قریب سے قریب تر کر دیا ہے، آگے اور کیا کیا ہونے والا ہے اسکی پیشن گوئی ابھی سے نہیں کی جاسکتی، لیکن ترقی کی رفتار بتا رہی ہے کہ آگے ترقی کے معیار میں بہت کچھ تبدیلی ہونے والی ہے۔

بڑھتی آبادی اور بدلتے حالات میں بہت سے مسائل پیدا ہوئے اور ہوتے رہیں گے، علماء امت کی ذمہ داری ہے کہ ان مسائل کا صحیح حل تلاش کریں، حالات کو پیش نظر رکھ کر ان امور کی تنقیح کریں، تاکہ دینی مصلحت وحکمت بھی باقی و جاری رہے اور تقاضائے وقت بھی تار تار نہ ہونے پائے، چنانچہ اس طرح کی کامیاب کوششوں کا سلسلہ ہر دور میں جاری رہا ہے اور ہنوز جاری ہے، انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ جمعہ کے لئے مصر کی شرط ہونا ہے، حنفیہ کے یہاں متفق علیہ شروط میں سے ہے، لیکن مصر کے حدود وقیود کیا ہوں گے، ہر زمانے میں الفاظ وتعبیرات کے فرق کی بنا پر بہت واضح نہیں ہو سکے ہیں، مندرجہ ذیل سطور میں اسی ایک شرط کی بابت تحریر کرنے کی جسارت کی جارہی ہے۔

۱-موجودہ دور میں مصر کی تعریف:

یہ بات اپنی جگہ متفق علیہ ہے کہ جمعہ کی شان دوسری نمازوں کی بنسبت الگ اور امتیازی ہے، پنج وقتہ نمازوں اور نماز جمعہ میں بنیادی فرق ہے کہ پنج وقتہ نمازیں کسی بھی جگہ ادا کی جاسکتی ہے، جبکہ جمعہ کی نماز کے لئے آبادی کا ہونا ازبس ضروری ہے، وہ امر تمام ائمہ کے مابین متفق علیہ ہے، اسی وجہ سے میدان عرفات میں حجۃ الوداع کے موقع پر ایک بڑا مجمع

☆ استاذ دارالعلوم دیوبند، سہارنپور۔

ہونے کے باوجود جمعہ نہیں پڑھا گیا، جبکہ منی میں جمعہ آ جائے تو جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے، نیز صرف آبادی کا ہونا کافی نہیں ہے، بلکہ اس میں یک گونہ ''مدنیت'' بھی ضروری ہے اور یہ بات بھی تمام ائمہ کے یہاں متفق علیہ ہے، اسی وجہ سے تمام مکاتب فکر میں اس مدنیت کو ثابت کرنے کے لئے مختلف تعبیرات کے ساتھ مختلف شرائط کا اضافہ کیا گیا ہے، چنانچہ فقہ حنبلی کی مشہور کتاب 'الإقناع' میں ہے:

''الثانی أن تکون بقریة مجتمعة البناء بماجرت العادة بالنباء به من حجر أو لبن أو طین أو قصب أو شجریستوطنها أربعون بالإمام من أهل وجوبها استیطان إقامة لایظعنون عنها صیفا ولاشئاء'' (الإقناع ۱/۱۹۱ کتاب الجمعہ، فصل: یشترط لصحتہا أربعۃ شروط)۔

(دوسری شرط یہ ہے کہ ایسا قریہ ہو جس کی آبادی متصل ہو اور تعمیر عرف کے مطابق ہو، خواہ پتھر یا کچی اینٹ یا مٹی یا بانس درخت ہو اور ایسے امام کے ساتھ جس پر جمعہ واجب ہو، چالیس آدمی مستقل اقامت پذیر ہوں، گرمی وسردی میں کوچ نہ کرتے ہوں)۔

مغنی میں البتہ اتنا ہے کہ جمعہ کی نماز ایسے لوگوں کے لئے آبادی کے قریب کسی میدان میں بھی ہوسکتی ہے (المغنی لابن قدامہ ۲/۲۴۶ فصل: لایشترط للجمعۃ المصر)۔

المدونۃ الکبری میں ہے: **''فیمن تجب علیه الجمعة؟ قال مالک: في القریة المجتمعة التی قد اتصلت دورها کان علیها وال أولم یکن قال: أری أن یجمعوا الجمعة''** (المدونۃ ۱/۲۳۳ کتاب الجمعۃ من تجب علیہ الجمعۃ)۔

(حضرت امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ کس پر جمعہ واجب ہے؟ تو فرمایا: ایسی آبادی میں جس میں گھر ملے ہوں خواہ والی وحاکم ہو یا نہ ہو، امام مالک نے فرمایا کہ میری رائے ہے کہ وہ لوگ جمعہ قائم کریں)۔

موطا امام مالکؒ سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک دو قسم کی آبادی ہے: ایک میں واجب ہے اور ایک میں واجب نہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

''قال یحیی، قال مالک: إذا نزل الإمام بقریة تجب فیها الجمعة والإمام مسافر فخطب وجمع بهم فإن أهل تلک القریة وغیرهم یجمعون معه، قال یحیی، قال مالک: وإن جمع الإمام وهو مسافر بقریة لاتجب فیها الجمعة فلا جمعة له ولا لأهل تلک القریة ولا لمن جمع معهم من غیرهم ولیتم أهل تلک القریة وغیرهم ممن لیس بمسافر الصلاة'' (موطا امام مالک بحوالہ: أوجز المسالک: ۱/۳۵۰، ط قدیم)۔

(یحیی مصمودی نے امام مالک سے نقل کیا ہے: جب امام المسلمین ایسے قریہ میں نزول کرے جہاں جمعہ واجب ہو

اورامام مسافر ہے پس اس نے خطبہ دیا اور لوگوں کو جمعہ پڑھایا تو اس قریہ کے لوگوں اور دوسرے لوگوں پر ضروری ہے کہ اس کے ساتھ جمعہ پڑھیں۔

یحیی مصمودی امام مالکؒ سے نقل کرتے ہیں: اگر امام مسافر ایسے قریہ میں جمعہ پڑھائے جہاں جمعہ واجب نہیں ہے تو اس کا نیز اہل قریہ کا اور دوسرے جمعہ پڑھنے والوں کا جمعہ نہیں ہوگا جو مسافر نہیں خواہ اس قریہ کے ہوں یا باہر کے، ان پر ضروری ہے کہ نماز کا اعادہ کریں)۔

فقہ شافعی کے مشہور عالم علامہ ماوردی لکھتے ہیں:

"**فشروطها ثلاثة أشياء:أحدها: البلد سواء كان مصرا أو قرية إذا اتصلت ببنيانه بعدد ينعقد بهم الجمعة لايظعنون عنه شتاء ولا صيفا إلا ظعن حاجة.....والثانی: العدد وهو أن يكونوا أربعين رجلا من أهل الجمعة الخ**" (الاقناع للماوردی:۱/۵۱ کتاب الجمعۃ، باب: صلاۃ الجمعۃ وتجب الجمعۃ علی کل رجل الخ)۔

(جمعہ کی تین شرطیں ہیں: ایک یہ ہے کہ آبادی ہو خواہ شہر ہو یا قریہ جبکہ اتنی تعداد جس سے جمعہ منعقد ہوجاتا ہو وہ ایک ساتھ مستقلا رہتے ہوں جاڑے اور گرمی میں بلاضرورت منتقل نہ ہوتے ہوں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ تعداد چالیس حضرات کی ہو جن پر جمعہ واجب بھی ہو وہ موجود ہوں)۔

حنفیہ کے یہاں بھی ضروری ہے کہ وہ مصر یا بڑا قریہ جس کو قصبہ کہا جاتا ہے وہ ہو۔

"**لاتصح الجمعة إلا فی مصر جامع أو مصلی المصر ولا تجوز فی القری**" (ہدایہ ۱/۱۶۸ باب صلاۃ الجمعۃ) (جمعہ صحیح نہیں ہے مگر مصر جامع یا فنائے مصر میں اور قریہ میں جائز نہیں ہے)۔

"**تقع فرضا في القصبات والقری الكبيرة التی فيها أسواق**" (ردالمحتار ۱/۷۸۸ کتاب الجمعہ) (قصبات اور بڑے قریہ جہاں مارکیٹ ہو جمعہ پڑھنا فرض ہوجاتا ہے)۔

ائمہ اربعہ کے مذکورہ بالا بیان سے مجموعی طور پر ثابت ہوجاتا ہے کہ جمعہ کی نماز دیگر نمازوں کے مقابلہ میں کچھ الگ ہے، بلکہ جماعت اور یک گونہ "مدنیت" کی شرط کے ساتھ مشروط ہے، اسی بنا پر حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

"**قد تلقت الأمة تلقيا معنويا من غير تلقي لفظ أنه يشترط فی الجمعة، الجماعة ونوع من التمدن وكان النبیﷺ وخلفاؤه رضی الله عنهم والأئمة المجتهدون يجمعون فی البلدان ولا يؤاخذون أهل البدوبل لاتقام فی عهدم فی البدو ففهموا من ذلک قرنا بعد قرن وعصرا بعد عصر أنه يشترط لها الجماعة والتمدن**" (اوجز المسالک ۱/۳۵۱ باب ماجاء فی الإمام ینزل بقریۃ یوم الجمعۃ فی السفر)۔

(جمعہ کی بابت جماعت اور ایک گونہ مدنیت کی شرائط کو لفظی تلقی تو نہیں مگر معنوی تلقی حاصل ہے، رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفاء، نیز ائمہ مجتہدین بلدان میں جمعہ قائم کرتے اور گاؤں والوں سے کوئی مؤاخذہ نہ فرماتے، بلکہ ان کے دور میں قریہ میں جمعہ قائم ہوتا ہی نہیں تھا، اسی لئے اس سے ہر دور اور ہر زمانے میں یہ سمجھا گیا کہ جماعت اور مدنیت کی شرط ہوگی)۔

لہذا یہ تصور کہ صرف حنفیہ کے یہاں مخصوص قسم کی آبادی شرط ہے فضول خیال ہے، کیونکہ ہر آبادی و ویرانے اور غیر آبادی میں جمعہ قائم کرنے کے قائل کوئی امام نہیں ہے، ایک مخصوص قسم کی آبادی کے ساتھ سب کے نزدیک مشروط ہے، ہاں وہ آبادی کیسی ہو اس بابت حنفیہ کا امتیاز ضرور پایا جاتا ہے کہ وہ اعلی درجہ کی آبادی میں اس شعار کو اپنانے کی اجازت دیتے ہیں اور اعلی درجے کی اس آبادی کو مصر اور قریہ کبیرہ یعنی قصبات سے تعبیر کرتے ہیں۔

"**عبارة القهستاني: تقع فرضا في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق، قال أبو القاسم: هذا بلاخلاف إذا أذن الوالي أو القاضي ببناء الجامع وأداء الجمعة؛ لأن هذا مجتهد فيه فإذا اتصل به الحكم صار مجمعا عليه**" (ردالمحتار ۱/ ۵۹۰ باب الجمعۃ، طبع: رشیدیہ پاکستان)۔

(قہستانی کی عبارت ہے: قصبات اور بڑے قریہ میں جہاں مارکیٹ ہو فرض ادا ہوجائے گا، ابو القاسم کہتے ہیں؛ جب والی یا قاضی کی اجازت مسجد جامع بنانے اور جمعہ ادا کرنے کو شامل ہوجائے تو متفق علیہ ہوجائے گا؛ کیونکہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، پس جب حکم حاکم اس سے متصل ہوگیا تو متفق علیہ ہوگیا)۔

البتہ مصر اور قریہ کبیرہ کی تعریف میں کتب احناف میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے اور اس کا منشا یہ ہے کہ ہر ایک نے اپنے دور کے لحاظ سے مدنیت کا تصور پیش کیا اور اس قسم کی مدنیت کا مصداق اس زمانے میں جو ہوسکا اسی مصداق کا احاطہ کرنے کے لئے عبارات وتعبیرات اختیار کی، مولانا عبدالحئی فرنگی محلیؒ نے ان تمام تعریفات کو بایں الفاظ ذکر کیا ہے:

۱-جس جگہ ہر پیشے کے آدمی موجود ہوں اور اسی پیشے سے اپنی گذر اوقات کرتے رہیں اور دوسرے پیشے کے اختیار کرنے کی ضرورت نہ پڑے، وہ شہر ہے۔

۲-شہر وہ جگہ کہلاتی ہے کہ وہاں ہر دن ایک بچہ پیدا ہوتا ہو اور ایک آدمی مرتا ہو۔

۳-شہر وہ جگہ ہے کہ جسکی آبادی کا شمار مشکل ہو۔

۴-جس کی آبادی دس ہزار انسانوں پر مشتمل ہو۔

۵-شہر وہ آبادی ہے کہ اس میں قاضی اور مفتی ہوں اور احکام نافذ کرسکتے ہوں۔

۶-بلخی کا مسلک مختار ہے کہ بڑی سی بڑی مسجد میں اگر پوری آبادی نہ آسکے تو وہ شہر ہے۔

۷-مولانا عبدالعلی ارکان اسلام میں فرماتے ہیں کہ میرے والد بزرگوار مولانا نظام الدین کے نزدیک شہر وہ جگہ ہے جہاں انسان کی تمام ضروریات مہیا ہوں ،یعنی کھانے پینے اور پہننے وغیرہ کی اشیاء کی بیع وفروخت ہوتی ہو اور بقدر ضرورت ہر قسم کے اہل صنعت وحرفت بھی موجود ہوں (فتاوی عبدالحئی ص ۲۴۶ باب الجمعہ والعیدین)۔

۸-"**عن أبی حنیفة أنه بلدة کبیرة فیها سکک وأسواق ولها رساتیق وفیها وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غیره یرجع الناس إلیه فیما یقع من الحوادث وهذا هو الأصح**" (ردالمحتار ۱/ ۵۹۰ کتاب الجمعۃ طبع رشیدیہ پاکستان)۔

۹-موسوعہ میں بایں الفاظ تعریف کی گئی ہے:"**مافیه حاکم شرعي أو شرطي أو أسواق للمعاملة وإن جمعت الکل فمصر ومدینة، وإن خلت عن الکل فقریة**" (الموسوعۃ ۳/ ۱۲۵ شرح المنہاج اور حاشیۃ القلیوبی سے منقول ہے)۔

اس طرح کی مختلف تعبیرات اختیار کی گئی ہیں، غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عرف وزمانہ کے اعتبار سے مدنیت کا معیار تبدیل ہوا ہے، چنانچہ عرف میں جس قسم کی آبادی کو لوگ شہر یا کم از کم قصبہ سمجھتے ہوں اس کے امتیازات وخصوصیات کو ذکر کر کے تعریف قلم بند کی گئی ہے، اصل مدار عرف پر معلوم ہوتا ہے اور یہ حنفیہ کے اصول سے بہت قریب ہے، کیونکہ حنفیہ ہر ایسے مبہم معاملہ میں عرف پر مدار رکھتے ہیں یا پھر مبتلا بہ کی رائے پر چھوڑ دیتے ہیں خواہ وہ پانی کی قلت وکثرت کا معاملہ ہو یا نماز میں عمل قلیل وکثیر کا، اموال ربویہ میں کیلی ووزنی ہونے کا قضیہ ہو یا قاضی وحاکم کو ہدیہ لینے دینے کا مرحلہ بہت سے امور ہیں جن میں عرف کو قاضی بنایا گیا ہے، یہ وہ امور ہیں جن میں اعتبارات بدلتے رہتے ہیں تو عرف پر مدار رکھا جاتا ہے، جس طرح حقیقت پر واقفیت مشکل ہو تو ظاہری علامات پر مدار رکھا جاتا ہے، چنانچہ نوم، کی کون سی قسم ناقض وضو ہوگی اصل تو خروج ریح ہے، مگر اس کا پتا لگانا مشکل کام ہے، اس لئے ایسے نوم پر مدار رکھا گیا جس میں خروج ریح کا ظن پایا جاتا ہو، یا سفر میں رخصت کی بنیاد تو رفع حرج ہے مگر کس سفر میں حرج ہے اور کسی میں نہیں اس کو متعین کرنا تقریبا مشکل تھا، اس لئے نفس سفر جو کہ مسافر شرعی کے بقدر ہو اس پر مدار رکھا گیا، لہذا جمعہ کے سلسلہ میں بھی شہر یا قریہ کبیرہ جس کو قصبہ کہا جاتا ہے اسکی تعیین کے لئے عرف کو مدار بنانا زیادہ مناسب ہوگا، بہت سے بزرگوں نے اس بابت عرف کو مدار بنایا بھی ہے چنانچہ حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں:

"**المصر الجامع مایعده الناس مصرا عند ذکر الأمصار المطلقة کبخارا وسمرقند**"

(تاتارخانیہ ۲/۵۴۹ کتاب الصلاۃ، الفصل ۲۵ شرائط الجمعۃ) (مطلق شہر کا ذکر کرکے وقت جس کو لوگ شہر سمجھتے ہوں وہی شہر ہے جیسے بخارا وسمرقند)۔

حضرت تھانویؒ ایک سے زائد فتاوی میں اس کی تصریح کرتے ہیں: ''اور تحقیق شرط مصر کا مدار عرف پر ہے علی الأصح'' (امداد الفتاوی ۱/ ۶۷۳ باب صلاۃ الجمعۃ والعیدین)۔

''میں قریہ کبیرہ کے معنی قصبہ کے سمجھتا ہوں، قرینہ اس کا یہ ہے کہ فقہاء قریہ کبیرہ کی صفت میں ''التی فیها أسواق'' بڑھاتے ہیں، گویا یہ تفسیر ہے اور یہ شان قصبہ کی ہوتی ہے اور عرف میں مصر قصبہ کو بھی کہتے ہیں'' (امداد الفتاوی ۱/ ۶۷۲ باب صلاۃ الجمعہ والعیدین)۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ اور مفتی محمود حسن گنگوہیؒ دونوں کے مشترکہ فتوی میں ہے:

''اصل یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک قریہ کبیرہ میں جمعہ جائز ہوتا ہے ''تقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرۃ التی فیهاأسواق''، اور قریہ کبیرہ یا صغیرہ ہونا اس کا مدار عرف پر ہے، یہ جو چیزیں گلی کوچے سڑکیں، بازار وغیرہ بیان کی جاتی ہیں یہ علامات ہیں، لہذا وہاں کے مشاہدہ کرنے والے اگر اس کو قریہ کبیرہ نہیں سمجھتے ہیں تو جواز جمعہ محل کلام ہے'' (نظام الفتاوی ۶/ ۱۸۲، فتوی حضرت مفتی نظام الدین صاحب مع دستخط مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ)۔

چنانچہ موجودہ دور میں ایسے قریہ کو قریہ کبیرہ کہا جائے گا جہاں ہائی اسکول ہو، پنچایت یا تھانہ ہو، اسپتال یا اچھا ڈاکٹر موجود ہو، ضروریات زندگی مثلاً راشن، ضروری لباس وپوشاک، دوائیاں ملتی ہوں، نیز کوئی ایسا عالم بھی ہو جس سے لوگ مسائل میں رجوع کرتے ہوں تو ایسی آبادی کو قریہ کبیرہ سمجھا جاتا ہے اور اس قریہ کو دینی ودنیوی لحاظ سے مرجعیت حاصل ہوتی ہے، ایسا ہی قریہ صحت جمعہ کے لئے ضروری ہے، یہ الگ بات ہے کہ جہاں برسوں سے جمعہ ہورہا ہے خواہ چھوٹا قریہ ہی کیوں نہ ہو وہاں جمعہ کا بند کرنا بھی صحیح نہیں ہے، وہاں ظہر کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

جاری شدہ جمعہ کو بند نہ کیا جائے، جاری رکھا جائے اور سب لوگوں کو لازم ہے کہ اتفاق سے رہیں، آپس میں اختلاف کرنا بہت برا ہے۔

''قلت وهذا وإن كان غير موافق لما عليه الحنفية ولكنه أشد مرافقة للمصالح الإسلامية الاجتماعية خصوصا فی هذا العصر وفي هذا الزمان؛فإن أعداء الإسلام يظفرون بمقاصدهم المشومة في القرى لاتقام فيها الجمعة يخيبون فی مواضح إقامة الجمعة والتوفيق من الله عزوجل وحفاظة الإسلام خير من الإصرار على تركها والمسألة مجتهد فيها'' (کفایۃ المفتی ۳/ ۲۰۵)۔

بادشاہ اسلام کے حکم سے قائم ہونا ثابت نہیں یا یہ معلوم ہے کہ مسلمانوں نے خود قائم کیا تھا، مگر ایک زمانہ دراز سے پڑھا جاتا ہے، اس صورت میں حنفی مذہب کے اصول کے موافق تو اسے بند کرنا چاہئے یعنی بند کرنا ضروری ہے، لیکن چونکہ عرصہ دراز سے قائم شدہ جمعہ بند کردینے میں جو فتنے اور مفاسد پیدا ہوتے ہیں، ان کے لحاظ سے اس مسئلہ میں حنفیہ کو شافعیہ کے مذہب پر عمل کرلینا جائز ہے (کفایۃ المفتی ۳/۲۳۹)۔

معیار مدنیت اور قریہ کبیرہ کے تعلق سے ایک رجحان یہ بھی ہے کہ ایسی جگہ جہاں کی آبادی اتنی زیادہ ہو کہ تمام مکلفین وہاں کی سب سے بڑی مسجد میں نہیں آسکتے ہوں تو وہ قریہ کبیر ہے، اس پر متقدمین کے یہاں بھی فتوی پایا جاتا ہے اور متاخرین کے یہاں بھی۔

"**المصر وهو مالايسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها وعليه فتوى أكثر الفتقهاء مجتبى، لظهور التوانى فى الأحكام، هذا يصدق على كثير من القرى.....وعليه فتوى أكثر الفقهاء وقال أبوشجاع:هذا أحسن ما قيل فيه، وفى الولوالجية؛وهو صحيح بحر، وعليه مشى فى الوقاية ومتن المختاروشرحه وقدمه فى متن البدر على القول الآخر وظاهره ترجيحه**" (درمختار مع ردالمحتار ۱/۵۹۰ کتاب الجمعۃ، رشیدیہ پاکستان)۔

(مصر وہ جگہ ہے جہاں کے مکلّف حضرات اس کی سب سے بڑی مسجد میں سما نہ سکیں، اسی پر اکثر فقہاء کا فتوی ہے احکام میں سستی کے ظاہر ہونے کی وجہ سے، یہ بہت سے قریہ پر صادق آتا ہے، ابوشجاع کہتے ہیں: تمام اقوال میں سب سے بہتر قول ہے، ولوالجیہ میں ہے کہ یہی صحیح ہے، وقایہ، متن المختار اور اس کی شرح میں ہے کہ یہی رائے ہے، متن الدرر میں دوسرے قول پر اس کو مقدم کیا ہے بظاہر لگتا ہے کہ انہوں نے اسکو ترجیح دی ہے)۔

"**مالايسع أكبر مساجده أهله**" اس تعریف پر بہت سے مشائخ نے فتوی دیا ہے، اور امام اعظم کی روایت پر بالاتفاق عمل متروک ہے، کیونکہ اجرائے احکام اور تنفیذ حدود تو بہت سے ممالک اسلامیہ میں نہیں، چہ جائیکہ ہندوستان میں، نیز فقہاء کی اس تصریح نے کہ دار الحرب میں بھی جمعہ ہوسکتا ہے "**بلاد عليها ولاة كفار يجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد فيها**" مصر کی تعریف میں اجرائے احکام وتنفیذ حدود کی شرط کو نظر انداز کردینا اسی طرح باقی شروط بھی مالایسع والی تعریف میں نظر انداز کردی گئیں اور اس پر بہت سے مشائخ نے فتوی دے دیا ہے اور آج کل اقامت جمعہ بہت سے مصالح کی وجہ سے اہم ہے (کفایۃ المفتی ۳/۲۴۶)۔

یہ تعریف بھی قابل عمل اور لائق توجہ ہے؛ خاص طور پر موجودہ دور الحاد وکفر میں اس کی حاجت شدید ہوجاتی ہے کہ

لوگوں کو کسی حیلہ سے جمع کیا جائے اور دین اسلام کو دل وجان سے پیوست کیا جائے، لیکن اس تعریف کے مطابق ضروری ہوگا کہ جہاں جمعہ قائم کیا جارہا ہے وہاں ایک سے زائد مسجدیں ہوں ان میں بعض کو بڑی سمجھا جاتا ہو جس میں سارے لوگ نہیں آسکتے ہوں، ورنہ بعض اوقات ایک آبادی میں بہت چھوٹی چھوٹی کئی مسجدیں ہوتی ہیں، کوئی بڑی کہلائے جانے کے لائق نہیں، نیز بڑی ہونے کا مدار بھی اس جگہ کے عرف پر ہوگا، ورنہ بڑی تو دلی کی جامع مسجد اور حیدرآباد کی مکہ مسجد بھی ہے، اب اتنی بڑی مسجد کہاں سے بنائی جائے گی، تو بات پھر بھی گھوم کر عرف کی جانب آجاتی ہے، اس لئے اگر کسی جگہ کے مصر یا قریہ کبیرہ کہلانے میں عرف کو مدار بنایا جائے تو مسئلہ حل ہوجائے گا۔

۲- چھوٹی آبادی میں جمعہ کا قیام:

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جمعہ کی ابتداء اسی جگہ کی جائے گی جس میں کچھ نہ کچھ مدنیت پائی جاتی ہو، اس کا مدار مناسب ہے کہ عرف پر رکھا جائے، آبادی کے چھوٹی بڑی ہونے پر مدار نہیں ہے، اگر انسانی حاجات اس چھوٹی آبادی سے ہی پوری ہوجاتی ہیں جو کہ ایک شہر کا امتیاز ہوا کرتے ہیں تو وہ مصر ہے، وہاں جمعہ ہوسکتا ہے، مگر ایسا نہیں ہے، محض چند نفوس نے کچھ گھر بنالیا ہے بظاہر وہ نہ تو مصر ہے اور نہ قصبہ کے حکم میں ہے، تو وہاں جمعہ کی ابتداء نہیں ہوسکتی ہے، کیونکہ جمعہ کی صحت کے لئے مصر یا قریہ کبیرہ کا ہونا شرط ہے، جمعہ قائم کرنے سے ظہر کا ترک بھی لازم آتا ہے اور دوگانہ نفل کی جماعت کی کراہت بھی ثابت ہوگی، اس لئے ایسی جگہ جمعہ قائم کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی، ہاں پہلے سے جمعہ ہورہا ہے، یا کسی جگہ امارت کا نظام ہے اور وہ آبادی اس کے ماتحت آتی ہے، امیر نے جمعہ قائم کرنے کا حکم واذن کیا ہے تو اب جمعہ پڑھا جاتا رہے گا، اس کو بند کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

"**وفي القهستاني:إذن الحاكم بنباء الجامع في الرستاق إذن بالجمعة اتفاقا على ما قاله السرخسي وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لاتجوز في الصغيرة التى ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما فى المضمرات والظاهر أنه أريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة ألا ترى أن في الجواهر:لوصلوا في القرى لزمهم أداء الظهر، وهذا إذا لم يتصل به حكم؛ فإن في فتاوى الديناري:إذا بني مسجد في الرستاق بأمر الإمام فهو أمر بالجمعة اتفاقا على ماقاله السرخسي**" (ردالمحتار مع الدرالمختار ۱/ ۵۹۰-۵۹۱ کتاب الجمعۃ)۔

(قہستانی میں ہے: حاکم کا قریہ میں مسجد جامع بنانے کا اذن جمعہ کا اذن ہے بالاتفاق جیسا کہ سرخسی نے کہا، اور جو ہم نے ذکر کیا ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ چھوٹے قریہ میں جہاں قاضی، منبر وخطیب نہ ہو جمعہ جائز نہیں ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے، ظاہر یہ ہے کہ کراہت جماعت سے نفل پڑھنے کی کراہت کی وجہ سے ہے کیا نہیں دیکھتے کہ جواہر

میں ہے کہ اگر قریہ میں نماز پڑھ لی تو ظہر کا ادا کرنا لازم ہے یہ اس وقت ہے جبکہ حکم حاکم نہ ہو؛ اس لئے کہ فتاوی دینار ی میں ہے: جب قریہ میں کوئی مسجد امام کے حکم سے بنائی گئی تو اس میں جمعہ کا حکم بھی ہو گیا بالاتفاق جیسا کہ سرخسی نے کہا)۔

"ليس للقاضي أن يصلي الجمعة بالناس إذا لم يؤمربه ويجوز لصاحب الشرطة وإن لم يؤمربه وهذا في عرفهم" (فتاوی خانیہ علی ہامش الہندیہ ۱/ ۱۷۴ کتاب الجمعۃ)۔

(قاضی کے لئے جائز نہیں ہے کہ لوگوں کو بلا حکم حاکم جمعہ پڑھائیں، پولیس انسپکٹر کے لئے جائز ہے کہ بغیر حکم جمعہ پڑھائے، یہی ان کا عرف ہے)۔

آج جب سرکار کی جانب سے نظام قضاء ختم ہو چکا ہے اور حاکم شرعی کا فقدان ہو چکا ہے تو اس کی جگہ اس صوبے وولایت میں مسلمانوں کا امیر ہی حاکم کے حکم میں ہوگا اور اسی کے حکم سے جمعہ وعیدین کا قیام کیا جائے گا۔

''جو بستی بڑی ہو اور وہاں کم از کم دو بڑی مسجدیں ہوں یا وہاں ضروری سامان مل جاتا ہو اس میں جمعہ پڑھانا چاہئے، ظہر احتیاطی کوئی چیز نہیں ہے، جمعہ پڑھیں یا ظہر پڑھیں، دونوں پڑھنا صحیح نہیں ہے'' (کفایۃ المفتی ۳/ ۱۹۴)۔

۳- دینی مصلحت سے گاؤں میں جمعہ کا قیام:

سابقہ تفصیل اس بات کے لئے کافی ہے کہ جمعہ کا قیام قریہ کبیرہ یا مصر میں ہوسکتا ہے، قریہ صغیرہ جہاں پہلے سے جمعہ قائم نہ ہو وہاں جمعہ کا قیام حنفی نقطہ نظر سے جائز نہیں ہے، دینی مصلحت کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے، دور حاضر کا ارتدادی وانحرافی فتنہ بھی آشکارا ہے اور قیام جمعہ سے لوگوں کا اکٹھا ہو جانا اور پھر علماء وائمہ سے بیان سن کر راہ راست پر آنا اور دین پر استقامت کا نصیب ہو جانا بھی قابل اعتبار ضرور ہے، مگر یہ مصالح قیام جمعہ پر موقوف نہیں ہیں، لوگوں کو اکٹھا ظہر کے نام پر بھی کیا جا سکتا ہے اور ہر ہفتے ظہر پڑھ کر بیان کا اہتمام کیا جا سکتا ہے، لوگوں کے اشکالات وخلجان کو رفع کیا جا سکتا ہے، ایسی جگہ جہاں شرعی طور پر جمعہ قائم نہیں ہوسکتا ہے اور نہ حکم امیر ہی اب تک آیا ہے وہاں جمعہ قائم کرنے میں چند خرابیاں لازم آتی ہیں:

۱- ایک نئی بات کا عبادت کے نام پر اضافہ جو کہ شریعت کی نگاہ میں انتہائی قبیح ہے۔

۲- نفل کی جماعت اور وہ بھی اعلان واشتہار کے ساتھ جس کی اجازت حنفی نقطہ نظر میں مشکل نظر آتی ہے۔

۳- ظہر جو کہ فرض وقت ہے، اس کا ترک لازم آئے گا اور کسی بھی فرض کا ترک اس کی اجازت اسلام میں نہیں دی جا سکتی ہے، طرفہ تماشا یہ ہوگا کہ اس ترک کو ترک بھی نہیں سمجھا جائے گا، یعنی قافلہ لٹ بھی جائے گا اور احساس زیان بھی نہیں ہو پائے گا، ان قباحتوں کی وجہ سے ایسی جگہ جمعہ کی اجازت نہیں ہوگی جو مصر یا قریہ کبیرہ کی مصداق نہ ہو، دینی مصلحت کے لئے دوسرے طریقے اختیار کئے جائیں گے، جمعہ کے نظام میں خرد برد نہیں کیا جائے گا۔

جمعہ کے بعض اہم مسائل -موجودہ حالات کے پس منظر میں

مفتی محمد جمیل اختر جلیلی ندوی☆

پنج وقتہ نمازوں کی طرح جمعہ کی نماز بھی فرض ہے، جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "**فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللّٰه**" (سورۂ جمعہ:۹) ہے؛ البتہ اس کے لئے ہمارے فقہاء نے کچھ شرطیں ذکر کی ہیں، جن میں سے بعض کا تعلق نمازی سے ہے اور بعض کا تعلق نماز کی درستگی سے، نمازی سے متعلق شرطیں درج ذیل ہیں:

مرد ہونا، عاقل ہونا، بالغ ہونا، آزاد ہونا، جسم کے لحاظ سے صحیح سالم ہونا، مقیم ہونا۔

جہاں تک جمعہ کی صحت کے تعلق سے شرطیں ہیں تو وہ اجمالی طور پر درج ذیل ہیں:

مصر یا فناء مصر، سلطان یا اس کی طرف سے مامور فرد، وقت ظہر کا ہونا، خطبہ، خطبہ کا نماز سے پہلے ہونا، جماعت کا پایا جانا، اذن عام (تحفۃ الفقہاء: ۲/۱۶۱، ط: دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۸۴ء)۔

پھر ان میں سے ہر ایک کی کچھ شرطیں ہیں، ان تمام کو ذکر کرنے کی بجائے براہ راست سوال کے جواب پر گفتگو کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱- فقہاء احناف نے جمعہ کے درست ہونے کے لئے "مصر" کو شرط قرار دیا ہے؛ چنانچہ علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

"**ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر**....." (الدر المختار، باب الجمعۃ ۱/۱۹۳)۔

(جمعہ کے درست ہونے کے لئے سات شرطیں ہیں، پہلی شرط مصر کا ہونا ہے)۔

اسی کے قائل ابراہیم نخعی، سفیان ثوری، حسن بصری اور ابن سیرین رحمہم اللہ بھی ہیں (فتح الباری لابن رجب، باب الجمعۃ فی القری والمدن: ۸/۱۳۹)۔

اب سوال یہ ہے کہ شرط کسے کہتے ہیں؟ تو اس تعلق سے امام سرخسی فرماتے ہیں:

"**الشرط: اسم لمايضاف الحكم إليه وجوداً عنده لاوجوباً به**" (اصول السرخسی: ۲/۳۰۳)۔

☆ استاذ حدیث وفقہ مدرسہ ضیاء العلوم، کنڈلور (کرناٹک)۔

(شرط اس اسم کو کہتے ہیں، جس کی موجودگی میں حکم کو اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اس کے ذریعہ سے وہ واجب نہیں ہوتا)۔

امام بزدوی لکھتے ہیں:

"**أماالشرط المحض: فمايمتنع به وجودالعلة، فإذاوجدالشرط وجدت العلة، فيصير الوجود مضافاً إلى الشرط دون الوجوب**" (أصول البزدوی، باب تقسیم الشرط، ص:۳۱۶)۔

(جہاں تک شرط محض کا تعلق ہے تو یہ علت کے وجود کے لئے مانع نہیں ہے، لہٰذا جب شرط پائی جائے گی، علت بھی پائی جائے گی، ایسے میں وجود کی نسبت شرط کی طرف ہوگی، وجوب کی طرف نہیں)۔

معلوم یہ ہوا کہ اگر مصر نہیں ہے تو شرط مفقود ہونے کی وجہ سے جمعہ بھی نہیں ہے؛ کیوں کہ شرط کے بغیر مشروط کا وجود نہیں ہوتا، مصر کو شرط قرار دینے کے لئے ان کے پاس درج ذیل دلائل ہیں:

۱- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**لاجمعة، ولاتشريق، ولا فطر، ولاأضحى إلافی مصرجامع**" لیکن اس حدیث کے تعلق سے علامہ زیلعی فرماتے ہیں:

"**قلت: غريب مرفوعاً، وإنماوجدناه موقوفاً على عليّ**" (نصب الرایۃ لأحادیث الہدایۃ، باب صلاۃ الجمعۃ: ۲/۱۹۵)۔

(میں کہتا ہوں کہ مرفوع ہونے میں یہ غریب ہے؛ البتہ ہم نے اس حدیث کو حضرت علی پر موقوف پایا ہے)۔

۲- حضرت علیؓ سے مروی ہے: "**لاجمعة ولاتشريق ولاصلاةفطر ولاأضحىٰ إلافی مصرجامع، أومدينة عظيمة**" (مصنف ابن أبی شیبۃ، باب من قال: لا جمعۃ ولا تشریق إلا فی مصر جامع، حدیث نمبر:۵۰۹۹، مصنف عبدالرزاق، باب القری الصغار، حدیث نمبر:۵۱۷۵)۔

۳- حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے، انہوں نے کہا: "**ليس على أهل القرىٰ جمعة، إنما الجمعة على أهل الأمصار، مثل المدائن**" (مصنف ابن أبی شیبۃ، باب من قال: لا جمعۃ ولا تشریق إلا فی مصر جامع، حدیث نمبر:۵۱۰۰)۔

۴- حضرت ابوبکر ابن محمدؒ سے مروی ہے: "**أنه أرسل إلى أهل ذى الحليفة: أن لاتجمّعوا بها، وأن تدخلوا إلى المسجد، مسجدرسول الله** ﷺ" (مصنف ابن أبی شیبۃ، باب من قال: لا جمعۃ ولا تشریق إلا فی مصر جامع، حدیث نمبر:۵۱۰۳، مصنف عبدالرزاق، باب القری الصغار، حدیث نمبر:۵۱۸۰)۔

اسی طرح عقلی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اتنے سارے علاقے فتح کئے؛ لیکن

ان لوگوں نے شہروں میں ہی مساجد کی تعمیر کی، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ان کے نزدیک بھی ''مصر'' جمعہ کے شرائط میں تھا، علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

''**ولأن الصحابة حين فتحوا الأمصار والقرىٰ مااشتغلوا بنصب المنابروبناء الجوامع إلا فی الأمصار والمدن، وذلک اتفاق منهم علی أن المصر من شرائط الجمعة**''(المبسوط للسرخسی، باب صلاۃ الجمعۃ ۱/۳۸)۔

ان دلائل سے یہ معلوم ہوا کہ جمعہ کی صحیح ہونے کے لئے 'مصر' شرط ہے؛ لیکن مصر کی تعریف میں کافی اختلاف ہے، لغوی اعتبار سے بھی اور اصطلاحی لحاظ سے بھی؛ چنانچہ لغوی اعتبار سے اس کے کئی معانی آتے ہیں:

۱- **الصُقع / الناحية.** (گوشہ، کناہ، مقام، ملک، علاقہ)

۲- **المدينة.** (شہر، جو تمام تہذیبی اور تمدنی ضروریات ولوازم کا جامع ہو)

۳- **الحدبين الأرضين.** (دو زمینوں کے درمیان کی حدود)

۴- **الحاجز بين الشيئين.** (دو چیزوں کے مابین آڑ)

۵- **تراب أحمر.** (سرخ مٹی)(معجم الرائد، ص:۴۵۷)۔

۶- ''**منطقة كبيرة تقام فيها الدور والأسواق والمدارس وغيرهامن المرافق العامة**''(معجم اللغۃ العربیۃ المعاصرۃ، ص:۲۱۰۳، لفظ نمبر:۴۸۳۹، المعجم الوجیز، ص:۵۸۴)۔

فقہی اصطلاحی تعریف میں بھی کئی طرح کے اقوال ہیں:

۱- ''**وظاهرالمذهب فی بيان حد المصر: أن يكون فيه سلطان أوقاض لإقامة الحدود وتنفيذ الأحكام**''.

۲- ''**وقدقال بعض مشايخنا رحمهم الله: أن يتمكن كل صانع أن يعيش بصنعته فيه ولايحتاج فيه إلى التحول إلى صنعة أخرىٰ**''.

۳- ''**وقال ابن شجاع–رضی الله عنه–: أحسن ماقيل فيه: إن أهلهابحيث لواجتمعوا فی أكبر مساجدهم لم يسعهم ذلک؛ حتى احتاجوا إلى بناء مسجد الجمعة، فهذا مصرجامع تقام فيه الجمعة**''(المبسوط للسرخسی، باب صلاۃ الجمعۃ:۱/۳۸)۔

۴- ''**قال أبوحنيفةؒ: المصر: كل بلدة فيهاسكک وأسواق ولهارساتيق ووال ينصف**

المظلوم من ظالمه وعالم يُرجع إليه فی الحوادث، قال الزيلعی: وهوالأصح''(فتاوی ابن الشلبی،ص:۵۹)۔

۵- ''عن أبی يوسف: هوكل موضع يكون فيه كل محترف، ويوجد فيه جميع مايحتاج الناس إليه فی معايشهم عادة، وبه قاض يقيم الحدود''.

۶- ''وقيل: إذا بلغ سكانه عشرة آلاف''.

۷- ''وقيل: عشرة آلاف مقاتل''.

۸- ''سئل عطاء عن القرية الجامعة، فقال: ذات الجماعة والأمير والقاضی والدور المجتمعةالآخذ بعضها ببعض مثل جدة''(فیض الباری شرح البخاری، باب الجمعۃ فی القری والمدن:۲/۴۲۶)۔

ڈاکٹر رواس قلعہ جیؒ نے دو تعریفیں لکھی ہیں:

۹- ''المصرالجامع: البلدالذی عظمت فيه العمارة وكان فيه سلطة قضائية وسلطة تنفيذية وأسواق للمعاملة''(معجم لغۃ الفقہاء،ص:۴۰۳)۔

ان تمام تعریفات میں جو بہتر اور مناسب ہے اور جس کو فقہائے احناف نے مفتی بہ قرار دیا ہے، وہ درج ذیل تعریف ہے:

''إن أهلهابحيث لواجتمعوا فی أكبر مساجدهم لم يسعهم ذلک؛ حتی احتاجوا إلی بناء مسجد الجمعة''(المبسوط للسرخسی، باب صلاۃ الجمعۃ:۱/۳۸)۔

(اس کے باشندے اگر وہاں کی بڑی مسجد میں جمع ہو جائیں تو وہ ناکافی ہو اور انھیں دوسری مسجد بنانے کی ضرورت پڑ جائے)۔

علامہ حصکفی اس تعریف کے تعلق سے تحریر فرماتے ہیں:

''وعليه فتوی أكثرالفقهاء، مجتبی لظهورالتوانی فی الأحكام''(الدرالمختار مع ردالمحتار، باب الجمعۃ:۳/۵)۔

پھر اس تعریف کی مزید وضاحت کرتے ہوئے علامہ شامی لکھتے ہیں:

''(مالايسع) هذايصدق علی كثيرمن القری. قوله(وعليه فتوی أكثرالفقهاء الخ)وقال أبوالشجاع: هذاأحسن ماقيل فيه، وفی الولوالجية: وهوصحيح، بحر.وعليه مشی فی الوقاية ومتن المختار وشرحه، وقدمه فی متن الدررعلی القول الآخر، وظاهره ترجيحه، أيده صدرالشريعة بقوله: لظهورالتوانی فی أحكام الشرع سيما فی إقامة الحدودفی الأمصار''(ردالمحتار، باب الجمعۃ ۳/۵)۔

لیکن اس میں بھی آج کل کے اعتبار سے اشکال ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ بہت ساری جگہیں ایسی ہیں، جہاں اہل خیر حضرات کی کرم فرمائی کی وجہ سے مساجد تو عظیم الشان ہیں؛ لیکن آبادی اتنی نہیں کہ مسجد بھر جائے، وہاں جمعہ بھی قائم ہے، لہٰذا اس تعریف کے اعتبار سے اس جگہوں میں ہونے والی جمعہ کی نماز کے تعلق سے شکوک وشبہات باقی رہیں گے؛ اس لئے راقم کے نزدیک علامہ ظفر احمد تھانویؒ کی نقل کردہ تعریف زیادہ قابل ترجیح ہے، وہ تعریف یہ ہے:

"**وقيل: إنه مايجتمع فيه مرافق الدين والدنيا**".

اور کہا گیا ہے کہ (مصر وہ ہے) جس میں دین ودنیا کی ضروریات کی چیزیں جمع ہوں۔

اس تعریف میں جو بات کہی گئی ہے، وہ یہ کہ جہاں دینی اور دنیاوی مرافق جمع ہوں، وہ "مصر" ہے، اب تحقیق طلب ہے کہ "مرافق" کسے کہتے ہیں؟ اس تعلق سے لغوی اور اصطلاحی جواب درج ذیل ہے:

لغوی اعتبار سے اسے "**مَرْفِق**" اور "**مِرْفَق**" دونوں پڑھا جاسکتا ہے، اس کے معنی: "**مایُرتفق به وینتفع ویستعان**" (جس سے فائدہ اٹھایا جاتا اور مدد حاصل کی جاتی ہے) کے آتے ہیں، اسی سے "**مرافق المدينة**" ہے، جس کے معنی: "**ماينتفع به السكان عامة كأجهزة النقل والشرب والإضاءة**" (باشندے عمومی طور پر جس سے فائدہ اٹھائیں، جیسے: حمل ونقل، پینے اور روشنی کے آلات) کے آتے ہیں، اسی سے "**مِرفق الدار**" (بکسر المیم) ہے، جس کے معنی: "**كل مايرتفق به من مطبخ وكنيف ومَصاب المياه**" (پانی بہنے کا جگہ، بیت الخلاء اور مطبخ میں سے وہ تمام چیزیں، جن سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے) کے آتے ہیں، اس کی جمع "**مرافق**" آتی ہے (دیکھئے: المعجم الوسیط، ص: ۳۶۲، المعجم الوجیز، ص: ۲۷۲، لسان العرب، ص: ۱۶۹۵)۔

اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو "مرافق الدین" میں "مسجد، مکتب، مصلیٰ، قبرستان، امام (بادشاہ نہیں؛ بل کہ آج کل امام مسجد کہ وہ ایک طرح سے حکم اور قاضی کے قائم مقام ہوتا ہے اور جماعت المسلمین کی طرف سے متعین ہوتا ہے) اور جماعت المسلمین" وغیرہ داخل ہیں؛ کیوں کہ ان تمام کی وجہ سے تقریباً دینی ضروریات ان ممالک میں پوری ہوجاتی ہیں، جو اسلامی نہیں ہیں، جو جمہوری ہیں یا جہاں مسلمان اقلیت میں رہتے ہیں۔

جب کہ "مرافق الدنیا" میں "کھانے پینے، دوادارو اور خرید وفروخت" وغیرہ شامل ہیں۔

اس کا اگر لحاظ کیا جائے تو تمام وہ جگہیں، جہاں "مسجد، مصلیٰ، قبرستان اور جماعت المسلمین" وغیرہ ہوں، نیز وہاں کھانے پینے کی ضروریات کی چیزیں ملی جاتی ہوں یعنی راشن دوکان بھی اور دواخانہ وغیرہ بھی ہو تو اسے "مصر" کہا جاسکتا ہے؛ کیوں کہ یہی چیزیں ان جمہوری یا غیر اسلامی ممالک کے حق میں "مرافق الدین والدنیا" ہیں۔

پھراس تعریف کواس بات کے پیش نظر بھی دیکھنا چاہئے کہ آج کا دور پہلے کے دور سے بہت مختلف ہے، اس زمانہ میں پیادہ پاسفر کرنا پڑتا تھا، آن لائن کا نظام نہیں تھا، جب کہ آج کی دنیا ''ایک گاؤں'' (Globle Village) بن چکی ہے، سواریوں کی سہولت کی وجہ سے شدید سے شدید ضروریات کی چیزیں بھی گھنٹوں میں حاصل کی جاسکتی ہیں اور آن لائن نظام کی وجہ سے تو جو چیزیں بازار میں بھی دستیاب نہ ہوں، وہ بھی مہیا ہوجاتی ہیں؛ اس لئے راقم کے نزدیک ''مصر'' کی یہ تعریف زیادہ مناسب ہے اور اس کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ گاؤں شامل ہوں، جہاں جمعہ کی نماز پڑھی جارہی ہے، واللہ اعلم بالصواب!

۲- اس سوال کے اندر دو شقیں ہیں:

(الف) ایسی باقاعدہ آبادی، جہاں نماز باجماعت کا مسجد کے ساتھ نظم ہو۔

(ب) ایسی باقاعدہ آبادی، جہاں نماز باجماعت کا مسجد کے نظام کے بغیر نظم ہو۔

جہاں تک پہلی شق کی بات ہے تو سوال نمبر ایک میں مذکور مصر کی تعریف اگر اس پر صادق آجاتی ہو تو جمعہ کا نظام بنانے میں کوئی حرج محسوس نہیں ہوتا اور اغلب یہی ہے کہ ایسی آبادی میں ''مرافق الدین والدنیا'' دونوں ہی پائے جاتے ہوں گے؛ اس لئے نیز اس تفصیل کی روشنی میں بھی، جو دوسری شق کے سلسلہ میں آرہی ہے، وہاں جمعہ کا نظام بنانے میں کوئی حرج محسوس نہیں ہوتا۔

رہی بات دوسری شق کی، تو جب وہاں باقاعدہ آبادی ہے اور باجماعت نماز کا نظم بھی قائم ہے تو ایسی صورت میں بالخصوص آج کے زمانہ میں اور ہمارے جیسے ملک میں، جہاں اسلام کی شناخت ہی جمعہ اور عیدین کے ساتھ باقی رہ گئی ہے، جمعہ کی اجازت دی جانی چاہئے، ایک تو اس لئے کہ مصر یا آبادی وغیرہ کی شرط مجتہد فیہ ہے اور مجتہد فیہ میں اس طرح کی گنجائش نکل آتی ہے، دوسرے حضرت عمرؓ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور حضرت عطاءؒ کے اقوال کی وجہ سے، جو درج ذیل ہیں:

۱- **عن أبی رافع عن أبی هريرةؓ ''أنهماكتبوا إلى عمريسألونه عن الجمعة، فكتب: جمعوا حيث كنتم''** (مصنف ابن أبی شیبۃ، باب من یری الجمعۃ فی القری وغیرہا، حدیث نمبر: ۵۰۶۸)۔

۲- **وكيع عن جعفربن برقان قال: ''كتب عمربن عبدالعزيزإلى عدى بن عدى: أيما أهل قرية، ليسوابأهل عمود ينتقلون، فأمرعليهم أميراً يجمع بهم''** (مصنف ابن أبی شیبۃ، باب من یری الجمعۃ فی القری وغیرہا، حدیث نمبر: ۵۰۶۹)۔

۳- **عن عطاء قال: "إذا كانت قرية لازقة بعضها ببعض جمعوا"** (مصنف ابن أبی شیبۃ، باب من یری الجمعۃ فی القری وغیرہا، حدیث نمبر: ۵۰۷۰)۔

۴-**عن مالک قال: "كان أصحاب محمد فی هذه المياه بين مكة والمدينة يجمعون"** (مصنف ابن أبی شیبۃ، باب من یری الجمعۃ فی القری وغیرہا، حدیث نمبر: ۵۰۷۱)۔

اس تعلق سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

"جمعہ میں جماعت اور کچھ تمدن شرط ہے اور نبی کریم ﷺ، ان کے خلفاء رضوان اللہ علیہم اور ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ جمعہ آبادیوں میں جمعہ پڑھا کرتے تھے اور وہ بادیہ نشینوں کو اس کا مکلّف نہیں کرتے تھے، بل کہ ان کے زمانہ میں بادیہ نشینوں میں جمعہ قائم نہیں کیا گیا، لہٰذا امت نے قرناً بعد قرن اور عصراً بعد عصر یہ سمجھا کہ جمعہ کے لئے جماعت اور تمدن شرط ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ شرط اس لئے ہے کہ جب جمعہ کا مقصد بستی میں دین کی اشاعت ہو تو اس وقت تمدن اور جماعت کو دیکھنا ضروری ہے؛ تاہم میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ کم از کم اتنی آبادی، جس کو قریہ کہا جاسکے، مختلف اسانید سے مروی احادیث کی وجہ سے، جن کی بعض بعض کو قوی کرتی ہیں کہ: "جمعہ پانچ شخصوں پر واجب نہیں"، اور ان میں (پانچوں میں) بادیہ نشینوں کو شمار کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: "جمعہ پچاس آدمیوں پر ہے"، میں کہتا ہوں: پچاس آدمی کی تعداد اتنی ہے، جس سے قریہ بن جاتا ہے، اور آپ ﷺ نے فرمایا: "جمعہ ہر بستی پر واجب ہے"، اور کم از کم وہ مقدار کافی ہے، جسے جماعت کہا جاسکے، منتشر ہوجانے والے لوگوں کے واقعہ کی وجہ سے اور ظاہر ہے کہ وہ واپس نہیں لوٹے تھے، باقی اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والے ہیں، لہٰذا جب یہ مقدار حاصل ہوجائے تو جمعہ واجب ہوجاتا ہے اور جو جمعہ سے پیچھے رہ جائے، وہ گناہ گار ہے اور چالیس آدمی شرط نہیں ہے اور ظاہر یہ ہے کہ حکام جمعہ قائم کرنے کے زیادہ حق دار ہیں" (حجۃ اللہ البالغہ، الجمعہ ۲/ ۴۷)۔

ایسا ہی فتوی امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ، جھارکھنڈ سے بھی دیا گیا ہے؛ چنانچہ امارت شرعیہ کے بانی حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ ایک استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں:

"دیہات میں جمعہ کی بابت جو فتوی امارت سے بارہا بھیجا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ جس گاؤں میں مسلمانوں کی مستقل آبادی ہو اور بالغ مرد جماعت کے لئے کافی ہوں، وہاں نماز جمعہ ہوسکتی ہے" (فتاوی امارت شرعیہ: ۱/ ۶۲)۔

۳- احکام کے مراتب میں "ضروریات" کا درجہ پہلے نمبر پر آتا ہے اور اس میں بالترتیب پانچ چیزیں داخل ہیں:

۱- حفظ دین، ۲- حفظ نفس، ۳- حفظ عقل، ۴- حفظ نسب/عرض/نسل، ۵- حفظ مال، پھر ان پانچوں میں ایمان کی حفاظت کا مرتبہ پہلے نمبر پر آتا ہے، ابن امیر الحاجؒ لکھتے ہیں:

"ویقدم حفظ الدین من الضروریات علی ماعداہ عندالمعارضة؛ لأنه المقصود الأعظم"

(التقریر والتحریر: ۳/۳۰۷، شرح الکوکب المنیر، باب ترتیب الأدلة والتعادل والتعارض: ۴/۷۲۷)۔

(معارضہ کے وقت ضروریات میں سے حفظ دین کو دوسروں پر مقدم کیا جائے گا؛ اس لئے کہ وہی مقصود اعظم ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب ایمان کی بقا اور حفاظت کا ایک اہم ذریعہ آج کل "جمعہ" ہے تو گاؤں میں بھی اس کے اداء کرنے کی اجازت دی جانی چاہئے، جس کی وجوہات کی تفصیل گزشتہ سوالوں کے جواب میں گزر چکی ہے، ہذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب!

☆☆☆

موجودہ دور میں اقامت جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط
تحقیق، تنقیح اور تجزیہ

مولانا رحمت اللہ ندوی☆

۱- جمعہ کے دن اور اس کی نماز کی بڑی فضیلت اور اہمیت ہے، نماز جمعہ کی فرضیت کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے، اور یہ نماز ہر مکلّف مسلمان پر فرض عین ہے، سوائے ان لوگوں کے جن کو حدیث میں مستثنیٰ کر دیا گیا ہے (کتب احادیث کے علاوہ المغنی ۲/۱۱۱، بدائع الصنائع ۱/۲۵۶ ملاحظہ ہو)۔

جمعہ کی فرضیت اور اس کی تاکید میں نہ تو کوئی شبہ ہے اور نہ کسی کا اختلاف، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ جمعہ کہاں فرض ہوا؟ اکثر کا قول یہ ہے کہ مدینہ میں فرض ہوا، ان کی دلیل "**یا أیها الذین آمنوا إذا نودی للصلوة من یوم الجمعة**" ہے، یہ آیت بلکہ پوری سورت مدنی ہے، لیکن امام غزالیؒ فرماتے ہیں: جمعہ مکہ مکرمہ میں فرض ہوا، لیکن تعداد مفقود ہونے کی وجہ سے قائم نہ ہوا، یا اس وجہ سے کہ جمعہ کا شعار اظہار ہے اور رسول اللہ ﷺ وہاں چھپے ہوئے تھے، علامہ ابن حجر کا کہنا ہے کہ مدینہ ہی میں فرض ہوا، یہ ممکن ہے کہ مطالبہ مکہ مکرمہ میں ہوا ہو لیکن حالات سازگار نہ ہونے کی وجہ سے وجوب کا استقرار مدینہ میں ہوا ہو، ''کشاف القناع'' میں ہے:

"**فرضت بمكة قبل الهجرة لما روى الدارقطنى عن ابن عباسؓ قال: أذن للنبى ﷺ فى الجمعة قبل أن هاجر، فلم يستطع أن يجمع بمكة، فكتب إلى مصعب بن عمير:**

"**أمابعد!فانظر إلى اليوم الذي تجهر فيه اليهود الزبور لسبتهم فأجمعوا نساء كم وأبناء كم، فإذا مال النهار عن شطره عند الزوال من يوم الجمعة، فتقربوا إلى الله بركعتين**" (الجمعۃ ومکانتہا فی الدین، أحمد بن حجر آل بوطامی/۵۶، الجمعۃ والہند/۸ تا ۲۳)۔

(جمعہ قبل از ہجرت مکہ مکرمہ میں فرض ہوا، دارقطنی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

☆ استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

ہجرت سے قبل ہی نبی کریم ﷺ کو جمعہ کی اجازت اور حکم ہوگیا تھا، لیکن آپ جمعہ مکہ میں قائم نہ کر سکے، لہذا حضرت مصعب بن عمیر ؓ کو لکھ کر بھیجا، امابعد! تم اس دن کو دیکھو جس میں یہود اپنے سنیچر والے دن زبور بآواز بلند پڑھتے ہیں، تو تم اپنی عورتوں اور بچوں کو جمع کرو، جب جمعہ کے دن زوال کے وقت سورج نصف نہار سے مائل ہوجائے، تو تم دوگانہ ادا کر کے اللہ کا تقرب حاصل کرو)۔

آیت جمعہ میں یہ مذکور نہیں ہے کہ نماز کب پڑھی جائے ؟ کہاں پڑھی جائے؟ کون لوگ پڑھیں اور کون نہ پڑھیں؟ کن حالات میں پڑھی جائے اور کن حالات میں نہ پڑھی جائے؟ ان تمام سوالات کے جوابات سے آیت خاموش ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

جمعہ کی حکمتیں:

آگے بڑھنے سے پہلے جمعہ کی چند حکمتوں پر ایک نظر ڈالتے چلیں، جمعہ کی فرضیت میں جو حکمتیں ہوسکتی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

مسلمانوں کا آپسی اتحاد و اتفاق، مساوات، امیر و غریب سب ایک صف میں کھڑے ہوتے ہیں، خطیب سے وعظ و نصیحت سننا جس سے اصلاح ہوتی ہے، مختلف موضوعات پر دین کی باتیں سیکھنے کا موقع ملتا ہے، خطیب سماج کی برائی اور بیماری کی تشخیص کرتا ہے، اکبر الجماعۃ اور اہم شعار کا مظاہر ہوتا ہے (الجمعہ ومکانتہا فی الدین، للشیخ احمد بن حجر آل بوطامی)۔

دو اصولی باتیں:

الف- جمعہ کی فرضیت عام نمازوں کی فرضیت سے زیادہ مؤکد ہے، اور اس کی اقامت اسلام کے مقاصد اصلیہ کی تکمیل کے لئے غایت درجہ اہمیت رکھتی ہے۔

ب- اقامت جمعہ میں شارع کے پیش نظر مدنیت و اجتماعیت ہے، اور وہ اس کے ذریعہ سے انتشار دور کر کے اہل ایمان کو اجتماع کی طرف لانا چاہتا ہے۔

متفق علیہ عملی تفصیلات:

رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور آپ ﷺ کے متواتر عمل، مزید صحابہ کرام کے اقوال و اعمال سے جو باتیں قطعی طور پر معلوم ہوتی ہیں اور وہ متفق علیہ ہیں، وہ یہ ہیں:

۱- رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے ہمیشہ نماز جمعہ ظہر کے وقت پڑھی ہے، لہذا جمعہ کا وقت ظہر کا وقت ہے۔

۲-آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے اصحابؓ نے کبھی خطبہ کے بغیر جمعہ نہیں پڑھا، لہذا جمعہ کی نماز کے ساتھ خطبہ ضروری ہے۔

۳-جمعہ کی فرضیت سے غلام، عورت، بچے، مسافر اور مریض مستثنی ہیں، فرض جن پر عائد ہوتا ہے وہ صرف ایسے عاقل و بالغ مرد ہیں جو آزاد ہوں اور صحیح و تندرست ہوں۔

۴-عہد نبویؐ اور عہد صحابہؓ میں جمعہ کبھی ویرانوں اور جنگلوں اور عارضی فرودگاہوں اور کیمپوں میں نہیں پڑھا گیا، لہذا اقامت جمعہ کے لئے ایسی جگہ ہونی چاہئے جہاں مستقل آبادی ہو۔

۵-جمعہ کبھی پرائیویٹ مکانوں میں نہیں پڑھا گیا، بلکہ ہمیشہ ایسی جگہ پڑھا گیا ہے جہاں ہر مسلمان کو حاضر ہونے کی آزادی ہو، لہذا جمعہ کے لئے اذن عام ضروری ہے۔

یہ وہ امور ہیں جن پر امت کا اتفاق ہے، کیونکہ ان کا ثبوت قطعی اور یقینی ہے، ان کے علاوہ جتنے جزئی امور ہیں ان میں سے کوئی بھی قطعی طور پر ثابت نہیں ہے، بلکہ فقہاء کے مابین بکثرت اختلافات ہوئے ہیں، مثلاً نصاب جماعت کیا ہو؟ جمعہ کون قائم کرے؟ خطبہ دو ہوں یا ایک ہی کافی ہے؟ وغیرہ۔

اختلافی امور اور اختلاف کے وجوہ:

جمعہ کے تعلق سے جو امور اختلافی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جمعہ کے لئے کس قسم کی بستی ہونی چاہئے اور اس بستی سے کتنے فاصلے تک کے لوگوں کے لئے آنا چاہئے؟

امام شافعیؒ کے نزدیک ان قریوں میں جمعہ جائز نہیں، جن کے باشندے گرمی اور سردی کے موسم میں نقل مکانی کر کے کہیں اور منتقل ہو جاتے ہوں، ان کے علاوہ ایسے تمام قریوں میں جمعہ کی نماز جائز ہے، جن میں چالیس یا اس سے زیادہ عاقل و بالغ اور آزاد مرد موجود ہوں، ان کا استدلال حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث سے ہے جس میں بحرین کے قریہ 'جواثی' میں مدینہ کے بعد پہلا جمعہ قائم کرنے کا ذکر آیا ہے، اسی طرح حضرت عمرؓ کے قول: ''جمعہ ادا کرو جہاں کہیں بھی ہو'' سے استدلال ہے۔

لیکن یہ استدلال محل نظر ہے، کیونکہ پہلی روایت میں محض ''قریہ'' کا لفظ ہے جس کا مفہوم متعین نہیں، اور کم از کم اس سے چالیس مردوں کی قید تو بہر حال نہیں نکلتی، دوسری روایت جس قدر ان کی تائید میں ہے اسی قدر ان کے خلاف بھی ہے، اس سے تو جنگل اور ویرانے میں بھی اقامت جمعہ کا جواز نکالا جا سکتا ہے جس کا کوئی قائل نہیں، حتی کہ خود امام شافعیؒ بھی جائز نہیں سمجھتے۔

امام احمدؒ کا مسلک اپنے استاد امام شافعیؒ سے ملتا جلتا ہے، اور امام مالکؒ کے نزدیک ہر اس قریہ میں جمعہ ہوسکتا ہے، جس کی آبادی مستقل ہو، خواہ آبادی میں چالیس مردوں سے تعداد کم ہو۔

امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے نزدیک جمعہ صرف 'مصر' میں قائم کیا جاسکتا ہے، دیہات میں قائم نہیں کیا جاسکتا ہے، لیکن ان کے نزدیک 'مصر' کی تعیین اور اس کی تشریح میں خاصا اختلاف ہے۔

مصر جامع کی شرط اور اسکی تشریح:

اقامت جمعہ کے لئے حنفیہ کے یہاں 'مصر جامع' کی شرط ہے، ان کا استدلال حضرت علیؓ کے اس قول سے ہے:

"**لاجمعة ولا تشريق ولافطر ولا أضحى إلا في مصر جامع**" ۔

مزید یہ بھی دلیل دیتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے جب ممالک فتح کئے تو دیہات میں کہیں بھی منبر نصب نہیں کئے، جس سے گویا جمعہ کے لئے مصر ہونے پر صحابہ کا اجماع ہے۔

حضرت علیؓ کے مذکورہ بالا قول کو امام شافعیؒ کے خلاف حجت کے طور پر پیش کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار "مجمع الأنہر شرح ملتقی الأبہر" کے مؤلف محقق عبدالرحمٰن بن محمد کلیوبی معروف بہ داماد آفندی تحریر فرماتے ہیں:

"**والحجة عليه قول علي.....كما في أكثر الكتب، لكن هذا مشكل جدا، لأن الشرط الذي هو فرض لا يثبت إلا بقطعي، كما في شرح التنوير**" (مجمع الأنہر ۱/ ۲۴۵)۔

(امام شافعیؒ کے خلاف حجت حضرت علیؓ کا قول..... ہے، جیسا کہ اکثر کتابوں میں ہے، لیکن یہ بے حد مشکل ہے، اس لئے کہ وہ شرط جو فرض ہے، صرف قطعی دلیل سے ثابت ہوتا ہے، جیسا کہ شرح التنویر میں ہے)۔

اقامت جمعہ کے لئے مصر کی شرط ائمہ اربعہ میں صرف امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے، لیکن مصر کی تعریف میں خود حنفیہ کے درمیان بہت سے اختلافات ہیں، حتی کہ خود امام ابوحنیفہؒ کے بھی دو مختلف قول ہیں، چند اقوال حسب ذیل ہیں:

۱- مصر جامع وہ ہے جہاں امیر اور قاضی ہو، احکام نافذ کرے اور حدود جاری کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔

۲- مصر وہ ہے جہاں کی سب سے بڑی مسجد میں اگر سب باشندے جمع ہوں تو نہ سما سکیں۔

۳- مصر اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں بازار اور سڑکیں اور محلے ہوں اور کوئی ایسا حاکم ہو جو ظالم سے مظلوم کا انصاف لے، اور کوئی عالم ایسا ہو جس کی طرف مسائل میں رجوع کیا جاسکے (ملاحظہ ہو، ہدایہ اولی و دیگر کتب فقہ)۔

۴- امام جس مقام کو مصر قرار دے اور اقامت جمعہ کا حکم کرے وہی مصر ہے۔

۵- مصر وہ ہے جہاں ہر پیشہ کا آدمی اپنے پیشہ سے بسر اوقات کرسکتا ہو۔

۶-جس کی آبادی دس ہزار ہو، صرف اسی جگہ کو مصر کہا جا سکتا ہے۔

۷-جس کی آبادی تین ہزار سے کم نہ ہو، وہ مصر ہے۔

اس قسم کی بیسیوں تعریفیں فقہاء نے بیان کی ہیں۔

ہدایہ وغیرہ میں ہے:"لاتصح الجمعة إلا فی مصر جامع أو مصلی المصر، ولا تجوز في القری، لقوله عليه السلام:'لاجمعة ولاتشريق ولا فطر ولا أضحی إلا فی مصر جامع" ۔

آگے مصر کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"والمصر الجامع كل موضع له أمير وقاضی ينفذ الأحكام ويقيم الحدود، وهذا عن أبی يوسف، وعنه أنهم إذا اجتمعوا في أكبر مساجدهم لم يسعهم، الأول اختيار الكرخي وهو الظاهر، والثاني اختيار الثلجی، والحكم غير مقصور على المصلی، بلی يجوز فی جميع أفنية المصر لأنها بمنزلته فی حوائج أهله"(ہدایہ ۱/ ۱۶۸، البحر الرائق ۲/ ۲۴۵، مجمع الأنہر ۱/ ۲۴۵، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۱۲۹۴)۔

شیخ احمد بن حجر آل بوطامی لکھتے ہیں:"وروی عن أبی حنيفة:هو بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم"(الجمعۃ ومکانتہا فی الدین/ ۷۶)۔

وجوب جمعہ اور صحت اداء کے لئے احناف کے نزدیک مصر اور توابع مصر (فنائے مصر) کی شرط ہے۔

"أما المصر الجامع:فشرط وجوب الجمعة وشرط صحة أدائها عند أصحابنا حتی لاتجب الجمعة إلا على أهل المصر ومن كان ساكنا في توابعه، وكذا لا يصح أداء الجمعة إلا فی المصر وتوابعه، فلا تجب على أهل القری التي ليست من توابع المصر،و لا يصح أداء الجمعه فيها" (بدائع الصنائع ۱/ ۵۸۳، مکتبہ زکریا ۱۹۹۸ء)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ نے تمام مسالک کے شروط جمعہ بیان کرنے کے بعد خلاصہ بحث کے طور پر تحریر فرمایا ہے:

"والخلاصة:لابدلإقامة الجمعة عند الجمهور من كونها في مدينة أو قرية، ولا بدأن تكون القرية كبيرة عند الحنفية فلا تجب على سكان القری الصغيرة، أی لا بد من المصر عندهم، أما عند غيرهم فلا يشترط المصر، والقرية والبلد سواء"(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۱۲۹۵)۔

(خلاصہ یہ کہ جمہور کے نزدیک اقامت جمعہ کے لئے، جمعہ کا شہر یا گاؤں میں ہونا ضروری ہے، حنفیہ کے نزدیک قریہ کا بڑا ہونا ضروری ہے، لہذا چھوٹے گاؤں کے باشندوں پر جمعہ واجب نہیں ہوگا، یعنی ان کے یہاں مصر ہونا ضروری

ہے،لیکن ان کے علاوہ حضرات کے نزدیک مصر شرط نہیں ہے،قریہ اور شہر یکساں ہے)۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے تحریر فرمایا ہے:''جس مسلک پر جمہور جیسے امام مالک،شافعی اور امام احمدؒ ہیں،وہ یہ ہے کہ قری میں اقامت جمعہ جائز ہے،اس لئے کہ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے یہ حدیث ہے کہ اسلام میں مدینہ منورہ کے بعد پہلا جمعہ''جواثی''میں ادا کیا گیا جو بحرین کا ایک قریہ ہے،اور یہ واقعہ عہد نبوی ﷺ میں اس وقت کا ہے جس وقت آپ ﷺ کے پاس عبدالقیس کا وفد آیا،اسی طرح حضرت عمر بن الخطابؓ نے مسلمانوں کو حکم دیتے ہوئے لکھا کہ وہ جہاں کہیں ہوں،جمعہ قائم کریں،اور حضرت ابن عمر مکہ اور مدینہ کے درمیان''میاہ''(پانی کے چشموں)سے گزرتے اس حال میں کہ وہ جمعہ قائم کرتے،تو یہ ان پر نکیر نہ کرتے''(مجموعۃ الفتاوی ابن تیمیہ الکبری ۱/ ۱۳۵)۔

غور طلب امور:

اب قابل توجہ اور غور طلب امر یہ ہے کہ اول تو مصر کے شرط ہونے پر امت کا اجماع نہیں ہے،بلکہ محدثین اور فقہاء کی ایک کثیر جماعت اس سے اختلاف رکھتی ہے۔

دوسرے یہ شرط اگر ثابت بھی ہو تو واضح طور پر یہ معلوم نہیں کہ 'مصر' کہتے کس کو ہیں؟ جتنی تعریفات نقل کی گئی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے اپنے دور،عرف اور حالات کو سامنے رکھ کر مصر کی تعریف اور تشریح کی گئی ہے۔

غور طلب پہلو یہ ہے کہ اس قسم کی مختلف فیہ اور مبہم شرط کے فقدان پر کیا نماز جمعہ جیسے مؤکد اور اہم فریضہ کو مسلمانوں کی آبادی کے ایک کثیر حصہ پر سے ساقط قرار دینا مناسب ہے؟

ایک طرف تقوی اور دوسری طرف تفقہ اس کا مقتضی ہے کہ اسقاط فرض کا فتوی دینے سے پہلے تحقیق کرلیں کہ اختلافات کا منشا ائمہ مجتہدینؒ کے درمیان کیا ہے؟

اختلافات ائمہ کا اصل منشا:

یہ ذکر آچکا ہے کہ اقامت جمعہ میں دو امور بنیادی اہمیت رکھتے ہیں:

۱-ایک جمعہ کی فرضیت، جو عام نمازوں سے بھی زیادہ مؤکد ہے اور ہر عاقل و بالغ، آزاد اور تندرست مرد پر واجب ہوتی ہے۔

۲-دوسرے اجتماعیت،جس کا مقصد انتشار کو دور کرنا اور مسلمانوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ اجتماع اور تالف پیدا کرنا ہے۔

ائمہ مجتہدین میں سے ہر ایک نے ان دونوں پہلوؤں پر نظر رکھی اور دونوں کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کی ہے، یہ الگ بات ہے کہ بعض حالات میں یہ دونوں پہلو یکجا نہیں ہو پاتے، بلکہ ایک پہلو پر زور دینے سے دوسرا پہلو چھوٹ جاتا ہے، فرضیت پر زور دیا جائے تو اجتماعیت فوت ہوجاتی ہے، اگر اجتماعیت پر زور دیا جائے تو فرضیت کا پہلو کمزور ہوجاتا ہے، کیونکہ فرضیت کا تقاضا یہ ہے کہ دو چار آدمی بھی جہاں موجود ہوں وہیں فرض ادا کردیا جائے، جبکہ اجتماعیت کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں اجتماع نہ ہو وہاں افراد پر سے فرض ساقط کردیا جائے، ائمہ مجتہدین نے اسی اشکال کو ختم کرنے کے لئے دونوں پہلوؤں میں توازن پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے چالیس کی تعداد کی شرط رکھی، جبکہ امام مالکؒ نے بارہ آدمیوں کی موجودگی کو کافی قرار دیا، اور ان سب لوگوں پر جمعہ کی حاضری لازمی قرار دی جو مقام جمعہ سے چھ میل کی حد میں ہوں، لیکن امام شافعیؒ اور امام احمد کے نزدیک جس بستی میں مذکورہ تعداد کی وجہ سے جمعہ قائم کیا گیا ہے، وہاں سے اذان کی آواز جہاں جہاں تک اطراف میں پہنچتی ہو، وہاں کے ہر بالغ اور آزاد پر نماز کے لئے آنا فرض ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے محسوس کیا کہ اس طرح قریہ قریہ میں اقامت جمعہ کی اجازت دینے سے اجتماعیت کا مقصد پورا نہ ہوگا، انہوں نے یہ بھی مشاہدہ کیا کہ عراق وشام وغیرہ ممالک میں جہاں عہد صحابہ کے آثار اس وقت بالکل تازہ اور قائم تھے، کہیں دیہات میں نہ منبر پائے جاتے ہیں اور نہ جامع مسجدوں کا پتہ چلتا ہے، ان تک حضرت علی کا وہ اثر پہنچا جس میں جمعہ قائم کرنے کے لئے مصر جامع کی تصریح ہے (مزید تفصیل کے لئے بدائع الصنائع ۱/ ۱۸۴ ملاحظہ ہو)، انہوں نے یہ بھی سنا کہ جب حجاج بن یوسف ثقفی نے مقام اہواز میں جمعہ قائم کیا تو حضرت حسن بصریؒ نے اپنی خفگی ظاہر کرتے ہوئے اپنا احتجاج یوں درج کرایا: "**لعن الله الحجاج يترک الجمعة في الأمصار ويقيمها فی حلاقيم البلاد**" (احکام القرآن للجصاص ۳/ ۵۹۶) (خدا کی لعنت ہو حجاج پر، یہ کم بخت شہروں کو چھوڑ کر ملک کے گوشوں میں جمعہ قائم کرتا ہے)۔

ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھ کر انہوں نے فتوی دیا کہ ہر علاقہ کے صدر مقام میں جمعہ قائم کیا جائے اور جن جن لوگوں پر جمعہ کا فرض عائد ہوتا ہو وہ تین تین میل کے مضافات سے صدر مقام پر اکھٹے ہوجایا کریں۔

جمعہ کے لئے مرکزیت:

مسلک حنفی کے اصل منشا کی تحقیق یہ ہے کہ وہ اسلامی حکومت کا زمانہ تھا، جگہ جگہ پر گاؤں اور قصبوں میں قاضی اور تھانہ دار مقرر تھے جو خصومات کے فیصلے اور مظالم کی دادرسی کرتے تھے، پھر اکابر احناف کا زمانہ وہ تھا جب عراق، الجزائر اور

فارس وغیرہ ممالک کی آبادی اور گھنی تھی ،قصبات اور دیہات کثرت آبادی کے سبب باہم پیوست ہوگئے تھے،تمدن بھی انتہائی عروج پر تھا،صنعت وحرفت اور تجارت کے فروغ نے قصبوں کو بھی شہر بنادیا تھا،انہی وجوہ سے ''شہر'' کی وہ تعریفیں کی گئیں جو اوپر گزریں، ورنہ فی نفسہ قاضی اور کوتوال کو، یا بازار اور سڑکوں کو، یا دس ہزار اور تین ہزار کی آبادی کو فرضیت جمعہ کے لئے شرط ہونے میں کوئی دخل نہیں ہے، اصل شرط ''مصر'' ہے،اور اس کے مدلول کو ہر فقیہ مجتہد نے اپنے اعتبار سے متعین کیا اور وہ خصوصیات ذکر کیں جو اس کے پیش نظر امصار میں پائی جاتی تھیں۔

مصر کی تعریفات کا نتیجہ اور خلاصہ یہ ہے کہ جو مقام کسی علاقہ میں مرکزی حیثیت رکھتا ہو، یا جمعہ کی غرض کے لئے مرکزی مقام ٹھہرالیا گیا ہو،تو وہ مصر ہے، اور اس کے سوا گردوپیش کے مقامات پر اقامت جمعہ کا ناجائز ہونا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان مقامات کے لوگوں سے جمعہ کا فرض ساقط ہے، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کو جمعہ کے لئے اس مرکزی مقام پر آنا چاہئے ،اگر بغیر عذر شرعی کے وہ نہ آئیں گے تو گنہگار اور احادیث میں ترک جمعہ کی واردوعیدوں کے مستحق ہوں گے۔

چنانچہ علامہ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں: ''**ولو مصر الإمام موضعا وأمرهم بالإقامة فيه جاز**''(فتح القدیر ۱/۴۰۹)(اگر امام کسی مقام کو مصر قرار دے اور لوگوں کو وہاں جمعہ قائم کرنے کا حکم دے تو جائز ہوگا)۔

یہاں ''مصر قرار دینے'' کا مجاز امام کو ٹھہرایا گیا ہے،لیکن آج کل کے حالات میں یہ ممکن ہے کہ امام مالکؒ کے اصول پر عمل کرتے ہوئے مسلمانوں کی جماعت یا کوئی مقتدا شخصیت یا بڑا عالم یا دارالافتاء کا صدر مفتی یا دارالقضاء کا قاضی باہم اتفاق رائے سے اپنے علاقہ کے کسی بڑے گاؤں یا قصبہ کو جہاں مسلمانوں کی آبادی نسبتاً زیادہ ہو اور وہاں کوئی بڑی مسجد بھی ہو، جمعہ کے مقاصد کو پیش نظر رکھ کر ''مصر'' قرار دے۔

علامہ موصوف نے مزید تحریر فرمایا ہے:''اور جو شخص مصر کے مضافات کا رہنے والا ہو،اس پر بھی اہل مصر کی طرح جمعہ فرض ہے اور لازم ہے کہ وہ وہاں جاکر نماز پڑھے،مضافات شہر کی حد میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ وہ تین کوس کی حد میں واجب ہے،بعض نے ایک میل،بعض نے دو میل،بعض نے چھ میل کی حد قرار دی ہے، امام مالک نے بھی چھ میل کہا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جمعہ میں شریک ہونے کے بعد رات آنے سے پہلے بلا کسی زحمت وتکلیف کے اپنے گھر پہنچ سکتا ہو اس پر جمعہ کی حاضری واجب ہے، ورنہ نہیں، صاحب بدائع نے اسی قول کو پسند کیا ہے''(فتح القدیر ۱/۴۱۱)۔

مذکورہ بالا عبارت میں مؤخر الذکر قول کی تائید ترمذی شریف کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:''**الجمعة على من آواه الليل إلى أهله**''(رواہ الترمذی،وقال:ہذا حدیث إسنادہ ضعیف، جامع الترمذی، باب ماجاء فی وقت الجمعۃ ۱/۵۰۷)۔

پھر آج کل حمل ونقل کی سہولیات بڑھ گئی ہیں، سڑکیں پختہ اور سواریاں تیز رفتار اور عمدہ ہیں، بیس بیس میل سے بھی جمعہ کے لئے آنا کچھ مشکل نہیں، لیکن پھر بھی وہی قید بہتر ہے جو اس حدیث میں بیان کی گئی ہے، یعنی جو شخص نماز کے بعد مغرب تک اپنے گھر بآسانی واپس ہوسکتا ہو وہ اپنے علاقہ کے صدر مقام میں جاکر جمعہ پڑھے، اور جو نہ پہنچ سکتا ہو وہ اپنے گاؤں میں ظہر کی نماز پڑھ لیا کرے

مولانا سید محمد امین نصیرآبادی (ت:۱۳۴۹ھ) نے قصبہ نصیرآباد ضلع رائے بریلی کے اطراف میں دیہات، گاؤں اور پوروہ میں جابجا 'مصر' مقرر کردیا تھا، یعنی جمعہ گاہ یا ٹھکانہ بنادیا تھا، جہاں آس پاس کے لوگ پیدل یا سائیکل وغیرہ سے آکر بآسانی جمعہ پڑھ کر اپنے گھروں کو واپس جاسکیں۔

یہ بھی واضح رہے کہ فقہاء کرام نے مصر کی جو خصوصیات بیان کی ہیں وہ بالکل نا قابل لحاظ نہیں ہیں۔

مصر قرار دینے کے لئے قابل ترجیح خصوصیات:

کسی دیہاتی علاقہ کے مسلمان جب اپنے علاقہ کے کسی قصبہ کو جمعہ کے اغراض کے لئے مصر قرار دینا چاہیں تو ذیل کی خصوصیات کو ملحوظ رکھیں اور ان کو ترجیح دیں:

۱- وہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ سے زیادہ ہو۔

۲- کوئی بڑی مسجد موجود ہو جس میں زیادہ سے زیادہ اجتماع ہوسکتا ہو۔

۳- کوئی ایسا عالم موجود ہو جو مسائل شرعیہ کی تعلیم دے سکے اور وعظ وتذکیر کی اچھی قابلیت رکھتا ہو۔

۴- جہاں سرکاری حکام میں سے کوئی ایسا حاکم موجود ہو جو امن قائم رکھنے کا ذمہ دار ہو۔

۵- جہاں اس کا بھی امکان ہو کہ آس پاس کے دیہات والے اپنی ضروریات وہاں سے خرید لے جائیں۔

یہ امور اقامت جمعہ کے شرائط میں سے نہیں ہیں، بلکہ ایک عالم کے نزدیک مقام جمعہ کے انتخاب میں ان کو ملحوظ رکھنا انسب اور اولی ہے۔

مصر کی شرط کا جائزہ:

احناف کے علاوہ جمہور بشمول علامہ ابن تیمیہ وغیرہ کے نزدیک جمعہ مصر اور قریہ دونوں میں جائز ہے، مصر ہونا ہی شرط نہیں ہے، علامہ ابن تیمیہؒ کی اس سلسلہ میں جو تحریر ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ: ''حضرت علیؓ کے قول میں ''مصر جامع'' کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے بشرطیکہ کوئی مخالف دلیل نہ ہو، کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہر قریہ، مصر جامع ہے، جیسا کہ ''مصر جامع'' کو قریہ کہا گیا ہے، بلکہ مکہ کو تو ''أم القری'' کہا گیا ہے، اور قرآن کریم میں مصر کو قریہ کہنے کی بہت سی مثالیں

ہیں (مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ الکبری ۱/ ۱۳۶، دار المنار ۱۹۸۸ء)۔

شیخ احمد بن حجر آل بوطامیؒ نے مصر جامع کے استناد میں حدیث علیؓ کو ضعیف قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اگر قول علی کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو صحیح سند سے یہ ثابت ہے: ''**أنهم كتبوا إلى عمر بن الخطاب يسألونه عن الجمعة وهم بالبحرين، فكتب إليهم أن جمعوا حثيما كنتم**'' (حضرت عمرؓ سے جب بحرین کے مسلمانوں نے خط لکھ کر جمعہ قائم کرنے کے بارے میں دریافت کیا، تو حضرت عمرؓ نے ان کو لکھا کہ جہاں کہیں پر تم ہو جمعہ پڑھ لو)۔

دوسری دلیل حضرت ابن عمرؓ کا وہ عمل ذکر کیا ہے کہ وہ اہل میاہ کے پاس سے گزرتے، لیکن ان کو جمعہ پڑھتے ہوئے دیکھ کر نکیر نہیں کرتے، قول صحابی جب کوئی مخالفت کرے تو حجت نہیں اور یہاں حجت ہے (کفی بعمر وابنہ حجۃ)۔

آگے لکھتے ہیں: ''**ولما قدم النبی ﷺ المدينة–وكانت قرى صغارا متفرقة، ولكل بطن من الأنصار قرية، بنومالک بن النجار في قريتهم، وبنو سالم في قريتهم–فبنى رسول الله ﷺ مسجده في بنى مالک وصلى فيه الجمعة، وهي قرية ليست بكبيرة ولا بمصر، وهذا أمر لايجهله أحد**'' (الجمعۃ ومکانتہا فی الدین ص ۷۶)۔

(جب نبی کریم ﷺ کی مدینہ تشرف آوری ہوئی، اور مدینہ چھوٹے چھوٹے متفرق گاؤں پر مشتمل تھا، قبیلہ انصار کے ہر بطن (شاخ) کا ایک گاؤں تھا، بنو مالک بن نجار اپنے گاؤں میں تھے، اور بنو سالم اپنے قریہ میں تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی مسجد (مسجد نبوی) کی تعمیر قبیلہ بنی مالک میں فرمائی، اور اس میں جمعہ کی نماز پڑھی، حالانکہ یہ قریہ نہ بڑا تھا اور نہ مصر تھا، اور اس بات سے کوئی شخص بھی ناواقف نہیں ہے)۔

آگے مزید عمومی جواب نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: نماز جمعہ عظیم عبادت اور دین کے بڑے شعائر میں سے ایک شعار ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس پر توجہ دی ہے اور اہتمام فرمایا ہے، جمعہ ترک کرنے پر کئی حدیثوں میں تہدید وترہیب اور وعیدیں آئی ہیں تو اگر یہ شرط اور بہت سی وہ شرطیں جو ائمہ نے لگائی ہیں، ثابت اور صحیح ہوتیں تو صحیح نقل کے ساتھ منقول اور مشہور ہوتیں، پھر احادیث ضعیفہ، آثار منقطعہ اور استنباطات غریبہ سے تعلیق کی ضرورت نہ ہوتی (الجمعۃ ومکانتہا فی الدین ص ۷۷)۔

جواثی کا جائے وقوع:

بحرین کے قریہ 'جواثی' کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ احمد نے لکھا ہے: خلیجی ملکوں میں سے ایک بحرین ہے، اس کے حدود شمال میں کویت اور جنوب میں قطر کا آخر، اسکے مشرق میں بحر اور مغرب میں دھناء ہے، احساء بحرین کا ایک شہر ہے اور ''جواثی'' اُحساء کا ایک گاؤں ہے، واضح رہے کہ آج کل مشہور بحرین جزیرہ ہے، اور جزیرۃ البحرین سے جانا جاتا ہے،

قدیم زمانہ میں بحرین (بحیرہ والا) کو اوال کہا جاتا تھا، وائل کے لڑکوں کے ایک بت کے نام پر، کیونکہ وہ وہاں عبدالقیس کے ساتھ رہتے تھے (ایضاً ص ۵۶)۔

مصر کی حد اور آراء:

یہ امر متفق علیہ ہے کہ جمعہ کے لئے ایک نوع کا تمدن ضروری ہے، مگر اس امر میں اختلاف ہے کہ جمعہ کتنی بڑی بستی میں قائم کیا جاسکتا ہے؟ حنفیہ کے نزدیک ''مصر جامع'' ہونا چاہئے، مگر اس کی کوئی حد نہ حدیث علیؓ میں موجود ہے اور نہ کسی دوسرے مرفوع یا موقوف روایت میں، اس لئے اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے، اور اجتہاد کی وجہ سے مختلف زمانوں میں مختلف حدیں مقرر کی گئی ہیں، حتی کہ ایک ہی امام نے مختلف اوقات میں مختلف حدیں بیان کی ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ مصر کی تعریف خود حنفیہ میں مختلف فیہ ہے، مصر کوئی متعین چیز نہیں، لہذا اب اس کی کوئی نئی تعریف کی جائے تو حنفیت سے خارج ہو کر کسی دوسرے دائرے میں چلے جانے کا کوئی خطرہ نہیں، ''**الأحکام تتبدل بتبدل الزمان**''، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ مصطفیٰ شرح موطا میں لکھتے ہیں:

''پس ظاہر آنست کہ در دیہی اگر دون اربعین جمعہ خواند ند نماز ایشاں صحیح باشد، ومتخلفان آثم شد'' (الجمعۃ والہند ص ۴۴، ۴۵، مصفی مع حاشیہ مسوی فارسی ۱/ ۱۵۲، مطبع فاروقی دہلی، المصفی (عربی) ۱/ ۳۰۱، باب التشدید علی من ترک الجمعۃ بغیر عذر)۔

(ظاہر ہے کہ اگر کسی دیہات میں چالیس نفوس سے کم جمعہ پڑھیں تو ان کی نماز درست ہو، اور شرکت نہ کرنے والے گنہگار ہوں) واضح رہے کہ آیت جمعہ میں 'انفضوا إلیها وترکوک قائما' کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ صرف بارہ افراد رہ گئے تھے، اس پس منظر میں محدث دہلویؒ کا مذکورہ قول ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے شرح موطا میں تحریر فرمایا ہے: ''پس جس مجمع پر ان کے اکٹھا ہونے کے وقت قریہ کا لفظ بول سکیں، ان پر جمعہ واجب ہے، سو آدمی ہوں یا اس سے زیادہ، اور بعض احادیث میں کم تعداد ان لوگوں کی پچاس آدمی عاقل وبالغ اور آزاد کی آئی ہے'' (الجمعۃ والہند ص ۵۱، مصفی فارسی ۱/ ۱۵۲، عربی ۱/ ۳۰۱، باب التشدید علی من ترک الجمعۃ بغیر عذر)۔

حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے: ''ہمارے نزدیک جس گاؤں میں مسلمانوں کی مستقل آبادی ہو اور جماعت کے لئے بالغ مرد کافی ہوں، وہاں نماز جمعہ ہوسکتی ہے'' (فتاوی امارت شرعیہ ۱/ ۵۶، تحریر ۴/ ۱۱/ ۱۳۴۶ھ)۔

حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ نے چھوٹے گاؤں میں جمعہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ کے جواب میں تحریر فرمایا ہے: ''نماز جمعہ مثل نماز پنجگانہ کے فرض ہے، جو شرطیں ان میں ہیں، وہ اس میں ہے، فقط دو خطبوں کی زیادتی ہے، شہر ہو یا

دیہات ہر جگہ بلاشرط شہر و بادشاہ یا اس کے نائب کے، صحیح ہے'' (مجموعۃ الفتاوی ص ۲۱۴)۔

پھر بخاری کے ''باب الجمعۃ فی القری والمدن'' سے ''جواثی'' میں نماز جمعہ اور مزید دلیلیں ذکر کرنے کے بعد حضرت نصیر آبادیؒ لکھتے ہیں: ''حاصل ان حدیثوں کا (یہ ہے) کہ جواثی میں کہ وہ ایک گاؤں ہے بحرین سے، صحابہ نے وہاں نماز جمعہ پڑھی، زمانہ میں حضور ﷺ کے، اور تابعیوں نے بھی، اور ان کے زمانہ میں برابر جاری رہی، اور بعض نے جو قریہ کو معنی میں شہر کے لے کر جواثی کو شہر لکھا ہے، قول مردود ہے، کیونکہ جب امام بخاری اور ابوداؤد نے (جو) کہ مقدم اور افضل ہیں اور بعد ان کے اکابر محدثین نے بھی جواثی کو دیہات ہی لکھا ہے، پھر متأخرین کے اقوال ان اکابرین دین کے مقابل میں کب ہو سکتے ہیں؟''

آگے جواثی کے دیہات اور شہر ہونے کے بارے میں متقدمین اور متاخرین کے اقوال میں تطبیق کی شکل پیدا کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اور اگر متاخرین کے اقوال صحیح مان لئے جائیں تو بھی کچھ خرابی نہیں، مطابقت متقدمین اور متأخرین کے اقوال میں یوں ہوگی کہ جواثی زمانہ قدیم صحابہ میں ایک چھوٹی بستی ہو، پھر تھوڑے دنوں کے بعد بڑھتے بڑھتے ایک شہر ہو گیا ہو، اسی ہندوستان میں دیکھو کہ زمانہ قدیم میں جو بعض بعض بستیاں تھیں اب وہ شہر ہیں، کچھ جائے تعجب نہیں ہے'' (مجموعۃ الفتاوی ص ۲۱۶)۔

صاحب ہدایہ نے جو ''مصر جامع'' کی شرط لکھی ہے اور مصر کی مختلف تعریفات اور تشریحات نقل کی ہیں، ان کو مولانا نصیر آبادیؒ نے مجروح و مخدوش اور ناقابل تسلیم قرار دیتے ہوئے کئی وجوہات بیان کی ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے:

۱- حدیث ''لاتشریق.....'' موقوف اور منقطع ہے، اور حدیث منقطع کسی کتاب کی، معارض حدیث بخاری کی نہیں ہو سکتی، کیونکہ باتفاق جمہور محدثین معارضہ میں مساوات شرط ہے۔

۲- مصر کی تفسیر درست نہیں ہے اور نہ کرخی یا ثلجی کے موافق ہے، کیونکہ حضور ﷺ کی مدینہ منورہ تشریف آوری سے قبل حضرت اسعد بن زرارہؓ نے رسول اللہ ﷺ کے بغیر دیگر صحابہ کرام کے ساتھ نماز جمعہ پڑھی ہے، حالانکہ اس وقت آپ کی مدینہ میں نہ حکومت تھی اور نہ بالفعل حدود و قصاص جاری تھے، اور نہ اس کی قوت رکھتے تھے، نہ وہاں کئی مسجدیں تھیں جو ثلجی کی تفسیر صادق آئے، مسلمان محض مغلوب تھے، جب حضور ﷺ خود مدینہ تشریف لائے تو پہلی نماز جمعہ بنی سالم کی بطن وادی میں پڑھی، اس وقت بھی وہاں تسلط کا نام نہ تھا جو احکام حدود و قصاص جاری کر سکیں اور نہ کئی مسجدیں تھیں۔

اسی طرح یزید شقی کے زمانہ میں صحابہ نماز جمعہ پڑھا کرتے تھے، حالانکہ اس وقت انصاف کا نام نہ تھا، صحابہ کرام کا

خون بے دریغ ہوتا تھا، اقامت حدود کی تو بات ہی نہ پوچھئے، حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ محاصرہ میں نماز جمعہ ہوتی رہی، جبکہ حکومت خود اپنی رہائی کی قوت نہیں رکھتی تھی۔

۳-حدیث کو ندب پر محمول کیا جائے کہ بشرط بادشاہ اور مصر، نماز عمدہ اور مستحب ہوگی، نہ یہ کہ بغیر ان شرطوں کے نماز ہی نہیں ہوگی۔

۴-حدیث نا قابل عمل ہے، کیونکہ مصر کی تفسیر اٹکل سے کی گئی ہے، کوئی معنی ابھی تک متعین نہیں ہوا ہے، نہ وحی آسمانی آتی ہے، نہ شارع کی طرف سے تفصیل وتعیین پائی جاتی ہے، پھر کسی کی تفسیر کو ترجیح دی جائے کہ وہ معمولی بہا ہو سکے، اس لئے حدیث مضطرب بالمعنی ہوئی، بھلا آیت کی تخصیص اس اٹکل سے کیونکر ہوسکتی ہے؟ عمل تو دور رہا اگر یہی خود رائی اور نصوص سے چشم پوشی رہی تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مصر کے معنی گاؤں کے ہیں، کیونکہ دلیل نہ ان مفسرین مصر کے پاس ہے، نہ میرے پاس، لغت اور عرف کی رعایت نہ انہوں نے کی، نہ میں نے کی، ان سے بھی اٹکل ہے اور ہم سے بھی اٹکل ہے۔

۵-اگر بادشاہ یا نائب اور مصر کی شرط وجوب ادا کے لئے تسلیم کرلیا جائے تب بھی غیر مصر یا جہاں بادشاہ یا اس کا نائب نہ ہو، وہاں پر جمعہ کا فرض نہ ہونا لازم نہیں آتا، بلکہ فرض ہی رہتا ہے، کیونکہ عذر کے سبب ادا کی گئی شرطیں فوت ہوجانے سے عین شئ کا کلیۃ باطل ہوجانا لازم نہیں آتا، جیسے فرائض پنجگانہ کے لئے طہارت، ستر عورت وغیرہ شرط ہیں، مگر بوقت عذر یہ شرطیں بلکہ اکثر ارکان نماز مثل قیام وغیرہ معذور سے ساقط ہیں، حالانکہ نماز ساقط نہیں ہوتی، یہی حال نماز جمعہ کا ہے کہ جہاں بادشاہ یا مصر نہ ہوں، وہاں مسلمان ان شرطوں سے معذور ہیں، جہاں ان شرطوں کا وجود ہو، وہاں ان کی رعایت واجب ہے، ورنہ نماز درست نہ ہوگی اور جہاں ان شرطوں کا وجود نہیں، وہاں نماز ان کی رعایت کے بغیر صحیح ہوگی، وہاں کے مسلمان معذور ہوں گے، اور معذور پر شارع نے باتفاق جمہور مسلمین تکلیف مالایطاق نہیں رکھی ہے'' (مجموعۃ الفتاوی ۱/ ۲۱۸ تا ۲۲۰ ملخصا)۔

صاحب درمختار نے لکھا ہے کہ جہاں مسلمانوں کے امیر ووالی موجود نہ ہوں وہاں عام لوگوں کا بھی کسی کو خطیب مقرر کردینا جائز ہوگا (درمختار وردالمحتار ۱/ ۵۴۰ بحوالہ قاموس الفقہ ۳/ ۱۲۵ حاشیہ ۴)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے'' قاموس الفقہ'' مصر کی تعریف میں گیارہ اقوال نقل کرنے اور دیہات میں جمعہ قائم کرنے کے بارے میں مختلف کتب فقہ کی روشنی میں اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے:

'' تاہم ہندوستان وغیرہ کے موجودہ حالات میں کہ بعض علاقوں میں جمعہ ہی سے مسلمانوں کی شناخت رہ گئی ہے، اور اسی کے ذریعہ نماز اور اسلام سے لوگ اپنی وابستگی کا احساس کرتے ہیں، ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ آراء وخیالات کے ان

اختلافات سے فائدہ اٹھا کر شہر کے مفہوم میں جس قدر توسع ممکن ہو، پیدا کی جائے کہ جمعہ محض ایک عبادت ہی نہیں، تذکیر و دعوت بھی ہے، مسلمانوں کی اجتماعیت کا اظہار بھی ہے، اور اسلام کا ایک شعار بھی'' (قاموس الفقہ ۳/ ۱۲۷)۔

تنقیح مسئلہ:

نماز جمعہ کو چھوٹے چھوٹے منتشر قریوں میں الگ الگ ادا کرنا مقاصد جمعہ کے لئے مفید نہیں ہے، اس لئے کہ شارع نے جمعہ ''مصر جامع'' میں ادا کرنے کا حکم دیا ہے، مصر جامع میں خود یہ اشارہ ہے کہ اس سے مراد کوئی ایسی بستی ہے جو چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو یکجا کرنے والی یا جامع الجماعات ہو۔

اگر کوئی بڑا شہر موجود ہو، جسے تمدن نے خود ہی ایک مرکزی حیثیت دے رکھی ہو تو بہت خوب، ورنہ امام وقت جس بستی کو مناسب سمجھے مصر جامع قرار دے کر اطراف کے لوگوں کو وہاں جمع ہونے کا حکم دے سکتا ہے، لیکن اگر امام موجود نہ ہو تو جس طرح مسلمانوں کی تراضی سے جمعہ قائم ہوسکتا ہے اور ان کی تراضی سے قاضی مقرر ہوسکتا ہے، اسی طرح ان کی تراضی، امام کی قائم مقام بن کر کسی بستی کو مصر جامع بھی ٹھہرا سکتی ہے۔

''مصر جامع'' کی شرط لگانے سے شارع کا منشا دیہات کے لوگوں کو فریضہ جمعہ منتشر طور پر ادا کرنے کے بجائے ایک مرکزی مقام پر مجتمع کرنا تھا، مگر نہ معلوم کن وجوہ سے اس شرط کے معنی بالکل الٹ دیئے گئے، اور دیہات کے لوگوں کو اجتماع کا حکم دینے کے بجائے الٹا فریضہ جمعہ ہی سے سبکدوش کر دیا گیا، غالبا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ لفظ مصر سے شہر کا عرفی مفہوم لے لیا گیا، اس لئے نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مضافات شہر کے سوا باقی تمام دیہات کے باشندوں سے فریضہ جمعہ ساقط کر دیا گیا، حالانکہ جس چیز کو قرآن اور احادیث مشہورہ اور سنت و اجماع نے مسلمانوں پر فرض عین ٹھہرایا ہو، اسے دیہات کے رہنے والے کروڑوں مسلمانوں کے لئے غیر فرض بنا دینا، اور وہ بھی ایک ضعیف الاسناد، مختلف فیہ اور مفہم المعنی حدیث کی بناء پر، کسی طرح بھی مقتضائے احتیاط نہیں ہے، حدیث میں اقامت جمعہ کے لئے محض مصر جامع کی شرط ہے، مگر اس کا وہ مفہوم جو نص سے اخذ کیا گیا، اگر اس مفہوم کے سوا اس کا کوئی اور مفہوم نہ ہوتا یا نص اپنے الفاظ میں صریح ہوتی تو بلاشبہ اس کی بنا پر اسقاط فرض درست ہوتا، لیکن جب اس کا کوئی دوسرا مفہوم بھی ہوسکتا ہے، لہذا تقوی اور خشیت کا تقاضا یہ ہے کہ اسقاط فرض کا راستہ کھولنے والے مفہوم کی بہ نسبت اقامت فرض کا راستہ کھولنے والا مفہوم زیادہ لائق ترجیح ہو۔

خلاصہ کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حنفیہ صرف دو قسم کے مقامات کو مصر جامع تسلیم کرتے ہیں:

۱- وہ مقام جس کو تمدن نے خود بخود جامع بنا دیا ہو، جیسے شہر اور قصبات۔

۲- وہ مقام جس کو امام وقت جمعہ قائم کرنے کے لئے مصر قرار دے دے۔

امام کی عدم موجودگی میں عامۃ المسلمین کے اتفاق اور تراضی بالخصوص دارالقضاء کے قاضی یا وہ عالم جس کی طرف رجوع کیا جاتا ہو، اسے امام کا قائم مقام قرار دے کر اس کے حق میں یہ اختیار تسلیم کیا جائے کہ وہ کسی علاقہ میں کسی مقام کو مصر قرار دے دیں، ایسا کرنے سے وہ مسلمان جمعہ سے محروم نہ ہوں گے جو دیہات میں رہتے ہیں اور ان کی بہت بڑی تعداد ہے جو شہروں کے بالمقابل کم نہیں بلکہ زیادہ ہے۔

☆☆☆

جمعہ کیلئے مصر کی شرط- ایک تحقیقی مطالعہ

مولانا محمد صابر حسین ندوی☆

تمہید:

نماز جمعہ کے قیام وادائیگی کیلئے مختلف شرطیں ذکر کی گئی ہیں، چونکہ نماز جمعہ ایک اجتماعی عبادت ہے، اسلام کے اہم شعبہ عبادات سے تعلق ہے، اس لئے اس کی متعدد شقوں پر مختلف پہلوؤں سے گفتگو کی گئی ہے، جن میں سے اکثر کا تعلق خالص فقہی میدان سے ہے، بعض ان میں نازک اور لطیف مباحث بھی ہیں، جو علمی سنجیدگی اور غائرانہ مطالعہ کی طالب ہیں؛ لیکن افسوس کہ جدید دور میں حکومتی سطح پر ایسے مسائل درپیش آئے جن کی بنا پر جمعہ کی بعض شرطیں عوام کے درمیان نزاع کا باعث بننے لگی ہیں، ان میں بھی مجتہدانہ مسئلہ میں غیر ضروری بحث اور شدت وتعصب نے مزید مسئلہ سنگین کر دیا ہے، بہر حال ان میں سے ایک موضوع نماز جمعہ کی ادائیگی کیلئے ''مصر'' کی شرط ہے، آئندہ سطروں میں اسی شرط پر ایک تحقیقی مطالعہ پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

تأصیل المسئلۃ:

جمعہ کی فرضیت سورہ جمعہ کی اس آیت سے ثابت ہے، ارشاد باری تعالی ہے:'' **یا أیھا الذین آمنوا إذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ**''(سورۂ جمعہ:۹)۔

ایک طبقہ کا خیال یہ ہے کہ جمعہ کی فرضیت ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں ہوئی؛ لیکن مکی زندگی میں ایسے حالات نہیں تھے کہ مسلمان ایک جگہ اکٹھا ہوکر جمعہ کی نماز پڑھ سکیں؛ لیکن آپ ﷺ کے ہجرت کرنے سے پہلے ہی مدینہ منورہ میں مسلمان جمعہ ادا کرنے لگے تھے، بعض روایتوں کے مطابق پہلی بار حضرت اسعد بن زرارہؓ نے جمعہ منعقد کیا، مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ سے یہ کعب بن مالک اور ابن اسیر کی روایت ہے، جس میں یہ بھی ہے کہ اسعد نے بنی بیاضہ کے علاقہ میں چالیس مردوں کے ساتھ جمعہ قائم کیا، اور بعض روایتوں کے مطابق حضرت مصعب بن عمیرؓ نے (جن کو رسول اللہ ﷺ نے انصار

☆ جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور، کرناٹک۔

مدینہ کی تربیت کیلئے بھیجا تھا) بارہ لوگوں کے ساتھ جمعہ کی نماز ادا کی تھی، عجب نہیں کہ حضرت مصعب نے حضرت اسعد کی مدد سے لوگوں کو جمع کیا ہو؛ اس لئے بعض لوگوں نے جمعہ کے آغاز کی نسبت حضرت مصعب کی طرف کی ہو اور بعض نے اسعد بن زرارۃ کی طرف۔

علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں لکھا ہے: ''**وذلک أن الجمعة فرضت علی النبی ﷺ وهو بمكة قبل الهجرة، كما أخرجه الطبرانی عن ابن عباس فلم يتمكن من إقامتها هنالک من أهل الكفار فلما هاجر من هاجر من أصحابه إلى المدينة كتب إليهم يأمرهم أن يجمعوا فجمعوا ...**'' (نیل الاوطار ۳/ ۲۸۳، باب انعقاد الجمعۃ بأربعین واقامتھا فی القری)۔

(اور وہ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ پر ہجرت سے پہلے ہی مکہ میں فرض عین ہو چکا تھا، جیسا کہ طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے؛ لیکن چونکہ وہاں جمعہ کا قیام اہل کفر کی وجہ سے ممکن نہ ہوسکا ہے، چنانچہ جن صحابہ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی، آپ ﷺ نے خط لکھ کر ان کو حکم دیا کہ جمعہ قائم کریں)۔

رسول اللہ ﷺ نے پہلی بار ہجرت کے موقع سے جمعہ ادا فرمایا، آپ ۱۲/ ربیع الاول پیر کے روز، دن چڑھے قبا پہنچے اور قبیلہ عمرو بن عوف میں قیام فرمایا، جمعرات تک آپ کا یہیں قیام رہا، اس درمیان آپ نے مسجد قبا کی بنیاد بھی رکھی، بخاری کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے قبا میں ۱۴/ دن گذارے (صحیح بخاری ۲/ ۲۳۲)، مگر آپ نے جمعہ ان ایام میں نہیں پڑھا؛ حالانکہ یہاں استطاعت بھی حاصل تھی؛ البتہ جب آپ جمعہ کے دن وہاں سے مدینہ منورہ کیلئے نکلے اور قبیلہ بنو سالم بن عوف میں پہنچے جو مدینہ منورہ کی حدود میں شمار کیا جاتا تھا، تو جمعہ کا وقت ہوگیا، وہاں لوگوں نے نماز کیلئے جگہ بھی تیار کر رکھی تھی، وہیں آپ ﷺ نے پہلا جمعہ ادا کیا اور خطبہ ارشاد فرمایا۔

قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ رقمطراز ہیں: ''... خلاصہ یہ ہے کہ وجوب جمعہ ہجرت سے پہلے ہو چکا تھا اور اس کے مسائل ممہد ہو چکے تھے، اور اس کے بعد آیت: ''**إذا نودی للصلاة من يوم الجمعة**'' نازل ہوئی، لہذا اس آیت کے مخاطب خاص ہیں عام نہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے عمل نبوی ﷺ کی روشنی میں متعین تھا، یہی وجہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں دیہاتوں میں نماز جمعہ پڑھے جانے کا ثبوت نہیں ملتا'' (مباحث فقہیہ: ۲۰۷)۔

قرآن مجید کی مذکورہ آیت میں ایک طبقہ عموم کا قائل ہے، ان کا یہ ماننا ہے کہ اس آیت میں کسی خاص شہر یا مصر کا تذکرہ نہیں کیا گیا؛ بلکہ اسے عموم کے تناظر میں بیان کیا گیا ہے، سیرت نبوی ﷺ سے بھی یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ مدینہ

سے قریب ایک مقام'' جواثی'' میں نماز جمعہ قائم کی گئی تھی، اسی کو بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ قریہ تھا، یہیں سے یہ بحث شروع ہوتی ہے کہ کیا قریہ، دیہات وغیرہ میں جمعہ قائم ہوسکتا ہے یا پھر مصر جامع کی ضرورت ہے؟

دیہات میں جمعہ:

سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں فقہاء کرام نے مختلف آراء پیش کی ہیں، جن کا تعلق اجتہاد سے ہے، چنانچہ جمعہ فی القری سے کیا مراد ہے اور کیا چھوٹی بستیوں میں جمعہ پڑھا جاسکتا ہے یا نہیں؟

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جمعہ کیلئے مصر جامع شرط نہیں، بستی میں بھی ہوسکتا ہے، پھر حضرات شوافع وحنابلہ کے نزدیک تو کم از کم وہاں کے باشندوں کی تعداد چالیس ہونی چاہئے جو سردی وگرمی ہر موسم میں وہاں مقیم رہتے ہوں؛ جبکہ امام مالک کے نزدیک چالیس کی بھی شرط نہیں، اس سے کم میں بھی جمعہ قائم ہوجائے گا۔

مالکیہ کی کتابوں میں مذکور ہے:'' مَوْضِعُ الاسْتِيطَانِ ، وَلَوْ كَانَ بِأَخْصَاصٍ لا خِيَمٍ ، فَلا تُقَامُ الْجُمُعَةُ إلا فِي مَوْضِعٍ يُسْتَوْطَنُ فِيهِ بِأَنْ يُقِيمَ فِيهِ صَيْفًا وَشِتَاءً '' (الجواہر الزکیۃ/ ۱۲۳)، فقہ شافعی کی مشہور کتاب میں ہے: ''وَلا تَصِحُّ الْجُمُعَةُ إلا فِي أَبْنِيَةٍ [مُجْتَمِعَةٍ] يَسْتَوْطِنُهَا مَنْ تَنْعَقِدُ بِهِمْ الْجُمُعَةُ , مِنْ بَلَدٍ أَوْ قَرْيَةٍ''(المھذب من المجموع ۴/ ۵۰۱)، علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:''وَلا يُشْتَرَطُ لِصِحَّةِ الْجُمُعَةِ إقَامَتُهَا فِي الْبُنْيَانِ , وَيَجُوزُ إقَامَتُهَا فِيمَا قَارَبَهُ مِنْ الصَّحْرَاءِ ''(المغنی ۲/ ۲۷۵)۔

احناف -فقہی کتابوں میں احناف کا نقطہ نظر مشہور ہے کہ جمعہ کیلئے مصر جامع یا اس کے مضافات جس کو'' فناء مصر'' کہتے ہیں، اس کا ہونا شرط ہے، چھوٹی بستیوں میں جمعہ نہیں ہوسکتا، علامہ کاسانی نے اس پر اچھی گفتگو کی ہے، پوری بحث پڑھنے کے قابل ہے، اس کا ایک اقتباس پڑھئے!

''وَأَمَّا الشَّرَائِطُ الَّتِي تَرْجِعُ إلَى غَيْرِ الْمُصَلِّي فَخَمْسَةٌ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَاتِ , الْمِصْرُ الْجَامِعُ , وَالسُّلْطَانُ , وَالْخُطْبَةُ , وَالْجَمَاعَةُ , وَالْوَقْتُ .أَمَّا الْمِصْرُ الْجَامِعُ فَشَرْطُ وُجُوبِ الْجُمُعَةِ وَشَرْطُ صِحَّةِ أَدَائِهَا عِنْدَ أَصْحَابِنَا حَتَّى لا تَجِبُ الْجُمُعَةُ إلا عَلَى أَهْلِ الْمِصْرِ وَمَنْ كَانَ سَاكِنًا فِي تَوَابِعِهِ وَكَذَا لا يَصِحُّ أَدَاءُ الْجُمُعَةِ إلا فِي الْمِصْرِ وَتَوَابِعِهِ فَلا تَجِبُ عَلَى أَهْلِ الْقُرَى الَّتِي لَيْسَتْ مِنْ تَوَابِعِ الْمِصْرِ وَلا يَصِحُّ أَدَاءُ الْجُمُعَةِ فِيهَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ الْمِصْرُ لَيْسَ بِشَرْطٍ لِلْوُجُوبِ وَلا لِصِحَّةِ الأَدَاءِ فَكُلُّ قَرْيَةٍ يَسْكُنُهَا أَرْبَعُونَ رَجُلا مِنْ الأَحْرَارِ الْمُقِيمِينَ لا يَظْعَنُونَ عَنْهَا شِتَاءً وَلا صَيْفًا تَجِبُ عَلَيْهِمْ الْجُمُعَةُ وَيُقَامُ بِهَا الْجُمُعَةُ وَاحْتَجَّ بِمَا رُوِيَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله عنهما أَنَّهُ قَالَ أَوَّلُ جُمُعَةٍ فِي الإِسْلامِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ

بِالْمَدِينَةِ لَجُمُعَةٌ جُمِعَتْ بِجُوَاثَى وَهِيَ قَرْيَةٌ مِنْ قُرَى عَبْدِ الْقَيْسِ بِالْبَحْرَيْنِ .وَرُوِيَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ كَتَبَ إِلَى عُمَرَ يَسْأَلُهُ عَنْ الْجُمُعَةِ بِجُوَاثَى فَكَتَبَ إِلَيْهِ أَنْ أَجْمِعْ بِهَا وَحَيْثُ مَا كُنْتَ ;وَلأَنَّ جَوَازَ الصَّلاةِ مِمَّا لا يَخْتَصُّ بِمَكَانٍ دُونَ مَكَان كَسَائِرِ الصَّلَوَاتِ" (بدائع الصنائع ۱/ ۲۶۰)۔

حنفیہ نے اس سلسلہ میں ایک روایت پیش کی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''.....لا جُمُعَةَ وَلا تَشْرِيقَ إلا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ'' . حضرت علیؓ سے موقوفاً مروی ہے: '' ..لا جُمُعَةَ وَلا تَشْرِيقَ وَلا فِطْرَ وَلا أَضْحَى إلا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ''۔ ان کا مفہوم یہ ہے کہ جمعہ اور عید شہر کے علاوہ کہیں اور نہیں ہو سکتے ،اسی طرح علامہ کاسانی نے یہ بات لکھی ہے کہ حضور ﷺ جمعہ صرف مدینہ میں ادا کیا کرتے تھے :''كَانَ يُقِيمُ الْجُمُعَةِ بِالْمَدِينَةِ ...''، نیز صحابہ کرامؓ نے جن ممالک کو فتح کیا اور منابر نصب کئے وہ سب شہر ہی تھے؛ ایسے میں کاسانی کے مطابق جمعہ میں مصر کی شرط اجماع کی طرح ہے: ''فَكَانَ ذَلِكَ إجْمَاعًا مِنْهُمْ عَلَى أَنَّ الْمِصْرَ شَرْطٌ .....'' قیاس سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ظہر ایک فریضہ ہے جو نص قاطع سے ثابت ہے ،ایسے میں اسے صرف قطعی حکم جمعہ ہی کی بنا پر چھوڑا جا سکتا ہے ؛ جبکہ اس کے شرائط پائے جاتے ہوں جن میں مصر بھی ہے، نیز جمعہ شعائر اسلام میں سے ہے، اب اس کا اظہار دیہاتوں میں نہیں بلکہ شہروں میں زیادہ مناسب ہے: ''وَلأَنَّ الظُّهْرَ فَرِيضَةٌ فَلا يُتْرَكُ إلا بِنَصٍّ قَاطِعٍ وَالنَّصُّ وَرَدَ بِتَرْكِهَا إلا الْجُمُعَةَ فِي الأَمْصَارِ وَلِهَذَا لا تُؤَدَّى الْجُمُعَةُ فِي الْبَرَارِيِّ ;وَلأَنَّ الْجُمُعَةَ مِنْ أَعْظَمِ الشَّعَائِرِ فَتَخْتَصُّ بِمَكَانِ إظْهَارِ الشَّعَائِرِ وَهُوَ الْمِصْرُ..''۔

جہاں تک اس حدیث کی بات ہے جس کو ائمہ ثلاثہ دلیل بناتے ہیں، اس کے متعلق احناف کا یہ خیال ہے کہ ''جواثی'' کوئی گاؤں نہیں تھا بلکہ وہ بحرین کا ایک شہر ہے، اور عام طور پر عربی میں ''قریہ'' کا اطلاق بڑے گاؤں (مصر) پر کر دیتے ہیں: ''إنَّ جُوَاثَى مِصْرٌ بِالْبَحْرَيْنِ , وَاسْمُ الْقَرْيَةِ يَنْطَلِقُ عَلَى الْبَلْدَةِ الْعَظِيمَةِ .....''، قرآن مجید میں بھی ہے: ''وَاسْأَلْ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا ...''اس سے مراد کوئی چھوٹی بستی نہیں بلکہ شہر ہے، ایک اور مقام پر ہے: ''وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجَتْكَ أَهْلَكْنَاهُمْ .....'' یہاں پر مراد مکہ مکرمہ ہے جو ظاہر ہے کہ کوئی عام بستی نہ تھی (بدائع الصنائع ۱/ ۲۶۰، البنایۃ ۳/ ۴۳، دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ۳۳/ ۱۶۱، قاف۔قریۃ)۔

مصر کی تعریفات:

کتب فقہ میں مصر کی مختلف تعریفات نقل کی گئی ہیں، فقہ حنفی کی مراجع سے پتہ چلتا ہے کہ ان تعریفات میں دو باتوں

پر زیادہ زور دیا گیا ہے، ذیل میں ان تین قسم کی تعریفات کے ساتھ ساتھ متفرق تعریفات نقل کر کے تجزیہ پیش کرنے کی کوشش ہوگی۔

پہلی بات: یہ ایک مشہور وعام تعریف ہے کہ مصر، شہر وہ جگہیں ہیں جہاں سڑکیں ہوں، بازار ہوں، محلے ہوں، والی ہو جو ظالم ومظلوم کے درمیان فیصلہ کرے اور جس کی طرف حوادث میں رجوع کیا جاسکے، اس قول کو امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے: ''**وقد تكلم فِيهِ أصحابنا بأقوال ورُوِيَ عَن أبي حنيفَة هُوَ بَلْدَة كَبِيرَة فِيها سِكَك وأسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر على إنصاف المَظْلُوم من الظّالِم بحشمه وعلمه أو علم غَيره ويرجع النّاس إلَيْهِ فِيما وقع لَهُم من الحَوادِث وهَذا هُوَ الأصَح**''۔ (تحفۃ الفقہاء ۱/ ۱۶۲ السمرقندی، علاء الدین) کرخی نے مختصر الفاظ میں مصر کی تعریف کی ہے: ''**وأما المصر الجامع فقد ذكر الكرخي ما أُقِيمَت فِيهِ الحُدُود ونفذت فِيهِ الأحكام**'' (تحفۃ الفقہاء ۱/ ۱۶۲ السمرقندی، علاء الدین)، کرخی کے متعلق ایک عبارت علامہ لکھنوی نے نقل کی ہے جس میں مفتی کا بھی تذکرہ ہے: ''**أنه كل مَوضِع فِيهِ وال ومفت فَهُوَ مصر جامع**'' (جامع الجامع الصغیر وشرحہ النافع الکبیر ۱/ ۱۱۳ أبوالحسنات اللکنوی)۔

اسے یہاں پر اس لئے بھی نقل کرنا ضروری ہے کہ ہمارے زمانے میں مفتی کی حیثیت قاضی کی سی ہوتی ہے، اس لئے اگر مشہور تعریفات میں مفتی کا ذکر نہ آئے تو اسے ایک اتفاق ہی سمجھنا چاہئے؛ کیونکہ گزشتہ زمانے میں مفتی اور قاضی الگ الگ مقام رکھتے تھے، علامہ شامی لکھتے ہیں: ''**وَلَمْ يَذْكُرْ الْمُفْتِيَ اكْتِفَاءً بِذِكْرِ الْقَاضِي لِأَنَّ الْقَضَاءَ فِي الصَّدْرِ الْأَوَّلِ كَانَ وَظِيفَةَ الْمُجْتَهِدِينَ حَتَّى لَوْ لَمْ يَكُنْ الْوَالِي وَالْقَاضِي مُفْتِيًا اُشْتُرِطَ الْمُفْتِي كَمَا فِي الْخُلَاصَةِ**'' (شامی ۲/ ۱۳۷- کتاب الصلاۃ. باب الجمعۃ)، سرخسی نے اپنی کتاب میں- وقعت لھم من الحوادث- کا تذکرہ نہیں کیا ہے، مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا؛ کیونکہ قاضی یا سلطان کا ہونا خود دلالت کرتا ہے کہ امر ان کی طرف لوٹے گا، چنانچہ لکھتے ہیں: ''**وظاهِرُ المَذْهَبِ فِي بَيانِ حَدِّ المِصْرِ الجامِعِ أنْ يَكُونَ فِيهِ سُلْطانٌ أوْ قاضٍ لِإقامَةِ الحُدُودِ وتَنْفِيذِ الأحْكامِ**'' (سرخسی: ۳۸۴)۔

صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی بھی مطلق یہی کہتے ہیں: ''**والمصر الجامع كل موضع له أمير وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود**'' (الہدایۃ فی شرح بدایۃ المبتدی ۱/ ۸۲ المرغینانی (ت ۵۹۳)، غور کرنے والی بات یہ ہے کہ اس تعریف میں مطلق یہ بات کہی گئی ہے کہ وہ جگہ مصر ہے جہاں امیر وقاضی کے ذریعہ تنفیذ احکام اور اقامت حدود ہو، اس میں سڑکیں، گلیاں، بازار اور مفتی وعالم وغیرہ کی موجودگی کی شرط نہیں ہے، علامہ ابن نجیم کے الفاظ میں امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب

تعریف میں تو''یُنصف المظلوم'' کے بجائے یہاں تک ایک لفظ ہے:''یقدر علی انصاف المظلوم''۔اس کا مطلب یہ ہے کہ انصاف بالفعل ضروری نہیں بلکہ انصاف پر قدرت بھی کافی ہے(البحرالرائق ۲/ ۱۵۲)۔

شارح ہدایہ علامہ عینی نے مرغینانی کی تعریف نقل کرنے کے بعد مصر کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے، جسے انہوں نے امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے:''و ما یجتمع فیه مرافق أهله دنیا و دینا''(البنایۃ شرح الہدایۃ ۳/ ۴۶، بدرالدین العینی (ت ۸۵۵)، وہ جگہ جہاں کے رہنے والوں کو دین ودنیا کی نفع کی تمام چیزیں جمع ہوں، صاحب ہدایہ کی تعریف ظاہرالروایہ میں موجود ہے، اسی لئے علامہ کاسانی نے اسی کو راجح قرار دیا ہے، امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب تعریفات پر بغائرنظر کی جائے تو ان میں کوئی تضاد نہ ملے گا؛ کیونکہ ظاہری بات ہے کہ جس جگہ قاضی یا امیر مقرر ہو وہ کوئی عام جگہ نہ ہوگی، کوئی بڑی بستی یا آبادی ہوگی؛ ایسے میں وہاں پر ضروریات کی تمام چیزوں کا فراہم ہونا بھی کوئی بعید نہیں ہے، یہ عام بات ہے کہ کہیں حکومت و سلطنت سے متعلق کوئی شعبہ ہو تو اس جگہ پر خاص توجہ کی جاتی ہے، پھر اخیر میں عینی کی تشریح بھی بجا ہوگی؛ شامی نے''تحفہ'' کے حوالے سے لکھا ہے:''صَرَّحَ بِهِ فِی التُّحفَةِ عَنْ أَبِی حَنِیفَةَ أَنَّهُ بَلْدَةٌ کَبِیرَةٌ فِیهَا سِکَکٌ وَأَسْوَاقٌ وَلَهَا رَسَاتِیقُ وَفِیهَا وَالٍ یَقْدِرُ عَلَی إِنْصَافِ الْمَظْلُومِ مِنْ الظَّالِمِ بِحِشْمَتِهِ وَعِلْمِهِ أَوْ عِلْمِ غَیْرِهِ یَرْجِعُ النَّاسُ إِلَیْهِ فِیمَا یَقَعُ مِنْ الْحَوَادِثِ وَهَذَا هُوَ الْأَصَحُّ اهـ إِلَّا أَنَّ صَاحِبَ الْهِدَایَةِ تَرَکَ ذِکْرَ السِّکَکِ وَالرَّسَاتِیقِ لِأَنَّ الْغَالِبَ أَنَّ الْأَمِیرَ وَالْقَاضِیَ الَّذِی شَأْنُهُ الْقُدْرَةُ عَلَی تَنْفِیذِ الْأَحْکَامِ وَإِقَامَةِ الْحُدُودِ لَا یَکُونُ إِلَّا فِی بَلَدٍ کَذَلِکَ''(شامی ۲/ ۱۳۷-کتاب الصلاۃ .باب الجمعۃ)، بہرحال ظاہرالروایہ ہی کی تعریف کو کرخی وقدوری وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔

دوسری بات: امام ابویوسف رحمہ اللہ سے مصر کے سلسلہ میں متعدد روایات منقول ہیں، عام طور پر فقہاء احناف نے ان سب کا تذکرہ کیا ہے، ان میں ایک روایت وہ ہے جسے امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، امام ابویوسف فرماتے ہیں:''کل موضع فیه أمیر وقاض ینفذ الأحکام ویقیم الحدود فهو مصر....''(وہ جگہ جہاں امیر وقاضی مقرر ہو جو لوگوں کو احکام کو نافذ کرتا ہو، اور حدود کو قائم کرتا ہو تو وہ مصر ہے)، دوسری مشہور تعریف ان سے یہ منقول ہے کہ وہ آبادی جہاں کی سب سے بڑی مسجد اگر تمام وہ لوگ اس آبادی کے آجائیں جن پر جمعہ فرض ہے تو مسجد کی وسعت ان کیلئے ناکافی ہوجائے، اسی بات کو علامہ کاسانی نے صرف مسجد تنگ ہوجانے پر منطبق کی ہے:''إِذَا اجْتَمَعَ فِی قَرْیَةٍ مَنْ لا یَسَعُهُمْ مَسْجِدٌ وَاحِدٌ بَنَی لَهُمْ الإِمَامُ جَامِعًا وَنَصَبَ لَهُمْ مَنْ یُصَلِّی بِهِمْ الْجُمُعَةَ''(بدائع الصنائع ۱/ ۲۶۰)، جبکہ درمختار میں مکلفین کی شرط کے ساتھ عبارت مذکور ہے، قہستانی نے لکھا ہے کہ مکلّف کی قید سے عورتوں، بچوں اور مسافروں کا استثناء مقصود

ہے؛ کیونکہ ان پر نماز جمعہ فرض نہیں ہے، یہی شلبی کا قول مختار ہے (مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر ۱/ ۶۶۶)، اور احکام شرعیہ میں سستی کی باعث اسی پر اکثر فقہاء کا فتوی ہے جیسا کہ مجتبی میں ہے (درالمنتقی ۱/ ۱۶۶)، علامہ شامی کی عبارت بھی ملاحظہ ہو: ''**اَلْأَوَّلُ: (اَلْمِصْرُ وَهُوَ مَا لَا يَسَعُ أَكْبَرُ مَسَاجِدِهِ أَهْلَهُ الْمُكَلَّفِينَ بِهَا وَعَلَيْهِ فَتْوَى أَكْثَرِ الْفُقَهَاءِ مُجْتَبَى لِظُهُورِ التَّوَانِي فِي الْأَحْكَامِ وَظَاهِرُ الْمَذْهَبِ أَنَّهُ كُلُّ مَوْضِعٍ لَهُ أَمِيرٌ وَقَاضٍ**'' (درمختار ۲/ ۱۳۷، کتاب الصلاۃ . باب الجمعۃ)۔

درمختار میں اسے جس طرح نقل کیا گیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس تعریف کے سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے ، ابوشجاع مصر کی تعریف میں اسے سب سے مناسب جانتے ہے ، ''ولوالجیہ'' میں بھی اس کو صحیح کہا گیا ہے ، ''بحر'' اور ''وقایہ''، نیز صدرالشریعہ، ملاخسرو وغیرہ کا بھی یہی فتوی ہے ،مگر بہت سے فقہاء نے اسے ضعیف بھی کہا ہے ، صاحب ''ملتقی الابحر'' نے اس کو صیغہ تمریض (قیل) کے ساتھ نقل کیا ہے، اس پر بحث کرتے ہوئے شارح ''مجمع الانھر'' فقہاء کی طرف منسوب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ محققین کے نزدیک یہ تعریف صحیح نہیں ہے :''**وإنما أورد بصيغة التمريض لأنهم قالوا:إن هذا الحد غير صحيح عند المحققين**''(مجمع الانھر ۱/ ۱۶۶)۔

مصر کی متفرق تعریفات:

مذکورہ تعریفات کے علاوہ فقہی کتابوں میں مزید کچھ تصریحات منقول ہیں، امام ابو یوسف سے نوادر ابن شجاع میں یہ منقول ہے کہ جس بستی میں دس ہزار افراد ہوں تو وہ مصر ہے :''**إذا كان في القرية عشرة آلاف فهو مصر**''(بدائع الصنائع ۱/ ۲۶۰، عنایہ ۱/ ۴۱۰)، حضرت ابوعبداللہ بلخی فرماتے ہیں کہ جہاں کے باشندے اپنی سب سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو نہ آسکیں وہ مصر ہے:'' **أَحْسَنُ مَا قِيلَ فِيهِ إِذَا كَانُوا بِحَالٍ لَوْ اجْتَمَعُوا فِي أَكْبَرِ مَسَاجِدِهِمْ لَمْ يَسَعُهُمْ ذَلِكَ حَتَّى احْتَاجُوا إِلَى بِنَاءِ مَسْجِدِ الْجُمُعَةِ فَهَذَا مِصْرٌ تُقَامُ فِيهِ الْجُمُعَة**''(بدائع الصنائع ۱/ ۲۶۰، البنایہ ۳/ ۴۵)، فقہ حنفی کے مایاناز نمائندہ امام محمد سے اس کی ایک تعریف یوں منقول ہے کہ ہر وہ جگہ جس کو امام مصر بنادے وہ مصر ہے، یہاں تک کہ اگر کسی بستی میں امام حدود وقصاص قائم کرنے کیلئے اپنا نائب بھیجے تو وہ مصر ہے :''**كل موضع مصره الإمام فهو مصر حتى إنه لو بعث إلى قرية نائبا إلى إقامة الحدود والقصاص يصير مصرا**''(البنایۃ ۳/ ۴۵)۔

بعض فقہاءِ احناف فرماتے ہیں کہ مصر وہ جگہ ہے جہاں ہر کاریگر اپنی صنعت وحرفت کے ساتھ زندگی گزارتا ہو اور کسی دوسری صنعت کا محتاج نہ ہو: ''**المصر ما يعيش فيه كل صانع بصناعته ولا يحتاج إلى التحول إلى صنعة أخرى...**''، بعض مشائخ سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ آبادی جہاں پیشہ والا اپنے ہی پیشہ سے سال بھر کی روزی حاصل

کرے، اسے کسی دوسرے پیشہ کو اختیار کرنے کی ضرورت نہ پڑے: ''**هو أن يعيش كل محترف بحرفة من سنة إلى سنة من غير أن يحتاج الى حرفة أخرى**'' (مجمع الانھر ۱/ ۱۶۷، البنایۃ ۳/ ۱۴۵)، حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں: ''**مايعده الناس مصرا عند ذكر الأمصار المطلقة كبخارى وسمرقند**''، جس کو مطلقاً... ''مصر'' کا لفظ بولتے وقت لوگ جسے مصر سمجھیں، وہ مصر کہلائے گا (بدائع الصنائع ۱/ ۲۶۰)، مستصفی میں یہ منقول ہے: '' **إذا وجدت فيه حوائج الدين وهو القاضى والمفتى والسلطان فهو مصر جامع ...** '' (البنایۃ ۳/ ۱۴۵) (جب تمہیں کسی جگہ دین کی تمام حوائج وضروریات یعنی قاضی، مفتی، سلطان، مل جائیں تو وہ مصر ہے)۔

ایک تجزیاتی نظر:

علامہ شامی نے ان تعریفات پر تجزیاتی نظر ڈالی ہے، جس سے یہ بات منقح ہوتی ہے کہ انہوں نے صاحب ''ہدایہ'' کی تعریف کو صحیح قرار دیا ہے، عام طور پر فقہاء نے بھی اسی کو قبول کیا ہے، اور صدر الشریعہ نے اگر چہ اس پر اعتراض کیا ہے کہ لوگوں میں سستی پیدا ہونے کی وجہ سے تنفیذ احکام کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے؛ لیکن اس کا جواب امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب تعریف سے ہوجاتی ہے کہ اس میں قدرت نفاذ شریعہ کی بات کہی گئی ہے، چنانچہ صرف قدرت ہونا بھی کافی ہے، یہی ظاہر الروایۃ ہے۔

نیز یہاں پر یہ نقطہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ مذکورہ تعریفات میں بار بار یہ بات کہی گئی ہے کہ مصر ہونے کیلئے قضا کا قیام شرط ہے؛ حالانکہ یہ بات سمجھنے کی ہے کہ قضا یا قدرت قضا کیلئے گاؤں بھی کافی ہے، چنانچہ درمختار میں موجود ہے کہ ''ظاہر روایہ کے مطابق قضا کے نافذ ہونے کیلئے مصر ہونا شرط ہے اور نوادر کی روایت کے مطابق مصر ہونا ضروری نہیں ہے، دیہاتوں میں بھی نفاذ ہوگا ..... اور اسی پر فتوی ہے'' (قولہ فی ظاھر الروایۃ) ''بحر'' میں ہے کہ ظاہر روایہ کے مطابق بھی مصر ہونا شرط نہیں ہے، دیہاتوں میں بھی قضا صحیح ہے، اور اسی پر فتوی ہے، جیسا کہ ''فتاوی بزازیہ'' میں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ہر دو قول کی طرف نسبت ہے کہ وہ ظاہر روایہ ہے اور یہ قابل غور بات ہے'' (البحر الرائق ۲/ ۱۵۱، شامی ۴/ ۱۲۴)۔

اسی طرح ایک بات صاحب ''منیہ'' کی بھی قابل تامل ہے، انہوں نے امام ابو یوسف کی تعریف پر مناسب اشکال کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: '' **مالا يسع أكبر مساجده أهله**'' کی شرط لگانا درست نہیں ہے؛ کیونکہ خود مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ جہاں عہد رسالت سے آج تک جمعہ قائم کیا ہے، اور جو دراصل مصر کا معیار ہے، ان پر بھی یہ تعریف صادق نہیں آتی، اس لئے کہ ان دونوں شہروں کی سب سے بڑی مسجد کی وسعت اتنی زیادہ ہے کہ اگر ان دونوں شہروں کے مکلّف اس میں جمع ہوجائیں تو اس مسجد کی وسعت ان کیلئے کفایت ہی کرے گی بلکہ زائد ہوگی۔

" أن مكة والمدينة مصر أن تقام بها الجمعة من زمنه عليه الصلاة والسلام إلى العدم فكل موضع كان مثل أحدهما فهو مصر ، فكل تفسير لا يصدق على أحدهما فهو غير معتبر حتى التعريف، الذى اختاره جماعة من المتاخرين كصاحب المختار، والوقاية وغيرهما، وهو مالواجتمع أهله فى أكبر مساجده لا يسعهم فإنه منقوض بها إذ مسجد كل منها يسع أهله وزيادة .....فلا يعتبر هذا التعريف"(شامی۱/۷۴۸)۔

جمعہ کیلئے اسلامی ملک کا ہونا؟

جمعہ کے قیام کی شرطوں میں مصر اور اس کیلئے تنفیذ احکام شرعیہ کی شرطوں سے یہ نہ سمجھا جائے کہ جمعہ غیر اسلامی ممالک میں ادا نہیں کیا جاسکتا، جمعہ وہاں بھی قائم ہوسکتا ہے جہاں اسلامی حکومت نہ ہو، امیر المؤمنین اور قضاۃ کا انتظام نہ ہو، علامہ شامی نے اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:'' شیخ اسماعیل کی شرح میں دہلوی سے منقول ہے کہ تمام احکام کی بالفعل تنفیذ مراد نہیں ہے، اس لئے کہ جمعہ تو ظالم ترین انسان کے عہد میں بھی قائم کیا گیا، اور وہ حجاج بن یوسف ہے، اور ایسے ہی حاشیہ ابوالسعود میں علامہ آفندی کے حوالے سے نقل کیا گیا، میں کہتا ہوں کہ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اگر بعض احکام کی تنفیذ میں خلل واقع ہونا مصر بننے میں مانع ہوتو اس زمانے میں عالم اسلام کے کسی شہر میں جمعہ صحیح نہیں ہو پائے گا؛ بلکہ اس سے پہلے کے زمانے میں بھی، اس لئے یہ بات متعین ہے کہ احکام کی تنفیذ پر قدرت مراد ہے، اور اس میں بھی اکثر احکام ہی مراد لینا چاہئے ؛ کیونکہ احکام پر والیوں کی طرف سے رکاوٹ کی وجہ سے بعض احکام کی تنفیذ مشکل ہوجاتی ہے، جیسا کہ ایام فتنہ میں شہر کے سفہاء کے باہمی تعصب کی وجہ سے ہوتا ہے''(شامی۲/۱۳۷)۔

مصر کا اطلاق عرف پر ہے:

عموماً فقہی کتابوں میں مصر کی راجح تعریف وہی کی گئی ہے جو امام ابوحنیفہ کی جانب منسوب ہے، جسے اکثر فقہائے حنفیہ نے مختلف انداز میں بیان کیا ہے، علامہ شامی جنہیں متاخرین حنفی فقہاء میں بڑے پایہ کا فقیہ سمجھا جاتا ہے، جن کو خاتم الفقہاء کا لقب بھی دیا جاتا ہے، ان کے مطابق بھی مصر کی راجح تعریف وہی ہے:'' بَلْدَةٌ كَبِيرَةٌ فِيهَا سِكَكٌ وَأَسْوَاقٌ وَلَهَا رَسَاتِيقُ وَفِيهَا وَالٍ يَقْدِرُ عَلَى إنْصَافِ الْمَظْلُومِ مِنْ الظَّالِمِ بِحِشْمَتِهِ وَعِلْمِهِ أَوْ عِلْمِ غَيْرِهِ يَرْجِعُ النَّاسُ إلَيْهِ فِيمَا يَقَعُ مِنْ الْحَوَادِثِ''(شامی۳/۱۳۷)(وہ بڑا شہر جس میں کئی گلیاں اور بازار ہوں اور اس کے ماتحت دیہات ہوں اور وہاں کوئی حاکم ہو جو اپنی جاہ وحشمت سے اور اپنے یا کسی اور کے علم کے ذریعہ ظالم سے مظلوم کا انصاف لینے

پر قادر ہو اور لوگ اپنے پیش آمدہ حوادث میں اس کی طرف رجوع کرتے ہوں)۔

مگر مصر کے سلسلہ میں فقہاء نے زمانہ وعرف کے اعتبار سے اس کی تعیین کرنے کی بھی کوشش کی ہے، حضرت سفیان ثوریؒ کا یہ قول اسی بات پر شاہد ہے کہ جو لوگوں کے نزدیک مصر جامع سمجھا جائے وہ مصر ہے: ''وَقَالَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ : الْمِصْرُ الْجَامِعُ مَا يَعُدُّهُ النَّاسُ مِصْرًا عِنْدَ ذِكْرِ الْأَمْصَارِ الْمُطْلَقَةِ'' (بدائع الصنائع ۱/۲۶۱-فصل بیان شرائط الجمعۃ)، متاخرین میں مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ اور علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ کی بھی یہی رائے ہے کہ مصر کی تعیین عرف کے اعتبار سے ہوگی، مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کے ایک فتوی میں یہ بات منقول ہے: '' قریہ کی تعریف عرف پر مفوض ہے'' (فتاوی دارالعلوم دیوبند)، علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا یہ اہم اقتباس پڑھئے! جس میں انہوں نے مصر کی گنجلک بحث کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ حل کر دیا ہے، آپ رقمطراز ہیں:

'' مصر کی تشریح میں ہمارے اصحاب (حنفیہ) کے اقوال مفہوم کے اعتبار سے باہم یکسانیت رکھتے ہیں، گو کہ الفاظ و تعبیرات میں اختلاف ہے، ظاہر روایہ میں قاضی کی شرط لگانا اس بنا پر کہ ظاہر روایہ کے مطابق نفاذ قضاء کیلئے مصر ہونا شرط ہے، جیسا کہ باب القضاء کے مسائل تعزیر میں ہے، اور متاخرین کی یہ تعریف کہ بڑی مسجد اس آبادی کیلئے کافی نہ ہوگی، مسجد کے متعدد ہونے پر محمول ہے، آبادی کی کثرت کی وجہ سے ..... اور حاصل یہ ہے کہ مصر کی تعریف عرف اور لغت پر محمول ہے'' (فتاوی دارالعلوم دیوبند، دیکھئے: مباحث فقیہ: ۲۲۴)۔

قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ نے بھی یہ بات لکھی ہے کہ مصر کا مفہوم حقیقتاً عرف سے سمجھا جائے گا؛ کیونکہ آپ تمام تعریفات پر غور کیجئے! تو معلوم ہوگا کہ ان سب میں ایک قریہ یا مصر کے درمیان فرق کیلئے دو اساس مقرر کی گئی ہیں، ایک تو آبادی اور مردم شماری کا امتیاز، دوسرے مرجعیت کا فرق ملحوظ رکھا گیا ہے؛ مطلب یہ ہے کہ قریہ صغیرہ کی آبادی بمقابلہ قریہ کبیرہ وقصبات ومصر علی العموم کم ہوتی ہے، دوسرے مصر میں ایک شان فی الجملہ ایسی پائی جاتی ہے کہ وہ علاقہ اور اطراف کے لوگوں کیلئے ایک درجہ میں مرجع بن جاتا ہے۔

قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ سے منقول قریہ صغیرہ وکبیرہ کے سلسلہ میں یہ گفتگو بھی اسی زمرے میں رکھ کر پڑھنے کے قابل ہے، آپ رقمطراز ہیں: '' جہاں تک مصر کا تعلق ہے وہ معروف ومتعین ہے، کوئی شہر کو دیہات اور کوئی دیہات کو شہر نہیں سمجھتا، اسی طرح قصبات کا بھی حال ہے، قصبہ کی حیثیت شہر ہی کی طرح نمایاں اور ممتاز ہوتی ہے؛ البتہ قری کے مابین کبیرہ اور صغیرہ کے فرق کو تھوڑا اشتباہ ہوتا ہے، اس بارے میں مختلف علاقوں میں اسفار اور دوروں کے درمیان میں نے محسوس کیا کی مختلف مقامات پر آبادی کا حال مختلف ہے، بعض علاقے ایسے ہیں جہاں رقبہ کم اور آبادی زیادہ، وہاں عموماً مجتمع

اور گھنی آبادی کا رواج ہے، اور جہاں آبادی کم اور رقبہ زیادہ ہے، وہاں عموماً منتشر آبادیاں ہیں، یکجا بہت بڑی آبادی کم ملتی ہے، اب اگر گھنی آبادی والے قریہ کبیرہ کا معیار منتشر آبادی والے علاقے پر منطبق کیا جائے تو شاید کوئی آبادی بھی قریہ کبیرہ کی تعریف کے ذیل میں نہیں آئے یا بہت شاذ و نادر، اس لئے میری رائے ہے کہ جس علاقے میں کسی آبادی کو بڑا سمجھا جانے کا جو معیار ہو وہی معیار اس علاقے پر نافذ ہوگا، اس طرح مثلاً اگر کسی علاقے میں تین چار سو گھر کی آبادی سے کم کوئی بڑا گاؤں نہیں کہا جاتا ہو تو یہ معیار اس علاقے پر نافذ نہیں ہوگا، جہاں سو گھر کے اوپر کی آبادی قریہ کبیرہ میں شمار کیا جاتا ہے، اس لئے کہ عرف کی تبدیلی میں جس طرح اختلاف عصر و زمان کا اثر پڑتا ہے اسی طرح اختلاف محل و مکان کا بھی'' (مباحث فقہیہ/ ۲۲۰)۔

ان تمام مباحث کو سامنے رکھ کر قاضی صاحب مرحوم کی تحریر کردہ اس نتیجہ پر توجہ دینا چاہئے، آپ مذکورہ تعریفات پر ایک غائرانہ نظر ڈالنے کے بعد لکھتے ہیں: '' اگر آپ ان تعریفات پر اس نقطہ نظر سے غور کریں تو آپ کی الجھن دو رہو جائے گی اور آپ محسوس کریں گے کہ ان اقوال میں کوئی اضطراب نہیں ہے؛ بلکہ اس آبادی کی کثرت اور اس مقام کی مرکزیت کے اظہار کیلئے ہر فقیہ نے اپنے زمانے اور اپنے عصر کے اعتبار سے اس مرکزیت اور آبادی کی زیادتی کو جو اسے '' قریہ کبیرہ'' یا قصبہ یا مصر کی تعریف میں داخل کردے، مختلف لفظوں میں تعبیر کیا ہے ان میں کوئی تعارض نہیں ہے'' (مباحث فقہیہ: ۲۲۰)۔

فناء مصر کی مقدار و تحدید:

مصر کی بحث میں یہ بات بھی قابل لحاظ ہوتی ہے کہ اس کی فناء کیا ہے؟ اس کے حدود کو کیسے متعین کیا جائے؟ یہ بحث اس لئے بھی ضروری ہے کہ فناء مصر میں مقیم تمام لوگوں پر جمعہ کی نماز فرض ہوگی، سوائے خاتون، بچے اور معذور کے، یہی وجہ ہے کہ فناء کا تذکرہ اداء صحت جمعہ کی شرائط میں بیان کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ جمعہ مصر یا فناء مصر میں درست ہوگا: '' **یشترط لصحتها سبعة أشياء الأول المصر .....أو فنائه**'' (شامی ۱/ ۷۴۷، ۷۴۹)، چنانچہ فقہاء کرام کے یہاں اس کی بحث بڑے شد مد کے ساتھ پائی جاتی ہے، فناءِ مصر کی تعریف یہ کی جاسکتی ہے: '' فناء مصر وہ مقام ہے جو شہر کی ضرور یارت کے لئے متعین ہو، مثلاً: قبرستان، کوڑا ڈالنے یا گھوڑ دوڑ یا جنگی مشق یا فوجی اجتماع وغیرہ کے لئے میدان، ہوائی اڈہ اور ریلوے اسٹیشن وغیرہ، فناء کا شہر سے اتصال ضروری نہیں اور نہ ہی اس کی مسافت اور وسعت کی کوئی تحدید ہے، بلکہ شہر کی حیثیت کے مطابق اس کی فناء مختلف ہوگی'' (احسن الفتاوی ۴/ ۱۳۳)۔

فقہاء نے مختلف انداز سے اس کی تعیین کرنے کی کوشش کی ہے، علاّمہ شامیؒ نے ۹/ اقوال ذکر کئے ہیں: '' **غَلْوَةٌ**،

مِیْلٌ، مِیلَانِ، ثَلَاثَۃٌ، فَرْسَخٌ، فَرْسَخَانِ، ثَلَاثَۃٌ، سمَاعُ الصَّوْتِ سمَاعُ الْأَذَانِ" (شامی ۱۳۹/۲)((۱)ایک غلوہ، یعنی مقدارِ رمیہ، جس کو تیر پھینکنے کی مسافت کہا جاتا ہے، (۲) ایک میل، (۳) دو میل، (۴) تین میل، (۵) ایک فرسخ، (۶) دو فرسخ، (۷) تین فرسخ، (۸) جس جگہ تک آواز سنائی دے، (۹) جہاں تک اذانِ جمعہ سنائی دے۔

محققین کی بحثوں میں بنیادی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ تمام جگہیں فناءِ مصر میں شامل ہوں گی، جن کے مصالح مصر سے متعلق ہو، خواہ وہ متصل ہو یا نہ ہو، علامہ شامی کی اس عبارت سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے: ''اور جان لو کہ بعض محقق اہل ترجیح نے فنا کو مسافت وغیرہ کی قید سے مطلق رکھا ہے، ایسے ہی امام محمد کے مذہب کے ناقل نے بھی کیا ہے اور بعض لوگوں نے مسافت مقرر کی ہے، پھر مسافت مقرر کرنے والوں کے بھی ۸ یا ۹ اقوال ہیں..... اور مسافت کی تحدید سے زیادہ بہتر ہے کہ فناءِ مصر کی تعریف کردی جائے، اس لئے کہ مسافت مصر کی فناء میں نہیں پائی جاتی؛ بلکہ وہ شہر کے بڑے یا چھوٹے ہونے انداز سے ہے، حاصل یہ ہے کہ میل یا مسافت کی تعیین صحیح نہیں ہے .... اور یہ تحدید اس تعریف کے خلاف ہے جس پر اتفاق ہے کہ فناءِ مصر وہ ہے جو مصالح مصر کیلئے بنایا گیا ہو، چنانچہ ائمہ نے اس بات کی تصریح کردی ہے جو جگہ مردوں کی تدفین اور شہری ضروریات مثلاً: گھوڑوں اور جانوروں کے ٹھہراؤ، فوجی چھاؤنی اور تیراندازی کی مشق وغیرہ کیلئے ہو وہ سب ہی فناء ہے اور کون سی حد مسافت ہے جو فوجی چھاؤنی، بچوں کے پلے گراؤنڈ، گھوڑ سواری، تیراندازی، بندوق و بارود کی مشق اور توپوں وغیرہ کے تجربہ کیلئے متعین کی جاسکے اور یہ کئی فرسخوں سے بھی زیادہ ہوتا ہے، اس سے ظاہر ہوا کہ مسافت کی مقدار شہروں کے اعتبار سے ہوگی''۔

تجنیس کی یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ جمعہ اہل قریہ پر واجب نہیں اگرچہ کہ وہ مصر سے قریب ہوں:..."**وفی التجنیس – ولاتجب الجمعة علی أهل القری وإن کانوا قریباً من المصر**" (شامی ۷۴۹/۱)، قاضی مجاہد الاسلام صاحب لکھتے ہیں: ''لہذا محض مسافت فناءِ مصر کی تعیین کے باب میں کچھ نہیں، اصل یہ ہے کہ اس سے مصالح مصر متعلق ہیں یا نہیں، اگر آپ کی بستیاں مصالح مصر سے متعلق نہیں ہیں، تو ظاہر ہے کہ اسے فناءِ مصر محض قرب مسافت کی بنیاد پر قرار دے کر اداء جمعہ کا قول درست نہ ہوگا'' (مباحث فقہیہ: ۲۲۷)۔

توابع مصر پر جمعہ:

فناءِ مصر کے ساتھ ساتھ ایک بحث توابع مصر کی ہوتی ہے، فقہاء کے یہاں ''توابع مصر سے مراد وہ حد ہوتی ہے کہ جہاں قیام رکھنے والوں پر مصر میں آکر جمعہ کی ادائیگی واجب ہو''، اس کا تذکرہ جمعہ کی شرائط کے ذیل میں مذکور پہلی شرط میں ہوتا ہے، علامہ کاسانی نے لکھا ہے کہ جہاں تک توابع مصر کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ اگر وہ ایسی جگہ ہے جہاں

آذان کی آواز پہنچتی ہے تو پھر اسے توابع مصر میں مانا جائے گا ورنہ نہیں، امام شافعی سے مروی ہے کہ جب کسی گاؤں میں چالیس لوگ ہوں اور وہ آذان سنیں تو انہیں جمعہ کیلئے جانا چاہئے، ابن سماعی امام ابو یوسف کا قول نقل کرتے ہیں کہ وہ گاؤں جو مصر کی سرحد سے متصل ہو وہ توابع میں سے ہے، بعضوں کا یہ کہنا ہے کہ جو آبادی مصر سے باہر ہو وہ توابع میں داخل نہیں، بعض اسے تین فرسخ یعنی ایک میل، دو میل، تین میل یا چھ میل کے دائرے میں داخل کرتے ہیں، امام مالک سے تین میل منقول ہے، امام ابو یوسف تین فرسخ جبکہ حسن بصری چار فرسخ مانتے ہیں، بعضوں کا یہ ماننا ہے کہ توابع مصر میں وہ علاقے شمار کئے جائیں گے جہاں سے لوگ بلاتکلف جمعہ کیلئے جاسکیں اور واپس لوٹ کر شام اپنے گھر والوں کے ساتھ گزاریں: ''إِنْ أَمْكَنَهُ أَنْ يَحْضُرَ الْجُمُعَةَ وَيَبِيتَ بِأَهْلِهِ مِنْ غَيْرِ تَكَلُّفٍ تَجِبُ عَلَيْهِ الْجُمُعَةُ وَإِلا فَلا وَهَذَا حَسَنٌ .''(بدائع الصنائع ۱/ ۲۶۰)۔

جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اتنی دوری ہو کہ بلاتکلف جمعہ پڑھ کر گھر واپس لوٹ سکتا ہو، اسے صاحب ''بحر'' نے ترجیح دی ہے اور ''بدائع'' نے مستحسن بتلایا ہے، مواہب الرحمٰن نے امام ابو یوسف کے اس قول کو صحیح ٹھہرایا ہے جس کی رو سے اس شخص کا اس حد میں داخل ہونا ضروری ہے، جس حد سے نکل جانے کے بعد مسافر پر احکام نافذ ہوتے ہیں، علامہ شامی نے اسے ظاہر متون قرار دیا ہے، اور معراج نے اصح بتلایا ہے، قاضی خان نے بلوغ ندا اور تقدیر مسافت کی قطعی نفی کی ہے، ''تاتارخانیہ'' نے سکان مصر اور متصل بالمصر پر وجوب تسلیم کیا ہے، اور اہل سواد اگرچہ قریب ہی کیوں نہ ہوں ان پر جمعہ کے وجوب کا انکار کیا ہے، الا یہ کہ وہ فناء مصر میں داخل ہو، جیسا کہ شامی نے وضاحت کی ہے (شامی ۱/ ۷۶۲، ۷۶۳)۔

فقہاء کی بحثوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ توابع مصر کی کوئی ایک قطعی تحدید ممکن نہیں ہے، ایک فرسخ یا دو فرسخ تک بات مناسب لگتی ہے، امام ابو یوسف کی طرف منسوب قول پر تکلف معلوم ہوتا ہے، ایک شخص اگر جمعہ کی نماز پڑھنے اتنی دور جائے کہ گھر واپس ہوتے ہوئے شام ہو جاتی ہے، پھر ظاہر ہے کہ علاقہ کے جواں مرد حضرات کا اتنے مدت تک گاؤں سے باہر رہنا گھر، خاندان کیلئے مصیبت کا باعث بن سکتا ہے، بالخصوص جن علاقوں میں فتنے کا اندیشہ ہو وہاں یہ حکم دینا بہتر نہیں لگتا، جمعہ کی نماز ایک اجتماعی عبادت ہے، جو تنگی وحرج سے دور رہنی چاہئے، اللہ تعالی نے اسلام میں نہ تنگی رکھی ہے اور نہ لوگوں کو استطاعت سے زائد کا مکلّف بنایا ہے، چنانچہ یہ بات زیادہ مناسب محسوس ہوتی ہے کہ اگر علاقہ کے لوگوں کی مصلحتیں مصر سے متعلق ہوں اور وہ بہ آسانی مصر جاسکتے ہوں، انہیں کوئی تکلف نہ ہوتا ہو تو پھر ان پر جمعہ ادا کرنا واجب ہو جائے گا، ورنہ نہیں۔

احتیاطاً ظہر کی نماز:

احناف کے یہاں صحت جمعہ کے لیے کچھ اہم شرطیں ہیں، مثلاً ایک شرط ''مصریت'' (شہر ہونا) ہے، مگر کچھ

مقامات ایسے ہیں جہاں کی حالت مشتبہ ہوتی ہے کہ آیا ان میں شرائط ''مصریت'' متحقق ہے یا نہیں؟ ایسی جگہوں پر اگر لوگ جمعہ پڑھ رہے ہوں تو فقہاء نے خواص کو یہ اجازت دی تھی کہ وہ خفیۃً بہ طور احتیاط جمعہ کے بعد ظہر کی بھی نماز پڑھ لیں؛ تاکہ بالیقین ذمہ کی ادائیگی ہوجائے؛ نیز جن حضرات نے احتیاطاً ظہر کی اجازت دی ہے انہوں نے یہ قید لگائی ہے کہ نماز خفیۃً پڑھی جائے اور صرف خواص پڑھیں، احتیاطاً ظہر کی باقاعدہ جماعت کرنے کی کسی نے اجازت نہیں دی اور نہ ہر کس وناکس کو اس کی اجازت ہے؛ چونکہ یہ غلط روش کا باعث بن سکتا تھا اور احتیاط کی جگہ پر بے احتیاطی ہے اور شریعت میں غلو کا ذریعہ ہوسکتا تھا؛ اس لئے ماضی قریب کے اکابر ارباب افتاء حضرت گنگوہی رحمہ اللہ، حضرت تھانوی رحمہ اللہ وغیرہم نے اس زمانے میں ''احتیاط الظہر'' سے مطلقاً منع فرمایا: ''**ثم نقل المقدسی عن الفتح أنه ینبغی أن یصلی أربعًا ینوی بها آخر فرض أدرَکتُ وقته ولم أودّه إن تردد فی کونه مصرًا أو تعدّدت الجمعة .....نعم إن أدّی إلی مفسدة لا تفعل جهارًا والکلام عند عدمها؛ ولذا قال المقدسی: نحن لا نأمر بذلک أمثال هذه العوام؛ بل ندلّ علیه الخواص ولو بالنسبة إلیهم**'' (رد المحتار علی الدر المختار ۳/۱۷، باب الجمعۃ، ط: مکتبہ زکریا دیوبند)، اور ''امداد افتاوی'' میں ہے: ''.....اصل مقصود احتیاط ہے، جب غلو ہوگیا تو اب پڑھنے سے اصل مقصود فوت ہوگیا کہ اس احتیاط سے زیادہ بے احتیاطی ہوگئی؛ اس لیے اب احتیاط نہ پڑھنے میں سمجھی جاوے گی، واللہ اعلم (امداد افتاوی ۱/۷۶۳، ط: زکریا، دیکھئے: فتاوی رشیدیہ-ص: ۴۲۰ تا ۴۲۵، احسن الفتاوی ۴/۱۵۰، ط: زکریا)۔

جمعہ کیلئے مسجد شرط نہیں:

جمعہ کی ادائیگی کیلئے کیا مسجد شرط نہیں؟ مالکیہ کے یہاں یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ جمعہ کی ادائیگی کیلئے مسجد شرط قرار دیتے ہیں، جمہور ائمہ اور متبعین کا یہ ماننا ہے کہ جمعہ کیلئے مسجد شرط نہیں؛ یہی راجح قول ہے، علامہ ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ مصعب بن عمیر نے جہاں جمعہ کی نماز منعقد کی تھی وہ مسجد نہیں تھی، پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ جمعہ کیلئے لوگوں کا جمع ہونا اور خطبہ ضروری ہے: ..."**ولنا، أن مصعب بن عمیر جمع بالأنصار فی هزم النبیت فی نقیع الخضمات، والنقیع: بطن من الأرض یستنقع فیه الماء مدة، فإذا نضب الماء نبت الکلأ**" (المغنی لابن قدامۃ ۲/۲۴۶، کتاب الصلاۃ. مسئلۃ صلواجمعۃ مع اختلال بعض شروطها)"**.....ولنا: أنها صلاة شُرع لها الاجتماع والخطبة، فجازت فیما یحتاج إلیه من المواضع ...قال أبو داود: سمعت أحمد یقول: أی حد کان یقام بالمدینة، قدمها مصعب بن عمیر وهم مختبئون فی دار، فجمع بهم وهم أربعون** "(المغنی لابن قدامۃ ۲/۲۴۸، کتاب الصلاۃ. مسئلۃ

إذا كان البلد كبيراً يحتاج إلى جوامع فصلاة الجمعة في جميعها جائزة)۔

علامہ ابن رشد مالکی کا ماننا ہے کہ جمعہ کے سلسلہ میں اس کی اہمیت اور فضیلت کی بنا پر بہت سی بحثیں وجود میں آئی ہیں، جن کا تعلق عین جمعہ سے نہیں ہے، جیسے ایک زمانے میں اس بات پر بھی بحث کی گئی تھی کہ مسجد ہو تو کیا مسقّف ہو یا غیر مسقّف ہو .....ایک خاص عبارت پڑھنے کے قابل ہے:" **والسبب في اختلافهم في اشتراط الأحوال والأفعال المقترنة بها، هو كون بعض تلك الأحوال أشد مناسبة لأفعال الصلاة من بعض، ولذلك اتفقوا على اشتراط الجماعة، إذ كان معلومًا من الشرع أنها حال من الأحوال الموجودة في الصلاة، ولم ير مالك المصر ولا السلطان شرطًا في ذلك؛ لكونه غير مناسب لأحوال الصلاة، ورأى المسجد شرطًا؛ لكونه أقرب مناسبة، حتى لقد اختلف المتأخرون من أصحابه هل من شرط المسجد المسقف أم لا؟ وهل من شرطه أن تكون الجمعة راتبة فيه أم لا؟ وهذا كله تعمق في هذا الباب ودين الله يسر! ولقائل أن يقول: إن هذه لو كانت شروطاً في صحة الصلاة، لما جاز أن يسكت عنها النبي ﷺ ولا أن يترك بيانها؛ لقوله تعالى:** "لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ" (سورۂ نحل:۴۴)، **ولقوله تعالى:** "لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ" (سورۂ نحل:۶۴) (بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد ۱/۱۷۰، کتاب الصلاۃ ... الفصل الثالث فی أرکان الجمعۃ)۔

حاصل بحث:

موجودہ دور میں جمعہ کیلئے مصر کی شرط .... متفرق، مسائل واحکام:

۱) یہ بات تو صد فیصد درست ہے کہ آج مصر کی تعیین قدیم فقہاء کی عبارتوں اور ان کی تعریفات کی روشنی میں نہیں کیا جاسکتا؛ البتہ جو مناسب معلوم ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ اسے عرف پر مبنی سمجھا جائے، چنانچہ بہت سی اچھی اور بڑی آبادیاں گاؤں سے منسوب ہوتی ہیں، مگر ان میں ساری سہولتیں میسر ہوتی ہیں، بلکہ چھوٹے موٹے گاؤں بھی عام سہولیات سے خالی نہیں جن کا تذکرہ فقہاء کرتے ہیں، تاہم اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اب بھی ہمارے ملک میں بہت سے صوبے اور ان میں علاقے ایسے ہیں جہاں بنیادی سہولیتیں نہیں میسر ہوتیں، اس اعتبار سے دیکھا جائے تو آبادی کے تین اطلاق سامنے آتے ہیں، بالفاظ دیگر آبادیاں تین حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہیں:

الف: وہ بستی جو مصر ہونے میں کسی تعارف وتعریف کی محتاج نہ ہو، جہاں سڑکیں، دکانیں، گلیاں، بازار اور تمام

ضروریات زندگی مہیا ہوں، وہاں پر جمعہ قائم کرنے میں کوئی سوال نہیں؛ بلکہ اگر وہاں کے لوگ جمعہ قائم نہیں کرتے تو سخت گناہ میں مبتلا ہوں گے۔

ب: ایسی بستی جو اپنی ایک خاص آبادی اور رکھ رکھاؤ کیلئے عام ہوں، وہاں شہر کے مقابلہ کم لیکن سہولیات زندگی حاصل ہوجاتی ہیں، جنہیں آبادی یا خاص عرف کی بنیاد پر نظرانداز نہیں کیا جاسکتا، وہاں پر بھی جمعہ قائم کرنا ضروری ہے، قاضی مجاہدالاسلام صاحبؒ لکھتے ہیں: ''آبادی تو تھوڑی ہے؛ لیکن تھانہ کا صدر مقام ہے، یا بلاک ہیڈ کوارٹر ہے، جہاں مضافات کے دیہات کے لوگ یا دکاندار سامان خریدتے ہیں، غرض یہ کہ اس بستی کو مضافات کو بستیوں کے درمیان فی الجملہ مرکزیت حاصل ہے، خلاصہ یہ کہ کثرت آبادی (اتنی جس کی وجہ سے عرف میں اسے بڑا گاؤں سمجھا جاتا ہو) یا اس میں مرکزیت یا مرجعیت کی شان ہو تو ایسی آبادیوں کو مصر وقصبات قرار دے کر جمعہ درست قرار دیا جائے گا'' (مباحث فقہیہ: ۲۲۲)۔

ج: بعض وہ بستیاں ہوسکتی ہیں جہاں زندگی کی سہولیات صحیح معنوں میں میسر نہیں، بہ مشکل ضروریات فراہم ہوتی ہیں، ایسی بستیوں کے سلسلہ میں دو پہلوؤں پر سوچنے کی ضرورت ہے:

پہلی صورت: اگر بستی میں صرف چند گھر ہی ہیں، خواہ وہ گنجان ہو یا منتشر؛ ایسی جگہوں پر جمعہ قائم کرنے کے بجائے قریب کی مسجد میں جمعہ ادا کرنے کی کوشش کریں، راقم کے نزدیک یہی زیادہ مناسب بات ہے، اس لئے کہ جمعہ کا مقصد مسلمانوں کی اجتماعیت کا خیال ہے، اگر ایسی بستیوں میں بھی جمعہ کے قیام کی اجازت دے دی جائے تو اولاً جمعہ کیلئے مشروط ایک شرط پر نشتر چلانا ہوگا، پھر مصر کی بحث یک قلم منسوخ ہوجائے گی، گو کہ اس میں گنجائش ہے اور اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے؛ لیکن مفتی بہ قول پر عمل کرنا ساتھ ہی امت کی اجتماعیت کو ملحوظ رکھنا زیادہ ضروری ہے، یہ مقاصد شریعہ میں سے ہے۔

دوسری صورت: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہندوستان میں خاص طور پر اور بالعموم بھی بہت سے چھوٹے موٹے علاقوں میں بسنے والے مسلمان صرف اس وجہ سے مسلمان ہیں کہ وہ جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں، بلکہ بعض تو صرف عیدین کی ادائیگی پر اکتفا کرتے ہیں اور اسی کو مسلمان ہونے کی علامت جانتے ہیں، اسی طرح مسجد مسافت میں دور ہوتی ہے حکماً انہیں ظہر پڑھنا ہے؛ لیکن جمعہ کا نظام نہ ہونے کی وجہ سے وہ مسجد ہی نہیں آتے، اس میں یہ بھی شامل ہے کہ مزدور، دہاڑی پر کام کرنے والے افراد زیادہ دور نہیں جاسکتے، اور اگر جمعہ نہ ہو تو پھر وہ مسجد بھی نہیں آتے؛ ان صورتوں کو سامنے رکھئے! پھر سوچئے تو معلوم ہوگا یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ جمعہ مسلمانوں کی تربیت، مسجد سے لگاؤ کا اہم ذریعہ ہے، بلکہ یہ حضرت تھانویؒ کی اصطلاح میں وقایہ ایمان بن چکا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر انہیں مسجد سے نہ جوڑا جائے تو قوی امکان ہے کہ وہ غیر اسلامی رسوم ورواج اور ارتداد کی ہواؤں کا مقابلہ نہ کرسکیں گے، اور یہ بات مسلم ہے کہ مسلمانوں کو مسلمان رکھنے کے

ذرائع اگر لازم ہو جائیں تو انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

چنانچہ راقم الحروف کا خیال یہ ہے کہ ایسی جگہوں پر صاحب بصیرت علماء جائیں، ان کے حالات کا جائزہ لیں، اگر واقعی لگتا ہے کہ ان کے حق میں جمعہ وقایہ ایمان ہے تو پھر وہاں جمعہ قائم کرنے کی اجازت دیں۔

د: بہت سی آبادیاں ایسی ہیں جہاں برادران وطن کی آبادی میں چند گھرانے مسلمانوں کے ہوتے ہیں، کہیں کہیں مسجدیں بھی ہوتی ہیں اور باقاعدہ جماعت کے ساتھ نماز کا اہتمام ہوتا ہے، چونکہ ان دنوں ہندو احیائیت کا زور ہے اور فاشزم تانڈو کر رہا ہے؛ نیز کورونا وائرس اور لاک ڈاؤن کے دوران بہت سی جگہوں پر جمعہ بھی قائم کر لیا گیا ہے، اب وہ نہیں چاہتے کہ جمعہ رد ہو؛ ایسے مقام کیلئے بالخصوص جہاں جمعہ قائم ہو گیا ہو اور آس پاس کوئی مرکزی مسجد نہ ہو تو بہتر ہے کہ اب انہیں جمعہ سے نہ روکا جائے، یہ فیصلہ نہ صرف ان کے جذبہ ایمان کی قدر ہے، بلکہ یہ وقایہ ایمان بھی ہے، رہے وہ لوگ جہاں ابھی جمعہ قائم نہیں ہے ایسے لوگوں سے افہام وتفہیم سے کام لینا چاہئے، حالات کا جائزہ لے کر مناسب فیصلہ کرنا چاہئے۔

ھ: نارتھ ایسٹ اور بعض شہروں میں ایسی بستیاں پائی جاتی ہیں جہاں کسی غیر مسلم یا مسلم کی ایک محدود زمین کرایہ پر لیکر اکثری مسلمان آبادی آباد ہوتی ہے، مزدوری، کام کاج اور تجارت وصناعت سے ان کا تعلق ہوتا ہے، مسجد [نماز گاہ] بھی ہوتی ہے جہاں لوگ پنج وقتہ نماز پڑھتے ہیں، مگر قریب میں کوئی جامع مسجد نہیں، اس لئے وہ دور جمعہ کی نماز ادا کرنے جاتے ہیں، حالانکہ ان کی بستیاں قدیم فقہی تعریفات کے مطابق فناء شہر یا کم از کم توابع شہر میں داخل ہوتی ہیں، جن پر جمعہ لازم ہوتا ہے، اس کے باوجود وہ جمعہ قائم نہیں کرتے، بعض بے بصیرت اہل علم کے فتاوی کی وجہ سے انہیں جمعہ کی فضیلت سے محروم ہونا پڑتا ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ مسجد سے نہیں جڑتے، جو لوگ دور جمعہ کیلئے بہ آسانی جا سکتے ہوں وہ تو جاتے ہیں، بقیہ گھر پر ہی رہ جاتے ہیں، ایسی جگہوں کیلئے بلاشبہ جمعہ قائم کرنا چاہئے اور لوگوں کو مسجد سے دور کرنے سے بچنا چاہئے۔

☆☆☆

گاؤں میں جمعہ کا مسئلہ عصر حاضر کے تناظر میں

ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی ☆

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں جمعہ کو بہت اہمیت حاصل ہے، اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نام سے قرآن مجید میں ایک مکمل سورہ موجود ہے، جس میں جمعہ سے متعلق واضح احکام دیئے گئے ہیں، احادیث میں بھی جمعہ کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے، اور جان بوجھ کر بلا عذر جمعہ چھوڑنے کو سخت ناپسند کیا گیا ہے، عصر حاضر میں دین سے غفلت وکوتاہی اور غیر قوموں کی نقل نے عام مسلمانوں کو جمعہ کی نماز تک محدود کر دیا ہے، جمعہ کے دن ہی ان کی اسلامی شناخت ہو پاتی ہے، کیونکہ جمعہ کو دین کے شعائر میں ایک اہم شعار قرار دیا گیا ہے، دور حاضر میں دین سے ناواقفیت وجہالت کی وجہ سے یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حنفیہ کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی اجازت نہ دی جائے تو گاؤں کے لوگ دین سے بالکل دور ہو جائیں گے، اور ان کی دینی شناخت ختم ہو جائے گی، جبکہ شریعت کے مقاصد میں دین کی حفاظت کو اولیت دی گئی ہے، اس لئے معزز علماء کرام اور اہل علم وتقوی کی ذمہ داری ہے کہ شریعت کے عمومی مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے اس مسئلہ کا شرعی حل پیش کریں۔

۱-مصر کی تعریف:

حنفیہ کے مطابق مصر کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ ایسی بستی جس کی سب سے بڑی مسجد میں اس بستی کے تمام مرد مکلّف حضرات کے جمع ہونے کی گنجائش نہ ہو، مصر کی تعریف میں شامل ہوگی، یعنی اتنا بڑا گاؤں جہاں چند مساجد ہوں اور وہاں کی سب سے بڑی مسجد میں اس گاؤں کے تمام مکلّف حضرات کے جمع ہونے کی گنجائش نہ ہو، وہ گاؤں مصر کی تعریف میں شامل ہوگا اور وہاں جمعہ قائم کرنا جائز ہوگا، حنفیہ کے یہاں عام طور پر اسی قول کو اختیار کیا گیا ہے اور اسی پر اکثر فقہاء نے فتوی بھی دیا ہے، چنانچہ علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں:

"المصر وهو مالايسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها وعليه فتوى أكثر الفقهاء، مجتبى

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو گورنمنٹ ڈگری کالج، تلنگانہ۔

لظهور التوانی فی الأحکام''(الدرالمختار۱/۱۰۷)(مصر وہ جگہ ہے جہاں کی سب سے بڑی مسجد میں اس کے مکلّف حضرات کے جمع ہونے کی گنجائش نہ ہو، اسی قول پر اکثر فقہاء کرام کا فتوی ہے، احکام شرعیہ میں سستی پائی جانے کی وجہ سے)۔

چنانچہ اس تعریف کے مطابق بہت سارے گاؤں مصر کی تعریف میں آجائیں گے، جیسا کہ ابوالسعود سے منقول ہے:''**عن أبی السعود (قوله مالا یسع الخ) هذایصدق علی کثیر من القری**'' (الدرالمختار۱/۱۰۸)۔

علامہ ابن عابدین شامی اس کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:''**(قوله: وعلیه فتوی أکثر الفقهاء الخ) وقال أبو شجاع: هذا أحسن ما قیل فیه، وفی الولوالجیة وهو صحیح بحر وعلیه مشی فی الوقایة ومتن المختار وشرحه وقدمه فی متن الدرر علی القول الآخر وظاهره ترجیحه وأیده صدر الشریعة بقوله لظهور التوانی فی أحکام الشرع سیما فی إقامة الحدود فی الأمصار**''(ردالمحتار۲/۱۳۷)۔

(متن کا بیان کہ اسی پر اکثر فقہاء کا فتوی ہے، ابوشجاع کہتے ہیں کہ اس بارے میں یہ سب سے بہتر قول ہے،''الولوالجیہ'' میں اسی کو صحیح بتایا گیا ہے، جیسا کہ''البحر الرائق'' میں ہے، الوقایہ، درمختار اور اس کی شرح میں اسی قول کو اختیار کیا گیا ہے، اور''الدرر'' کے متن میں اسی دوسرے قول کو مقدم کیا گیا ہے، جو بظاہر اس کی ترجیح کی علامت ہے، صدر شریعہ نے اس کی تائید کی ہے، احکام شرعیہ میں سستی وکاہلی کی وجہ سے خصوصا شہروں میں حدود قائم کرنے کی بابت)۔

''**وقال ابن الشجاعؒ أحسن ما قیل فیه إن أهلها بحیث لو اجتمعوا فی أکبر مساجدهم لم یسعهم ذلک حتی احتاجوا إلی بناء مسجد الجمعة فهذا مصر جامع**''(المبسوط للسرخسی۲/۲۳)۔

(ابن شجاع نے کہا: اس بارے میں سب سے بہتر قول یہ ہے کہ جس بستی کے رہنے والے اپنی سب سے بڑی مسجد میں جمع ہونا چاہیں تو وہ ناکافی ہو، یہاں تک کہ دوسری مسجد بنانے کی ضرورت ہو، ایسی بستی کو جمعہ قائم ہونے والے شہر کا درجہ حاصل ہوگا)۔

علامہ عبدالرحمٰن جزیریؒ نے بھی اسی تعریف کو جمہور محققین حنفیہ کا اتفاق قرار دیا ہے، جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

''**علی أن عندهم الذی یعولون علیه فی هذا هو ماروا ه ابن أبی شیبه عن علی موقوفا۔ وقد نقل الزیلعی فی کتابه ''نصب الرایه'' أن النبی ﷺ لم ینقل عنه فی هذا الموضوع شئ، وعلی فرض أنه حدیث صحیح فمن أین جاء تعریف المصر بأنه ماکان له أمیر وقاضی ینفذ الحدود؟ فالحق واضح والارتکاز علی هذا لا یفید مطلقا، ولهذا یری جمهور محققی الحنفیة علی أن المصر هو ما کان أکبر**

فيه لا يسع أهله الذين تجب عليهم الصلاة وإن لم يحضر وا فعلا'' (الفقہ علی المذاہب الأربعۃ ۱/ ۳۴۵)۔

(ابن ابی شیبہ والی روایت پر اعتراض کرنے والوں کے نزدیک یہ حدیث حضرت علیؓ پر موقوف ہے، کیونکہ علامہ زیلعیؒ نے 'نصب الرایہ' میں بیان کیا ہے کہ اس موضوع (مصر کی تعریف) سے متعلق نبی کریم ﷺ سے کچھ بھی منقول نہیں ہے، اور اگر یہ فرض محال حدیث صحیح بھی ہو تو کہاں سے مصر کی یہ تعریف وارد ہوئی کہ مصر کا ایک امیر اور قاضی ہو جو حدود نافذ کرے؟ لہذا حقیقت واضح ہے، اور اس کو بنیاد بنانا قطعا فائدمند نہیں ہے، اسی لئے جمہور محققین حنفیہ کی رائے ہے کہ مصر وہ جگہ ہے جس کی سب سے بڑی مسجد میں اس جگہ کے رہنے والے سب مکلّف حضرات کی گنجائش نہ ہو، جن پر نماز فرض ہے، اگرچہ کہ عملا وہ حاضر نہ ہوں)۔

۲- چھوٹے گاؤں میں جمعہ:

قرآن واحادیث کے اطلاق سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جمعہ کے لئے شہر و دیہات کی تفریق نہیں کی گئی ہے، نیز صحابہؓ کے آثار سے بھی بلا تخصیص مصر وقریہ جمعہ کی نماز کا حکم معلوم ہوتا ہے، چنانچہ آیت قرآنی اور چند احادیث پیش کی جاتی ہیں:

''**يأ ايها الذين آمنوا إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله**'' (سورۂ جمعہ:۹)۔

(اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے بلایا جائے تو اللہ کا ذکر سننے کے لے دوڑ پڑو)۔

''**عن ابن مسعودؓ أن النبى ﷺ قال لقوم يتخلفون عن الجمعة:لقد هممت أن آمرر جال يصلى بالناس ثم أحرق على رجال يتخلفون عن الجمعة بيوتهم**'' (مسند احمد:۶/ ۴۴۴، مسلم، حدیث نمبر:۶۵۲)۔

(سیدنا ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کی بابت فرمایا جو جمعہ کی نماز چھوڑ دیتے ہیں: میں نے پکا ارادہ کرلیا ہے کہ میں کسی شخص کو نماز پڑھانے کا حکم دوں اور پھر ان لوگوں کے گھروں کو جلا ڈالوں جو جمعہ چھوڑ دیتے ہیں)۔

''**وعن أبى هريرة وابن عمرؓ أنهما سمعا النبى ﷺ يقول على أعواد منبره: لينتهين أقوام عن ودعهم الجمعات أو ليختمن الله على قلوبهم، ثم ليكونن من الغافلين**'' (صحیح مسلم، حدیث نمبر:۸۶۵، صحیح ابن خزیمہ حدیث نمبر:۱۷۴۹، صحیح ابن حبان:۲۸۴۲)۔

(سیدنا ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو لکڑی کے منبر پر یہ بیان فرماتے

ہوئے سنا کہ لوگ جمعہ کو ترک کرنا چھوڑ دیں، ورنہ اللہ تعالی ان کے دلوں پر مہر لگادیں گے، پھر وہ یقیناً غافلوں میں شمار ہوں گے)۔

"**وعن أبی الجعد الضمری وله صحبة أن رسول الله ﷺ قال: من ترک ثلاث جمع تهاونا بها طبع الله علی قلبه**" (سنن ابی داؤد، باب تشدید فی ترک الجمعۃ، حدیث نمبر: ۱۰۵۲، صحیح ابن حبان: ۲۵۸، ۲۷۸۶)۔

(سیدنا ابو جعد ضمریؓ کو صحابیت کا شرف حاصل ہے، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص سستی کی بنا پر تین جمعہ چھوڑ دے اللہ تعالی اس کے دل پر مہر لگادیں گے)۔

"**عن طارق بن شهابؓ عن النبی ﷺ قال: الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة، إلا أربعة: عبد مملوک أو امرأة أو صبی أو مریض**" (ابوداؤد: ۱۰۶۷، قال النووی اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم وقال الحافظ صحہ غیر واحد، فقہ السنۃ: ۱/ ۳۰۳)۔

سیدنا طارق بن شہابؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جمعہ کی نماز جماعت کے ساتھ ہر مسلمان پر لازم وضروری ہے، سوائے چار طرح کے افراد کے: مملوک، غلام، عورت، بچہ اور مریض۔

آثار صحابہؓ:

"**وعن عمرؓ أنه کتب إلی أهل البحرین أن جمعوا حیثما کنتم**" (رواہ ابن ابی شیبۃ بسند صحیح وصحہ ابن خزیمۃ وقال أحمد: اسنادہ جید، وہذا یشمل المدن والقری، فتح الباری ۲/ ۴۴۲)۔

(سیدنا عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے بحرین والوں کو خط لکھا کہ تم لوگ جہاں بھی رہو وہاں جمعہ قائم کرو)۔

"**وروی البیهقی عن الولید بن مسلم سألت اللیث بن سعد فقال: کل مدینة أو قریة فیها جماعة أمروا بالجمعة، فإن أهل مصر وسواحلها کانوا یجمعون علی عهد عمر وعثمان بأمرها، وفیها رجال من الصحابة**" (کوثر المعانی، الدراری: ۵۵)۔

(امام بیہقی نے ولید بن مسلم سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے لیث بن سعد سے جمعہ کی بابت دریافت کیا، انہوں نے کہا: ہر وہ شہر یا گاؤں جس میں نمازیوں کی ایک تعداد ہو، ان کو جمعہ قائم کرنے کا حکم دیا جائے گا، کیونکہ شہر اور اس کے اطراف والے سیدنا عمر وعثمانؓ کے زمانہ میں ان کے حکم سے جمعہ قائم کرتے تھے، اور وہاں کئی صحابہ کرام موجود تھے)۔

"**وعن ابن عمرؓ أنه کان یری أهل المیاه بین مکة و المدینة یجمعون فلا یعتب علیهم**" (رواہ عبد الرزاق بسند صحیح، فقہ السنۃ ۱/ ۳۰۵)۔

(سیدنا ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان پانی والوں کو جمعہ قائم کرنے کی رائے دیتے تھے اور کسی نے ان لوگوں پر اعتراض نہیں کیا)۔

"وروی ابن ابی شیبه بسند صحیح عن مالک کان أصحاب محمد ﷺ فی هذه المیاه بین مکة والمدینة یجمعون" (فقہ السنہ ۱/ ۳۰۵)۔

(ابن ابی شیبہ نے صحیح سند سے امام مالک کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ مکہ و مدینہ کے درمیان ان پانیوں کی جگہ یہ جمعہ قائم کرتے تھے)۔

آیت قرآنی، احادیث اور آثار صحابہ میں شہر اور دیہات کی تجدید نہیں کی گئی ہے، اور ترک جمعہ پر سخت تہدید وارد ہوئی ہے، اس لئے عصر حاضر میں چھوٹے گاؤں میں بھی جمعہ کا نظام بنانا زیادہ بہتر ہے، جیسا کہ موسوعہ فقہیہ میں ہے:

"وفی هذه الآثار السلفیة عن عمر ومالک وأحمد من الاهتمام العظیم اللآئق بهذه الشعیرة الإسلامیة الخالدة: صلاة الجمعة، حیث أمروا بأدائها والمحافظة علیها حتی فی القری ومادونها من أماکن التجمع وهذا.....هو الذی یتفق مع عمومات النصوص الشرعیة واطلاقائها، وبالغ التحذیر من ترکها.....وهی معروفة.....والبحق أن هذه الجمعة فریضة من فرائض الله وشعار من شعارات" (الموسوعۃ الفقہیۃ فی فقہ الکتاب والسنۃ المطہرۃ ۲/ ۳۵۷-۳۷۶)۔

(سیدنا عمرؓ، امام مالک واحمد سے مروی ان آثار میں نماز جمعہ کا حد درجہ اہتمام ہے جو اسلام کا دائمی شعار بننے کے لائق ہے، جیسا کہ اس کی ادائیگی پر اس کی پابندی ومحافظت کا حکم دیا گیا ہے، یہاں تک کہ گاؤں میں بھی اور جو اس سے کم تر درجہ کا مقام ہے، اسی پر عام شرعی نصوص متفق ہیں جو اس شرط سے خالی ہیں، اور جن میں جمعہ کے چھوڑنے پر سخت تہدید کی گئی ہے، جیسا کہ وہ احادیث معروف ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ جمعہ اللہ تعالی کے فرائض میں سے ایک اہم فریضہ ہے اور شعائر میں سے ایک اہم شعار ہے)۔

۳- ایمان کی حفاظت کی خاطر گاؤں میں جمعہ کی اجازت:

اسلام میں جمعہ کا نظام اس لئے قائم کیا گیا ہے کہ ہفتہ میں کم از کم ایک مرتبہ مسلمانوں کی شرعی رہنمائی اور دینی و روحانی تربیت کی جاسکے، اور مسلمانوں میں اجتماعی زندگی گزارنے کا شعور پیدا ہو، ان میں اتحاد پیدا ہو، ان کے مذہبی، شرعی، معاشی، سیاسی اور سماجی مسائل کو شریعت کی روشنی میں اجتماعی طور پر حل کرنے کی سعی وکوشش کی جائے، اور وہ اپنی مذہبی ودینی شناخت کے ساتھ مسلم معاشرہ کا حصہ بنے رہیں، اسی لئے علماء نے جمعہ کو دین کا شعار اور امتیاز بتایا ہے۔

عصر حاضر میں اگر چھوٹے گاؤں میں جمعہ قائم کرنے کی اجازت نہ دی جائے تو وہاں گمراہی، بے دینی اور غیر اسلامی معاشرہ پنپنے اور مسلمانوں کا غیر اسلامی معاشرہ کا حصہ بننے کا قوی اندیشہ ہے، ایسے گاؤں کے لوگوں کو عیسائی مشنری، قادیانی اور دوسرے گمراہ فرقے آسانی سے اپنا شکار بنالیتے ہیں، مقاصد شریعت میں سب سے اول مقصد دین کی حفاظت ہے، اس اعتبار سے بھی گاؤں میں جمعہ کی اجازت دی جاسکتی ہے، جیسا کہ علامہ جزیری لکھتے ہیں:

"ولكن المشهور من مذهب أبى حنيفة أن المصر هو كل موضع له أمير وقاض يقدرعلى إقامة الحدود وإن لم ينفذ ها بالفعل، فلا يصح على هذا الرأى فى مساجد البلدان التى لاينطبق عليها هذا الشرط، وحيث أن معظم علماء المذهب أفتوابالرأى الأول، فمن الحيطة العمل به خصوصا أن جميع الأئمة لم يشترطوا هذا الشرط۔ فالذين يتركون صلاة الجمعة بناء على مااشتهر عند بعض الحنفية فى تعريف المصر لم يأخذوا بالأحوط لديهم، خصوصا إذا ترتب على ترک الجمعة تشكيک العامة.....واستهانتهم بأداء واجابتهم الدينية" (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۱/ ۳۴۴)۔

(لیکن امام ابوحنیفہؒ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ مصر ہر وہ جگہ ہے جہاں امیر اور قاضی موجود ہو جو حدود قائم کرنے پر قادر ہو، اگرچہ بالفعل نافذ نہ کرے، لہذا اس رائے کے مطابق بہت سے شہروں کی مساجد میں جمعہ درست نہیں ہوگا، جو اس شرط کے مطابق نہ ہو، حالانکہ فقہ حنفی کے بڑے بڑے علماء نے پہلی رائے کے مطابق فتوی دیا ہے اور اس پر عمل احتیاط کا تقاضا ہے، خصوصا جب کہ تمام ائمہ نے یہ شرط نہیں رکھی ہے، لہذا بعض حنفیہ کے نزدیک مصر کی مشہور تعریف کی بنیاد پر جو لوگ جمعہ کی نماز چھوڑ دیتے ہیں وہ احتیاط پر عمل نہیں کرتے ہیں، خاص طور پر جب کہ جمعہ چھوڑنے پر عوام شک میں مبتلا ہو سکتے ہیں، اور دینی واجبات وفرائض کے ادا کرنے میں کوتاہی برت سکتے ہیں)۔

☆☆☆

جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط موجودہ حالات کے پس منظر میں

مفتی فضل الرحمٰن اصلاحی قاسمی☆

اس موضوع پر گذشتہ ایک صدی سے بھی زیادہ عرصے سے خود ہندوستان میں معرکۃ الآراء بحثیں علماء کرام کے درمیان ہوتی رہی ہیں، بیسوں سال پہلے تک اس مسئلے میں خود ہمارے ملک میں بڑی شدت پائی جاتی تھی، اب اس طرح کی شدت برائے نام ہی سنی جاتی ہے، اسلامک فقہ اکیڈمی نے اس اہم موضوع کو بھی اپنے سمینار کے لئے منتخب کیا، یہ بڑا ہی خوش آئند قدم ہے، ساتھ ہی اس موقع پر غیر عربی زبان میں "خطبۂ جمعہ " کو بھی موضوع بحث بنایا جاتا تو اس سے اس حساس موضوع کی اہمیت ومعنویت مزید واضح ہوجاتی، اور اہل علم کے ذریعہ ایک مثبت پیغام معاشرہ میں جاتا، اور اس سے امت مسلمہ کی مؤثر اصلاح کا ایک اہم کام بھی کیا جاسکتا ہے، امید کہ اکیڈمی آئندہ اس جانب بھی ضرور اپنی توجہ مبذول کرے گی، اس تمہید گفتگو کے بعد اب اصل موضوع کا احاطہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

مصر کی لغوی تشریح:

اس موقع پر حضرت عمر بن الخطابؓ کے اس قول کی معنویت واضح ہے:"**لا یقرئ القرآن عالم إلا باللغة** "۔

اس روشنی میں پہلے لفظ "مصر" کی تشریح مناسب معلوم ہوتی ہے، از روئے لغت "مصر" کے معنی شہر کے ہیں، جیسا کہ "لسان العرب" میں ہے:"**والمصر : واحد الأمصار: الكورة** "۔

نیز دوسرے لغات میں مصر کے معنی یہ مذکور ہیں:" **المصر :الكورة الكبيرة تقام فيها الدور والأسواق و المدارس وغيرها من المرافق العامة** "، ایسے ہی ایک معنی یہ بھی ملاحظہ کریں :'' **المصر :مدينة ، منطقة كبيرة تقام فيها الدور والأسواق والمدارس وغيرهامن المرافق العامة**''۔

مولانا وحید الزماں کیرانویؒ نے کورۃ کے معنی چھوٹا قصبہ، ضلع اور صوبہ تحریر کیا ہے، یہاں پر پہلے معنی کو لیا جائے تو بھی اس سے 'جمعہ فی القری' کی تائید ہوتی ہے، اس لغوی تشریح کے بعد آیئے جائزہ لیتے ہیں کہ لفظ مصر کی تشریح فقہاء کرام کن الفاظ میں کرتے ہیں؟۔

☆ (معاون رفیق) دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ۔

مصر کی تعریف اکابر فقہاء کی نظر میں:

درحقیقت علماء احناف میں اس بارے میں اس قدر شدید اختلاف پایا جاتا ہے کہ کسی گاؤں کو مصر کی تعریف سے نکالنا، یا کسی بڑے سے بڑے شہر کو 'مصر' میں داخل کرنا قدرے مشکل معلوم ہوتا ہے، صاحب وقایہ نے مصر کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: "**مالا یسع أکبر مساجده أهله مصر** "۔

اور صاحب 'ہدایہ' نے مصر کی یہ تعریف کی ہے: "**کل موضع لهاامیر وقاضی ینفد الأحکام ویقیم الحدود**"، اس مذکور تعریف پر غور کرنے سے یہ بات صاف ہوگئی کہ صرف اس میں امیر وقاضی کے ذریعہ تنفیذ احکام اور اقامت ہو، کافی سمجھا جائے گا، قطع نظر اس میں گلیاں، بازار اور ایسا عالم ہو، جو مرجع فتاوی ہو، چاہے نہ ہو، اس لئے یہاں عام تعبیر ہی صاحب ہدایہ کی سمجھی جائے گی، اور اس میں بڑی وسعت پیدا ہوگئی ہے۔

حضرت قاضی مجاہد الاسلامؒ نے مصر کی تصریحات کرنے سے قبل ایک سوال نقل کیا ہے، اس میں درج ذیل وضاحت ان الفاظ میں موجود ہے:

"اس سے قبل شارح نے بھی ایک تعریف یہی 'عند البعض هوموضع الخ' کہا ہے، "هوموضع "پر مولانا عبدالحئی صاحبؒ نے حاشیہ لکھا ہے: "وعلیہ فتوی اکثر الفقہاء "مولانا عبدالشکور صاحبؒ نے بھی مصر کی یہی تعریف کی ہے، اور "خزانۃ المفتیین، "البحر الرائق "اور "وقایہ " کا حوالہ دیا ہے۔

اس کے بعد قاضی صاحبؒ ان تمام اقوال کی روشنی میں اپنا عندیہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

"ان تمام اقوال اور مباحث کے مطالعہ سے میں جس نتیجہ پر پہونچا ہوں، وہ یہ ہے کہ ان سارے اقوال میں حقیقتا تضاد نہیں ہے، بلکہ یہ تمام ہی اقوال دراصل "مصر " کی علامتوں کے اظہار کے لئے ہیں کہ حقیقتا شہر کون ہے اور دیہات کون، یہ عرف عام میں ایسی بدیہی حقیقتیں ہیں، جن کا ادراک اول وہلہ میں ہر سننے والے کو ہوجاتا ہے، اور جن کی حد حقیقی الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں"۔

مندرجہ بالا پیراگراف سے مصر کی وضاحت مزید ہوگئی، اب ان تصریحات کی روشنی یہ امر بھی وضاحت کا متقاضی ہے، جیسا کہ قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے آگے مزید لکھا ہے:

"۔۔۔فقہ حنفی کی رو سے جمعہ کی ادائیگی مصر میں تو درست ہے ہی، قصبات اور قریہ کبیرہ میں بھی درست ہے، جیسا کہ شامی نے قہستانی سے نقل کیا ہے، جمعہ قصبات اور ایسے بڑے گاؤں میں بھی فرض ہوجائے گا، جہاں بازار ہو، اور البتہ "قریہ صغیرہ" میں درست نہیں"۔

اس میں "قریہ صغیرہ " کومستثنی کرنے کی کوئی معقول وجہ بیان نہیں کی گئی ہے،اور نہ ہی کوئی مضبوط دلیل پیش کی گئی ہے،اب قدرے تفصیل سے "جمعہ فی القری" پر بحث پیش کی جارہی ہے:

جمعہ فی القرٰی قرآن وسنت کی روشنی:

جمعہ کی نماز کی اہمیت قرآن مجید سے ثابت ہے،جیسا کہ سورۃ الجمعہ آیت (۹) میں ہے:

''یأ أیها الذین آمنوا إذا نودی للصلاة من یوم الجمعة فاسعوا إلی ذکر الله وذروا البیع''

(اے ایمان والو، جب جمعہ کی نماز کے لئے بلایا جائے ،تو اللہ کی یاد کی طرف چل پڑو،اورخرید وفروخت چھوڑ دو)۔

قرآن مجید کی اس آیت پرغور کیا جائے تو یہ نکتہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ یہاں پر جمعہ کی نماز کا مطلق ذکر ہوا ہے،یعنی نہ تو دیہات کا ذکر ہوا ہے،اور نہ ہی شہر کا، نبی ﷺ کا عمل بھی موجود ہے کہ آپ نے بنی سالم کے محلّہ میں ہجرت مدینہ کے دوران جو پہلا جمعہ ادا کیا ہے،وہ بھی دیہی علاقہ تھا،اس کے علاوہ جب آپ مدینہ پہنچے تو اس وقت بھی ایک عرصہ تک مدینہ کی پوزیشن ایک دیہات کی طرح تھی،اس ضمن میں مولانا سید امین نصیر آبادی کے شاگرد مولانا ریاست علی چھانویؒ لکھتے ہیں:

".....اور جمعہ کی فضیلت بھی اور نمازوں سے زیادہ ہے اور اس کی فرضیت باتفاق ائمہ مجتہدین واکابر محدثین آیت قرآن مجید "یا أیها الذین آمنوا إذا نودی للصلاة من یوم الجمعة فاسعوا إلی ذکر الله " سے ثابت ہے، باقی رہی یہ بحث کہ دیہات میں جمعہ درست ہے یا نہیں تو اس کی نسبت بہ نظر انصاف بلا لحاظ تعصب مذہب تحریر ہے کہ اس کے ثبوت کے واسطے خود آیت شریفہ مسطور الصدر کافی ہے، کیوں کہ آیت شریفہ مطلق ہے کہ لفظ " آمنوا " کے تحت میں جملہ اہل ایمان داخل ہیں، کیا اہل شہر کیا اہل دیہات، البتہ جن اشخاص کو حضرت شارع یعنی رسول اللہ ﷺ نے خود استثناء کر دیا ہے''۔

اس کے بعد مولانا ریاست صاحب نے اس سلسلے میں جو احادیث کا جائزہ لیا ہے تو اس نتیجے پر پہنچیں ہیں کہ

".....اور جو شروط کہ ہمارے علماء احناف نے مصر وغیرہ کے لگایا ہے،اس کی کوئی دلیل شرعی کافی الثبوت پائی نہیں جاتی ہے، بجز اثر حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر موقوف ومنقطع اور ضعیف ہے،اور ضعیف وموقوف حدیث صحیح مرفوع کے معارض نہیں ہوسکتی، اگر چہ موقوف حکم میں صحیح کے ہو، کیونکہ موقوف حکم میں صحیح کے ہے،اور صحیح بعینہ صحیح ہے تو مرفوع عین وصحیح کے معارض حکم مرفوع وصحیح نہیں ہوسکتا ہے،انصاف کو راہ دو، دوسری یہ کہ اس اثر میں حارث اعور جو راوی ہے،اس کو محدثین نے کذاب وواہی تحریر کیا ہے، اس کے ثبوت کے واسطے مختصر طور پر مقدمہ صحیح مسلم شریف وميزان الاعتدال للذہبی کافی ہے''،اس کے بعد مولانا ریاست علی چھانویؒ نے امام نوویؒ کے حوالے سے اس حدیث پر مزید جو کلام کیا گیا ہے،اس کی تفصیل بطور حوالہ ان الفاظ

میں پیش کی ہے:

"حدیث : لا جمعة ولا تشریق الخ متفق علی ضعفه رواه ابن شیبة عن أبی اسحاق عن الحارث عن علی، قال لاجمعة و لا تشریق ولا صلوة فطر ولا أضحی إلا فی مصر جامع أو فی مدینة عظیمة، قال الزیلعی الحنفی فی تخریج أحادیث الهدایة ،هذا إنما یروىٰ عن علی موقوفا فأما النبیﷺ فإنه لا یروی عنه فی ذلک شیء انتهی،عن الشعبی قال حدثنی الحارث الأعور کان کذابا۔"

مندرجہ بالا روایت کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد اس کی کمزوری کے کئی وجوہات عیاں ہیں:

۱۔ضعیف ہے۔

۲۔اس حدیث کو امام شعبی حنفیؒ نے موقوف قرار دیا ہے۔

۳۔اس سلسلے میں کوئی بھی صحیح حدیث آپ ﷺ سے مروی نہیں ہے۔

۴۔امام شعبیؒ نے حارث اعور کو کذاب کہا ہے۔

اس کے بالمقابل 'جمعۃ فی القریٰ ' کے سلسلے میں جو بخاری کی روایت ہے، اس کے معارض کوئی دوسری روایت نہیں ہے، چنانچہ بخاری شریف کی روایت ملاحظہ ہو:

"عن ابن عباس قال إن أول جمعةجمعّت بعد جمعة فی مسجد رسول اللهﷺ ،فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین "

ابوداؤد کی روایت میں جواس قدر زیادتی ہے، **"بجواثی قریة من قری ا لبحرین وهکذا "**

اس سے مذکورہ روایت کی تائید کے ساتھ یہ بھی وضاحت مزید ہوجاتی ہے کہ جواثی ایک موضع بحرین کے مواضعات سے میں تھا، اور نبی ﷺ کے زمانے میں وہاں پر جمعہ ادا کیا گیا۔

اسی طرح یہ روایت نسائی شریف میں بھی قدرے فرق کے ساتھ موجود ہے، اس میں بھی جواثا کو بحرین کا ایک قریہ بتایا گیا ہے، روایت ملاحظہ ہو:**"عن أبی هریرة: أن أول جمعة جمعت بعد جمعة جمعت مع رسول اللهﷺ ، بمکة ۔جمعة بجواثی بالبحرین۔ قریة لعبد القیس "**

مولانا ریاست چھانویؒ صاحب مفید الأنام کا تبصرہ 'سورۃ الجمعۃ اور احادیث' کی روشنی میں بڑا معنی خیز اور مدلل معلوم ہوتا ہے، ان کے الفاظ درج ذیل ہیں:

"پس آیت قرآن شریف وحدیث شریف سے صاف واضح ہوگیا کہ جمعہ دیہاتوں میں بلا عذر وتکلف درست ہے ،اور جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ جواثی پہلے شہر تھا، اب ویران ہوگیا، ان حضرات کے جواب کے واسطے اس قدر کافی ہے کہ کوئی دلیل شرعی یعنی حدیث صحیح یا اثر صحیح پیش کریں، ۔۔۔اور اس کے علاوہ مصنّف ابن شیبہ میں روایت ہے کہ حکم نامہ بھیجا، حضرت عمرؓ نے طرف بحرین کے کہ لوگ جمعہ ادا کیا کریں، جہاں کہیں موجود ہوں، اور اس قول کی تصحیح ابن خزیمہ نے کیا ہے، اور کلمہ جہاں کہیں شامل ہے جملہ امکنہ کو خواہ شہر ہو یا کہ دیہات وغیرہ اور یہی مذہب جمہور مفسرین ومحدثین کا ہے اور جناب خاتم المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اپنی کتاب شرح مؤطا امام مالک میں فرماتے ہیں: پس نماز جمعہ دو رکعت است در وقت با جماعت عظیمۃ از مسلمین در قریہ یا شہر۔ "

جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شروط اور موجودہ حالات:

اس سلسلے میں چند ممتاز اکابر علماء کی رائے سے استفادہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، ان میں مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ "فتاوی دارالعلوم"، علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور شیخ ابن بازؒ وغیرہ کی آراء شامل ہیں، سب سے پہلے مفتی عزیز الرحمٰنؒ کی آراء ملاحظہ ہوں:

"عرفا جس قریہ کو کبیرہ سمجھیں، وہ کبیرہ ہے اور جس کو صغیرہ سمجھیں وہ صغیرہ ہے"

ایک دوسری تعریف بھی ان کے الفاظ میں درج ذیل ہے۔:

".....علماء محققین کی رائے میں جو قریہ باعتبار آبادی کے قریب قصبہ صغیرہ کے ہو، اس میں جمعہ صحیح ہے "

اسی طرح کی اور بھی وضاحتیں 'مصر ' کی ان کے یہاں پائی جاتی ہیں۔"

اب اس سلسلے میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی رائے پیش خدمت ہے، جو قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے نزدیک قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہے:

"مصر کی تشریح میں ہمارے اصحاب (حنفیہ) کے اقوال مفہوم کے اعتبار سے باہم یکسانیت رکھتے ہیں، گو کہ الفاظ و تعبیرات میں اختلاف ہے، ظاہر روایہ میں قاضی کی شروط لگانا اس بنا پر ہے کہ ظاہر روایہ کے مطابق نفاذ قضا کے لئے مصر ہونا شرط ہے، جیسا کہ باب القضاء کے مسائل میں تعزیر میں ہے، اور متاخرین کی یہ تعریف کہ بڑی مسجد اس آبادی کے لئے کافی نہ ہوگی، مسجد کے متعدد ہونے پر محمول ہے، آبادی کی کثرت کی وجہ سے.....اور حاصل یہ کہ کہ مصر کی تعریف عرف اور لغت پر مجہول ہے "

علامہ کشمیریؒ کی مندرجہ بالا عبارت سے یہ بات صاف ہوگئی کہ کسی بھی شرعی اصطلاحات کو سمجھنے کے لئے لغت کی

بھی اپنی ایک اہمیت وضرورت ہے، اسی چیز کو راقم السطور نے حضرت عمرؓ کے اس قول "لا یقرئ القرآن عالم إلا باللغة " کے حوالہ سے گذشتہ اوراق میں پیش کیا ہے۔

اب اس بارے میں علامہ شیخ بن بازؒ کی رائے ملاحظہ ہو، جب ان سے "جمعہ فی القریٰ" کے بارے میں ایک استفسار کیا گیا تو انھوں نے جمعہ کی اہمیت کے پیش نظر یہ بات عرض کی:

جمعہ کی نماز ادا کی جائے، اگر چہ اس گاؤں میں چالیس لوگ سے بھی کم کی آبادی ہو، یہ کوئی معتبر شرط نہیں ہے، اگر اس گاؤں میں دس لوگ یا بیس لوگ ہوں، یہاں تک کم از کم تین لوگ بھی ہوں، تب بھی نماز جمعہ پڑھنا واجب ہے، اور آخر میں یہاں تک فرمایا کہ جب لوگ جمعہ کی نماز ادا کریں تو میں بھی ان کے ساتھ نماز جمعہ ادا کروں گا۔

علامہ شیخ ابن بازؒ نے فقہی موشگافیوں میں پڑے بغیر خالص قرآن وسنت کو سامنے رکھ کر فتوی دیا ہے، اور آج کے حالات میں جمعہ فی القری کے سلسلے میں جو فقہی موشگافیاں ہیں اس سے احتراز مناسب معلوم ہوتا ہے۔

خلاصہ بحث: مولانا خالد سیف رحمانی نے "دیہات میں جمعہ کی نماز "کے عنوان کے تحت "جدید فقہی مسائل (۱) "میں مصر (شہر) کے بارے میں جو تحریر کیا ہے، اس میں ۱۲ متداول اقوال ذکر کئے گئے ہیں، ان میں بیشتر اقوال عصری تقاضوں سے خالی معلوم ہوتے ہیں۔ان میں دسواں (۱۰) یہ ہے: "حضور ﷺ کے زمانے میں مکہ ومدینہ کی جو کیفیت تھی، جو جگہ اس کے مطابق ہو، وہ شہر ہے"۔

اس میں بارہواں (۱۲) قول یہ ہے: "جہاں کی آبادی ایک ہزار ہو"۔

آخر کے یہی دونوں اقوال موجودہ حالات میں "جمعہ فی القری "کے سلسلے میں رہ نمائی کے لئے مناسب معلوم ہوتے ہیں، کیوں اس مسئلہ میں فقہی موشگافیوں میں پڑے بغیر اعتدال پر مبنی ہیں، اور رسول اللہ ﷺ کے عملی نمونے سے قریب بھی ہیں، اور امام ابوحنیفہؒ کے اس قول "إذا صح الحدیث فهو مذهبی "پر اگر عمل کیا جائے تو قرآن مجید کی سورہ جمعہ کی آیت (۹) "إذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة اور بخاری شریف میں قریہ جواثی والی مذکورہ حدیث ہماری رہ نمائی کے لئے کافی ہیں۔

سورہ جمعہ کی آیت کو اگر عبارۃ النص پر نہ محمول کیا جائے تو اشارۃ النص سے کس کو انکار ہوسکتا ہے؟، اس امت کا آج سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اس پرفتن دور میں جہاں اسلام اور مسلمانوں کا وجود ہی خطرے میں ہو، اس طرح کی فقہی موشگافیوں میں پڑنا کہاں کی دانش مندی ہے؟

اس سلسلے میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کا درج ذیل اقتباس لائق مطالعہ معلوم ہوتا ہے:

''حقیقت یہ کہ ''مصر''، ''شہر'' ان اصطلاحات میں سے ہے کہ کتاب وسنت مین اس کی تحدید وتعیین نہیں کی گئی ہے، اس لئے اس کا مدار عرف پر ہے.....تاہم ہندوستان وغیرہ کے موجودہ حالات میں کہ بعض علاقوں مین جمعہ ہی مسلمانوں کی شناخت رہ گئی ہے، اور اسی کے ذریعہ نماز اور اسلام سے لوگ اپنی وابستگی کا احساس کرتے ہیں، ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ آراء وخیالات کے ان اختلاف سے فائدہ اٹھا کر شہر کے مفہوم میں جس قدر توسیع ممکن ہو پیدا کی کہ جمعہ محض ایک عبادت ہی نہیں، تذکیر ودعوت بھی ہے، مسلمانوں کی اجتماعیت کا اظہار بھی ہے اور اسلام کا ایک شعار بھی''۔

ایسے ہی اس سلسلے میں مولانا مجیب اللہ ندویؒ نے خود اپنا تجربہ لکھا ہے کہ جب وہ ندوۃ العلماء سے فارغ ہوکر اپنے گاؤں پہنچے تو انہیں احساس ہوا کہ میرا گاؤں تو چھوٹا ہے، یہاں پر فقہی حنفی کے لحاظ سے جمعہ کی نماز جائز نہیں تو میں لوگوں کو اس سے روکنا چاہا تو بزرگ (بوڑھے لوگ) میرے پاس آئے اور کہنے لگے، مولانا ہم لوگ صرف جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں، اور آپ ہمیں اس سے بھی روکنے لگے، اس پر مولانا کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انھوں نے پھر اس سے نہیں روکا، بعد میں اپنی کتاب فقہ اسلامی جلد اول میں پورے واقعہ کو تفصیل سے بیان کر کے اپنی یہ رائے لکھی:

"جاہل سے جاہل اور غافل سے غافل مسلمانوں کے دل میں بھی ابھی جمعہ کی اہمیت باقی ہے، اگر اس سے انہیں روک دیا گیا تو تھوڑی سی اہمیت ان کے دلوں میں رہ گئی وہ بھی جاتی رہے گی''۔

اس موقع پر اگر "مصر" کی تعریف کی ضرورت فقہاء محسوس کر رہے ہیں تو انہیں دور نبوی ﷺ کے مدینہ کی حیثیت کو بھی سامنے رکھنا لازمی ہے، اس وقت مدینہ ایک دیہات کی طرح تھا، جیسا کہ مولانا ریاست علی چھانویؒ رقم طراز ہیں؛

".....ان تحریرات بالا سے بخوبی ظاہر ہوگیا کہ جب آنحضرت ﷺ نے جمعہ مدینہ منورہ میں ادا کیا تھا، اس وقت مدینہ شریف بطور دیہات کے تھا اور اس وقت آپ کی حکومت بھی نہ تھی، اور نہ ہی ایسا تھا کہ اس پر مصر عظیم کا اطلاق ہو سکے''۔

اسی طرح کی تشریح "مصر" کے متعلق دوران سال افتاء (۲۰۰۲ء) جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ میں مولانا خالد سیف اللہ گنگوہی نے پیش کی تھی۔

☆☆☆

قریہ میں قیام جمعہ موجودہ حالات کے پس منظر میں

مفتی محمد مقصود فرقانی ☆

جمعہ کے سلسلہ میں فقہاء حنفیہ اور دیگر فقہاء کے درمیان اس کے شرائط وجوب کے بارے میں اختلاف ہے اور خود فقہاء حنفیہ میں خاصا اختلاف ہے، حضرت ابوحنیفہؒ سے جو ان کے شاگردوں سے جزئیات منقول ہیں ان جزئیات میں شرائط سخت ہیں اور حنفیہ میں متأخرین علماء نے جو جزیہ بیان کیا ہے اور اس پر بعض فقہاء نے فتوی بھی دیا ہے، اس پر عمل کرنا آسان ہے اور وہ جزیہ سہل ہے، جبکہ فقہاء حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہاء نے جمعہ کے لئے جو شرائط بیان کئے ہیں، وہ اور زیادہ آسان ہیں، لیکن ہم چونکہ حنفی ہیں اور مذہب حنفیت پر ہی حنفی علماء کا فتوی ہوتا ہے جب تک کہ مذہب حنفی پر عمل کرنا دشوار نہ ہوجائے، اس لئے جمعہ کے مسئلہ میں بھی میرا موقف وہی ہے جو فقہاء متأخرین کا ہے، اس لئے کہ اگر حنفیہ میں متقدمین علماء کا موقف اختیار کیا جائے تو ممکن ہے کہ شاید پورے ہندوستان میں جمعہ واجب نہ ہو اور اگر حنفی علماء کے علاوہ دیگر علماء کے اقوال پر عمل کیا جائے گا تو جمعہ کی جو اہمیت فقہاء حنفیہ نے بیان کی ہے وہ اہمیت باقی نہیں رہے گی، اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ وغیرہ حضرات نے جمعہ کے وجوب کے شرائط سخت بیان کئے ہیں، اور قرآن وحدیث سے بھی جمعہ کی بہت اہمیت ثابت ہوتی ہے، لہذا ان اقوال کی روشنی میں میں یہ سمجھتا ہوں کہ فقہاء حنفیہ میں متأخرین علماء کے قول کو اختیار کیا جائے اور اسی پر فتوی دیا جائے اور وہ قول یہ ہے کہ جس آبادی کی بڑی مسجد میں اس آبادی کے عاقل بالغ مرد مسلمان نماز پڑھنے کے لئے آئیں تو اس مسجد میں نہ سما سکیں، لہذا وہ آبادی مصر ہے، اور مصر میں وہاں کے مسلمانوں پر جمعہ واجب ہے۔

الدرالمختار برحاشیہ ردالمحتار میں پر ہے: ”**ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول المصروهو مالايسع أكبرمساجده أهله المكلفين بها وعليه فتوى أكثرالفقهاء مجتبى لظهور التوانى فى الأحكام**“ (۱/۷۴۷)۔

اور ردالمحتار میں ہے: ”**قوله مالايسع الخ هذا يصدق على كثير من القرى، وقال أبو شجاع هذا**

☆ جامع العلوم فرقانیہ، رامپور یوپی۔

أحسن ما قيل فيه وفى الولوالجية وهو صحيح بحر وعليه مشى فى الوقايه ومتن المختار و شرحه وقدمه فى متن الدرر على القول الآخر وظاهره ترجيحه وأيده صدر الشريعة بقوله لظهور التوانى فى أحكام الشرع سيما فى إقامة الحدود فى الأمصار"(حوالہ سابق)۔

اور بدائع الصنائع میں ہے:"أما المصر الجامع فقد اختلفت الأقاويل فى تحديده ذكر الكرخى أن المصر الجامع ما أقيمت فيه الحدود ونفذت فيه الأحكام وعن أبى يوسف روايات ذكر فى الإملاء: كل مصر فيه منبر وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود فهو مصر جامع تجب على أهله الجمعة–وفى رواية قال إذا اجتمع فى قرية من لا يسعهم مسجد واحد بنى لهم الإمام جامعا ونصب لهم من يصلى بهم الجمعة–وفى رواية لو كان فى القرية عشرة آلاف أو أكثر أمرتهم بإقامة الجمعه فيها وقال بعض أصحابنا المصر الجامع مايتعيش فيه كل محترف بحرفته من سنة إلى سنة من غير أن يحتاج إلى الانتقال إلى حرفة أخرى–وعن أبى عبد الله البلخى أنه قال أحسن ما قيل فيه إذا كانوا بحال لواجتمعوا فى أكبر مساجدهم لم يسعهم ذلک حتى احتاجوا إلى بناء مسجد الجمعة فهذا مصر تقام فيه الجمعة وقال سفيان الثورى المصر الجامع مايعده الناس مصرا عند ذكر الأمصار المطلقة–وسئل أبو القاسم الصفارمن حد المصر الذى تجوزفيه الجمعة فقال أن تكون لهم منعة لو جاء هم عدو قدروا على دفعه فحينئذ جاز أن يمصر وروى عن أبى حنيفة أنه بلدتا كبيرة فيها سكک وأسواق ولهارساتيق وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحكم وعلم أو علم غيره والناس يرجعون إليه فى الحوادث وهو الأصح"(۱/۵۸۴)۔

امام شافعیؒ کے نزدیک جمعہ کی نماز ہر اس جگہ کے مسلمانوں پر واجب ہے جہاں چند گھر ہوں خواہ وہ گھر شہر کا حصہ ہوں یا گاؤں کا حصہ ہوں، موسوعہ فقہیہ میں ہے:"فأما الشافعية فاكتفوا باشتراط إقامتها فى خطة أبنية سواء كانت من بلدة أو قرية قال صاحب المهذب لا تصح الجمعة إلا فى أبنية يستوطنها من تنعقدبهم الجمعة من بلد أو قرية "(۲۷/۱۹۲)۔

اور فقہاء حنابلہ کے نزدیک جمعہ کے وجوب کے لئے یہ بھی شرط نہیں ہے، بلکہ ان کے نزدیک جمعہ کا قیام جنگل یعنی صحراء میں بھی جائز ہے:"وأما الحنابلة فلم يشترطوا ذلک أيضا وصحراء إقامتها فى الصحارى وبين مضارب الخيام قال صاحب المغنى ولايشترط لصحة الجمعة إقامتها فى البنيان ويجوز إقامتها

فیماقاربه، من الصحراء"(حوالہ سابق)۔

حنابلہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کی نماز خیموں میں بھی جائز ہے، البتہ مالکیہ نے جمعہ کی نماز کے قیام کو اس جگہ درست قرار دیا ہے جس جگہ میں رہائش کرنے یعنی گھر بنانے کی صلاحیت ہو اور ایک عرصہ تک آدمی وہاں رہ سکے۔

"**وأما المالكية فإنما شرطوا أن تقام فی مكان صالح للاستيطان فتصح إقامتها فی الأبنية أو الأخصاص لصلاحها للاستيطان فيها مدة طويلة ولا تصح فی الخيم لعدم صلاحتيها لذلک فی الغالب قال فی الجواهر الزكية فی تعداد شروطها موضع الاستيطان ولوكان بأخصاص لاخيم فلاتقام الجمعة إلا فی موضع يستوطن فيه بأن يقيم فيه صيفا وشتاء**" (حوالہ سابق)۔

مالکیہ کے نزدیک خیموں وغیرہ میں جمعہ کی نماز درست نہیں ہے، مگر وہ جگہ جہاں چند گھر قریب قریب ہوں اس جگہ جمعہ کی نماز درست ہے، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس جگہ امام نہ ہو تو انہیں لوگوں میں سے ایک شخص کو آگے بڑھا دیا جائے گا اور وہ جمعہ کی نماز پڑھائے گا۔

پس مذکورہ عبارت میں اور فقہاء حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہاء کرام کے یہاں جمعہ کے قیام اور اس کے صحیح ہونے کے لئے توسع ہے اور مصر کی شرط بھی صرف فقہاء حنفیہ کے نزدیک ہے، دوسرے مذہب کے فقہاء کے نزدیک مصر کی شرط نہیں ہے، مگر جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا ہے کہ ہم حنفی ہیں اور جب تک کہ مذہب حنفی میں کسی مسئلہ میں عمل کرنا دشوار نہ ہو اس وقت تک دوسرے مذہب پر یعنی دوسرے امام کے قول پر عمل کرنا درست معلوم نہیں ہوتا ہے؛ جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں مفقود الخبر وغیرہ کے مسئلے میں اس کی نظیریں موجود ہیں اور چونکہ فقہاء حنفیہ نے فرمایا ہے کہ جہاں جمعہ کے وجوب کی شرطیں نہیں پائی جائیں وہاں ظہر کی نماز مسلمانوں پر پڑھنا واجب ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ موجودہ حالات میں مصر کی تعریف کیا ہو سکتی ہے جس سے اس کے اطلاق کا دائرہ وسیع ہو جائے تو مصر کی تعریف فقہاء حنفیہ نے کتابوں میں کر دی ہے اور ہمیں اسی تعریف کی روشنی میں آسان تعریف پر عمل کرنے میں گنجائش معلوم ہوتی ہے، موسوعہ فقہیہ میں ہے:"**المصر فی اللغة المدينة والصقع والحاجز والحد بين شيئين أو الحد بين الأرضعين قال الجوهری مصر هی المدينة المعروفة والمصر واحد الأمصار والمصر الكورة والجمع أمصار، والمصر اصطلاحا بلدة كبيرة فيها سكک وأسواق ورساتيق وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم والناس يرجعون إليه فی الحوادث**"(۲۸/۲۵)۔

اور الفتاوی الشرعیہ میں ہے:"**ذهب الفقهاء إلى وجوب وصحة صلاة الجمعة فی حق المقيمين**

إقامة دائمة فی المدن والقری وماحولها مما هو متصل بها بشروط خاصة أما المقیمون إقامة غیر دائمة فی غیرهذه الأ ماکن کالبوادی وما شابهما فإن الجمعة لاتجب علیهم ولا تصح منهم وعلیه فإن الصلوة لاتجب ولا تصح إقامتها فی حق العاملین فی المعسکر المسئول عنه لأن وجود هم فیه لیس دائما"(۱۲/۲۵)۔

اس عبارت سے اور اسی فتاوی شرعیہ(۹/۶۸) کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ ہر جگہ جمعہ کی نماز پڑھنا درست نہیں ہے،"**اشترط الفقهاء لصحة ووجوب إقامة صلاة الجمعة أن تقام فی مکان استیطان دائم لیسکن من تنعقد بهم الجمعة کلمدن والقری وما یدخل فی خطة الأبنیة فلا یجوز إقامة صلاة الجمعة فی الأماکن البعیدة عن البنیان ولهذا لاتصح إقامة صلاة الجمعة فی هذه الأماکن البعیدة عن البنیان لعدم توفرشروط الصحة کالصورة الواردة فی السوال وإذا لم تصح إقامة الجمعة وجب علیهم إقامة صلوة الظهر**"۔

اسی طرح فتاوی شرعیہ ۲۲/۶۸ پر عبارت منقول ہے کہ مدن اور قری میں جمعہ کی نماز صحیح ہے اور وہ مکانات جو آبادی سے یعنی مدن اور قری کی منقفع ہوں ان میں جمعہ کی نماز درست نہیں ہے، اب رہا یہ مسئلہ کہ مدن اور قری کسے کہتے ہیں تو موسوعہ فقہیہ میں ہے:"**القریة فی اللغة کل مکان اتصلت به الأبنیته واتخذ قرارا وتقع علی المدن وغیرها والجمع قری والقریة الضیعة کی تطلق علی المساکن والأ بنیة والضیاع۔**

والقریة اصطلاحا عرفها الکاسانی: بأنها البلدة العظیمة لأنها اسم لما اجتمع فیها من البیوت ۔

وعرفها القلیوبی: بأنها العمارة المجتمعة التی لیس فیها حاکم شرعی ولا شرطی ولا أسواق للمعاملة والمصر أعظم من القریة۔

والبلد فی اللغة یذکر ویؤنث والجمع بلدان والبلدة البلد جمعها البلاد والبلد: اسم للمکان المختط المحدود المستأنس باجتماع قطانه وإقامتهم فیه ویستوطن فیه جماعات ویسمی المکان الواسع من الأرض بلدا۔

والبلداصطلاحا کما عرفه القلیوبی مافیه حاکم شرعی أوشرطی أوأسواق للمعاملة وإن جمعت الکل فمصر ومدینة وإن خلت عن الکل فقریة والمصرأکبر من البلد"(۳۸/۲۵،۲۶)۔

قری جمع ہے قریہ کی اور قریہ لغوی اعتبار سے ہر اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں مکان متصل متصل ہوں اور وہاں سکونت مستقل ہو اور قریہ کا اطلاق مدن اور اس کے غیر پر بھی ہوتا ہے اور قریہ بھر پور زمین کو بھی کہتے ہیں جس کا اطلاق مساکن اور مکانات اور جائدادوں پر ہوتا ہے اور علامہ کاسانی نے قریہ کی تعریف میں کہا ہے کہ قریہ بلدہ عظیمہ کا نام ہے، کیونکہ اس میں بہت سے گھر ہوتے ہیں اور علامہ قلیوبی نے قریہ کی تعریف اس طرح کی ہے کہ قریہ وہ مجتمع آبادی ہے جس میں حاکم شرعی نہ ہو اور پولیس نہ ہو، بازار نہ ہو، اسے قریہ کہتے ہیں اور مصر قریہ سے بڑا ہوتا ہے اور بلد ایسے خطہ کو کہتے ہیں جو آبادی پر محیط ہو اور لوگوں کی آمد ورفت ہو اور لوگوں کی اقامت گاہ ہو اور مستقل قیام ہو، لہذا ایک وسیع جگہ کا نام بلد ہے، چنانچہ علامہ قلیوبی نے کہا ہے کہ جس جگہ حاکم شرعی ہو پولیس ہو اور بازار ہو تو اسے مصر اور مدینہ کہتے ہیں اور جس جگہ یہ تمام چیزیں نہ ہوں اسے قریہ کہتے ہیں اور مصر بلد سے بڑا ہوتا ہے۔

پس اس پوری عبارت سے واضح ہو گیا کہ قریہ اور بلد اور مصر و مدینہ میں تعریف کے اعتبار سے کیا فرق ہے اور کہاں پر جمعہ کی نماز درست ہوگی اور کہاں پر نہیں ہوگی۔

البحر الرائق میں ہے:"**وفی حد المصر أقوال كثيرة اختاروا منها قولين أحدهما ما فی المختصر، ثانيهما ماعزوه لأبی حنيفة أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق وفيهارساتيق وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمة وعلم أو علم غيره والناس يرجعون إليه فی الحوادث قال فی البدائع وهو الأصح وتبعه الشارح وهو نص مافی المختصر وفی المجتبى وعن أبی يوسف أنه، ما إذا اجتمعوا فی أكبر مساجدهم للصلوات الخمس لم يسعهم وعليه فتوى أكثر الفقهاء وقال أبوشجاع هذا أحسن مأقيل فيه وفی الولوالجية وهو الصحيح**"۔

"**ولاتجب الجمعة على أهل القرى وإن كانوا قريبا من المصر لأن الجمعة إنما تجب على أهل الأمصار**"(۱/۲۴۶،۲۴۸)۔

اس پوری عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ ہر جگہ پڑھنا درست نہیں ہے، جبکہ کہ اس جگہ جمعہ پڑھنے کے شرائط نہیں پائے جائیں اور ان شرائط میں من جملہ شرائط کے ایک شرط مصر کی بھی ہے اور مصر کی تعریف پیچھے گزر چکی ہے۔

بس یہ بات تو فقہاء حنفیہ کے یہاں مسلم ہے کہ جمعہ کی نماز کے وجوب اور اسکے صحیح ہونے کے لئے مصر اور فناء مصر کا ہونا شرط ہے اور مصر وفناء مصر کے علاوہ کسی دوسری جگہ جمعہ کی نماز نہ واجب ہے اور نہ درست ہے، البتہ جو جگہ مصر کے حکم میں نہیں ہے اور وہاں پہلے سے جمعہ کی نماز ہوتی چلی آرہی ہے تو وہاں کے لوگوں کے لئے حکم یہ ہے کہ جمعہ کی نماز ترک نہ کریں؛

بلکہ جمعہ کی نماز پڑھتے رہیں اور جمعہ کی نماز کے بعد احتیاط ظہر کے چار فرض پڑھ لیں، لہذا مصر کی تعریف متاخرین فقہاء نے جو کی ہے وہ بہت محتاط اور وسیع ہے، اس سے کم محتاط اور وسیع تر تعریف کرنے میں جمعہ کی اہمیت کے کم ہونے کا خطرہ ہے، اس لئے میری رائے یہ ہے کہ جو متأخرین فقہاء حنفیہ نے مصر کی تعریف کی ہے، اسی پر اکتفاء کیا جائے اور نئی اصطلاح مصر کی تعریف کی مقرر نہ کی جائے اور جیسا کہ فقہاء کی عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ جس آبادی پر مصر کا اطلاق نہیں ہو وہاں کے مسلمانوں کو ظہر کی نماز با جماعت ادا کرنا چاہئے، لہذا فقہاء کے اسی قول کو باقی رکھا جائے اور جو آبادی مصر و فنا مصر کے حکم میں نہیں آتی ہو وہاں کے مسلمانوں کو با قاعدہ ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا چاہئے۔

رہا مسئلہ گاؤں میں لوگوں کو دین سے جوڑ کر رکھنے کے لئے جمعہ کی نماز کی اجازت دینے کا تو ایسی جگہ ایسے اماموں کا انتخاب کیا جانا چاہئے جو وہاں کے مسلمانوں کو دین سے جوڑ کر رکھیں اور گمراہ کن فتنوں کے بارے میں بتلائیں، رہی یہ بات کہ ہمارے اکابر اور بزرگوں نے بعض مخصوص حالات میں ایسے امور کی اجازت دی ہے جو بدعات وغیرہ پر مبنی ہیں، لیکن وہ ان کی اپنی ذاتی رائے ہے، اسے اجتماعی اور شرعی فیصلہ قرار نہیں دیا جاسکتا اور جو سوالات جمعہ کے قیام کے تعلق سے کئے گئے ہیں وہ اجتماعی اور شرعی فیصلہ کے تعلق سے ہیں، اس لئے بندہ یہی مناسب سمجھتا ہے کہ جمعہ کے قیام سے متعلق فقہاء نے جو شرائط بیان کئے ہیں انہیں کو پیش نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کرنا چاہئے، کیونکہ اگر اب چھوٹے گاؤں میں جمعہ کے قیام کی اجازت دی گئی تو آنے والے وقت میں مزید مقامات پر جمعہ کے قیام کی اجازت کا مسئلہ ہوگا اور پھر ہر جگہ جمعہ کا قیام جمعہ کی اہمیت کو کم کردے گا، جبکہ جمعہ کی اہمیت شریعت میں بہت زیادہ بیان کی گئی ہے۔

اس لئے میری رائے یہی ہے کہ چھوٹے گاؤں میں جمعہ کے قیام کی اجازت دینا درست نہیں ہے اور شوافع، حنابلہ اور مالکیہ کے یہاں جو جمعہ کے قیام کے لئے توسع ہے تو وہ ان کے نظریہ کے اعتبار سے ہے، حالانکہ متاخرین فقہاء حنفیہ نے متقدمین فقہاء حنفیہ کے مقابلہ توسع کو اختیار کیا ہے، لہذا اسی قدر توسع کو باقی رکھا جائے، یہی میری پوری تحریر کا خلاصہ ہے۔

مفتی محبوب علی وجیہی، امام جامع مسجد رامپور

مولوی مقصود صاحب مفتی ضلع رامپور و مدرس جامع العلوم فرقانیہ رامپور نے جو جواب لکھا ہے مجھے اس میں کچھ چیزوں میں ان سے اختلاف ہے، آپ یہ بخوبی جانتے ہیں کہ کلیات کا اجتہاد بند ہو رہا ہے اور جزئیات کا اجتہاد جاری ہے،

جب کوئی مسئلہ کسی مفتی کے پاس آتا ہے تو وہ اپنے مذہب کی کتابوں میں فقہاء کے اقوال تلاش کرتا ہے جب اس کو اس کی مطلوبہ چیزیں کتابوں میں مل جاتی ہیں تو اسکی روشنی میں جواب لکھ دیتا ہے، بہت سے بہت حوالہ دیدیتا ہے، یہ ایک قسم کا چھوٹا سا اجتہاد ہے اور اگر کوئی جزئیہ کتابوں میں نہیں ملتا ہے تو پھر قیاس کرتا ہے اور جواب دیتا ہے، یہ بھی اجتہاد ہے، نیز متاخرین فقہاء نے جو امام صاحب وغیرہ کے خلاف توانی مسلمین کی وجہ سے اجتہاد کر کے مصر کی تعریف کی ہے جو شرح وقایہ وغیرہ کتابوں میں ہے ایسے ہی اگر زمانہ کے بدلنے کی وجہ سے مجبوری میں نیا اجتہاد کرنا پڑے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس وقت حالات خصوصا ان ملکوں میں جہاں مسلمانوں کی حکومت یا اقتدار نہیں ہے بہت بگڑے ہوئے ہیں، خصوصا ہندوستان میں حکومت وقت بھی مسلمانوں اور اسلام کے خلاف قانون بناتی ہے؛ جیسا کہ طلاق ثلاثہ میں اسلام کے مقابلہ میں قانون کی ایک نئی شکل ایجاد کیا اور بہت سی باتیں جسے سب جانتے ہیں، اس ملک کی فرقہ پرست غیر مسلم جماعتیں جو مسلمانوں کو موقع پا کر مسلمانوں کا سرعام قتل، آتش زنی مکانات ودکان وغیرہ کو آگ لگانے کا کام کر رہی ہیں، تو اس روشنی میں ایسی تعریف کی جائے جس کی بنا پر مسلمان اپنے فرائض جو اللہ کے ہیں یا شعائر اسلام ادا کر سکیں تو یہ جائز ہے، ماضی میں بعض مسائل میں متاخرین فقہاء نے بلکہ بعض جگہ متقدمین نے بھی ایسا کیا ہے، مثلاً مفقود الخبر شوہر کے بارے میں امام صاحبؒ کے مذہب کو چھوڑ کر امام مالک کے فتوی کو اختیار کیا ہے، اس سلسلہ میں میں نے دیگر ائمہ مذاہب کے فتووں کو دیکھا، اس میں مجھے امام مالک کا فتوی اچھا لگا اور ہلکا معلوم ہوا، یعنی جہاں مسلمانوں نے آبادی اختیار کر لی ہو چاہے وہ کتنے ہی کم ہوں وہاں ان کا جمعہ قائم کرنا جائز ہے، لہذا اکبر مساجد کی قید کے بغیر ہی ہر مسجد میں جمعہ درست ہے، رہا جمعہ کی اہمیت وشان کا کم ہونا تو خطباء اپنے خطبوں میں اس کی اہمیت بتائیں کہ جمعہ کے دن غسل کرنا، کپڑے بدلنا جسم اور کپڑے پر خوشبو لگانا اس سے جمعہ کی اہمیت باقی رہے گی، مسلمانوں کو چاہئے کہ اگر مسجد نہ ہو یا فرقہ پرست وہاں نہ بننے دیں تو وہاں کرایہ کی یا اپنی زر خرید زمین خریدیں اور اس میں جمعہ ادا کریں۔

☆☆☆

موجودہ حالات میں جمعہ کے لیے مصر ہونے کی شرطیں

قاضی محمد حسن ندوی ☆

جمعہ کے دن کو نہ صرف اسلام میں اہمیت حاصل ہے، بلکہ بعض پہلو سے جمعہ کے دن کو عیدین پر فوقیت حاصل ہے، اس دن کی اہمیت اس سے دو چند ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید پارہ/ ۲۸ میں ایک سورہ کا نام جمعہ ہے جس میں جمعہ کی عظمت بیان کی گئی ہے، اسی بنا پر شریعت میں دیگر عبادات کی طرح نماز جمعہ کے وجوب اور اقامت جمعہ کی کچھ شرطیں متعین ہیں، جن کا لحاظ ضروری ہے، مثلاً ظہر کا وقت ہونا، امیر یا نائب امیر کا ہونا، اذن عام کا ہونا، مقیم امام کے پیچھے جمعہ کی نماز ادا کرنا، نماز سے پہلے خطبہ کا ہونا، مصر کا ہونا وغیرہ، ان شرطوں میں ایک اہم شرط بلد (مصر) کا ہونا ہے، اسی بنا پر ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ صحت جمعہ کے لیے مصر کا ہونا ضروری ہے، البتہ مصر کی تعریف اور اس کے حدود میں اختلاف ہے، اس لیے یہاں سب سے پہلے مصر کی تعریف ائمہ اربعہ کے نقطہ نظر کے مطابق پیش کی جارہی ہے:

مصر کی تعریف عند الاحناف:

فقہ حنفی کی کتابوں میں بلد (مصر) کی تعریف دو شکلوں میں کی گئی ہے: (۱) ایک شکل یہ ہے کہ مصر کا اطلاق ہر اس جگہ پر ہوتا ہے جہاں امیر اور قاضی ہوں جو احکام نافذ کرتے ہوں، اور حدود قائم کرتے ہوں، جیسا کہ ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ نے لکھا ہے:

"وهو كل موضع له أمير وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود فى مشهور المذهب الحنفى" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۲۷۴)۔

۲) دوسری تعریف میں الفاظ کے اعتبار سے فرق ہے، وہ یہ ہے کہ مصر کا اطلاق ہر اس شہر پر ہوگا جہاں سب سے بڑی مسجد ہو اور وہ وہاں کے باشندگان مکلفین کے لیے ناکافی ہو۔

''لكن المفتى به عند أكثر الحنفية، أن المصر كما قدمنا: هو ما لا يسع أكبر مساجدها أهله

☆ استاذ حدیث وفقہ دار العلوم ماٹلی والا بھروچ گجرات۔

المكلفين بالجمعة"(حوالہ سابق ۲/ ۲۷۴)۔

الغرض دونوں تعریف میں پہلی تعریف زیادہ مشہور ہے، اسی پر اکثر فقہاء احناف نے اقامت جمعہ کی بنا رکھی ہے۔

مصر کی تعریف عند المالکیہ:

امام مالک کے نزدیک مصر کا اطلاق ہر اس جگہ پر ہوتا ہے جہاں گھر بنانا اور بود و باش اختیار کرنا ممکن ہو، چاہے وہ شہر ہو یا گاؤں، مکان وہاں کا گارے کا ہو یا بانس اور لکڑی کا۔

''**وقال المالكية: كونها فى موضع الاستيطان، وهو إما بلد أو قرية، مبنية بأحجار ونحوها، أو بأخصاص من قصب أو أعواد شجر**"(حوالہ سابق ۲/ ۲۷۴)۔

مصر کی تعریف عند الشوافع:

شوافع کے یہاں اقامت جمعہ کے لیے بلد یا قریۃ کا ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے، البتہ اس کے لیے مسجد کی کوئی شرط نہیں ہے۔

"**وقرر الشافعية: أن تقام الجمعة فى خِطّة بلد أو قرية، وإن لم تكن فى مسجد .ولا تلزم الجمعة فى الأظهر أهل الخيام**"(حوالہ سابق ۲/ ۲۷۴)۔

(شوافع کے یہاں جمعہ کے قیام کی اجازت شہر اور گاؤں میں ہے، اس کے لیے مسجد کی کوئی شرط نہیں ہے، اسی طرح مشہور قول کے مطابق خانہ بدوش والوں پر جمعہ واجب نہیں)۔

یہاں ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ نے ائمہ اربعہ کی تعریف مصر لکھنے کے بعد جو بات لکھی ہے وہ بہت قابل اعتناء ہے اور اس سے امام ابوحنیفہ اور ائمہ ثلاثہ کی کی تعریف مصر میں فرق نمایاں ہوتا ہے، چنانچہ وہ رقم طراز ہیں:

"**والخلاصة: لا بد لإقامة الجمعة عند الجمهور من كونها فى مدينة أو قرية، ولابد أن تكون القرية كبيرة عند الحنفية، فلا تجب على سكان القرى الصغيرة**"(حوالہ سابق ۲/ ۲۷۵)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جمہور (ائمہ ثلاثہ) کے یہاں اقامت جمعہ کے لیے شہر یا گاؤں کا ہونا ضروری ہے اور امام ابو حنیفہ کے یہاں اس کے لیے شہر یا قریہ کبیر کا ہونا ضروری ہے۔

بہر حال مصر کی تعریف کے لیے ائمہ اربعہ نے جو الفاظ استعمال کیے ہیں ان پر غور کرنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کے یہاں مصر کی تعریف کا دائرہ محدود نہیں بلکہ اس میں توسع ہے، اس لیے ان حضرات کے یہاں ان تمام آبادی میں

اقامت جمعہ کی گنجائش ہے جہاں مستقلاً مسلم آبادی ہو، چاہے آبادی کثیر ہو یا قلیل، لیکن امام ابوحنیفہ کے یہاں مصر (شہر) کا ہونا ضروری ہے۔

''**أی لا بد من المصر عندهم، أما عند غیرهم فلا یشترط المصر، والقریة والبلد سواء**'' (حوالہ سابق ۲/ ۲۷۵)۔

اسی بنا پر فقہاء احناف نے قریہ صغیرہ میں اقامت جمعہ کی اجازت نہیں دی ہے، جب کہ موجودہ دور میں پوری دنیا کی حیثیت ایک گاؤں کی ہے، سائنس اور ٹکنالوجی کی سہولیات ہر چھوٹے چھوٹے گاؤں اور شہر میں پہنچ رہی ہیں، بظاہر دیہات اور شہر میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے، اس لیے موجودہ حالات میں عندالاحناف مصر کی تعریف کا تجزیہ معنی اور مقصد کے اعتبار سے ضروری ہے، اور اس سے مقصود کیا؟

دونوں تعریف کا مقصد:

اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ دونوں میں زیادہ فرق نہیں ہے، کیوں کہ ایک میں مصر کی علامت بیان کی گئی ہے، مثلاً گلیاں، بازار وغیرہ، جو کثرت آبادی پر دال ہے اور قاضی کا ہونا، عالم اور مفتی کا ہونا وغیرہ، تو دوسری تعریف کے الفاظ ''**مالا یسع أکبر مساجده أهله**'' سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آبادی میں متعدد مسجدیں ہوں، اس کے علاوہ اس آبادی کی بڑی مسجد وہاں کے لوگوں کے لیے ناکافی ہو، اس سے بھی یہ معنی مترشح ہوتا ہے کہ وہ آبادی کثیر ہے، ان دونوں تعریف کے علاوہ بعض نے اس طرح کی ہے کہ وہ آبادی جو دشمنوں کے حملہ کے وقت اپنی مدافعت کر سکے، بعض نے یہ کہا ہے کہ وہ آبادی جہاں کا شمار بغیر زحمت کے معلوم نہ ہو سکے۔

اگر ان تمام تعریفات پر غور کریں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان میں اصلاً کوئی اختلاف نہیں ہے، تعبیری اختلاف ہے، کیوں کہ تمام تعریفات کا مقصد آبادی کی کثرت اور اس مقام کی مرکزیت کا اظہار ہے، اس لیے ہر فقیہ نے اپنے زمانے اور عصر کے اعتبار سے اس کی مرکزیت اور آبادی کی زیادتی کو مختلف لفظوں سے تعبیر کیا ہے، اس میں عرف کا اعتبار کیا ہے اور غیر منصوص فیہ مسئلہ میں عرف وعادت کو حجت کا درجہ اور مقام حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ ''صاحب قواعد الفقہ'' نے لکھا ہے:

''**العادة محکمة، العرف غیر معتبر فی المنصوص علیه**'' (قواعد الفقہ/ ۹۰، ۹۲) (عرف وعادت حجت ہے، اور عرف منصوص علیہ مسئلہ میں معتبر نہیں)۔

اس سلسلہ میں عصر حاضر کے فقہاء کی رائے پیش کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے:

مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ کی رائے:

''عرفاً جس قریہ کو کبیرہ سمجھیں وہ کبیرہ ہے اور جس کو صغیرہ سمجھیں وہ صغیرہ ہے'' (فتاوی دار العلوم دیوبند:۳۸)۔

اسی بنا پر قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ نے اس مسئلہ کو تین شقوں میں ذکر کیا ہے:

(الف) شہروں میں جمعہ واجب۔

(ب) قصبات میں جمعہ واجب ہے۔

(ج) دیہاتوں میں جو دیہات بڑے آبادی والے ہیں جہاں مستقل بازار ہیں، فی الجملہ مرکزیت حاصل ہے تو ایسی آبادیوں کو مصر وقصبات قرار دے کر جمعہ درست قرار دیا جائے گا (مباحث فقہیہ/۱۹۰)۔

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسی صورت میں ائمہ ثلاثہ کی تعریف کے مطابق مصر کی تعریف کرنا تلفیق عن المسلک لازم آئے گا؟ اور کن صورتوں میں تلفیق عن المسلک کی اجازت ہے؟ اور وہ صورتیں یہاں پائی جارہی ہیں یا نہیں؟

اس سلسلہ میں فقہاء نے کئی شرطیں مقرر کی ہیں، خاص طور پر تین شرطیں ضروری ہیں، جن سے باعتنائی کی گنجائش نہیں:

(۱) تلفیق عن المسلک امت سے حرج اور تنگی کو دور کرنے کے لیے ہو، تاکہ فقہی مسائل کا مناسب حل پیش کرنے میں ہم کامیاب ہوسکیں۔

(۲) امت کی ضرورت پوری کرنے کے لیے ہو، خواہشات نفس کی پیروی اور محرمات شرع کے ارتکاب کے لیے حیلہ جوئی نہ ہو۔

مولانا تھانویؒ نے اپنی شاہکار منفرد کتاب ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں لکھا ہے: ''ضرورت شدیدہ اور ابتلاء عام کے وقت حنفیہ کے یہاں دوسرے ائمہ کے مذہب کو اختیار کرکے اس پر فتوی دینا درست ہے'' (الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ:۵۲)۔

اسی طرح صاحب قدوری کا نظریہ یہ ہے کہ اگر بعض مسائل میں اس کے امام کے قول سے دوسرے امام کا قول زیادہ قوی ہے تو اس کے لیے ان مسائل میں دوسرے امام کی تقلید کرنا جائز ہے۔

(۳) مباحث فقہیہ میں قاضی مجاہد الاسلامؒ نے امام زرکشی کے کئی اقوال نقل کئے ہیں، ان میں ایک قول یہ ہے کہ دوسرے مجتہد کے مسلک کی طرف منتقل ہونا دو صورتوں میں راجح ہے: پہلی صورت یہ ہے کہ اپنے مذہب میں شدت ہو، اور اس صورت میں دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونا احتیاط اور ورع وتقوی پر مبنی ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ یہ موازنہ کرے کہ اس کے مذہب کے مخالف قول کی دلیل صحیح ہے، اور اپنے امام کے مذہب میں اس سے قوی دلیل نہ ہو (مباحث فقہیہ:۱۸۹)۔

مذکورہ بالا فقہاء کے اقوال اور توجیہ سے یہ بات عیاں ہوئی کہ امت سے رفع ضرر، دفع حرج کی نیت سے ابتلاء عام کے وقت دوسرے امام مذہب کی رائے پر فتوی دینے کی گنجائش ہے، اسی طرح اقامت جمعہ کے لیے ائمۂ ثلاثہ نے مصر کی جو تعریف کی ہے اس کے مطابق احناف کے یہاں تعریف کی اجازت ہوگی، اس صورت میں اقامت جمعہ کا مقصد اور اس کی غرض بھی پوری ہوگی۔

چوں کہ احکام شرع مقاصد پر مبنی ہیں، عقود وفسوخ میں معانی ومقاصد کا ہی اعتبار ہوتا ہے، اس لیے یہاں سوالات کا جواب لکھنے سے پہلے اقامت جمعہ کا مقصد واضح کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے۔

قیام جمعہ کا مقصد:

قرآن وحدیث اور فقہی اصول وقواعد پر نظر ڈالنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ مکلفین پر جو احکام واجب ہیں وہ کسی نہ کسی مقصد پر مبنی ہیں، جس طرح نماز کے وجوب کا مقصد ذکر اللہ، عبدیت کا اظہار، معصیت وبے حیائی سے روکنا ہے، روزہ اور حج کی فرضیت کا مقصد تقویٰ اور اللہ کی رضا ہے، اسی طرح قیام جمعہ کا مقصد امت مسلمہ کو اسلام کے خلاف چیلنج سے آگاہ کرنا اور وعظ ونصیحت کے ذریعے ان کے دلوں میں ایمان کی اہمیت راسخ کرنا اور ارتداد والحاد کے فتنوں سے بچانا ہے۔

اس کی تائید سورہ جمعہ کی ایک آیت سے ہوتی ہے:

" يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللّٰهِ "(سورۂ جمعہ/۹)۔

اس آیت میں" فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللّٰهِ "سے نماز جمعہ کے علاوہ خطبہ جمعہ بھی مراد ہے جو نماز جمعہ کے شرائط اور فرائض میں ہی داخل نہیں ہے؛ بلکہ خطبہ جمعہ دو رکعت نماز کے قائم مقام ہے، اسی لیے عام دنوں میں ظہر کی نماز چار رکعات پڑھی جاتی ہے اور جمعہ کے دن دو رکعات، اسی لیے ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ نے جمعہ کے لیے دو چیزوں کو رکن قرار دیا ہے، یعنی نماز اور خطبہ۔

''فلها ركنان: الصلاة والخطبة ...وأقل ما يسمى خطبة ، تشتمل على حمد لله تعالى وصلاة على رسوله، ووعظ في أمور الدين والدنيا" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۲۷۱)۔

اسی لفظ کے مفہوم سے مفتی شفیع صاحبؒ تفسیر مظہری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں کہ خطبہ جمعہ میں رسول اللہ ﷺ امامت کی حالت اور وقت کے تقاضے کے اعتبار سے امت کی رہنمائی اور پیغام دیتے تھے (معارف القرآن، سورہ جمعہ:۴۴۱)۔

اسی طرح ابوداؤد شریف اور مشکوٰۃ شریف میں جمعہ سے متعلق کئی احادیث میں قیام جمعہ کی غرض اور مقصد وعظ

ونصیحت اورامت مسلمہ کی تذکیراور پیش آمدہ حالات سے آگاہ کرنا قرار دیا ہے۔

یہاں طوالت سے بچتے ہوئے دونوں کتابوں کی ایک ایک حدیث ملاحظہ فرمائے:

''عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: كَانَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَتَانِ كَانَ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ، وَيُذَكِّرُ النَّاسَ'' (ابوداؤدشریف ۱/ ۱۵۷)۔

(حضرت جابر بن سمرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز متوسط تھی، آپ کا خطبہ بھی متوسط تھا، اوراس میں قرآن کریم کی کچھ آیات تلاوت کرتے اورلوگوں کوتذکیر کرتے)۔

تھوڑے فرق کے ساتھ یہ روایت مشکوٰۃ شریف میں بھی مروی ہے:

''وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَؓ قَالَ: كَانَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ خُطْبَتَانِ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ و يُذَكِّرُ النَّاسَ'' (مشکوٰۃ شریف: ۱۲۳)۔

نیز علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے: ''الأمور بمقاصدها'' (امور ومعاملات میں مقاصد کا اعتبار ہوتا ہے) (الاشباہ: ۱/ ۵۳)۔

چنانچہ امام علاء الدین (صاحب معین الحکام) نے لکھا ہے:

''وَالْكَلَامُ إِنَّمَا هُوَ فِي الْمَقْصُودِ الْأَوَّلِ بِالذَّاتِ لَا فِي اللُّزُومِ، كَمَا أَنَّ الْمَقْصُودَ الْأَوَّلَ مِنَ الْأَمْرِ الْوُجُوبُ'' (معین الحکام: ۱۷)۔

آیت بالا اور حضرت جابرؓ کی دونوں احادیث اور فقہاء کے قواعد سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ قیام جمعہ کا مقصد خطبہ ہے، اور خطبہ کا مقصد امت کی تذکیر اور وعظ ونصیحت ہے۔

قیام جمعہ کے مقصد کو شرائط جمعہ پر ترجیح:

اب رہا یہ مسئلہ کیا مقصد قیام جمعہ کو شرائط جمعہ پر ترجیح دی جاسکتی ہے؟ اس سلسلہ میں ذخیرہ فقہ وفتاویٰ میں کئی نظائر ملتی ہیں، جہاں مقاصد کو شرائط پر نہ صرف ترجیح دی گئی ہے، بلکہ شرائط کے بجائے مقاصد کا لحاظ اوفق بالسنۃ قرار دیا گیا ہے، یہاں چند نظائر دیکھیں:

۱) قضاء قاضی کے لیے عام حالات میں قاضی کے روبرو بیان اور گواہی کا ہونا ناگزیر ہوتا ہے، لیکن موجودہ کورونا میں (جبکہ بالمشافہ بیان وشہادت محال ہو) آن لائن ویڈیو کانفرنس کے ذریعہ کار قضاء کو انجام دینے کی بعض فقہاء نے اجازت دی ہے، اور راقم کی بھی ناقص رائے یہی ہے۔

ذرا غور کیجیے اس مثال میں شرائط کا رقضاء سے نظر انداز کیوں کیا گیا؟ تا کہ مقصد کا رقضا اور ہدف عدالت مجروح نہ ہو بلکہ باقی رہے۔

۲) بیع استصناع، بیع سلم کی اجازت عاقدین کی ضرورت پوری کرنے کے لیے ہے، دونوں عقود کی اجازت میں مقصد کو شرط بیع پر ترجیح حاصل ہے۔

۳) تیسری مثال یہ ہے کہ امارت شرعیہ اور عدالت اسلامیہ کے قیام کو اسلامی حکومت اور قوت قاہرہ پر فقہاء متقدمین نے موقوف کیا ہے، مگر متاخرین علماء نے دارالحرب اور دارالامن میں ہر اس جگہ پر اس کے قیام اور قاضی کی تقرری کو ضروری قرار دیا ہے، چاہے وہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہو، یا کم، اس صورت میں بھی ہدف اور مقصد قضاء کو شرائط قیام امارت پر ترجیح دی گئی ہے، اسی بنا پر سو سال قبل ابوالمحاسن مولانا محمد سجاد صاحبؒ ۱۹۲۱ء میں بہار میں امارت اور دارالقضاء کو نہ صرف قائم کیا، بلکہ پورے ہندوستان میں قیام قضاء کے باب میں امارت شرعیہ کے طریقہ کار کو نمونہ اور مشعل راہ کا مقام حاصل ہے۔

۳) دوسری وجہ یہ ہے کہ فقہاء کا ایک مشہور قاعدہ ہے کہ جب منفعت اور مفسدہ میں تضاد ہو اور منفعت کا پہلو مفسدہ پر غالب ہو تو منفعت کو مفسدہ پر ترجیح حاصل ہوتی ہے، چناں چہ علامہ ابن نجیم رقم طراز ہیں:

''وَقَدْ تُرَاعَى الْمَصْلَحَةُ لِغَلَبَتِهَا عَلَى الْمَفْسَدَةِ؛مِنْ ذَلِكَ جَازَتْ الصَّلَاةُ بِدُونِهِ تَقْدِيمًا لِمَصْلَحَةِ الصَّلَاةِ عَلَى هَذِهِ الْمَفْسَدَةِ.

وَمِنْهُ الْكَذِبُ مَفْسَدَةٌ مُحَرَّمَةٌ، وَهُوَ مَتَى تَضَمَّنَ جَلْبَ مَصْلَحَةٍ تربواعَلَيْهِ جَازَ كَالْكَذِبِ لِلْإِصْلَاحِ بَيْنَ النَّاسِ'' (الاشباہ:۱/ ۳۲۵)۔

یعنی شرائط قیام جمعہ کے مفقود ہونے کی صورت میں جو مفسدہ لاحق ہوگا اس کے مقابلہ میں قیامِ جمعہ کے مقصد کو مقدم کرنے میں جو منفعت ہے وہ مضرت کے مقابلہ میں اغلب ہے اور ایسی صورت میں منفعت کو مضرت پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

لہذا جس طرح کسی خاص وقت میں بغیر طہارت کے نماز درست ہے اور متنازع اشخاص میں صلح و مفاہمت کے لیے جھوٹ بولنا درست ہے، اسی طرح احناف کے یہاں ائمہ ثلاثہ کی تعریف کی طرح مصر کی تعریف کرنا درست ہوگا۔

☆☆☆

موجودہ فضا میں جمعہ کی نماز ایمان کی حفاظت کا مؤثر راستہ

مولانا عبیداللہ ندوی☆

تمہید:

جمعہ اس امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی ایک خصوصیت ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالی نے اسے دیگر امتوں پر فضیلت بخشی ہے، چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:"**نحن الآخرون السابقون يوم القيامة بيد أنهم أوتوا الكتاب من قبلناوأوتيناه من بعدهم،فهذااليوم الذى اختلفوا فيه،فهدانا الله له،فالناس لنا فيه تبع ،واليهود غدا والنصارى بعد غد**"(بخاری رقم:۸۷۶،مسلم،رقم:۸۵۵)، جمعہ کی فرضیت عام نمازوں کی فرضیت سے زیادہ مؤکد ہے، اور اس کی اقامت اسلام کے مقاصد اصلیہ کی تکمیل کے لئے غایت درجہ اہمیت رکھتی ہے، اس کی فرضیت چاروں شرعی دلائل سے ثابت ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"**يأيها الذين آمنوا إذا نودى للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع**"(الجمعۃ:۹)، حدیث میں ہے:"**الجمعة واجب على كل محتلم**"(نسائی ۱/۲۰۲)(جمعہ ہر بالغ شخص پر واجب ہے) اور قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ جب جمعہ ظہر کا بدل ہے تو ظہر ہی کی طرح یہ بھی فرض ہوگا، نیز اس پر امت کا اجماع اور اتفاق بھی ہے، کہ جمعہ کی نماز ہر مسلمان، عاقل، بالغ، آزاد، مقیم، ادائیگی پر قادر، اذان سننے والے، دخول وقت کا علم رکھنے والے اور اعذار مبیحہ عن التخلف سے خالی شخص پر واجب ہے۔

جمعہ سے متعلق وہ امور جو متفق علیہ ہیں:

جمعہ کے متعلق جو تفصیلی ہدایات ہم کو آپ ﷺ کے ارشادات اور آپ کے متواتر عمل سے ملتی ہیں، اور مزید روشنی ان بزگوں کے اقوال واعمال سے حاصل ہوتی ہے جنہوں نے براہ راست حضور ﷺ سے تعلیم پائی تھی، ان ذرائع سے ہم کو قطعی طور پر جو باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ یہ ہیں:

۱-آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام نے جمعہ ہمیشہ ظہر کے وقت پڑھی ہے، لہذا جمعہ کا وقت ظہر کا وقت ہے۔

☆ استاذ حدیث وادب، دارالعلوم ماٹلی والا، بھروچ، گجرات۔

۲-آپ ﷺ نے اور آپ کے صحابہؓ نے جمعہ کبھی خطبہ کے بغیر نہیں پڑھا، لہذا جمعہ کی نماز کے ساتھ خطبہ ضروری ہے۔

۳-جمعہ کی فرضیت سے غلام، عورتیں، بچے، مسافر اور مریض مستثنی ہیں، فرض صرف ایسے عاقل و بالغ مرد پر عائد ہوتا ہے جو آزاد ہوں اور صحیح وتندرست ہوں۔

۴-عہد نبوی اور عہد صحابہ میں جمعہ کبھی ویرانوں، جنگلوں، عارضی فرودگاہوں اور کیمپوں میں نہیں پڑھا گیا، لہذا جمعہ ایسی جگہ ہونی چاہئے جہاں مستقل آبادی ہو۔

۵-جمعہ کبھی پرائیویٹ مکانوں میں نہیں پڑھا گیا؛ بلکہ ہمیشہ ایسی جگہ پڑھا گیا جہاں ہر مسلمان کو حاضر ہونے کی آزادی ہو، لہذا جمعہ کے لئے اذن عام ضروری ہے۔

یہ وہ امور ہیں جن پر تمام امت کا اتفاق ہے، کیونکہ یہ قطعی طور پر ثابت ہیں، ان کے علاوہ جتنے جزئی امور ہیں ان میں سے کوئی بھی قطعی طور پر ثابت نہیں ہے، اسی لئے ان میں فقہاء کے درمیان بکثرت اختلافات پائے جاتے ہیں، مثلاً یہ کہ نصاب جماعت کیا ہو؟ جمعہ کون قائم کرے؟ خطبے دو ہونے چاہئے یا ایک کافی ہے؟ وغیرہ۔

اسی قبیل سے ایک سوال یہ بھی ہے کہ جمعہ کے لئے کس قسم کی بستی ہونی چاہئے اور اس بستی سے کتنے فاصلہ تک کے لوگوں کو نماز کے لئے آنا چاہئے؟۔

شرائط جمعہ:

اقامت جمعہ کے شرائط احناف کے یہاں دو طرح کے ہیں، کچھ کا تعلق مصلی (نمازی) سے ہے، جسے شرائط وجوب کہا جاتا ہے، اور وہ یہ ہیں:

۱-اقامت؛ یعنی مقیم ہونا، لہذا مسافر پر جمعہ واجب نہیں ہے۔

۲-حریت؛ یعنی آزاد ہونا، لہذا غلام پر جمعہ واجب نہیں ہے۔

۳-ذکورت: یعنی مرد ہونا، لہذا عورت پر جمعہ واجب نہیں ہے۔

۴-صحت: یعنی صحیح سالم اور تندرست ہونا، لہذا بیمار پر جمعہ واجب نہیں ہوگا۔

شرائط کی دوسری قسم وہ ہے جسے شرائط صحت واداء کہا جاتا ہے، جو تعداد میں چھ ہیں اور وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱-وقت کا ہونا۔

۲-خطبہ ہونا۔

۳-جماعت کا ہونا۔

۴-سلطان (یعنی بادشاہ) کا ہونا۔

۵-اذن عام کا ہونا (عام اجازت ہو، جہاں کسی کے آنے پر پابندی نہ ہو)۔

۶-مصر (یعنی شہر) کا ہونا۔

میں اپنے اس مقالہ میں اسی آخری شرط پر تفصیل سے بحث کروں گا۔

اہل لغت واہل تفسیر کے یہاں قریہ اور مصر کے معنی:

امام رغب فرماتے ہیں:"**المصراسم لكل بلد ممصور أی محدود ،يقال:مصرت مصراَ:أی بنيته،والمصر :الحد،وكان من شروط هجر:اشترى فلان الداربمصورها،أی حدودها،قال الشاعر:**

[**وجاعل الشمس مصرا لاخفاء به=بين النهار وبين الليل قد فصلا**](دیکھئے:المفردات،کلمہ:مصر)(مصر ہر اس شہر کو کہتے ہیں جو ممصور یعنی محدود ہو،(یعنی اس کی حد بندی کی گئی ہو،جس کے گرد فصیل ہو)،کہا جاتا ہے مصرت مصراً،یعنی میں نے شہر بسایا،اور مصر: یعنی حد-یعنی دو چیزوں کے درمیان فاصل-کو کہتے ہیں،چنانچہ"ہجر شہر"کے بیعناموں کی شروط میں یہ لکھا جاتا تھا:فلاں نے یہ مکان اسکے حدود(اربعہ) کے ساتھ خریدا،اور کسی شاعر نے کہا ہے؛بلا شبہ اللہ نے سورج کو رات اور دن کے درمیان حد فاصل بنا رکھا ہے،جس میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے دونوں ایک دوسرے سے جدا ہیں۔

نیز قریہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:"**القرية:اسم للموضع الذی يجتمع فيه الناس،وللناس جميعا،ويستعمل فی كل واحد منهما**"(دیکھئے: المفردات،کلمہ:قریہ)(وہ جگہ جہاں لوگ آباد ہوکر جمع ہوجائیں تو بحیثیت مجموعی ان دونوں کو قریہ کہتے ہیں،اور جمع ہونے والے لوگوں اور جگہ پر انفراداً بھی قریہ بولا جاتا ہے)۔

المعجم الوسیط میں ہے:"**القرية:المصر الجامع وكل مكان اتصلت به أبنية واتخذ قرار أو تقع على المدن وغيرها**"(المعجم الوسیط،مادۃ:ق،ر،ی،معجم اللغۃ العربیۃ المعاصرۃ،لفظ:قریۃ)(قریہ"مصر جامع"کو کہتے ہیں اور ہر اس جگہ کو جس کی عمارتیں متصل ہوں،اور جس نے قرار پکڑ لیا ہو،نیز اس کا اطلاق مدینہ (شہر) وغیرہ پر بھی ہوتا ہے)۔

قریہ،بلد،مدینہ اور مصر کی یہ تعریفات معاصر اور نو ایجاد کردہ ہیں،عرب اس کو جانتے بھی نہیں تھے،اس لئے اس کو اعتبار کا وہ درجہ نہیں دیا جاسکتا ہے،عرب قریہ بول کر شہر،اور شہر بول کر قریہ مراد لیتے تھے،اور کبھی کبھی وہ قریہ (گاؤں) کو مصر (شہر) سے بھی تعبیر کرتے تھے،اور قرآن میں بھی اس کی شہادتیں موجود ہیں،چنانچہ فرمایا:"**واسأل القرية التی كنا**

فیھا'' (یوسف:۸۲)،ابن عاشور لکھتے ہیں:''**والمراد بھا مدینة مصر،والمدینة والقریة مترادفان،وقد خصت المدینة فی العرف بالقریة الکبیرة**''(دیکھئے:تفسیرابن عاشور)((قریہ)سے مراد یہاں شہرمصر ہے،اور مدینہ(شہر)اور قریہ(گاؤں)دونوں مترادف الفاظ ہیں،البتہ عرف میں مدینہ کو بڑے گاؤں کے لئے خاص کر دیا گیا ہے)،اسی طرح سورہ یسین میں بھی مدینہ سے مراد قریہ ہے، چنانچہ ابن عاشور''**وجاء من أقصی المدینة رجل یسعی** ''(یسین:۲۰) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:''**والمراد ھنا بالمدینة نفس القریة المذکورة فی قولہ:أصحاب القریة،،عُبر عنھا ھنا بالمدینة تفننا**''(دیکھئے:تفسیر ابن عاشور)(اور مدینہ سے مراد یہاں وہی گاؤں ہے جو قرآن کی اس آیت:''أصحاب القریۃ''میں مذکور ہے، یہاں اس(گاؤں)کو مدینہ سے تفننا تعبیر کیا گیا ہے)، نیز تفسیر الوسیط میں ہے:''**عبر ھنا بالمدینة بعد التعبیر عنھا فی أول القصةبالقریة للإشارة إلی سعتھا**''(دیکھئے:تفسیرالوسیط)(یہاں اس(بستی)کو مدینہ(شہر) سے تعبیر کیا، بعد اس کے کہ شروع قصہ میں اس کو قریہ(گاؤں)سے تعبیر کیا تھا،اس کی وجہ اس کی وسعت کی طرف اشارہ کرنا ہے)۔

علامہ رشید رضا مصری لکھتے ہیں:قریہ، بلد، مصر اور مدینہ لغت میں ایک معنی کے لئے آتے ہیں،اگرچہ ان کے درمیان معنی میں بہت باریک فروق ہیں، چنانچہ قرآن کریم نے مکہ مکرمہ پر قریہ اور بلد دونوں کا اطلاق کیا ہے،اور بغیر کسی اختلاف کے وہ مدینہ اور مصر بھی ہے،اور سورہ یوسف میں قریہ کا اطلاق مصر پر کیا ہے، چنانچہ فرمایا:''**واسأل القریة التی کنا فیھا**''(یوسف:۸۲)،اور علماء لغت فرماتے ہیں:''**القریة –بالفتح والکسر–المصر الجامع**''(قریہ-راء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ-مصر جامع کو کہتے ہیں)،خدا جانے مولدین نے کب چھوٹے شہروں کا نام قریہ اور بڑے شہر کا نام مصر رکھ دیا؟اہل لغت نے مصر کی تفسیر کُورہ(شہر،ضلع اور کبھی اس کا اطلاق دیہی علاقوں پر بھی ہوتا ہے)اور صُقع(گاؤں اور محلے) سے کی ہے،اور کورہ کی مدینہ(شہر)سے کی ہے،وہ کہتے ہیں:کورہ،خلاف،رستاق(گاؤں)اور جند(شہر)سب ایک ہے، اور اس سے مراد کئی گاؤں اور کھیتیوں کا مجموعہ ہے،گویا کہ اس سے مراد وہ شہر ہے جس کے تابع کئی زراعتیں،کھیتیاں اور زمینیں ہوں گویا کہ(ملک)مصر کے عرف میں وہ بندر(گاؤں)کی طرح ہے(المنار۲۰/۱۰۶،۱۰۷)۔

فقہاء کے یہاں مصر کی تعریف:

مصر کی تعریف میں خود احناف کے درمیان بہت زیادہ اختلاف ہے،حتی کہ خود امام ابوحنیفہؒ کے دو مختلف قول ہیں،مثال کے طور پر چند اقوال نقل کرتا ہوں:

۱-مصر جامع وہ ہے جہاں امیر اور قاضی ہو جو احکام نافذ کرے اور حدود جاری کرنے پر قدرت رکھتا ہو، یہ قول امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے، نیز امام ابوحنیفہؒ سے بھی ایک قول اسی مضمون کا منقول ہے، اور امام کرخی وغیرہ فقہاء نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

۲-مصر وہ ہے جہاں کی سب سے بڑی مسجد میں اگر سب باشندے جمع ہوں تو اس میں سما نہ سکیں، یہ بھی امام ابو یوسفؒ کا ہی قول ہے اس کو ابن شجاع نے پسند کیا ہے اور امام ابوعبداللہ بلخی نے بھی اس کو اختیار کیا ہے، بیشتر فقہاء حنفیہ نے اسی کے مطابق فتوے صادر کئے ہیں، اور احتیاط اسی میں ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔

۳-مصر اس جگہ کو کہتے ہیں، جہاں بازار، سڑکیں اور محلے ہوں، اور کوئی ایسا حاکم ہو جو مظلوموں کو ظالموں سے انصاف دلا سکے، اور کوئی ایسا عالم ہو جس کی طرف مسائل میں رجوع کیا جا سکے، یہ قول امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے (دیکھئے: ہدایہ ۱/۲۶۶، فتح القدیر و شرح العنایۃ علی الہدایۃ ۱/۴۰۹ تا ۴۱۱)۔

ظاہر ہے کہ یہ تینوں تعریفیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، اور ایک ہی امام نے ان کو مختلف اوقات میں اختیار کیا ہے، پھر بعد کے مختلف فقہاء نے اپنی پسند کے مطابق ان میں سے بعض کو رد اور بعض کو قبول کیا، حالانکہ وہ مجتہد مطلق نہ تھے۔

۴-امام جس مقام کو مصر قرار دے اور اقامت جمعہ کا حکم کرے وہی مصر ہے۔

۵-مصر وہ ہے جہاں ہر پیشہ کا آدمی اپنے پیشہ سے گزر بسر کر سکتا ہو (المبسوط ۲/۲۴)۔

۶-جس کی آبادی دس ہزار ہو، صرف اسی جگہ کو مصر کہا جا سکتا ہے، یہ قول بھی امام ابو یوسفؒ کا ہے۔

۷-جس کی آبادی تین ہزار سے کم نہ ہو، وہ مصر ہے۔

۸-جس کی آبادی چار ہزار ہو۔

۹-جس کی آبادی ایک ہزار ہو۔

۱۰-جس کی کیفیت، حضور ﷺ کے زمانہ میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی کیفیت کے مطابق ہو وہ مصر ہے (طحطاوی علی مراقی الفلاح ۲/۳۳)۔

۱۱-جہاں دس ہزار ایسے لوگ ہوں جو جنگ کے کام آئیں (جنگجو، مقاتل ہوں) (دیکھئے: قاموس الفقہ ۳/۱۲۶، ۱۲۷، تفہیمات ۲/۴۵۶، ۴۵۷)۔

اس قسم کی بیسیوں تعریفات اور بھی ہیں جو فقہاء نے بیان کی ہیں، جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مصر کی تعریف خود

حنفیہ میں مختلف فیہ ہے، مصر کوئی متعین چیز نہیں ہے، اب غور طلب امر یہ ہے کہ اول تو مصر کے شرط ہونے پر امت کا اجماع نہیں ہے، بلکہ محدثین اور فقہاء کی ایک جماعت اس سے اختلاف رکھتی ہے، دوسرے یہ شرط اگر ثابت بھی ہو تو اس سے واضح طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مصر کہتے کس کو ہیں؟ ایسی صورت میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس قسم کی مختلف فیہ اور مبہم شرط کے فقدان پر نماز جمعہ جیسی مؤکد اور اہم فریضہ کو مسلمانوں کی آبادی کے ایک کثیر حصے سے ساقط کیا جا سکتا ہے؟۔

اقامت جمعہ کے لئے مصر کی شرط کے تعلق سے ائمہ کے آراء و دلائل:

۱-مذہب شافعی: امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ ایسے قریوں میں جمعہ ناجائز ہے جن کے باشندے گرمی اور سردی میں کہیں اور منتقل ہو جاتے ہیں، ان کے سوا ایسی تمام بستیوں میں جمعہ کی نماز ہو سکتی ہے جس میں چالیس یا اس سے زیادہ عاقل، بالغ، آزاد مرد موجود ہوں، ان کے دلائل یہ ہیں:

الف: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے: "**إن أول جمعة جمعت بعد جمعة في مسجد رسول اللهﷺ في مسجد عبد القيس بجُواثىٰ من البحرين**" (بخاری رقم: ۸۹۲، کتاب الجمعۃ، باب الجمعۃ فی القری والمدن) (مدینہ کی مسجد (مسجد نبوی) کے بعد پہلا جمعہ جو پڑھا گیا وہ بحرین کے ایک قریہ "جُواثی" میں مسجد عبدالقیس میں پڑھا گیا تھا)۔

ب: حضرت عمرؓ نے اہل بحرین کے ایک استفسار کے جواب میں تحریر فرمایا: "**أقيموا الجمعة حيث كنتم**" (کہ جمعہ قائم کرو جہاں کہیں بھی ہو) (فتاوی ابن تیمیہ ۲۴/۱۶۷، صحیح ابن خزیمہ)۔

ج: عبدالرزاق نے مصنف میں صحیح سند سے روایت کیا ہے: "**أن ابن عمرؓ كان يرى أهل المياه بين مكة والمدينة يجمعون فلا يعتب عليهم**" (مصنف عبدالرزاق رقم: ۵۱۵۸) (حضرت عبداللہ بن عمرؓ مکہ اور مدینہ کے درمیان پانی کے پاس رہنے والے لوگوں کو دیکھتے تھے کہ وہ جمعہ قائم کرتے ہیں لیکن وہ ان پر عتاب (سرزنش) نہیں فرماتے تھے)۔

د: نماز جمعہ اس زمانہ میں ان مسائل میں سے تھی جس میں صحابہ کرامؓ اجتہاد نہیں کرتے تھے، بلکہ حضور ﷺ کے حکم سے کرتے تھے۔

ھ: "**عن الليث بن سعد أن أهل مصر وسواحلها كانوا يجمعون على عهد عمر وعثمان بأمرهما وفيها رجال من الصحابة**" (بیہقی ۷/۱۷۸، نیل الاوطار ۳/۲۶۶) (حضرت لیث بن سعد سے روایت ہے کہ اہل مصر اور اس کے سواحل پر آباد لوگ حضرت عمرؓ اور عثمانؓ کے دور میں ان کے حکم سے جمعہ قائم کرتے تھے، حالانکہ اس میں صحابہ کرامؓ میں سے کئی حضرات صحابہ ہوتے تھے) معلوم ہوا کہ قریہ (گاؤں) اقامت جمعہ جائز ہے اگر صحیح نہ ہوتا تو صحابہ میں کوئی اس پر نکیر ضرور فرماتے۔

ان میں سے پہلی روایت میں محض قریہ کا لفظ ہے جس کا کوئی مفہوم متعین نہیں ہے، کم از کم اس سے چالیس مردوں کی قید تو کسی طرح نہیں نکلتی، اور ہمیں اس کا علم نہیں کہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس قید کا ماخذ کیا ہے؟ رہی دوسری روایت تو وہ جس قدر امام شافعیؒ کی تائید میں ہے اسی قدر ان کے خلاف بھی ہے، اس سے تو جنگل اور ویرانے میں بھی اقامت جمعہ کا جواز نکالا جاسکتا ہے، حالانکہ امام شافعیؒ اس کے ناجائز ہونے کے قائل ہیں۔

۲- مذہب حنبلی: امام احمدؒ کا مسلک امام شافعیؒ سے ملتا جلتا ہے، اور ان کے دلائل بھی وہی ہیں جو امام شافعیؒ کے ہیں۔

۳- مذہب مالکی: امام مالکؒ کے نزدیک جمعہ کی نماز ہر ایسے قریہ میں ہوسکتی ہے جس کی آبادی مستقل ہو، خواہ اس کی آبادی چالیس مردوں سے بھی کم ہو، البتہ بارہ سے کم نہیں ہونی چاہئے (حاشیۃ الدسوقی ۱/ ۳۷۶، الشرح الصغیر ۱/ ۱۷۷)۔

دلیل: "**وإذا رأوا تجارة أو لهواانفضوا إليها وتركوك قائما**" (جمعۃ:۱۱) (اور (بعض لوگوں نے) جب کبھی ایک سودے یا تماشے کی چیز کو دیکھا تو اس کی طرف دوڑتے ہوئے بکھرے اور آپ (ﷺ) کو کھڑا ہی چھوڑ دیا)۔

وجہ دلالت: سارے لوگ آپ ﷺ کو چھوڑ کر چلے گئے تھے صرف بارہ پختہ اور راسخ صحابہ کرامؓ ہی بچے تھے، جانے والے واپس آئے تھے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، اور صحیح یہ ہے کہ نہیں آئے تھے۔

مذہب حنفی: امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ جمعہ صرف مصر (شہر) ہی میں قائم کیا جاسکتا ہے، دیہات میں اقامت جمعہ جائز نہیں ہے، الا یہ کہ وہ قریہ کبیرہ ہو۔

الف: احناف نے جمعہ کے لئے جو مصر جامع کی شرط لگائی ہے، اس کے حق میں ان کا استدلال اس روایت سے ہے: "**لاجمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع**" (مصنف ابن ابی شیبہ رقم: ۵۰۹۸-۵۱۰۶، مصنف عبدالرزاق رقم: ۵۱۷۷، سنن کبری للبیہقی ۳/ ۱۷۹، کنز العمال ۸/ ۲۷۰ رقم: ۲۳۳۱) (جمعہ اور عیدین مصر جامع کے سوا اور کہیں نہ پڑھی جائیں)۔

ب: نیز جو حضرت علیؓ سے منقول ہے: "**لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع**" (مصنف ابن ابی شیبہ رقم: ۵۰۹۹) لیکن دونوں (ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق) نے اسے حضرت علیؓ کے قول کی حیثیت سے ہی نقل کیا ہے، نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب نہیں کیا ہے، نیز اس حدیث کو امام احمد نے مرفوعا ضعیف مانا ہے اور ابن حزم نے موقوفا صحیح مانا ہے (دیکھئے: نیل الاوطار ۳/ ۱۹۸) (جمعہ، تشریق، عید الفطر اور عید الاضحیٰ مصر جامع کے سوا اور کہیں نہ پڑھی جائیں)۔

ج: نیز وہ اس سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے جب ممالک فتح کئے تو دیہات میں کہیں بھی منبر نصب نہیں کئے، یہ گویا جمعہ کے لئے مصر کے شرط ہونے پر صحابہ کا اجماع ہے۔

د: جب حجاج بن یوسف نے اہواز میں جمعہ قائم کیا تو امام حسن بصریؒ نے فرمایا: ''**لعن الحجاج یترک الجمعة فی الأمصار ویقیمها فی حلاقیم البلاد**'' (احکام القرآن ۵/۳۳۸) (خدا کی لعنت ہو حجاج پر، یہ شہروں کو چھوڑ کر ملک کے گوشوں میں جمعہ قائم کرتا ہے)۔

خلاصہ یہ کہ احناف کے نزدیک مصر کی شرط ہے اور بقیہ ائمہ کے نزدیک مصر کی شرط نہیں ہے، ان کے یہاں اقامت جمعہ کے مسئلہ میں مصر اور قریہ دونوں برابر ہیں۔

قائلین اقامت جمعہ فی القری:

ہندوستان کے کئی جلیل القدر علماء ومحدثین نے جمعہ فی القری کی اجازت دی ہے، بلکہ بعضوں نے تو ''مصر جامع،، کی شرط پر سخت تنقید کی ہے، انھیں مجوزین میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلی، مولانا ابوالمحاسن سجاد (نائب امیر شریعت بہار واڑیسہ وجھارکھنڈ)، مولانا محمد امین حسنی نصیر آبادی وغیرہم ہیں، نیز مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا رجحان بھی یہی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: ''**أقول :وذلک لأنه لما کان حقیقةالجمعةإشاعة الدین فی البلد،وجب أن ینظر إلی تمدن وجماعة،والأصح عندی أنه یکفی أقل مایقال فیه القریةلما روی من طرق شتی یقوی بعضها بعضا**'' **خمسةلا جمعة علیهم،،وعدّ منهم أهل البادیة،قال ﷺ:الجمعة علی الخمسین رجلا،،أقول: الخمسون یتقرّیٰ بهم قریة،وقال ﷺ:الجمعة واجبة علی کل قریه**'' (حجۃ اللہ البالغۃ ۲/۱۱۵) (میں کہتا ہوں: اور وہ بات (یعنی جمعہ کے لئے جماعت اور آبادی کی شرط) اس لئے ہے کہ جمعہ کی حقیقت (غرض) شہر میں اشاعت دین ہے، تو ضروری ہوا کہ تمدن اور جماعت پر نظر کی جائے، اور میرے نزدیک اصح یہ ہے کہ کم سے کم جس کو قریہ (گاؤں) کہنا صحیح ہو، بس یہ کافی ہے، اس لئے کہ متعدد طرق (مختلف اسانید) - جو ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں- سے روایت ہے کہ: پانچ لوگوں پر جمعہ واجب نہیں ہے،، اور ان میں اہل بادیہ (بادیہ نشینوں) کو بھی شمار کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: جمعہ پچاس مردوں پر فرض ہے،، میں کہتا ہوں: کہ پچاس لوگوں سے (کوئی بھی جگہ) قریہ بن جاتی ہے، اور آپ ﷺ نے فرمایا: جمعہ ہر قریہ (گاؤں) پر واجب ہے)۔

مصفیٰ میں ہے: ''پس نماز جمعہ دو رکعت است در وقت ظہر با جماعت عظیمہ از مسلمین در قریہ یا در شہر'' (مصفیٰ، کتاب الصلاۃ، باب التشدید علی من ترک الجمعۃ بغیر عذر ۱/ ۳۰۰)۔

نیز مصفی ہی میں لکھتے ہیں:''**فالعمران الذی یطلق علیه–عرفا–اسم القریةتجب علیهم الجمعةسواء کانوا مأة أو أزید،وقد جاء فی بعض الأحادیث ذکر خمسین شخصا عاقلا بالغاحرا کأقل عدد لذلک**'' (المصفیٰ ۱/ ۳۰۱،مترجم: مولانا سید سلمان الحسینی الندوی) (وہ آبادی جس پر عرفاً قریہ کا اطلاق ہوتا ہو ان پر جمعہ واجب ہے چاہے وہ سو کی تعداد میں ہوں یا زیادہ، اور بعض احادیث میں اس کی کم سے کم تعداد کے طور پر پچاس عاقل، بالغ، آزاد شخص کا ذکر آیا ہے)۔

نوٹ: یہ شاہ صاحبؒ کا صاف اور صریح موقف ہے جو میں نے یہاں ان کی تین کتابوں (مصفیٰ فارسی، مصفیٰ مترجَم عربی، اور حجۃ اللہ البالغۃ) سے نقل کی ہے، مگر خدا بہتر جانے کب، کیسے، کہاں سے، کس سے یہ سہو ہوا کہ ''فتاوی محمودیہ'' جلد نہم، مطبوعہ زکریا بکڈپو دیوبند، ص: ۱۴۱، پر شاہ صاحبؒ کی حجۃ اللہ کی اسی عبارت سے جمعہ فی القری کے عدم جواز کا استدلال کیا گیا ہے اور عبارت ''إلی جماعۃ وتمدنٍ'' تک ہی نقل کی گئی ہے، جو کسی طور صحیح نہیں ہے، اگر شاہ صاحبؒ کی رائے عدم جواز کی ہی ہوتی تو بظاہر مفتی سعید صاحبؒ کو رحمۃ اللہ الواسعۃ میں مسلک حنفی کی وضاحت کی ضرورت قطعاً نہ ہوتی، نیز مولانا ابوالمحاسن سجادؒ اسی عبارت کا حوالہ دیکر اقامت جمعہ فی القری کے جواز کا فتوی نہ دیتے۔ واللہ اعلم

مولانا ابوالمحاسن سجادؒ لکھتے ہیں: ''ہمارے نزدیک جس گاؤں میں مسلمانوں مستقل آبادی ہو اور جماعت کے لئے بالغ مرد کافی ہوں وہاں نماز جمعہ ہوسکتی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ بھی اس کے قائل ہیں، صرف وہ یہ فرماتے ہیں کہ چالیس مسلمان وہاں موجود ہوں تو جمعہ پڑھنا چاہئے، حجۃ اللہ البالغۃ وغیرہ میں انہوں نے بوضاحت لکھا ہے'' (فتاوی امارت شرعیہ ۱/ ۵۳)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں: ''تاہم ہندوستان وغیرہ کے موجودہ حالات میں، کہ بعض علاقوں میں جمعہ ہی سے مسلمانوں کی شناخت رہ گئی ہے اور اسی کے ذریعہ نماز اور اسلام سے لوگ اپنی وابستگی کا احساس کرتے ہیں، ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ آراء وخیالات کے ان اختلافات سے فائدہ اٹھا کر شہر کے مفہوم میں جس قدر توسع ممکن ہو پیدا کی جائے، کہ جمعہ محض ایک عبادت ہی نہیں، تذکیر ودعوت بھی ہے، مسلمانوں کی اجتماعیت کا اظہار بھی ہے اور اسلام کا ایک شعار بھی'' (قاموس الفقہ ۳/ ۱۲۷)۔

مولانا امین احمد نصیر آبادیؒ لکھتے ہیں: ''نماز جمعہ مثل نماز پنج گانہ کے فرض ہے، جو شرطیں ان میں ہیں وہ اس میں

ہیں، فقط دو خطبوں کی زیادتی ہے، شہر ہو یا دیہات ہر جگہ بلا شرطِ شہر و بادشاہ یا اس کے نائب کے صحیح ہے'' (مجموعۃ الفتاوی ۱/ ۲۱۴)۔

مولانا عبدالعلی بحر العلوم فرنگی محلیؒ نے مصر کی تعریفات پر زبردست نقد کیا ہے اور اعتراضات قائم کئے ہیں اور یہ رجحان ظاہر کیا ہے کہ گاؤں جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: ارکان اربعہ ۱/ ۲۱۹، ۲۲۰)۔

مناقشہ ادلہ:

۱- تمام ائمہ نے نماز جمعہ کے لئے یہ شرط نہیں لگائی ہے، اس قول کے بموجب، جو بعض حنفیہ میں شہر کے متعلق مشہور ہے، کچھ لوگوں نے نماز جمعہ کو ترک کر دیا ہے، دین کے بارے میں زیادہ احتیاط کا طریقہ ملحوظ نہیں رکھا، کیونکہ اس طرح نماز جمعہ کے ترک کرنے سے عوام شبہ میں پڑ جاتے ہیں، اور واجبات دینی کی ادائیگی میں سستی کرنے لگتے ہیں، قطع نظر اسکے انھوں نے جس دلیل پر اعتماد کیا ہے وہ وہی حدیث ہے جس کو ابن ابی شیبہؒ نے حضرت علیؓ سے موقوفاً روایت کیا ہے، اور جس کو زیلعی نے اپنی کتاب نصب الرایۃ میں نقل کیا ہے، لیکن خود آنحضرت ﷺ سے اس بارے میں کچھ منقول نہیں ہے، اگر بالفرض یہ حدیث صحیح بھی ہے تو اس میں یہ تعریف کہاں ہے، کہ جہاں (مسلمان) حکمراں ہو، قاضی حدود نافذ کرتا ہو، وہی شہر ہے، یہیں سے اصل حقیقت واضح ہوجاتی ہے، لہذا اس حدیث کو (اندرین باب) مرکز ہی حیثیت دیدینا قطعا مفید مطلب نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ محققین احناف نے جابجا یہی تعریف کی ہے: شہر وہ ہے جہاں کی بڑی مسجد میں وہ تمام لوگ نہ سما سکیں جن پر جمعہ واجب ہے، گو عملی طور پر سب لوگ اس میں جمع نہ ہوئے ہوں (دیکھئے: کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۱/ ۴۷۰)۔

۲- اکابر احناف کا زمانہ وہ تھا جب عراق، الجزیرہ اور فارس اور بغداد وغیرہ ممالک کی آبادی بہت زیادہ اور گھنی تھی، قصبات اور دیہات کثرت آبادی کے سبب باہم پیوستہ ہوگئے تھے، تمدن بھی انتہائی عروج پر تھا، صنعت وحرفت اور تجارت کے فروغ نے قصبوں کو بھی شہر بنا دیا تھا، یہی وجوہات تھیں کہ ''شہر'' کی وہ تعریفات کی گئیں جو ہم نے اوپر نقل کیں، ورنہ فی نفسہ قاضی، کوتوال، یا بازار اور سڑکوں، یا دس ہزار یا تین ہزار کی آبادی کو فرضیت جمعہ کے اشتراط میں کوئی بھی دخل نہیں ہے، اصل شرط ''مصر'' ہے اور اسکے مدلول کو متعین کرنے کے لئے ہر فقیہ مجتہد نے وہ خصوصیات بیان کی ہیں جو اس کے پیش نظر امصار میں پائی جاتی تھیں۔

۳- مصر کی تعریف وتفسیر میں خود فقہاء احناف میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے، اس کے کوئی معنی آج تک متعین نہیں ہوسکے۔

۴- مصر کی یہ تفسیر درست نہیں ہے، خود فقہاء احناف کی رائے اس کے سلسلے میں وقتاً فوقتاً بدلتی رہی ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ حالات کے اعتبار سے اس میں تبدیلی کی پوری گنجائش ہے۔

۵-حضرت اسعد بن زرارہؓ اور صحابہ کرامؓ نے آں حضرت ﷺ کے بغیر نماز جمعہ پڑھی، حالانکہ اسوقت مدینہ منورہ میں نہ آپ کی حکومت تھی نہ حدود وقصاص بالفعل جاری تھے، اور نہ ہی مسلمان اس کی قوت رکھتے تھے، بلکہ وہ محض مغلوب تھے۔

۶-اور جب آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو بطن الوادی میں مسجد بنی سالم میں پہلی نماز جمعہ پڑھی اس وقت بھی وہاں تسلط کا نام نہ تھا، کہ احکام وحدود اور قصاص جاری کرسکیں۔

۷-''مصر جامع'' والی روایت کو ندب پر محمول کیا جاسکتا ہے، یعنی بشرط بادشاہ اور مصر نماز جمعہ مستحب اور عمدہ وبہتر ہے، لیکن ایسا نہیں کہ ان شرطوں کے بغیر جمعہ صحیح ہی نہیں ہوگا، جیسا کہ شاہ صاحب کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے: ''اور جہاں تک خلیفہ یا اس کے نائب کی امامت کا تعلق ہے تو عمل اسی پر جاری تھا، اور اس کا مقصد والی کو اس کے محل ولایت میں آگے بڑھانا تھا، لہذا والی کی موجودگی بطور استحباب ہوگی، جیسے اقرأ کو اعلم پر مقدم کرنا، اور اس مسئلہ کے تمام نظائر اور حضرت علیؓ کا اثر'' چار چیزیں امام کے سپرد ہیں'' اس پر محمول ہوگا کہ والی کو اس کے محل ولایت میں مقدم کرنا مستحب ہے'' (المصفی ۱/۳۰۱، ۳۰۲)۔

۸-اگر مصر کی شرط تسلیم بھی کرلی جائے تو غیر مصر میں جمعہ کا فرض نہ ہونا لازم نہیں آتا ہے، کیونکہ کسی شئ سے ادا کی کئی شرطیں بسبب عذر فوت ہوجانے سے عین شئ کا باطل ہونا کلیۃً لازم نہیں آتا، مثال کے طور پر فرض نمازوں کے لئے طہارت اور ستر شرط ہے مگر بوقت عذر یہ شرطیں بلکہ اکثر ارکان نماز مثل قیام معذور سے ساقط ہیں، حالانکہ نماز اس سے ہرگز ساقط نہیں ہوتی، یہی حال نماز جمعہ کا ہے، اگر مصر یا بادشاہ نہ ہوں تو مسلمان وہاں ان شرطوں سے معذور ہوں گے، مصر کہاں سے پیدا کریں گے؟ مطلب یہ کہ جہاں ان شرائط کا وجود ہو وہاں ان کی رعایت واجب ہوگی، اس کے بغیر درست نہیں، اور جہاں ان شرطوں کا وجود نہ ہو، وہاں نماز جمعہ بلا رعایت صحیح ہوگی، مسلمان معذور ہوں گے اور معذور پر تکلیف مالا یطاق نہیں، اور ہمارے اس موقف کی تائید محققین احناف کی ان عبارتوں سے ہوتی ہے جو میں نے نقل کی ہیں۔

۹-یہ استدلال کہ جمعہ کا بدل ظہر ہے، وہ لوگ ظہر پڑھیں گے، صحیح نہیں ہے، کیونکہ جمعہ کی فرضیت سے پہلے بھی تو ظہر کی نماز تھی تو پھر جمعہ کی فرضیت کا کیا مطلب؟ لوگ ظہر تو پڑھ ہی رہے تھے، آخر فرضیت جمعہ کی کوئی تو حکمت ہوگی جو ظہر سے پوری نہیں ہوسکتی تھی، وہ صرف جمعہ سے ہی پوری ہوسکتی ہے، اور وہ حکمت بقول شاہ صاحبؒ یہ ہے: ''جب شہر میں نماز کی اشاعت- بایں طور کہ نماز کے لئے بستی کے لوگ اکٹھا ہوں- ہر دن دشوار تھی، تو ضروری ہوا کہ اشاعت کے لئے کوئی حد متعین کی جائے، جس کا دورانیہ نہ بہت جلدی ہو کہ لوگوں کے لئے جمع ہونا دشوار ہوجائے اور ان کو پریشانی ہونے لگے، اور نہ بہت دیر سے ہو کہ مقصد ان سے فوت ہوجائے، اور چونکہ ہفتہ عرب وعجم اور اکثر مذاہب میں مستعمل تھا، اور وہ اس حد کے لئے مناسب بھی تھا، تو ضروری ہوا کہ اسکو (ہفتہ کو) اشاعت کی حد (مقدار) مقرر کی جائے'' (حجۃ اللہ البالغۃ ۲/۱۰۹)۔

نیز مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ لکھتے ہیں: ''پانچوں نمازوں اور سنن ونوافل جو انفرادی طور پر ہی پڑھے جاتے ہیں، ان کے علاوہ چند نمازیں اور ہیں جو صرف اجتماعی طور پر ہی ادا کی جاتی ہیں اور وہ اپنی مخصوص نوعیت اور امتیازی شان کی وجہ سے اس امت کا گویا شعار ہیں، ان میں سے ایک نماز جمعہ ہے.....فرائض پنج گانہ کے جماعت سے ادا کرنے میں جو مصالح اور منافع ہیں وہ سب کے سب وسیع تر پیمانے پر جمعہ.....سے بھی حاصل ہوتے ہیں، اور ان کے علاوہ کچھ اور بھی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں.....ظہر کی چار رکعت کے بجائے جمعہ کی نماز صرف دو رکعت رکھی گئی، اور اس اجتماع کو تعلیمی وتربیتی لحاظ سے مفید اور مؤثر بنانے کیلئے تخفیف شدہ دو رکعتوں کے بجائے خطبہ لازمی کر دیا گیا'' (معارف الحدیث ۳/ ۲۲۷، ۲۲۸ تلخیصاً)۔

۱۰-قریہ کی کوئی متعین تعریف نہیں ہے، اور اس کی شریعت میں کوئی دلیل نہیں ہے۔

۱۱-مصر کی شرط لگانے سے شارع کا منشا تو یہ تھا کہ لوگ منتشر طور پر فریضۂ جمعہ ادا کرنے کے بجائے ایک مرکزی مقام پر مجتمع ہو کر ادا کریں، (چنانچہ اس تعلق سے حضرت شاہ صاحبؒ اور مولانا منظور صاحب نعمانیؒ کی تحریریں اوپر نقل کر چکا ہوں)، مگر نہ معلوم کن وجوہات سے اس کے معنی الٹ دئے گئے اور دیہات کے لوگوں کو اجتماع کا حکم دینے کے بجائے ان کو فریضۂ جمعہ سے ہی سبکدوش کر دیا گیا، شاید اس کی وجہ یہ ہوئی کہ لفظ ''مصر،، سے علماء کا ذہن ''شہر،، کے عرفی مفہوم کی طرف منتقل ہو گیا۔

۱۲-جمعہ کی فرضیت قرآن وآحادیث مشہورہ اور سنت واجماع سے ثابت ہے، اسے ایک مختلف ومتکلم فیہ، اور مبہم المعنی اور سنداً ضعیف حدیث کی وجہ سے دیہات کی قابل لحاظ آبادی کے لئے غیر فرض بنا دیا گیا۔

۱۳-تقوی اور خشیت کا تقاضہ یہ ہے کہ اسقاط فرض کا راستہ کھولنے والے مفہوم کی بنسبت اقامت فرض کا راستہ کھولنے والا مفہوم زیادہ لائق ترجیح ہے۔

محققین احناف کی عبارتوں میں اقامت جمعہ فی القری کی گنجائش:

فتاوی عالمگیری میں ہے :''**لو تعذر الاستئذان من الإمام فاجتمع الناس على رجل يصلي بهم الجمعة جاز، كذا في التهذيب**'' (فتاوی ہندی ۱/ ۱۴۶) (اگر مسلمانوں کو امام وقت سے اجازت لینے میں دشواری ہو اور لوگ کسی شخص پر متفق ہو کر اسے امام بنا دیں جو جمعہ پڑھائے تو جائز ہے، اسی طرح ''تہذیب'' میں ہے)۔

نیز اسی میں ہے :''**بلاد عليها ولاة كفار ،يجوز للمسلمين إقامة الجمعة ،ويصير القاضي قاضيا**

بتراضی المسلمین ،ویجب علیھم أن یلتمسوا والیا مسلما،کذا فی معراج الدرایۃ''(حوالہ سابق)(ایسا ملک جس پر کفار کی حکومت ہو،اس میں مسلمانوں کے لئے جمعہ قائم کرنا جائز ہے،اور قاضی مسلمانوں کی تراضی (آپسی رضامندی) سے قاضی بن سکتا ہے،اوران پر مسلمان والی تلاش کرنا واجب ہے،''معراج الدرایۃ،،میں (مسئلہ) اسی طرح ہے)۔

حاشیہ شامی میں ہے :''**ولذا لومات الوالی أو لم یحضر لفتنۃ أو لم یوجد ممن لہ حق إقامۃ الجمعۃ ،نصب العامۃ لھم خطیبا للضرورۃ ،کما سیأتی مع أنہ لا أمیر ولا قاضی ثمۃ**'' (ردالمحتار ۶/۳،کتاب الصلاۃ،باب صلاۃ الجمعۃ)(اوراسی لئے اگر والی (حاکم) مرگیا ہو، یا کسی فتنہ وفساد کی وجہ سے حاضر نہ ہو پایا، یا ایسا شخص نہ مل سکا جس کو اقامت جمعہ کا حق ہے،توعوام (مسلمانوں) کو چاہئے کہ ضرورت کی وجہ سے (آپس میں مشورہ کرکے) کسی کو خطیب مقرر کرلیں،جیسا کہ آگے آئے گا،حالانکہ اس جگہ نہ امیر ہے اور نہ قاضی)۔

حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:'' جب کفار مسلمانوں پر غالب ہوجائیں تو مسلمانوں کو چاہئے کہ نماز جمعہ وعیدین جاری وقائم رکھیں،اور قاضی مسلمانوں کی تراضی (آپسی رضامندی) سے قاضی بن سکتا ہے،اوران پر مسلمان والی تلاش کرنا واجب ہے،مفتاح السعادہ کی عبارت پوری ہوئی،اسی طرح طحطاوی میں ہے)(طحطاوی علی مراقی الفلاح،کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ ۱/۵۰۷)۔

امام وقت جس بستی کو مناسب سمجھے''مصر جامع ،،قرار دے کر اطراف کے لوگوں کو وہاں جمع ہونے کا حکم دے سکتا ہے،چنانچہ علامہ ابن الہمام لکھتے ہیں:''**ولو مصَّر الإمام موضعاوأمرھم بالإقامۃ فیہ جاز،ولو منع أھل مصر أن یجمعوا لم یجمعوا**''(فتح القدیر ۲/۵۰)(اوراگر امام کسی جگہ کو مصر ٹھہرادے اور لوگوں کو وہاں جمعہ قائم کرنے کا حکم دے تو وہاں نماز جائز ہے،اوراگر کسی شہر کے باشندوں کو جمعہ قائم کرنے سے منع کردے تو وہ جمعہ قائم نہ کریں)۔

ردالمحتار میں ہے :''قہستانی فرماتے ہیں:.....اور قصبات وقریہ کبیرہ (بڑے گاؤں) جس میں بازار ہو،فرض ہوگا،ابوقاسم فرماتے ہیں:اوراس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے،جبکہ والی یا قاضی نے مسجد جامع بنانے کا حکم دیا ہو،اس لئے کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے،اور جب (قاضی یا والی کا) حکم اس سے جڑ جائے تو متفق علیہ ہوجائے گا،اور جو ہم نے بیان کیا اس میں اشارہ ہے کہ جمعہ قریہ صغیرہ میں جائز نہیں،جس میں قاضی ومنبر اور خطیب نہ ہو،جیسا کہ مضمرات میں ہے،اور بظاہر اس سے کراہت مراد ہے، کیونکہ جماعت کے ساتھ نفل مکروہ ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر لوگ گاؤں میں جمعہ پڑھ لیں تو ان پر ظہر کی ادائیگی لازم ہوگی،اور (خیال رہے) مسئلہ کی یہ تفصیل اس صورت میں ہے جب کہ اس سے (والی یا قاضی) کا حکم نہ جڑا

ہو،(اگر قاضی یا حاکم کا حکم اس سے متصل ہے تو جمعہ جائز ہوگا اور اداء ظہر کی ضروت نہ ہوگی)، چنانچہ فتاوی دینا ری میں ہے: اگر گاؤں میں امام کے حکم سے مسجد بنائی گئی تو وہ (امام کا تعمیر مسجد کا حکم) بالاتفاق اقامت جمعہ کا حکم مانا جائے گا، جیسا کہ امام سرخسیؒ نے فرمایا ہے'' (ردالمحتار ۳/۶، ۷)۔

احقر راقم الحروف کے خیال میں اگر امام موجود نہ ہو، تو جس طرح مسلمانوں کی تراضی سے قاضی مقرر ہوسکتا ہے اسی طرح ان کی تراضی امام کی قائم مقام بن کر کسی بستی کو'' مصر جامع،، بھی قرار دے سکتی ہے، نہ ہی اس میں کوئی نص مانع ہے اور نہ ہی یہ کسی اصل کے خلاف ہے۔

ہمارے بزرگوں کا طریقہ یہی تھا کہ وہ دین وایمان کے تحفظ کے لئے بعض دفعہ فروعات سے صرف نظر کرلیا کرتے تھے، جیسے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مسلمانوں کی ایک بستی کے حالات کو دیکھ کر تعزیہ داری کی اجازت دے دی تھی، اور استفسار کرنے پر فرمایا:'' یہ بدعت ان کے لئے وقایہ کفر ہے'' (دیکھئے: ملفوظات حکیم الامت ج: ۳ ملفوظ نمبر: ۴۰۶)۔

اس وقت بھی صورت حال یہ ہے (جیسا کہ سوالنامہ میں مذکور ہے) کہ عیسائی مشنریز، قادیانی، قادیانیوں کی طرح بعض نو پید فرقے اور منکرین حدیث وغیرہ دیہات وقصبات میں بسنے والے مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے کوشاں ہیں، لہذا ایسی صورتحال میں اقامت جمعہ فی القری ان کے ایمان کے تحفظ کا ایک مؤثر ذریعہ ثابت ہوسکتا ہے۔

کسی قصبہ کو اقامت جمعہ کیلئے مصر قرار دینے کے لئے کیا خصوصیات ہونی چاہئے؟

فقہاء کرام نے جو مصر کی جو خصوصیات بیان کی ہیں وہ بالکل بھی نا قابل لحاظ نہیں ہیں، کسی دیہاتی علاقے کے مسلمان جب اپنے علاقے کے کسی قصبہ کو جمعہ کی اغراض کیلئے'' مصر،، قرار دینا چاہیں تو انھیں انتخاب میں حسب ذیل خصوصیات کو ترجیح دینی چاہئے:

۱- وہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ سے زیادہ ہو۔

۲- کوئی بڑی مسجد موجود ہو جس میں زیادہ سے زیادہ اجتماع ہوسکے۔

۳- کوئی ایسا عالم موجود ہو جو مسائل شرعیہ کی تعلیم دے سکے اور وعظ وتذکیر اچھی قابلیت رکھتا ہو۔

۴- جہاں سرکاری حکام میں سے کوئی ایسا حاکم موجود ہو جو امن قائم رکھنے کا ذمہ دار ہو۔

۵- جہاں اس کا بھی امکان ہو کہ آس پاس کے دیہات کے لوگ اپنی ضروریات وہاں سے خرید لے جائیں۔

یہ امور اقامت جمعہ کی شرائط میں سے نہیں، بلکہ مقام جمعہ کے انتخاب میں ان کو ملحوظ رکھنا انسب واولیٰ ہے۔

☆☆☆

نمازِ جمعہ کے لئے اور اقامتِ جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط
موجودہ حالات کے پس منظر میں

مفتی حافظ کلیم اللہ عمری مدنی ☆

۱- دیہات اور قریوں میں جمعہ قائم کرنے کا حکم:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"**یأیھاالذین آمنوااذانودی الصلاۃ من یوم الجمعۃ فاسعوااِلی ذکر اللہ وذرواالبیع ذلکم خیر لکم إن کنتم تعلمون**"(الجمعۃ:۹)(اے ایمان والو! جمعہ کے دن جب نماز کے لیے اذان دی جائے تو تم اللہ کو یاد کرنے کے لیے چل پڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو، اگر تم سمجھتے ہو تو ایسا کرنا تمھارے لیے زیادہ بہتر ہے)۔

حضرت طارق بن شہابؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:"**الجمعۃ حق واجب علی کل مسلم فی جماعۃ إلا أربعۃ: عبدمملوک أوامرأۃ أوصبی أو مریض**" (صحیح سنن ابی داؤد:۱/ ۲۹۴-۹۷۸)۔

(جماعت کے ساتھ جمعہ کا قائم کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے؛ البتہ غلام، عورت، بچہ اور بیمار اس سے مستثنیٰ ہیں)۔

صورت مسؤلہ میں مذکورہ بالا نصوص شریعت میں تمام مسلمانوں کو بلا قید شہر وقصبہ کے اپنا کاروبار چھوڑ کر نماز جمعہ میں حاضری کا حکم دیا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے وقت قباء سے مدینہ جاتے ہوئے بنی سالم کے وادی (رانونا ء) میں نماز جمعہ ادا فرمائی (فتح الباری ۱۱/ ۲۳۶) اور یہ ہجرت کے بعد سب سے پہلا جمعہ تھا (تلخیص الحبیر ۲/ ۵۴، زادالمعاد: ۳/ ۳۷۳)۔

نیز آپ ﷺ کے دور میں مسجد نبوی میں جمعہ کے قیام کے بعد سب سے پہلا جمعہ بحرین کے علاقہ جواثی گاؤں میں واقع مسجد عبدالقیس میں قائم کیا گیا تھا (صحیح بخاری ۲/ ۳۷۹، (۸۹۲)، کتاب الجمعۃ، باب الجمعۃ فی القری والمدن، فتح الباری ۲/ ۳۸۰)۔

نبی کریم ﷺ کے خطبات حالات اور ضرورتوں کے اعتبار سے مختصر تو کبھی طویل ہوا کرتے تھے، عہد نبوت میں گھڑیاں نہیں تھیں، اس لیے خطبات نبویؐ کو منٹوں میں تقسیم کرنا دشوار ہے، لہذا خطبات جمعہ میں وقت کی تقسیم کا معاملہ خطیب

☆ استاذ ومفتی جامعہ دارالسلام، عمرآباد۔

پر موقوف ہے، حالات اور مناسبتوں کے اعتبار سے خطبہ اور نماز کی کمیت یا وقت کا لحاظ کرنا خطیب کی ذمہ داری ہے، لہذا عوام الناس کو خطیب پر اعتماد کرنا چاہیے، بالفرض خطبہ اگر کبھی طویل بھی ہو جائے تو مصلیوں کو صبر و تحمل کے ساتھ خطبہ سننا ضروری ہے اور نماز جمعہ پڑھے بغیر مسجد سے نکل جانا یا تاخیر سے جمعہ میں حاضر ہونا یا گھر میں ہی نماز ظہر پڑھنے کی کوشش یا تاویل کر لینا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے، بلکہ ہر حال میں جماعت کے ساتھ رہنا اور با جماعت نماز ادا کرنا سارے مسلمانوں پر واجب ہے۔

نماز جمعہ گاؤں، دیہات اور شہروں میں مقیم، صحت مند، مسلمان، عاقل و بالغ، آزاد مردوں پر فرض ہے، جمعہ کی فرضیت کے لئے اسلام کے ساتھ صرف یہ شروط و قیود ہیں:

۱- جماعت، دو یا دو سے زائد بالغ مردوں کی حاضری۔ ۲- ذکورۃ یعنی مرد ہونا، عورت پر جمعہ فرض نہیں ہے۔

۳۔ مقیم ہونا، ۴۔ آزاد پر جمعہ فرض ہے، ۵۔ بیمار نہ ہونا ورنہ مریض پر جمعہ فرض نہیں ہے۔

۶۔ آبادی ہو، خواہ وہ شہر ہو یا آبادی، گاؤں ہو یا قصبہ اور شہر، ایسے آبادیوں میں جمعہ قائم کرنا فرض ہے، قرآن وحدیث میں جمعہ کی فرضیت یا جواز کے لیے شہر (مصر جامع) کی شرط یا قید ہرگز ثابت نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس گاؤں میں نماز جمعہ پڑھنا ثابت ہے، نبی کریم ﷺ کا ہجرت کے موقع پر بنو سالم بن عوف کے گاؤں میں جمعہ قائم کرنا ثابت ہے، نیز حضرت عمر فاروقؓ سے مروی ہے کہ اہل بحرین نے جمعہ قائم کرنے کی اجازت طلب کی تو آپؓ نے جوابی خط میں لکھا: ''**عن عمرؓ أنه كتب إلى أهل البحرين أن جمعوا حيث كنتم' وقال الحافظ وهذا يشمل المدن و القرى، و عن ابن عمرؓ أنه كان يرى أهل المياه بين مكة والمدينة يجمعون فلايعيب عليهم**''(فتح الباری ۲/۳۸۰، مصنف ابن ابی شیبۃ ۲/۱۱) (تم جہاں بھی رہو جمعہ قائم کرو، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ شہر اور دیہات دونوں کو شامل ہے، حضرت ابن عمرؓ مکہ اور مدینہ کے درمیان پانی کے چشموں کے پاس رہنے والوں کو دیکھتے تھے کہ وہ جمعہ پڑھتے ہیں، اور وہ انہیں منع نہیں کرتے تھے (ان پر عیب نہیں لگاتے تھے)۔

جماعت کم سے کم دو آدمیوں سے بھی بن سکتی ہے، جیسا کہ امام بخاریؒ کے ترجمۃ الباب (**إثنان فمافوقهما جماعة**) دو اور دو سے اوپر افراد یک جماعت ہیں، سے معلوم ہوتا ہے، امام بخاریؒ نے اس باب کے تحت مالک بن حویرثؓ کی ایک روایت ذکر کی ہے، جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''**إذا حضرت الصلوة فأذنا و أقيما ثم ليؤمكما أكبر كما**'' (بخاری، ۶۵۸۔ کتاب الأذان، باب إثنان فما فوقهما جماعة) (جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم دونوں اذان اور اقامت کہو، اور تم دونوں میں سے جو بڑا ہو وہ امامت کرے)۔

علامہ شوکانیؒ نے فرمایا ہے: ''و أما الإثنان فبانضمام أحدهما إلى الآخر يحصل الاجتماع'' (نیل الاوطار ۳/ ۳۳۳) (رہا دو آدمیوں کے ساتھ جمعہ کا قائم کرنا، تو دو آدمیوں میں سے ایک کا دوسرے کے ساتھ مل جانے سے جماعت ہوجائے گی)۔

لہذا اہل اسلام پر جمعہ کے دن بستیوں اور دیہاتوں میں نماز جمعہ کا قائم کرنا واجب ہے، اس کے صحیح ہونے کے لئے صرف جماعت کی شرط ہے، اس میں معین تعداد کی کوئی شرعی دلیل کتاب وسنت، اجماع اور قیاس سے ثابت نہیں ہے، بلکہ نماز جمعہ کی صحت کے لئے تین یا تین سے زیادہ افراد کا موجود ہونا کافی ہے، البتہ سب سے پہلے مدینہ منورہ میں جب نماز جمعہ قائم کی گئی تھی، اس وقت چالیس افراد موجود تھے، یہ عدد اتفاقی ہے، صحت جمعہ کے لئے یہ عدد شرط نہیں ہے۔

فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن بازؒ نے فرمایا: '' **أقل عدد تجب عليه الجمعة ثلاثة في أصح أقوال أهل العلم، فإذا كانوا في قرية متوطنين وجبت عليهم الجمعة و لايجوز لهم أن يصلوا ظهرا ..**'' (نورعلی الدرب، مشروعیۃ إقامۃ الجمعۃ فی القری الصغیرۃ وإن کانوا ثلاثۃ)۔

یعنی علماء کے اقوال میں سے صحیح قول کے مطابق کم سے کم تین افراد بھی ہوں تو ان پر بھی جمعہ واجب ہے، جب وہ کسی قریہ میں مقیم ہوں تو نماز ظہر ادا کرنے کی بجائے ان پر جمعہ قائم کرنا واجب ہے۔

نیز فضیلۃ الشیخ ابن عثیمینؒ نے فرمایا: ''**الجمعة يصح أن تقام بالقرى و لا يشترط أن يكون بالأمصار لأن اشتراط أن تكون بالأمصار ليس له دليل لا من كتاب و لا من سنة رسوله ﷺ و ما لادليل له فانه ليس بشيء ،، وقال النبي ﷺ كل شرط ليس في كتاب الله فهو باطل وإن كان مائة شرط ، وهؤلاء الذين في القرى مستوطنين ، هؤلاء مخاطبون في قوله ''يأيها الذين آمنوا إذانودى الصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع ذلكم خير لكم إن كنتم تعلمون**'' (الجمۃ:۹)۔

فيجب عليهم إقامة الجمعة في أماكنهم'' (مجموع فتاوی ورسائل الشیخ محمد صالح العثیمین، المجلد السادس عشر۔ باب صلاۃ الجمعۃ)۔

قریوں و دیہاتوں میں جمعہ کا قائم کرنا شرعا درست ہے، نماز جمعہ کے لئے شہر کی شرط کے لئے کتاب وسنت سے کوئی دلیل وارد نہیں ہے، جس بات میں کوئی دلیل صحیح ثابت نہ ہو، اس قول کی کوئی اہمیت نہیں ہے، گرچہ سو شروط ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ہر وہ شرط جو کتاب اللہ سے ماخوذ ومستنبط نہ ہو پس وہ باطل ہے، گرچہ سو شرائط ہی کیوں نہ ہوں، البتہ یہ قول جو حضرت علیؓ سے منقول ہے (**لاجمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع**) یہ آپ کا اپنا اجتہاد

ہے، محض قول کی وجہ سے قرآنی آیت کے عموم اور اطلاق کی تخصیص یا تقیید صحیح نہیں ہے، اور نہ ہی اس سے شہر کی شرطیت اور فرضیت ثابت ہوسکتی ہے، جیسا کہ مجمع الانہار میں ہے: '' **لكن هذا مشكل جدا لأن الشرط الذى هو فرض لايثبت إلا بقطعى**'' (۱/۱۰۹)۔

مختصر القدوری میں ہے: ''**و من شرائطها الجماعة ، وأقلهم عند أبى حنيفة و محمد ثلاثة سوى الإمام و قال أبويوسف إثنان سوى الإمام**'' (یعنی جمعہ کے شروط میں سے ایک شرط جماعت کا ہونا بھی ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے پاس امام وخطیب کے سوا تین افراد کا ہونا شرط ہے، جب کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک خطیب کے علاوہ دو افراد ہوں تو کافی ہے)۔

نیز نماز جمعہ کے لئے شہر کی شرط غیر منصوص ہے، جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت امام مالکؒ سے منقول ہے: '' **كان أصحاب محمد فى هذه المياه بين مكة و المدينة يجمعون** '' (صحابہ کرامؓ مکہ اور مدینہ کے درمیان کے چشموں اور وادیوں میں جمعہ قائم کرتے تھے'' (مصنف ابن ابی:۵۰۷۱)۔

'' **عن عطاء قال إذا كانت قرية لازقة بعضها ببعض جمعوا**'' (مصنف ابن ابی شیبۃ:۵۰۷۰) (حضرت عطاء سے مروی ہے کہ جب کوئی قریہ آپس میں ملے جلے قریب قریب رہتے تھے، وہاں کے باشندے جمعہ منعقد کرتے تھے)۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عدی بن عدی کے مکتوب میں لکھا کہ ''**أيماأهل قرية ليسوا بأهل عمود ينتقلون فأمر عليهم أميرا يجمع بهم**'' (یعنی جو کوئی اہل قریہ منتقل ہونے والے خیموں والوں میں سے نہ ہوں تو ان میں کسی کو امیر بنادو جوان کے ساتھ جمعہ قائم کرے)۔

اہل سنت والجماعت کے اہل علم کے نزدیک خلیفہ کی موجودگی یا اس کی اجازت جمعہ واجب ہونے کی شروط میں شامل نہیں ہے، اور نہ ہی نماز جمعہ کی صحت کے لئے خلیفہ کی موجودگی یا اس کی اجازت شرط ہے (فتاوی اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والإفتاء: ۸/۱۸۷)۔

''**أن أبا هريرة كتب إلى عمرؓ يسأله عن الجمعة و هو بالبحرين ؟ فكتب إليهم : أن أجمعوا حيث ما كنتم) قال الشافعى : إن كان هذا حديثا يعنى ثابتا و لاأدرى كيف هو فمعناه فى أى قرية كنتم، لأن مقامهم فى البحرين إنما يكون فى القرى ، قال أحمد و هذا الأثر إسناده حسن**'' (معرفۃ السنن و الآثار للبیہقی ۵/۵۱) (حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت عمرؓ سے بحرین (کے قریوں) میں جمعہ قائم کرنے کے سلسلہ میں اجازت طلب کی تو آپ نے جواب دیا کہ تم لوگ جہاں کہیں مقیم ہو جمعہ قائم کرلو، امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اگر یہ حدیث صحیح اور ثابت

ہے تو مجھے نہیں معلوم کہ کیسے عمل ہوگا؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم جس قریہ میں بھی رہو جمعہ قائم کرلو، اس لئے کہ ان لوگوں کا قیام بحرین میں قریوں میں ہی تھا، امام احمدؒ نے فرمایا کہ یہ اثر سند احسن کے درجہ میں ہے)۔

موجودہ حالات میں مصر کی کیا تعریف ہے:

جامع مصر کی وضاحت: ''**عن أبی حنیفة أنه بلد ة کبیرة فیها سکک و أسواق ولها رساتیق وفیها وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحکمه و علمه أو علم غیره والناس یرجعون إلیه فی الحوادث و هو الأصح**'' (کاسانی، بدائع الصنائع: ۱/ ۲۶۰، البحر الرائق لابن نجیم: ۲/ ۱۵۲، تحفۃ الفقہاء، سمرقندی ۱/ ۱۶۲) (امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ وہ بڑا شہر جس میں گلیاں بازار اور محلوں ہوں اور جہاں ایسا حاکم ہو جو مظلوم کا ظالم سے انصاف کر سکے، اپنے رعب، اپنے علم یا دوسروں کے علم سے لوگ اپنے گوناگوں مسائل میں اس کی طرف رجوع کرتے ہوں، یہ صحیح تر تعریف ہے)۔

''**المصر وهو مالایسع أکبر مساجده أهله المکلفین بها وعلیه فتوی أکثر الفقهاء**'' (حصکفی، الدر المختار، ۲/ ۱۳۷) (یعنی مصر (شہر) سے مراد وہ بستی جس کی سب سے بڑی مسجد میں وہاں مکلفین (عاقل، بالغ، مقیم مرد) نہ سما سکیں، اکثر فقہاء کا فتوی اسی پر ہے)۔

''**و عند أبی یوسف ؒ أنهم إذا اجتمعوا فی أکبر مساجدهم لم یسعهم**'' (الہدایۃ للمرغینانی ۱/ ۸۲) (امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جامع مصر وہ جگہ ہے کہ جب وہاں کے لوگ سب سے بڑی مسجد میں جمع ہوں سما نہ سکیں)۔

مختصر القدوری میں ہے: ''**لاتصح الجمعة إلا فی مصر جامع أو فی مصلی المصرولا تجوز إقامتها إلا للسلطان أو لمن أمر له السلطان**۔

تشریح ۔ المصر کل موضع له أمیر وقاض ینفذ الأحکام ویقیم الحدود ، أی یقدر علی تنفیذه''۔

یعنی جمعہ کا انعقاد صرف جامع شہر میں ہی ہوگا، یا شہر کی عیدگاہ میں، نماز جمعہ کے لئے حاکم کی اجازت شرط ہے، یا وہ شخص جمعہ قائم کرے گا جس کو حاکم وقت حکم دے گا، مصر کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ ہر وہ جگہ جہاں امیر اور قاضی مقرر ہوں، احکام شریعت کی تنفیذ ہوتی ہو، اور حدود الٰہی قائم کرنے کی قدرت ہو)۔

مصر کی تحدید میں مختلف اقوال وارد ہیں، ایک قول یہ بھی ہے کہ جہاں دس ہزار کی آبادی ہو، دوسرے قول کے مطابق بارہ ہزار فوجی ہوں۔

خلاصہ کلام: کتاب وسنت کے مذکورہ بالا نصوص وتصریحات سے ثابت ہے کہ جمعہ کا قیام ہر ایسی جگہ جائز اور درست ہے، جہاں مسلمانوں کی جماعت ہو، اور جو حضرات جمعہ کے لئے مصر جامع کی شرط لگاتے ہیں، اور حضرت علیؓ کی موقوف روایت سے استدلال کرتے ہیں، یہ روایت مرفوع نہیں ہے، اس میں حضرت علیؓ کے قیاس واجتہاد کو دخل ہے، آیت قرآنی اور احادیث صحیحہ کے اطلاق وعموم کے خلاف ہے۔

نیز حضرت علیؓ کا قول واجتہاد حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی کے قول کے معارض بھی ہے، نیز حضرت علیؓ کے مصر جامع کا صحیح مفہوم واضح نہیں ہے، اور فقہاء کرام کی تصریحات مصر جامع کے تعلق سے اپنا اجتہاد ہے، نص شرعی کے درجہ میں نہیں ہے۔

اور ہندوستان کی حیثیت جمہوری ملک کی ہے، فقہاء کی ساری شرطیں اس دور کے لئے ہیں جب اسلامی حکومت قائم تھی، خلیفہ یا حاکم رہتے تھے، آج وہ صورت حال نہیں ہے، لہذا جہاں کہیں بھی پنج وقتہ نمازیں پڑھی جاتی ہیں، اور لوگوں کی جماعت بھی موجود ہو تو تحفظ دین کی خاطر اور فتنہ ارتداد سے بچانے کے لئے بھی حالات حاضرہ کا عین تقاضہ ہے کہ جمعہ قائم کرنے کی اذن عام ہو، اور مزید یہ بھی ضروری ہے کہ خطبہ مقامی زبانوں میں دیا جائے، تاکہ لوگ اپنے دین سے واقف ہوں، اور دین پر عمل کرسکیں، اور ان کا دینی رشتہ مضبوط ہو۔

خطبہ جمعہ کس زبان میں؟

صورت مسؤلہ میں از روئے شریعت خطبہ جمعہ کا مقصد وعظ ونصیحت اور تذکیر ہے، اور یہ عظیم مقصد اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب کہ خطبہ مقامی زبانوں میں ہو، جسے سامعین سمجھ سکیں، اور وہ مستفید ہوں، خواہ وہ زبان اردو ہو یا فارسی، ٹمل ہو یا انگریزی، الغرض سامعین کی رعایت کرتے ہوئے خطبہ جمعہ کا مقامی زبانوں میں ہونا ہی بہتر ہے، ورنہ روح خطبہ فوت ہوجائے گی، اسی حکمت کے پیش نظر مخاطبین کی زبان میں خطبہ دینے اور وعظ ونصیحت کرنے کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے، اللہ تعالی نے قوموں کی اصلاح وہدایت کے لئے ان کی جانب رسولوں کو مبعوث فرمایا تو ایسے انبیاء علیہم السلام کو ان کے لئے منتخب فرمایا جو ان کی زبان سے اچھی طرح واقف تھے، اور انہیں کی زبان میں سمجھاتے، خطبہ دیتے، اور وعظ ونصیحت فرماتے تھے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: ''وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ'' (سورۂ ابراہیم/ ۴) (ہم نے ہر نبی کو اس کی قوم کی زبان میں ہی بھیجا ہے تاکہ ان کے سامنے وضاحت سے بیان کردیئے)۔

خطبہ جمعہ کا مقصد حاضرین کو نصیحت کرنا اور وعظ سنانا ہے، کیونکہ آپ ﷺ خطبہ جمعہ میں قرآن پڑھ کر لوگوں کو

نصیحت فرماتے تھے، حضرت جابر بن سمرہؓ سے مروی ہے: ''**كانت للنبی ﷺ خطبتان يجلس بينهما يقرأ القرآن ويذكر الناس**'' (**مسلم**) (رسول اللہ ﷺ کے جمعہ میں دو خطبے ہوتے تھے، آپ دونوں کے درمیان بیٹھتے تھے، ان میں قرآن پڑھتے اور لوگوں کو تذکیر فرماتے تھے)۔ اور ایک روایت میں ہے: ''**يعظهم**'' یعنی آپ کا خطبہ تذکیر اور وعظ پر مشتمل تھا، اور یہ تذکیر اور وعظ بغیر سامعین کی زبان میں ناممکن ہے، نیز خطبہ جمعہ نماز کی طرح نہیں ہے جس میں تخاطب اور اصلاح امت ممنوع ہے، بلکہ خطیب ضرورۃ سامع اور مخاطب کی اصلاح کرسکتا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک صحابی کو تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم دیا، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب خطیب مقامی زبان میں خطبہ دے رہا ہو۔ علماء اور خطباء انبیاء کے وارث ہیں، جن کا کام بھی تبیین شریعت ہے، تبیین کے لئے بھی مخاطب کی زبان ہی اصل ہے۔

جیسا کہ فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ خطبہ عربی زبان میں ہو تو بہتر ہے، لیکن کیا خطبہ کا عربی زبان میں ہونا شرط ہے؟ اس سلسلہ میں علماء وفقہاء کرام کے تین اقوال ہیں: پہلا قول: جو شخص/خطیب عربی زبان پر قدرت رکھتا ہو اس کے لئے خطبہ عربی میں دینا شرط ہے، خواہ سامعین زبان عربی سے واقف نہ ہوں، یہ قول مالکیہ اور حنابلہ کا بھی ہے (الفواکہ الدوانی: ۱/۳۰۶، کشف القناع: ۲/۳۴)۔

دوسرا قول: خطیب اگر عربی زبان پر قدرت رکھتا ہو تو خطبہ عربی میں ہی ہوگا، مگر سامعین سارے کے سارے عربی سے ناواقف ہوں تو ان کی زبان میں ہی خطبہ ہوگا، یہی شافعیہ کا صحیح قول ہے، اور بعض حنابلہ بھی اسی کے قائل ہیں (المجموع للنووی: ۴/۵۲۲)۔

تیسرا قول: خطبہ کا عربی زبان میں ہونا مستحب ہے، مگر شرط نہیں ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ خطیب سامعین کی زبان میں خطبہ دے نہ کہ عربی زبان میں، یہ قول امام ابوحنیفہ اور بعض شوافع کا ہے (ردالمحتار ۱/۵۴۳، الموسوعۃ الفقہیۃ، ۱۹/۱۸۰)۔

تیسرے قول کو ترجیح حاصل ہے، چونکہ اس موضوع میں شرعاً ونصاً کوئی دلیل ثابت نہیں ہے، اور خطبہ کا مقصود وعظ ونصیحت اور تذکیر کا فائدہ اسی وقت حاصل ہوگا جب خطبہ محلی زبانوں میں ہو۔

رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ کے مجمع فقہ اسلامی کے قراردادوں میں یہ قرارداد منظور ہوا ہے: ''**الرأی الأعدل هو أن اللغة العربية فی أداء خطبة الجمعة و العيدين فی غير البلاد الناطقة بها ليست شرطا لصحتها ، و لكن الأحسن أداء مقدمات الخطبة و ما تضمنته من آيات قرآنية باللغة العربية لتعويد غير العرب على سماع العربية و القرآن ، مما يسهل تعلمها وقراء ة القرآن باللغة التی نزل بها ثم يتابع الخطيب ما يعظهم به بلغتهم التی يفهمونها** ،،انتهی'' (قرارات المجمع الفقہی ص/۹۹، الدورۃ الخامسۃ، القرار الخامس)۔

عجم کے علاقوں میں جہاں عربی زبان کی بول چال نہیں ہے، درست رائے کی مطابق ان مقامات میں عیدین اور جمعہ کے لئے خطبہ کا عربی زبان میں ہونا اس کی صحت کی شرط نہیں ہے، بلکہ بہتر ہے کہ خطبہ کے مقدمات یعنی حمد وثناء عربی زبان میں ہو، تا کہ غیر عرب بھی عربی زبان اور قرآن مجید کی تلاوت کو سننے کے عادی ہوں، اور یہ چیز عربی زبان اور قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے میں سہولت میسر کرے گی، جس زبان پر قرآن نازل ہوا تھا، پھر سامعین خطیب کی وعظ ونصیحت کی متابعت بھی کریں گے، اور مستفید ہوں گے۔

خلاصہ ءکلام یہ ہے کہ خطبہء جمعہ کا مقامی زبانوں میں ہونا نہایت ضروری ہے، لہذا حمد وثناء کے بعد اردو، ٹمل وغیرہ مقامی/ مادری زبانوں میں خطبہء جمعہ کا منبر پر دینا شرعا جائز ہے۔

قومی زبانوں میں خطبہ دینے کی بجائے عربی میں خطبہ دینا، عربی خطبہ پڑھ کر سنانا، یا خطبہ جمعہ سے قبل منبر کے نیچے (**تحت المنبر**) اردو میں خطبہ دینا، جسے بیان کا نام دیا جاتا ہے، نئے خطبہ کا رواج جو بالکل بے ثبوت اور سراسر بدعت ہے، اسی طرح بعض مقامات میں (شوافع کے مساجد میں) نماز جمعہ کے بعد خطبہ کا ترجمہ سنایا جاتا ہے، جب کہ لوگ سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے ہیں، بلکہ **فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا** پر عمل کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں، نص قرآنی کی مخالفت لازم آتی ہے، لہذا سب سے بہتر یہی ہے کہ خطیب مقامی زبانوں میں حمد وثناء کے بعد مسائل شریعت پیش کرے، حالات حاضرہ کا حل کتاب وسنت کی روشنی میں اپنی مادری زبانوں میں پیش کرے، اس سے خطبہ کا صحیح فائدہ ہوگا اور قوم مستفید ہوگی اور ہم بدعت کے مرتکب بھی نہیں ہوں گے باذن اللہ تعالی، عربی زبان میں خطبہ دینے سے حاصل کچھ نہ ہوگا، سوائے اس کہ زبان یارمن ترکی، ترکی نمی دانم۔ **واللہ اعلم بالصواب و ھو الھادی الی سواء السبیل**۔

مسجد کے علاوہ گھر میں نماز جمعہ:

ایسا گاؤں جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو، نماز جماعت کا مسجد کے ساتھ یا مسجد کے بغیر گھر میں نظام ہو، ایسے گھر میں جمعہ کی نماز پڑھنا بلاشبہ جائز اور درست ہے، جمعہ کی نماز کے جواز اور صحت کے لئے نماز کی جگہ کا یعنی اس کے مکان ومقام کا موقوفہ ہونا شرط نہیں ہے، قرآن یا حدیث سے اس کی شرطیت یا وجوب ثابت نہیں ہے، اور نہ پوری امت میں اس کا کوئی قائل ہے، جمعہ کی نماز کی صحت کے لئے مالک مکان کی طرف سے اذن عام ہونا کافی ہے، واللہ اعلم کتبہ: عبید اللہ الرحمانی المبارکفوری۔ ۱۳/محرم ۱۴۰۰ھ (فتاوی شیخ الحدیث رحمانی ۱/ ۵۲۹)۔

مساجد کی دونوں قسمیں عہد نبوت سے ہی معروف ومشہور ہیں، یعنی جامع مسجد اور غیر جامع مسجد، صحابہ کرامؓ عہد نبوت میں مسجد نبوی میں جمعہ قائم کرتے تھے، ہر قبیلہ کی الگ الگ مسجدیں بھی ہوا کرتی تھیں، جن میں پنج وقتہ نمازیں پڑھی

جاتی تھیں، جب صحابہ کرام جمعہ کے لئے مسجد نبوی آجایا کرتے تھے،تو ان کی مسجدیں غیر جامع ہوا کرتی تھیں،لہذا کسی جگہ میں ایک مسجد جمعہ قائم کرنا اور دوسری مسجدوں میں جمعہ نہ قائم کرنا ضرورۃ جائز ہے، اگر ضرورت ہوتو ایک سے زائد مسجدوں میں جمعہ قائم کرنا شرعا جائز اور درست ہے۔

آیت کریمہ عام ہے،اس میں کہیں بھی جمعہ کے قیام کے لئے شہر یا دیہات، پختہ مسجد وغیرہ کی کوئی شرط نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ''**رواح الجمعة واجب على كل محتلم**''(سنن النسائی:۱۲۹۹،صحیح)(جمعہ کے لئے جانا ہر بالغ پر واجب ہے)۔

''**الجمعة حق واجب على كل مسلم فى جماعة إلاأربعة: عبدمملوک أوامرأة أوصبى أو مريض**''(صحیح سنن ابی داؤد:۱/ ۲۹۴-۹۷۸)(جماعت کے ساتھ جمعہ کا قائم کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے،البتہ غلام،عورت، بچہ اور بیمار اس سے مستثنیٰ ہیں)۔

مذکورہ بالا دونوں حدیثیں اس بات پر دال ہیں کہ اقامت جمعہ کے لئے کسی خاص مقام اور جگہ کی کوئی قید وشرط ثابت نہیں ہے، بلکہ جہاں کہیں بھی (شہر، دیہات، وادی،صحراء) مسلمانوں کی جماعت ہو،کم سے کم دو یا تین افراد بھی جمع ہوجائیں اور جمعہ کا وقت (زوال) شروع ہوجائے وہاں پر جمعہ قائم کرنا جائز ہے، بلکہ اس کا حکم اور تاکید ہے،جیسا کہ امام بخاریؒ کے ترجمۃ الباب سے (**اثنان فما فوقهما جماعة**) سے معلوم ہوتا ہے۔

تحفظ دین کی خاطر قریوں میں جمعہ کی اجازت دینا:

سچ بات یہی ہے کہ موجودہ دور ارتداد، بے دینی اور گمراہ کن فتنوں کا دور ہے،اس دور میں دین کا تحفظ سب کاموں میں مقدم ہے،فرقہ ضالہ (خوارج، قادریہ، جہمیہ،قادیانیت،تشیع اور دیگر فرقوں) کا فتنہ عروج پر ہے،تو دوسری طرف الکفر ملۃ واحدۃ کے مصداق اس کا یلغار ہے، دوسری طرف مسلم قومیں بے دینی یا دین بے زاری کا شکار ہیں،علماء ربانی دنیا سے اٹھتے جارہے ہیں، جاہلوں کی حکمرانی ہے، قیامت کی چھوٹی چھوٹی علامتیں ظاہر ہونے لگی ہیں، ایسے حالات میں قریوں اور دیہاتوں میں اقامت جمعہ سے گریز کرنا امت کو مزید بے دین کرنے کے مترادف ہے۔

نیز آج کے قریہ اور گزشتہ دور کے قریوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے،آج کے قریوں میں فقہاء کرام کی پیش کردہ وہ ساری سہولتیں میسر ہیں جو شہروں میں میسر اور دستیاب ہیں،بعض قریوں کو دیکھ کر شبہ ہوتا ہے کہ ہم کہاں آگئے ہیں؟ ان قریوں میں شہروں جیسے فلک بوس عمارتیں،ضروریات زندگی کی سارے لوازمات،ہسپتالوں، دوکانوں اور تعلیم کی سہولتیں وغیرہ بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں، آن لائن سے خرید وفروخت کا سسٹم، نیٹ ورک مارکٹنگ کی جال وغیرہ،اور یہ بھی یاد رہے کہ

ہندوستان نہ دارالحرب ہے اور نہ دارالاسلام بلکہ جمہوری ملک ہے، یہاں حاکم اسلامی کا تصور، خلیفہ کی شرط اور تنفیذ شریعت کے شروط وقیود ناممکن ہے، ہمیں مادروطن کو صرف جمہوری ملک کی حیثیت سے دیکھنا ہے، اور اپنے دینی بھائیوں کے دین کی حفاظت کی کوشش کرنی چاہیے، اور قریوں میں نماز جمعہ قائم کرنے کی اجازت کو عام کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

☆☆☆

جمعہ کی نماز کے لئے مصر کی شرط

مفتی محمد سلطان قاسمی کشمیری☆

جمعہ کی نماز کے لئے بعض فقہاء کے نزدیک شہر کا ہونا شرط ہے اور بعض کے نزدیک شہر کا ہونا شرط نہیں، بلکہ گاؤں دیہات میں بھی جمعہ کی نماز پڑھنا جائز اور واجب ہے۔

اس موضوع کو سمجھنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ آبادیاں مختلف نوعیت کی ہوتی ہیں، بعض بڑی اور بعض چھوٹی، اور ان کو عربی زبان میں مختلف ناموں سے تعبیر وموسوم کیا جاتا ہے، چنانچہ بعض آبادیوں کو عربی زبان میں ''قریۃ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے جس سے مراد عام دیہات اور گاؤں ہوتا ہے (جسے انگریزی میں Village کہا جاتا ہے)، جہاں عدالت، کچہری، پولیس، تھانہ اور بازار وغیرہ قائم نہ ہوں۔

اور بعض اوقات ''قریۃ'' بول کر شہر یعنی (City) بھی مراد لیا جاتا ہے، البتہ بعض حضرات نے فرمایا کہ بعض اوقات قریہ بول کر ایسا شہر مراد لیا جاتا ہے جو کہ بڑے شہر سے چھوٹا ہو۔

''القرية فى اللغة: كل مكان اتصلت به الأبنية واتخذ قرارا''۔

وتطلق القرية على المدن وغيرها، والقريتان المذكورتان فى قوله تعالى–''وقالوا لولا نزل هذالقرآن على رجل من القريتين عظيم''هما مكة المكرمة شرفها الله والطائف كما تطلق على المساكن والأبنية والضياع۔

واصطلاحا: عرفها القليوبى من الشافعية بأنها العمارة المجتمعة التى ليس فيها حاكم شرعى ولا شرطى ولا أسواق للمعاملة وعرفها الكاسانى من الحنفية بأنها البلدة العظيمة إلا أنها دون المصر''(موسوعہ فقہیہ ۳۳/۱۶۰، مادہ: قریہ)۔

اور عربی زبان میں لغت کے اعتبار سے 'مصر' عموماً ایسے شہر کو کہا جاتا ہے کہ جہاں مثلاً گلی کوچے اور بازار ہوں، یا

☆ مفتی سراج العلوم سری نگر، کشمیر۔

وہاں عدالت، کچہری، پولیس تھانہ وغیرہ جیسے ادارے اور محکمے قائم ہوں۔

البتہ مصر کے خاص فقہی اصطلاحی معنی میں اقوال مختلف ہیں:

"المصر فی اللغة:اسم لکل بلد محصور أی محدود تقام فیها الدور والأسواق والمدارس وغیرها من المرافق العامة، یقسم فیها الفئ والصدقات۔

واختلفوا فی معناها الإصطلاحی،فعن أبی حنیفة رحمه الله: أن المصر بلدة کبیرة فیها سکک وأسواق، ولها رساتیق وفیها وال یقدر علی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمه وعلمه أو علم غیره والناس یرجعون فی الحوادث إلیه۔

قال الکرخی: إن المصر الجامع ما أقیمت فیه الحدود ونفذت فیه الأحکام۔

وقال القلیوبی:المصر العمارة المجتمعة الذی فیه حاکم شرعی وشرطی وأسواق للمعاملة والمصر أعظم من القریة"(موسوعہ فقہیہ ۱۶۱/۳۳)۔

"والبلد فی اللغة:إسم للمکان المختط المعدود المتأنس باجتماع قطانه وإقامتهم فیه، ولیتوطن فیه جماعات یسمی المکان الواسع من الأرض بلدا، والبلد أکبر من القریة"(موسوعہ فقہیہ ۱۶۱/۳۳)۔

اور عربی زبان میں "بلد" ایسی آبادی کو کہا جاتا ہے، جو عام دیہات اور گاؤں سے تو بڑی ہو لیکن مصر والے نوعیت کے شہر سے چھوٹی ہو، جس کو آج کل قصبہ اور انگریزی زبان میں (Town) اور تحصیل وغیرہ کہا جاتا ہے اور بڑا گاؤں بھی جس میں بازار وغیرہ ہو مصر بلد کا ہی حکم رکھتا ہے۔

فقہاء کرام کے مستدلات:

اس تمہید کے بعد ذیل میں چند دلائل ذکر کئے جاتے ہیں، جن سے فقہاء کرام نے اپنے اپنے طور پر مصر یا قریہ وغیرہ میں جمعہ کی نماز کے جائز و ناجائز اور واجب ہونے نہ ہونے پر استدلال کیا ہے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:**"یأیها الذین آمنو إذا نودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعوا إلی ذکر الله وذروا البیع ذلکم خیرلکم إن کنتم تعلمون"**(سورۂ جمعہ:۹)(اے ایمان والو جب ندا (یعنی اذان) دی جائے نماز کے لئے یوم جمعہ کی تو سعی کرو تم اللہ کے ذکر کی طرف، اور چھوڑ دو بیع کو، یہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم جانتے ہو)۔

اس آیت میں جمعہ کی نماز کی فرضیت اور وجوب کا حکم ثابت ہے، لیکن اس آیت میں شہر وغیرہ کی کسی قید کا ذکر نہیں

ہے، جس سے استدلال کرتے ہوئے حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کرام نے فرمایا کہ جمعہ کی نماز جس طرح شہر والوں پر واجب ہے، اسی طرح گاؤں والوں پر بھی واجب ہے۔

"ولنا قول الله تعالى إذا نودى للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله" وهذا يتناول غير أهل المصر إذا سمعوا النداء، وحديث عبد الله بن عمرو ولأن غير أهل المصر يسمعون النداء، وهم من أهل الجمعة، فلزمهم السعي إليها كأهل المصر "(المغنی لابن قدامہ ۲/ ۲۶۷)۔

جبکہ بعض حنفیہ نے فرمایا کہ اس آیت میں اللہ تعالی نے خرید وفروخت چھوڑنے کا ذکر فرمایا ہے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جمعہ ہر جگہ نہیں ہوتا، بلکہ وہاں ہوتا ہے جہاں کے لوگ عموماً تجارت وخرید وفروخت میں مشغول رہتے ہیں اور یہ بات شہر میں ہوتی ہے، دیہات کے لوگ عموماً کھیتی وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں، تجارت اور خرید وفروخت کے لئے گاؤں والے عموماً شہر میں آ کر اپنی ضرورت پوری کرتے ہیں، لہذا اس سے شہر میں جمعہ کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔

"نفس هذه الآية إيماء على أن اقامة الجمعة مختصة بمحل التجارة وهو المصر الجامع ولهذا لاتجوز فى الصحارى والبوادى ومناهل الأعراب بالإجماع "(التعلیق الصحیح ۲/ ۱۳۸ باب وجوب الجمعہ)۔

حضرت طارق بن شہاب سے روایت ہے: **"عن عمر بن الخطابؓ أن رجلا من اليهود وقال له يا أمير المؤمنين آية فى كتابكم تقرأونها لوعلينا معشر اليهود نزلت لاتخذنا ذلك اليوم عيدا قال: أى أية قال: اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتى ورضيت لكم الإسلام دينا، قال عمر: قد عرفنا ذلك اليوم، والمكان الذى نزلت فيه على النبى ﷺ وهو قائم بعرفة يوم الجمعة"**(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۴۵ کتاب الایمان)۔

(حضرت عمرؓ سے ایک یہودی نے کہا کہ تم اپنی کتاب میں ایک آیت کو پڑھتے ہو مگر وہ ہمارے یہودی گروہ پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید قرار دے دیتے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہ آیت کونسی ہے تو اس آدمی نے کہا: سورہ مائدہ کی **"اليوم أكملت لكم دينكم.....الخ"** حضرت عمر نے فرمایا کہ ہمیں اس دن کا علم ہے اور اس جگہ کا علم ہے جس میں نبی ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی تھی، نبی ﷺ اس وقت عرفات میں جمعہ کے دن تشریف فرما تھے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کے حجۃ الوداع کے موقع پر وقوف عرفہ جمعہ کے دن واقع ہوا تھا۔

نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بجائے، ظہر کی نماز ادا فرمائی، کیونکہ ایک تو آپ مسافر تھے دوسرے اس زمانہ میں میدان عرفات بیابان جنگل اور آبادی سے غیر معمولی فاصلہ پر تھا، جس

سے معلوم ہوا کہ مسافر پر جمعہ واجب نہیں اور نہ ہی بیابان جنگل میں آبادی سے دور نماز جمعہ کا حکم ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے: ''**عن النبی ﷺ قال الجمعة علی من سمع النداء**'' (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث:۱۰۵۶) (نبی ﷺ نے فرمایا جمعہ کی نماز اس شخص پر واجب ہے جو نداء (یعنی اذان) سنے)۔

اور بھی کئی احادیث میں جمعہ کی اذان سننے والے کو جمعہ کی نماز کے لئے جانے کا حکم دیا گیا اور اذان سننے کے باوجود جمعہ کی نماز کے لئے نہ جانے پر سخت وعید سنائی گئی ہے۔

اس قسم کے احادیث سے استدلال کرتے ہوئے حنفیہ کے علاوہ فقہاء کرام کہتے ہیں کہ یہ حکم گاؤں والوں کو بھی شامل ہے، اور اس سے گاؤں، دیہات میں نماز جمعہ کا حکم ثابت ہوتا ہے، کیونکہ شہر والوں پر تو بغیر اذان جمعہ سنے بھی جمعہ کی نماز واجب ہے، جبکہ حنفیہ نے اس کو شہر کی اذان کے ساتھ خاص رکھا ہے، امام بیہقی نے معاذ بن موسی اور محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے:

''**أن النبی ﷺ حین رکب من بنی عمرو بن عوف فی هجرته إلی المدینة مر علی بن سالم وبنی قرة بین قباء والمدینة فأدرکته الجمعة فصلی فیهم الجمعة وکانت أول جمعة صلاها رسول الله ﷺ حین قدم**'' (معرفۃ السنن والآثار للبیہقی کتاب الجمعہ)۔

(نبی کریم ﷺ جب مدینہ کی طرف ہجرت کرتے ہوئے بنی عمرو بن عوف سے سوار ہوئے تو آپ ﷺ بنی سالم اور بنی قرہ قبیلوں پر گزرے قباء اور مدینہ کے درمیان، جہاں جمعہ کی نماز کا وقت آیا تو آپ نے ان لوگوں کے درمیان جمعہ کی نماز ادا فرمائی)، اور اس زمانہ میں قباء کا علاقہ مدینہ منورہ سے خارج تھا جس سے گاؤں میں جمعہ کا ثبوت ہوا۔

جبکہ حنفیہ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے اس موقع پر جمعہ کی نماز مدینہ منورہ کی حدود میں ادا فرمائی تھی جس سے جمعہ گاؤں میں قائم کرنا ثابت نہیں ہوتا بلکہ شہر ہی میں قائم کرنا ثابت ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے: ''**إن أول جمعة جمعت فی الإسلام بعد جمعة جمعت فی مسجد رسول الله ﷺ بالمدینة لجمعة جمعت بحوثاء قریة من قری البحرین، قال عثمان قریة من قری عبد القیس**'' (سنن ابی داؤد لکتاب الصلوۃ باب الجمعۃ فی القری)۔

(پہلا جمعہ جو اسلام میں قائم کیا گیا اس جمعہ کے بعد جو رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں مدینہ منورہ میں قائم کیا گیا تھا وہ جمعہ ہے جو 'جوثاء' میں پڑھا گیا جو کہ بحرین کے قریوں میں سے ایک قریہ ہے، عثمان (راوی) نے فرمایا کہ عبدالقیس کے قریوں میں سے ایک قریہ ہے)۔

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے غیر حنفی فقہاء کرام نے شہر کے علاوہ قریہ یعنی گاؤں میں بھی جمعہ کو جائز قرار دیا ہے، کیونکہ اس حدیث میں قریۃ کا لفظ استعمال ہا ہے جس کے اصل معنی گاؤں کے آتے ہیں، البتہ یہ بعد میں شہر بن گیا تھا۔

جبکہ اس سلسلے میں حنفیہ کا کہنا یہ ہے کہ اس حدیث میں مذکور قریۃ سے مراد شہر ہے، کیونکہ قریہ کا اطلاق بعض اوقات شہر پر بھی کیا جاتا ہے اور قرآن مجید میں بھی اس طرح کا اطلاق کیا گیا ہے اور جواثی میں بعض مؤرخین کے مطابق بڑی منڈی تھی جس سے جمعہ قائم کرنے کے وقت ہی سے اس کا شہر ہونا معلوم ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: ''**أنهم كتبوا إلى عمرؓ يسألونه عن الجمعة: فكتب جمعوا حيثما كنتم**'' (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث ۵۱۵۸ کتاب الصلوۃ) (لوگوں نے حضرت عمرؓ کو لکھ کر جمعہ کے بارے میں سوال کیا تو ان کو حضرت عمرؓ نے لکھ کر یہ جواب بھیجا کہ تم جہاں بھی ہو جمعہ پڑھ لیا کرو)۔

اس روایت میں چونکہ حضرت عمرؓ نے شہر کی قید نہیں لگائی جس سے استدلال کرتے ہوئے حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء شہر اور گاؤں میں جمعہ کی نماز کو درست قرار دیتے ہیں، لیکن اس سلسلے میں حنفیہ کا کہنا یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا مطلب یہ تھا کہ تم جس شہر میں بھی ہو وہاں جمعہ کی نماز پڑھ لیا کرو، کیونکہ انہوں نے یہ مکتوب اپنے عاملوں کو یعنی گورنروں کو لکھا تھا اور عامل عموما شہروں میں ہوتے ہیں۔

حضرت مالک بن انسؒ سے روایت ہے: ''**كان أصحاب محمد ﷺ هذه المياه بين المكة والمدينة يجمعون فلا يعيب ذلك عليهم**'' (مصنف ابن ابی شیبہ) (محمد ﷺ کے صحابہ کرام مکہ اور مدینہ کے درمیان ان چشموں کے قریب بستیوں میں جمعہ قائم فرماتے تھے)۔

اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے حنفیہ کے علاوہ فقہاء کرام نے گاؤں میں جمعہ کو درست قرار دیا ہے، کیونکہ ان چشموں کے قریب بستیوں سے مراد گاؤں ہی ہیں۔

مکہ اور مدینہ کے درمیان چشموں کے قریب آباد گاؤں والوں کے جمعہ قائم کرنے کو دیکھ کر حضرت ابن عمرؓ کے اعتراض نہ کرنے سے استدلال کرتے ہوئے غیر حنفی فقہاء کرام نے گاؤں میں نماز جمعہ کو درست قرار دیا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا، حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ سے روایت ہے: ''**أن علياؓ قال لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع**'' (الجمعۃ فضلہا للمروزی) (حضرت علیؓ نے فرمایا کہ نہیں ہے جمعہ اور تشریق مگر مصر جامع میں)۔

حضرت علیؓ کی اس روایت کو متعدد حضرات نے سند کے اعتبار سے صحیح قرار دیا ہے، اور حضرت علیؓ کی یہ روایت

ایک اور سند سے مروی ہے، حضرت علیؓ کی اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے حنفیہ نے فرمایا کہ جمعہ کی نماز شہر کے ساتھ خاص ہے اور گاؤں میں جمعہ کی نماز واجب نہیں اور درست بھی نہیں۔

جبکہ بعض دیگر حضرات نے اس روایت میں مصر سے مراد قریہ لیا ہے کیونکہ مصر جامع بول کر بعض اوقات اکٹھی وجمع شدہ شکل کی آبادی بھی مراد لی جایا کرتی ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کے مقابلہ میں حضرت عمرؓ اور بعض دیگر صحابہ کا ارشاد وعمل بھی ہے، لہذا ان کے پیش نظر گاؤں میں جمعہ قائم کر لینا درست ہے، اور بعض حضرات نے حضرت علیؓ کی مذکورہ روایت میں اس معنی کا احتمال قرار دیا ہے کہ گاؤں والوں پر جمعہ کی نماز کا پڑھنا واجب نہیں، یہ کہ اگر وہ جمعہ پڑھیں تو صحیح بھی نہیں، چنانچہ مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی لکھتے ہیں: ''**لاجمعة و لاتشریق**'' حنفیہ نے اس میں 'لا' سے نفی صحت مراد لی ہے مگر محتمل ہے کہ نفی وجوب مراد ہو، مزید لکھتے ہیں کہ شریعت مصر وجوب جمعہ کے لئے تو صحیح ہے لیکن جواز کے لئے بھی ہو یہ میں نہیں سمجھ سکا۔

مفتی کفایت اللہ صاحب کے مذکورہ موقف کے مطابق ان تمام روایات اور واقعات کی تطبیق ہو جاتی ہے جن میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کے زمانہ میں بہت سے دیہات میں نماز جمعہ کا قائم کرنا ثابت نہیں، کیونکہ عدم ثبوت سے عدم وجوب کا حکم ثابت ہوتا ہے نہ کہ عدم صحت کا اور جن روایات سے ثبوت ملتا ہے وہ صحت کو ثابت کرتی ہیں، اور کوئی صحیح وصریح مرفوع حدیث ایسی موجود نہیں جس میں نبی کریم ﷺ نے گاؤں میں جمعہ کی صحت کی نفی فرمائی ہو، اس صورت میں 'لا جمعۃ الخ'' کا مطلب یہ ہوگا: ''**لا یجب الجمعة إلافی مصر جامع**''، حضرت ابراہیم نخعیؒ سے روایت ہے: ''**عن حذیفة: قال: لیس علی أهل القری جمعة إنما الجمعة علی أهل الأمصار مثل المدائن**'' (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۵۱۰۰)۔

(حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ گاؤں والوں پر جمعہ نہیں بلکہ شہر والوں پر ہی ہے جیسے (بغداد کا) مدائن نامی شہر)۔

اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے حنفیہ نے گاؤں میں نماز جمعہ کی نفی کی ہے، جبکہ دیگر حضرات نے اس کے مقابلہ میں دوسرے صحابہ کرام کے قول اور دیگر روایات اور دلائل کو ترجیح دی ہے اور بعض نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ گاؤں والوں پر نماز جمعہ واجب نہیں لیکن اگر پڑھیں تو درست ہے جیسا کہ پہلے گزرا۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ شہر میں تو بالاتفاق جمعہ کی نماز جائز ہے اور واجب ہے، البتہ گاؤں میں جمعہ کے قائم کرنے نہ کرنے اور جائز ہونے نہ ہونے کا مسئلہ مختلف فیہ اور مجتہد فیہ ہے جس میں دلائل دونوں طرف پائے جاتے ہیں وہ الگ بات ہے کہ کسی کے نزدیک کسی طرف کے دلائل راجح ہیں اور کس طرف کے مرجوح ہیں۔

متعلقہ مسائل:

۱-حنفیہ کے نزدیک جمعہ کی نماز صحیح اور واجب ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ جس مقام پر جمعہ کی نماز قائم کی جائے وہ 'مصر' یا بلد یعنی شہر ہو عام قریہ یعنی دیہات میں جہاں شہر کی تعریف صادق نہ آئے، جمعہ کی نماز کا پڑھنا واجب نہیں ہوتا اور اگر کوئی پڑھے تو جمعہ کی نماز صحیح اور درست بھی نہیں ہوتی (موسوعہ فقہیہ)۔

۲-جو جگہ شہر کے تابع یا شہر کے 'فناء' یعنی شہر وقصبہ کی ضروریات ومصالح میں داخل ہو مثلاً شہر وقصبہ کا بس اڈہ ریلوے اسٹیشن، ایئرپورٹ، کھیل کا میدان، عیدگاہ، جنازہ گاہ اور گھوڑ دوڑ کی جگہ وغیرہ، تو حنفیہ کے نزدیک ان مقامات کو جمعہ کی نماز قائم ہونے کے اعتبار سے شہر وقصبہ کا حکم حاصل ہوتا ہے، اور اس لئے ان مقامات میں شہر کے اندرونی مقامات کی طرح جمعہ کی نماز کا قائم کرنا جائز اور درست ہوتا ہے (ردالمحتار ۲/۱۳۹ کتاب الصلوۃ)۔

۳-حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہاء کرام کے نزدیک جمعہ کی نماز صحیح اور واجب ہونے کے لئے 'مصر' یعنی شہر کا ہونا شرط نہیں، البتہ دیگر فقہاء کرام کے نزدیک بعض جزوی چیزوں میں فرق ہے، شافعیہ کے نزدیک نماز جمعہ کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کو ایسی آبادی والے مقام میں قائم کیا جائے جہاں کم از کم ایسے چالیس افراد رہائش پذیر ہوں جن پر جمعہ کی نماز واجب ہو، خواہ وہ آبادی شہر کی ہو، یا گاؤں کی ہو، جبکہ وہاں کے عرف کے اعتبار سے وہ آبادی متصل ہو اور وہ آبادی ایسی ہونی چاہئے کہ جس کو لوگوں نے اپنا مستقل ٹھکانہ بنایا ہوا ہو، صرف بنجاروں یا خیمہ بستی کی شکل میں وہاں لوگ رہائش پذیر نہ ہوں۔

حنابلہ کے نزدیک جمعہ کی نماز جس طرح شہر میں قائم کرنا درست ہے اسی طرح گاؤں میں بھی جمعہ کی نماز قائم کرنا درست ہے؛ بشرطیکہ وہاں کم از کم چالیس ایسے مرد حضرات رہائش پذیر ہوں کہ جن میں جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہوں۔

اور حنابلہ کے نزدیک شہر اور گاؤں کے قریب جنگل میں بھی جمعہ کی نماز قائم کرنا جائز ہے، مالکیہ کے نزدیک بھی جمعہ کی نماز شہر اور گاؤں میں قائم کرنا درست ہے، بشرطیکہ وہاں لوگ مستقل وطن بنا کر رہتے ہوں اور جو مقام مستقل آبادی نہ ہوں بلکہ عارضی خیموں وغیرہ کی شکل میں قائم ہوں مثلاً خیمہ بستی تو اس میں جمعہ کی نماز قائم کرنا جائز نہیں۔

بعض مشائخ فقہاء حنفیہ نے قریہ کبیرہ یعنی بڑے گاؤں کو بھی شہر کا درجہ دے کر اس میں نماز جمعہ کو جائز قرار دیا ہے، اسی طرح سے بعض مشائخ حنفیہ کے نزدیک جمعہ کی نماز جائز ہونے کے اعتبار سے گویا کہ شہر کی دو قسمیں ہیں ایک حقیقی دوسرے حکمی۔

نماز جمعہ قائم کرنے کے اعتبار سے حنفیہ کے نزدیک مصر یعنی شہر کون سی آبادی کہلاتی ہے جہاں کہ جمعہ جائز ہے تو اس بارے میں حنفیہ کے کئی اقوال ہیں:

ایک قول کے مطابق جس آبادی میں دین ودنیا کے مختلف شعبوں کے لوگ آباد ہوں وہاں نماز جمعہ جائز ہے۔

دوسرے قول کے مطابق جس آبادی کے لوگ اپنی قوت اور شوکت کے لحاظ سے اپنے دشمنوں کی مدافعت پر قادر ہوں وہاں نماز جمعہ جائز ہے۔

تیسرے قول کے مطابق جس آبادی کا رقبہ اتنا ہو کہ جتنے رقبہ میں نبی ﷺ نے جمعہ قائم فرمایا (جیسا کہ ابتدائی نبوی دور کا مدینہ شہر) وہاں نماز جمعہ قائم کرنا جائز ہے۔

چوتھے قول کے مطابق جس آبادی کے لوگ اپنی عرف وعادت میں شہر سمجھیں وہاں نماز جمعہ جائز ہے۔

پانچویں قول کے مطابق جس جگہ جمعہ کی نماز کے مکلّف لوگ اتنی تعداد میں آباد ہوں کہ وہ سب وہاں کی بڑی مسجد میں سما نہ سکیں وہاں نماز جمعہ جائز ہے، آخری زمانہ کے بعض مشائخ حنفیہ کا اسی پر فتوی ہے۔

چھٹے قول کے مطابق جس آبادی میں مختلف قبیلے وجماعتیں آباد ہوں اور بازار اور گلیاں محلے ہوں وہاں نماز جمعہ جائز ہے۔

ساتویں قول کے مطابق جس مقام کی آبادی دس ہزار لوگوں کے لگ بھگ ہو وہاں نماز جمعہ جائز ہے۔

آٹھویں قول کے مطابق جس آبادی میں قاضی وحاکم ہو جو اسلامی سزاؤں کو قائم ونافذ کرتا ہو یا اس کی قدرت رکھتا ہو وہاں نماز جمعہ جائز ہے۔

اور اس آخری قول کو حنفیہ کا ظاہر مذہب یا ظاہر الروایۃ قرار دیا گیا ہے۔

لوگوں کی طرف سے دین کے احکام میں سستی اور غفلت اور جمعہ کی اہمیت اور اسکے ساتھ مسلمانوں کی دینی وابستگی کے پیش نظر بہت سے متاخرین حنفیہ کا فتوی اس پر ہے کہ جس جگہ جمعہ کی نماز کے مکلّف لوگ اتنی تعداد میں آباد ہوں کہ وہ سب وہاں کی بڑی مسجد میں نہ سما سکیں وہاں جمعہ کی نماز قائم کرنا جائز ہے خواہ وہ قریہ یا گاؤں ہی کیوں نہ ہو۔

پس اگر مذکورہ نوعیت والے مقام پر نماز جمعہ کو قائم کیا جائے تو بعض حنفیہ کے مطابق وہاں جمعہ کی نماز درست اور ادا ہو جاتی ہے اور بعض حنفیہ کی تصریح ہے کہ یہ تعریف بہت سے گاؤں پر بھی صادق آتی ہے۔

کفایت المفتی میں ہے: ''یہ صحیح ہے کہ حنفیہ کا مذہب یہی ہے کہ نماز جمعہ کے لئے مصر شرط ہے، گاؤں میں نماز جمعہ نہیں ہوتی، لیکن مصر کی تعریف میں جو تدریجی تنزل فقہاء ومشائخ حنفیہ کرتے رہے ہیں وہ بھی ہمارے سامنے ہے، پہلے ظاہر روایت کی بنا پر مصر کی تعریف یہ تھی کہ مصر وہ مقام ہے کہ جہاں امیر اسلام ہو اور حدود شرعیہ کی تنفیذ اور احکام اسلام کا اجراء ہو، ظاہر ہے کہ اگر اس تعریف کا اعتبار کیا جائے تو آج ہندوستان کے کسی بڑے سے بڑے شہر میں جمعہ جائز نہیں، کیونکہ اس

تعریف کے بموجب کوئی شہر مصر نہیں ،اس لئے فقہائے کرام نے امام ابو یوسفؒ کی دوسری تعریف:"**مالایسع أکبر مساجده أهله المکلفین بها**" کومعتبر اور معمول اور مفتی بہ بنالیا اور فقہاء کا خود اقرار ہے کہ یہ تعریف بہت سے قری پر صادق آتی ہے،"**ویصدق علی کثیر من القری**"(ردالمحتار)، پس اگر مسئول عنہ موضع پر یہ تعریف صادق آتی ہو کہ اس میں کم از کم دو مسجدیں ہوں اور ان میں سے بڑی مسجد میں موضع کے مکلفین بالجمعہ نہ سما سکیں تو اس میں مذہب حنفی مفتی بہ کے موافق نماز جمعہ جائز ہے ہمارے فقہاء حنفیہ نے اقامت جمع کو اس قدر اہم لکھا ہے کہ ظاہر روایت کی تمام شرائط کا گلا گھونٹ کے ان کو کالعدم بنادیا، شرطیت مصر یقیناً متفق علیہ ہے، یعنی متون اس پر متفق ہیں، لیکن مصر کی تعریف ظاہر الروایہ میں یہ تھی کہ وہاں امیر وقاضی ہو جو تنفیذ احکام واقامت حدود کرتا ہو، لیکن اسلامی زمانہ میں ہی تنفیذ احکام واقامت حدود سستی واقع ہوئی تو انہوں نے یہ دیکھ کر جمعہ بند ہوجائے گا فورا"**ینفذویقیم**" کی جگہ "**یقدر علی التنفیذ والإقامة**"کردیا اور جب بلاد اسلامیہ پر کفار کی حکومت ہوگئی تو انہوں نے "**بلاد علیها ولاة کفار یجوز للمسلمین إقامة الجمع والأعیاد فیها**" کہہ دیا یعنی ظاہر روایت کی تعریف کے بموجب وہاں مصریت باطل ہوجانے کے بعد بھی جمعہ قائم رکھا، اسی طرح سلطان کی قید وشرط کا گلا گھونٹ دیا اور سب سے آخر میں "**مالایسع اکبر مساجد اهله**"کہہ کر اور بلاد محکومۃ کفار میں اجازت دے کر دونوں شرطوں کو عملا باطل کردیا، اس کے علاوہ شرطیت مصر وجوب جمعہ کے لئے تو صحیح، لیکن جواز کے لئے بھی ہو یہ میں نہیں سمجھ سکا۔

جس قصبہ میں تین مسجدیں ہوں اور بڑی مسجد میں وہاں کے مکلّف بالجمعہ اشخاص نہ سما سکیں تو وہاں جمعہ پڑھا جائے۔

اس بستی میں بھی جمعہ پڑھنا جائز ہے حنفیہ کے مذہب میں بھی اس کی گنجائش ہے، کیونکہ حد مصر میں "**مالایسع اکبر مساجده**" پر بہت سے فقہاء احناف نے فتوی دیا ہوا ہے۔

جس جگہ کم از کم دو مسجدیں ہوں اور ان میں سے بڑی مسجد میں وہاں کے مسلمان مکلّف بالجمعۃ نہ سما سکیں وہ شہر کا حکم رکھتی ہے۔

اور بعض اہل علم حضرات کے نزدیک موجودہ دور میں لوگوں کے دین کی حفاظت کے لئے اس تعریف کے مطابق جمعہ کے جواز کی گنجائش دی جانی چاہئے اور ایسے مقام پر قائم ہونے والی نماز جمعہ کو بعض حنفی اہل علم حضرات کا باطل اور ظہر کے فریضہ کا تارک قرار دینا اور اس میں تشدد اور سختی اختیار کرنا ہمارے نزدیک راجح نہیں ہے، اور اہل علم حضرات کو انتہائی سنجیدگی اور اعتدال پسندی اور حالات کی نزاکت کے پیش نظر اس پر غور کرنا اور ممکن حد تک گنجائش کا راستہ نکالنا ہمارے نزدیک وقت

کی اہم ترین ضرورت ہے، اگر چہ بعض دوسرے حضرات اس کو ضرورت نہ سمجھیں۔

لہذا ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ فقہائے احناف اس مسئلہ پر فقہ کی قدیم کتابوں میں درج مباحث پر نظر ثانی کریں، آج کل مسلم عوام کی اکثریت اپنے دین سے بے بہرہ ہے، وہ پنج وقتہ نمازوں کا اہتمام نہیں کرتے، وہ صرف جمعہ کی نماز پڑھ کر اسلام سے اپنی وابستگی کا اظہار کرتے ہیں، اگر گاؤں میں نماز جمعہ کی اجازت نہ دی جائے تو انہیں توفیق نہ ہوگی کہ قریب کے قصبے یا شہر میں جہاں نماز جمعہ ہوتی ہو، جا کر اسے ادا کرنے کی کوشش کریں، ان حالات میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بستی بستی قریہ قریہ نماز جمعہ کا اہتمام کیا جائے اور اس موقع پر دین کی بنیادی باتیں بتانے کی بھی کوشش کی جائے اس طرح اسلام سے عوام کی وابستگی میں اضافہ ہوگا۔

☆☆☆

جمعہ کے لیے مصر ہونے کی شرط

(موجودہ حالات کے پس منظر میں)

مولانا محمد شاکر نثار مدنی اعظمی☆

تمہید:

جمعہ کی نماز کے لیے دیگر نمازوں کے بالمقابل کچھ مزید شرائط بھی ہیں، جن میں سے احناف کے نزدیک ایک اہم شرط مصر یا مصریت کا پایا جانا ہے؛ اس لیے کہ عبد الرزاق صنعانی (۱۲۶ھ- ۲۱۱ھ) اور ابو بکر بن ابی شیبۃ عبسی کوفی (۱۵۹ھ- ۲۳۵ھ) نے حضرت علیؓ (ت:۴۰ھ) سے موقوفاً روایت کیا ہے: "**لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع**" (مصنف ابن ابی شیبہ:۱/۴۳۹، الرقم:۵۰۵۹، مصنف عبد الرزاق:۳/۱۶۷، الرقم:۵۷۵)۔

مصر کی تعریف: فقہاء احناف کے مابین مصر یا مصریت کی تعریف میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے؛ چنانچہ مشہور محدث وفقیہ علامہ بدر الدین عینی (ت:۸۵۵ھ) صحیح بخاری کی معرکۃ الآراء شرح عمدۃ القاری میں رقم طراز ہیں:

"**اختلف أصحابنا في المصر الذي تجوز فيه الجمعة**" (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری: الجمعۃ فی القری والمدن: ۶/۱۸۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت)۔

اس لیے ذیل میں اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے سوالات کو سامنے رکھتے ہوئے پہلے فقہاء احناف کی بعض عبارتوں کو نقل کر کے موجودہ صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے مصر کی تعریف متعین کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

۱- علامہ ابو بکر علاء الدین بن مسعود کاسانی رحمہ اللہ (ت:۵۸۷ھ) امام ابو حنیفہ (۱۵۰ھ) علیہ الرحمہ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں: "**روي عن أبي حنيفة أنه بلدة كبيرة ، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمه وعلمه أو علم غيره ، والناس يرجعون إليه في الحوادث**" (بدائع الصنائع، شرائط الجمعۃ ۱/۵۸۴)۔

☆ مفتی مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم، سرائے میر، اعظم گڑھ یوپی۔

یعنی امام ابوحنیفہؒ سے مصر کی یہ تعریف منقول ہے کہ مصر ہر ایسے بڑے شہر کو کہتے ہیں جس میں گلیاں، بازار اور محلے ہوں، جہاں ایسا حاکم ہو جو اپنی قوت اور اپنے علم یا دوسروں سے معلوم کر کے مظلومین کو ظالموں سے بدلہ دلا سکے، اور عوام پیش آمدہ مسائل میں اس کی طرف رجوع کرتے ہوں۔

(۲) اسی طرح علامہ بدرالدین عینی (ت: ۸۵۵ھ) امام ابو یوسف (ت: ۱۸۲ھ) رحمۃ اللہ علیہ کی رائے نقل کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں: ''**فعن عن أبي يوسف: هو كل موضع يكون فيها كل متحرف، ويوجد فيه جميع ما يحتاج إليه الناس من معايشهم عادةً، وبه قاضٍ يقيم الحدود**'' (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری: الجمعۃ فی القری والمدن: ۶/ ۱۸۷، داراحیاء التراث العربی، بیروت)۔

یعنی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مصر ہر اس جگہ کو کہیں گے جہاں ہر صنعت وحرفت کے جاننے والے موجود ہوں، اور انسانی ضروریات کی اشیاء میسر ہوں، اسی کے ساتھ شرعی حدود کو نافذ کرنے کی قدرت رکھنے والا قاضی بھی موجود ہو۔

(۳) آگے چل کر امام محمدؒ کا قول نقل کرتے ہیں: ''**(هو) موضع مصّره الإمام فهو مصر؛ حتى أنه لو بعث إلى قرية نائبًا لإقامة الحدود والقصاص تصير مصرًا، فإذا عزله ودعاه يلحق بالقرى**'' (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری: الجمعۃ فی القری والمدن: ۶/ ۱۸۷، داراحیاء التراث العربی، بیروت)۔

یعنی امیر جس کو شہر بنادے وہ شہر ہوگا؛ چنانچہ اگر کسی گاوں میں حدود وقصاص کو نافذ کرنے کے لیے اپنا نائب بھیج دے تو وہ شہر ہو جائے گا، اور جب معزول کر کے واپس بلالے تو پھر گاوں ہو جائے گا۔

اسی طرح علامہ عینیؒ نے متعدد اقوال کو بلانسبت کے ذکر فرمایا ہے، اسے بھی ملاحظہ فرمائیں۔

(۴) ''**وقيل: إذا بلغ سكانه عشرة آلاف**'' یعنی اگر کسی گاوں کے باشندوں کی تعداد دس ہزار ہو جائے تو وہ مصر کے حکم میں ہوگا۔

(۵) ''**وقيل: أن لو اجتمعوا إلى أكبر مساجدهم لم يسعهم**'' یعنی قریہ کبیرہ وہ جگہ ہے جہاں کے لوگ اگر وہاں کی بڑی مسجد میں جمع ہوں تو مسجد ان کے لیے ناکافی ہو۔

(۶) ''**وقيل: أن يكون بحال يعيش كل متحرف بحرفته من سنة إلى سنة من غير أن يشتغل بحرفة أخرى**'' یعنی قریہ کبیرہ وہ جگہ ہے جہاں آبادی کا محل وقوع اس طور پر ہو کہ ایک پیشہ ور انسان دوسرے پیشے کو اختیار کیے بغیر اپنے پیشے سے ایک سال تک زندگی گزار سکے (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری: الجمعۃ فی القری والمدن: ۶/ ۱۸۷، داراحیاء التراث العربی، بیروت)۔

راجح کی تعیین:

علامہ سمرقندی (ت: ۳۷۵ھ)، علامہ کاسانی (ت: ۵۸۷ھ)، علامہ شامی (۱۲۵۲ھ)، حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی (ت: ۱۳۷۲ھ) اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیری (۱۳۵۲ھ) وغیرہ رحمہم اللہ نے امام صاحب علیہ الرحمۃ سے مروی مصر کی تعریف "أنه بلدة كبيرة ، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم بحكمه وعلمه أو علم غيره، والناس يرجعون إليه في الحوادث" کو راجح قرار دیا ہے (دیکھیے: تحفۃ الفقہاء للسمرقندی، شرائط الجمعۃ: ۱/ ۱۶۲، بدائع الصنائع للکاسانی، شرائط الجمعۃ: ۱/ ۱۸۵، کفایت المفتی: ۳/ ۲۰۴، فیض الباری: ۲/ ۴۲۴)۔

جبکہ علامہ علاء الدین حصکفی (ت: ۱۰۸۸ھ) اور علامہ ولوالجی (ت: بعد: ۵۴۰ھ) و دیگر متاخرین احناف نے مصر کی یہ تعریف: "ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها" و ترجیح دی ہے۔

چنانچہ علامہ حصکفیؒ درمختار میں تحریر فرماتے ہیں: "وعليه فتوى أكثر الفقهاء لظهور التواني في الأحكام"۔

اس کی شرح میں علامہ شامیؒ رقم طراز ہیں: "وعليه مشى في الوقاية ومتن المختار وشرحه، وقدمه في متن الدرر على القول الآخر، وظاهره ترجيحه، وأيّده صدر الشريعة بقوله: لظهور التواني في أحكام الشرع؛ سيما في إقامة الحدود في الأمصار" (ردالمحتار، باب الجمعۃ: ۳/ ۵)۔

مصر کی مذکورہ تعریف "ما لا يسع أكبر مساجده" پر اعتراض:

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ (ت: ۱۳۴۷ھ) "عزیز الفتاوی" میں تحریر فرماتے ہیں: مصر کی یہ تعریف: "وهو ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها" منقوض ہے، صحیح یہ ہے کہ عرفاً وہ بستی شہر یا قصبہ کہلائے جانے کی مستحق ہو، اور قریہ کبیرہ جو مثل قصبہ کے ہو اور ضروریات مردماں وہاں ملتی ہوں وہ بھی بحکم مصر ہے، شامی میں ہے: "وتقع فرضا في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق إلى أن قال: وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لا يجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب الخ، شامي في باب العيدين من الدرالمختار عن القنية: صلاة العيد في القرى تكره تحريما، أي: لأنه استعمال بما لا يصح؛ لأن المصر شرط الصحة، الدر المختار"، شامی میں ہے: "ومثله الجمعة"، پس معلوم ہوا کہ قریہ صغیرہ میں جمعہ درست نہیں ہے؛ حالانکہ تعریف "ما لا يسع أكبر مساجده الخ" بہت سے قریوں پر صادق آتی ہے، اسی لئے علامہ شامی نے اس تعریف کے ذیل میں

نقل فرمایا ہے: ''**قوله: وما لا يسع هذا يصدق على كثير من القرىٰ الخ**'' اوراس تعریف پر یہ بھی نقض کیا گیا ہے کہ حرمین شریفین کی مسجد حرام اور مسجد نبوی اس تعریف سے خارج ہوجاتی ہیں، کیوں کہ وہاں ''**ما لا يسع**'' صادق نہیں آتا؛ بلکہ ان مساجد میں وہاں کے رہنے والوں سے بہت زیادہ وسعت ہے (کذا في شرح المنیۃ، عزیز الفتاوی، ص:۲۹۱)۔

موجودہ حالات میں مصر کی تعریف:

مصر کی تعریف کے حوالہ سے فقہاء کرام کی مذکورہ بالا تعریف سے مجموعی طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اکثریت نے ضروریات زندگی کو ملحوظ رکھا ہے؛ اس لیے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ جس بستی میں ضروریات زندگی بآسانی پوری ہوجاتی ہوں وہاں جمعہ کا قیام جائز ہوگا؛ البتہ ضروریات زندگی عموماً انہیں بستیوں میں بآسانی پوری ہوتی ہیں جنہیں قریہ کبیرہ کہا جاتا ہو، لیکن قریہ کبیرہ کی بالضبط تعیین مشکل ہے، اس لیے اسے عرف پر چھوڑ دینا چاہیے۔

قریہ کبیرہ وصغیرہ عرف پر مبنی:

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ (۱۳۵۲ھ) فرماتے ہیں: ''**القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لا تكاد تنضبط، وإن نص، ولذا ترك الفقهاء تعريف المصر على العرف، كما ذكره في البدائع**'' (فیض الباري علی شرح البخاري، الجمعۃ: ۲/ ۲۲۴)۔

اسی طرح مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ (ت: ۱۳۴۷ھ) ''عزیز الفتاوی'' میں ایک سوال کے جواب میں رقم طراز ہیں: ''یہ امر عرف پر چھوڑا گیا ہے کہ بڑا گاؤں کون سا ہے اور چھوٹا کونسا، پس جس کو اہل عرف بڑا گاؤں سمجھیں وہ بڑا ہے اور جس کو چھوٹا سمجھیں وہ چھوٹا ہے، محققین کی تحقیق یہ ہے کہ جو قریہ مثل چھوٹے قصبہ کے ہو مثلاً تین چار ہزار آدمی اس میں آباد ہوں وہ قریہ کبیرہ ہے اور جو اس سے کم ہو وہ چھوٹا ہے'' (ص:۲۸۷)۔

مفتی محمود حسن گنگوہیؒ (۱۴۱۷ھ) تحریر فرماتے ہیں: ''قریہ اور شہر کی تعریف میں عرف کے اعتبار سے تغیر ہوتا رہتا ہے؛ اس لیے کہ ماہیت کی تعریف تو مقصود نہیں ہے، آثار وعلامات کے اعتبار سے تعریف کی جاتی ہے جس سے دونوں میں فی الجملہ امتیاز قائم ہوجائے، آثار وعلامات کا تغیر یہی ہے مثلاً جس جگہ جمعہ کی اجازت ہو اس کے متعلق اس طرح علامات بتائی جائیں کہ وہاں گلی کوچے ہوں، محلے ہوں، ضروری پیشہ ور رہتے ہوں، ڈاکخانہ ہو، شفاخانہ ہو، یا حکیم یا ڈاکٹر ہو، نزاعات کا فیصلہ کرنے کے لیے سرکاری حاکم یا پنچایت ہو، بازار ہو، روزمرہ کی ضروریات ہمیشہ ملتی ہوں، ایسا نہ ہو کہ ہفتہ میں ایک دن بازار لگا، باہر سے دکاندار سامان لائے، ان سے ضروریات خرید لی گئیں وہ چلے گئے، بازار ختم ہوگیا، پھر ضروریات خریدنے

کے لیے دوسرے بازار کا انتظار کرنا پڑے، کم وبیش ڈھائی ہزار کی آبادی ہو، یہ تعریف حقیقی نہیں جس سے ادراک بالکُنہ حاصل ہو (دیکھیے فتاوی محمودیہ، باب الجمعہ: ۸/ ۶۶)۔

حضرت مولانا زکریا صاحبؒ (۱۴۰۲ھ) نے لامع (۲/ ۱۰) میں امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (ت: ۱۳۲۳ھ) علیہ الرحمہ کی الکوکب کے حوالے سے لکھا کہ: "**ليس هذا كله تحديدا له؛ بل إشارة إلى تعيينه وتقريب له إلى الأذهان، وحاصله إدارة الأمر على رأي أهل كل زمان في عدّهم المعمورة مصرا، فما هو مصر في عرفهم جازت الصلاة فيه، وما ليس بمصر لم يجز فيه؛ إلا أن يكون فناء المصر----- إلى آخر ما بسط من أقوال الفقهاء في ذلک، فارجع إليه لوشئت تفصيل كلام الشيخ قدس سره، ولا ريب أن مدار القرية الكبيرة التى يقال لها في لساننا قصبه على العرف**" مذکورہ عبارت میں حضرت شیخ نے دو چیزوں کی طرف نشاندہی فرمائی ہے۔

۱۔ گزشتہ اوراق میں مصر کی جو تعریف ذکر کی گئی وہ علی سبیل التحدید نہیں ہے؛ بلکہ اذہان کو اس سے قریب کرنے کیلئے ایک تمثیل ذکر کی گئی ہے۔

۲۔ قریہ کبیرہ وصغیرہ کی تعیین عرف وعادات پر چھوڑ دی گئی ہے۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے چار ہزار افراد پر مشتمل آبادی میں جمعہ کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں جمعہ کے جواز کا فتوی دیا ہے (دیکھیے: فتاوی عثمانی: ۱/ ۳۷۵)۔

اسی طرح ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ''حنفیہ کے نزدیک جمعہ صرف شہر، قصبے یا ایسے بڑے گاؤں میں ہوسکتا ہے جہاں ضروریات زندگی عام ملتی ہوں، بازار ہو، سڑکیں ہوں اور وہ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے شہر کے ساتھ مشابہ ہو، چھوٹے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں'' (دیکھیے: فتاوی عثمانی: ۱/ ۳۷۹)۔

نوٹ: مذکورہ بالا نقول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی گاؤں میں جمعہ کے قیام کے لیے تقریباً تین ہزار افراد کا ہونا ضروری ہے؛ البتہ اپنے اکابرین میں بعض حضرات اس سے کم آبادی والے گاؤں میں بھی جمعہ کے جواز کے قائل ہیں، ذیل میں اسے بھی ملاحظہ فرمائیں۔

چھوٹے گاؤں میں جمعہ:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (ت: ۱۱۷۶ھ) رحمہ اللہ نے ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں تحریر فرمایا ہے کہ جمعہ کیلئے قریہ جامعہ

شرط ہے،اورقریہ جامعہ وہ ہے جس میں پچاس آدمی ہوں؛ "لما كان حقيقة الجمعة إشاعة الدين في البلد وجب أن ينظر إلى تمدن وجماعة، والأصح عندي أنه يكفي أقل ما يقال فيه قرية، لما روى من طرق شتى يقوي بعضها بعضاً "خمسة لا جمعة عليهم" وعدّ منهم أهل البادية، قال النبى صلى الله عليه وسلم: "الجمعة على الخمسين رجلاً " أقول: الخمسون يتقرى بهم قرية، وقال النبى صلى الله عليه وسلم : "الجمعة واجبة على كل قرية" وأقل ما يقال فيه: جماعة لحديث الانفضاض، والظاهر أنهم لم يرجعوا والله أعلم، فإذا حصل ذلك وجبت الجمعة، ومن تخلف عنها فهو الآثم" (دیکھیے: حجۃ اللہ البالغۃ، باب الجمعہ ۲/۳۰)۔

معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کی تحقیق کے مطابق ایسے گاؤں میں جہاں پچاس افراد ہوں تو ان کے ذمہ جمعہ کی نماز پڑھنا ضروری ہے اور نہ پڑھنے کی وجہ سے وہ گناہ گار بھی ہوگا۔

حضرت مولانا عبدالعلی محمد فرنگی محلی (ت:۱۲۳۵ھ) رحمہ اللہ اپنی کتاب ''رسائل الارکان'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''كان مطلع الأسرار أبي قدس سره يفتي بأن المصر موضع يندفع حاجة الإنسان الضرورية من الأكل بأن يكون هناك من يبيع طعاما والكسوة الضرورية، وأن يكون هناك أهل حرف يحتاج إليهم كثيرا، ولا أدري أهذا كله كان عن اجتهاده قدس سره أو وجد رواية. والله أعلم" (رسائل الأرکان، ص:۳۳۰، بیروت)۔

یعنی گرامی قدر والد صاحب رحمہ اللہ کی رائے یہ تھی کہ نماز جمعہ ہر اس جگہ صحیح ہے جہاں پر انسانوں کی بنیادی ضروریات خواہ کھانے پینے کی ہوں یا کپڑے وغیرہ کی پوری ہوسکیں، اور وہاں ضروری پیشہ ور موجود ہوں، آگے لکھتے ہیں: معلوم نہیں یہ والد صاحب کا اپنا اجتہاد تھا یا فقہاء کی کسی نقل کی روشنی میں تھا۔

مفتی کفایت اللہ صاحب (ت:۱۳۷۲ھ) علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: ''ایسا قریہ جس پر مصر کی کوئی تعریف بھی صادق آجائے، مثلا "ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها" اس میں اقامت جمعہ جائز ہے، اگر کوئی تعریف بھی صادق نہ آئے جب بھی اس مسئلے میں حنفیہ کیلئے مصالح عامہ اسلامیہ کے لحاظ سے شوافع کے مسلک پر عمل کر لینا جائز ہے'' (دیکھیے: کفایت المفتی: ۳/۲۱۷)۔

جمہور کے خلاف رائے پر نقد:

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی جو کچھ تحقیق جمعہ کے بارے میں

ہے اس میں کوئی خفا اور استعجاب نہیں، اکابر کے کلام میں ایسے مضامین بیشتر ہوتے ہیں، دیہات میں جمعہ کا نہ ہونا یہ بھی امر مسلم ہے، جس کو شاہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے، پھر اپنی تحقیق سے جس قریہ کو انھوں نے ''جامعہ'' خیال فرمایا اس میں حکم جمعہ کا ارقام فرمایا، اس میں شک نہیں کہ قریہ جامعہ میں سب کے نزدیک جمعہ کا ادا ہونا مسلم ہے، امام ابوحنیفہؒ بھی قریہ جامعہ میں حکم جمعہ کا فرماتے ہیں؛ باقی یہ امر اور تحقیق ثانی ہے کہ قریہ جامعہ کو کس کو کہا جائے گا، امام صاحب ''امصار وقصبات وقری کبیرہ کو جن میں ضروریات انسانیہ کا بہم پہنچانا سہل ہو، بازار دوکانیں وہاں ہوں، حکام کی قیام گاہ ہو'' قریہ جامعہ فرماتے ہیں، اور اس میں حکم جمعہ فرماتے ہیں اور قریہ صغیرہ کو جس میں اوصاف مذکورہ موجود نہ ہوں محل جمعہ قرار نہیں دیتے۔

بخاری کی حدیث جس میں اہل قریہ کا مدینہ شریف میں نوبت بنوبت جمعہ کیلئے آنا ثابت ہے وہ قوی دلیل ہے، اس پر کہ اہل قری پر جمعہ واجب نہیں؛ ورنہ سب کا آنا ضروری ہوتا، نوبت بنوبت آنا کیسے جائز ہوسکتا تھا، اور یہ بھی مسلم ہے کہ خود ان قری میں جمعہ نہ ہوتا تھا جو یہ خیال کیا جائے کہ جو صحابہ مدینہ شریف میں نہ آئے، وہ وہاں جمعہ پڑھ لیتے ہوں گے، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اتنی بات میں تو متفق ہیں کہ قریہ جامعہ جمعہ کیلئے ضروری ہے؛ باقی یہ ان کی تحقیق ہے کہ جس قریہ میں پچاس آدمی ہوں اس کو وہ قریہ جامعہ خیال فرماتے ہیں اور دیگر ائمہ مثل امام مالک وامام شافعی کی تحقیق کو اس بارے میں اختیار فرماتے ہیں، ہر محقق امت کی ایک تحقیق ہے جو اس کو مختار وپسندیدہ ہے، دوسروں پر اس کا کچھ التزام نہیں، مجتہدین امت کی تحقیقات کو اگر ملاحظہ کیا جائے تو بہت مواقع میں ایسے امور نظر آتے ہیں جن میں بظاہر ان کا کلام متعارض معلوم ہوتا ہے؛ مگر درحقیقت تعارض نہیں، ہر ایک تحقیق کا محل ومنشاء دوسرا ہے، حضرت شاہ صاحب بھی انھیں محققین ومرجحین میں سے ہیں کہ ان کی تحقیق کا مرتبہ جدا اور ممتاز ہے، عام آدمیوں کو ان کی تحقیقات کا احصار کیسے ہوسکتا ہے کہ خواص بھی اس میدان میں حیران ہوتے ہیں؛ پس اس قصہ سے قطع نظر کیجئے کہ ان اکابرین کی تحقیق فلاں جگہ کیا ہے اور فلاں جگہ کیا ہے، اپنے مجتہد امام کی تقلید کرنی چاہئے کہ اس قسم کے خطرات سے امن رہے، امام ابوحنیفہ کا مسلک ومذہب دربارہ جمعہ معلوم ومحقق ہے، جس کو احقر نے بھی کچھ لکھ دیا ہے اور کتب فقہ میں مبین ومبرہن ہے؛ اس کو اختیار کرنا چاہئے اور باقی تحقیقات اپنی وسعت فہم وادراک سے باہر سمجھ کر اس سے اغماض وسکوت چاہئے (دیکھیے: عزیز الفتاوی: ۲۷۸)۔

بلا مجبوری جمہور کی رائے سے عدول جائز نہیں:

اگر کسی مسئلہ میں کسی مسلک کا محقق عالم ایسی رائے رکھتا ہو جو جمہور کی رائے سے الگ ہو تو عام مقلدین کے لیے جمہور کی رائے پر ہی عمل کرنا ضروری ہے؛ چنانچہ اس حوالہ سے مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی (ت: ۱۳۹۶ھ) علیہ الرحمہ تحریر

فرماتے ہیں: ''اگر بالفرض کسی حنفی المذہب عالم محقق کی تحقیق ان سب حضرات کے خلاف بھی واقع ہو کہ یہ شرط ضروری نہیں؛ تب بھی از روئے عقل ونقل حنفی المذہب مسلمان کا فرض یہی ہوگا کہ ان عالم محقق کی تحقیق کا احترام باقی رکھتے ہوئے ان کی طرف سے تاویل کریں اور عمل میں جمہور فقہاء کا اتباع کریں؛ کیونکہ یہی دستور امت کے سنجیدہ حضرات اہل سنت والجماعت کا ہے کہ اتباع ہمیشہ جمہور کی کی جاتی ہے اور اگر کسی بزرگ سے کوئی حکم ان کے خلاف ثابت بھی ہو؛ اس کی تاویل کی جاتی ہے اور تاویل بھی نہ ہو سکے تو سکوت کیا جاتا ہے، تمام علمائے امت کا سلفاً وخلفاً یہی معمول رہا ہے۔

صاحب فتح القدیر علامہ کمال بن ہمام (ت: ۸۶۱ھ) حنفیہ کے ایک نہایت محقق امام ہیں جن کی جلالت قدر سے کوئی حنفی یا غیر حنفی انکار نہیں کر سکتا؛ لیکن جب ان کی کوئی تحقیق جمہور حنفیہ کے خلاف واقع ہوئی تو کوئی حنفی ان کی اقتداء اس مسئلے میں نہیں کرتا ہے، اور اسی لئے زین الدین قاسم بن قطلو بغا (ت: ۸۷۹ھ) جو علامہ کمال بن ہمام کے شاگرد رشید ہیں فرماتے ہیں: "**تفردات شيخي غير مقبولة**" (شرح عقود رسم المفتی) مسلمہ امر ہے کہ تفردات ابن ہمام مقبول نہیں۔

صاحب ہدایہ (ت: ۵۹۳ھ) کو گرچہ اصحاب ترجیح میں شمار کیا گیا ہے؛ لیکن بہت سے مواضع میں ان کے قول کو تمام حنفیہ نے بوجہ مخالفت جمہور ترک کر دیا ہے (دیکھیے: جواہر الفقہ، گاؤں میں جمعہ کے احکام: ص: ۱۱۵)۔

۲- مذکورہ بالا گفتگو سے یہ بات الم نشرح ہو چکی ہے کہ جمہور احناف کے قریہ صغیرہ میں جمعہ کا قیام جائز نہیں، اگر جمعہ قائم کیا گیا تو فریضہ ظہر ذمہ میں باقی رہے گا؛ چنانچہ صاحب فتاوی رحیمیہ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ''ہر چیز کے کچھ اصول وقواعد ہوتے ہیں، ان اصول وقواعد کے موافق عمل کیا جائے تب ہی وہ عمل صحیح ہوتا ہے ورنہ صحیح اور قابل قبول نہیں ہوتا ..... اسی طرح نماز جمعہ کی صحت کے لیے شہر یا قصبہ ہونا شرط ہے؛ اس لیے چھوٹے گاؤں میں جمعہ اور عیدین جیسی اہم عبادت جو شعائر اسلام میں سے ہیں ادا نہیں کی جاسکتی، دیکھیے میدان عرفات شہر میں داخل نہیں؛ اس لیے وہاں جمعہ کی نماز نہیں پڑھی جاتی؛ حالانکہ لاکھوں حجاج ہوتے ہیں وہ سب ظہر پڑھتے ہیں، اسی طرح آپ کا گاؤں چھوٹا ہے، شہر یا قصبہ نہیں ہے؛ اس لیے جمعہ یا عید کی نماز ادا نہیں کی جاسکتی، جو لوگ بے نمازی ہیں ان پر محنت کی جائے اور نماز کی اہمیت ان کے اندر پیدا کی جائے تو ان شاء اللہ ظہر کی نماز بھی پڑھنا شروع کر دیں گے، فقط واللہ اعلم بالصواب'' (دیکھیے فتاوی رحیمیہ، کتاب الجمعہ: ۶/ ۹۴)۔

علامہ حصکفی درمختار میں تحریر فرماتے ہیں: ''**صلاة العيد في القرى تكره تحريماً، أي: لأنه اشتغال بما لا يصح ؛ لأن المصر شرط الصحة**''۔ علامہ شامیؒ شرح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: "**قوله: ما لا يصح، أي: على أنه عيد وإلا فهو نفل مكروه لأدائه بالجماعة**'' (ردالمحتار: باب العیدین ۱/ ۷۷۵)۔

۳- اوپر گزر چکا کہ جمعہ کے قیام کے لیے مصر یا قریہ کبیرہ ہونا ضروری ہے؛ نیز شرائط میں کہیں وعظ ونصیحت کو معیار قرار نہیں دیا گیا ہے؛ اس لیے چھوٹے گاؤں میں وعظ ونصیحت کو بنیاد بنا کر جمعہ قائم کرنا جائز نہیں؛ چنانچہ حضرت مولانا ومفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: امام اعظم ابوحنیفہ کے مذہب پر نماز جمعہ شہروں اور قصبات ہی میں ادا ہوسکتی ہے اور ایسے بڑے گاؤں جو مثل قصبات کے ہوں ان میں بھی جائز ہے؛ جیسا کہ علامہ شامی نے تصریح فرمائی ہے، اس کے علاوہ چھوٹے گاؤں میں جمعہ ہرگز جائز نہیں اور کسی کا یہ کہنا بالکل صحیح نہیں کہ لوگ اس بہانے سے نماز پڑھ لیتے ہیں، مسلمان تو احکام شرعیہ کے مامور ہیں، حدود مذہب کے اندر لوگوں کو نماز کیلئے جمع کرنا چاہئے اور اگر وہ کسی ایسی صورت میں جمع ہوں جو شرعاً جائز نہ ہو تو ایسے اجتماع ہی سے کیا فائدہ ہے؟ جب نماز جمعہ چھوٹے گاؤں میں ادا نہیں ہوگی تو پھر ایسی نماز کے لئے اگر جمع بھی ہو گئے اور پڑھ بھی لی تو کیا فائدہ؟ اس لئے مسلمانوں کو فتوے پر عمل کرنا چاہئے، جس کی قسمت میں نماز اور عبادت لکھی ہے اور جس کو خدا کا خوف ہے وہ پھر بھی پڑھے گا اور جو بدقسمت نہ پڑھے تو اس کی فکر کسی کے ذمے نہیں وہ اپنی قبر کا خود سامان کرے گا (دیکھیے: امداد المفتین، ص: ۳۱۵، جواہر الفقہ، ص: ۱۱۳)۔

حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی (دار العلوم دیوبند) سے احقر نے اس حوالہ سے استفسار کیا تو حضرت نے فرمایا کہ وعظ ونصیحت کوئی معیار نہیں اور یہ بھی کوئی حجت نہیں کہ کم از کم اس بہانہ ہفتہ میں ایک دن نماز پڑھ لیں گے، دوران گفتگو مزید فرمایا کہ ائمہ جمعہ اور علاقہ کے علماء کی ذمہ داری ہے کہ اپنی تقریروں میں نماز کی اہمیت وغیرہ کو بیان کریں؛ تاکہ صرف جمعہ وعیدین تک محدود نہ رہیں؛ بلکہ نماز پنجگانہ کے پابند بنیں؛ اس لیے چھوٹے گاؤں میں نیا جمعہ قائم نہ کریں؛ ہاں جہاں پہلے سے قائم ہے وہاں قائم رہنے دیں؛ ورنہ بند کرانے کی صورت میں فتنہ وفساد ہوگا جس سے بچنا ضروری ہے۔

☆☆☆

موجودہ حالات میں جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط

مفتی محمد اسجد دیولوی ☆

احادیث صحیحہ میں یوم جمعہ ونماز جمعہ کے متعلق کثرت سے واردشدہ فضائل اور ترک جمعہ کے متعلق وعیدوں کے پیش نظر شرعی اعتبار سے جمعہ کی اہمیت معروف ومسلّم ہے ،اسی وجہ سے مسلمان ادا ءصلوۃ جمعہ کا خاص اہتمام کرتے ہیں، بالخصوص عوام کے درمیان اس کی ادائیگی کا بڑا اہتمام ہے، اسی اہمیت کے پیش نظر نماز جمعہ کے متعلق مذاہب اربعہ میں عام نمازوں سے زائد شرائط مذکور ہیں، جیسا کہ مالکیہ کے نزدیک جس دیہات میں لوگوں کے مکانات پختہ بنے ہوئے ہوں اور مسجد اور بازار ہو، وہاں جمعہ کی نماز ادا کرنا جائز ہے، اس کے علاوہ کسی مقام پر کتنے زیادہ خیمے لگے ہوئے ہوں، لیکن مکانات پختہ نہ ہوں، وہاں جمعہ کی نماز واجب نہ ہوگی۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہر وہ جگہ جہاں چالیس آزاد، بالغ، مقیم ہوں، اور وہ لوگ صرف ضرورت کے وقت ہی وہاں سے کوچ کرتے ہوں، اور ان کے مکانات ایک ساتھ ہوں تو وہاں کے باشندوں پر جمعہ کی نماز واجب ہوگی، اور اس جگہ جمعہ کی نماز ادا کرنا بھی صحیح ہوگا، اور اگر مکانات علیحدہ ہوں گے تو وہاں جمعہ ادا کرنا درست نہ ہوگا۔

فقہاء احناف نے وجوب جمعہ کے لئے مصر جامع کو شرط قرار دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک وجوب جمعہ کے لئے مصر جامع کا ہونا شرط ہے ؛جب کہ غیر احناف کے نزدیک مصر کا ہونا شرط نہیں ہے، بلکہ ان کے نزدیک اہل بادیہ پر بھی جمعہ کی نماز واجب ہوتی ہے، اور دیہات میں جمعہ ادا کرنا درست ہے، البتہ دیگر شرائط کی رعایت ان کے نزدیک بھی لازم ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ للدکتور وہبہ الزحیلی)۔

صحت جمعہ کے لئے مصر کی شرطیت کے متعلق احادیث:

عام دنوں میں نصف النہار کے بعد نماز ظہر ادا کی جاتی ہے، مگر روز جمعہ اسی ظہر کے قائم مقام بعض مقامات میں کچھ زائد شرائط کے اضافہ کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا، احادیث وروایات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز

☆ دارالافتاء والارشاد، جامعہ علوم القرآن، جمبوسر، گجرات۔

جمعہ ہر مسلمان پر واجب نہیں ہے، بلکہ اس کے وجوب کے لئے عاقل، بالغ ہونے کے علاوہ چند مزید شرائط بھی ہیں، اور ان شرائط کے مفقود ہونے کی صورت میں نماز جمعہ ذمہ میں واجب ہی نہیں ہوتی ہے، بلکہ اس کی جگہ نماز ظہر ادا کی جائے گی، متعدد احادیث شریفہ میں جمعہ کی نماز کے متعلق مختلف احکام و شرائط مذکور ہیں، فقہاء احناف نے ان ہی شرائط و قیودات سے استدلال کرتے ہوئے وجوب جمعہ کے لئے مصر جامع کو شرط قرار دیا ہے، جن میں سے چند احادیث درج ذیل ہیں:

''عَنْ عائِشَةَ؛ أنَّها قالَتْ: كانَ النّاسُ يَنْتابُونَ الجُمُعَةَ مِن مَنازِلِهِمْ مِنَ العَوالِي، فيَأتُونَ فِي العَباء، وُيصِيبُهُمُ الغُبارُ، فَتَخْرُجُ مِنهُمُ الرِّيحُ؛ فَأتى رَسُولَ اللهِ ﷺ إنْسانٌ مِنهُمْ وهُوَ عِنْدِي .فَقالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لَوْ أنَّكُمْ تَطَهَّرتُمْ لِيَوْمِكُمْ هَذا''(رواہ مسلم)۔

''قال أبو عبيد: ثم شهدت العيد مع عثمان بن عفان .فجاء، فصلى، ثم انصرف، فخطب . وقال: إنه قد اجتمع لكم فى يومكم هذا عيدان .فمن أحب من أهل العالية أن ينتظر الجمعة، فلينتظرها .ومن أحب أن يرجع، فقد أذنت له'' (موطاامام مالک)۔

''عن النبى صلى الله عليه وسلم قال : لا جمعة ، ولا تشريق ، ولا فطر ، ولا أضحى إلا فى مصر جامع {، قلت : غريب مرفوعا ، وإنما وجدناه موقوفا على على ، ورواه عبد الرزاق فى "مصنفه "أخبرنا معمر عن أبى إسحاق عن الحارث عن على ، قال : لا جمعة ، ولا تشريق ، إلا فى مصر جامع .انتهى ورواه ابن أبى شيبة فى "مصنفه "حدثنا عباد بن العوام عن حجاج عن أبى إسحاق عن الحارث عن على ، قال : لا جمعة ، ولا تشريق ، ولا صلاة فطر ، ولا أضحى ، إلا فى مصر جامع ، أو مدينة عظيمة انتهى .ورواه عبد الرزاق أيضا ، أنبأ الثورى عن زبيد اليامى به عن سعد بن عبيدة عن أبى عبد الرحمن السلمى عن على ، قال : لا تشريق ، ولا جمعة ، إلا فى مصر جامع انتهى .

وأخرجه البيهقى فى "المعرفة "عن شعبة عن ز بيد اليامى به ، قال : وكذلک رواه الثورى عن زبيد به ، وهذا إنما يروى عن على موقوفا ، فأما النبى صلى الله عليه وسلم فإنه لا يروى عنه فى ذلک شيء .انتهى كلامه''(نصب الرایہ)۔

''عن ابن عباس قال:إن أول جمعة جمعت فى الإسلام، بعد جمعة جمعت فى مسجد رسول الله –ﷺ– بالمدينة، لجمعة جمعت بجواثى:قرية من قرى البحرين .قال عثمان: قرية من قرى عبدالقيس''(رواہ ابوداود)۔

''قال: لأنه أول من جمع بنا فی هزم النبیت من حرة بنی بیاضة فی نقیع یقال له: نقیع الخضمات، قلت : کم أنتم یومئذ؟ قال:أربعون''(رواہ ابوداود)۔

مذکورہ روایات میں سے حدیث اول سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ صحت جمعہ کے لئے کسی خاص مقام (مصر) کا ہونا شرط ہے، اس وجہ سے کہ اگر مصر شرط نہ ہوتا تو دیہات کے رہنے والے اپنے دیہات کو چھوڑ کر مدینہ کیوں تشریف لاتے؟

اسی طرح دوسری روایت میں حضرت عثمان کا دیہاتی لوگوں کو اجازت دینا بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ دیہات و مکانات میں جمعہ کی نماز ادا کرنا درست نہیں ہے، ورنہ ان کو نماز جمعہ تک تشریف رکھنے کی اجازت کے کیا معنی؟ یہی کہہ دیا جاتا کہ دیہات میں مسجد محلّہ میں نماز ادا کر لی جائے۔

اسی طرح تیسری روایت تو اس کے متعلق صریح ہے کہ دیہات میں جمعہ کی نماز درست نہیں ہے، اور جہاں تک سند روایت کا تعلق ہے تو طریق جریر عن منصور ضعف سے خالی اور صحیح سند سے ثابت ہے، اور صحابی کا اس طرح خلاف قیاس بات کہنا سماع ہی پر دلالت کرتا ہے، الحاصل روایت مرفوع ہے اور ضعف سے خالی ہے۔

آخری دو روایت سے بظاہر دیہات میں اداء جمعہ کی اجازت معلوم ہوتی ہے، تو اس کے متعلق احناف کے جوابات میں سے ایک جواب یہ ہے کہ جواثی -ھزم النبیت مصر تھا یا متصل مصر ہونے کے سبب مصر میں داخل تھا۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہے کہ احناف کا صحت جمعہ کے لئے مصر کی شرط لگانا درست ہے۔

مصر کی تعریف:

احناف کے نزدیک من جملہ صحت شرائط جمعہ میں سے ایک شرط مصر جامع ہونا ہے؛ مگر مصر کی جامع و مانع تعریف احادیث نبی ﷺ اور اقوال صحابہ میں موجود نہیں ہے، اس وجہ سے وقت اور زمانہ کے پیش نظر کتب فقہ میں الفاظ و قیود کی تبدیلی کے ساتھ مصر کی متعدد تعریفات مذکور ہیں، البتہ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ فقہاء کرام نے اپنے وقت و زمان کے اعتبار سے مصر کی مختلف تعریفات بیان فرمائی ہیں، جمیع تعریفات مصر کی علامات ہوسکتی ہے، جامع و مانع تعریف نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ مصر کے مصداقات میں تغیر ہوتا رہتا ہے، اسی وجہ سے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک فتوی کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''جس قدر تعریفیں فقہاء نے کی ہیں سب کا مرجع و مآل یہی ہے کہ سب عنوانات مختلفہ ہیں معنون واحد کے اور اس سے زیادہ جامع مانع تعریف جس سے تحدید تام ہوجاوے امور غیر مقدرہ فی النص میں خود امام صاحب کے مسلک کے خلاف

ہے،لأ نہ زیادۃ فی الدین، باقی رہی ضرورت رفع نزاع سومثل دیگر غیر مقدرہ کے اس میں بھی تردد کے وقت اغلب رائے مبتلی بہ اور وقت تعارض آراء کے عدول ثقات کا قول معتمد ومعتبر ہوگا اور جس کو نزاع ہی مقصود ہو اس کیلئے تعریف جامع مانع بھی کافی نہیں'' (امداد الفتاویٰ جدید ۲/ ۵۹۸)۔

نیز علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بھی مصر کی تعریفات میں مدار عرف کو قرار دیا ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

''**واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التى لا تكاد تنضبط بحالٍ، وإن نص ولذا ترک الفقهاء تعريف المصر على العرف**'' (فیض الباری، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ فی القریٰ والمدن، مطبوعہ خضر دیوبند ۲/ ۳۲۹)۔

فقہاء احناف کی ذکر کردہ تعریفات کا ماحصل یہ ہے:

۱) امام ابوحنیفہؒ سے مصر کی یہ تعریف مروی ہے: ایسی بڑی بستی ہو جس میں گلیاں، کوچے اور بازار ہو، بوقت ضرورت لوگ اس کی طرف رجوع کر سکے، نیز جس میں امیر وقاضی ہو جو اسلامی قوانین اور حدود نافذ کرتے ہوں۔

۱) جس میں ضرورت کی اشیاء بسہولت دستیاب ہوں۔

۲) جس میں امیر وقاضی ہوں، جو اسلامی قوانین اور حدود نافذ کرتے ہوں۔

۳) جس کو عام لوگ شہر کہتے ہوں۔

۴) جس میں احکام شریعت اور حدود نافذ ہوتی ہوں۔

۵) امام ابو یوسفؒ سے مروی تعریف یہ ہے کہ جس کی بڑی مسجد میں مقامی لوگ جمع ہو جائیں تو مسجد ان کے لئے ناکافی ہو۔

مذکورہ تعریفات میں سے علامہ کاسانی وغیرہ نے تعریف اول جو امام صاحب سے مروی ہے راجح قرار دیا ہے، جبکہ متاخرین نے آخری تعریف جو امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے اس کو راجح قرار دیا ہے۔

ضرورت اور مصلحت کے پیش نظر ظاہر الروایت میں مذکور مصر کی تعریف سے عدول:

۱) صاحب متن معتبرہ علامہ محبوبیؒ نے تلخیص ہدایہ (وقایۃ الروایۃ فی مسائل الھدایۃ) میں مصر کی متعدد تعریفات میں سے صرف امام ابو یوسفؒ کی تعریف کو ذکر فرماتے ہوئے، اس کے راجح ہونے کی طرف اشارہ فرمایا، اس پر شارح وقایہ علامہ صدر الشریعہؒ تحریر فرماتے ہیں کہ علامہ محبوبیؒ نے اسلامی زمانہ میں تنفیذ احکام اور اقامت حدود میں سستی وغیرہ دینی امور میں پائے جانے والی سستی اور غفلت کے پیش نظر مصر کی مذکورہ تعریف کو ذکر فرمایا، اس پر علامہ عبدالحئی لکھنویؒ عمدۃ الرعایۃ

میں تحریر فرماتے ہیں کہ ظاہر الروایت میں مذکور مصر کی تعریف جو صاحب ہدایہ کے نزدیک راجح ہے اس کے باوجود علامہ محبوبیؒ نے اس کو لوگوں میں پائے جانے والی دینی امور کے متعلق سستی اور غفلت کے پیش نظر ترک کر دیا۔

"فی وقایةالروایة: شرط لأدائها المصر أو فناؤه وما لا یسع أکبر مساجده أهله وما اتصل به معدا للمصالح

فی شرح الوقایة :اختلفوا فی تفسیر المصر عند البعض:هو موضع له أمیر و قاض ینفذ الأحکام و یقیم الحدود وعند البعض هو موضع إذا اجتمع أهله فی أکبر مساجده لم یسعهم،فاختار المصنف هذا القول،فقال (وما لا یسع أکبر مساجده أهله مصر) إنما اختار هذا دون التفسیر الأول؛ لظهور التوانی فی أحکام الشرع لا سیما إقامة الحدود فی الأمصار.

فی عمدة الرعایة :دفع لما یقال إن المصنف ترک تفسیر الأول مع کونه ظاهر الروایة ومختار صاحب الهدایه حاصله إنما اختار التفسیر الثانی دون الأول لظهور الکسل فی إقامة الحدود وغیرها من الأحکام الشرعیة فی کثیر من الأمصار التی لا یشک أحد فی وجوب الجمعة بها" (عمدۃ الرعایۃ ۲/۳۱۹)۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں میں پائے جانے والی سستی کے سبب مصر کی تعریف میں تخفیف کرتے ہوئے ایسی تعریف کو راجح قرار دینا مناسب ہے، جس کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ مقامات پر نماز جمعہ ادا کی جا سکے۔

۲) یہ صحیح ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک وجوب جمعہ کے لئے مصر کو مشروط قرار دیا ہے؛ البتہ صحت جمعہ کے لئے مصر کا مشروط ہونا ایک مجتہد فیہ مسئلہ ہے، نیز مصر کی تعریفات بھی وقت، زمان کے اعتبار سے مختلف ہیں، اور اس میں تبدیلی فقہاء ومشائخ حنفیہ کرتے رہے ہیں، ابتداء میں ظاہر الروایت اور امام صاحب کی ذکر کردہ مصر کی تعریف کو راجح اور مفتیٰ بہ قرار دیا جاتا تھا، لیکن بعد میں اصحاب ترجیح نے لوگوں کی طرف سے دینی احکام میں سستی، غفلت اور جمعہ کی اہمیت اور اس کے ساتھ مسلمانوں کی دینی وابستگی کے پیش نظر امام صاحب کی ذکر کردہ مصر کی تعریف کو ترک کرتے ہوئے، امام ابو یوسفؒ کی ذکر کردہ مصر کی تعریف جس کی بڑی مسجد میں مقامی لوگ جمع ہو جائیں تو مسجد ان کے لئے ناکافی ہو، کو راجح اور مفتی بہ قرار دیا ہے، نیز علامہ شامیؒ نے خود اس کا اقرار کیا ہے کہ یہ تعریف بہت سے قریٰ پر بھی صادق آتی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر کی شرط وتعریف مجتہد فیہ امور میں سے ہے، جس سے عدول کی گنجائش ہونی چاہیے۔

۳) صحت جمعہ کے لئے فقہاء احناف کی ذکر کردہ شرط مصر جامع ہونا کے پیش نظر متعدد دیہات میں جمعہ کی نماز ادا

کرنا درست نہ ہوگا، اس کے پیش نظر دیہات میں جمعہ کی اجازت نہ دی جائے تو بعض علاقہ میں عوام کا مسلمان ہونے کی شناخت بھی باقی نہ رہے گی؛ اس وجہ سے کہ بعض عوام کے مسلمان ہونے کی علامت ہی نماز جمعہ کی ادائیگی ہے، اور نماز جمعہ کی ادائیگی ہی کی غرض سے ان کا مسجد سے رشتہ باقی رہتا ہے، اگر ان دیہات میں جمعہ کی ادائیگی کی اجازت نہ دی جائے تو ان کا مسجد سے رشتہ ہی باقی نہ رہے، اور وعظ ونصیحت کے ذریعہ ان کی ذہن سازی اور دینی بیداری پیدا کرنے کا بھی کوئی موقع نہ رہے، بنابریں مصر کی تعریف سے عدول درست ہونا چاہیے۔

فقہاء کرام نے ضرورت، مصلحت اور فساد عوام کے سبب متعدد مسائل میں تغیر وتبدیلی فرمائی ہے، جس کے متعلق متعدد جزئیات کتب فقہ میں مذکور ہیں، لہٰذا ضرورت کے پیش نظر مصر کی تعریف میں تغیر ہونا چاہیے، جیسا کہ ہمارے اکابر فقہاء ومفتیان کرام نے تحریر فرمایا ہے، چنانچہ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے متعدد فتاویٰ میں دیہات میں نماز جمعہ کی ادائیگی کی اجازت دی ہے، حتی کہ مذہب حنفی کی رو سے جمعہ کی اجازت دینا ممکن نہ ہو تو مذہب غیر کی طرف عدول کو بھی رواں اور مناسب قرار دیا ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

''اس زمانہ کی ضروریات اس کی مقتضی ہیں کہ اگر حنفی مذہب کی رو سے کسی طرح بھی اجازت نہ نکلے تو دوسرے ائمہ کے مذہب پر ہی عمل کر کے دیہات میں اقامت جمعہ سے نہ روکا جائے اور قائم شدہ جمعہ کو بند کرنا تو بہت خطرناک چیز ہے، کم از کم میں اس کی جرأت نہیں کر سکتا اور ایک مجتہد فیہ مسئلے میں ترک ظہر کی بناء پر مسلمانوں کو فاسق یا گنہ گار کہنا امر عظیم ہے'' (کفایت المفتی: ۴/ ۵۲۳)۔

ان ہی وجوہات کے پیش نظر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے شرط مصر کے متعلق کافی حد تک توسع سے کام لیا ہے، آپ کی آراء درج ذیل ہیں:

مصر کی تعریف کے متعلق شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی رائے:

شاہ صاحبؒ نے ایسی بستی کو جس بستی میں پچاس (۵۰) آدمی رہتے ہوں، اور جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے وقت اتنے لوگ جمع ہو جائیں جن کو جماعت کہا جا سکے، مصر قرار دیتے ہوئے صحت جمعہ کی اجازت مرحت فرمائی ہے؛ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ حجۃ اللہ البالغہ میں شرائط جمعہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

امت محمدیہ ﷺ نے الفاظ کے ذریعہ نہیں بل کہ دلالت نصوص سے یہ بات اخذ کی ہے کہ جمعہ کے لئے تمدن اور جماعت شرط ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ، خلفاء راشدین اور ائمہ مجتہدین آبادیوں میں نماز ادا کیا کرتے تھے، اور صحرانشینوں

کواس کا مکلّف نہیں کیا کرتے تھے ، بلکہ ان کے عہد میں صحرانشین پر جمعہ قائم ہی نہیں کرتے تھے، پس اس تعامل سے امت نے قرناً بعدقرنٍ اورعصراًبعدعصرٍ یہ سمجھا کہ جمعہ کے لئے جماعت اورتمدن شرط ہے، بعدازاں تمدن اور جماعت کے متعلق تحریرفرماتے ہیں:

میرے نزدیک اصح بات یہ ہے کہ

ا) کم ازکم اتنی آبادی ہوجس کوقریہ کہا جاسکے، جس کی ادنی حدکی تعیین تین احادیث سے کی جاسکتی ہے، اگرچہ یہ احادیث فی نفسہ ضعیف ہیں، مگر باہم مل کرقوی ہوجاتی ہیں۔

(الف) آپ ﷺ نے فرمایا پانچ شخصوں پر جمعہ نہیں ہے: عورت، مسافر، غلام، بچہ اورصحرانشیں، (صحرانشین کا تذکرہ اس پردلالت کرتا ہے کہ مستقل آبادی کے باشندوں پر جمعہ کی نماز واجب ہے)۔

(ب) جمعہ پچاس آدمیوں پر ہے، (شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ پچاس کی تعداد سے بستی کاوجود ہوتا ہے)۔

(ج) جمعہ ہربستی پرواجب ہے۔

اورحضرت شاہ صاحب جماعت کے متعلق تحریرفرماتے ہیں:

اتنے لوگ نماز جمعہ میں ہونے چاہیے جن کو جماعت کہا جاسکے، (سورۂ جمعہ میں آیت گیارہ کی تفسیر میں جو واقعہ مذکور ہے، وہ اس کی دلیل ہے)۔

بہرحال جب اس درجہ کی آبادی اور جماعت حاصل ہوجائے، تو جمعہ فرض ہوجاتا ہے، اب جو پیچھے رہے گا وہ گنہ گار ہوگا۔

"وقد تلقت الأمة تلقيا معنويا من غير تلقى لفظ أنه يشْتَرط فِي الجُمُعَة الجَماعَة ونَوع من التمدن، وكانَ النبى ﷺ .وخلفاؤه .والأئِمَّة المجتهدون رَحِمهم الله تَعالى يجمعُونَ فِي البلدانِ، ولا يؤاخذون أهل البدو، بل ولا يُقام فِي عَهدهم فِي البدو، ففهموا من ذَلِک قرنا بعد قرن وعصرا بعد عصر أنه يشْتَرط لَها الجَماعَة والتمدن أقُول وذَلِکَ لِأنَّهُ لما كانَ حَقِيقَة الجُمُعَة إشاعَة الدّين فِي البَلَد وجب أن ينظر إلى تَمُدَّن وجَماعَة، والأصَح عِنْدِى أنه يَكْفِى أقل ما يُقال فِيهِ قَرْيَة، لما رُوِىَ من طرق شَتّى يُقَوى بَعْضها بَعْضًا خَمْسَة لا جُمُعَة عَلَيْهِم وعد مِنهُم أهل البادِيَة قالَ ﷺ الجُمُعَة على الخمسين رجلا أقُول الخَمْسُونَ يتقرى بهم قَرْيَة، وقالَ الجُمُعَة واجِبَة على كل قَرْيَة وأقل ما يُقال

فِيهِ: جماعَة لحَدِيث الانفضاض، والظّاهِر أنهم لم يرجِعوا والله أعلم، فَإذا حصل ذَلِک وجَبت الجُمُعَة ومن تخلف عَنها فَهُوَ الآثم، ولا يشْتَرط أرْبَعُونَ'' (حجۃ اللہ البالغۃ ۲/ ۴۷)۔

شرطِ مصر کے متعلق حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی رائے:

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی رائے کا ماحصل یہ ہے کہ مصر کی شرط سے اصل مقصود اذن حاکم ہے، اس وجہ سے کہ کتب فقہ حنفیہ میں متعدد جزئیات میں دیہات میں اذن حاکم کی وجہ سے اداء جمعہ کی اجازت دی گئی ہے، جب کہ متعدد جزئیات میں مصر ہونے کے باوجود اذن حاکم نہ ہونے کی وجہ سے اداء جمعہ سے منع کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصریت کی شرط بذات خود مطلوب نہیں ہے، بلکہ مطلوب حاکم ووالی کی موجودگی یا اجازت ہے، چوں کہ حاکم اور والی عموما مصر میں یا ایسے شہر میں جہاں بازار ہو، لوگوں کی آبادی ہو وغیرہ میں سکونت اختیار کرتے ہیں، اس وجہ سے فقہاء احناف کی ذکر کردہ تعریفات میں اس کا تذکرہ موجود ہے، لہٰذا مصر جامع کی شرط مطلوب نہیں ہے، بلکہ مصر جامع کی روح حاکم یا نائب حاکم کا اقامت گزیں ہونا مطلوب ہے، نیز مصر کی شرط امور ظنی میں سے ہونے کے سبب دیہات میں جمعہ ادا کی جاسکتی ہے، چنانچہ فیوض قاسمیہ (مجموعۂ مکاتیب حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ) میں ایک مکتوب میں حضرت تحریر فرماتے ہیں:

۱) ''باقی ماند فقط شرط مصر اگر غور کنند ہمیں ضرورت امیر و مامور دست دیگر اں دہد چہ مصر باشد کہ حاکمے دراں نبود''۔

۲) ''چوں موافق ایں تقریر این شرط از میاں برخاست شرط مصر ہم بیک طرف رفت، چہ اشتراطش ملزوم اشتراط امیر بود''۔

۳) '' واگر کسے در دیہے جمعہ قائم کند دست وگریبانش نہ زنند کہ اول ایں شرط ظنی بود باز حسب تقریر مذکور ضعفے دگراں نہم رسید'' (علوم ونکات: ۲۱۱/۷، ۸۲۱)۔

(باقی رہی محض مصر کی شرط تو اگر غور کریں گے تو یہی ضرورت امیر و مامور ہاتھ لگے گی، کیوں کہ کوئی شہر ایسا نہیں ہوتا جہاں کوئی حاکم نہ رہتا ہو)۔

(جب اس تقریر کے موافق کی یہ شرط درمیان سے اٹھ گئی تو مصر کی شرط بھی ایک طرف جا پڑی، کیوں کہ مصر کی شرط تو ملزوم تھی اور امیر کی شرط لازم تھی، (جب لازم نہیں باقی رہا تو ملزوم کیوں کر باقی رہ سکتا ہے)۔

(اگر کوئی شخص دیہات میں جمعہ قائم کرے تو اس سے نہ الجھیں؛ کیوں کہ اول تو یہ شرط (یعنی مصر کی) ظنی تھی، پھر تقریر مذکور کی روشنی میں مزید ضعف اس میں پیدا ہو گیا)۔

اسی طرح وقت اور حالت کے پیش نظر مولانا خالد سیف اللہ صاحب امام ابو یوسفؒ کی ذکر کردہ تعریف کو راجح قرار دے کر زیادہ سے زیادہ مقامات پر جمعہ ادا کرنے کی اجازت دینے کو پسند فرمایا ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

''فقہاء کے نزدیک شہر کا جو مفہوم راجح ہے وہ یہ ہے کہ اس جگہ کے تمام لوگ وہاں کی بڑی مسجد میں جمع ہو جائیں تو مسجد ناکافی ہو جائے، یہ شہر کا ایسا مفہوم ہے کہ اس اعتبار سے شہر کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے، اور ضرورت اس وقت یہی ہے کہ ایسا مفہوم متعین ہو کہ زیادہ سے زیادہ مقامات پر نماز جمعہ کی گنجائش نکل آئے؛ کیوں کہ جمعہ نہ صرف ایک عبادت ہے، بلکہ یہ تذکیر و موعظت کا بھی بہترین موقع ہے اور بعض علاقوں میں جمعہ ہی کی وجہ سے اسلام سے وابستگی محسوس کرتے ہیں'' (کتاب الفتاوی ۳/ ۳۷)۔

خلاصۂ بحث یہ کہ کتب ظاہر الروایت کے مطابق فقہاء احناف نے احادیث صحیحہ کے پیش نظر وجوب جمعہ کے لئے مصر جامع کی شرط ذکر فرمائی ہے، مگر احادیث شریفہ اور اقوال صحابہ و تابعین میں مصر کی مخصوص تعریف نہ ہونے کے سبب فقہاء کرام نے اپنے زمانہ کے اعتبار سے مصر کی مختلف تعریفات ذکر فرمائی ہیں، امام صاحب سے مروی مصر کی تعریف کی رعایت زمان و حالات کے پیش نظر دشواری تھی، دوسری طرف جمعہ کا مبارک دن مسلمانوں کے لئے اہم ہونے کے ساتھ ساتھ نصیحت و موعظت، دینی بیداری پیدا کرنے اور گمراہ کن فتنوں سے آگاہ کرنے کا دن ہونے کے سبب متاخرین فقہاء عظام اور مفتیان کرام نے امام ابو یوسفؒ سے مروی تعریف کو راجح قرار دیا تا کہ زیادہ سے زیادہ مقامات پر جمعہ کی نماز ادا کی جا سکے اور مسلمانوں کے ایمان و اعمال کی ترغیب دی جا سکے، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے تو اس سے بھی تنزل کرتے ہوئے مصر کی تعریف ذکر فرمائی ہے۔

لہٰذا نماز جمعہ کی اہمیت، دیہات میں رہنے والوں کے مزاج و مذاق کی رعایت، لوگوں کے ایمان کی حفاظت وغیرہ ضروری امور کے پیش نظر مصلحت اور ضرورت اس بات کی مقتضی ہے کہ دیہات میں جمعہ کی ادائیگی کے مسئلہ میں تسہیل سے کام لیا جائے، اکابر کے فتاویٰ میں یہاں تک وسعت ہے کہ مذہب غیر پر فتویٰ دینے کی بھی اجازت دی ہے، لہٰذا اس طرح کی دینی ضرورت کے پیش نظر اہل فتویٰ اور ارباب حل وعقد کو چاہیے کہ اجتماعی مشورہ سے دیہات میں جمعہ کے حوالہ سے کوئی مناسب حل اور گنجائش پیش کریں، نیز حضرت شاہ صاحب اور مولانا قاسم نانوتویؒ کی رائے بھی قابل عمل اور لائق تقلید ہے۔

☆☆☆

موجودہ زمانہ میں دیہاتوں میں جمعہ کا قیام

مفتی محمد عارف باللہ القاسمی☆

جمعہ عظمت وفضیلت والا دن ہے، جسے روایات میں عیدالمؤمنین کہا گیا ہے، اس دن تمام مسلمان اہتمام کے ساتھ غسل کر کے اور صاف ستھرے کپڑے پہن کر مساجد میں نماز جمعہ کے لئے جمع ہوتے ہیں، اور بیان وخطبہ کا پیغام سن کر دوگانہ ادا کرتے ہیں، نماز جمعہ کے لئے مسلمانوں کو ایک مقام پر اکٹھا کر کے نماز جمعہ سے پہلے خطبہ دینا درحقیقت یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ نماز جمعہ جہاں نماز اور عبادت ہے وہیں اس کا ایک معاشرتی پہلو بھی کہ اس اجتماع کے ذریعہ مسلم معاشرہ کا باہمی ربط مستحکم ہوتا ہے، قوت وجمعیت کا مظاہرہ ہوتا ہے اور یہ ایک بہترین موقع ہوتا ہے کہ معاشرہ کی خرابیوں کی اصلاح کی جائے، دین کے احکام بتائے جائیں اور مختلف حالات میں پیدا ہونے والے سیاسی وسماجی مسائل کا حل امت مسلمہ کے سامنے پیش کیا جائے۔

عام نمازوں کے برخلاف نماز جمعہ کی فرضیت اور اس کی ادائیگی کے لئے کچھ خاص شرطیں ہیں، ان کی وجہ سے یہ مسئلہ زیر غور ہوجاتا ہے کہ کیا دیہاتوں میں جمعہ کی نماز قائم کرنا درست ہے یا نہیں؟ چنانچہ ایسے دیہات جہاں پر ایک دوسرے سے متصل وقریب بہت سے گھر ہیں اور وہاں متعدد مسلمان آباد ہیں ان میں جمعہ قائم کرنے کے سلسلہ میں شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ وہاں پر جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے، البتہ شوافع کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ مسلمانوں کی تعداد کم سے کم اتنی ہو جتنی جمعہ کے درست ہونے کے لئے مطلوب ہے، یعنی چالیس مقیم مرد ہوں، مالکیہ کے نزدیک کسی دیہات میں جمعہ شروع کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ کم سے کم تیس لوگ ہوں، اور جمعہ کا نظام شروع ہونے کے بعد یہ تعداد ضروری نہیں، بلکہ بارہ لوگوں کا ہونا کافی ہے، جبکہ حنابلہ کہتے ہیں کہ کسی دیہات میں جمعہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہاں پر چالیس مسلمان مرد ہوں (موسوعہ فقہیہ ۳۳/۱۶۱-۱۶۴، المغنی لابن قدامہ ۲/۲۶۸، مواہب الجلیل ۲/۱۶۲، مغنی المحتاج ۱/۵۳۸)۔

ان حضرات کے پیش نظر یہ روایات ہیں جن سے وہ دیہاتوں میں جمعہ کے جائز ہونے پر استدلال کرتے ہیں:

☆ صدر شعبہ تخصص فی علوم القرآن والحدیث جامعہ عائشہ نسوان، حیدرآباد۔

"عن ابن عباس قال: إن أول جمعة جمعت في الإسلام بعد جمعة جمعت في مسجد رسول الله ﷺ بالمدينة لجمعة جمعت بجواثي قرية من قرى البحرين" (ابوداؤد حدیث نمبر:۱۰۶۸، بخاری ۸۹۲)۔

(حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ کی مسجد کے بعد اسلام میں سب سے پہلے جمعہ کی نماز بحرین کے قریہ جات میں سے "جواثاء" نامی قریہ (گاؤں) میں ہوئی)۔

"عن عبد الرحمن بن كعب بن مالک، وكان قائد أبيه بعدما ذهب بصره، عن أبيه كعب بن مالک، أنه كان إذا سمع النداء يوم الجمعة ترحم لأسعد بن زرارة، فقلت له: إذا سمعت النداء ترحمت لأسعد بن زرارة، قال: لأنه أول من جمع بنا في هزم النبيت من حرة بني بياضة في نقيع، يقال له: نقيع الخضمات، قلت: كم أنتم يومئذ، قال: أربعون" (ابوداؤد:، حدیث نمبر:۱۰۶۹)۔

(حضرت عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک جو کہ اپنے والد کعبؓ بن مالک کی بینائی ختم ہونے کے بعد ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں چلایا کرتے تھے، وہ کعبؓ بن مالک کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ جب وہ جمعہ کے دن اذان سنتے تو اسعدؓ بن زرارہ کے لئے رحمت کی دعا کرتے تھے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ اذان سن کر اسعد بن زرارہ کے لئے کیوں دعاء رحمت کرتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے حرہ بنو بیاضہ کے "ہزم النبیت" علاقہ میں جس میں طویل مدت تک پانی جمع رہتا تھا، اسی لئے اسے "نقیع الخضمات" کہتے ہیں، اس میں انہوں نے ہمیں جمعہ کی نماز پڑھائی، عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ ان دنوں آپ لوگوں کی تعداد کتنی تھی؟ فرمایا: چالیس)۔

"كتب عمر بن عبد العزيز، إلى عدي بن عدي: أيما أهل قرية ليسوا بأهل عمود ينتقلون، فأمر عليهم أميرا يجمع بهم" (مصنف ابن ابی شیبہ:۵۰۶۹)۔

(عمر بن عبدالعزیزؒ نے عدی بن عدی کو لکھا کہ جو بستی والے (کسی مقام پر ایسے مستقل قیام پذیر ہوں کہ وہ) منتقل ہونے والے خیموں کے رہنے والے (خانہ بدوش) نہ ہوں تو وہ ان پر امیر مقرر کریں جو انہیں جمعہ پڑھائے)۔

"وقال الخطابي: وفي الحديث من الفقه أن الجمعة جوازها في القرى كجوازها في المدن والأمصار"۔

(خطابی نے کہا: اس حدیث میں یہ مسئلہ ہے کہ جس طرح شہروں میں جمعہ جائز ہے، اسی طرح قریہ جات میں بھی جمعہ جائز ہے)۔

ائمہ ثلاثہ کے برخلاف فقہاء احناف کی رائے یہ ہے کہ دیہاتوں میں جمعہ کی نماز قائم نہیں کی جاسکتی؛ کیونکہ نماز جمعہ

کے لئے اس مقام کا ''مصر'' ہونا ضروری ہے (المبسوط ۲/ ۲۳، بدائع الصنائع ۱/ ۲۵۹)، حضرت حسن بصری، ابراہیم نخعی، سفیان ثوری اور ابن سیرین رحمہم اللہ کی بھی یہی رائے ہے کہ جمعہ مصر جامع میں ہی درست ہے (شرح التلقین ۱/ ۹۴۸)۔

ان حضرات کی یہ رائے ان روایات کی وجہ سے ہے جن میں یہ مضمون منقول ہے کہ نماز جمعہ ''مصر'' (شہر) میں ہی ادا کی جاسکتی ہے، چنانچہ ایک روایت حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''**لاجمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع**'' (عبدالرزاق: ۵۳۲۲، مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۱۶۰)۔

جمعہ اور عید صرف مصر جامع میں ہی ہوگی:

نیز جلیل القدر تابعی حضرت عمر بن دینارؒ فرماتے ہیں: ''**سمعنا أن لا جمعة إلا في قرية جامعة**'' (مصنف عبدالرزاق: ۵۳۳۱) (ہم نے سنا ہے کہ جمعہ صرف قریہ جامعہ میں ہوگی)۔

اسی طرح مشہور تابعی حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں: ''**قد بلغنا أنه لا جمعة إلا في مصر جامع**'' (مصنف عبدالرزاق: ۵۳۲۹) (ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ جمعہ صرف مصر جامع میں ہی ہوگی)۔

ان روایات کی وجہ سے احناف اور دیگر اکابرین کی رائے یہ ہے کہ جمعہ شہر، فناء شہر یا ان قصبوں میں ہوگی جو شہر کی مانند ہوں، دیہاتوں میں جمعہ کی نماز درست نہیں ہے، فقہ حنفی کے ترجمان امام محمدؒ لکھتے ہیں: ''**لاتجب الجمعة إلا على أهل الأمصار والمدائن**'' (المبسوط ۱/ ۳۲۵) (جمعہ صرف شہروں اور قصبات کے لوگوں پر فرض ہے)۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب کبیری شرح منیۃ المصلی میں لکھا ہے: ''**ولا شک فی جواز الجمعة فی البلاد والقصبات**'' (کبیری شرح منیۃ المصلی: ۵۵۲) (شہروں اور قصبوں میں جمعہ کے جواز میں کوئی شک نہیں)۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: ''**وتقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرة التی فیها أسواق وفیما ذکرنا إشارة إلی أنه لا تجوز فی الصغیرة**'' (شامی ۱/ ۷۶۸) (جمعہ قصبوں اور ان بڑے دیہاتوں میں فرض ہے کہ جن میں بازار ہوں اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ چھوٹے دیہاتوں میں نماز جمعہ جائز نہیں)۔

دور حاضر کی مشہور اور مختصر فقہ حنفی کی کتاب ''تعلیم الاسلام'' میں لکھا ہے: جمعہ کی نماز صحیح ہونے کی کئی شرطیں ہیں: اول شہر یا قصبہ میں ہونا، چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی نماز درست نہیں (تعلیم الاسلام: ۴۵۷)۔

مذکورہ بالا عبارات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ احناف کے نزدیک صرف شہر، فنائے شہر اور قصبات میں جمعہ جائز ہے، اب قابل غور بات یہ ہے کہ شہر کسے کہیں گے، اسی طرح بڑی بستی (قصبہ) کا معیار کیا ہوگا؟ شہر کی تعریف کے سلسلہ میں متعدد باتیں فقہاء نے لکھی ہے، اور اس میں فقہاء کا شدید اختلاف ہے: ''**ثم اختلفوا فی تفسیر المصر اختلافا**

کثیرا''(غنیۃ:۵۵۰)۔

علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:''أما المصر الجامع فقد اختلفت الأقاويل في تحديده ذكر الكرخي أن المصر الجامع ما أقيمت فيه الحدود ونفذت فيه الأحكام، وعن أبي يوسف روايات ذكر في الإملاء كل مصر فيه منبر وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود فهو مصر جامع تجب على أهله الجمعة، وفي رواية قال: إذا اجتمع فى قرية من لايسعهم مسجد واحد بنى لهم الإمام جامعا ونصب لهم من يصلي بهم الجمعة وفى رواية لو كان فى القرية عشرة آلاف أو أكثر أمرتهم بإقامة الجمعة فيها، وقال بعض أصحابنا: المصر الجامع ما يتعيش فيه كل محترف بحرفته من سنة إلى سنة من غير أن يحتاج إلى الانتقال إلى حرفة أخرى، وعن أبى عبد الله البلخي أنه قال: أحسن ما قيل فيه إذا كانوا بحال لو اجتمعوا فى أكبر مساجدهم لم يسعهم ذلک حتى احتاجوا إلى بناء مسجد الجمعة فهذا مصر تقام فيه الجمعة، وقال سفيان الثورى:المصر الجامع ما يعده الناس مصراعند ذكر الأمصار المطلقة، وسئل أبو القاسم الصفار عن حد المصر الذي تجوز فيه الجمعة فقال: أن تكون لهم منعة لو جاء هم عدو قدروا على دفعه فحينئذ جاز أن يمصر وتمصره أن ينصب فيه حاكم عدل يجري فيه حكما من ا لأحكام، وهو أن يتقدم إليه خصمان فيحكم بينهما، وروى عن أبى حنيفة أنه بلدة كبيرة فيها سكک وأسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمه وعلمه أو علم غيره والناس يرجعون إليه فى الحوادث وهو الأصح''(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع للکاسانی ۱/۲۵۹)۔

(خلاصہ عبارت)''مصر جامع'' کی تعریف مختلف ہیں: کرخیؒ فرماتے ہیں جس میں حدیں جاری ہوں اور احکام نافذ ہوں، امام ابو یوسفؒ سے کئی روایات ہیں، جس میں منبر ہو اور قاضی ہو اور حدیں نافذ ہوں، جس کی مسجد میں وہاں کے لوگ نہ سما سکیں۔ جس کی آبادی دس ہزار کی ہو یا اس سے بھی زیادہ، بعض اصحاب نے فرمایا جس میں صنعت کار یا کاریگر اپنی صنعت پر پورا سال گزر اوقات کر سکے جس میں وہاں کی بڑی مسجد میں وہاں کے رہنے والے نہ سما سکیں، سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جس کا ذکر مطلقا شہروں کے تذکرہ میں آجائے، ابوالقاسم صفار فرماتے ہیں جہاں دشمن کے دفاع کے لئے سامان موجود ہو، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں جس میں بازار، کوچے اور محلے ہوں اور بادشاہ ہو جو ظالم اور مظلوم میں دادرسی کر سکے۔

البتہ تمام اقوال کی روشنی میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ درحقیقت ہر شہر کے لوازمات اور ضروریات مختلف ہوتی ہیں جن کو شہر کی تعریف میں بنیادی حیثیت حاصل ہے، اس لئے اس چیز کا مدار بھی باقی بہت سے مسائل کی طرح عرف پر ہے جسے

لوگ شہر کہیں وہ شہر ہے جو اس سے کچھ چھوٹا ہو وہ بڑا دیہات اور قصبہ ہے، مثلاً: شہر کی پہچان یہ ہے کہ اس میں گلی کوچے ہوں، ڈاکخانہ، قبرستان ہو، عمارتیں پختہ ہوں اور آپس میں ملی ہوئی ہوں، بازار ہوں اور ضرورت کی اکثر اشیاء اس جگہ سے مل سکتی ہوں، اس میں بادشاہ یا اس کا نائب ہو، وہ جگہ کہ جس کی سب سے بڑی مسجد اس کی آبادی کے لئے کافی نہ ہو وغیرہ وغیرہ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ لکھتے ہیں:

"**واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لا تكاد تنضبط بحال وإن نص، ولذا ترك الفقهاء تعريف المصر على العرف**" (فیض الباری علی صحیح البخاری ۲/ ۶۲۳)۔

(بے شک قریہ اور مصر عرفی چیزیں ہیں، جنہیں کسی صورت کسی خاص تعریف کے ذریعہ منضبط نہیں کیا جا سکتا، اسی لئے فقہاء نے مصر کی تعریف کو عرف پر چھوڑا ہے)۔

بہر حال شہر اور قریہ کے بارے میں سابقہ تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ زمانے کے بڑے دیہات جہاں پر کثیر آبادی ہو مثلاً تین ہزار یا اس سے زائد نفوس پر وہ جگہ مشتمل ہو، اور وہاں ایسا بازار ہو جس میں ضرورت کی اکثر اہم چیزیں دستیاب ہوں ان میں جمعہ کی نماز ادا کی جائے گی۔

"**وتقع فرضا في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق**" (شامی ۱/ ۷۶۸) (قصبوں اور بڑی بستیوں میں جہاں بازار ہوں جمعہ فرض ہے)۔

اسی طرح متوسط آبادی والے دیہات جہاں گھر ایک دوسرے سے متصل ہوں، انسانی زندگی کی بنیادی ضرورت کی اہم چیزیں مل جاتی ہوں، مسائل دین بتانے والا کوئی عالم دین ہو، علاج ومعالجہ کے لئے طبیب ہو، وہاں پر ایک بڑی مسجد ہو اور مسلمانوں کی اتنی تعداد ہو کہ ان سب کے مسجد آجانے سے مسجد بھر جاتی ہو تو ایسے دیہاتوں میں بھی جمعہ قائم کیا جا سکتا ہے، کیونکہ ایسے دیہاتوں پر "مصر" یا کم از کم قریہ کبیرہ کی تعریف صادق آجاتی ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں: "فقہاء احناف کے نزدیک دیہات میں جمعہ وعیدین نہیں پڑھی جائے گی، بلکہ جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز ادا کی جائے گی، اس لئے کہ حضرت علیؓ سے مروی ہے: "**لاجمعة ولاتشريق إلا في مصر جامع**" (جمعہ وعیدین شہر ہی میں پڑھی جائیں)، لیکن شہر (مصر) سے کیا مراد ہے؟ یہ حدیث میں متعین نہیں ہے، فقہاء نے اپنے ذوق ومزاج اور اپنے عہد کے عرف کو ملحوظ رکھتے ہوئے مصر کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں خاصا اختلاف ہے، فقہاء کے نزدیک شہر کا جو مفہوم راجح ہے وہ یہ ہے کہ اگر اس جگہ کے تمام لوگ وہاں کی بڑی مسجد میں جمع ہو جائیں تو مسجد ناکافی ہو جائے، یہ شہر کا ایسا مفہوم ہے کہ اس کے اعتبار سے شہر کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے اور ضرورت اس

وقت یہی ہے کہ شہر کا ایسا مفہوم متعین ہو کہ زیادہ سے زیادہ مقامات پر نماز جمعہ کی گنجائش نکل آئے، کیونکہ جمعہ نہ صرف ایک عبادت ہے، بلکہ یہ تذکیر وموعظت کا بھی بہترین موقع ہے اور بعض علاقوں میں جمعہ ہی کی وجہ سے اسلام سے اپنی وابستگی محسوس کرتے ہیں'' (کتاب الفتاوی ۳/۳۶)۔

البتہ چھوٹے دیہات جہاں پر کثیر آبادی نہ ہو، بلکہ وہاں پر صرف پچاس ساٹھ مسلمان ہی ہوں اور روزمرہ کی ضروریات کے لئے دو تین چھوٹی دکانیں ہوں ان کے بارے میں فقہاء احناف کی عام تصریحات یہی ہیں کہ ان میں جمعہ کی نماز جائز نہیں ہے، لیکن حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ کا رجحان اس طرف ہے کہ حفظ وتبلیغ دین کے مقصد کی خاطر ایسے دیہاتوں میں بھی جمعہ کی اجازت ہونی چاہئے، چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

''لما كان حقيقة الجمعة إشاعة الدين في البلد وجب أن ينظر إلى تمدن وجماعة، والأصح عندي أنه يكفي أقل ما يقال فيه قرية، لما روي من طرق شتى يقوي بعضهابعضا، خمسة لا جمعة عليهم وعد منهم أهل البادية قال ﷺ الجمعة على الخمسين رجلا، أقول الخمسون يتقرى بهم قرية، وقال الجمعة واجبة على كل قرية'' (حجۃ اللہ البالغہ ۲/۳)۔

(جب جمعہ کا مقصد شہر آبادیوں میں دین کی اشاعت ہے تو جماعت اور تمدن کا لحاظ رکھنا ضروری ہوا، میرے نزدیک کم از کم جسے قریہ کہا جائے وہ جمعہ کے لئے کافی ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ سے باختلاف طرق مروی ہے (جو ایک دوسرے کے موید ہیں) کہ پانچ قسم کے لوگوں پر جمعہ فرض نہیں، ان میں خانہ بدوش، بادیہ نشینوں کو شمار فرمایا، حضور ﷺ نے فرمایا: پچاس آدمیوں پر جمعہ فرض ہے، شاہ صاحب فرماتے ہیں اسی تعداد پر قریہ کا لفظ بولا جاتا ہے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے ہر بستی پر جمع واجب ہے)۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ بات موجودہ زمانے کے پس منظر میں بڑی اہمیت کی حامل ہے؛ کیونکہ مسلمانوں کی بڑی تعداد نمازوں سے دور ہے، وہ لوگ صرف جمعہ کو ہی نماز پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں، اسی بہانے وہ لوگ ہفتہ میں ایک بار جمع ہو کر کچھ دین کی باتیں سن لیتے ہیں، اور اسی طرح ان کے دین وایمان کا تحفظ ہوتا ہے، اور شہروں کے مقابلہ دیہاتوں میں جہالت اور بے دینی کچھ زیادہ ہی ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ جن روایات سے دیہاتوں میں جمعہ کی گنجائش معلوم ہوتی ہے ان کی روشنی میں دیہاتوں میں بھی جمعہ قائم کرنے کی اجازت دی جائے، تاکہ یہ چیز لوگوں کی دین سے وابستگی میں معاون ہو۔

البتہ ایسے دیہات جو سہولتوں سے بالکل عاری ہوں، اور وہاں پر بہت ہی چھوٹی آبادی ہو، دس بیس گھر ہی ہوں تو

وہاں پر جمعہ جائز نہیں ہے، ایسی جگہوں پر جمعہ شروع نہ کیا جائے، البتہ لیکن اگر پہلے سے سلسلہ جاری ہو تو اولا وہاں کے لوگوں کو مسئلہ کی حقیقت سے روشناس کرا کر جمعہ کے بجائے ظہر ادا کرنے پر آمادہ کرنا چاہئے، اور اگر کوشش کے بعد جمعہ روکنے میں کسی فتنے کا اندیشہ ہو تو پھر اس کو روکنا بھی مناسب نہیں ہے؛ کیونکہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے اور فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ فتنہ کو رفع کرنے کی خاطر مسائل اجتہادیہ میں دوسرے فقہاء کے اقوال سے استفادہ کی گنجائش ہے، مثلاً علامہ شامی نے علامہ حلوانی سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی علاقہ میں سست لوگ فجر کو طلوع شمس کے وقت پڑھیں تو انہیں اس سے نہ روکا جائے، کیونکہ روکنے کی صورت میں وہ سرے سے نماز ہی چھوڑ دیں گے، تو دیگر فقہاء کے اقوال کے مطابق اسے درست قرار دینا مکمل نماز کے سرے سے چھوڑ دینے سے بہتر ہے۔

"**عن الحلوانی:أن کسالی العوام إذا صلوا الفجر عند طلوع الشمس لایمنعون، لأنهم إذا منعوا ترکوها وأدائها مع تجویز أهل الحدیث لهما أولی من ترکهاأصلا**" (ردالمحتار ۳/ ۵۲)۔

اسی طرح وہ مقامات جہاں پر صرف دو چند متفرق گھر ہوں یا جہاں عارضی طور پر کچھ لوگ کچھ دنوں کے لئے آباد ہوں، جیسے کمپنیوں کے کیمپ وغیرہ ہوتے ہیں تو وہاں پر بالاتفاق جمعہ جائز نہیں ہے، امام جصاصؒ لکھتے ہیں:

"**واتفق فقهاء الأمصار علی أن الجمعةمخصوصة بموضع لا یجوز فعلها في غیره؛لأنهم مجمعون علی أن الجمعة لاتجوز في البوادي**" (احکام القرآن للجصاص ۳/ ۵۹۵)۔

تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ جمعہ ایسی جگہ کے ساتھ خاص ہے کہ اس کے علاوہ جگہ میں اسے ادا کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ جمعہ چھوٹے دیہاتوں میں جائز نہیں ہے)۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب المحیط البرہانی میں ہے:"**لایجوز إقامة الجمعة في البوادي بالإجماع**" (المحیط البرہانی ۲/ ۶۵)۔

بہت چھوٹے دیہاتوں میں بالاتفاق جمعہ جائز نہیں ہے۔

☆☆☆

جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط

(موجودہ حالات کے پس منظر میں)

مولانا محمد قمر الزماں ندوی☆

تمہید:

جمعہ کی نماز کی بڑی اہمیت ہے، اسلام سے پہلے اس دن کو عروبہ کہا جاتا تھا، جمعہ کے دن کی بہت سی فضیلتیں حدیث میں وارد ہوئی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے جمعہ کا دن ہے'' (نسائی)۔

جمعہ کی نماز کے لئے بہت سی شرطیں ہیں، ان میں سے ایک اہم شرط مصر یا قریہ جامعہ کا ہونا ہے، احناف کے نزدیک گاؤں اور دیہات میں جمعہ کی نماز درست نہیں ہے۔

یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ جمعہ کا حکم ہر جگہ اور ہر مقام کے لوگوں کے لئے عام ہو، ائمہ اربعہ میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں، امام مالکؒ کے لئے یہاں کم سے کم ایک گاؤں ہو جہاں مسجد ہو یا بازار ہو، خانہ بدوش ان کی تعداد کم ہو یا زیادہ ان کے لئے جمعہ درست نہیں، شوافع اور حنابلہ کا خیال ہے کہ ایسی آبادی ہو جس میں کم از کم چالیس عاقل و بالغ مرد آباد ہوں، اور مستقل طور پر اس آباتی میں رہتے ہوں۔

حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے انعقاد کے لئے مصر اور قضاء مصر ہونا ضروری ہے، موجودہ حالات میں کیا گاؤں میں جمعہ ادا کرنے کی اجازت اس مقصد کے تحت دی جاسکتی ہے کہ یہ نظام عام مسلمانوں اور مسلمانوں کے عام طبقات کو بہر حال کسی نہ کسی درجہ میں دین سے جوڑے رکھے گا، ان کے ایمان کی حفاظت کرے گا، ان ہی سوالات کے جوابات ذیل کی تحریر میں دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱-موجودہ دور میں مصر کی تعریف کیا ہے:

جمعہ کے شرائط میں سے اور جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے احناف کے نزدیک ایک شرط مصر یعنی شہر کا ہونا ہے، فقہاء

☆ استاذ مدرسہ انوار الاسلام کنڈہ پرتاپ گڑھ۔

احناف نے بعض دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے قیام جمعہ کے لئے مصر یا قریہ جامعہ ہونے کی شرط لگائی ہے، لیکن نصوص میں مصر کا مفہوم واضح طور پر نہیں آیا ہے، کہ شہر (مصر) کا اطلاق کس آبادی پر ہوگا؟

اس سلسلہ میں مختلف اقوال فقہاء احناف کے یہاں ذکر کئے جاتے ہیں:

حضرت امام ابو یوسفؒ لکھتے ہیں کہ: ۱- وہ جگہ جہاں ہر پیشہ وحرفت کا آدمی موجود ہو، عام انسانی ضروریات کی تمام چیزیں دستیاب ہوں، اور قاضی بھی موجود ہو جو اسلامی سزا اور حدود وقصاص جاری کرتا ہو، ۲- جس جگہ کی مجموعی آبادی دس ہزار کے قریب ہو، ۳- جہاں دس ہزار ایسے لوگ ہوں جو جنگ کے کام آئیں، ۴- اگر دشمن حملہ آور ہو تو وہ آبادی خود اپنے دفاع کی اہل ہو، ۵- جہاں امیر وقاضی موجود ہوں۔ ۶- اس جگہ اور آبادی کے لوگ وہاں کی بڑی مسجد میں اکٹھے ہو جائیں تو مسجد ان سب کے لئے ناکافی ہو۔ ۷- وہ آبادی اور مقام ایک مرکز ہو کہ ایک پیشہ کا آدمی دوسرے پیشہ میں لگے بغیر ایک ایک سال تک صرف اپنے پیشہ سے زندگی گزار سکے۔

امام محمد حسن شیبانیؒ سے مروی ہے کہ امیر اور بادشاہ جس کو شہر قرار دے دے وہ شہر ہے (عمدۃ القاری ۶/ ۱۸۷، بحوالہ جدید فقہی مسائل ۱/ ۱۸۷)۔

امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ وہ جگہ جہاں مفتی، امیر اور قاضی موجود ہوں، احکام وحدود قائم ہوں یا کم از کم بالقوۃ قائم کئے جاسکتے ہوں اور اس کے مکانات منی کے مکانات کے برابر ہوں (طحطاوی علی مراقی الفلاح رص ۲۳۲ بحوالہ جدید فقہی مسائل)۔

حضور ﷺ کے زمانہ میں مکہ و مدینہ کی جو کیفیت تھی، جو جگہ اور مقام اس کے مطابق ہو وہ شہر یا قریہ جامعہ ہے (حوالہ سابق)۔

جہاں کی آبادی چار ہزار ہو (الکوکب الدری ۱/ ۱۹۹)، جہاں کی آبادی ایک ہزار ہو (جدید فقہی مسائل ۱/ ۱۶۷)۔

جمعہ کی صحت کے لئے شہر یا قریہ جامعہ کی مذکورہ شرط اور مصر کی تعریف کی یہ تفصیلات فقہاء احناف کی ہے، لیکن اکثر فقہاء ثلاثہ اور سلفیوں کے نزدیک جمعہ کے لئے مصر یا قریہ جامعہ ہونے کی کوئی شرط نہیں ہے، ان کے یہاں دیہات اور چھوٹی آبادی میں بھی جمعہ کی نماز درست اور صحیح ہے۔

ان حضرات کا مستدل یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کی صحت اور درستگی کے لئے شرط ہونے کی شرط کا ذکر قرآن وحدیث میں موجود نہیں ہے، صرف حضرت علیؓ کا ایک قول ہے: "**لاجمعة ولا تشريق في القرى**"، اس لئے جمعہ کی نماز ہر طرح کی مستقل آبادی میں درست ہے، ہاں مسافر پر جمعہ کی نماز نہیں ہے، لیکن مسافر اگر شہر میں ہو یا اس آبادی میں ہو جہاں جمعہ کی

نماز ہوتی ہوتو اس کو بھی نماز میں حاضر ہونا ضروری ہے، اللہ تعالی کے اس قول اور فرمان کی وجہ سے "یأیها الذین آمنوا إذا نودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعوا إلی ذکر الله وذروا البیع" (سورۂ جمعہ:۹)۔

جمعہ کے شرائط میں سے علماء نے الإستیطان بناء معتاد کی شرط بھی رکھی ہے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: "فإن کل قوم کانوا مستوطنین ببناء متقارب لا یظعنون عنه شتاء ولاصیفا، تقام فیه الجمعة إذ کان مبنیا بما جرت به عادتهم من مدر، وخشب أو قصب أو جرید أو سعف أو غیر ذلک، فإن أجزاء البناء ومادته لا تأثیر لها فی ذلک، إنما الأصل أن یکونوا مستوطنین لیسوا کأهل الخیام والحلل الذین ینتجعون فی الغالب مواقع القطر ویتنقلون فی البقاع وینقلون بیوتهم معهم، إذا انتقلوا وهذا مذهب جمهور العلماء"۔

"وقال الإمام أحمد :لیس علی البادیة جمعة" لأنهم ینتقلون فعلل سقوطها بالانتقال فکل من کان مستوطنا لا ینتقل باختیاره فهو من أهل القری" (فتاوی ابن تیمیہ ۲۴/ ۱۶۶، ۱۶۹)۔

"وقال ابن تیمیهؒ وتجب الجمعة علی من أقام فی غیر بناء کالخیام وبیوت الشعر ونحوها وهو أحد قولی الشافعی، وحکاه الأزجی روایة عن أحمد، وقال أبو العباس ابن تیمیةؒ"۔

"ویشترط مع إقامتهم فی الخیام أن یکونوا یزرعون کما یزرع أهل القریة" (فتاوی ابن تیمیہ ۲۴/ ۱۱۹، المغنی لابن قدامہ ۳/ ۲۰۳)۔

علامہ عبدالعزیز بن بازؒ لکھتے ہیں:

"وقد تأملت أدلة الفریقین القائلین بوجوب إقامة صلاة الجمعة فی القری والقائلین بعدم وجوبها وعدم صحتها، ورأیت أدلة أصحاب القول الأول–وهم الجمهور–أوضح وأکثر وأصح، ومما لو ضح ذلک أن الله سبحانه فرض علی عباده إقامة صلاة الجمعة فی قوله تعالی یا أیها الذین آمنوا إذا نودی للصلاة من یوم الجمعة الخ.....وقول النبی ﷺ :لینتهینّ أقوام عن ودعهم الجمعات أو لیختمنّ الله علی قلوبهم ثم لیکونن من الغافلین" (رواہ مسلم فی صحیحہ، حدیث نمبر:۸۶۵)۔

"ولأن النبی ﷺ أقام صلاة الجمعة فی المدینة وهی فی أول الهجرة فی حکم القری–وأقرّ أسعد بن زراه علی إقامة صلاة الجمعة فی نقیع الخضمات وهو فی حکم القریة ولم یثبت أنه ﷺ أنکر ذلک.....والحدیث فی ذلک حسن الإسناد، ومن أعله بابن إسحاق فقد غلط، لأنه قد ثبت

تصريحه بالسماع، فزالت مشابهة التدليس۔ولأنه ﷺ قال صلوا كما رأيتمونى أصلى، وقد رأيناه صلى الجمعة فى المدينة من حين هاجر إليها ولأنه ﷺ أقر أهل (جواثا) وهى قرية من قرى البحرين على إقامة صلاة الجمعة–والحديث بذلك مخرج فى صحيح البخارى.....وبما ذكرنا من الأدله يتضح لكل منصف صحة قول الجمهور وأنه أقرب إلى الحق من قول من خالفهم،وأنه أنفع للمسلمين فى أمردينهم ودنياهم وأقرب إلى براء ة الذمة وصلاح الأمة.....

أما أثر علىؓ فهو موقوف عليه، ولا يصح مرفوعا كما نبه على ذلك غير واحد منهم النووى رحمه الله تعالى مع أن فى صحة الموقوف نظر أيضا، لأن فى إسناده عند عبد الرزاق الثورىؒ ولم يصرح بالسماع وهو موصوف بالتدليس وجابر الجعلى والحارث الأعوركلا هما ضعيف"۔

"وفى سنده عند ابن ابى شيبه:الأعمش، ولم يصرح بالسماع وهو مدلس معروف، لكن منعته ومنعته الثورى محمول على السماع فيما خرجه عنهما البخارى ومسلم فى الصحيحين"(حکم اقامۃ صلاۃ الجمعۃ فی القری-مجموعہ فتاوی ورسائل الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن بازؒ،المجلد الثانی عشر)۔

ان تفصیلات کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ صرف احناف کے نزدیک ہی اقامت جمعہ کے لئے مصر یا قریہ جامعہ کی شرط ہے دیگر علماء اور مسالک کے یہاں مصر ہونا ضروری نہیں ہے۔

اور جن کے یہاں مصر ہونا شرط ہے ان کے یہاں بھی مصر کی تحدید اور تعیین میں بہت اختلاف ہے۔

اس لئے صورت مسئولہ میں مسلک شافعی اور امام ابن تیمیہؒ کے قول کو اپنانے اور اختیار کرنے میں زیادہ آسانی ہے؛ تاکہ مسلمانوں کی شناخت اور وابستگی اسلام سے باقی رہ سکے، اور تذکیر ودعوت جو جمعہ کا ایک اہم مقصد ہے وہ زیادہ سے زیادہ حاصل ہوسکے، لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس قول پر فتوی دیا جائے اور دیہات میں بھی جہاں مستقل آبادی ہے وہاں جمعہ کی اجازت دی جائے اور جہاں پہلے سے جمعہ کی نماز ہوتی ہے، ہونے دی جائے۔

اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱-"لاجمعة ولا تشريق.....إلا فى مصر جامع أو فى مدينة عظيمة....." یہ روایت مرفوع نہیں ہے؛ بلکہ موقوف ہے(فتح القدیر ۲/۴۹)۔

۲-عون المعبود میں ہے:"فيه جواز إقامة الجمعة فى القرى"(عون المعبود-۱۰۶۸)۔

۳-نصب الرایۃ میں ہے:"فإنه لا يروى عنه فى ذلك شئ" (نصب الرایہ ۲/۱۹۵)۔

۴-"وعبارة القهستانی تقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرة التی فیها أسواق قال أبوالقاسم: هذا بلاخلاف، إذا أذن الوالی، أو القاضی ببناء المسجد الجامع وأداء الجمعة، لأنه هذا مجتهد فیه فإذا اتصل به الحکم صارمجمعاعلیه وفیما ذکرنا إشارة إلی أنه لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاضی ومنبر وخطیب"(ردالمحتار ۲/ ۱۳۸)۔

۵-"والحاصل أن تفسیر المصر محمول علی العرف واللغة"(علامہ کشمیریؒ، فتاوی دارالعلوم زکریا ۲/ ۶۴۳)۔

۶-"وقال المالکیة: کونها فی موضع الاستیطان، وهو إما بلد أو قریة مبنیة بأحجار أو نحوها أو بأخصاص من قصب أو أعواد أو شجر"(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۱۲۹۴)۔

۷-"المصر وهو مالا یسع أکبر مساجده أهله المکلفین بها، وعلیه فتوی أکثر الفقهاء.....لظهور التوانی فی الأحکام"(درمختار مع ردالمحتار ۲/ ۱۳۷)۔

۸-"قال الطحاوی هنا یصدق علی کثیر من القری"(حوالہ بالا)۔

۹-موجودہ دور میں جو ترقی ہوئی ہے، اس کے تحت پہلے جو سہولتیں شہروں میں میسر ہوتی تھیں وہ اب بہت سے دیہاتوں میں بھی مہیا ہوگئی ہیں۔

اور اس سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ناخواندہ اور کم خواندہ مسلمانوں کے ایمان وعقیدہ کے تحفظ کا ذریعہ ہوگا جب گاؤں میں بھی جمعہ کی نماز کی اجازت دی جائے گی۔

۱۰-جمعہ کے قیام کے لئے حاکم والی اور قاضی کا ہونا ضروری ہے، لیکن غیر اسلامی ملکوں میں جمعہ کے قیام کے لئے اس شرط کے قائم مقام مسلمانوں کی اصلاحی اور شرعی تنظیموں کو کردیا گیا ہے اور وہاں جمعہ کی اجازت دی گئی ہے۔

اس لئے اس کو سامنے رکھتے ہوئے شہر اور بڑی آبادی کی قید کو بھی مصلحتاً ختم کردینا چاہئے اور دیہات میں بھی جمعہ کی نماز کی اجازت کا فتوی دے دینا چاہئے۔

البتہ سب سے بہتر طریہ ہوگا کہ دو چار چھوٹے چھوٹے گاؤں والے مل کر ایک جگہ نماز ادا کریں، تاکہ جمعہ کا جو اصل مقصد ہے اجتماع اور بڑی جماعت ہے وہ حاصل ہوجائے۔

۲-چھوٹی آبادی میں جمعہ:

موجودہ وقت میں جس علاقہ میں مسلمانوں کی باقاعدہ آبادی ہو، چاہے آبادی چھوٹی ہی کیوں نہ ہو، اور جہاں نماز

باجماعت نماز مسجد میں ادا ہوتی ہو یا کسی ہال یا مسجد گاہ میں وہاں جمعہ کی نماز قائم کرنے ہی میں مسلمانوں کی دینی، ملی اور شرعی مصلحت ہے، خواہ جمعہ کی ایک اہم شرط مصر یا قریہ جامعہ کا ہونا نہ پایا جائے۔

اسی طرح جس گاؤں اور دیہات میں پہلے ہی سے جمعہ کی نماز ہو رہی ہے وہاں اس کو بند کرنے میں بہت سے مفاسد کا اندیشہ ہے، اس لئے وہاں جمعہ کی نماز جاری رہے، اس کو بہت سے علماء اور ارباب افتاء نے اختیار کیا ہے اور موجودہ حالات کے اعتبار سے اس کو شہر قرار دیا ہے۔

مفتی کفایت اللہ صاحبؒ ایک فتوی میں لکھتے ہیں: جہاں پر جمعہ کی نماز پہلے ہوتی چلی آئی ہو وہاں اس کو بند کرنے میں بہت سے مفاسد کا اندیشہ ہے، اس لئے وہاں اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کے قول پر عمل کرنا جائز ہے (معارف لدنیہ ۳/ ۸۲، مفتی کفایت اللہ دہلوی)۔

مسئلہ مجتہد فیہ ہے اور مفاسد الا مہ عمل بمذہب الغیر کے لئے وجہ جواز ہے (کفایۃ المفتی ۳/ ۱۹۳)۔

فتاوی قاضی خان میں ہے: ''**ولایکون الموضع مصرا فی ظاهر الروایة إلا أن یکون فیه مفت وقاضی یقیم الحدود وینفذ الأحکام وبلغت أبنیته أبنیة منی**'' (قاضی خان ۱۰۹، ہندیہ ۱/ ۲۰۵)۔

چوتھی صدی میں عام دنوں میں منی کی آبادی کتنی تھی اس بارے میں علامہ بشاری لکھتے ہیں: ''**قال البشاری فسألنی یوما کم یسکنها وسط السنة من الناس، قلت عشرون إلی ثلاثین رجالا**''۔

علامہ بشاری کی اس تحقیق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہر اس آبادی میں جمعہ کی اجازت ملنی چاہئے، جہاں بیس سے تیس لوگ آباد ہوں اور وہاں مقیم ہوں۔

''**إن عمرؓ کتب إلی أهل البحرین أن جمعوا حثیما کنتم!قال هذا یشمل القری والمدن قال: وصححه ابن خزیمه**'' (نیل الاوطار بحوالہ اَوثق العری فی تحقیق الجمعۃ فی القری/ ۱۵)۔

''**الجمعة واجب علی کل محتلم**'' (یہ حدیث عام ہے، جمیع امکنہ کو بلا تخصیص (بخاری شریف ۱/ ۱۲۳)۔

''**عن ابن عباسؓ أول جمعة جمعت فی الإسلام بعد جمعة فهو مسجد رسول الله ﷺ فی عبد القیس بجواثی من البحرین**'' (بخاری وداؤد)، **وقال جواثی من قری البحرین**۔

سنن بیہقی میں ہے کہ جب حضور ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر کو مدینہ بھیجا تو وہاں کل بارہ مسلمان تھے، آپ نے ان کو نماز جمعہ بھی پڑھائی۔

''**ویذکر عن الزهری أن مصعب ابن عمیر حین بعثه ﷺ إلی المدینة جمع بهم وهم إثناعشرة رجل**'' (سنن بیہقی ۳/ ۲۵۵)۔

۳-ایمان کی حفاظت اور فتنوں سے بچاؤ کے لئے گاؤں میں جمعہ کی اجازت:

یہ صحیح ہے کہ موجودہ حالات میں ہندوستان اور برصغیر کی بہت سی جگہوں میں مسلمانوں کی شناخت جمعہ ہی سے قائم ہے اور اسی کے ذریعہ نماز اور اسلام سے لوگ اپنی وابستگی کا احساس کرتے ہیں، اس لئے آراء واختلافات اور حالات وعرف سے فائدہ اٹھا کر شہر کے مفہوم میں جس قدر ممکن ہو، توسع پیدا کیا جائے اور دیگر فقہی مسالک کی طرف عدول کر کے اس کو مفتی بہ قرار دیا جائے، اس سلسلہ میں امام شافعی اور بعض دیگر مسلک پر عمل کرنے کی گنجائش دینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ جمعہ کی نماز صرف ایک عبادت ہی نہیں ہے، بلکہ دعوت وتذکیر اور شریعت کی افہام وتفہیم اور اصلاح معاشرہ کا ذریعہ، نیز مسلمانوں کی اجتماعیت کا اظہار بھی ہے۔

دین کی حفاظت اور شریعت کے تحفظ اور مسلمانوں کے دین وایمان سے وابستگی کے لئے ''**لا ینکر من تغیر الأحکام بتغیر الأزمان**''، اور ''**الضرورات تبیح المحظورات** ''جیسے فقہی قواعد سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

دین کے تحفظ کے لئے بسا اوقات فروعات سے صرف نظر کرنے کی مثالیں اسلاف کے فتاوی میں موجود ہیں، مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مسلمانوں کی ایک بستی کے حالات کو دیکھ کر تعزیہ داری کی اجازت دے دی، اور استفسار پر فرمایا کہ یہ بدعت ان کے لئے وقایہ کفر ہے، علماء دیوبند عرس اور سماع کے قائل نہیں ہیں، لیکن تقسیم ملک کے وقت جب اجمیر اور بعض دوسری درگاہوں پر فرقہ پرستوں نے قبضہ کرلیا تو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب وغیرہ نے اس کو خالی کرایا اور غیر مجاز قبضہ سے بچانے کے لئے درگاہ کے منتظمین سے کہا کہ وہ اپنے رسوم جاری رکھیں، اس وقت بھی صورت حال یہ ہے کہ عیسائی مشنریز، قادیانی، اور قادیانیوں کے طرح ہی بعض نو پید فرقے اور منکرین حدیث وغیرہ دیہات اور قصبات میں بسنے والے مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے کوشاں ہیں، اس پس منظر میں دیہاتوں میں جمعہ کی اجازت دینا دینی اور شرعی فریضہ ہے۔

☆☆☆

دیہات میں اقامت جمعہ موجودہ حالات کے پس منظر میں

مفتی عبدالرحیم قاسمی☆

۱-قرآن پاک میں:" **وذروا البیع**" کے ذریعہ جمعہ کی اذان کے بعد سارے ہی مشاغل کا ممنوع قرار دینا مقصود تھا جس میں زراعت تجارت مزدوری سبھی داخل ہیں،مگر قرآن کریم نے صرف بیع کا ذکر فرمایا،اس سے اس طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ جمعہ کی نماز کے مخاطب شہروں اور قصبوں والے ہیں چھوٹے دیہات اور جنگلوں میں جمعہ نہیں ہوگا،اس لئے شہروں اور قصبوں میں جو مشاغل عام لوگوں کو پیش آتے ہیں ان کی ممانعت فرمائی گئی ہے،وہ بیع وشراء کے ہوتے ہیں (معارف القرآن ۸/۴۴۱)۔

جمعہ کی اذان سن کر تمام کاروبار چھوڑ دینا واجب ہے،مگر آیت کریمہ میں خرید وفروخت چھوڑنے کا حکم فرمایا،اس میں اشارہ ہے کہ جمعہ ہر جگہ نہیں ہوتا، بلکہ وہاں ہوتا ہے جہاں کے لوگ عموماً تجارت وسوداگری اور خرید وفروخت میں مشغول رہتے ہیں اور جہاں چھوٹی بڑی روزمرہ کی ضروریات خرید وفروخت کیلئے مہیا رہتی ہیں،شہروں اور دیہاتوں میں یہی فرق ہے کہ شہروں میں تجارت ہوتی ہے دیہات میں نہیں پس جمعہ وہاں ہوگا جہاں تجارتی مراکز ہوں اور وہ شہر ہیں نہ کہ دیہات۔

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے فرمایا:قرآن کریم میں ہے:"**یاایھا الذین آمنوا إذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا إلی ذکر اللہ وذروا البیع**" (سورۂ جمعہ:۹)،معلوم ہوا کہ یہ بات ایسی جگہ کیلئے ہورہی ہے جہاں بیع شراء ہوتی ہے،بازار اور منڈی ہے تو فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ کاروبار میں اتنا استغراق ہو کہ اذان کی آواز سننے کے بعد بھی خرید وفروخت میں لگے رہو،لہٰذا فرمایا **و ذروا البیع** آگے فرمایا:" **فإذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الأرض**"،معلوم ہوا ایسی جگہ اتنے لوگ ہوں کہ جب نکل جائیں تو گلی کوچوں میں پھیل جائیں،آگے فرمایا:"**وابتغوا من فضل اللہ**"،معلوم ہوا کہ ایسی جگہ ہے جہاں تجارت کا امکان ہے،آیت میں جو چیزیں بیان کی گئی ہیں وہ سب شہر سے متعلق ہیں،معلوم ہوا کہ جمعہ شہر ہی میں ہوتا ہے (انعام الباری ۴/۵۹)۔

۲-صحیح بخاری میں ہے:حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں :"**کان الناس ینتابون الجمعۃ من منازلھم والعوالی**" (صحیح بخاری ۱/۱۲۳)۔

☆ امیر مرکز دعوت وارشاد وافتاء،بھوپال (مدھیہ پردیش)۔

(لوگ عوالی سے اور اپنی اپنی جگہوں سے جمعہ پڑھنے کیلئے باری باری آتے تھے)،یعنی ہر ایک کے لئے آنا فرض عین نہیں تھا، اگر فرض عین ہوتا تو پھر ہر ایک آتا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر بستیاں فناء شہر سے باہر ہوں تو وہاں کے باشندوں پر جمعہ فرض عین نہیں (انعام الباری ۴/ ۴۷)۔

فتح الباری میں ہے:" **لو كان واجبا على أهل العوالى ما تناوبوا ولكانوا يحضرون جميعا**"(فتح الباری ۲/ ۳۸۶)(اگر اہل عوالی پر جمعہ فرض ہوتا تو باری باری نہ آتے، بلکہ سب حاضر ہوتے)۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عوالی میں جمعہ نہیں ہوتا ورنہ باقی حضرات وہاں جمعہ پڑھتے۔

۳۔صحیح بخاری میں ہے:"**وكان أنس فى قصره أحيانا يجمع و أحيانا لا يجمع و هو بالزاوية على فرسخين**"(صحیح بخاری ۱/ص ۱۲۳)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت انسؓ شہر سے دو فرسخ کے فاصلے پر تھے، کبھی تو شہر جا کر حصول فضیلت کے لئے جمعہ میں شامل ہو جاتے اور کبھی شہر نہیں جاتے اور جمعہ میں شامل نہیں ہوتے، کیونکہ رخصت ہے کہ شہر سے باہر ہیں (انعام الباری ۴/ ۷۳)۔

۴۔مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے حضور ﷺ قباء تشریف لائے، چوبیس دن قیام فرمایا، اس میں جمعہ ضرور آئے ہوں گے، لیکن آنحضرت ﷺ نے قباء میں جمعہ قائم نہیں فرمایا، یہی وجہ ہے کہ دور نبوی میں قباء میں جمعہ نہیں ہوا، بلکہ قباوالوں کو حضور ﷺ نے حکم فرمایا کہ جمعہ کے لئے مدینہ میں حاضر ہوں۔

"**قدم النبى ﷺ المدينة فنزل على المدينة فى حى يقال لهم بنو عمر وبن عوف فأقام النبى ﷺ فيهم أربعا و عشرين ليلة**"(صحیح بخاری ۱/ ۶۱)۔

دوسری روایت میں دس دن سے زیادہ کا ذکر ہے:"**فلبث بضع عشرة ليلة**"(صحیح بخاری ۱/ ۵۵۵)۔

ترمذی شریف میں ہے: "**أمرنا النبى ﷺ أن نشهد الجمعة من قباء**"(سنن ترمذی ۱/ ۱۱۲)(حضرت محمد ﷺ نے ہمیں جمعہ کیلئے قبا سے مدینہ حاضر ہونے کا حکم فرمایا تھا)۔

حضور ﷺ جب محلّہ بنی سالم میں پہنچے تو جمعہ کا آغاز فرمایا، محلّہ بنی سالم مدینہ کے مضافات میں داخل تھا، لہٰذا اس میں جمعہ پڑھنا مدینہ طیبہ میں جمعہ پڑھنے کے حکم میں ہے، یہی وجہ ہے کہ سیرت کی کتابوں میں "**اول جمعة صلاها بالمدينة**" کے الفاظ بھی آئے ہیں، علامہ نیموی لکھتے ہیں:"**و بنو سالم كانت محلة من محلات المدينة بشئى من الفصل**"(آثار السنن/ ۴۵)(بنو سالم مدینہ کے محلوں میں سے ایک محلّہ تھا تھوڑے فاصلے پر)۔

۵۔''عن ابن عباس قال إن أول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول الله ﷺ فی مسجد عبد القیس بجواثیٰ من البحرین'' (صحیح بخاری ۱/ ۱۲۲) (حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ عبدالقیس کی مسجد میں جواثی بحرین میں قائم ہوا)۔

جواثی میں جس مسجد میں جمعہ قائم ہوا وہ عبدالقیس کی مسجد تھی اور عبدالقیس کا وفد ۸ھ میں آیا تھا، اگر بہت ہی احتیاط سے کام لیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ وفد عبدالقیس کا واقعہ ۵ھ میں پیش آیا تھا، اور یہ حدیث کہہ رہی ہے کہ مسجد نبوی کے بعد پہلا جمعہ جواثی میں ہوا، یعنی پانچ سال تک مدینہ منورہ کے سوا کہیں جمعہ قائم نہیں ہوا، لہٰذا اگر جمعہ فی القرای جائز ہوتا تو مدینہ منورہ کے آس پاس بے شمار بستیاں اسلام قبول کر چکی تھیں، ہر بستی میں جمعہ ہوتا، اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ فی القریٰ جائز نہیں، ابوداؤد وغیرہ میں جواثی کے ساتھ قریہ کا لفظ آیا ہے، اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے کہ یہ چھوٹی بستی تھی، اس زمانہ کی جغرافیہ کی کتابیں اٹھا کر دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ جواثی بڑا شہر تھا، معجم البلدان میں لکھا ہے کہ جواثی میں بنوعبدالقیس کا قلعہ تھا اور یہ بات واضح ہے کہ قلعہ چھوٹے گاؤں میں نہیں ہوتا، بلکہ بڑی بستی میں ہوتا ہے، نیز علماء لغت نے یہ وضاحت کی ہے کہ جواثی بڑی تجارت منڈی تھی، قرآن کریم میں قریہ کا لفظ مکہ اور طائف کے لئے بھی استعمال ہوا ہے، حالانکہ وہ دونوں شہر ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ بڑے شہروں پر بھی قریہ کا اطلاق کیا جاتا ہے (انعام الباری ۴/ ۵۷)۔

''حنفیہ کے قول کی ترجیح اس حدیث کی وجہ سے بھی ہے کہ جمعہ اور تشریق مصر جامع میں ہیں، امام ابو یوسف نے اس حدیث کو املاء میں مسند امرفوعاً ذکر کیا ہے، وہ حدیث اور فقہ کے امام ہیں، جن لوگوں نے اس حدیث کو موقوفا بیان کیا ہے اس سے ان کو کوئی نقصان نہیں، خصوصا اس بناء پر کہ وہ امام بخاری کے مشائخ کے شیوخ میں سے ہیں۔

علامہ عینی نے شرح بخاری میں کہا ہے کہ ابوزید نے اسرار میں دعویٰ کیا ہے کہ محمد ابن حسن نے کہا کہ اس حدیث کو حضرت معاذؓ اور حضرت سراقہ ابن مالکؓ نے مرفوعا روایت کیا ہے، اصول حدیث کے ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ رائے سے جو بات معلوم نہ ہوسکتی ہو اس کے متعلق صحابی کا قول بھی مرفوع حدیث کے حکم میں ہے'' (اوجز المسالک شرح موطا امام مالک ۱/ ۳۵۲)۔

مصنف عبدالرزاق (۳/ ۱۶۸) اور مصنف ابن ابی شیبہ (۱/ ۱۰۱) میں بسند صحیح حضرت علیؓ کا ارشاد نقل کیا ہے: ''لا جمعة ولا تشریق ولا صلوٰة فطر ولا أضحی إلا فی مصر جامع أو مدینة عظیمة'' (نماز جمعہ، تشریق، عیدالفطر، عیدالاضحیٰ شہر یا بڑے قصبہ کے بغیر نہیں ہوسکتی)، حافظ ابن حجر نے ''الدرایه فی تخریج أحادیث الهدایه'' میں یہ اثر نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: '' وإسناده صحیح''۔

مصنف عبدالرزاق (۳/ ۱۶۸) میں حضرت علیؓ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ وہ بصرہ، کوفہ، مدینہ، بحرین، شام، الجزیرہ جیسے شہروں کو شہر شمار کرتے تھے، مصنف ابن ابی شیبہ (۲/ ۱۰۱) میں حضرت حذیفہؓ کا ارشاد نقل کیا ہے: "**ليس على أهل القرى جمعة إنما الجمع على أهل الأمصار مثل المدائن**" (گاؤں والوں پر جمعہ نہیں، جمعہ شہر والوں پر ہے ؛ جیسے شہر مدائن ہے)، عائشہ بنت سعد ابن ابی وقاص سے مروی ہے: "**كان أبي يكون من المدينة على ستة أميال أو ثمانية فكان ربما يشهد الجمعة بالمدينة و ربما لم يشهد ها**" (مصنف عبدالرزاق ۳/ ۱۶۳) (میرے والد مدینہ سے چھ میل یا آٹھ میل دور رہتے تھے تو کبھی جمعہ میں حاضر ہوتے کبھی حاضر نہیں ہوتے)۔

" **قد اجتمع في يومكم هذا عيدان فمن شاء أجزاه من الجمعة وأنا مجمعون** (ابو داؤد ۱/ ۱۵۳) (آج کے دن دو عیدیں جمع ہوگئیں جو شخص یہ چاہے کہ اس کے لئے عید کی نماز ہی کافی ہو جائے تو وہ لوٹ کر جا سکتا ہے ہم تو جمعہ پڑھیں گے)۔

حضور ﷺ نے نماز عید کی ادائیگی کے بعد نماز جمعہ پڑھنے نہ پڑھنے کا دیہات کے رہنے والے لوگوں کو اختیار دیا تھا کہ وہ چاہیں تو واپس چلے جائیں، مدینہ میں رہنے والے شہر کے باشندوں کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہم سب تو جمعہ کی نماز پڑھیں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے عوالی میں جمعہ جائز نہیں اور اہل عوالی میں سے جو لوگ شہر میں آئیں انکو واپس جانے کی اجازت ہے، اس حدیث کے ذیل میں شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں: "حضرت عثمانؓ کا ارشاد کا ماخذ آنحضرت ﷺ کا دائمی عمل ہے کہ آپ ﷺ نے بادیہ نشینوں کو کبھی اقامت جمعہ کا مکلّف نہیں بنایا" (مصفیٰ شرح موطا ۱/ ۱۵۴-۱۵۵)۔

۵۔ اس پر سب کا اجماع و اتفاق ہے کہ حضور ﷺ کا آخری حج جمعہ کے دن ہوا تھا، یوم العرفہ جمعہ کا دن تھا، اور یہ بات بھی متفق علیہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس دن عرفات میں جمعہ نہیں پڑھا، بلکہ ظہر کی نماز پڑھی اگر جمعہ اس طرح جائز ہوتا جیسا کہ اہل ظاہر کہتے ہیں تو آپ جمعہ پڑھتے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ مسافر تھے اور مسافر پر جمعہ نہیں، اس لئے آپ ﷺ نے ظہر پڑھی، حالانکہ یہ بات انتہائی کمزور ہے، اس لئے کہ مسافر پر جمعہ اگر چہ فرض نہیں، لیکن اگر پڑھیں تو نہ صرف یہ کہ فریضہ ادا ہو جاتا ہے، بلکہ جمعہ پڑھنا افضل ہے، نیز اس وقت میدان عرفات میں بہت بڑی تعداد انکی بھی تھی جو وہاں کے مقیم تھے، اگر حضور ﷺ جمعہ پڑھتے تو یہ آپ کے لئے بھی افضل ہوتا اور جو مقیم تھے انکا فریضہ بھی ادا ہو جاتا، لہٰذا جمعہ نہ پڑھنے کی اس کے سوا کوئی وجہ نہیں کہ عرفات میں جمعہ جائز ہی نہیں تھا، اس لئے ظہر کی نماز پڑھی (انعام الباری ۴/ ۶۳)۔

اوراہل مکہ کو وہاں جمعہ پڑھنے کا حکم بھی نہیں فرمایا، اس سے واضح ہے کہ ہر جگہ جمعہ صحیح نہیں، بلکہ اس کے لئے خاص قسم کی آبادی شرط ہے۔

۶۔اسعد ابن زرارہ نے مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر حرہ بنی بیاضہ گاؤں میں جمعہ شروع کیا تھا، ان حضرات نے یہ جمعہ اپنے اجتہاد سے فرضیت جمعہ سے پہلے ہی پڑھ لیا تھا، اسکی تفصیل مصنف عبدالرزاق میں صحیح سند کے ساتھ حضرت محمد ابن سیرین سے مروی ہے، فرماتے ہیں:''**جمع أهل المدينة قبل أن يقدم رسول الله ﷺ و قبل أن تنزل الجمعة**'' یہ حدیث اس پر صریح ہے کہ یہ جمعہ صحابہ کرام نے اپنے اجتہاد سے پڑھا تھا اور اس وقت تک جمعہ کے احکام نازل بھی نہیں ہوئے تھے، لہٰذا اس واقعہ سے استدلال نہیں کیا جا سکتا (مصنف عبدالرزاق ۳/ ۱۵۹، درس ترمذی ۲/ ۲۷۰)۔

اگر گاؤں میں جس میں شہریت بالکل نہ ہو جمعہ جائز ہوتا تو حضور ﷺ اور صحابہ سے ضرور منقول ہوتا، جیسا کہ شہر میں پڑھنا تواتر سے منقول ہے، اگر گاؤں میں جمعہ پڑھنا جائز اور گاؤں والوں پر جمعہ پڑھنا فرض ہوتا تو اہل عوالی سات سات میل سے جمعہ پڑھنے کیلئے مدینہ طیبہ میں علی سبیل المناوبہ باری باری کیوں جایا کرتے تھے، اپنے مقام پر کیوں نہیں پڑھا کرتے تھے اور جو نہیں جاتے تھے تو کیا ان پر فرض نہیں تھا (فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۲۶۷)۔

جمعہ کے لئے ایک قسم کی شہریت اور جماعت بالاتفاق شرط ہے، حضرت محمد ﷺ اور خلفاء اور مجتہدین نے بلدان میں جمعہ قائم کیا ہے، بوادی میں قائم نہیں کیا جس سے ہر زمانہ کے لوگوں نے سمجھا ہے کہ جمعہ کے لئے جماعت اور تمدن شرط ہے اور یہ اس لئے کہ جمعہ کی حقیقت و غایت **اشاعة الدين فى البلدان** ہے، لہٰذا جماعت و تمدن کو مدنظر رکھنا ضروری ہے (فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۲۶۴)۔

اور یہی وجہ ہے کہ ائمہ اربعہ اور محدثین میں سے کسی کے نزدیک بھی میدان اور جنگل میں آبادی سے دور جمعہ جائز نہیں ''**لاتقام الجمعة فى المفازه عند الأئمة الأربعة**'' (عینی)، آیت:''**فاسعوا إلى ذكر الله**'' کی تخصیص یا تقیید حنفیہ خبر واحد سے نہیں کرتے، بلکہ اس کے عام مخصوص البعض ہونے پر اس کے خلاف اجماع سے استدلال کرتے ہیں:'' **فلا إشكال الإجماع يخصص القرآن**'' (فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۲۶۴)۔

''**وقدتلقت الأمة تلقيا معنويا من غير تلقى لفظ أنه يشترط فى جمعة الجماعة و نوع من التمدن وكان النبى ﷺ و خلفائه و أصحابه رضى الله عنهم والأئمة المجتهدون رحمهم الله تعالىٰ يجمعون فى البلدان ولا يواخذ ون أهل البدو بل ولا يقام فى عهدهم فى البدوففهموا من ذالك قرنا بعد قرن، عصر بعد عصر أنه يشترط لها الجماعة والتمدن أقول و ذالك لأنه لما كان حقيقة الجمعة**

إشاعة الدين فی البلد وجب أن ينظر إلى تمدن و جماعة'' (حجۃ اللہ البالغہ ۲/۲۸)۔

۲- نماز جمعہ کی صحت کے لئے شہر یا قصبہ ہونا شرط ہے، اس لئے چھوٹے گاؤں میں جمعہ اور عیدین جیسی اہم عبادات جو عظیم شعائر اسلام میں سے ہیں ادا نہیں کی جاسکتیں، دیکھیے میدان عرفات شہر میں داخل نہیں، اس لئے وہاں جمعہ کی نماز نہیں پڑھی جاتی، حالانکہ لاکھوں حجاج ہوتے ہیں وہ سب ظہر پڑھتے ہیں (فتاوی رحیمیہ ۵/۸۸)۔

''**أنه ﷺ لم يصل الجمعة فی عرفات و هذا إجماع**'' (أوجز المسالک ۱/۳۵۴)۔

بدائع الصنائع میں ہے:'' **ولنا ما روى عن النبی ﷺ أنه قال لا جمعة ولا تشريق إلافی مصر جامع وعن علیؓ لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا أضحىٰ إلا فی مصر جامع و كذا النبی ﷺ كان يقيم الجمعة بالمدينة وما روى الإقامة حولها وكذا الصحابةؓ فتحوا البلاد وما نصبواالمنابر إلا فی الأمصار فكان ذالک إجماعا منهم على أن المصر شرط ولأن الظهر فريضة فلا يترک إلابنص قاطع والنص و رد بتركها إلاالجمعة فی الأمصار لهذا لاتؤدى الجمعة فی البوادى**'' (بدائع الصنائع ۱/۲۵۹)۔

اگر گاؤں میں جس میں شہریت بالکل نہ ہو جائز ہوتا تو حضور ﷺ اور صحابہ سے ضرور منقول ہوتا، جیسا کہ شہر میں پڑھنا تواتر سے منقول ہے، اگر گاؤں میں جمعہ پڑھنا جائز ہوتا اور گاؤں والوں پر جمعہ پڑھنا فرض ہوتا تو اہل عوالی سات سات میل سے جمعہ پڑھنے کیلئے مدینہ طیبہ میں علی سبیل المناوبہ کیوں جایا کرتے تھے، اپنے یہاں کیوں نہیں پڑھا کرتے تھے اور جو نہیں جاتے تھے تو کیا ان پر فرض نہیں تھا (فتاوی محمودیہ ۱۲/۲۶۷)۔

۳- چھوٹے گاؤں میں جمعہ ہرگز جائز نہیں اور کسی کا یہ کہنا بالکل صحیح نہیں کہ لوگ اس بہانہ سے نماز پڑھ لیتے ہیں، مسلمان تو احکام شرعیہ کے مامور حدود مذہب کے اندر ہیں، لوگوں کو نماز کے لئے جمع کرنا چاہیئے اور اگر وہ کسی ایسی صورت میں جمع ہوں جو شرعاً جائز نہ ہو تو ایسے اجتماع ہی سے کیا فائدہ ہے، جب نماز جمعہ چھوٹے گاؤں میں ادا نہیں ہوگی تو پھر ایسی نماز کے لئے اگر جمع بھی ہو گئے اور پڑھ بھی لی تو کیا فائدہ (امداد المفتیین ۳۹۶/)۔

اگر دیہات میں لوگ نماز نہیں پڑھتے تو انکو نمازی بنانے کے لئے دوسری تدابیر اختیار کی جائیں اور اسمیں تارک صلوٰۃ کیلئے مختلف سزائیں مقرر کر دی جائیں مثلاً تارک صلوٰۃ کے یہاں کوئی شادی نہیں کرے گا، برادری کے کاموں میں شریک نہیں کیا جائے گا، یہ کیا ضروری ہے کہ انکو نمازی بنانے کے لئے ایک ناجائز فعل کا ارتکاب کیا جائے، اگر اقامت جمعہ کی وجہ سے انہوں نے نماز پڑھ لی تو دیگر نمازوں کے لئے کیا کیا جائے گا (فتاوی محمودیہ ۱۲/۲۴۶)۔

البتہ منع کرنے والے کو یہ ضروری ہے کہ اقامت جمعہ فی القری کو منہی عنہ بتلا کر دیگر صلوٰۃ کی سخت تاکید وترک پر وعید خوب ذہن نشین کرادیں (فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۲۴۷)۔

جہاں جمعہ جائز نہیں جمعہ پڑھنے سے فریضۂ ظہر ادا نہیں ہوگا اور جمعہ کا پڑھنا مکروہ تحریمی ہوگا، بایں ہمہ اگر جمعہ سابق سے چلا آتا ہے اور اسکے روکنے سے فتنہ کا مظنہ ہے، لوگ غلبہ جہالت کی وجہ سے پنجگانہ نماز بھی چھوڑ دیں گے اور دین سے بیزار ہوجائیں گے، ارتداد پر آمادہ ہوجائیں گے (معاذ اللہ) تو ایسے فتنوں سے بچنا لازم ہے، نہایت تدبیر سے کام کیا جائے (فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۲۳۵)۔

☆☆☆

جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط-موجودہ حالات کے تناظر میں

مولانا محمد ابوبکر قاسمی☆

ہفتہ کے دنوں میں جمعہ کو خیر یوم (بہترین دن) اور سید الایام کہا گیا ہے، اور نمازوں کے مقابلہ میں نماز جمعہ کو سب پر فوقیت حاصل ہے، اس نماز کی فرضیت کا اعلان ایک مستقل سورہ کو نازل کر کے کیا گیا ہے، دیگر نمازوں کے مقابلہ میں اس نماز کے وجوب اور ادا کی کچھ شرطیں ہیں جن کو ملحوظ رکھ کر ہی اس نماز کو ادا کیا جاسکتا ہے، عقل و بلوغ تو ہر نماز کے لئے شرط لازم ہے، لہذا مجنون و نابالغ پر کوئی بھی نماز بشمول جمعہ کے فرض نہیں ہے، اس کے علاوہ جمعہ کی فرضیت کے لئے مصلی کا آزاد ہونا، مرد ہونا، مقیم ہونا، تندرست ہونا، پاؤں آنکھ کا صحیح ہونا لازم ہے، لہذا غلام، عورت، مسافر، بیمار، پاؤں اور آنکھ سے معذور اور لنگڑے اور اندھے پر نماز جمعہ فرض و واجب نہیں ہے، نماز جمعہ کی فرضیت کے لئے نماز میں ان چھ شرطوں کا وجود ضروری ہے، نیز ان کے علاوہ مزید چھ شرطیں ہیں جن کا ملحوظ رکھنا بھی لازم ہے، شہر کا ہونا، بادشاہ کا ہونا، جماعت کا ہونا، خطبہ کا ہونا، وقت کا ہونا، اعلان واظہار کا ہونا، یہ کل بارہ شرطیں ہوئیں، جن کو فقہاء احناف نے نماز جمعہ کے بیان میں ذکر کیا ہے۔

ہدایہ کے حاشیہ میں ہے:"**شروط لزوم الجمعة إثنى عشر، ستة فى نفس المصلى وهى الحرية والذكورة والإقامة والصحة وسلامة الرجلين والبصر وقيل يجب على الأعمى إذا وجد قائدا-وستة فى غير نفس المصلى وهى المصر الجامع والسلطان والجماعة والخطبة والوقت والإظهار الخ كذا ذكره التمرتاشى**" (ماخوذ من البنایۃ، ومذکور فی ہامش الہدایہ باب صلوۃ الجمعۃ ۱/ ۱۶۸ مطبوعہ دیوبند)۔

پہلی چھ شرطوں کی صراحت حدیث نبوی ﷺ میں ہے، حضرت طارق بن شہابؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:" **الجمعة حق واجب على كل مسلم فى جماعة إلاعلى أربعة عبد مملوك أو امرأة أو صبى أو مريض** "(رواہ ابوداؤد)۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"**من كان يومن بالله**

☆ مہتمم جامعہ رحیمیہ رحمت نگر برہم پور دربھنگہ، بہار۔

والیوم الآخر فعلیه الجمعة یوم الجمعة إلامریض أو مسافرا أو امرأة أو صبی أو مملوک الخ''(رواہ الدار قطنی،مشکوۃ ۱/۱۲۱)۔

اور بعد والی چھ شرطوں میں سے پہلی شرط کی دلیل حضرت علیؓ کا اثر ہے جس کو مصنف عبدالرزاق میں نقل کیا گیا ہے، ''**لاجمعة ولا تشریق إلافی مصر جامع**''،اور اسی اثر میں مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ اضافہ ہے:''**ولا فطر ولا أضحی**''،لیکن اضافہ سند ضعیف کے ساتھ منقول ہے، ابن ابی شیبہ کی سند میں ''**أو مدینة عظیمة**''کا اضافہ بھی ہے، اس روایت کو بغور پڑھئے اور بار بار پڑھئے ،فقہاء نے تکبیر تشریق کو شہر کے ساتھ مخصوص نہیں مانا ہے، بلکہ مفتی بہ قول کے مطابق ہر مشروع ومفروض جماعت کے بعد اس کے واجب ہونے کو فقہاء نے واجب قرار دیا ہے،''**ویجب علی کل من تجب علیه المکتوبة فی أیام التشریق**''(فتاوی تاتارخانیہ ۲/۶۴۰)۔

بلکہ شامی میں مقیم، مسافر، مرد عورت ،شہری دیہاتی ، امام مقتدی منفرد سب پر تکبیر تشریق کو واجب قرار دیا ہے(شامی ۳/ ۶۴)،لہذا مذکورہ روایت کو وجوب جمعہ کے لئے مصر کی شرط کی حد تک تو گوارا کیا جاسکتا ہے،لیکن صحت جمعہ کے لئے مصر کی شرط لگانا نقد ونظر سے خالی نہیں ہے، کیونکہ فرضیت کا ثبوت دلیل قطعی سے ہوتا ہے، جو یہاں مفقود ہے،اسی طرح سلطان کی شرط بھی کوئی منصوص شرط نہیں ہے، بلکہ عقلی دلیل سے ثابت ہے،جس کا درجہ فقط استحباب تک ہوگا، ہاں جمعہ و جماعت کے لئے امام کا ہونا لازم ہے جس کا انتخاب بہ اتفاق مسلمین ہوگا، ہاں جماعت وخطبہ کا ہونا سورۂ جمعہ میں منصوص ہے، اسی طرح وقت کا ہونا قرآن وسنت کی نصوص سے ثابت ہے، یاد رہے کہ ہندوستان پر نصاری کے غلبہ کے وقت سلطان مسلم کے نہ ہونے کے سبب بعض علماء نے سقوط جمعہ کا فتوی دیا تھا،لیکن حضرت مولانا عبدالحئ فرنگی محلیؒ نے شرح وقایہ کے حاشیہ عمدہ الرعایہ میں اسکی تردید فرمائی ہے،فرماتے ہیں:''**وهذا یرشدک إلی أن اشتراطه إنما هو علی سبیل الأولویة حیث لاتتعدد الجمعة وحیث تعددت فلا حاجة إلی ذلک، (إلی قوله) والإطلاق مشعر بأن الإسلام لیس بشرط وهذا إذا أمکن استیذانه وإلافالسلطان لیس بشرط فلوا اجتمعوا علی رجل وصلوا جاز کما فی صلاة الجلابی وغیره انتهی**''

فتح المنان فی تائید مذهب النعمان میں شیخ عبد الحق نے لکھا ہے:''**وظاهره یفید الأولویة والاحتیاط عقلا لا الاشتراط وعدم جواز الصلوة بدونه شرعا**''۔

اس طرح رسائل ارکان میں مولانا عبدالعلی لکھنوی نے لکھا ہے:

''**لم أطلع علی دلیل یفید اشتراط أمر السلطان وما فی الهدایه رأی لا یثبت به الاشتراط**

لإطلاق نصوص وجوب الجمعة''، اسی طرح صحت جمعہ کے لئے نہ استیذ ان امام کی شرط ہے اور نہ ہی اذن عام کی شرط ہے، چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ کے آخری دور میں فتنہ کے زمانہ میں مسجد نبوی میں باغیوں ہی نے نماز جمعہ پڑھائی۔

چنانچہ مولانا عبدالحئی علیہ الرحمہ نے حاشیہ شرح وقایہ میں لکھا ہے:''**ثم الصحابة أقاموا الجمعة فی زمان فتنة أمیر المؤمنین عثمان و کان هو إماما حقا محصورا ولم یعلم أنهم طلبوا منه الإذن بل الظاهر عدم الإذن لأن هؤلاء الاشقیاء من أهل الشر لا یرخصوا فی ذلک فعلم أن إقامة الجمعة غیر مشروطة عندهم بالإذن ولعل لهذه الواقعة رجح المشائخ عن هذا الشرط فیما تعذر فیه الاستیذان عن الإمام وأفتوا بأنه إن تعذر الاستیذان من الإمام فاجتمع الناس علی رجل یصلی بهم الجمعه جاز کذا فی العالمگیریة**''(حاشیہ شرح وقایہ/۱۹۹)۔

آگے مولانا عبدالحئیؒ نے لکھا ہے:''**ومن أفتی بسقوط الجمعة لفقد شرط السلطان فقد ضل وأضل**''(شرح وقایہ/ص۱۹۹)۔

اور اذن عام کی شرط پر بحث کرتے ہوئے مولانا عبدالحئی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے:''**قوله والإذن العام هذا الشرط لم یذکر فی الهدایة ولا أثرله فی ظاهر الروایة وإنما هومذکور فی النوادر ومشیٰ علیه أصحاب المتون واستنبط من قوله تعالی:إذا نودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعوا إلی ذکر الله فإن النداء لاشتهار وفیه نظر لایخفی**''(عمدۃ الرعایہ/ص۲۰۰ مع شرح وقایہ حاشیہ نمبر۱۰)۔

صحت جمعہ کے لئے مصر کی شرط امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے، اور امام شافعیؒ واحمدؒ کے نزدیک ہر آبادی میں جمعہ جائز ہے، بشرطیکہ چالیس آدمی ہوں اور امام مالک کے نزدیک نہ مصر کی شرط ہے اور نہ ہی چالیس کی شرط ہے(ملاحظہ ہو، حاشیہ ہدایہ ۱/ ۱۶۸، حاشیہ نمبر ۴)۔

اب مصر کی کیا تعریف ہے؟، اس میں علماء وفقہاء کا شدید اختلاف ہے، ایک تعریف یہ ہے کہ جہاں امیر وقاضی ہو، احکام کو نافذ کرے اور حدود کو جاری کرے، دوسری تعریف یہ ہے کہ وہاں کی سب سے بڑی مسجد ہو جب وہاں کے لوگ اکٹھا ہوں تو سب لوگ اس مسجد میں سما نہ سکیں، صاحب شرح وقایہ نے دوسری تعریف کو ترجیح دی ہے، اس دوسری تعریف کی رو سے شاید ہی کوئی بستی ہو جو دور حاضر میں مصر کی مذکورہ تعریف سے خارج ہو، تعریف میں توسع اختیار کر کے بعض فقہاء نے جمعہ کے وجوب میں توسع سے کام لیا ہے، لہذا اس قول کو اپنانے میں جہاں تیسیر ہے وہیں یہ قول اشبہ بالفقہ بھی ہے، دیار پورب یا دیار مشرق جو صوبہ اودھ، صوبہ الہ آباد اور صوبہ عظیم آباد جواب پٹنہ کے نام سے مشہور ہے وغیرہ پر مشتمل تھا، اس علاقے کے گاؤں

گاؤں میں معرفت وروحانیت کی خانقاہیں اور ہر علم وفن کی درسگاہیں اور دینی مراکز قائم تھے، جن پر شہر کا گمان ہوتا تھا، چنانچہ مولانا غلام علی آزاد بلگرامیؒ نے اپنی مشہور کتاب 'سبحۃ المرجان' میں لکھا ہے کہ: "**وقصبات الفورب فی حکم البلدان لأنها مشتملة علی العمارات العالیة وعلی محلات الشرفاء والنجباء والمشائخ والعلماء وغیرهم من الأقوام المختلفة وأرباب الحرف المتنوعة و علی المساجد والمدارس والصوامع ومساجدها معمورة بصلوة الجمعة والجماعات یصلح أن یطلق علی القصبة اسم البلدة**" (سبحۃ المرجان/ ۵۳)۔

یعنی دراصل پورب کے قصبات کی حیثیت شہروں کی ہے، کیونکہ بلند وبالا عمارتوں سے عموماً یہ معمور ہیں، ان میں شرفاء، نجباء، مشائخ (صوفیا) اور علماء کے مستقل محلے ہیں جن کا تعلق مختلف قوموں سے ہے، ان قصبوں میں مختلف پیشوں اور دستا کاریوں کے جاننے والے بھی رہتے ہیں، ان میں مساجد بھی، مدارس بھی ہیں، خانقاہیں بھی ہیں، ان قصبوں کی مسجدیں جمعہ اور جماعت سے ہمیشہ آباد رہتی ہیں، ان قصبوں کو بجائے قصبہ کے شہر کہنا زیادہ درست ہے (ترجمہ: حضرت مولانا گیلانی، نظام تعلیم وتربیت ۱/ ۵۱)۔

دور حاضر میں پنچائیتی نظام اور ہر محلّہ اور ہر وارڈ میں ممبران کی تعیین اور ضرورت کی اشیاء کی دستیابی نے ہر گاؤں کو شہر بنا دیا ہے، پہلے دیہاتوں میں کچے مکانات ہوتے تھے، جھونپڑی ہوا کرتی تھیں، لیکن دیہاتوں میں پختہ مکانات، پختہ سڑکوں اور سواریوں کی سہولت نے چھوٹے سے گاؤں کو شہر میں تبدیل کر دیا ہے، حکومت اگر چاہے ہر قسم کے مجرم کو بہ سہولت پکڑا کر سزا دے سکتی ہے، اس لئے اب ہر جگہ جمعہ پڑھنے اور قائم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، جمعہ کے دن جس رغبت سے لوگ مسجد میں جمع ہوتے ہیں ایسے حالات میں عوام کے بگاڑ کی سدھار کے لئے جمعہ کا پڑھنا اور عوام کی تربیت کرنا اور ان کو اصلاحی بیان سنانا ہی ان کے حق میں مفید ہے، یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا قاسم نانوتویؒ کے خط خلاصہ جو دیہات میں جمعہ سے متعلق ہے اور ان کی مشہور تصنیف فیوض قاسمیہ کا جز ہو کر شائع ہوا ہے، اس کتاب میں آپ کے پندرہ خطوط ہیں، پوری کتاب کا خلاصہ مولانا اسیر ادروی نے اپنی تالیف مولانا محمد قاسم نانوتوی حیات وکارنامے میں درج کر دیا ہے، وہیں سے دیہات میں جمعہ کا مسئلہ یہاں نقل کیا جاتا ہے، مولانا عبد السلام ہنسوی (۱۲۳۴ھ مطابق ۱۸۱۷ء-۱۲۹۹ھ مطابق ۱۸۸۱ء) ہر شہر، ہر گاؤں میں جمعہ قائم کرنے کے مؤید تھے، اس سلسلہ میں مولانا مفتی یوسف فرنگی محلی سے انہوں نے مباحثہ بھی کیا تھا، انہیں کے استفسار کے جواب میں مولانا محمد نانوتویؒ نے یہ خط تحریر کیا ہے۔

آپ نے جواب خط میں تحریر فرمایا کہ قرآن کریم میں خطاب عام سے کبھی خطاب خاص بھی مراد ہوتے ہیں، اور کبھی خطاب خاص سے مخاطب عام مراد ہوتے ہیں، جیسے "**اقیموا الصلوة وآتوا الزکوة**" کا جملہ ہے کہ اس کے مخاطب

مالدار ہیں، کیونکہ زکوۃ انہیں پر واجب ہے، جو مالک نصاب نہیں ان پر زکوۃ واجب نہیں، اسی طرح ''یأیھاالذین آمنوا إذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ'' میں عام بول کر خاص مراد لیا گیا ہے، مقیم پر جمعہ فرض ہے، مسافر پر نہیں، صحت مند پر جمعہ فرض ہے مریض پر نہیں، آزد پر فرض ہے، غلام پر نہیں، بالغ پر فرض ہے، نابالغ پر نہیں، مردوں پر فرض ہے، عورتوں پر نہیں، پوری آیت کو سامنے رکھتے ہیں تو یہ بات خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے کہ ''فاسعوا إلی ذکر اللہ وذروا البیع'' کے لفظ سے ثابت ہوتا ہے کہ سوائے آزاد مردوں، صحت مند، مقیم، خود مختار جوانوں کے اور دوسرے مراد نہیں، کیونکہ لفظ سعی سے مرد اور صحتمند ہی مراد ہوسکتا ہے، بیمار اور عورتیں مراد نہیں ہوسکتیں، کیونکہ عورتوں کے لئے حکم ہے، ''لایضربن بأرجلھن'' جو سعی کے برعکس ہے، اسی طرح ''وقرن فی بیوتکن'' کے الفاظ سے سعی میں احتمال ہے، محل زینت کے انکشاف کا اور خرید وفروخت چھوڑنے کے لفظ سے معلوم ہوا کہ قرآن کے مخاطب وہی لوگ ہیں جو خرید وفروخت کے اہل ہیں اور اس کا حق رکھتے ہیں، یہ حق آزاد کو حاصل ہے، غلام کو نہیں، اور نہ چھوٹے بچوں کو یہ حق حاصل ہوتا ہے، مسافر کا مستغنی ہونا بھی غور وفکر سے معلوم ہوجاتا ہے، جمعہ کی اذان اس وقت دی جاتی ہے جب امام خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھ جاتا ہے، اور اس خطبہ کا سننا واجب ہے، اگر مسافر پر بھی جمعہ واجب ہوجاتا تو اتنے مختصر وقت میں سفر ملتوی کر کے وہ خطبوں کو کیوں کر سن سکتا تھا، اس لئے معلوم ہوا کہ مسافر بھی اس سے مستثنی ہے اور خطبہ کا وجوب خود لفظ قرآنی سے معلوم ہوتا ہے، قرآن میں ''فاسعوا إلی ذکر اللہ'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، ''فاسعوا إلی اللہ'' کے لفظ کا نہیں، کیونکہ آہستہ روی اور نازک خرامی کی وجہ سے خطبہ سننے سے محرومی ہوئی، کیونکہ اذان کے فورا بعد خطبہ شروع ہوجاتا ہے، اس لئے عجلت اور تیزی کے ساتھ مسجد میں حاضر ہونا ضروری ہے، جمعہ میں سب سے زیادہ اہمیت اسی خطبہ کی ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ نے جمعہ کے دن دو اذانیں مقرر کیں کہ پہلی اذان پر لوگ مسجد میں پہنچ جائیں، اور جب دوسری اذان پر امام خطبہ شروع کرے تو ایک لفظ بھی مسلمانوں سے چھوٹنے نہ پائے، جمعہ کا خطبہ امیر یا نائب امیر یا ایسا شخص دے گا جو کسی طرح امام بن گیا ہے، اسی خطبہ کو ذکر اللہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اسی کے لئے سعی کا حکم دیا گیا ہے، اس لئے اگر جمعہ فرض ہے تو استماع خطبہ بدرجہ اولی فرض ہوگا، چونکہ دوران سفر میدان بیابان وغیرہ میں اس وعظ کا کوئی موقع نہیں، اس لئے مسافر کو اس حکم سے علاحدہ رکھا گیا، چونکہ خطبہ کے لئے امیر یا نائب امیر کی شرط لگائی گئی ہے، اسی کی وجہ سے مصر (شہر) کی بھی شرط لگائی گئی ہے، کیونکہ امیر یا نائب شہروں ہی میں ہوسکتا ہے چھوٹے چھوٹے گاؤں اور دیہاتوں میں نہیں، اس لئے خطبہ جس کی فرضیت معلوم ہے امیر یا نائب کے فقدان کی وجہ سے نہیں پائی جائے گی، چونکہ اولی الامر کا فقدان ہے اس لئے یہ شرط باقی نہیں رہی، اس لئے مصر کی شرط بھی ایک طرف ہوگئی کہ مصر کی شرط امیر کی شرط کی وجہ سے تھی، جب امیر ہی نہیں تو مصر کا ہونا بھی ضروری نہیں رہا، لیکن حتی الامکان مصر کی رعایت کرنی

چاہئے، اگر دیہات میں جمعہ قائم کرلیتا ہے تو اس سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔

حضرت نانوتویؒ مزید لکھتے ہیں کہ اول تو مصر کی شرط ظنی ہے، امیر یا نائب نہ ہونے کی وجہ سے اس کی شرط میں اور ضعف آ گیا ہے۔

آخر میں آپ نے یہ لکھا ہے کہ یہ خیالات جو میرے ذہن میں آئے آپ کے سامنے پیش کردیئے ہیں، میں نہ قاضی ہوں نہ مفتی، نہ فقیہہ ہوں نہ امام کہ اجتہاد کروں اور میری باتیں لوگوں میں قبول عام ہو، اگر دوسرے حضرات اس سے متفق ہوں تو فبہا ورنہ اس دفتر بے معنی کو میرے سر پر دے مارو (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حیات اور کارنامے ص ۳۴۷ تا ۳۵۱)۔

حضرت نانوتویؒ کی آخری عبارت کو بار بار پڑھئے امیر یا نائب نہ ہونے کے سبب انہوں نے مصر کی شرط کے ظنی ہونے اور ضعیف ہونے کی صراحت کی ہے، لہذا ضعف علی ضعف کے باوصف عوام کو جمعہ اور جماعت سے محروم رکھنا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔

۲- چھوٹی آبادی میں جمعہ کا قیام:

جہاں مسلمانوں کی باقاعدہ آبادی ہوجائے چاہے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو، اور کثیر آبادی غیر مسلموں پر مشتمل ہو نماز باجماعت کا مسجد کے ساتھ یا مسجد کے بغیر نظام ہو تو ایسی آبادی میں بھی جمعہ قائم کرنا درست ہے، کیونکہ فقہاء احناف کے نزدیک امام کے علاوہ تین آدمی کا موجود ہونا بھی صحت جمعہ کے لئے کافی ہے، کیونکہ قرآن نے "**فاسعوا**" کا لفظ جمع کے صیغہ کے ساتھ استعمال کیا ہے، جو تین افراد کا متقاضی ہے اور الی ذکر اللہ کا لفظ مذکر و اعام کی طرف مشیر ہے، یہ کل چار آدمیوں کے لازم ہونے کا داعی ہے، لہذا اتنے آدمی کی موجودگی میں جمعہ کا قیام درست ہے، ساتھ ہی وہاں باضابطہ کوئی عالم امام ہو، نیز وہاں دین سکھانے کے لئے باضابطہ مکتب بھی قائم کیا جائے، تاکہ لوگوں کا دینی شعور بھی بیدار رہے، شرح وقایہ میں ہے: "**والجماعة وهم ثلاثة رجال سوى الإمام عند الإمام وعند أبى يوسف إثنان سوى الإمام**" (شرح وقایہ ۲۰۰/۱)، اس عبارت کے حاشیہ میں مولانا عبدالحئ فرنگی محلی نے تحریر فرمایا ہے: "**قوله الجماعة كونها شرطا لصحة الجمعة مجمع بين الأئمة وغيرهم كما فى الغنية والبناية والأصل فيه قوله تعالى فاسعوا إلى ذكر الله وبه استدل محمد والإمام على أن أقل الجماعة أربعة فيه أربعة مع الإمام لأن الأمر بالسعى وردبصيغة الجمع وأقله ثلاثة وفهم عنه أن الذاكر غيرهم وعند أبى يوسف يكفى فيه مايكفى بغيرها وهوالثلاثة مع الإمام ورجح الشارحون دليل قول الإمام قاله قاسم بن قطلوبغافى تصحيح القدورى**" (حاشیہ شرح وقایہ ۲۰۰/۱، حاشیہ نمبر ۷)۔

۳-تحفظ ایمان کی خاطر جمعہ قائم کرنا:

مسلمانوں کے عام طبقات کو دین سے جوڑ کر رکھنے، ان کے ایمان کی حفاظت کرنے اور آج کے گمراہ کن فتنوں سے آگاہ کرنے کی خاطر جمعہ قائم کرنا شرعاً درست ہے، اور انہی مقاصد کے لئے بہت سے علماء نے جمعہ کا خطبہ کا مقامی زبان میں دینے کی اجازت دی ہے۔

"**قال الله تعالی:"وذكر فإن الذكرى تنفع المؤمنين"**(سورۂ ذاریات:۵۵)۔

☆☆☆

نماز جمعہ اور یوم جمعہ

مولانا عزیز اختر قاسمی☆

اہمیت وفضیلت:

ادائیگی جمعہ پر ثواب کی فراوانی اور ترک جمعہ کا عتاب خدا کی زد میں آنے اور خروج عن الدین کی نشانی ہونے کا تقاضہ تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر اسلامی آبادی میں جمعہ اور نماز جمعہ کی ادائیگی کا خصوصی اہتمام ہونا چاہئے، کیونکہ اہتمام کی وجہ سے دو جمعوں کے درمیان سرزد ہونے والے صغائر جمعتین کی برکت سے معاف ہوجاتے ہیں (الترغیب والترہیب ۲/ ۹۲)۔

اور جو شخص لگاتار تین دفعہ نماز جمعہ چھوڑ دے جمعہ کے حق کو ہلکا سمجھتے ہوئے تو اللہ تعالی اس کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں (ترمذی، حدیث نمبر ۵۰۹)۔

اور یوم جمعہ کی فضیلت تو بہت ہے، مثلاً تمام دنوں میں سب سے اچھا دن جمعہ کا ہے، یوم جمعہ میں اگر کوئی شخص پابندی سے سورہ کہف کی تلاوت کرتا رہے گا تو دجال کے شر سے محفوظ رہے گا وغیرہ۔

ہفتہ کے سات دنوں میں یوم جمعہ ہی ایسا دن ہے جس میں تمام اسلامی برادری کے لوگ نماز جمعہ کے لئے خصوصی اہتمام کرتے ہیں جبکہ پورے ہفتہ اپنے کارہائے زندگی میں انتہائی مصروف ومنہمک رہتے ہیں، اسی دن میں لوگ نماز جمعہ کے لئے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور دین و مذہب کی بہت سی اچھی اور مفید وموثر نصیحتیں اور وعظ سنتے ہیں، انہیں سننے والوں میں بہت سے لوگوں کو عمل کی توفیق اللہ دے دیتا ہے تو ان کی دنیا وآخرت سنور جاتی ہے، پورے ہفتہ انتہائی غفلت کے باوجود نماز کی کچھ رکعتیں ادا کر لیتے ہیں تو "ان لم یدرک کله لا یترک کله" کے مصداق بن جاتے ہیں اور یہ بھی معلوم رہتا ہے کہ نماز اس طرح ادا کی جاتی ہے اور تمام مسلمانوں کا تعلق دین اور احکام دین کے لحاظ سے برقرار رہتا ہے، نیز حاملین علم دین، علماء وصلحاء اور واعظین کے ساتھ مل بیٹھنے، ان کی نصیحتوں کو سننے، سمجھنے اور اپنی زندگی میں تبدیلی لانے کے لئے غور وفکر کا داعیہ وجذبہ بیدار ہوتا ہے، اس لئے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے وہاں نماز جمعہ کی اجازت ہونی

☆ استاذ حدیث وفقہ، جامعہ اسلامیہ بالاساتھ، سیتامڑھی بہار۔

چاہئے ؛خواہ وہ مقام شہر ہو یا دیہات، جواز جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط نہیں ہونی چاہئے ،مگر حدیث میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ جواز جمعہ کے لئے مقام کا شہر ہونا ضروری ہے، لہذا دیہات میں نماز جمعہ ممنوع ہے، تقریبا فقہ کی اکثر کتابوں میں بصراحت مذکور ہے، لہذا مصر کا مفہوم معلوم کرنا ضروری ہے، وہ ذیل میں ذکر کیا جارہا ہے:

مصر کا مفہوم:

احوال زمانہ سے واقفیت رکھنے والے محققین نے الگ الگ مفہوم بیان کیا ہے، اس لئے کہ مصر کا مفہوم منصوص نہیں ہے، بلکہ عرف پر اور اصطلاح اقوام پر موقوف ہے، لہذا اس وقت ہر وہ آبادی جہاں روزمرہ کی ضروریات بآسانی دستیاب ہوجاتی ہوں، مخصوص اہل علم موجود ہوں اور وہاں کے باشندوں کے احوال قیام جمعہ کے متقاضی ہوں تو اس مقام کو مصر کا درجہ دیا جاسکتا ہے، ذیل میں ہم کچھ شرائط جواز جمعہ کا ذکر مع تشریح وتنقیح پیش کرنے کی سعی کرتے ہیں۔

کنز الدقائق میں عبارت کچھ اس طرح ہے:"**شرط أدائها المصر وهو كل موضع له أمير وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود أومصلاه ومنى مصر لاعرفات والسلطان أو نائبه**"(باب صلاۃ الجمعہ ۲/۱۵۱-۱۵۵) ،مذکورہ بالا عبارت میں کچھ شرائط جمعہ کا ذکر ؛ ہے یعنی صحت صلاۃ جمعہ کے لئے اس مقام کا شہر ہونا ضروری ہے، پھر مصر یعنی شہر کا معنی بیان فرمایا کہ مصر وہ مقام ہے جہاں کوئی امیر ہو اور قاضی ہو جو احکام نافذ کرے اور حدود قائم کرے، اس کی تشریح کے ذیل میں علامہ ابن نجیم مصری نے البحر الرائق میں یہ اضافہ فرمایا کہ امیر وقت اگر خود مفتی نہ ہو تو وہاں کوئی دوسرا شخص مفتی ضرور ہو جس سے احکام شریعت معلوم کر کے حکم شرع کو وہ نافذ کر سکے، اس آبادی کی عمارتیں منٰی کی عمارتوں کے مثل ہو، واضح رہے کہ اس آبادی کے امیر کا مرد ہونا کوئی ضروری نہیں عورت بھی امیر ہوسکتی ہے، تو دوسرے احکام جاری کرنے کی طرح نماز جمعہ قائم کرنے کا حکم بھی جاری کرسکتی ہے، البتہ وہاں کسی لائق وفائق مفتی وعالم دین کا ہونا ضروری ہے، تاکہ ادائیگی جمعہ وعیدین کے لئے اس کو امام بنایا جاسکے، البحر الرائق میں عبارت کچھ اس طرح ہے:

"**واحترز المصنف بقوله يقيم الحدود عن الحكم والمرأة، إذا كانت قاضية فإنهما لا يقيمان الحدود إن نفذ الأحكام**"، اس کے بعد چوتھی سطر میں عبارت اس طرح ہے:"**لأن المرأة تكون سلطان أوقاضية في الجملة فتصح إنابتها**"(مصنف کنز نے یقیم الحدود کی قید لاکر حکم اور عورت سے احتراز کیا ہے جبکہ عورت قاضی ہو تو یہ عورت احکام شریعت نافذ کرسکتی ہے مگر حدود قائم نہیں کرسکتی ، پھر آگے جو عبارت ہے اس کا ترجمہ: کیونکہ عورت امیر وقاضی بن سکتی ہے تو اقامت جمعہ واعیاد کے لئے اپنا نائب بناسکتی ہے)۔

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ بے شک مصر وہ بڑی جگہ ہے جہاں چھوٹے، بڑے راستے ہوں، وہاں بازار ہو، محلے ہوں، نیز وہاں کوئی باحیثیت عہدہ دار شخص بھی ہو جو مظلومین کا حق دلاتا ہو، اپنے علم کے ذریعہ یا اپنے معاونین ومخلصین کے ذریعہ اور اگر وہ خود عالم دین نہ ہو تو دوسرے کوئی اور ایسے عالم دین ہوں جن کی نظر فقہ وفتاوی پر گہری ہو، احوال زمانہ سے بھی واقف ہو اور صائب الرائے ہو تو ان کے علم کے ذریعہ پیش آمدہ مسائل کا حل شریعت کی روشنی میں پیش کیا جاسکے گا تو اس وقت ناواقف اور لاعلم حاکم ہونا بھی کافی ہوجائے گا، عبارت اس طرح ہے:

"**إنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولهارساتيق وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمه وعلمه أو علم غيره والناس يرجعون إليه فى الحوادث**" (ردالمحتار ۲/ ۱۳۷، دارالفکر بیروت)۔

اس تعریف کو علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع میں اصح قرار دیا ہے، مختصر یہ ہے کہ مصر کی تعریف وتحدید منصوص نہیں ہے، اس لئے اس کی تعریف میں بہت اختلاف ہے، اور بڑے بزرگوں کی تحقیق اور تاریخ تحقیق سے بھی ایسا یقین ہوتا ہے کہ مصر کی تعریف عرف پر مبنی ہے، جس آبادی کو عرف میں مصر کہا جانے لگا وہ مصر ہے اور جس کو مصر کا لقب نہیں ملا وہ قریہ اور دیہات ہے، اسی طرح ہر جگہ کی حالت کے لحاظ سے بھی تحقیق پیش کی گئی ہے، چنانچہ فتاوی مطبوعہ میں سے کچھ اس طرح فتوی نظر آیا ہے کہ تین سو چار سو آبادی والے گاؤں کو شہر کا درجہ دے کر اقامت جمعہ وعیدین کے جواز کا فتوی دیا گیا ہے، اور سات سو آٹھ سو افراد پر مشتمل گاؤں میں جمعہ وعیدین کی اجازت نہیں دی گئی ہے (دیکھئے فتاوی امارت شرعیہ باب الجمعہ)۔

اور حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ کی رائے یہی ہے، مصر کی تعریف عرف پر مبنی ہے (فتاوی امارت شرعیہ ۲/ ۱۵۱)۔

ان سب مختلف تعریف کو غور سے دیکھنے کے بعد کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین بزرگوں نے صحت جمعہ کی منصوص شرط کو اپنی جگہ پر باقی رکھتے ہوئے ایسی تعریف وتحدید کرنا اچھا سمجھا ہے کہ اس کی وجہ سے بیشتر مقامات پر جمعہ وعیدین کا ادا کرنا جائز ہوجائے، اس لئے کہ جمعہ وعیدین محض نام کے لحاظ سے جمعہ وعیدین نہیں ہے، کیونکہ اس کا قائم کرنا بے انتہا، دنیوی واخروی، انفرادی واجتماعی، شرعی وبشری، دفاعی وتحفظی فوائد ومصالح پر مشتمل ہے، اور بموقعہ جمعہ جامع مسجد میں اور بموقعہ عیدین عیدگاہ میں سب مسلمان کو اور قریب قریب کے تمام مسلمان باشندوں کو حکم دیا گیا ہے کہ جمعہ کے دن اپنے کاروبار اور دیگر مشاغل سے علاحدہ ہوکر جامع مسجد میں جمع ہونے کی سعی کریں، تاکہ وہاں پیش کیا جانے والا خطاب اور پیام سن کر اپنی اپنی زندگیوں میں سدھار لانے کی سعی کریں، نبی ﷺ کی حیات میں مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے علاوہ اردگرد نو مسجدیں تھیں، ساری مسجدوں کے نمازیوں کو حکم دیا گیا تھا کہ جمعہ کے دن تمام مشاغل کو موقوف کرکے مسجد نبوی میں جمع ہوں، چنانچہ

ایسا ہی ہوتا تھا کہ نبی ﷺ کی حیات طیبہ میں تو خصوصی احکام کا بیان ہوتا ہی تھا ان کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا، گو یا جمعہ کے دن امت مسلمہ کے لئے جو خصوصی احکام بتقاضائے وقت لازم وضروری ہوتا تھا وہ احکام بتائے جاتے تھے۔

بہر حال صحت جمعہ کے لئے ایک اہم شرط مصر کا ہونا ہے اور یہ شرط منصوص ہے، اس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا ہے، البتہ مصر کی تعریف جو منصوص نہیں ہے بلکہ عرف پر مبنی ہے اور یہ قاعدہ اپنی جگہ مسلم اور معقول ہے کہ عرف کے بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے، چنانچہ ہم اوپر میں لکھ آئے ہیں کہ مصر کی تعریف میں اختلاف ہے، وہ اسی وجہ سے ہے کہ مصر کی تعریف عرف پر مبنی ہے، اختلافاتی اقوال کے ذکر کے بعد علامہ کاسانی نے اخیر میں دو اقوال مصر کی تعریف سے متعلق ذکر فرمائی ہے، ان دونوں اقوال کو دیکھنے سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ بدلے ہوئے عرف کے لحاظ سے یہ تعریف عہد مقارن کے بالکل مناسب ہے، ایک قول کو سفیان ثوری کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور دوسری کو ابوالقاسم الصفار کی طرف، پہلی تعریف کا خلاصہ یہ ہے کہ مطلق مصر کے تذکرہ کے وقت مبصرین حضرات جس آبادی کے بارے میں یہ فتوی دیں کہ فلاں آبادی شہر یعنی مصر معلوم ہو رہی ہے تو مصر ہے، اور ابوالقاسم الصفار کی طرف تعریف جو منسوب ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ سب آبادی مصر کہلائے گی جہاں کے لوگ حیرت انگیز دفاعی طاقت وقوت کے مالک ہوں اور وہاں کوئی باعلم انصاف ور حاکم ہو جو شریعت کی روشنی میں کسی بھی پیش آمدہ مسئلہ کا حل پیش کرنے اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور اگر وہ حاکم وقت خود عالم دین نہ ہو تو دوسرے کسی بھی عالم دین سے استفادہ کر کے حکم شریعت کے مطابق فیصلہ کر سکے تو اس طرح کی آبادی کو مصر قرار دیا جائے گا اور صحت جمعہ وعیدین کے جواز کا فتوی دیا جائے گا:

"**وقال السفيان الثورى المصر الجامع مايعده الناس عند ذكرالأمصار المطلقة سے فيحكم بينهما تک**" (بدائع الصنائع ۱/ ۵۸۴)۔

علامہ کاسانیؒ نے یہ قول تو نقل کیا ہے مگر تائید میں کوئی دلیل پیش نہیں فرمائی ہے، تاہم یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ مصر کی تعریف اس طرح کی جائے کہ مقاصد قیام جمعہ کا پورا خیال اور حکمت نماز جمعہ کا مکمل اہتمام کیا گیا ہو۔

استدراک: مصر کی تعریف سے متعلق مذکورہ بالا تفصیلات اس لئے پیش کی گئی کہ ذیل میں مصر کی جو تعریف پیش کی جا رہی ہے وہ موجودہ حالات پر منطبق بھی ہو جائے اور عظمت شریعت کا مکمل اہتمام بھی ہو اور ساتھ ساتھ اکثر اسلامی آبادی کے لئے نماز جمعہ کا ادا کرنا منصوص شرط کو باقی رکھتے ہوئے آسانی ہو جائے۔

تعریف مصر: ہر وہ آبادی جہاں صرف مسلمان رہتے ہوں یا برادران وطن بھی ہوں اور ارکان اسلام کی ادائیگی میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اور وہاں کوئی ایسی شخصیت موجود ہو جو پیش آمدہ مقدمہ کا فیصلہ اپنے علم شرعی کی روشنی میں بآسانی کر سکے یا

خود عالم شریعت نہ ہوتو دوسرے کسی عالم دین سے استفادہ کرکے ازروئے شرع فیصلہ کرسکے اور وہاں ضروریات زندگی (ضروریات شرعی وضروریات بشری) کی تکمیل کے اسباب بھی مہیا ہوں، نیز ہر زمانہ میں اتنے افراد ضرور سے ہوں جو حملہ آور دشمنوں کو دفع کرنے کی بھرپور طاقت وقوت رکھتے ہوں (ایمان والے تو اپنی ایمانی قوت سے کام کرتے ہیں)، اس آبادی میں جو عالم دین وشریعت ہو ان کا اسی آبادی کا ہونا ضروری نہیں ہے، دوسرے جگہ کے ہوں تب بھی کافی ہے۔

۲- ہر وہ مقام جہاں مسلمانوں کی باقاعدہ آبادی ہو تو ایسے مقامات پر نماز جمعہ کا نظام بنانا جائز ہوگا، اس لئے کہ نماز جمعہ اور اس کا اجتماعیت کے ساتھ ادا کیا جانا نماز پنجگانہ کی طرح محض ایک نماز ہی نہیں بلکہ اس کی حیثیت ان نمازوں سے الگ ہے، یہی وجہ ہے کہ مدینہ منورہ اور اس کے اردگرد قبائل کے باشندوں کو نماز جمعہ مسجد نبوی میں ادا کرنے کا حکم تھا، جبکہ ان قبائل میں بھی مساجد موجود تھیں، تاکہ قیام جمعہ کا جو خصوصی مقصد ہے اس کو حاصل کیا جاسکے، چنانچہ شیخ وہبہ زحیلیؒ نے الفقہ الاسلامی وادلتہ نامی کتاب میں قدرے اس پر روشنی ڈالی ہے، جس کا خلاصہ اس طرح ہے کہ نماز جمعہ سے قبل ایک خطاب جامع ہوتا ہے، اس میں عوام الناس کو بہت کچھ اسلامی وشرعی ہدایات دی جاتی ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا پیغام دیا جاتا ہے اور اس کو غیر موجود اشخاص وافراد تک پہنچانے کا حکم دیا جاتا ہے، اسلامی قوانین واحکام اور اداب زندگی بتائے جاتے ہیں، کلمہ واحدہ کی بنیاد پر اتحاد واتفاق کی دعوت دی جاتی ہے وغیرہ جو بڑا پیغام ہوتا ہے اور آداب معیشت ومعاشرت سیکھایا جاتا ہے، حاصل یہ ہے کہ اگر دار اسلامی کی عمدگی اور طریقہ حفاظت زندگی وبندگی سے روشناس کیا جاتا ہے تو اس طرح اجتماعی طور پر اس عظیم مقاصد کی تکمیل ہوتی ہے تو الامور بمقاصدہا کے تحت ہر اسلامی آبادی میں نظام جمعہ قائم کئے جانے کو جائز قرار دیا جانا چاہئے۔

نماز جمعہ کے لئے مسلمانوں میں کچھ خاص اہتمام کا طریقہ رائج ہے جو اس کی پہچان ہوتی ہے کہ یہ اہتمام کرنے والے مسلمان ہیں، گویا نماز جمعہ مسلمانوں کی ایک خصوصی پہچان وعلامت ہے، اس لئے نماز جمعہ کا قائم کرنا ہر اسلامی آبادی میں جائز ہوگا، کیونکہ علامتیں حذف نہیں کی جاتی ہیں، بازاروں میں، جیل خانوں میں اور کارخانوں میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے جواز کا فتوی بہت پہلے سے دیا ہوا ہے، تو آبادی میں نظام جمعہ قائم کرنے کا فتوی دیا جائے گا، کیونکہ حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ نے جو فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جس آبادی میں فی الجملہ مدنیت ہو وہاں جمعہ جائز ہے۔

اور اس لئے بھی جائز ہوگا کہ اجتماعیت کے ساتھ لوگوں کو یہ بتانا لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھیں، ارتداد کے فتنہ سے محفوظ رہیں، شعائر اسلام کی معلومات رکھیں، وعظ ونصیحت کے ذریعہ ایمان میں تازگی لائیں اور یہ اجتماعیت ہی کی صورت میں ممکن ہے، لہذا آبادی کے ہر فرد مسلم کے لئے ایک عمومی اجتماع ضروری ہے جو جمعہ اور نماز جمعہ ہی کے قیام سے

آسان ہوگا، نماز جمعہ کی تیاری کی برکت سے عام مسلمانوں کو بدن کی صفائی، کپڑوں اور جگہ کی صفائی اور مطلوبہ طہارت کے حصول کی توفیق اور موقع مل جاتا ہے جو بہرحال جزء ایمان ہے، اس لئے مسلمانوں کی جہاں آبادی ہو تو جگہ نماز جمعہ کو جائز کہا جاسکتا ہے۔

۳- گاؤں میں جمعہ کا قیام:

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ واضح کرنے کی سعی کی گئی ہے کہ قیام نماز جمعہ کے لئے جو منصوص شرط ہے یعنی اس مقام کا مصر ہونا تو کسی بھی آبادی میں صحت نماز جمعہ کی اجازت دیتے وقت اس خاص شرط سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا ہے، البتہ مصر کے وجود کے لئے جو حدود و قیود ماضی بعید میں اس وقت کے احوال کے اعتبار سے لئے گئے تھے وہ ضروری نہیں ہوگا، بلکہ بدلے ہوئے احوال زمانہ کے لحاظ سے جن قیود کے ساتھ مصر کی تعریف پیش کی گئی ہے اس کا لحاظ رکھنا مناسب ہوگا، تاہم مقاصد قیام جمعہ سے بھی بالکلیہ صرف نظر نہیں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ ماضی قریب اور حال کے بڑے بڑے محققین نے مقاصد کا لحاظ کر کے جواز جمعہ کا فتوی دیا ہے، فتوی امارت شرعیہ کے حوالہ سے کچھ فتاوی پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا جس سے جواز نماز جمعہ فی القری کا ثبوت ملتا ہے۔

یہاں یہ بات مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ جو گاؤں تاہنوز طرز قدیم پر قائم ہے کہ وہاں نہ کوئی قوت حاکمہ ہے، نہ بازاریت ہے نہ مسئلہ و مسائل کے جاننے والے ہیں خواہ باہری ہی کے کیوں نہ ہوں، ضروریات بشری اور ضروریات شرعی کی تکمیل کے اسباب بھی کسی طرح بآسانی فراہم نہیں ہیں اور نہ وہاں پر مسلمانوں کی ایسی جمعیت ہو کہ حملہ آوروں کے دفاع کی صلاحیت رکھے تو ایسی آبادی میں قیام جمعہ کا فتوی دینا بادی النظر میں جائز نہ ہوگا، کیونکہ آج سے تقریبا ۹۲ سال قبل مولانا عثمان غنیؒ نے چھوٹی بستی جس میں قریب ۲۵ گھر مسلمانوں کے ہیں اس میں عدم جواز کا فتوی دیا تھا (فتاوی امارت شرعیہ ۲/۲۴۹، باب صلاۃ الجمعہ)، تو آج بھی اگر کوئی ایسا گاؤں ہے جو آج سے تقریبا سو سال پہلے کی طرح ہے اس میں نماز جمعہ جائز نہ ہوگی وہاں کے لوگوں کو جمعہ کے دن بھی ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنا چاہئے ورنہ گناہ ہوگا۔

گاؤں میں جمعہ:

گاؤں میں جمعہ کے جواز کی کئی وجہیں سمجھ میں آرہی ہیں، اس لئے گاؤں میں نماز جمعہ کے وجوب کا نہیں تو جواز کا فتوی ضرور دیا جانا چاہئے، کیونکہ مولانا عثمان غنیؒ نے ایک استفتاء کے جواب میں تقریبا ۸۸ سال قبل فرمایا کہ نماز جمعہ وعیدین دونوں مسجدوں میں جائز ہے، استفتاء کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بستی میں دو مسجد ہے اور پہلے ایک ہی مسجد میں جمعہ وعیدین کی نماز

ادا کی جاتی تھی بعد میں دونوں مسجدوں میں جمعہ وعیدین کی نماز ادا کی جانے لگی تو اس کے متعلق فتوی دریافت کیا گیا کہ دونوں مسجدوں میں جمعہ وعیدین ادا کرنا صحیح ہے یا نہیں تو اس کے جواب میں فرمایا نماز (جمعہ وعیدین) دونوں مسجدوں میں جائز ہے (فتاوی امارت شرعیہ ۲/۲۴۶)۔

☆☆☆

الجمعة فی القری

مولانا محمد اکرام سعادتی ☆

تمہید

ہفتے کے دنوں میں جمعہ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے، اہمیت کی جہاں اور بھی وجوہات ہیں، وہیں ایک بڑی وجہ نمازِ جمعہ ہے، جو اس دن ظہر کی جگہ ادا کی جاتی ہے، یہ نماز کئی جہتوں سے دوسری فرض نمازوں سے مختلف ہے، سب سے اہم بات یہ ہے کہ نمازِ جمعہ ہر جگہ، ہر فرد پر واجب اور صحیح نہیں ہوتی، صحراء و جنگلات میں؛ کھیتوں اور کھلیانوں میں؛ چھوٹے موٹے گاؤں دیہات اور معمولی آبادیوں میں؛ جمعہ واجب بھی نہیں ہوتا ہے اور اس کی ادائے گی بھی صحیح نہیں ہوتی ہے، بلکہ اس کے لیے شریعت نے ایک خاص جگہ کو شرط قرار دیا ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں، چنانچہ علامہ ابوبکر جصاص رازیؒ فرماتے ہیں:

"واتفق فقهاء الأمصار على أن الجمعة مخصوصة بموضع لا يجوز فعلها فى غيره، لأنهم مجمعون على أن الجمعة لا تجوز فى البوادى، ومناهل الأعراب." (أحکام القرآن للجصاص: ۳/ ۵۹۵)۔

البتہ اس مخصوص موضع کی تعیین میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے، امام مالکؒ کے نزدیک ہر اُس بستی میں جمعہ واجب ہے جس میں مسجد ہو یا بازار ہو، امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اُس بستی میں جمعہ فرض ہے جس میں چالیس آزاد، عاقل اور بالغ آدمی مستقل طور پر رہتے ہوں، مکان کچے ہوں یا پکے، شرط یہ ہے کہ باہم متصل ہوں، متفرق نہ ہوں۔

"فقال مالک: كل قرية فيها مسجد أو سوق فالجمعة واجبة على أهلها، ولاتجب على أهل العمود وإن كثروا لأنهم في حكم المسافرين، وقال الشافعي وأحمد: كل قرية فيها أربعون رجلا أحرارا، بالغين، عقلاء، مقيمين بها لايظعنون عنها صيفا ولا شتاء إلا ظعن حاجة، فالجمعة واجبة عليهم۔ سواء كان البناء من خشب أو حجرأو طين أو قصب أو غيرها بشرط أن تكون الأبنية مجتمعة، فإن كانت متفرقة لم تصح " (بذل المجہود ۵/ ۶۱)۔

☆ مدرسہ اسلامیہ احیاء العلوم بھاپ، جودھ پور، راجستھان۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وجوبِ جمعہ اور صحتِ جمعہ کے لیے مصر یا قریۂ عظیمہ شرط ہے:

"**فقال أصحابنا هی مخصوصة بالأمصار ولاتصح فی السواد**"(احکام القرآن للجصاص ۳/ ۵۹۵)۔

پھر مصر کی تعریف میں احناف کے مابین اچھا خاصا اختلاف ہے، ہر ایک نے اپنے ذوق ومزاج اور زمانے کے حالات وضروریات کے مطابق مصر کی تعریف کی ہے، لیکن سب سے جامع تعریف وہ ہے جو امام اعظمؒ سے منقول ہے:

"**المصر: كل بلدة فيها سكك وأسواق وبها رساتيق ،ووال ينصف المظلوم من الظالم، وعالم يرجع إليه في الحوادث. قيل وهو الأصح**"(فتح القدیر ۲/ ۵۰)۔

اس تمہید کے بعد ترتیب وار سوالات کے جوابات درج کئے جاتے ہیں:

۱-مصر کے لغوی معنی:

مشہور عالمِ لغت مجدالدین فیروز آبادی لکھتے ہیں:

"**المصر: بالكسر: الحاجز بين الشيئين كالماصر،والحد بين الأرضين ،والوعاء ،والكورة والطين الأحمر**"(القاموس المحیط، باب الراء، فصل المیم)۔

"**المدينة ،مدن: أقام ،ومنه المدينة ،للحصن يبنى في أصطمة أرض ،.....والمدائن :مدينة كسرى قرب بغداد سميت لكبرها**"(القاموس المحیط)۔

مصر کی اصطلاحی تعریف:

"**ما فيه نوع من مرافق الحياة دينا ودنيا، ومن مرافق الدين عالم يرجع إليه عند الحاجة الدينية، ومن مرافق الدنيا دكاكين ومستشفى ومحطة القطار وغير ذلك**".

مصر کی کوئی حتمی اور آخری تعریف نہیں کی جاسکتی ہے، کیوں کہ اس کا مدار عرف وعادت پر ہے، اور عرف وعادت سدا تغیر پذیر رہتے ہیں، فقہائے کرام نے مصر کی جو تعریفیں کی ہیں وہ سب علامات کے اعتبار سے کی ہیں، اور علامتیں بدلتی رہتی ہیں، اسی لیے فقہاء کرام کی تعریفات بھی بدلتی رہی ہیں، علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بڑی اچھی اور فیصلہ کن بات ارشاد فرمائی ہے:

"**واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التى لا تكاد تنضبط بحال، وإن نص. ولذا ترك الفقهاء تعريف المصر على العرف**"(فیض الباری ۲/ ۴۲۳)۔

حضرت گنگوہیؒ فقہاء کرام کی تعریفات ذکر کرنے کے بعد ان پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وليس هذا كله تحديدا له بل إشارة إلى تعيينه وتقريب له إلى الأذهان، وحاصله إدارة الأمر على رأى أهل كل زمان فى عدهم المعمورة مصرا، فما هو فى عرفهم جازت الجمعة فيه، وما ليس بمصر لم يجز فيه" (الکوکب الدری:۱/۱۹۹ بحوالہ: فتاوی محمودیہ میرٹھی:۱۲/۲۱۷)۔

الغرض تمدن اور شہریت تمام تعریفوں میں قدرِ مشترک کے طور پر موجود ہے، جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

"وقد تلقت الأمة تلقيا معنويا من غير تلقى لفظ أنه يشترط فى الجمعة الجماعة ونوع من التمدن" (حجۃ اللہ البالغۃ مع شرح رحمۃ اللہ الواسعۃ ۳/۶۲۰)۔

نیز جغرافیائی لحاظ سے بھی تغیر ہوتا ہے، اس طرح زمان ومکان دونوں مؤثر ہیں، ایک علاقے میں کچھ چیزیں علاماتِ مصر ہوتی ہیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے علاقے میں بھی وہی علاماتِ مصر ہوں، کچھ زمانہ پہلے کافی مقدار میں پختہ مکانات، پکی سڑکیں، ڈاک خانہ، شفاخانہ، پانی کی سپلائی، بجلی اور روزمرہ ضروریات کی دکانیں عموماً شہر کی علامتیں تھیں، آج یہ چیزیں صرف شہروں کے ساتھ مختص نہیں رہی ہیں، ان میں سے اکثر چیزیں چھوٹے چھوٹے دیہات اور گاؤں میں بھی میسر ہیں، بل کہ بجلی وغیرہ تو کھیتوں میں تنہا تنہا بسنے والوں تک بھی پہنچ چکی ہیں، اس لیے سہولیات کی فراہمی اور تمدن کی ترقی کو شہر کی بنیادی علامت قرار دینا درست معلوم نہیں ہوتا۔

آج کل کے عرف وعادت کے لحاظ سے تحصیل اور قصبہ تو قریۂ عظیمہ ہیں، اس میں دورائے کی گنجائش نہیں، تحصیل اور قصبے سے نیچے گرام پنچایت کی باری آتی ہے، اس میں اگر ایک قسم کا تمدن معلوم ہو اور دینی ودنیوی ضروریات ایک حد تک پوری ہوجاتی ہوں، تو یہ بھی قریۂ عظیمہ ہے، لیکن اگر وہاں کی آبادی کم ہے؛ یا لوگ اپنے اپنے کھیتوں میں اس طرح بکھرے ہوئے رہتے ہوں کہ تمدن کی بو محسوس نہ ہوتی ہو، تو یہ محض دیہات ہے، جہاں جمعے کے وجوب اور صحت کی گنجائش نہیں، اور جو بستی گرام پنچایت بھی نہ ہو عام طور پر وہاں ایک نوع کا تمدن نہیں پایا جاتا ہے، دین ودنیا کی حاجات بھی وہاں سے پوری نہیں ہوتی ہیں، اور بڑی آبادی بھی نہیں ہوتی ہے تو ظاہر سی بات ہے کہ یہاں جمعے کے قیام کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہاں کوئی بستی موجودہ سرکاری معیار کے مطابق گرام پنچایت بننے کے لائق ہو (یہ الگ بات ہے کہ حکومت نے اسے گرام پنچایت کا درجہ نہ دیا ہو) اور وہاں سے تمدن کی بو بھی آتی ہو تو اسے بھی قریۂ عظیمہ کے دائرے میں داخل کرسکتے ہیں، جس میں فقہاء کرام نے جمعے کے جواز کا فتوی دیا ہے، علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:

"وفی القهستانی: وتقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرة التی فیها أسواق" (ردالمحتار ۳/۸)۔

یہ تحدید وتقسیم شہر کے مفہوم کو ذہن سے قریب کرنے کی ایک کوشش ہے، باقی صحیح، جامع تعریف جو تقریبا ہر زمان و مکان میں کارآمد ہے، وہ ہے جو خود صاحبِ مذہب امام اعظم ابوحنیفہؒ سے منقول ہے:

"المصر: کل بلدة فیها سکک وأسواق وبها رساتیق ،ووال ینصف المظلوم من الظالم،وعالم یرجع الیه في الحوادث. قیل وهو الأصح "(فتح القدیر ۲/۵۰)۔

اسی کے قریب قریب وہ تعریف ہے جو حضرت سفیان ثوریؒ سے منقول ہے:

"المصر الجامع ما یعده الناس مصرا عند ذکر الأمصار المطلقة." (بدائع الصنائع ۱/۵۸۴)۔

باقی بعض فقہاء کرام نے بستی کے باشندوں کی تعداد کا اعتبار کرتے ہوئے تعریف کی ہے، اور اس میں بھی مختلف اندازے ہیں، کم سے کم ایک ہزار اور زیادہ سے زیادہ دس ہزار تک تحدید کی گئی ہے، امام ابو یوسفؒ سے منقول تینوں روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے:

"إذا اجتمعوا فی أکبر مساجدهم لم یسعهم" (الجوہرۃ النیرۃ ۱/۱۰۶)۔

اس تعریف کی رو سے مصر کے دائرے میں مزید وسعت پیدا ہوجاتی ہے، اور بہت سے گاؤں، دیہات مصر کی سرحد میں داخل ہوجاتے ہیں، بعض فقہاء نے لوگوں کی شرعی احکام کے بارے میں غفلت اور لاپرواہی دیکھتے ہوئے اس پر فتوی بھی دیا ہے، اور یہ ظاہر الروایۃ بھی ہے۔

"وقال ابو شجاع: هذا أحسن ما قیل فیه، وفی الولوالجیة: وهو الصحیح"(البحر الرائق ۲/۲۴۷)۔

علامہ حصکفیؒ اس کی علت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"لظهور التوانی فی الأحکام" (درمختار مع ردالمحتار ۳/۶)۔

لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ اس تعریف میں صرف وہ لوگ مراد ہیں جن پر جمعہ واجب ہوتا ہے، جن پر جمعہ واجب نہیں ہوتا ان کا اجتماع معتبر نہیں۔

"أی اجتمع من تجب علیهم الجمعة لا کل من یسکن فی ذلک الموضع من الصبیان والنساء والعبید، لأن من تجب علیهم مجتمعون فیه عادة..... الأول اختیار الکرخی وهو ظاهر الروایة، وعلیه أکثر الفقهاء." (الکفایۃ بہامش فتح القدیر ۱/۵۱)۔

لیکن علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ سے منقول مذکورہ بالا تعریف مصر جامع کی ہے نہ کہ مطلق مصر کی (فیض الباری ۲/ ۴۲۳)۔

اس طرح قریۂ عظیمہ اس تعریف سے خارج ہو گیا، آخری بات یہی ہے کہ جس جگہ ایک نوع کا تمدن ہو، دین و دنیا کی کچھ حاجات وہاں سے پوری ہوجاتی ہوں؛ تو اس میں جمعے کے قیام کا فیصلہ کسی مستند مفتی اور عالمِ دین کی رائے پر چھوڑ دیا جائے، جائزے اور معائنے کے بعد اگر رائے یہ قائم ہو کہ اس کو شہر کا حکم دیا جاسکتا ہے تو جمعہ قائم کیا جائے، ورنہ نہیں۔

۲- جہاں مسلمانوں کی باقاعدہ چھوٹی آبادی ہو؛ وہاں جمعہ قائم کرنا درست نہیں، کیوں کہ جمعہ کی صحت کے لیے مصر یا قریۂ عظیمہ شرط ہے۔

"**فقال أصحابنا : هی مخصوصة بالأمصار ،ولاتصح في السواد**" (أحکام القرآن ۳/ ۵۹۵)۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں: "**وفی القهستانی: وتقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرة التی فیها أسواق**" (ردالمحتار ۳/ ۸)۔

ملک العلماء علامہ کاسانیؒ رقم طراز ہیں: "**أما المصر الجامع:فشرط وجوب الجمعة وشرط صحة أدائها عند أصحابناحتی لاتجب الجمعة إلا علی أهل المصر ومن کان ساکنا في توابعه، وکذا لایصح أداء الجمعة إلا في المصر و توابعه ،فلاتجب علی أهل القری التی لیست من توابع المصر؛ولایصح أداء الجمعة فیها**" (بدائع الصنائع ۱/ ۵۸۳)۔

صحتِ جمعہ کے لیے مسجد شرط نہیں ہے، مصر میں مسجد نہ ہو تب بھی جمعہ درست ہے، اور غیرِ مصر میں مسجد ہوتے ہوئے بھی جمعہ درست نہیں۔

"**وفي العتابیة: لو صلی الجمعة في قریة بغیر مسجد جامع والقریة کبیرة لها قری ،وفیها وال وحاکم جازت الجمعة ،بنوا المسجد أو لم یبنوا ،وإن کا ن بخلاف ذالک لایجوز**" (الفتاوی التاتارخانیۃ ۲/ ۵۴۸)۔

۳- مسلمانوں کو دین سے وابستہ کرنے؛ ان کے ایمان کے تحفظ اور باطل فتنوں سے بچاؤ کی خاطر علی الاطلاق گاؤں، دیہات میں جمعہ کے قیام کی اجازت دینا درست نہیں۔

نماز جمعہ کے لیے احناف نے جو مصر کی شرط لگائی ہے وہ نصوص سے ثابت ہے، اور اس بابت احناف کا مذہب

دوسرے مذاہب کے مقابلے میں قوی ہے، حضرت علیؓ کی روایت مرفوع نہ سہی؛ موقوف ہوتب بھی مرفوع کے حکم میں ہے، نیز جمعہ مکۃ المکرّمۃ میں فرض ہو چکا تھا، جیسا کہ علامہ سیوطیؒ نے ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں تصریح کی ہے، لیکن پہلا جمعہ (سن ایک ہجری) میں مدینۃ المنورۃ میں قائم کیا گیا، اس کے آٹھ یا نو سال بعد بحرین کے شہر'' جواثی'' میں دوسرا جمعہ قائم کیا گیا، جہاں قبیلۂ بنوعبدالقیس آباد تھا، حالاں کہ اس دوران اسلام جزیرۂ عرب کے ایک خاصے حصے پر پھیل چکا تھا، جناب رسول اکرم ﷺ نے قباء میں کئی دن قیام فرمایا، اس دوران جمعہ کا دن آیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ نہیں پڑھا، اس کے علاوہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے میدانِ عرفات میں جمعہ قائم نہیں کیا، حالاں کہ اُس وقت تقریباً سوا لاکھ صحابۂ کرام موجود تھے، عہدِ نبوی میں صرف تین جگہوں (مکہ، مدینہ اور جواثی) میں جمعہ کا قیام اس بات کی واضح دلیل ہے کہ چھوٹی بستی میں جمعہ صحیح نہیں ہوتا ہے۔

اسلام کی تبلیغ اور دینی تعلیم کی ضرورت اُس وقت آج کی بہ نسبت زیادہ تھی، صحابۂ کرام المدینۃ المنورہ کے آس پاس بسی بستیوں سے جنھیں عوالی کہا جاتا ہے، جمعے کے روز باری باری مسجدِ نبوی میں حاضر ہوتے تھے، لیکن انھوں نے اپنی بستیوں میں جمعہ قائم نہیں کیا۔

مسلکِ احناف کے دائرے میں رہتے ہوئے چھوٹی چھوٹی آبادیوں میں جمعہ کے جواز کی کوئی سبیل نہیں نکلتی ہے، ہاں امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک کو یا امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب کو اختیار کرلیا جائے تو گنجائش نکل سکتی ہے، لیکن عدول عن المذہب بلاضرورتِ شدیدہ کے جائز نہیں؛ یہاں کوئی ایسی سخت ضرورت نہیں ہے کہ علی الاطلاق عدول عن المذہب کیا جائے، جیسا کہ مفقود الخبر شوہر کی بیوی کے لیے امام مالکؒ کے مسلک پر فتوی دیا گیا ہے۔

اس لیے امام اعظمؒ سے مصر کی جو تعریف منقول ہے اس کو سامنے رکھا جائے اور علی الاطلاق چھوٹے چھوٹے گاؤں میں جمعہ کے جواز کا فتوی نہ دیا جائے، البتہ جس جگہ صورتِ حال ایسی ہو کہ وہاں جمعہ قائم نہ کرنے کی صورت میں کسی دینی نقصان کا قوی اندیشہ ہو، تو وہاں فقہ کے مشہور قاعدے'' أھون البلیتین'' کے اصول کے تحت عارضی اور عبوری طور پر جمعہ قائم کرنے کی اجازت دے دی جائے، اور یہ کام علماء کی نگرانی میں ہونا چاہیے، اور رفعِ حاجت کے بعد حکم کو اپنی اصلی حالت پر لوٹا دیا جائے، ہمارے اکابر نے بعض موقعوں پر تعزیہ داری یا عرس وغیرہ کی جو اجازت دی تھی وہ ایسے ہی موقعوں پر دی تھی جہاں حالت اضطراری تھی، ایمان جیسی قیمتی پونجی بچانے کا مسئلہ درپیش تھا، وہ اجازت اسی اصول کے تحت دی تھی۔

اب تک ہمارے علماء کرام اور مفتیانِ عظام گاؤں، دیہات میں جمعہ کے مسئلے میں محتاط رہے ہیں، صرف مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے گاؤں میں جمعے کی اجازت دی تھی وہ بھی ان جگہوں پر جہاں جمعہ شروع کرلیا گیا تھا اور بند کرانے میں فتنے یا

دینی خسارے کا اندیشہ تھا، پھر بھی بہت سی جگہوں پر علماء کرام کی ہزار ممانعت کے باوجود جمعہ قائم کر دیا گیا، جہاں شہر کی علامتیں مفقود اور بداوت کی نشانیاں موجود تھیں، راقم نے کئی جگہوں پر دیکھا کہ چند گھروں کے درمیان بنی مسجد میں جمعہ ہو رہا ہے اور نمازیوں کی کل تعداد پانچ سات افراد ہیں، زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس افراد ہوں گے، اس تعداد کے ساتھ ان ائمۂ کرام کے نزدیک بھی جمعہ صحیح نہیں ہوتا ہے جو گاؤں دیہات میں جمعہ کے وجوب کے قائل ہیں۔

مفتیان کرام کے منع کرنے کے باوجود یہ صورت حال ہے تو پھر اجازت دینے کے بعد حالت کہاں پہنچے گی؟؟؟.....ممکن ہے پھر کوئی مسجد نمازِ جمعہ سے محروم نہ رہے۔

رہی یہ بات کہ عیسائی مشنریز، قادیانی، شکیلی اور اس طرح کے فرقے گاؤں، دیہات میں بسنے والے مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے کوشاں ہیں، جمعے کا اجتماع ارتداد کے فتنوں سے انھیں محفوظ رکھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے، اور نمازِ جمعہ فی الجملہ مسجد سے اور مسجد کے واسطے سے دین سے ان کے رشتے کو استوار رکھتی ہے، اور بندے کو اپنے معبود کے آگے سربسجود ہونے کا موقع فراہم کرتی ہے، سو اس کے متبادل موجود ہیں، ان سے کام لیا جا سکتا ہے، مکتب، مدرسہ، دعوت وتبلیغ اور انجمن وغیرہ کا قیام اس طرح کے ذرائع سے یہ مقصد پورا کیا جا سکتا ہے۔

اس میں بھی جب خاص ضرورت ہو؛ تو بوقتِ مجبوری، بوجہِ مجبوری گاؤں، دیہات میں جمعہ قائم کر کے مذکورہ مقصد پورا کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ اوپر گذرا۔

☆☆☆

دیہات میں جمعہ کا حکم

مولانا روح الامین مظاہری☆

جمعہ کے لیے مصر کی شرط:

جمعہ عام نمازوں کی طرح نہیں ہے، بلکہ بہت سی مصالح اور حکمتوں کی بناء پر ایک ممتاز نماز ہے، اس لیے اس کے انعقاد کے لیے کچھ شرائط ہیں جو عام نمازوں کے لیے نہیں ہیں، ان ہی میں سے ایک شرط یہ ہے کہ جمعہ کا انعقاد شہر اور مصر میں ہوگا، گاؤں اور دیہات میں نہیں ہوگا۔

اس سلسلے میں چند امور کی تحقیق پیش کی جارہی ہے:

(۱) مذاہب فقہاء، (۲) اس باب میں وارد نصوص اور (۳) مصر کی تعریف۔

{مذاہب فقہاء}

حنفیہ:

حنفیہ کے یہاں مصر کی شرط ہے، البتہ فنائے مصر بھی مصر کے حکم میں ہے، لہٰذا جو لوگ مصر یا فنائے مصر سے دور کسی قریے میں مقیم ہوں ان پر جمعہ واجب نہیں ہے، بلکہ ان کے لیے جمعہ منعقد کرنا صحیح ہی نہیں ہے، صاحب بدائع فرماتے ہیں:

"أما المصر الجامع فشرط وجوب الجمعة وشرط صحة أدائها عند أصحابنا، حتى لا تجب الجمعة إلا على أهل المصر ومن كان ساكنا فى توابعه، وكذا لا يصح أداء الجمعة إلا فى المصر وتوابعه، فلا تجب على أهل القرى التى ليست من توابع المصر، ولا يصح أداء الجمعة فيها" (بدائع الصنائع ۱/۲۵۹)۔

فناء مصر سے مراد: فناء مصر وہ مقام ہے جو شہر کی ضروریات کے لیے متعین ہو، مثلاً: قبرستان، کوڑا ڈالنے یا گھوڑ دوڑ یا جنگی مشق یا فوجی اجتماع وغیرہ کے لیے میدان، ہوائی اڈہ اور ریلوے اسٹیشن وغیرہ۔

☆ مدرسہ سعادت العلوم، میکھ نگر، جھبوا (ایم پی)۔

فناء کا شہر سے اتصال ضروری نہیں، اور نہ ہی اس کی مسافت اور وسعت کی کوئی تحدید ہے، بلکہ شہر کی حیثیت کے مطابق اس کی فناء مختلف ہوگی (احسن الفتاوی ۴/ ۱۳۳)۔

''علائیہ میں فرمایا:'' أوفناؤہ''(یا فناء مصر)، فناء مصر سے مراد شہر کے مضافات اور اردگرد کا علاقہ ہے، چاہے وہ شہر سے متصل ہو یا نہ ہو، ابن کمال وغیرہ نے یہی لکھا ہے۔ ''لأ جل مصالحہ ''(اہل شہر کی مصلحتوں کے لیے)، جیسے کہ مُردوں کو دفن کرنا، گھوڑ دوڑ کرنا، اور مفتی بہ قول یہ ہے کہ اس کو فرسخ سے طے کیا جائے، ولوالجی نے اسے ذکر کیا ہے، اور شامی میں ہے کہ تعریف کرنا حد مقرر کرنے کے مقابلے میں زیادہ اچھا ہے، اس لیے کہ یہ ہر شہر میں نہیں ہوتا؛ اس کا تعلق تو شہر کے بڑے اور چھوٹے ہونے سے ہے (ردالمحتار ۱/ ۷۴۹)۔

شافعیہ:

شافعیہ کے یہاں محض آبادی کا ہونا شرط ہے، جہاں باقاعدہ لوگ سکونت پذیر ہوں، خواہ وہ شہر ہو یا قریہ، آبادی خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، البتہ ان کے نزدیک جماعت کے لیے چالیس افراد کا ہونا شرط ہے:

''**لا تصح الجمعة إلا فی أبنية يستوطنها من تنعقد بهم الجمعة من بلد أو قرية**'' (المہذب مع المجموع ۴/ ۵۰۱)۔

(جمعہ کا قیام شہر یا قریے کی اسی آبادی میں درست ہوگا جہاں جمعہ قائم کرنے والے لوگ مستقل طور پر سکونت پذیر ہوں)۔

مالکیہ:

مالکیہ کے نزدیک ایسی جگہ شرط ہے جہاں مستقل سکونت اختیار کی جاسکتی ہو، چناں چہ خیمہ بستی میں جمعہ صحیح نہیں ہے، البتہ جماعت کے لیے بارہ افراد شرط ہیں:

''**موضع الاستيطان ولو كان بأخصاص لا بخيم، فلا تقام الجمعة إلا فی موضع يستوطن فيه بأن يقيم فيه صيفًا وشتاءً**''(الجواہر الزکیۃ/ ۱۲۳)۔

''**والشرط الثانی: حضور إثنی عشر رجلًا، وله ثلاثة شروط: الأول كونهم من أهل البلد، والثانی بقاؤهم من أول الخطبتين للسلام، والثالث كونهم مالكيين أو حنفيين أو شافعيين إلخ**''(حاشیۃ الصاوی ۱/ ۴۳۵)۔

(استیطان کی جگہ چاہے کچی جھونپڑی ہو؛ نہ کہ خیمے، لہٰذا جمعہ کا قیام ایسی جگہ ہی میں ہوگا جہاں لوگ وطنیت کے طور

پر رہتے ہوں، اس طور سے کہ سردی وگرمی؛ دونوں موسموں میں وہیں اقامت اختیار کرتے ہوں)۔

(اور دوسری شرط بارہ لوگوں کی جمعہ میں حاضری ہے، اور اس کی تین شرطیں ہیں: (۱) وہ لوگ اسی شہر سے تعلق رکھتے ہوں، (۲) وہ لوگ خطبوں کی ابتدا سے لے کر سلام تک حاضر رہیں، (۳) وہ مالکی یا حنفی یا شافعی ہوں)۔

حنابلہ:

حنابلہ کے یہاں بھی بس باقاعدہ آبادی ہونا کافی ہے، جہاں لوگ مستقل اقامت پذیر ہوں۔

"**فأما الاستيطان فهو شرط فی قول أكثر أهل العلم، وهو الإقامة فی قرية علی الأوصاف المذكورة لا يظعنون عنها صيفا ولا شتاء، ولا تجب علی مسافر ولا علی مقيم فی قرية يظعن أهلها عنها فی الشتاء دون الصيف إلخ**" (المغنی ۲/ ۲۴۵)۔

"**وقال الشافعية والحنابلة: تقام الجمعة بحضور أربعين فأكثر إلخ**" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۱۲۹۶)۔

(بہرحال استیطان تو یہ اکثر علماء کے قول کے مطابق شرط ہے، اور استیطان کہا جاتا ہے مذکورہ اوصاف کے مطابق آبادی میں بایں طور اقامت پذیر ہونا کہ سردی اور گرمی؛ کسی بھی موسم میں لوگ اس جگہ کو نہ چھوڑیں، اور کسی ایسی آبادی میں جمعہ کا وجوب نہیں ہوگا جسے لوگ سردی کے موسم میں چھوڑ دیتے ہوں، نہ کہ گرمی کے موسم میں، نہ مسافر پر نہ مقیم پر۔

اور شوافع وحنابلہ کا قول یہ ہے کہ چالیس یا اس سے زائد لوگوں کے موجود ہونے پر جمعہ کا قیام ہوگا)۔

خلاصہ یہ ہے کہ اقامتِ جمعہ کے لیے ایک قسم کا تمدن ہونا بہرحال مسلّم ہے، البتہ جمہور کے نزدیک شہر ہونا شرط نہیں ہے، جب کہ حنفیہ کے یہاں شہر یا بڑی آبادی ہونا شرط ہے، ابوبکر جصاص رازی فرماتے ہیں:

''اور تمام علاقوں کے فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جمعہ ایسی جگہ کے ساتھ خاص ہے کہ جس کے علاوہ میں اس کا قیام درست نہ ہو، اس لیے کہ ان کا اس بات پر اجماع ہے کہ دیہاتوں اور پڑاؤوں میں جمعہ کا قیام درست نہیں ہے، چناں چہ ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ یہ شہر کے ساتھ خاص ہے، اور جنگل میں اس کا قیام درست نہیں ہے، اور یہی قول سفیان ثوریؒ اور عبیداللہ بن حسن کا ہے (احکام القرآن ۵/ ۳۳۷)۔

"الفقہ الإسلامی وأدلتہ "میں ہے: "**والخلاصة: لا بد لإقامة الجمعة عند الجمهور من كونها فی مدينة أو قرية، ولا بد أن تكون القرية كبيرة عند الحنفية، فلا تجب علی سكان القرية الصغيرة، أی لابد من المصر عندهم، أما عندهم فلا يشترط المصر، والقرية والبلد سواء**" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۱۲۹۶)۔

(اور خلاصہ یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک جمعہ کے قیام کے لیے شہر یا قریے کا ہونا ضروری ہے، اور حنفیہ کے یہاں

قریۂ کبیرہ کی شرط ہے، لہٰذا قریۂ صغیرہ کے لوگوں پر جمعہ واجب نہیں ہوگا، گویا ان کے نزدیک مصر ہونا لازم ہے، جہاں تک تعلق ہے جمہور کا؛ تو ان کے نزدیک مصر کی شرط نہیں ہے، گاؤں اور شہر دونوں یکساں حکم رکھتے ہیں)۔

شرطِ مصر اور نصوص:

اس سلسلے میں یہ بات معلوم ہونا چاہیے کہ اس باب میں کوئی واضح نص موجود نہیں ہے، جس میں اس شرط یا اس کے وجوب کی صراحت ہو، بلکہ امت کے تعامل سے اتنی بات ثابت ہے کہ جمعہ کا انعقاد ہر مقام پر نہیں کیا گیا؛ بلکہ شہروں میں کیا گیا، اور دیہاتوں میں رہنے والوں کو شہر میں حاضر ہو کر جمعہ میں شرکت کا مکلّف نہیں بنایا گیا، چناں چہ آپ ﷺ کے زمانے میں مدینہ کے بعد سب سے پہلا جمعہ جواثی میں قائم ہوا، حالاں کہ جزیرۃ العرب میں اسلام پھیل چکا تھا، اور مدینہ کے اہل عوالی بھی مسجد نبوی میں جمعہ کے لیے باری باری آیا کرتے تھے، اور صحابہ نے بھی اپنی فتوحات کے دور میں ہر جگہ جمعہ قائم نہیں فرمایا، لیکن کیا اس تعامل سے تمدن کا شرطِ وجوب ہونا ثابت ہو گیا یا شرطِ صحت ہونا؟ نیز تمدن کا معیار کیا ہوگا؟ یہ محل اجتہاد ہے، اسی لیے مجتہدین کے درمیان اختلاف ہوا، شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں:

''اور امت نے تلقی معنوی کے طور پر اس بات کو نقل کیا ہے، نہ کہ تلقی لفظی کے طور پر؛ کہ جمعہ کے لیے جماعت اور ایک قسم کی آبادی کا ہونا شرط ہے، اور نبی کریم ﷺ، آپ کے خلفاء رضی اللہ عنہم اور ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ شہروں میں جمعہ قائم کرتے تھے، اور صحراء میں رہنے والوں کو مکلّف نہیں بناتے تھے، بلکہ ان کے عہد میں دیہاتوں میں جمعہ کا قیام ہی نہیں ہوتا تھا، تو اس سے علماء نے ہر زمانے اور ہر دور میں یہ مفہوم نکالا کہ جمعہ کے وجوب کے لیے جماعت اور شہر کا ہونا ضروری ہے'' (حجۃ اللہ البالغۃ ۲/ ۱۱۴)۔

دوسری بات یہ ہے کہ صحابہ وتابعین کے آثار اس باب میں مختلف ہیں، کہیں توسع ہے تو کہیں تنگی، چنانچہ حضرت علیؓ سے مروی ہے:

''**لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع**'' (مصنف عبدالرزاق، حدیث نمبر: ۵۱۷۵) (جمعہ اور عید کا قیام صرف مصر جامع میں ہی ہوگا)۔

حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے: '' **ليس على أهل القرى جمعه، إنما الجمع على أهل الأمصار مثل المدائن**'' (مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر: ۵۰۶۰) (دیہات کے لوگوں پر جمعہ واجب نہیں ہے، فقط مدائن جیسے شہر کے لوگوں پر ہی واجب ہے)۔

جب کہ اس کے برخلاف نافع حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے تعلق سے نقل کرتے ہیں:

"كان ابن عمر يرى أهل المياه بين مكة والمدينة يجمعون فلا يعيب عليهم"(مصنف عبدالرزاق، حدیث نمبر:۵۱۸۵)(حضرت ابن عمرؓ مکہ اور مدینہ کے درمیان کی بستی کے لوگوں کو جمعہ قائم کرتے ہوئے دیکھتے تو ان پر نکیر نہیں فرماتے تھے)۔

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت عمر سے جمعہ کے متعلق دریافت فرمایا تو حضرت عمر نے جواب میں لکھا:" **جمّعوا حيث كنتم**"(مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر:۵۰۶۸)۔

عمر بن عبدالعزیز نے عدی بن عدی کو فرمان جاری کیا:" **أيما أهل قرية ليسوا بأهل عمود ينتقلون، فأمر عليهم أميرًا يجمع بهم**"(حوالہ سابق، حدیث نمبر:۵۰۶۹)۔

بہر حال! یہاں دلائل کا استیعاب اور روایات کا محاکمہ مقصود نہیں ہے، بلکہ اس امر کی وضاحت مقصود ہے کہ نفس تمدن کی شرط مسلم ہونے کے بعد مصر اور قریہ یا قریۂ کبیرہ اور صغیرہ کا فرق یا اس کا شرطِ وجوب یا شرطِ صحت ہونا امر ظنی ہے، جب کہ نفس جمعہ کی فرضیت قطعی اور اجماعی ہے، اسی بناء پر شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:''میں کہتا ہوں: یہ اس وجہ سے ہے کہ چوں کہ جب جمعہ کا مقصود شہر میں دین کی اشاعت کی غرض سے ہے، لہٰذا یہ واجب ہوگا کہ تمدن اور جماعت کا اعتبار کیا جائے، اور میرے نزدیک اصح قول یہ ہے کہ اتنی اقل مقدار کافی ہے کہ جس پر قریہ کا اطلاق ہو سکے''(حجۃ اللہ البالغہ ۲/ ۱۱۴)۔

"مسوی شرط موطأ "میں لکھا ہے:''پس ہر جمعہ کہ بر اجتماع ایشاں اسم قریہ اطلاق بود جمعہ واجب است''۔

مصر جامع کی تعریف:

۱-ابن جریج نے اس سلسلے میں عطاء سے دریافت کیا تو عطاء کا جواب تھا:

"**ذات الجماعة والأمير والقصاص والدور المجتمعة غير المتفرقة الآخذ بعضها ببعض كهيئة: جده**"(مصنف عبدالرزاق، حدیث نمبر:۵۱۷۹)(جہاں جماعت ہو، امیر ہو، قصاص ہو، مجتمع مکانات ہوں نہ کہ جدا جدا، ایک دوسرے سے لگے ہوئے، جیسے: جدہ)۔

۲-امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے: جہاں گلی کوچے، بازار اور حاکم ہو، جو مظلوم کو انصاف دلانے پر قادر ہو، اور عالم ہو؛ جس کی طرف پیش آمدہ مسائل میں رجوع کریں۔

۳-امام ابو یوسف سے مروی ہے: جہاں منبر و قاضی ہو، جو احکام نافذ کرے، حدود قائم کرے۔

۴-ابوالحسن کرخی فرماتے ہیں: جہاں کی بڑی مسجد میں وہاں کے لوگ نہ سما سکیں۔

۵-بلخی سے منقول ہے: جہاں ہر پیشہ والا ہو اور روزمرّہ کی ضروریات مل جاتی ہوں، اور مفتی وقاضی بھی ہو جو حدود قائم کرے۔

۶-جہاں کے باشندے دس ہزار کی تعداد میں ہوں، یا اپنے دشمن کا دفاع کرسکیں۔

۷-جہاں ہر پیشے والے کا پیشہ سال بھر چلتا ہو، پیشہ بدلنے کی ضرورت پیش نہ آتی ہو۔

۸-امام محمد سے منقول ہے کہ جس جگہ کو امام مصر بنادے۔

۹-سفیان ثوری سے منقول ہے کہ جس کو لوگ مصر شمار کریں (بدائع الصنائع ۱/۲۵۹، تبیین الحقائق ۱/۲۱۷)۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ تعریفات حد منطقی نہیں ہیں جو جامع ومانع ہوں اور مطرد وعام ہوں؛ بلکہ رسم ہیں، جن میں کسی بستی کے شہر ہونے کی علامات کو بیان کیا گیا ہے، جو زمان ومکان کے اعتبار سے مختلف ہوسکتی ہیں، اور اس کا مدار عرف پر ہے، اور عرفی اشیاء کو منضبط کرنا مشکل ہے، بس جس زمانے میں جو علاقہ عرفی لحاظ سے شہر کے دائرے میں داخل ہوسکتا ہو؛ وہ مصر ہے، اور وہاں جمعہ قائم کرنا صحیح ہے (فیض الباری ۲/۴۲۳)۔

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں: ''مصر کی تعریفات بہت مختلف ملتی ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ تعریفات بالکنہ نہیں کہ ذاتیات وجنس وفصل کے ذریعے ان کو حد تام قرار دیا جائے، بلکہ درحقیقت علامات کے ذریعے تقریب الی الفہم مقصود ہے، عرف کے تغیر سے بھی علامات متغیر ہوتی رہتی ہیں اور جغرافیائی حیثیت سے بھی تغیر ہوتا ہے، پس زمان ومکان دونوں ہی مؤثر ہیں'' (فتاوی محمودیہ ۹/۸۲، طبع کراچی)۔

موجودہ حالات میں مصر کی تعریف:

فی نفسہٖ تو موجودہ وقت میں کسی بستی کے شہر یا قصبہ ہونے کی علامتیں یہ ہیں:

پختہ مکانات کافی تعداد میں ہوں، پختہ سڑکیں ہوں، محلے ہوں، ڈاک خانہ ہو، شفاخانہ ہو، مدرسہ واسکول ہو، مستقل دکانیں ہوں، روزمرّہ کی ضروریات ہمیشہ ملتی ہوں، کچہری ہو، قریب کے دیہات وہاں سے اپنی ضروریات پوری کرتے ہوں۔

البتہ موجودہ حالات میں اطلاق کے دائرے کو وسیع کرنے کے لیے فقہاء کی بیان کردہ تعریفات میں سے اس تعریف کو اختیار کرنا اولیٰ ہوگا: "**المصر وهو ما لا يسع أكبر مساجده أهله**" جہاں کی مسجد وہاں کے باشندوں کے لیے کافی نہ ہو)، صاحب درمختار نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں: ''اکثر فقہاء نے اسی پر فتویٰ دیا ہے، کیوں کہ شرعی احکام کے امتثال میں لوگ کوتاہ ہوچکے ہیں'' (ردالمحتار ۲/۱۹۳)۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے اپنے فتاویٰ میں جا بجا اسی تعریف کو اختیار کیا ہے۔

نیز اکابر کے فتاویٰ بھی آبادی کی تعداد کے لحاظ سے ملتے ہیں، مثلاً: حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

''جس گاؤں کی آبادی قصبے کے برابر ہو، مثلاً: تین- چار ہزار کی آبادی ہو، وہاں جمعہ درست ہے'' (بہشتی زیور ۱۱/۸۰)۔

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب (مفتی دار العلوم دیوبند) نے جس گاؤں میں تقریباً تین ہزار مردم شماری یا کچھ کم ہے، اور اس میں بازار بھی نہیں ہے، کوئی سودا اور غلہ وغیرہ نہیں ملتا ہے، ایسے گاؤں کو قریۂ کبیرہ قرار دیا ہے (فتاوی دار العلوم ۵/۶۶)۔

لہٰذا جس علاقے میں مسلمانوں کی تعداد اگر چہ کم ہو؛ لیکن مجموعی تعداد دو- ڈھائی ہزار کے قریب ہو، وہاں جمعہ قائم کرنا درست ہوگا، بلکہ وہاں موجودہ حالات میں جمعہ کا نظام بنانا چاہیے۔

موجودہ حالات میں حکم:

جب کوئی بستی نہ ضروریاتِ زندگی میسر ہونے کے لحاظ سے قصبہ ہو اور نہ مردم شماری کے لحاظ سے قصبہ یا قریۂ کبیرہ ہو؛ تو حنفیہ کے مسلک کے اعتبار سے وہاں جمعہ منعقد کرنا صحیح نہیں ہے، بلکہ ان کی اصلاح کے لیے دیگر ذرائع استعمال کیے جائیں۔

البتہ وہاں پہلے سے قائم ہے یا از خود انہوں نے قائم کرلیا، اور حالات ایسے ہیں کہ ان کی دین کے ساتھ وابستگی فقط جمعہ اور عیدین کی بناء پر ہے، ورنہ بصورت دیگر ان کے دین وایمان کو خطرہ درپیش ہوگا، تو ایسی صورت میں حنفیہ کے مسلک کے اعتبار سے شرائط نہ ہونے کی وجہ سے جمعہ بند نہ کیا جائے، اور اس سلسلے میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کی یہی رائے ہے (کفایت المفتی ۳/۲۳۵)۔

الغرض جمعہ کی فرضیت قطعی ہے، اس کے شرائط ظنی ہیں، اور مسئلہ مجتہد فیہ ہے، اس لیے تشدد مناسب نہیں، سوال نامہ میں تو مذکور ہے کہ اکابر نے دین وایمان کے تحفظ کی خاطر بدعات سے بھی وابستہ رہنے کی اجازت دے دی، بلکہ مصالح کی خاطر مسلک شوافع پر بھی عمل جائز ہونا چاہیے، کفایت المفتی میں ایک مقام پر ہے:

''قریۂ کبیرہ جس پر مصر کی کوئی تعریف بھی صادق آجائے، مثلاً: **" ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها"**؛ اس میں اقامت جمعہ جائز ہے، اور اگر کوئی تعریف بھی صادق نہ آئے جب بھی اس مسئلے میں حنفیہ کے لیے مصالح عامہ اسلامیہ کے لحاظ سے شوافع کے مسلک پر عمل کرلینا جائز ہے (کفایت المفتی ۳/۲۴۱)۔

جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط-موجودہ حالات کے پس منظر میں

مفتی زبیر ندوی بہرائچی☆

اس میں شک نہیں ہے کہ موجودہ دور امت مسلمہ کے لئے ایمانی وعقائدی اعتبار سے خطرناک اور نہایت ہی تشویشناک دور ہے، ہرطرف سے مختلف نوعیت کے فتنے اٹھ رہے ہیں، اور مسلمانوں کے لئے ایمان وعمل پر قائم رہنا مشکل تر ہوتا جارہا ہے، ایسے وقت اگر مسلمانوں کو دین کی جانب لانے اور ان کے ایمان کو باقی رکھنے کی جو سب سے آسان شکل ہوسکتی ہے وہ مکاتب کا قیام اور مساجد سے مسلمانوں کو جوڑنا ہے، جمعہ کی نماز بطور خاص آج بھی بے انتہاء اہمیت رکھتی ہے اور اس نماز میں حاضر ہونے کی کوشش وہ افراد بھی کرتے ہیں جو پورے ہفتے مسجد کا رخ نہیں کرتے، اس موقع پر ان کی تعلیم وتربیت اور دین کی باتوں سے انہیں روشناس کرانا قدرے آسان ہوجاتا ہے۔

اس پس منظر میں جمعہ کے قیام کا مسئلہ یقیناً اہمیت کا حامل ہے، اس سلسلے میں اولا یہ بحث مفید ہوگی کہ مصر کی شرط کے سلسلے میں جو روایات ہیں ان کی حیثیت کیا ہے اور کس حد تک ان کی رعایت کرتے ہوئے مصر کی تعیین کی جاسکتی ہے۔

نماز جمعہ کے قیام کے لئے مصر کی جو شرط لگائی جاتی ہے اولا وہ جمہور فقہاء اور بطور خاص امام شافعی، مالک، احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک نہیں ہے، ان حضرات نے اس سلسلے میں صحیح بخاری کی وہ روایت پیش کی ہے جس میں یہ وضاحت ہے کہ بحرین کے ایک علاقہ جواثی میں جمعہ کی ادائیگی کی گئی اور راوی نے یہ وضاحت کی ہے کہ جواثی بحرین کا ایک گاؤں تھا، لہذا اس سے گاؤں میں قیام جمعہ کا ثبوت ملتا ہے۔

"**عن ابن عباسؓ قال: أول جمعة جمعت بعد جمعة جمعت في مسجد رسول الله ﷺ في مسجدعبدالقيس بجواثى يعنى قرية من البحرين**" (صحیح البخاری حدیث نمبر:۴۳۷۱)۔

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے علامہ شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں:"**فيه جواز إقامة الجمعة في القرى**" (عون المعبود حدیث نمبر:۱۰۶۸)۔

☆ دارالافتاء والتحقیق، بہرائچ یوپی۔

لیکن اس سلسلے میں حقیقی بات رسول اللہ ﷺ سے قولی روایت مرفوعا ثابت نہیں ہے، چنانچہ علامہ زیلعیؒ اور بعض دیگر اہل علم نے صراحتا یہ بات لکھی ہے: ''**فإنه لا يروى عنه في ذلك شئ**''۔

البتہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی فعل دیہات میں قیام جمعہ کے سلسلہ میں کہیں بھی مذکور نہیں ہے، حالانکہ مدینہ کے آس پاس دیہاتوں کی بڑی تعداد تھی، پھر بعض صحابہ مثلاً حضرت علیؓ وغیر سے اس سلسلے میں روایات موجود ہیں، یہ روایات گو کہ مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہیں؛ لیکن عبادات میں ظاہر ہے قیاس کا دخل نہیں ہوسکتا ہے، اس لئے حکما یہ روایات بھی مرفوع ہیں، چنانچہ حضرت گنگوہیؒ لکھتے ہیں:

''جو حدیث موقوف کہ قیاس کو اس میں دخل نہ ہو وہ مؤید ومشید مرفوع ہو، وہ خود بحکم مرفوع ہوتی ہے، اور یہ اثر علی قسم ثانی سے ہے، نہ اول سے'' (اوثق العری فی تحقیق الجمعۃ فی القری ص ۳۶)۔

لیکن جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے قولا اس سلسلہ میں کچھ بھی ثابت نہیں ہے اور عملاً دیہات میں پڑھنا ثابت نہیں ہے، اس لئے حضرت علیؓ وغیرہ کی یہ روایت جس کو کئی محدثین نے نقل کیا ہے اسکی توضیح قرار دی جاسکتی ہے۔

''**عن عليؓ قال: لا جمعة ولا تشريق ولا صلاة فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع أو في مدينة عظيمة**'' (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲/۱۰۱ عبدالرزاق ۳/۱۶۷)۔

گویا دلیل کے اعتبار سے احناف کا نقطہ نظر قطعا کمزور نہیں ہے، اور وہ روایت جو امام بخاری نے نقل کیا ہے اور ائمہ ثلاثہ نے اسے اپنا مستدل بنایا ہے، اس میں تاویل کی مکمل گنجائش اس معنی کر کے موجود ہے کہ جواثی کی جو وضاحت قریۃ سے کی گئی ہے اس سے مراد بڑا گاؤں ہے، یا مطلقاً آبادی کے معنی میں ہے جیسا کہ لغت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

اب رہی یہ بات کہ مصر کی تعریف کیا ہوگی اور اس کا معیار کیا ہوگا؟ تو یہ صراحت نصوص میں موجود نہیں ہے، فقہاء کرام نے اپنے ذوق اور علم کی روشنی میں اس کی تعیین کرنیکی کوشش کی ہیں، اسی لئے اس میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے، بنیادی طور پر اس سلسلے میں پانچ تشریحات ملتی ہیں:

۱- ایسا بڑا گاؤں جس میں بازار لگتا ہو، وہ مصر کے دائرہ میں آتا ہے، علامہ قہستانی کے حوالے سے علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: ''**وعبارة القهستاني تقع فرضا في القصبات والقري الكبيرة التي فيها أسواق**'' (ردالمحتار ۲/۱۳۸)۔

۲- ہر ایسی جگہ جہاں امیر اور قاضی ہوں جو احکام شرعیہ کو نافذ کرنے پر قادر ہوں تو وہ جگہ مصر میں شامل ہیں، ''**والمصر الجامع: كل موضع له أمير وقاضي ينفذ الأحكام**'' (الہدایہ مع فتح القدیر ۲/۴۸)۔

۳- مصر وہ جگہ ہے جہاں کی سب سے بڑی مسجد میں اگر تمام مکلّف لوگ جمع ہوجائیں تو مسجد ناکافی

ہوجائے،"**والمصر مالواجتمع أهله في أكبر مساجده لم يسعهم روى ذلک عن أبی يوسف**"(الاختیار لتعلیل المختار ۱/ ۸۲)۔

۴-جس جگہ مفتی اور قاضی ہوں جو حدود قائم کرنے اور احکام کے نفاذ پر قادر ہوں اور اس کی آبادی منی کی آبادی کے برابر ہو تو وہ مصر ہے،"**ولایکون الموضع مصرا في ظاهر الرواية إلا أن يكون فيه مفت وقاض يقيم الحدود وينفذ الأحكام وبلغت أبنيته أبنية منی**"(فتاوی قاضی خان مع ہندیہ ۷/ ۱۰۹، ہندیہ ۱/ ۲۰۵)۔

۵-بعض اہل علم مثلاً علامہ کشمیریؒ کی رائے ہے کہ اس کو عرف ولغت پر محمول کیا جائے گا، جسے لوگ مصر سمجھتے ہوں اسے مصر سمجھا جائے گا ورنہ نہیں۔

"**والحاصل أن تفسير المصر محول على العرف واللغة**"(فتاوی دارالعلوم زکریا ۲/ ۶۴۳)۔

مصر کے سلسلہ میں مذکرہ بالا پانچ تعریف نقل کردی گئی ہیں، ان میں سے اکثر فقہاء نے جس کو اختیار کیا ہے، وہ تیسری تعریف ہے، چنانچہ درمختار میں مجتبی کے حوالے سے لکھا ہے اور وجہ لکھی ہے لوگوں کی سستی۔

"**وعليه فتوى أكثر الفقهاء مجتبى لظهور التوانی فی الأحكام**"(الدرالمختار مع ردالمحتار ۲/ ۱۳۷، طبع بیروت)۔

صاحب الاختیار نے بھی علامہ محمد بن شجاع الثلجی کے حوالے سے اس قول کو سب سے بہتر قول قرار دیا ہے،"**قال محمد بن شجاع الثلجي: هذا أحسن ماقيل فيه**"(الاختیار لتعلیل المختار ۱/ ۸۲)۔

صاحب درمختار نے جو مصر کی تعریف کو اختیار کرتے ہوئے علت پیش کی ہے وہ نہایت اہم ہے، غالبا انہوں نے اپنے زمانے کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات لکھی ہے، آج کے حالات تو مزید بدتر ہو چکے ہیں، اس لئے اگر جمعہ کے وعظ وارشاد یا کم از کم ایک دینی شعار کی حیثیت سے مسلمان اسے اختیار کرتے ہوں تو اس میں مزید گنجائش ہوسکتی ہے، تاہم کم از کم تیسری تعریف جو مصر کی گئی ہے اسے اختیار کرنے سے کافی مسائل حل ہوسکتے ہیں اور کافی علاقوں میں نماز جمعہ قائم ہوسکتی ہے۔

۲-چھوٹی آبادی میں نماز جمعہ کا نظام بنانا:

امام مالک کے علاوہ باقی ائمہ کے نزدیک جمعہ کی نماز کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے، غیر مسجد میں بھی نماز جمعہ ہوسکتی ہے، اس لئے کسی آبادی میں خواہ مسجد ہو یا نہ ہو اگر جمعہ کی شرطیں پائی جاتی ہیں تو فی نفسہ وہاں جمعہ ادا کرنا درست ہے، علامہ عبدالرحمٰن الجزریؒ لکھتے ہیں:

"**الحنفية قالوا: لايشترط لصحة الجمعة أن تكون في المسجد بل تصح في الفضاء بشرط أن لا يبعد عن المصر بأكثر من فرسخ، وأن يأذن الإمام بإقامة الجمعة فيه**" (کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعۃ ۱/ ۳۵۲)۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ چھوٹی آبادی میں نماز جمعہ کا حکم کیا ہوگا؟ تو اگر وہ آبادی اتنی بڑی ہے کہ گزشتہ جواب کے اعتبار سے مصر کے دائرہ میں آتی ہے تو پھر وہاں قیام جمعہ میں حرج نہیں ہے، لیکن اگر اتنی چھوٹی ہے کہ مصر کی وہ تعریف بھی صادق نہیں آتی جسے اختیار کیا گیا ہے تو پھر محل نظر ہے، ایسی آبادی میں اصولی نقطہ نظر سے جمعہ تو درست نہیں ہے، لیکن اگر وہاں کے مسلمانوں کی دینی حالت بہتر نہ ہو اور قیام جمعہ سے وہاں کے حالات میں بہتری کی امید ہو تو جمہور کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

اس سلسلہ میں دو پہلو اور بھی قابل غور ہیں اور جن سے اس سلسلے میں استدلال کیا جاسکتا ہے، ایک تو یہ ہے کہ بعض فقہاء کرام جیسے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ منیٰ میں قیام جمعہ کے قائل ہیں، اور ریا موسم میں وہاں جو اجتماع ہوتا ہے اس کی وجہ سے اسے مصر قرار دیتے ہیں، نیز پورے سال اس کی مصریت کا ہونا ضروری بھی نہیں ہے، چنانچہ" صاحب مجمع الانہر" لکھتے ہیں:

"**ومنى مصر فى الموسم تصح الجمعة فيها عند الشيخين لتمصرها في أيام الموسم لاجتماع شرائط المصر وبقاء ها مصرا ليس بشرط لأن الدنيا على أشرف الزوال**" (مجمع الأنہر ۱/ ۱۶۸ دار الکتب العلمیہ)۔

مجمع الأنہر کی اس عبارت سے ظاہر ہے کہ منی میں پورے سال بھی نماز جمعہ ہوسکتی ہے، ایام حج میں اس کے شرائط پائے جانے کی وجہ سے، حالانکہ ایام حج کے علاوہ عام دنوں میں منیٰ کی آبادی بہت مختصر ہوتی تھی، چوتھی صدی ہجری کے ایک سیاح اور عالم البخاری نے لکھا ہے کہ منیٰ میں عام دنوں میں بیس سے تیس لوگ رہتے تھے۔

"**قال البخارى: وسألني يوما كم ليسكنها وسط السنة؟قلت:عشرون إلى ثلاثين رجلا**" (حدود المشاعر المقدسۃ ص ۱۸، بحوالہ معجم البلدان ۵/ ۱۹۸)۔

اب مجمع الأنہر اور بخاری کے اس قول کو سامنے رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو وہ گاؤں یا چھوٹی آبادیاں جہاں کچھ خاص ایام سے بازار لگتے ہیں وہاں بھی اس کی اجازت ہوسکتی ہے، اور جب منیٰ کے بیس تیس لوگ یا زیادہ سے زیادہ بیس تیس گھر پر مشتمل آبادی نماز جمعہ پڑھ سکتی ہے تو بیس تیز گھر پر مشتمل آبادی ہندوستان جیسے علاقے اور ملک میں بھی پڑھ سکتی ہے۔

دوسری بات جو زیادہ اہمیت کی ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان کے اور اس قسم کی جمہوری ممالک میں ان احکام ومسائل

اوران اصول وضوابط کی مکمل رعایت نہیں کی جاسکتی ہے جو دارالاسلام میں مسلم اکثریتی ممالک میں ممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ متعدد جدید مسائل میں کسی نہ کسی حد تک نزول سے کام لیتے ہوئے تخفیف وتیسیر وسہولت پر مبنی احکام امت کے سامنے پیش کئے گئے ہیں، وہ مساجد جہاں پہلے سے جمعہ ہورہا ہواور وہ گاؤں ہوں ان میں جمعہ شروع ہونے کے بعد جمعہ بند نہ کرنے کا فتوی ہندوستان کے مفتیان کرام نے دیا ہے، اورامام شافعیؒ کے قول پر بلاتکلف عمل کرانے کی کوشش کی گئی ہے، مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اسی سلسلے میں ایک حکم لکھتے ہیں:

''جہاں پر جمعہ کی نماز پہلے سے ہوتی چلی آرہی ہو وہاں اس کو بند کرنے میں بہت سے مفاسد کا اندیشہ ہے، اس لئے اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کے قول پر عمل کرنا جائز ہے'' (معارف مدینہ ۳/ ۸۲، مفتی کفایت اللہ دہلویؒ)۔

اسی طرح بدائع الصنائع میں علامہ کاسانیؒ نے صرف شہر میں نماز جمعہ ہونے کے سلسلے میں لکھتے ہوئے یہ بات تحریر کی ہے کہ جمعہ اعظم شعائر اسلام میں سے ہے، چنانچہ وہ خاص ہوگا ایسی ہی جگہوں کے ساتھ جو مصر ہو (بدائع الصنائع ۱/ ۲۵۹)۔

مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور علامہ کاسانی کی بات پر نظر ڈالنے کے بعد آج کے حالات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بیشتر ممالک اور بیشتر علاقے بطور خاص گاؤں دیہات ایسے ہیں جہاں جمعہ قائم نہ کرنے میں مفاسد ہیں، اور وہاں زیادہ ضرورت ہے کہ اس شعار اسلام کو ظاہر کیا جائے، کیونکہ وہاں پسماندہ مسلمانوں اور دین سے بیگانوں کی بڑی تعداد موجود ہے جو بظاہر جمعہ میں حاضری کو ہی اپنے مومن ہونے کی علامت سمجھتے ہیں، اس لئے میرا خیال ہے کہ جس طرح جمعہ شروع ہوجانے کے بعد بند کرنے کے سلسلے میں امام شافعیؒ کے قول کو اختیار کیا گیا ہے اسی طرح جمعہ شروع کرنے سلسلے میں بھی اختیار کیا جاسکتا ہے، بطور خاص بقول مفتی کفایت اللہ صاحبؒ یہ اجتہادی مسئلہ ہے اور اجتہادی مسائل میں توسع کی راہیں کھلی ہوتی ہیں، نیز احناف کے علاوہ جمہور اہل علم کی بھی وہی رائے وتحقیق ہے کہ ہر آبادی میں نماز جمعہ ہوسکتی ہے، شیخ وہبہ زحیلیؒ لکھتے ہیں:

"لابد لإقامة الجمعة عند الجمهورمن كونها في مدينة أو قرية، ولا بد أن تكون القرية كبيرة عند الحنفية، فلا تجب على سكان القرى الصغيرة، أي لابدمن المصر عندهم، أما عندغيرهم فلا يشترط المصر والقرية والبلد سواء" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۲/ ۱۲۹۵)۔

۳- ایمان کی حفاظت اور گمراہ فتنوں سے حفاظت کے لئے گاؤں میں جمعہ کا حکم؟

گزشتہ دونوں جوابات میں تفصیل سے یہ بات آگئی ہے کہ دور حاضر کے تقاضوں کو دیکھتے ہوئے اس قسم کے اجتہادی اور غیر قطعی مسائل میں توسع سے کام لیا جاسکتا ہے، اور دوسرے ائمہ کی رائے واجتہاد سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، اور

جہاں مقصد مسلمانوں کو دین سے جوڑے رکھنا اور ان کے ایمان کی حفاظت ہو تو وہاں مقصد کے پیش نظر ضروری بھی ہو جاتا ہے، اس سلسلے میں معتبر علماء نے ہمیشہ کشادہ دلی سے کام لیا ہے، سوال میں خود مذکورہ ہے کہ بعض علماء نے اس خاص مقصد کے لئے تعزیہ داری کی اجازت دی، بعض علماء سے منقول ہے کہ انہوں نے بعض لوگوں کو بنا وضو نماز کی اجازت دی، تو ظاہر ہے اس گئے گزرے دور میں جہاں عیسائی مشنریاں اور مدعیان نبوت دیہات کو ٹارگیٹ بنا کر اپنا کام کر رہے ہیں وہیں مسلمانوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ ایک خاص مسلک کے دائرے سے نکل کر اسلام کی وسعت کو دیکھتے ہوئے دوسرے مذہب کے مطابق عمل کر لیا جائے، فقہاء کرام کا مشہور قاعدہ ہے: "**الضرورات تبیح المحظورات**" (مجلۃ الاحکام العدلیہ مادہ:۲۱)۔

اسی طرح ایک اہم قاعدہ ہے: "**الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة أو خاصة**" (مجلّہ احکام العدلیہ، مادہ:۳۲)۔

اور ظاہر ہے کہ بعض علاقوں میں پسماندہ مسلمانوں کے ایمان کو بچانے کے لئے اس کی سخت ضرورت وحاجت ہے اس لئے ان قواعد کو دیکھتے ہوئے بھی اس کی اجازت ہونی چاہئے۔

اسی طرح فقہ کا مشہور قاعدہ ہے: "**لاینکر تغیر الأحکام بتغیر الأزمان**" (مجلّہ احکام العدلیہ، مادہ:۳۹) کہ زمانے کے بدلنے سے احکام میں بھی تبدیلی ہو جاتی ہے اور اس وقت اکثر ممالک کے حالات وہ نہیں رہے جو پہلے تھے؛ حتی کہ جمہوری ممالک میں بھی قوانین اور حقوق صرف آئین تک محدود ہیں عملی زندگی میں مسلمانوں کو بے بس کیا جا چکا ہے، اور امت کی امت اور قوم کی قوم گمراہی کے دہانے پر ہے، اس لئے لوگوں کے ایمان کی حفاظت اور گمراہ فتنوں سے بچانے کے لئے چھوٹی آبادیوں میں قیام جمعہ مؤخر ہو تو ائمہ ثلاثہ کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

☆☆☆

جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط-عصر حاضر کے تناظر میں

مولانا محمد ممتاز خان ندوی☆

فقہاء احناف نے جمعہ کے قیام کی شرطوں میں سے ایک شرط مصر یا قریہ جامعہ کی بھی لگائی ہے، غور کیا جائے، تو فقہاء کرام نے مصر کی جو شرط لگائی ہے، یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ لوگوں میں دینداری عروج پر تھی، اور لوگ شریعت کے بڑے پابند تھے، دیہات میں جمعہ قائم نہ ہونے کی وجہ سے ظہر کی نماز کے چھوٹنے کا کوئی تصور ہی نہیں تھا، اور انسانی زندگی کی روزمرہ کی جو چیزیں ہیں وہ شہر یا بڑے قصبہ ہی میں میسر ہوتی تھیں، اس وجہ سے فقہاء احناف نے جمعہ کے قیام کے لئے مصر یا قریہ جامعہ کی شرط لگائی ہے، لیکن آج زمانہ بہت بدل چکا ہے، زمانہ میں آج جو ترقیات ہوئی ہیں، اس کا پہلے کوئی تصور ہی نہیں کیا جاسکتا تھا، آج ایک چھوٹے سے گاؤں میں زندگی کی روزمرہ کی وہ چیزیں میسر ہوجاتی ہیں، جو پہلے مصر یا قریہ میں میسر ہوتی تھیں، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ لوگوں میں پہلے کی طرح دینداری باقی نہیں رہی، آج ایک بڑی تعداد کے دلوں میں صرف جمعہ کی نماز کی اہمیت باقی ہے، اور وہ صرف جمعہ ہی کی نماز پڑھتے ہیں، بقیہ نمازوں میں وہ اپنے آپ کو آزاد سمجھتے ہیں، اب اگر جمعہ مصر یا قریہ جامعہ ہی میں قائم کیا جائے، جیسا کہ فقہاء احناف کا مسلک ہے، گاؤں میں جمعہ قائم نہ ہو، تو ایک بڑی تعداد جمعہ کی نماز سے محروم ہوجائے گی، اور وہ سالہا سال تک مسجد کا منہ تک نہیں دیکھیں گے، واضح رہے کہ خود فقہاء احناف کے یہاں بھی مصر کی تحدید وتعیین میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے، درج ذیل مقالہ میں بدلتے ہوئے زمانہ اور لوگوں میں بے دینی کے پس منظر میں اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ آج شہر کا اطلاق کس پر ہوسکتا ہے؟ اور گاؤں میں جمعہ کے تعلق سے دیگر مسائل پر مدلل بحث کی گئی ہے۔

۱-موجودہ حالات کے پس منظر میں مصر کی تعریف:

جمعہ کی نماز کے صحیح ہونے کے لئے ایک شرط احناف کے نزدیک مصر (شہر) کا ہونا بھی ہے، لیکن خود احناف کے یہاں اس بارے میں خاصا اختلاف ہے، کہ مصر (شہر) کا اطلاق کس آبادی پر ہوگا؟ اس بابت متعدد اقوال نقل کئے جاتے

☆ مدرسہ ضیاء العلوم، میدان پور، تکیہ کلاں، رائے بریلی۔

ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

۱- قاضی ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ وہ جگہ جہاں ہر پیشہ وحرفت کا آدمی موجود ہو، عام انسانی ضروریات کی تمام چیزیں دستیاب ہوں، اور قاضی موجود ہو، جو اسلامی سزا جاری کرتا ہو۔

۲- جس کی مجموعی آبادی دس ہزار ہو۔

۳- جہاں دس ہزار ایسے لوگ ہوں جو جنگ کے کام آئیں۔

۴- اگر دشمن حملہ آور ہو، تو وہ آبادی خود اپنے دفاع کی اہل ہو۔

۵- جہاں امیر وقاضی موجود ہوں۔

۶- اس آبادی کے لوگ وہاں کی بڑی مسجد میں اکٹھے ہوجائیں، تو مسجد ان کے لئے ناکافی ہو۔

۷- ایسا مرکز ہو کہ ایک پیشہ کا آدمی دوسرے پیشہ میں لگے بغیر ایک سال تک صرف اپنے پیشے سے زندگی بسر کرلے۔

۸- امام محمدؒ سے مروی ہے کہ امیر جس کو شہر قرار دے وہ شہر ہے۔

یہ آٹھ اقوال بخاری کی مشہور شرح عمدۃ القاری میں ذکر ہیں (عمدۃ القاری ۶/ ۱۸، باب الجمعۃ فی القری المدن)۔

۹- امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ وہ جگہ جہاں مفتی، امیر اور قاضی موجود ہوں، احکام حدود وقصاص قائم ہوں یا کم از کم قائم کئے جاسکتے ہوں، اور اس کے مکانات منیٰ کے مکانات کے برابر ہوں۔

فقہ حنفی کا دائرۃ المعارف فتاوی ہندیہ میں ہے: ”**منها المصر فی الكافی والمصر فی ظاهر الروایة: الموضع الذی یكون فیه مفت وقاض یقیم الحدود وینفذ الأحكام وبلغت أبنیته أبنیة منی هكذا فی الظهیریة**“ (فتاوی ہندیہ ۱/ ۱۴۵)۔

۱۰- اللہ کے رسول ﷺ کے زمانہ میں مکہ ومدینہ کی جو کیفیت تھی، جو جگہ اس کے مطابق ہو، وہ شہر ہے ”**وبلغت أبنیته أبنیة منی هكذا فی الظهیریة**“ (طحطاوی علی المراقی الفلاح رص ۲۳۲)۔

۱۱- جہاں کی آبادی چار ہزار ہو۔

جامع ترمذی کی مشہور شرح: الکوکب الدری میں ہے: ”**وقیل ما فیه أربعة آلاف إلی غیر ذلک**“ (الکوکب الدری علی جامع الترمذی ۲/ ۳۶۹)۔

۱۲- جہاں کی آبادی ایک ہزار ہو، الکوکب الدری ہی میں جامع الرموز کے حوالہ سے ہے: ”**فی جامع الرموز**

عن المضمرات قول ألف رجل أيضا" (الکوکب الدری علی جامع الترمذی ۲/۳۶۹)۔

فقہاء احناف سے مصر (شہر) کی تعیین وتحدید میں جو اقوال اوپر منقول ہیں، غور کیا جائے، تو اس میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے، فقہاء کرام سے مصر کی جو تحدید وتعیین منقول ہے، یہ اپنے اپنے زمانے کے لحاظ سے ہے، آج زمانہ بہت بدل چکا ہے، ایک چھوٹا سا گاؤں اس میں بھی زندگی کی ساری بنیادی ضروریات میسر ہوتی ہیں، لہذا اگر غور کیا جائے، تو زمانہ سابقہ میں مصر (شہر) میں زندگی کی جو ضروریات میسر ہوتی تھیں، آج وہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں میسر ہو جاتی ہیں، لہذا اس بابت راقم کی رائے یہ ہے کہ ایسا قریہ (گاؤں) جس کی آبادی کم سے کم چالیس افراد پر مشتمل ہو، اور یہ سب کے سب بالغ ہوں، اور زندگی کی بنیادی ضروریات میسر ہوں، ایسے قریہ (گاؤں) کو مصر (شہر) کے درجہ میں مانا جائے گا۔

۲- اگر ایسی آبادی باقاعدہ چالیس افراد پر مشتمل ہو، اور یہ سب بالغ ہوں، اور زندگی کی روزمرہ کی ساری ضروریات میسر ہوں، تو راقم کے نزدیک جیسا کہ پہلے ذکر کر چکا ہے، اس آبادی کا اطلاق توسعا مصر (شہر) پر ہوگا، اور ایسی آبادی میں جمعہ کی نماز قائم کرنا راقم کے نزدیک درست ہوگا، خصوصا جبکہ ایک بڑی تعداد صرف جمعہ کی نماز کی عادی ہو، تاکہ یہ لوگ جمعہ کی نماز سے محروم نہ رہیں، اور ممکن ہے کہ جمعہ کی برکت سے وہ بقیہ نمازوں کے بھی پابند ہو جائیں۔

واضح رہے کہ چالیس افراد والی جو بات ہے، یہی مسلک امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا بھی ہے، امام شافعی اپنی مشہور کتاب "موسوعۃ الأم" میں اپنے مسلک کی صراحت اس طرح کرتے ہیں:

"**فإذا كان من أهل القرية أربعون رجلا والقرية البناء والحجارة واللبن والسقف والجرائد والشجر، لأن هذا بناء كله وتكون بيوتها مجتمعة ويكون أهلها لا يظعنون عنها شتاء ولا صيفا إلا ظعن حاجة مثل ظعن أهل القرى وتكون بيوتها مجتمعة اجتماع بيوت القرى، فإن لم تكن مجتمعة فليسوا أهل قرية ولا يجمعون ويتمون إذا كانوا أربعين رجلا حرابالغافإذا كانوا هكذا رأيت والله تعالى أعلم أن عليهم الجمعة فإذا صلوا الجمعة أجزأتهم**" (موسوعۃ الأم ۱/۳۱۸)۔

(جب گاؤں والوں میں سے چالیس افراد ہوں، اور گاؤں سے مراد ایسی عمارتیں اور وہ مکان ہیں جو کہ پتھر، کچی اینٹیں، چھت، لکڑیوں کی شاخیں اور درخت سے بنے ہوئے ہوں، کیونکہ یہ تمام کی تمام عمارتیں ہیں، اور اس کے گھر آپس میں ملے ہوئے ہوں، اور گاؤں والے گرمی اور سردی میں اس سے کوچ نہ کرتے ہوں، مگر ایسی ضرورت کے پڑنے پر جس طرح گاؤں والے کوچ کرتے ہیں، اور اس کے گھر اس طرح ملے ہوئے ہوں، جس طرح گاؤں کے گھر آپس میں ملے ہوتے ہیں، اگر گاؤں کے گھر آپس میں ملے نہ ہوں، تو یہ گاؤں والے نہیں ہیں، یہ لوگ جمعہ نہیں پڑھیں گے، بلکہ ظہر کی نماز

پڑھیں گے، جب گاؤں میں چالیس بالغ اور آزاد افراد ہوں، جب یہ صورت ہو، میرا خیال ہے کہ ان لوگوں پر جمعہ کی نماز واجب ہوگی، تو جب یہ لوگ جمعہ کی نماز پڑھ لیں، تو جائز ہوگا)۔

عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں امام شافعیؒ کے مسلک کی صراحت اس طرح ہے:

"استدلت الشافعية بهذا الحديث على أن الجمعة تقام في القرية إذا كان فيها أربعون رجلا أجزاء مقيمين" (عمدۃ القاری ۶/ ۱۸۷، باب الجمعۃ والقری فی المدن) (شافعیہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ بے شک جمعہ گاؤں میں قائم کیا جائے گا، جبکہ اس میں مستقل طور پر چالیس افراد رہ رہے ہوں)۔

فقہ حنبلی کی مشہور و معتمد علیہ کتاب المغنی میں ہے: **"فأما الأربعون فالمشهور في المذهب أنه شرط لوجوب الجمعة وصحتها"** (المغنی ۱/ ۳۱۸) (جہاں تک چالیس لوگوں کا مسئلہ ہے، تو امام احمد بن حنبلؒ کا مشہور مسلک یہی ہے کہ یہ جمعہ کے وجوب اور اس کی صحت کے لئے شرط ہے)۔

فقہاء احناف نے ضرورت کے وقت دوسرے مسلک پر بھی فتوی دیا ہے، اس مسئلہ میں بھی جبکہ ایک بڑی تعداد صرف جمعہ کی نماز کی عادی ہو، اگر جمعہ قائم نہ ہو، تو وہ جمعہ کی نماز سے بھی محروم ہو جائیں گے، لہذا ایسی ضرورت کے وقت دوسرے امام کے مسلک پر عمل ہونا چاہئے، ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء احناف نے ضرورت کے وقت دوسرے امام کے مسلک پر فتوی دیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

۱- زوجہ مفقود الخبر (جس عورت کا شوہر مفقود ہو گیا ہو) کے بارے میں فقہاء احناف نے فتوی امام مالکؒ کے مسلک کے مطابق دیا ہے، اور اسی پر عمل بھی کیا ہے، چنانچہ جامع الرموز کے مصنف مالکیہ کا مسلک نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"فلو أفتى به موضع الضرورة ينبغي أن لا بأس به على ما أظن" (جامع الرموز ۲/ ۱۶۵) (اگر مفتی ضرورت کے وقت اس پر فتوی دے دے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے، جیسا کہ میں گمان کرتا ہوں)۔

حسب المفتیین میں ہے: **"قول مالکؒ معمول به في هذه المسئلة وهو أحد قول الشافعي ولو أفتى الحنفي بذلك يجوز فتواه وأن عمرؓ قضى هكذا في الذى استهوته الجن بالمدينة فكفى به إماما"** (فتاوی مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلیؒ رص ۲۶۳)۔

(اس مسئلہ میں امام مالکؒ کا قول قابل عمل ہے، اور یہی امام شافعیؒ کا بھی ایک قول ہے، اگر حنفی اس کے مطابق فتوی دے دے، تو اس کا فتوی جائز ہوگا، اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے اس شخص کے حق میں جس کو مدینہ میں جن اٹھا کر لے گیا تھا، ایسا

ہی فیصلہ کیا ہے، اور بحیثیت امام کافی ہیں)۔

۲- پہلے زمانہ میں علوم قرآنیہ کی تعلیم کے لئے جو حضرات علماء وفقہاء اپنے وقت کو فارغ کرتے تھے، ان کے وظائف اسلامی حکومتیں بیت المال سے دیا کرتی تھیں، لیکن یہ سلسلہ بند ہوا، تو عام ضرورت پیش آئی کہ تعلیم وتعلم بھی جاری رہے، اور علماء کی معاشی کفالت کا بھی انتظام ہو، اس کے لئے اگر علماء مفت پڑھائیں گے، تو معاشی مسئلہ کیسے حل ہوگا؟ اگر معاش میں لگیں گے، تو پڑھائی کیسے چلے گی؟ اور مشکل یہ تھی کہ مذہب احناف میں طاعات پر اجارہ مطلقا ناجائز ہے، جس میں تعلیم قرآن بھی شامل ہے، اس کے لئے متاخرین احناف نے عام ضرورت کا احساس کرتے ہوئے ضیاع دین کے اندیشہ سے اس سلسلہ میں مالکیہ وشافعیہ کے مسلک کو اختیار کیا ہے، اور تعلیم قرآن کی اجرت کی اجازت کے جائز ہونے کا فیصلہ فرمادیا، چنانچہ علامہ شامیؒ نقل فرماتے ہیں: ''اور خلاصۃ الفتاوی میں مبسوط سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ طاعات یعنی تعلیم قرآن، تعلیم فقہ، اذان، وعظ، حج اور جہاد وغیرہ پر کسی کو اجرت پر رکھنا جائز نہیں ہے، یعنی اجرت واجب نہیں ہوتی، اور اہل مدینہ کے نزدیک یہ معاملہ درست ہے، اور اسی قول کو امام شافعیؒ، نصر بن یحیی، عصام بن یوسفؒ، ابونصر فقیہ اور ابو یوسفؒ وغیرہ نے اختیار کیا ہے'' (رسائل ابن عابدین ۱/ ۱۵۴)۔

مذکورہ دو مثالیں تو بطور نمونہ کے ہیں، اور بھی بہت سارے مسائل میں ضرورت کے وقت فقہاء احناف نے دوسرے امام کے مسلک پر فتوی دیا ہے، راقم کی رائے بھی یہی ہے کہ جس آبادی میں کم از کم مستقل طور پر چالیس افراد جو کہ بالغ ہوں، مستقل طور پر رہ رہے ہوں، تو ایسی آبادی میں ضرورت کی وجہ سے دوسرے مسلک کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی رائے زمانہ کے لحاظ سے بہت مناسب ہے، ہندوستان جیسے ملک میں جہاں ایک بڑی تعداد صرف جمعہ ہی پڑھتی ہے، اگر جمعہ کو صرف شہر کے ساتھ خاص کردیا جائے، تو دیہات وغیرہ میں ایک بڑی تعداد جن کے دلوں میں صرف جمعہ کی نماز کی اہمیت ہے، اگر جمعہ قائم نہ ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دیہات میں سالوں سال تک بہت سے لوگ مسجد کا منہ تک نہیں دیکھیں گے، اور ممکن ہے کہ بہت سے لوگ اس حالت میں مرجائیں، لہذا اس بابت اگر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی رائے کو مان لیا جائے، تو راقم کے نزدیک بہتر ہوگا، شاہ صاحبؒ کی رائے یہ ہے کہ:

''جس جگہ پندرہ بیس مسلمانوں کی آبادی ہو، اور ان میں کم سے کم بارہ آدمی نماز پڑھنے کے قابل ہوں، اور وہ بالغ ہوں، اور وہاں روزہ مرہ کے استعمال کی چیزیں مل جاتی ہوں، اس جگہ جمعہ کی نماز پڑھ لینی چاہئے'' (المصفی شرح مؤطا (عرب ۹) ص ۳۰۰)۔

اسی سے ملتی جلتی رائے حضرت مولانا ابوالمحاسن سجاد صاحبؒ کی بھی ہے، حضرت ایک استفتاء جس میں یہ پوچھا گیا

ہے کہ دیہات میں جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے، اس کے جواب میں حضرت فرماتے ہیں:

''ہمارے نزدیک جس گاؤں میں مسلمانوں کی مستقل آبادی ہو، اور جمعہ کے لئے بالغ مرد کافی ہوں، وہاں نماز جمعہ ہوسکتی ہے'' (فتاوی امارت شرعیہ ۱/ ۵۳)۔

راقم نے اوپر یہی لکھا ہے کہ جس قریہ (گاؤں) میں مستقل طور پر کم از کم چالیس افراد رہ رہے ہوں، اور یہ سب کے سب بالغ ہوں، اور زندگی کی روزمرہ کی چیزیں میسر ہوں، تو ایسا قریہ توسعا مصر کے درجہ میں ہوگا، اور ایسے قریہ میں جمعہ کی نماز قائم کرنا درست ہوگا، لیکن اگر صورت حال یہ ہے کہ بہت چھوٹی آبادی ہے، جو چالیس افراد پر بھی مشتمل نہیں ہے، اور اکثر لوگ صرف جمعہ ہی کے عادی ہیں، اگر جمعہ قائم نہ ہو تو لوگ مسجد ہی نہیں آئیں گے، اور آس پاس میں ایسی مسجد نہیں ہے، جہاں جمعہ کی نماز ہو رہی ہو، تو ایسی صورت میں راقم کی رائے یہی ہے کہ ایسی چھوٹی آبادی میں حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ اور ابوالمحاسن سجاد صاحبؒ کی رائے پر عمل ہونا چاہئے۔

۳- اگر قریہ (گاؤں) کم از کم چالیس افراد پر مشتمل ہے، اور یہ سب کے سب بالغ ہوں، اور زندگی کے روزمرہ کی چیزیں میسر ہوں، تو راقم کے نزدیک ایسے گاؤں کو توسعا اور مصلحۃً مصر (شہر) کے درجہ میں مانا جائے گا، جیسا کہ راقم شروع میں اس کی وضاحت کر چکا ہے، لہذا ایسے قریہ (گاؤں) میں راقم کے نزدیک خصوصا جبکہ ایمان کی حفاظت، گمراہ فتنوں سے آگاہ کرنے کا مسئلہ ہے، جمعہ کی نماز قائم کرنا درست ہے، اور اگر گاؤں میں مستقل طور پر چالیس بالغ افراد نہیں رہ رہے ہیں، تو پھر ایسی صورت میں راقم کے نزدیک جمعہ قائم نہیں ہونا چاہئے، مگر مسئلہ چونکہ ایمان کی حفاظت، گمراہ فتنوں سے آگاہ کرنے کا ہے، تو ایسی صورت میں راقم کے نزدیک حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ابوالمحاسن سجاد صاحبؒ کی رائے پر عمل ہونا چاہئے، نیز اس کی تائید درج ذیل دلائل سے بھی ہوتی ہے:

۱-''**من كفر بالله من بعد إيمانه إلا من أكره وقلبه مطمئن بالإيمان**'' (سورۂ نحل:۱۰۶) (جو شخص اللہ پر ایمان لانے کے بعد اس کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرے، وہ نہیں جسے زبردستی (کفر کا کلمہ کہنے پر) مجبور کر دیا گیا، جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو)۔

اصول فقہ کا مشہور قاعدہ ہے: ''**إذا ضاق الأمر اتسع**'' (القواعد الفقہیہ ص ۳۵۷) (جب کسی معاملہ میں تنگی ہو، تو اس میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے)۔

☆☆☆

اقامت جمعہ کے لیے مصر ہونے کی شرط موجودہ حالات کے پس منظر میں

مفتی محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی ☆

کفر والحاد کے موجودہ دور میں مسلمانوں کو جس قدر اپنے دین اور اسلام کی طرف توجہ کرنی چاہیے تھی وہ مفقود ہے، بلکہ اس کے برعکس دین بیزاری، مذہب سے دوری و بے توجہی اور اسلامی تہذیب وتعلیم سے بے رغبتی روز افزوں ہے، یہ صورت حال شہروں کے ساتھ دیہات وقصبات میں بھی دیکھی جارہی ہے، اس وقت معاملہ یہاں تک آن پہنچا ہے کہ عیسائی مشنریز، قادیانی، قادیانیوں کی طرح کے بعض نو پید فرقے اور منکرین حدیث وغیرہ دیہات وقصبات میں بسنے والے مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے کوشاں ہیں، اہلِ اسلام اور ملی قیادتوں کے لیے یہ صورتحال بہت تکلیف دہ اور ایک لمحہ فکریہ ہے۔

موجودہ دور میں جمعہ کی اہمیت کا ایک پہلو یہ ہے کہ بہت سے مسلمان اپنی غفلت اور دین بیزاری کی وجہ سے پنج وقتہ نمازوں کا اہتمام نہیں کرتے، صرف جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں، کیوں کہ جمعہ کا خصوصی اہتمام لوگوں کے ذہن میں موجود ہے، اگرچہ کہ صرف جمعہ پڑھنا اور پنج وقتہ نمازوں کی ادائیگی سے غفلت برتنا گناہ کبیرہ اور ایمان کی کمزوری کی علامت ہے، لیکن بقول بعض: اس کا ایک بہتر پہلو بھی ہے کہ جمعہ کی نماز فی الجملہ مسجد سے اور مسجد کے واسطے سے دین سے ان کے رشتہ کو استوار رکھتی ہے، جمعہ میں عموماً مسجدوں میں دینی بیانات ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ان کو دینی بیانات سننے اور سمجھنے کا موقع مل جاتا ہے، اس کے ذریعہ ان کے ایمان واسلام کی حفاظت کے قوی امکانات موجود رہتے ہیں۔

اس پس منظر میں بعض دفعہ یہ سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ جہاں بھی مسلمانوں کی باقاعدہ آبادی ہو چاہے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو کیا وہاں جمعہ کا نظام بنایا جاسکتا ہے؟ چنانچہ اگر ہر گاؤں میں اس مقصد یا مصلحت کے لیے جمعہ قائم کیا جائے گا اور جمعہ سے پہلے لوگ دینی باتیں سنیں گے تو عام مسلمان بہر حال کسی نہ کسی درجہ میں دین سے جُڑے رہیں گے اور اس نظام کے واسطے سے آج کے گمراہ فتنوں اور فرقوں سے ان کو آگاہی ملتی رہے گی؟۔

☆ استاذ حدیث وفقہ، دار العلوم حیدرآباد۔

چونکہ مذہب حنفی میں قیامِ جمعہ اور صحتِ جمعہ کے لیے مصر یا قریہ جامعہ ہونا ضروری ہے، چھوٹی آبادی اور چھوٹے گاؤں میں احناف کے نزدیک جمعہ درست نہیں ہے؛ اس لیے اس بارے میں غور وفکر ضروری ہے، اس میں شک نہیں کہ موجودہ زمانہ کی رفتارِ ترقی نے بہت تیزی سے بہت سی جگہوں میں نمایاں تبدیلی پیدا کردی ہے، پہلے جو سہولتیں چھوٹے موٹے شہروں میں میسر ہوتی تھیں وہ آج بہت سے دیہاتوں میں بھی مہیا ہوگئی ہیں، اس کے باوجود دینی اور اجتماعی امور میں علماء کرام بالخصوص سلف صالحین اور متقدمین ومتاخرین فقہائے عظام کی رہبری حاصل کرنا ضروری ہے، محض مصلحت اور جذبات کے پیشِ نظر کسی دینی امر میں تبدیلی پیدا کرنا دانشمندی کے خلاف ہے۔

مصر اور فقہ حنفی:

ایسی جگہ جو نہ شہر ہو اور نہ فنائے شہر ہو؛ بلکہ خالص دیہات ہو وہاں ظاہر الروایہ کے مطابق جمعہ قائم کرنا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ جمعہ اور عیدین کے لیے شہر یا فنائے شہر ہونا ضروری ہے، فقہ حنفی کی تمام مستند کتابوں میں مکمل طور پر اس بات کی وضاحت کردی گئی ہے کہ نماز جمعہ صرف شہر، فنائے شہر اور قصبات میں جائز ہے، حنفیہ کے متقدمین سے لے کر متاخرین اور آج تک سارے فقہاء ومحققین بالاتفاق اسی کے قائل ہیں، فقہ حنفی کے متون وشروح اور فتاوی میں یہی بات مرقوم ہے اور ہدایہ، عنایہ، درمختار، ھندیہ، مجمع الانہر، بدائع، فتاوی قاضی خان، تاتارخانیہ، نورالایضاح، البحر الرائق اور فتح القدیر جیسی اہم کتابوں سے یہی مستفاد ہوتا ہے اور اسی کو مختار، ظاہر المذہب، راجح، ھذا اقرب الاقاویل الی الصواب، علیہ الاعتماد، علیہ اکثر العلماء، اصح وعلیہ الاعتماد جیسے فقہی الفاظ سے موکد کیا گیا ہے، اسی بنیاد پر ملک ہندوستان کے معتبر علماء واہل تحقیق نے یہی فتوی دیا ہے کہ گاؤں میں جمعہ قائم کرنا درست نہیں ہے؛ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، حضرت گنگوہی، حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا یعقوب نانوتوی، حضرت شیخ الاسلام، حضرت تھانوی، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مولانا وصی اللہ صاحب فتح پوری، حضرت جلال آبادی، اور حضرت فقیہ الامت رحمھم اللہ جیسے اکابر علماء اور مفتیان کرام نے اپنی اپنی کتابوں اور فتاوی میں یہی لکھا ہے۔

ان اقوال کی بنیاد جن روایات پر ہے انھیں اعلاء السنن، اوجز المسالک، احکام القرآن للجصاص، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، عمدۃ القاری جیسی کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔

مصر کی پہچان:

(۱) صاحبِ مذہب سے منقول ہے: ”أنه بلدة كبيرة فيها سكك و أسواق ولها رساتيق و فيها وال

یقدر علی إنصاف المظلوم من الظالم" (ردالمحتار ۲/ ۷ ۱۳، دارالفکر، بیروت)۔

(۲) قاضی ابو یوسف کہتے ہیں کہ وہ جگہ جہاں ہر پیشہ وخدمت کا آدمی موجود ہو، عام انسانی ضروریات کی چیزیں موجود ہوں اور قاضی بھی موجود ہو جو اسلامی سزا بھی جاری کرتا ہو۔

(۳) جس جگہ ہر پیشہ کے آدمی موجود ہوں اور اسی پیشہ سے اپنی گذر اوقات کرتے رہیں، کسی دوسرے پیشہ کے اختیار کرنے کی ضرورت نہ پڑے وہ شہر ہے۔

(۴) شہر وہ جگہ ہے جہاں ہر دن ایک بچہ پیدا ہوتا ہو اور ایک آدمی مرجاتا ہو۔

(۵) شہر وہ جگہ ہے جس کی آبادی کا شمار مشکل ہو۔

(۶) جس کی آبادی دس ہزار پر مشتمل ہو۔

(۷) بلخی کا مسلک مختار ہے کہ بڑی سے بڑی مسجد میں اگر پوری آبادی نہ آسکے تو وہ شہر ہوگا۔

(۸) شہر وہ آبادی ہے کہ جہاں انسان کی تمام ضروریات مہیا ہوں، یعنی کھانے پینے وغیرہ کی اشیاء کی خرید وفروخت ہوتی ہے اور بقدر ضرورت ہر قسم کے اہل صنعت وحرفت بھی موجود ہوں۔

(۹) جس کی معمولی آبادی دس ہزار یا چار ہزار ہو۔

(۱۰) حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں مکہ و مدینہ کی جو کیفیت تھی، جو جگہ اس کے مطابق ہو وہ شہر ہے (فتاوی مولانا عبدالحئی اردو ص: ۲۲۲ ناشر مکتبہ تھانوی، قاموس الفقہ ۳/ ۱۲۷ ناشر: زمزم پبلیشرز کراچی)۔

مذکورہ تفصیل اس بات پر دال ہے کہ مصر یعنی شہر کا مفہوم بالکل واضح نہیں ہے؛ بلکہ اس کی تعیین وتعریف میں اختلاف ہے، بعض علماء کے بقول اس کی تعداد اٹھارہ انیس تک پہنچتی ہے، اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ نصوص اس حوالہ سے ساکت ہیں، اسی لیے اب تک مصر کی کوئی ایسی تعریف نہیں کی جاسکی جو جامع اور مانع ہو اور وہ ہر جگہ اور علاقے میں منطبق ہو جائے۔

مصر اور عرف:

اہل علم جانتے ہیں کہ جن امور شرعیہ میں تحدید منصوص نہیں ان کا مدار عرف پر ہوتا ہے، ملا علی قاری نے مرقات میں لکھا ہے کہ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ حدیث "**خذی ما یکفیک وولدک بالمعروف**" سے یہی مفہوم ہوتا ہے؛ چنانچہ امام ابوحنیفہ سے غیر تحدیدی مسائل میں مبتلا بہ کی رائے کا معتبر ہونا بہت مشہور ومسلم ہے، اوجز المسالک کتاب السرقہ میں لکھا ہے: ابن قدامہ حنبلی اور ابن ھمام حنفی باب سرقہ میں "حرز" کی تعریف کے تحت لکھتے ہیں کہ عرف میں جس کو حرز کہتے

ہیں وہی حرز ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ جب شریعت میں حرز کا اعتبار ثابت ہے اور مفہوم حرز کے بیان میں کوئی نص وارد نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ اس میں لوگوں کے عرف کی جانب رجوع کیا جائے گا، اس اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ مصر بھی ان امور شرعیہ میں سے ہے جس کا نصوص میں اعتبار کیا گیا ہے، لیکن اس کی تحدید وتعیین نہیں کی گئی ہے، لہذا حسب ضابطہ اس کا مدار عرف پر ہوگا، اسی لیے تمام فقہاء نے مصر کی تعریف عرف پر چھوڑ دی ہے، پس فیصلہ کن بات یہ ہے کہ لوگوں کے عرف میں جس زمانہ میں جو جگہ شہر کہلائے اور حکومت کی طرف سے جس کو شہر کی حیثیت دی جائے وہی شہر اور مصر ہے۔

مصر کی تعریف میں اختلاف اور نئی حد بندی:

فقہاء نے مصر کی متعدد تعریفیں کی ہیں، اس اختلافِ تعریف کی وجہ سے بعض دفعہ یہ خیال ہوتا ہے کہ تعریف وتحدید کے اس اختلاف سے فایدہ اٹھایا جائے اور شہر کے مفہوم میں جس قدر توسع ممکن ہو پیدا کی جائے، یعنی مصر اور شہر کی کوئی ایسی نئی حد بندی کی جائے کہ آج کے بہت سے گاؤں دیہات میں بھی کسی مصلحت کی وجہ سے جمعہ قائم کیا جا سکے؟

اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ ہمارے اکابر واسلاف کی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ بلاشبہ تعریفات اور تحدیدات میں تعدد نہیں ہونا چاہیے، لیکن مصر کی تعریف میں تعدد اور اختلاف کا واقع ہونا اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ مصر کا مفہوم بالکل غیر واضح ہے؛ اس لیے اس کی نئی حد بندی کی جا سکتی ہے، کیوں کہ اس صورت میں تو یہ ماننا لازم ہوگا کہ حدیث میں وارد شدہ لفظ "مصر" آج تک بے شرح وبیان رہ گیا اور اس طویل دور میں صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمۂ مجتہدین میں سے کسی نے نہ تو خود سمجھا اور نہ کسی کو سمجھا سکے، ظاہر ہے ایسا دعوی کرنا انصاف کے خلاف ہوگا، دراصل بات یہ ہے کہ مصر کی وہ متعدد تعریفات یا تو تعریف بمعنی لغوی ہیں یا پھر اطلاق مجازی کے قبیل سے ہیں، یعنی جن الفاظ میں مصر کی متعدد تعریفیں کی گئی ہیں وہ سب امارات وعلامات اور رسوم ہیں، جن میں تعدد اور اختلاف ناگزیر ہوتا ہے، چونکہ مرورِ ایام کی وجہ سے علامات ورسوم میں تبدیلی ہوتی ہے، اس لیے مصر کے علامات وامارات کی تبدیلی کی وجہ سے مصر کی تحدید میں عبارات بھی بدلتی چلی گئیں، پس اس معاملہ میں اختلاف (خواہ وہ اختلاف فقہاء احناف کے درمیان ہی سہی) سے فایدہ اٹھا کر گاؤں کو مصر میں داخل کرنا درست نہیں ہوگا، بلکہ مصر اور قریہ کی تعریف وتحدید کو جامعیت ومانعیت کا جامہ پہنانا بہت مشکل ہے، کیوں کہ مصر کی مصریت ایک عرفی اور بدیہی چیز ہے، اس کی معرفت اور پہچان کا مدار عرف پر ہے، اسی لیے شریعت نے مصر کا اعتبار تو کیا لیکن اس کی تحدید نہیں فرمائی، تاکہ ہر دور کے عرف میں جس کو لوگ شہر سمجھیں وہ شہر ہوگا اور جس کو گاؤں سمجھیں وہ گاؤں ہوگا، لہذا شہر اور دیہات کا فرق ایسا نہیں ہے جو محتاجِ بیان ہو، ہر ملک میں شہر اور گاؤں ہوتے ہیں اور ہر شخص محض سننے سے ہی ان الفاظ کے معانی سمجھ لیتا ہے اور صرف دیکھنے سے ہی شہر کو گاؤں سے ممتاز کر لیتا ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ آج کے دور جدید میں مصر کی جدید حد بندی کی ضرورت نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ اولا مقصدِ شریعت کے خلاف ہے، ثانیا وہ حد بندی مستقبل میں بھی کارآمد ہو ضروری نہیں ہے، چونکہ فقہاء کی متعدد الگ الگ تعریفیں دراصل اپنے اپنے زمانے کے عرف ہی کی ترجمان ہیں یا مصری علامات کی تحدید ہیں؛ اس لیے اِس دور میں بھی فقہاء کی قدیم تعریفوں پر جو جگہ صادق آئے انھیں شہر مانا جائے، بصورت دیگر اپنے یا حکومت کے عرف کا اعتبار کرلیا جائے اور وہیں جمعہ کے قیام کا فیصلہ کیا جائے، اور جو جگہ ان تعریفات میں سے کسی پر منطبق نہیں ہوتی یا اسے عرف میں شہر نہیں سمجھا جاتا وہاں جمعہ قائم نہ کیا جائے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے آج سے ایک صدی پہلے سن 1322ھ میں ایک صاحب نے استفتاء کیا کہ مصر اور گاؤں کی جامع مانع تعریف کی اشد ضرورت ہے، کیوں کہ فقہاء جو تعریف بتاتے ہیں وہ ٹوٹ جاتی ہے؟ اس کے جواب میں حضرت تھانویؒ نے جو کچھ لکھا اس کا ایک اقتباس درجِ ذیل ہے:

''خود صاحب مذہب سے مصر کی یہ تعریف منقول ہے: "أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم...." اور جس قدر تعریفیں فقہاء نے کی ہیں سب کا مرجع و مآل یہی ہے کہ سب عنوانات مختلفہ ہیں معنون واحد کے اور اس سے زیادہ جامع مانع تعریف جس سے تحدید تام ہوجاوے امور غیر مقدرہ فی النص میں خود امام صاحب کے مسلک کے خلاف ہے، " لأنه زيادة في الدين"، باقی رہی ضرورت رفعِ نزاع، سو مثل دیگر غیر مقدرہ کے اس میں بھی تردد کے وقت اغلب رائے مبتلی بہ اور وقت تعارض آراء کے عدول ثقات کا قول معتمد و معتبر ہوگا اور جس کو نزاع ہی مقصود ہو اس کے لیے تعریف جامع مانع بھی کافی نہیں'' (امداد الفتاوی ۱/ ۴۸۴ مکتبہ دار العلوم کراچی)۔

رہ گئی یہ بات کہ موجودہ دور میں جو ترقی ہوئی ہے جس کے تحت پہلے جو سہولتیں چھوٹے موٹے شہروں میں میسر ہوتی تھیں، وہ اب بہت سے بڑے دیہاتوں میں بھی مہیا ہوگئی ہیں، لہذا اس پس منظر میں کوئی نئی تعریف کی جائے، اوپر کی تفصیل سے یہ مسئلہ بھی حل ہوجاتا ہے یعنی جس گاؤں کی ترقی کی رفتار ایسی ہو کہ اس میں تمدن اور شہریت کے نشانات نظر آرہے ہوں تو مفتیانِ کرام کے ذریعہ اس گاؤں کا معائنہ کرایا جائے اور معائنے کے بعد اگر وہ گاؤں فقہاء کی ذکر کردہ کسی تعریف پر منطبق ہوتا ہو تو اسے قصبہ یا شہر قرار دے کر وہاں نماز جمعہ کا فیصلہ کیا جائے گا، کیوں کہ وہ اس وقت اصطلاحی مصر پر مشتمل ہوگا اور یہی مطلوب ہے، ورنہ اسے گاؤں ہی سمجھا جائے گا، کسی نئی تعریف کے ذریعہ اس گاؤں کو شہر بنانا درست نہیں ہوگا۔

مفتی محمد حنیف صاحبؒ فتاوی ریاض العلوم میں لکھتے ہیں:

''مذہب حنفی میں بالاتفاق مصر شرائط جمعہ میں سے ہے، مصر سے مراد مصطلحہ اہل فتوی ہے، مصر عرفی نہیں، مصر مصطلحہ کا تحقق سکک، اسواق، ابنیہ مثل ابنیہ منی کہ "مراد اس سے آبادی کی کثرت معتد بہا ہے سے ہو جاتا ہے...'' (فتاوی ریاض العلوم ۳/ ۶۳ ناشر: مکتبہ ریاض العلوم گورینی، جونپور)۔

حفاظتِ دین اور گاؤں میں نماز جمعہ:

مذکور بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ گاؤں کے مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت یا کسی اور مصلحت وضرورت کے لیے گاؤں میں جمعہ قائم کرنا درست نہیں ہے؛ بلکہ اس اہم اور دینی ضرورت کی تکمیل کے لیے کوئی دوسرا متبادل تلاش کرنا ضروری ہے۔ تنقیحِ مسئلہ کے لیے ذیل میں مزید کچھ ضروری نکات لکھے جاتے ہیں:

(۱) اہل علم کو معلوم ہے کہ جمعہ کے دن اصل فریضہ نماز ظہر ہے، البتہ جمعہ مُسقِطِ ظہر ہے، جمعہ مسقطِ ظہر اسی وقت ہوتا ہے جب صحتِ جمعہ کی جملہ شرطیں موجود ہوں، اگر صحت جمعہ کی شرطیں موجود نہ ہوں اور جمعہ پڑھ لیا جائے تو جمعہ بھی نہیں ہوگا اور نمازِ ظہر ذمہ سے ساقط بھی نہیں ہوگی، تو اس مشتبہ جمعہ کے ذریعہ اسقاطِ ظہر کا حکم لگانا ایک مشتبہ اور مشکل امر ہوگا جو درست نہیں۔

(۲) اگر کسی نئی تعریف کے ذریعہ گاؤں میں جمعہ قائم کیا جائے تو اس سے ایک بڑی خرابی یہ پیدا ہوگی کہ فقہ حنفی سے اعتماد کمزور ہوگا۔

(۳) جمعہ کے لیے مصر کا شرط ہونا چوں کہ حدیث سے ثابت ہے اور حدیث میں الا فی مصر جامع کی قید اس پر دال ہے کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہے اس لیے مذکورہ مصلحت کے پیش نظر اگر گاؤں میں جمعہ جائز قرار دیا جائے تو اس سے حدیث کی خلاف ورزی بھی لازم آئے گی۔

مزید برآں احادیث سے یہ بات صراحتا ثابت ہے کہ عوالی سے لوگ مدینہ میں باری باری سے آتے تھے یعنی ایک جمعہ کو کچھ لوگ آتے تھے اور باقی اپنے گھر پر رہتے تھے، اور دوسرے جمعہ کو ترتیب بدل جاتی تھی، یہ آمد ورفت تحصیلِ برکات زیارت رسول ﷺ کے ساتھ بغرضِ تعلیم مسائل دینیہ ہوتی تھی، اس کے باوجود حضور ﷺ نے عوالی میں جمعہ قائم کرنے کا حکم نہیں دیا، اور نہ ہی اہل عوالی نے ایسی کوئی درخواست پیش کی، اس سے معلوم ہوا کہ تعلیم وتذکیر اور حفاظتِ دین کے مقصد کے پیش نظر بھی گاؤں میں جمعہ قائم کرنا مزاجِ شریعت کے خلاف ہے (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: تالیفات رشیدیہ، رسالہ اوثق العری ۳۴۲/ ناشر: ادارہ اسلامیات لاہور)۔

(۴) ایمان واسلام کی حفاظت، لوگوں کے عقائد کی پختگی اور گمراہ فرقوں سے واقفیت بلاشبہ ایک اہم ضرورت ہے؛

لیکن اس مصلحت وضرورت کی تکمیل میں حفاظت دین بھی ضروری ہے، اگر اشاعت دین کی وجہ سے شریعت کا کوئی دوسرا حکم ٹوٹ رہا ہو تو ایسی اشاعت سے پرہیز ضروری ہے۔

(۵) جمعہ محض ایک عبادت ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کی اجتماعیت کا اظہار بھی ہے اور اسلام کا ایک شعار بھی، ہر گاؤں میں جمعہ قائم کرنے کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ یہ اہم مقصد فوت ہو جائے گا بلکہ اس کی شانِ شعار بھی متاثر ہوگی۔

(۶) نئی تعریف کے ذریعہ گاؤں میں جمعہ قائم کرنا بلاشبہ ایک تجرباتی مرحلہ ہوگا، اگر یہ تجربہ فیل ہو گیا اور دین بیزاری میں کچھ تبدیلی نہیں ہوئی تو ہمیں ثواب تو ضرور ملے گا، لیکن جو چیزیں پہلے سے طے شدہ تھیں انھیں اپنی جگہ پر واپس لانا بہت مشکل ہوگا۔

متبادل صورتیں:

مذکور بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی مصلحت وضرورت کے پیش نظر گاؤں میں جمعہ قائم کرنا درست نہیں ہے، البتہ حفاظت دین وایمان اور ارتداد کے سدباب کے لئے کچھ متبادل صورتیں لکھی جاتی ہیں:

(۱) گاؤں میں مکاتب کا سلسلہ شروع کیا جائے اور ہر گھر کے بچے اور بچیوں کو اس نظام سے مربوط کیا جائے۔ معیاری مدرسہ قائم کرنا بھی بہت ضروری سمجھا جائے۔

(۲) تبلیغی جماعت کے ساتھ شہر کے علماء کرام کی اصلاحی جماعت کے دورے کرائے جائیں۔

(۳) نکاح کی تقریب اور نماز جنازہ کے موقع سے فایدہ اٹھا کر دینی گفتگو کی جائے۔

(۴) ایسے گاؤں کے دو چار بچوں کو کسی بڑے مدرسہ میں داخل کرانے کی کوشش کی جائے، ان کی کفالت بھی کی جائے، ان شاء اللہ وہ بچے فراغت کے بعد گاؤں کی اصلاح کا ذریعہ بنیں گے۔

(۵) ایسے گاؤں میں ماہانہ یا سالانہ دینی اجلاس کا نظم بنایا جائے۔

(۶) خانقاہی علماء اور صاحب نسبت بزرگوں کے دورے کرائے جائیں۔

(۷) ایسے گاؤں میں مسجد کا امام قابل اور عالم ہو اس کی فکر کی جائے، اچھی تنخواہوں سے یہ مسئلہ آسانی سے حل ہو جائے گا۔

(۸) علاقائی زبان میں چھوٹے چھوٹے کتابچے اور پمفلٹ شائع کر کے ہر گھر میں پہنچانے کی کوشش کی جائے۔

(۹) ایسے گاؤں کی اصلاح کے لیے دعاؤں کا خصوصی اہتمام کیا جانا بہت ضروری ہے۔

(۱۰)ایسے گاؤں کے لوگوں کا واٹس ایپ گروپ بنا کر ان میں مختصر ضروری اور دینی مواد بشکل آڈیوز ارسال کیا جائے۔

(۱۱)اس حوالے سے اسلامی اسکول کا قیام بھی مفید ہوگا۔

☆☆☆

موجودہ عہد میں جمعہ کے لیے مصر ہونے کی شرط کا اعتبار

مولانا عبدالاحد قاسمی☆

تمہید:

اسلام میں عبادات کا گوشہ-خصوصا نماز- بہت ہی اہمیت کا حامل ہے، بندے کا اپنے معبود سے مربوط ہونے کا بہترین ذریعہ ہے، مسلمان کا فریضہ ہے اور ایمان کی علامت ہے، اور اگر اسی علامت کو پورے اہتمام، شان وشوکت اور اتحاد ومواخات کے ساتھ جمعہ کے خاص دن اور خاص وقت میں نمایاں کیا جائے تو اسی کو نماز جمعہ کہتے ہیں، قرآن وسنت کا مطالعہ بتاتا ہے کہ جمعہ کی نماز بہت ساری چیزوں میں پنج وقتہ نماز سے الگ ہے، اس میں سب کا اتفاق ہے کہ اس نماز کے اپنے کچھ امتیازات ہیں جو اس کی شان کو بڑھاتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ امتیازات کی تفصیلات میں فقہاء کی رائیں مختلف ہوگئی ہیں، یہ سب کہتے ہیں کہ جمعہ کی نماز کے لیے جماعت شرط ہے، اسی طرح یہ نماز صحراء وبیاباں میں نہیں پڑھی جاسکتی، وغیرہ، وغیرہ، البتہ بعض چیزوں میں اختلاف بھی ہوگیا، ان مختلف فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ صحت جمعہ کے لیے مصر کی شرط ہے۔

مصریت کی شرط اور مسالک ائمہ:

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قیام جمعہ کے لیے آبادی کا مصرِ جامع ہونا شرط ہے، جمہور کے یہاں قیام جمعہ کے لیے مصر شرط نہیں ہے، امام مالک کے یہاں بیس افراد پر مشتمل آبادی بھی کافی ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک مطلقاً آبادی ہونی چاہیے، لیکن انعقاد جمعہ کے لیے باشندوں میں سے چالیس نمازی کا شریک ہونا شرط ہے اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بروایت المغنی آبادی شرط نہیں ہے، و فی روایۃ آبادی شرط ہے، چالیس افراد سے زیادہ کی آبادی ہو (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۳۷۸، ۳۸۴ الموسوعۃ الفقہیۃ ۲۷/۱۹۶، قاموس الفقہ ۳/۱۲۵)۔

احناف کا مستدل قرآنی اشارے، حضرت علیؓ کی حدیث مرفوع حکمی، نبی ﷺ اور اصحاب نبی ﷺ کا تعامل ہے (سورۃ الجمعۃ: ۹، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق۔ اعلاء السنن)۔

☆ ناظم تعلیمات جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ بہار۔

مصر جامع کی تعریف میں اقوال:

لیکن کتاب وسنت میں احناف کے مسلک کے مطابق مصرِ جامع کی کوئی تحدید موجود نہیں ہے، البتہ اس کے نمونے موجود ہیں جن سے مصر کے مفہوم نکالا جاسکتا ہے، خیر القرون میں جن مقامات پر نمازیں ہوئی ہیں وہ دو طرح کے ہیں: (۱) مصر حقیقی اور (۲) مصر حکمی، اور مصر حکمی سے مراد، فناء مصر، قریہ کبیرہ (قصبہ) اور وہ بستی بھی ہے جہاں حاکم وقت نے جمعہ کی اجازت دے دی ہو۔

مصر جیسے: مکۃ مکرمہ، مدینہ منورہ۔

قریہ کبیرہ جیسے: جواثی۔

فناء مصر جیسے: ہزم النبیت، نقیع الخضمات، قبیلہ بنی سالم۔

قریہ مامورہ جیسے: زبدہ (محلی ابن حزم)، قری بحرین (ابن خزیمہ)، قری ابن عدی کندی (بیہقی فی المعرفۃ)، سواحل مصر (التعلیق المغنی)، قری بین مکہ ومدینہ (بیہقی وعبدالرزاق)۔

ان ہی مقامات کو دیکھ کر سمجھا جاسکتا ہے کہ جمعہ کی نماز کن جگہوں میں پڑھی جاسکتی ہے؟ کیوں کہ یہی وہ جگہیں ہیں جن کو خیر القرون میں حقیقتاً یا حکماً مصر یا مصر جامع کہا اور سمجھا گیا۔

مصرِ جامع کے مفہوم میں فقہاء حنفیہ کا اختلاف:

خیر القرون کے مقامات جمعہ کو دیکھ کر بعض نے ان شہروں کی کیفیت کو اہمیت دی، اور بعض نے کمیت کو اہمیت دی، کیوں کہ بستیوں کے معاملے میں کیفیت سے کمیت اور کمیت سے کیفیت کو سمجھا جاسکتا ہے، اس طرح متعدد تعریفیں بن گئیں، فقہاء کے اقوال اور تعریفات پر ایک نظر ڈال لینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعض تعریفوں میں صرف تعبیر کا اختلاف ہے، اقوال کے اسی تعدد کی بنیاد پر شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

''فتاوی کی روایات میں بہت اختلاف ہے، اور فی الواقع جہال کے لیے یہ ایک جگہ استہزاء کرنے کی مل گئی ہے، اس سے رہائی کی صورت ایک مدت سے مفقود ہے، وہ صورت یہ ہے کہ چاہیے کہ بادشاہ اسلام علماء معتبرین کو جمع کرے اور روایات سابقہ کی تحقیق کی جائے اور ضعیف روایات علاحدہ کردی جائیں اور قوی روایات الگ کردی جائیں، چناں چہ خلفاء راشدین کا یہی طریقہ تھا (الی آخرہ) (فتاوی عزیزی کامل: ۷۵ ۴۔ط: ایچ، ایم، سعید کمپنی، کراچی)۔

مصر کی تعریف میں اختلاف کی نوعیت:

کتب فتاوی کے مطالعے سے اس بات کا بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے کہ جمعہ کی شرط مصریت کو لے کر عوام میں بڑا خلفشار رہتا ہے، لیکن محققین نے جو توجیہات پیش کی ہیں اس سے کافی حد تک مسئلہ حل ہوجاتا ہے، محققین فرماتے ہیں کہ جو بھی تعریفیں فقہاء کی طرف سے آئی ہیں وہ حد تام نہیں بلکہ رسوم ہیں (فیض الباری: ۲/ ۴۲۳ مکتبہ شیخ الہند دیوبند)۔

چنانچہ امداد الفتاوی میں درج ہے:

''مصر کی تفسیر میں جو فقہاء نے مختلف تعریفیں بیان فرمائی ہیں، اس میں بغور ملاحظہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب اختلاف اختلافِ عنوان ہے، نہ کہ اختلافِ معنون، یعنی الفاظ کا بیان جدا جدا ہے اور مصداق سب کا ایک ہے، سب لوگوں نے اپنے اپنے زمانہ کے اعتبار سے جو علامات کہ مصر کی پائی جاتی تھیں بیان کردی ہیں، زمانہ اول میں امصار میں اکثر اوقات حدود اور قصاص ہوتا تھا اور فصلِ خصومات کے لیے قاضی ہوتا تھا، دیہات میں یہ امور نہ تھے، جیسے آج کل کچہری، فوجداری، منصفی وغیرہ دیہاتوں میں نہیں ہوتی ہے، اس لیے اگلے لوگوں نے یہی علامات بیان کیں، پھر جب زمانہ میں تغیر ہوا تو وہ علامات زائل ہوگئیں اور مختلف تعریفیں لوگوں نے کیں، بلکہ ایک شخص سے کئی کئی تعریفیں فقہ کی کتابوں میں مروی ہیں، اور یہ تعریف ''المصر مالایسع أکبر مساجدہ أھلہ'' بھی اسی بنا پر صحیح ہے جب کہ اس کو رسم ناقص اور علامت کہا جاوے'' (الجواب من مخلص الرحمٰن صححہ الشیخ التھانویؒ) (امداد الفتاوی ۱/ ۶۹۳)۔

شیخ تھانویؒ فرماتے ہیں: ''جس قدر تعریفیں فقہاء نے کی ہیں سب کا مرجع و مآل یہی ہے کہ سب عنوانات مختلفہ ہیں معنون واحد کے، اور اس سے زیادہ جامع مانع تعریف جس سے تحدید تام ہوجاوے امور غیر مقدرہ فی النص میں، خود امام صاحبؒ کے مسلک کے خلاف ہے، ''لأنه زيادة في الدين''، باقی رہی رفعِ نزاع سو مثل دیگر غیر مقدرہ کے اس میں بھی تردد کے وقت اغلب رائے مبتلی بہ، اور وقتِ تعارض آراء کے، عدول ثقات کا قول معتبر ہوگا، اور جس کو نزاع ہی مقصود ہو اس کے لیے تعریف جامع مانع بھی کافی نہیں'' (امداد الفتاوی ۱/ ۶۱۸، ۶۱۹)۔

لہٰذا انہی متعدد اقوال میں سے عرفاً جو زیادہ قابل قبول تھا اسی کو اختیار کرکے ہمارے فقہاء کرام نے فتوے جاری کیے، شیخ تھانویؒ فرماتے ہیں:

''حاصل یہ ہوگا کہ جو عرفاً شہر کہا جاوے وہ شہر ہے، اور وجود قضاۃ وغیرہ سب امارات ہیں، بس اس بنا پر ہندوستان میں صدہا امصار ہیں'' (امداد الفتاوی ۱/ ۶۹۹، فتاوی عبدالحی اردو: ۲۲۳)۔

مفتی بہ قول عند المتقدمین:

لہذا اب یہ جان لینا چاہیے کہ متقدمین اور متاخرین علماء کرام کے نزدیک مفتی بہ کیا ہے؟

ابن نجیم مصری فرماتے ہیں: **و فی حد المصر أقوال كثيرة، اختاروا منها قولين: أحدهما ما فی المختصر(له امير قاض ينفذ الأحكام و يقيم الحدود) ، ثانيهما ما عزوه لأبی حنيفة أنه بلدة كبيرة فيها سكك و أسواق و لها رساتيق و فيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمه و علمه و علم غيره، و الناس يرجعون إليه فی الحوادث"۔**

قال فی البدائع: "و هو الأصح و تبعه الشارح و هو أخص ما فی المختصر"۔

و فی المجتبی و عن أبی يوسف أنه ما إذا اجتمعوا فی أكبر مساجدهم للصلوات الخمس لم يسعهم، و عليه فتوى أكثر الفقهاء۔ و قال أبو شجاع: هذا أحسن ما قيل فيه، و فی الولوالجية: و هو الصحيح" (البحر الرائق ۲/ ۲۴۶، ۲۴۷، طبع زکریا دیوبند)۔

علامہ ابن نجیم مصری نے تین تعریفیں پیش کی ہیں، پہلی تعریف ایسی آبادی جس میں امیر اور قاضی ہو جو شرعی احکام اور حدود نافذ کرسکتا ہو مصر ہے اور دوسری تعریف ایسا بڑا شہر جس میں گلیاں اور بازار ہوں اور اس کے تابع کچھ دیہات ہوں اور امیر ہو جو اپنے دبدبے اور علم سے مظلوم کو انصاف دلائے، اور لوگ اپنے معاملات اس کے پاس لائیں ان دونوں کو متقدمین نے پسند کیا ہے، بعض نے دونوں میں صرف تعبیر کا فرق بتایا ہے، اصحاب متون نے عام طور پر پہلے قول کو اختیار کیا ہے، جب کہ شارحین نے دوسرے قول کو راجح قرار دیا ہے: "**قيل و هو الأصح**" (فتح القدیر: ۲/ ۵۲، البنایۃ: ۳/ ۴۵، وفی الغایۃ "ھوالصحیح"، مجمع الانھر: ۱/ ۲۴۷، "وھذا ھوالأصح"، ردالمحتار: ۳/ ۶)۔

فتاوی ہندیہ میں بھی دوسرے قول کو ہی ترجیح دیا گیا ہے، دیکھئے: (الفتاوی الھندیۃ: ۱/ ۱۴۵)۔

دوسرے قول کے بارے میں مفتی رشید احمد لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

"بوجہ صلاحیت حد، و اقرب الی العرف، و منقولیت از امام رحمہ اللہ ہونے کے وہی راجح ہے" (احسن الفتاوی: ۴/ ۱۵۰)۔

اور تیسرے قول کو متاخرین نے اختیار کیا ہے (فتاوی عبدالحی اردو: ۲۲۲۔ عمدۃ الرعایۃ علی شرح الوقایۃ: ۱/ ۱۹۸، کفایت المفتی ۳/ ۲۱۰)۔

و قيل: "ما لو اجتمع أهله فی أكبر مساجده لايسعهم و عليه فتوى أكثر الفقهاء كما فی

المجتبی لظهور التوانی فی الأحکام‘‘(سکب الانھر للحصکفی مع مجمع الانھر ۱/ ۲۴۷، ۲۴۸)۔

لکن المفتی به عند أکثر الحنفیة أن المصر کما قدمنا: هو ما لا یسع أکبر مساجدها أهلها المکلفین بالجمعة‘‘(الفقہ الاسلامی وادلتہ:۲ / ۱۲۹۴، ط: دارالفکر المعاصر بیروت، لبنان، الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/ ۳۷۸، ۳۸۴)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے بھی اسی قول کو ترجیح دیا ہے (دیکھئے: کتاب الفتاوی: ۳/ ۳۷)۔

قاموس الفقہ میں فرماتے ہیں: ’’تاہم ہندوستان وغیرہ کے موجودہ حالات میں کہ بعض علاقوں میں جمعہ ہی سے مسلمانوں کی شناخت رہ گئی ہے، اور اسی کے ذریعہ نماز اور اسلام سے لوگ اپنی وابستگی کا احساس کرتے ہیں، ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ آراء وخیالات کے ان اختلافات سے فائدہ اٹھا کر شہر کے مفہوم میں جس قدر توسع ممکن ہو پیدا کی جائے کہ جمعہ محض ایک عبادت ہی نہیں، تذکیر ودعوت بھی ہے، مسلمانوں کی اجتماعیت کا اظہار بھی ہے اور اسلام کا ایک شعار بھی‘‘ (قاموس الفقہ ۳/ ۱۲۷)۔

فتاویٰ علماء ہندو پاک:

علماء ہند کے فتاوی ملاحظہ فرمائیں:

’’تعریف بالا سے ظاہراً یہ مستفاد ہوتا ہے کہ رقبہ کی کم متصل یعنی مقدار، یا آبادی کی کم منفصل یعنی شمار پر اس کا مدار نہیں، بلکہ ہیئت آبادی اس کا معیار ہے، .....اس بناء پر اگر ہیئت آبادی کی، مثل شہر وقصبہ کے ہے، محل جمعہ کہیں گے، ورنہ گاؤں سمجھیں گے، فاعتبر ھذا‘‘ (امداد الفتاوی ۱/ ۶۱۸، ۶۱۹)۔

’’صحت جمعہ کے لیے یہاں اتنے لوگوں کی مستقل سکونت شرط ہے جن کی آبادی کو عرفاً قریہ کہا جاسکے، رہائشی مکان آپس میں متصل ہوں اور ان کے درمیان کم از کم تین گلیاں ہوں‘‘ (احسن الفتاوی ۴/ ۱۳۴)۔

قریہ کبیرہ کی اصطلاح اور مردم شماری کے ذریعے تعیین:

قریہ کبیرہ یعنی قصبہ کو بھی فقہاء نے مصر جامع میں شمار کیا ہے، اور اس میں جمعہ قائم کرنے کو لازم قرار دیا ہے، ملاحظہ فرمائیں!

’’قصبات بھی امصار میں داخل ہیں، کیوں کہ عوام اپنے محاورات میں ان کو بھی شہر کہتے ہیں، محاورہ میں فرق کرنا یہ عادت خواص کی ہے‘‘ (امداد الفتاوی: ۱/ ۶۹۹)۔

’’چوں کہ بعض تعریفیں ایسی بھی تھیں جو قصبہ اور قریہ کبیرہ پر صادق آتی تھیں، اس لیے فقہاء نے قصبات وقریات

کبیرہ کومصر میں داخل کردیا،... یہ تینوں شرعا مصر قرار پائے اور جمعہ کے جواز کا حکم دیا گیا'' (کفایت المفتی ۳/ ۴۰۲)۔

سوال (۲۴۸۸): جس گاؤں میں احناف کے نزدیک جمعہ جائز ہے تو اس میں کم از کم کتنی آبادی ہونی چاہیے؟

الجواب: ''تین چار ہزار آدمی کی آبادی ہونی چاہیے'' (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۵/ ۱۲۵، کفایت المفتی: ۳/ ۲۰۵۔ امداد الفتاوی: ۱/ ۶۷۰، ۶۷۱)۔

'' فقہاء نے مردم شماری کی کوئی تعداد بیان نہیں کی ہے، بلکہ صرف یہ بتایا ہے کہ شہر یا بڑی آبادی ہو جہاں ضروریات سے متعلق چیزیں ملتی ہوں، ''**وتقع فرضا فی القصبات و القری الکبیرة التی فیها أسواق الخ**''، آبادی کا اندازہ بعد میں لگایا گیا ہے، صرف آبادی کا اندازہ تین چار ہزار لکھا ہے، جیسا کہ اس سے پہلے والے جواب میں موجود ہے، اور شہریت بھی ہو تو اس وقت آبادی تیرہ سو بھی کافی ہے، ظفیر'' (حاشیہ فتاوی دارالعلوم دیوبند ۵/ ۱۲۶)۔

''ہاں عرف اور اس ملک کے حکماء اور حکام تمدن کی اصطلاح کے پیش نظر (کہ وہ چار ہزار کی آبادی کو قصبہ شمار کرتے ہیں) اور فقہاء کے ارشاد: التی فیها اسواق، جو اس قریہ کبیرہ کی تعریف میں کہا گیا ہے، جہاں جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے، ملحوظ رکھ کر فتوی دینے میں اپنا معمول یہ کرلیا ہے کہ جہاں جہاں یہ دونوں شرطیں پائی جائیں وہاں اقامت جمعہ کی اجازت دے دیتا ہوں، اور اس سے زیادہ تحقیق نہیں ہے'' (فارسی سے ترجمہ مفتی سعید احمد پالن پوریؒ) (امداد الفتاوی ۱/ ۶۶۹، ۶۷۰)۔

''مصر کی علامات ہر زمانہ میں مختلف ہوئی ہیں، آج کل علامات یہ ہیں کہ تین چار ہزار کی آبادی ہو، بازار ہو جس میں سب ضروریات ملتی ہوں اور وہ بازار مستقل ہو، ہفتہ وار بازار لگنا کافی نہیں، اور ڈاک خانہ وغیرہ ہو'' (امداد الاحکام: ۲/ ۳۸۴)۔

جہاں تین چار ہزار کی آبادی ہو، اور بازار متصل ہو، جس میں ضروریات روزمرہ سب دستیاب ہوتی ہوں، اور اس آبادی کے متعلق اس کے توابع میں کچھ دیہات بھی ہوں (امداد الاحکام ۲/ ۴۸۳)۔

جواثی مصر تھا، اور اگر مصر نہیں تھا تو قریہ صغیرہ بھی نہیں تھا۔

''سب سے اچھی اور مضبوط بات مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے فرمائی ہے: قریہ کبیرہ کی مردم شماری علامہ عینی نے چار ہزار بیان فرمائی ہے، اس پر مدار رکھا گیا ہے'' (مفتی سید مہدی حسن دارالعلوم دیوبند، الجواب صحیح: مفتی نظام الدین صاحب دارالعلوم دیوبند، فتاوی محمودیہ ۲۰/ ۳۵۰)۔

علامہ عینی کی عبارت ملاحظہ فرمائیں: ''**لانسلم أن جواثی قریة بل هو مدینة، کما حکینا عن البکری و غیره، حتی قیل کان یسکن فیها فوق أربعة آلاف، و القریة لاتکون کذلک**'' (عمدۃ القاری للعینی)، یعنی جواثی قریہ کبیرہ تھا جسے ہم قصبہ کہتے ہیں۔

لہذا علامہ شامی بحوالہ قہستانی فرماتے ہیں:''**عبارة القهستانی: تقع فرضا فی القصبات و القری الکبیرة التی فیها أسواق، قال أبوالقاسم: هذا بلا خلاف إذا أذن الوالی أو القاضی ببناء المسجد الجامع و أداء الجمعة، لأن هذا مجتهد فیه، فإذا اتصل به الحکم صار مجمعا علیه، و فیما ذکرنا إشارة إلی أنه لاتجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض و منبر و خطیب کما فی المضمرات**''(ردالمحتار ۳/۶،۷)۔

ان فتاوی کا ماحصل بھی یہی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے قول مشہور ہی مفتی بہ ہے، نیز عوام کے محاورے میں قصبہ کو بھی شہر کہا جاتا ہے، مصر کی بعض تعریف قصبہ پر بھی صادق آرہی تھی، بعد میں قصبہ کی مردم شماری کا اندازہ تین چار ہزار کی آبادی طے کی گئی، اور شہریت ہوتو تیرہ سو کی آبادی بھی قصبہ یعنی مصر حکمی بنانے کے لیے کافی ہے، عرف، ملک کے حکماء اور حکام تمدن کی اصطلاح میں چار ہزار کی آبادی قصبہ ہے، جوائی کی آبادی تقریبا چار ہزار تھی، عطاء بن ابی رباحؒ نے جدہ کو مصر بتلایا جہاں کی آبادی قصبہ جیسی ہی تھی، ان بنیادوں پر مفتیان کرام نے مصر کے دائرے کو وسعت دیتے ہوئے قصبات اور بڑے دیہاتوں میں جمعہ کی اجازت دی۔

مصر کا بنیادی عنوان اور عصر حاضر میں مصر جامع کے اطلاق کا دائرہ:

تمام فقہاء کرام نے یہ بتایا کہ کوئی بھی آبادی مصرِ جامع کب بنتی ہے؟ اور مصرِ جامع کے رسوم اور علامات کو سب نے اپنے اپنے اعتبار سے سمجھایا، ہر ایک نے ایسے اوصاف بیان کیے جن سے کسی مقام کو مرکزیت ملتی ہے، کسی نے آبادی کی مردم شماری کو ہی مرکزیت کی بنیاد سمجھا، کسی نے امیر، قاضی، عالم وغیرہ کو مجمع الخلائق بنایا، کسی نے افراد کی کثرت اور حکومتی ستونوں کو، دونوں کو مرکزیت کا ذریعہ مانا، کسی نے عسکری قوت کو مدار بنایا، کسی نے صنعت وحرفت کو بنیاد بنایا، کسی نے دینی اور دنیوی یا صرف دینی حاجت روائی کو بنیاد بنایا اور کسی نے ظاہری ہیئت اور تعمیرات کو، مجتہدین کی آراء کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصرِ جامع کے مفہوم میں کمیت اور کیفیت دونوں کا لحاظ کرنا چاہیے۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:''**إنه یشترط لها الجماعة و التمدن، أقول و ذلک لأنه لما کان حقیقة الجمعة إشاعة الدین فی البلد وجب أن ینظر إلی تمدن و جماعة**''(حجۃ اللہ البالغۃ: کتاب الصلاۃ: باب ۱۶)۔

اور دیکھا جائے تو اولاً اعتبار کمیت کا ہونا چاہیے، کیوں کہ کسی علاقے کو شہر اور مصر بنانے میں اصل کردار آبادی کا ہوتا ہے، کیوں کہ کثرت آبادی ہی سڑکوں، گلیوں، بازاروں کا تقاضا کرتی ہے، اسی سے تمدن وجود پذیر ہوتا ہے، آبادی کے مصالح

کے لیے حاکم، عدالت اور قید خانے کی ضرورت پیش آتی ہے، اور سب سے اہم بات کہ جمعہ کی مشروعیت کی حکمت بڑے پیمانے پر اشاعت دین اور اسلام کی عظمت وشوکت کا اعلی پیمانے پر اظہار ہے، کیا مسلمانوں کی بڑی آبادی کے بغیر یہ مظہر وجود میں آسکتا ہے؟ (مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی:۵۱۰، مکتبہ شیخ الہند، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۱۲۸۰-۱۲۸۱، ط: دارالفکر المعاصر بیروت، لبنان، نظام الفتاوی: جلد۶/ ۱۷۱، ۱۷۲، تاج کمپیوٹرس دیوبند)۔

اسی طرح حدیث رسول ﷺ: ''**فلا جمع الله شمله، و لا بارک له فی أمره**'' (سنن ابن ماجہ:۷۵) سے بھی اشارہ ہے کہ جمعہ اتحاد وشیرازہ بندی کا ذریعہ ہے، لہذا جتنے بڑے پیمانے پر ہو اتنا ہی اچھا ہے۔

اور حدیث علی میں مصر کے ساتھ جامع کا لاحقہ ایسا ہی ہے جیسے مسجد جامع (یعنی ایسی مسجد جس کو مرکزیت حاصل ہو، جہاں جمعہ کے دن دوسری مسجدوں کو چھوڑ کر لوگ جمع ہو جائیں)، اسی طرح مصر جامع یا قریہ جامعہ کا مطلب ایسی بستی جو ایک معتد بہ آبادی پر مشتمل ہو، جس کو اردگرد کے علاقے میں مرکز کی حیثیت حاصل ہو، جہاں جمعہ کے دن دوسرے گاؤں کے لوگ جمع ہو جائیں۔

چنانچہ مفتی کفایت اللہؒ فرماتے ہیں:

''بڑا گاؤں جو مرکزی حیثیت رکھتا ہو، اور آس پاس کے مسلمان مرکزی حیثیت سے جمع ہو سکیں اس کو جمعہ یا عید کی نماز کے لیے مقرر کر لینا بہتر ہے'' (کفایت المفتی ۳ / ۲۲۵) (نوٹ: لیکن مفتی صاحبؒ نے دیگر فتاوی میں مرکزیت کے مفہوم کو بہت چھوٹا کر دیا ہے)۔

جلیل القدر تابعی، مفتی حرم حضرت عطاء بن ابی رباح (ت ۲۷ھ/ ۶۴۷ء-م ۱۱۴ھ-۷۳۲ء) سے صحیح بخاری میں ایک قول منقول ہے، وہ فرماتے ہیں: ''**إذا کنت فی قریة جامعة و نودی بالصلاة من یوم الجمعة ، فحق علیک أن تشهدها، سمعت النداء أو لم تسمعه**''، اس قول میں مصنف عبدالرزاق میں جو اضافہ منقول ہے اس سے جامع کا مطلب خوب سمجھ میں آتا ہے: ''**و عن عبد الرزاق فیه، قلت لعطاء: ما القریة الجامعة؟ قال ذات الجماعة، و الأمیر، و القاضی، و الدور المجتمعة، الآخذ بعضها من بعض مثل جدة**'' (بخاری، فتح الباری، فیض الباری ۲/ ۴۲۶)۔

جدہ کی آبادی بہت زیادہ نہیں تھی، حضرت عطاء کے تین صدی بعد بھی وہاں کی آبادی ۵۰۰۰ تھی، چنانچہ ناصر خسرو فارسی کے مشہور شاعر، فلسفی، اسماعیلی دانشور اور سیاح نے ۱۰۵۰ء میں شہر کا دورہ کیا اور کہا شہر میں بہت سی اچھی چیزیں اور تجارت سے شہر خوشحال ہے، اس کی آبادی ۵۰۰۰ نفوس پر مشتمل ہے۔

مصر جامع کی تعریف میں فقہاء کے اقوال، متقدمین ومتاخرین کے فتاوی پر غور کرنے کے بعد مذکورہ بالا تفصیلات سے چند باتیں سامنے آتی ہیں:

(۱) نماز جمعہ ایک ایسے اجتماع کا تقاضا کرتی ہے جو پنج وقتہ نماز کے اجتماع سے بڑا ہو۔

(۲) مصرِ جامع کی شرط اسی لیے لگائی گئی تاکہ بڑے اجتماع کا حصول ہو سکے۔

(۳) مصر اسی وقت مصر بنے گا جب کہ اس میں مرکزیت ہو، کشش ہو، اجتماع کے اسباب ہوں۔

(۴) ماضی میں اسباب اجتماع میں سے امیر، قاضی، بازار وغیرہ تھے، اس زمانے میں اجتماعیت اور مرکزیت کے اہم اسباب ہیں بازار (جس میں کرانہ، سبزی، کپڑے اور جوتے چپل کی دکانیں ہوں)، بینک، تھانہ، ڈاک خانہ، بس اسٹنڈ، کورٹ کچہری، ریلوے اسٹیشن۔ امیر اور قاضی کے کام کو عصر حاضر میں تھانہ ہی دیکھتا ہے، جو حل ہو گئے تو ہو گئے، ورنہ مسائل اسی راستے آگے بڑھتے ہیں۔ اور تھانہ ہر آبادی میں ہونا ضروری نہیں، کیوں اس تیز رفتار زمانے میں تیز رفتار ذرائع کے ہوتے ہوئے ایک تھانہ کئی کئی بستیوں کے مسائل آسانی سے حل کرتا ہے۔ شیخ تھانویؒ فرماتے ہیں:

''**قلت :أقمت البوليس مقام الوالي لرجوع الناس إليه في الحوادث**'' (امداد الاحکام: ۲/ ۳۷۷)۔

(۵) بڑی آبادی جس میں ضروریات زندگی مہیا ہوں۔

(۶) جدہ اور جواثی سے کے لحاظ سے تین چار ہزار کی آبادی بڑی آبادی کہلائے گی، جب کہ حکومتی عرف بھی یہی ہے۔

(۷) بڑی آبادی بذات خود مرکزیت کا سبب ہے، کیوں کہ آبادی کی کثرت ہی باقی تمام علامات کا ذریعہ بنتی ہے۔

اس تجزیے کے بعد مصر جامع کی تعریف چھن کر سامنے آجاتی ہے، غرض یہ کہ ان تعریفات کا لب لباب یہی ہے کہ کوئی بستی مصرِ جامع ہوتی ہے اسباب مرکزیت کی بنا پر، اگر یہ اسباب مرکزیت کسی غیر مصر میں پائے جائیں تو وہ بھی مصر کے حکم میں ہوگا، اسی لیے اب آتے ہیں درج ذیل سوال کی طرف:

سوال (۱) مذکورہ بالا تجزیے سے مصر کی تعریف بھی سمجھ میں آجاتی ہے اور دائرہ کی وسعت بھی سمجھ میں آجاتی ہے، قریہ کبیرہ کی اصطلاح ہی دراصل مصر کے اطلاق کو وسیع کرتا ہے۔

لہذا ہر وہ آبادی جس کی مردم شماری تین ہزار ہو، یا تین ہزار سے کم ہو، لیکن وہاں روزمرہ کی ضروریات کی تکمیل کے لیے بازار بھی ہو جس کی بنا پر وہ علاقہ اپنے اطراف میں مرکزی حیثیت حاصل کر لے، یہ تعریف ہر شہر پر صادق تو آتی ہی ہے، ساتھ ہی قصبات اور بڑے دیہات کو بھی عام ہے (حاشیہ فتاوی دار العلوم دیوبند ۵ / ۱۲۶)۔

چنانچہ مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: ''شہر ہونے کی علامت یہ ہے کہ آبادی تین ہزار سے کم نہ ہو، ..... آج کے زمانہ کی علامت یہ ہے کہ اس میں تھانہ اور ڈاک خانہ وغیرہ وغیرہ ہو'' (انعام الباری ۴/ ۵۶)۔

''حنفیہ کے نزدیک جمعہ صرف شہر، قصبے یا ایسے گاؤں میں ہوسکتا ہے جہاں ضروریات زندگی عام ملتی ہوں، بازار ہو، سڑکیں ہوں اور وہ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے شہر کے ساتھ مشابہ ہو، چھوٹے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں'' (فتاوی عثمانی ۱/ ۵۵۶)۔

''قصبہ اور بڑے گاؤں میں حنفیہ کے نزدیک جمعہ جائز ہے، چھوٹے گاؤں میں جائز نہیں، بڑا گاؤں وہ ہے جس میں گلی کوچے ہوں، بازار ہو، روزمرہ کی ضروریات ملتی ہوں، تین چار ہزار کی آبادی ہو، ان میں مسلمان خواہ اقلیت میں ہوں یا برابر یا زائد'' (فتاوی دارالعلوم زکریا: ۲/ ۶۴۲)۔

سوال ۲، ۳:

یہ دو سوالات ہیں، (۱) مسلمانوں کی باقاعدہ آبادی ہونے کی بنیاد پر جمعہ کا قیام خواہ وہ آبادی چھوٹی ہی کیوں نہ ہو، (۲) دینی مصالح کی بنیاد پر چھوٹی آبادی میں جمعہ کا قیام، اس سلسلے میں ہمارے علماء کی جانب سے دو رائیں منقول ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

پہلی رائے: مسلمانوں کی باقاعدہ آبادی والے دیہات میں یا دینی مصالح کی بنیاد پر جمعہ جائز ہے۔

مولانا ابوالمحاسن سجاد صاحبؒ اور مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے باقاعدہ اور مستقل آبادی کی صورت میں، اسی طرح بعض مصالح کی بنیاد پر چھوٹے دیہات میں جمعہ پڑھنے کی اجازت دی ہے، مصریت کا لحاظ نہیں کیا۔

''ہمارے نزدیک جس گاؤں میں مسلمانوں کی مستقل آبادی ہو اور جماعت کے لیے بالغ مرد کافی ہوں، وہاں نماز جمعہ ہوسکتی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ بھی اس کے قائل ہیں'' (فتاوی امارت شرعیہ ۱/ ۵۶ مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ)۔

''دیہات میں جمعہ کی بابت جو فتوی امارت سے بارہا بھیجا گیا، وہ یہ ہے کہ جس گاؤں میں مسلمانوں کی مستقل آبادی ہو، اور بالغ مرد جماعت کے لیے کافی ہوں، وہاں نماز جمعہ ہوسکتی ہے'' (فتاوی امارت شرعیہ: ۱/ ۶۲ مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد، مرتب: قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ)۔

''علماء حنفیہ کا اختلاف ہے، میرے نزدیک حق یہ ہے کہ چالیس گھر مسلمانوں کی مستقل آبادی جہاں ہو، وہاں جمعہ وعیدین جائز ہے، اور میں حکم دیتا ہوں کہ ایسی بستی میں جمعہ قائم کیا جائے، میرے اس حکم کے بعد علماء حنفیہ کا اختلاف بھی اٹھ جائے گا'' (فتاوی امارت شرعیہ ۱/ ۵۹ مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ)۔

''اگر آپ کی بستی میں مستقل آبادی ہو، چالیس کے انداز بالغ مسلمان رہتے ہوں تو نماز جمعہ پڑھ سکتے ہیں، بالخصوص جب کہ وہاں نماز جمعہ برابر سے ہوتی آئی ہے، لہذا آپ لوگ پڑھیے، جماعت کو بڑھایئے، اطراف سے بھی مسلمانوں کو بلاکر جماعت بڑھایئے، جمعہ وعیدین جائز ہے، اور میں حکم دیتا ہوں کہ ایسی بستی میں جمعہ قائم کیا جائے، میرے اس حکم کے بعد علماء حنفیہ کا اختلاف بھی اٹھ جائے گا'' (فتاوی امارت شرعیہ ۱/ ۶۰ مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ)۔

''سوال: موضع ملکی ضلع پورنیہ، جس کی آبادی تقریباً پچاس گھر کی ہے، ضرورت کی چیزوں کے لیے یہاں کے باشندے چار کوس دوڑتے ہیں تو ان کو بازار ملتا ہے، جس سے خریدتے ہیں، ایسی بستی میں نماز جمعہ وعیدین برابر ہوتی ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟؟؟

جواب: اس موضع میں جمعہ وعیدین اگر جاری ہے تو پڑھنا چاہیے، لیکن ایک ہی جگہ بڑی جماعت سے پڑھی جائے'' (فتاوی امارت شرعیہ ۱/ ۵۶، ۵۷ مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ)۔

حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ نے ان فتاوی پر حاشیہ لگاتے ہوئے قہستانی کے مندرجہ ذیل حوالے کو پیش کیا ہے:

''**وفی القهستانی: إذن الحاكم ببناء الجامع فی الرستاق إذن بالجمعة اتفاقا على ما قاله السرخسی وإذا اتصل به الحكم صار مجمعا عليه، قال أبو القاسم: هذا بلا خلاف إذا أذن الوالی أو القاضی ببناء المسجد الجامع وأداء الجمعة لأن هذا مجتهد فيه فإذا اتصل به الحكم صار مجمعا عليه، وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لا تجوز فی الصغيرة التی ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما فی المضمرات، والظاهر أنه أريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة؛ ألا ترى أن فی الجواهر لو صلوا فی القرى لزمهم أداء الظهر، وهذا إذا لم يتصل به حكم، فإن فی فتاوى الدينارى: إذا بنى مسجد فی الرستاق بأمر الإمام فهو أمر بالجمعة اتفاقا على ما قال السرخسی اهـ فافهم۔ والرستاق القرى كما فی القاموس**'' (الدرالمختار مع ردالمحتار ۳۳۶، ۷)۔

''**وظاهر ما مر عن القهستانی أن مجرد أمر السلطان أو القاضی ببناء المسجد وأدائها فيه حكم رافع للخلاف بلا دعوى وحادثة ۔وأفتى ابن نجيم بأن تزويج القاضی الصغيرة حكم رافع للخلاف ليس لغيره نقضه.....**'' (ردالمحتار ۳/ ۷)۔

''**قال فی البحر: ولا خفاء فی أن من فوض إليه أمر العامة فی مصر له إقامتها وإن لم يفوضها**

السلطان إليه صريحا، كما في الخلاصة" (ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ، مطلب فی صحۃ الجمعۃ بمسجد ۳/ ۸)۔

اسی طرح کفایت المفتی (۳/ ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹) میں وسعت مساجد پر فتوی دیا گیا ہے، نیز مفاسد کی وجہ سے بھی گاؤں میں جمعہ کی اجازت دے دی گئی، ڈھائی سو کی آبادی میں بھی جمعہ کی اجازت اس لیے دیا کہ پہلے سے جمعہ قائم ہوتا تھا، جب کہ کسی عالم نے بند کروا دیا تھا، کوئی فتنہ بھی نہیں ہوا، لوگ عمل کر رہے تھے (۲۱۰۔۲۱۱)، ایک جگہ فرماتے ہیں: بالخصوص عرصہ دراز کا قائم شدہ جمعہ بند کرنا مفاسد کثیرہ کا موجب ہے، اس لیے اس کو بند کرنا مصالح شرعیہ کے منافی ہے؛ محمد کفایت اللہ۔ ..... قدیمی جمعہ واعیاد وقائم شدہ کو روکنا نہیں چاہیے۔ مجیب: حبیب المرسلین (۲۱۴)، تیس گھر کی بستی کا بھی یہی حکم بتایا، تلفیق کی بھی اجازت دے دی گئی (۲۱۵)، بار بار شافعی مسلک پر عمل کرنے کی دعوت دی گئی۔

لیکن دوسری جگہ جمہور کی موافقت بھی کی ہے، فرماتے ہیں:

''البتہ گاؤں میں جمعہ کی نماز جائز نہیں، دیہات میں ظہر کی نماز باجماعت پڑھنی چاہیے'' محمد کفایت اللہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (کفایت المفتی ۳/ ۱۸۷)۔

ایک جگہ فرماتے ہیں: ''جب تک کسی مقام کا مصر ہونا متعین نہ ہوجائے اس جگہ جمعہ نہ پڑھا جائے، کیوں کہ مصر شرائط جمعہ میں سے ہے اور تاوقتے کہ وجود شرط یقینی نہ ہوجائے وجود مشروط یعنی صحت جمعہ کا یقینی حکم نہیں ہوسکتا، اور ایسی حالت میں اقامت جمعہ جائز نہیں'' (کفایت المفتی ۳/ ۱۹۳)۔

مولانا مجیب اللہ ندویؒ نے بھی ان ہی مصالح کی بنیاد پر چھوٹے گاؤں میں جمعہ کا جواز بیان کیا ہے، فرماتے ہیں:

''جس جگہ پندرہ بیس مسلمانوں کی آبادی ہو، اور ان میں کم سے کم بارہ آدمی نماز پڑھنے کے قابل اور بالغ ہوں اور وہاں روزمرہ کے استعمال کی چیزیں مل جاتی ہوں، اس جگہ جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہے، اگرچہ نماز میں امام کے علاوہ تین ہی چار آدمی کیوں نہ شریک ہوں، تین آدمی سے کم ہوں تو جمعہ کی نماز کے بجائے ظہر کی نماز پڑھنی چاہیے''۔

''(حاشیہ: اس سلسلہ میں راقم نے شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو ترجیح دی ہے، ان کی یہی رائے ہے، اس کے علاوہ موجودہ زمانہ کی غفلت بھی اس کی متقاضی ہے کہ جاہل سے جاہل اور غافل سے غافل مسلمان کے دل میں بھی ابھی جمعہ کی اہمیت باقی ہے، اور وہ جمعہ کی نماز پڑھ لیتے ہیں، اگر اس سے منع کر دیا جائے گا تو نماز کی جو تھوڑی سی اہمیت ان کے دلوں میں رہ گئی ہے وہ بھی جاتی رہے گی، راقم اپنے گاؤں میں جمعہ بند کرا کے خود اس کا مشاہدہ کیا ہے کہ بعض ہندو وغیرہ ۱۹۴۷ء میں کہنے لگے کہ: ہندو ہوجانے میں کیا حرج ہے؟ آٹھ دن میں ہم جمعہ پڑھتے تھے وہ بھی بند ہوگیا، اسی

مصلحت کے تحت دوبارہ پھر جمعہ قائم کرنا پڑا)'' (اسلامی فقہ ۱/ ۲۹۳، مولانا مجیب اللہ ندوی، ط: ۱۹۹۰ء تاج کمپنی نئی دہلی)۔

دوسری رائے: دیہات میں جمعہ جائز نہیں، نہ باقاعدہ آبادی کی بنیاد پر، نہ دینی مصالح کی بنیاد پر:

''و فی التجنیس : و لا تجب الجمعة علی أهل القری وإن کانوا قریبا من المصر، لأن الجمعة إنما تجب علی أهل الأمصار'' (البحرالرائق: ۲ /۲۴۸)۔

''و فیما ذکرنا إشارة إلی أنه لاتجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض و منبر و خطیب کما فی المضمرات'' (ردالمحتار ۳/۶، ۷)۔

فتاوی امارت شرعیہ کی دوسری جلد میں خود حضرت قاضی مجاہدالاسلامؒ نے مذکورہ بالا مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کے فتوی سے مختلف فتوی دیا ہے، فرماتے ہیں:

''اگر بستی چھوٹی اور دیہات ہے تو نہ یہاں جمعہ ہے اور نہ وہاں، ایسی چھوٹی بستیوں میں ظہر ادا کرنی چاہیے اور اگر دونوں بستیاں قریہ کبیرہ شمار ہوتی ہیں اور وہاں کچھ شہریت کے آثار ہیں تو وہاں جمعہ درست ہے اور دونوں جگہ جمعہ کی نماز ادا کی جاسکتی ہے'' (فتاوی امارت شرعیہ: ۲ /۴۹۸)۔

مفتی محمد بشیر احمد صاحبؒ مفتی امارت شرعیہ کا فتوی ملاحظہ فرمائیں:

''ایسے گاؤں میں جہاں نہ بازار ہے، نہ کوچے ہیں، نہ وہاں کوئی عدالت ہے، جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، حنفیہ کے نزدیک وہاں جمعہ درست نہیں، کیوں کہ جمعہ کے ادا کے لیے مصر شرط ہے، قریہ میں جمعہ ادا نہیں ہوتا اور ظہر ذمہ سے ساقط ہوتی ہے، اگر زمانہ قدیم سے وہاں جمعہ ہوتا آرہا ہے تو خیر، ورنہ نئے طریقہ پر جمعہ قائم نہ کریں'' (فتاوی امارت شرعیہ ۲/ ۵۰۲ مولانا محمد بشیر احمد)۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں: ''جس موضع میں دو ہزار آدمی ہندو مسلمان ہوں، اس جگہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ ادا نہیں ہوتا ہے، وہاں ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنی چاہیے اور جمعہ نہ پڑھنا چاہیے'' (فتاوی رشیدیہ کامل: ۴۲۵۔ مطبوعہ ۱۹۸۷ء)۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: ''دیہاتوں میں احناف کے نزدیک جمعہ کا صحیح نہ ہونا ظاہر و باہر ہے، اور جو لوگ مذہب شافعی کے پیش نظر پڑھتے ہیں، اور یہ بات ظاہر ہے وہ لوگ نماز کے وہ تمام فرائض جو امام شافعیؒ کے نزدیک ثابت ہیں بجا نہیں لاتے، جیسے قرائت خلف الامام اور نماز جمعہ کی صحت کے لیے نمازیوں کی جو تعداد ان کے یہاں معتبر ہے اس کی رعایت بھی نہیں کرتے، تو ان کا جمعہ نہ احناف کے نزدیک درست ہوتا ہے، اس لیے کہ احناف گاؤں میں جمعہ کے قائل

ہی نہیں ہیں، اور نہ شافعیہ کے نزدیک درست ہوتا ہے، کیوں کہ ان کے جو صحت کے شرائط ہیں وہ نہیں پائے جاتے، اور اس کا نام تلفیق ہے جسے فقہاء باطل کہتے ہیں، فافہم'' (امداد الفتاوی:۱/ ۶۸۸، ۶۸۹)۔

حضرت تھانویؒ نے صحیح فرمایا ہے: ''احتیاط حنفی مذہب پر عمل کرنے میں ہے، چھوٹے گاؤں میں جمعہ نہیں'' (فتاوی محمودیہ:۱۶ / ۵۱۴۔ مفتی محمود حسن گنگوہی)۔

مفتی عبد الرحیم لاجپوریؒ فرماتے ہیں: ''(تین ہزار کی آبادی ہے، پانچ سات دکانیں ہیں) مذکورہ بالا صورتوں (ڈاک خانہ، ریلوے وغیرہ نہ ہونے سے) واضح ہوتا ہے کہ قصبہ نہیں ہے، لہذا جمعہ وعیدین کی نماز صحیح نہیں ہے، الخ'' (فتاوی رحیمیہ: ۳ / ۶۵۔ مکتبہ رحیمیہ، راندیر، سورت، گجرات)۔

''اگر وہ چھوٹا گاؤں ہے تو وہاں جمعہ جائز نہیں، مسجد آباد ہو یا ویران ہو جمعہ نہ پڑھا جائے، بلکہ پانچوں وقت اذان و جماعت کا اہتمام کیا جائے'' (فتاوی محمودیہ ۱۴/ ۲۳۸، مفتی محمود حسن گنگوہی)۔

دینی مصلحت سے بھی دیہات میں جمعہ جائز نہیں:

بلکہ ہندو پاک کے تقریباً سبھی علماء نے چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی اجازت نہیں دی، خواہ مسلمانوں کی مستقل آبادی ہو، یا عوام کی طرف سے وضع کردہ دینی مصالح ہوں۔

☆ ..... ''دوسرے مجتہد کے قول پر عمل کرنا یا تو اس وقت جائز ہے جب اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آوے، اور یا موضع ضرورت میں جائز ہے، اور ظاہر ہے کہ جمعہ میں نہ تو کوئی ضرورت ہے، اور جو مصلحتیں لکھی ہیں یہ حد ضرورت کو نہیں پہنچیں، کیوں کہ ضرورت کی حقیقت یہ ہے کہ بدون اس کے کوئی ضرر لاحق ہونے لگے، اور ضرر سے مراد حرج اور تنگی اور مشقت ہے، سو یہ امور متحقق نہیں، اور جمعہ پڑھنے سے اپنے مذہب کے چند مکروہات کا ارتکاب بھی لازم آتا ہے:

اول: نفل کی جماعت، دوم: نوافل نہار میں جہر، سوم: غیر لازم کا التزام، چہارم: ترک جماعت فرض ظہر، پنجم: اگر کوئی ظہر نہ پڑھے تو ترک فریضہ، کہ حرام اور فسق ہے، اور یہ معلوم ہے کہ مصر شرائط جواز جمعہ سے ہے، شرائط وجوب سے نہیں، یہ احتمال بھی دفع ہو گیا کہ اگر واجب نہیں تو جائز ہو جاوے گا، لہذا صورت مسئولہ میں جمعہ پڑھنا حنفیہ کے نزدیک ممنوع اور ناجائز ہے'' (امداد الفتاوی:۱/ ۶۴۰، ۶۴۱)۔

☆ ''جس گاؤں میں بوجہ اس کے چھوٹا ہونے کے عند الحنفیہ درست نہیں ہے، اس میں کسی خیال سے بھی جمعہ نہ پڑھنا چاہیے'' (فتاوی دار العلوم دیوبند ۵/ ۱۴۶)۔

کسی خیال کا مطلب وہی مصلحتیں ہیں جو عوامی سطح پر بیان کی جاتی ہیں۔

☆'' سوال:..... آٹھویں دن لوگ جمعہ کے خیال سے جمع ہوجاتے ہیں اور مسائل وغیرہ سے مستفیض ہوتے ہیں، آیا اگر اس لحاظ ومفاد دین کو مدنظر رکھ کر جمعہ ادا کریں، تو ظہر ذمہ سے ساقط ہوجاوے گی؟

جواب:'' حنفیہ کو امام ابوحنیفہ کی تقلید کرنی چاہیے، اپنے امام کے مذہب کے موافق قریہ صغیرہ میں جمعہ نہ پڑھنا چاہیے'' (فتاوی دارالعلوم دیوبند ۵/ ۱۶۵)۔

اس سلسلے میں صاحب فتاوی محمودیہ نے تفصیلی روشنی ڈالی ہے، اس فتوی کو ملاحظہ فرمائیں جو اسی تناظر میں دیا گیا تھا:

استفتاء کے جواب میں مفتی صاحب نے لکھا:

☆'' رہی یہ بات کہ لوگ بالکل نماز چھوڑ دیں گے، تو آپ نے خود لکھا ہے کہ اب باوجود جمعہ پڑھنے اور اتنی کوشش کرنے کے بھی رغبت نہیں کرتے، بلکہ متنفر ہیں، اس لیے ایک ممنوع فعل کرکے لوگوں کو متوجہ کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں، ویسے نماز کے لیے آپ اپنی کوشش جاری رکھیں، اللہ پاک امداد فرمائے۔

(اس سے متعلقہ استفتاء کو مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے پاس بھیجا گیا تو انہوں نے جواز کا فتوی دیا، اس کے بعد دوبارہ یہ استفتاء (مع فتوی مفتی کفایت اللہ صاحبؒ) حضرت گنگوہی کے پاس بھیجا گیا، تو حضرت نے مستفتی کی حرکت پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:) یہاں کا جواب تو اب بھی وہی ہے جو پہلے تھا۔ ..... مسائل میں اختلاف اب سے نہیں بہت پہلے صحابہ کے زمانہ سے چلا آتا ہے۔ ..... اس اختلاف میں تو ہر شخص کو ایک قسم کی گنجائش ہے کہ جس عالم کے قول پر عمل کریں گے ان شاء اللہ تعالی ہمارے لیے دنیا وآخرت میں سہولت ہوگی، جواب دہی جو کچھ ہوگی وہ خود ان عالموں کے ذمہ رہے گی جن سے پوچھ کر ہم نے عمل کیا ہے، ہماری گرفت نہ ہوگی'' (فتاوی محمودیہ ۷/ ۲۰۲، تا ۲۰۵ مفتی محمود حسن گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور)۔

یہاں کا جواب تو اب بھی وہی ہے جو پہلے تھا، اسی طرح جواب دہی جو کچھ ہوگی وہ خود ان عالموں کے ذمہ ہوگی مسئلے کی نوعیت کو بخوبی سمجھاتا ہے۔

☆'' سوال: جہاں پر جمعہ قائم ہوچکا ہے ان کو روکنا نہیں چاہیے، کیوں کہ لوگ نمازیں بھی ترک کردیں گے، اور یہ تبلیغ کا ذریعہ ہے کہ جمعہ کے دن لوگوں کو وعظ وغیرہ ہوجائیں، کیوں کہ لوگ علم سے بہت دور ہیں؟

جواب: ..... یہ سب مصلحتیں جو جمعہ نہ چھوڑنے کی بیان کی جاتی ہیں وہ کیسے درست ہوسکتی ہیں جب کہ ان مصلحتوں کی وجہ سے فرض ترک ہوجائے۔ ..... علم دین صحیح طریقہ سے حاصل کرنے کے لیے جابجا دینی مدرسہ کھولا جائے کہ اس کے ذریعے لوگوں میں صحیح علم دین پھیلے، اور جب تک لوگوں میں صحیح علم نہ پھیل جائے لوگوں سے لڑنا جھگڑنا یوں بھی برا

ہے، ان حالات میں اور بھی برا ہوگا، بلکہ سب سے مقدم یہ ہے کہ اپنے اندر دینداری اور دینی وقار و دینی بھرم پیدا کرے، اور لوگوں سے نرمی سے اخلاق سے مسئلہ بتا کر لوگوں کی بھلی بری باتیں برداشت کرے'' (نظام الفتاوی ۶/۲۰۱، ۲۰۲)۔

نیز مفتی یوسف لدھیانویؒ کا یہ فتوی بھی ملاحظہ فرمائیں:

☆ ''اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ جہاں جمعہ شروع ہو وہاں بند نہ کیا جائے اس کا مطلب یہ ہے کہ مسئلہ سمجھا دیا جائے، اس کے باوجود کوئی نہیں مانتا تو وہ اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے، مگر خود جمعہ پڑھنا کسی حال میں درست نہیں، اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ اس سے انتشار ہوگا یہ ایک درجہ میں صحیح ہے کہ لوگوں پر جہل غالب ہے، مگر یہ بھی اس امر کے لیے کافی عذر نہیں کہ اس بدعت کا خود ارتکاب کیا جائے، راقم الحروف اپنے گاؤں میں طالب علمی کے زمانے میں خود جمعہ پڑھاتا تھا، لیکن جب مسئلہ کا علم ہوا تو جمعہ بند کر دینے کا اعلان کر دیا، الحمد للہ! نہ کوئی مرتد ہوا، نہ کسی نے نماز چھوڑی، البتہ ایسے بے دین لوگ جن کو نماز اور مسجد سے کوئی واسطہ نہیں اب بھی نکتہ چینی کرتے ہیں، سو ایسے لوگوں کی نکتہ چینیوں سے گھبرا کر شرعی مسائل کو اگر بدل دیا جائے تو دین اسلام کی شکل ہی مسخ ہو جائے گی'' (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/۳۹۸، ۳۹۹۔ مولانا یوسف لدھیانوی۔ ط: ۱۹۹۳ء نعیمیہ دیوبند)۔

باقاعدہ مسلم آبادی یا چھوٹے دیہات میں دینی مصالح کی بنیاد پر قیام جمعہ سے متعلق فتاویٰ کی نوعیت:

مذکورہ فتاوی کے مطالعہ کے بعد درج ذیل امور سامنے آئے:

(۱) شاہ ولی اللہ دہلویؒ، مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ، مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اور مولانا مجیب اللہ ندویؒ ان حضرات کی رائے ہے کہ چھوٹی بستی میں بھی جمعہ کی نماز پڑھی جائے گی، جب کہ جمہور علماء کی رائے عدم جواز کی ہی ہے۔

شاہ ولی اللہؒ بھی پچاس آدمی کی آبادی ضروری قرار دیتے ہیں، جس پر مفتی سعید احمد پالن پوری صاحبؒ فرماتے ہیں: ''اس سلسلہ میں ضعیف احادیث کی روشنی میں حضرت شاہ کی بات اوپر آ گئی ہے، مگر اس سلسلہ میں قرآن کا اشارہ اور دور نبوی کا معمول بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے'' (رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۳/ ۶۲۲۔ باب ۱۶ جمعہ کا بیان)۔

شیخ تھانویؒ فرماتے ہیں: ''اور بعد تسلیم کے جواب یہ ہے کہ سائل کو معلوم ہونا چاہیے کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ و مولانا محمد قاسم صاحبؒ و مولانا بحر العلومؒ کو ہم امام شافعیؒ و امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی خاک پا کے برابر بھی نہیں سمجھتے، تو جب ہم نے اس مسئلہ میں ان ائمۂ ثلاثہ کے قول کے خلاف ابوحنیفہؒ کا قول اختیار کیا ہے، کیوں کہ روایۃً و درایۃً ان کا قول ہمارے نزدیک صحیح ہے تو ہم ان متاخرین کے قول کو اس کے مقابلہ میں کب تسلیم کر سکتے ہیں، ان کے اقوال کو ائمۂ اربعہ کے اقوال سے کیا نسبت ہے؟ کچھ نہیں، اگر ان کی تحقیق امام ابوحنیفہؒ کے خلاف ہے ہوا کرے، ہم نے ان کی تقلید کا التزام نہیں

کیا'' (امدادالاحکام ۲/ ۳۴۴)۔

ان دونوں بزرگوں کی باتوں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے حضرت شاہ ولی اللہؒ کی رائے جمہور کے خلاف اس لیے قابل توجہ نہیں ہے، تو پھر جناب مولانا مجیب اللہ ندوی صاحبؒ کی بدرجہ اولی نا قابل توجہ ہوگی، ان کی اپنی انفرادی رائے تھی، انہوں نے عوامی مصلحت کو دیکھتے ہوئے اجازت دے دی، لیکن مذکورہ فتاوی سے اس بات کی وضاحت ہوچکی ہے کہ یہ مصالح ایسے نہیں ہیں جن کی وجہ سے چھوٹی بستی میں جمعہ کی اجازت دے دی جائے۔

البتہ مولانا ابوالمحاسن سجادؒ جو امارت شرعیہ کے نائب امیر شریعت تھے، اسی طرح مفتی کفایت اللہؒ جمعیۃ علماء ہند کے یوم تاسیس سے ۱۹۳۹ء تک اس کے صدر اور امیر الہند تھے، ان حضرات نے اس فقہی جزئیہ سے فائدہ اٹھایا جس میں حاکم اور امیر کی اجازت کی بنیاد پر قریہ صغیرہ مصر بن جاتا ہے اور جمعہ کی نماز جائز ہوجاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ (مرتب فتاوی امارت شرعیہ اول) نے حاشیے پر اذن حاکم سے متعلق عبارت کو بطور حوالہ پیش کیا ہے، ایک فتوے میں مولانا محمد سہول صاحبؒ نے قریہ صغیرہ میں قیام جمعہ کے لیے مستفتی کو امیر شریعت سے اجازت لینے کا مشورہ دیا، چنان چہ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے اپنی اس حیثیت کا حوالہ دیتے ہوئے فتوی صادر کیا، ملاحظہ فرمائیں:

''اگر اہل دیہات جمعہ قائم کرنا چاہتے ہیں تو ان کو چاہیے کہ امیر شریعت صوبہ بہار کی خدمت میں دیہات کی آبادی وغیرہ بیان کرکے درخواست کریں، اگر وہ جمعہ قائم کرنے کا حکم دیں تو جمعہ جائز ہوگا ورنہ نہیں'' (مولانا محمد سہول صاحب ومولانا اصغر حسین صاحب مدرسہ اسلامیہ شمس الہدی پٹنہ)۔

موضع اکٹیر مذکور الصدر میں مشائخ وائمہ حنفیہ کے اصول وفروع ومصالح امت کو پیش نظر رکھ کر اقامت جمعہ کی میں بحیثیت نائب امیر شریعت اجازت دیتا ہوں..... دیہات میں جمعہ کے بابت جو فتوی امارت سے بارہا بھیجا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ جس گاؤں میں مسلمانوں کی مستقل آبادی ہو اور بالغ مرد جماعت کے لیے کافی ہوں وہاں نماز جمعہ ہوسکتی ہے'' (ابوالمحاسن محمد سجاد۔ ترتیب قاضی مجاہدالاسلام صاحبؒ، فتاوی امارت شرعیہ ۱/ ۶۱، ۶۲، طبع ۲۰۰۴ء، امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ)۔

اور اسی ادارے سے جب حضرت قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ اور مولانا محمد بشیر احمدؒ نے فتوی دیا تو عدم جواز کا ہی دیا، کیوں کہ یہ حضرات امیر نہیں تھے، واللہ تعالی اعلم۔

یہ بات واضح ہوچکی ہے عام حضرات مفتیان کرام کے لیے چھوٹے دیہاتوں میں جمعہ کے جواز کا فتوی دینا صحیح نہیں ہے، اسی طرح عوام کی بیان کردہ مصلحتوں کی بنیاد پر جمعہ کی اجازت نہیں دی جاسکتی، جمہور علماء کی رائے یہی ہے۔

موجودہ حالات کی دہائی:

اوراصل سمجھنے کی چیز یہ ہے کہ کیا عوام کی بے دینی کا علاج جمعہ کا قیام ہی ہے؟ یا عوام کی بے دینی کی وجہ عدم قیام جمعہ ہے؟ نہیں بالکل نہیں، بلکہ بے دینی کی اصل وجہ فریضۂ تبلیغ وتلقین میں کوتاہی ہے، اور تبلیغ وتلقین کی سیکڑوں صورتیں ہیں، جمعہ اس کی ایک ادنی سی شکل ہے اور وہ بھی جہاں ہورہا ہے کچھ خاص اثر انداز نہیں ہورہا ہے، ضرورت ہے کہ علم وآگہی کے شعلے کو مزید بھڑکایا جائے، دعوت وتبلیغ کو ایک فریضہ مان کر انجام دیا جائے، تلقین وتواصی کی نئی راہیں پیدا کی جائیں، عصر حاضر سے ہم آہنگ ہوکر مدارس کے اندر تربیت کا نظام پیدا کیا جائے، عوام کو کالانعام سمجھ کر پیچھے ہٹ جانے سے اور مسائل میں سہولت ورعایت پیدا کردینے سے مرض کا علاج نہیں ہوجائے گا، پھر اس وقت کیا کریں گے جب لوگ جمعہ میں بھی آنا چھوڑ دیں گے؟؟ کل اور آج میں دین کے معاملے میں بہت زیادہ فرق ہوچکا ہے، رمضان میں اس کا خوب مشاہدہ ہوتا ہے، اب رمضان میں ٹی وی بند نہیں ہوتی، ہوٹلوں پر پردے نہیں ہوتے، گانے بجانے کی آوازیں مسلمانوں کے یہاں سے بھی آنے لگی ہیں۔

خلاصہ کلام:

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قیام جمعہ کے لیے آبادی کا مصرِ جامع ہونا شرط ہے، احناف کا مستدل قرآنی اشارے، حضرت علی کی حدیث مرفوع حکمی، نبی ﷺ اور اصحاب نبی ﷺ کا تعامل ہے؛ لیکن کتاب وسنت میں احناف کے مسلک کے مطابق مصرِ جامع کی کوئی تحدید موجود نہیں ہے، البتہ اس کے نمونے موجود ہیں جن سے مصر کے مفہوم کا انتزاع کیا جاسکتا ہے، فقہی کتب میں مصر جامع کے سلسلے میں انیس اقوال درج کیے گئے ہیں، بعض تعریفوں میں صرف تعبیر کا اختلاف ہے، محققین فرماتے ہیں کہ جو بھی تعریفیں فقہاء کی طرف سے آئی ہیں وہ حد تام نہیں بلکہ رسوم ہیں، لہذا انہی متعدد اقوال میں سے عرفاً جو زیادہ قابل قبول تھا اسی کو اختیار کرکے ہمارے فقہاء کرام نے فتوے جاری کیے، متقدمین کے نزدیک مفتی بہ یہ ہے: "**إنه بلدة كبيرة فيها سكك و أسواق و لها رساتيق و فيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمه و علمه و علم غيره، و الناس يرجعون إليه فى الحوادث**" (ایسا بڑا شہر جس میں گلیاں اور بازار ہوں اور اس کے تابع کچھ دیہات ہوں اور امیر ہو جو اپنے دبدبے اور علم سے مظلوم کو انصاف دلائے، اور لوگ اپنے معاملات اس کے پاس لائیں)۔

بوجہ صلاحیت حد، واقرب الی العرف، ومنقولیت از امام رحمہ اللہ ہونے کے وہی راجح ہے (احسن الفتاوی ۴/ ۱۵۰)،

قریہ کبیرہ یعنی قصبہ کو بھی فقہاء نے مصر جامع میں شمار کیا ہے، اور اس میں جمعہ قائم کرنے کو لازم قرار دیا ہے، لب لباب یہی ہے کہ کوئی بستی مصرِ جامع ہوتی ہے اسباب مرکزیت کی بنا پر، اگر یہ اسباب مرکزیت کسی غیر مصر میں پائے جائیں تو وہ بھی مصر کے حکم میں ہوگا، قریہ کبیرہ کی اصطلاح ہی دراصل مصر کے اطلاق کو وسیع کرتا ہے۔

لہذا ہر وہ آبادی جس کی مردم شماری تین ہزار ہو، یا تین ہزار سے کم ہو لیکن وہاں روزمرہ کی ضروریات کی تکمیل کے لیے بازار بھی ہو جس کی بنا پر وہ علاقہ اپنے اطراف میں مرکزی حیثیت حاصل کرلے، یہ تعریف ہر شہر پر صادق تو آتی ہی ہے، ساتھ ہی قصبات اور بڑے دیہات کو بھی عام ہے (حاشیہ فتاوی دارالعلوم دیوبند ۵/ ۱۲۶)، یہ دو سوالات ہیں، (۱) مسلمانوں کی باقاعدہ آبادی ہونے کی بنیاد پر جمعہ کا قیام خواہ وہ آبادی چھوٹی ہی کیوں نہ ہو، (۲) دینی مصالح کی بنیاد پر چھوٹی آبادی میں جمعہ کا قیام، اس سلسلے میں ہمارے علماء کی جانب سے دو رائیں منقول ہیں، مولانا ابوالمحاسن سجاد صاحبؒ، مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور مولانا مجیب اللہ ندویؒ نے شاہ ولی اللہ کا حوالہ دیتے ہوئے باقاعدہ اور مستقل آبادی کی صورت میں، اسی طرح بعض مصالح کی بنیاد پر چھوٹے دیہات میں جمعہ پڑھنے کی اجازت دی ہے، مصریت کا لحاظ نہیں کیا۔ لیکن جمہور علماء نے چھوٹے دیہات میں باقاعدہ مسلم آبادی کی بنیاد پر، اسی طرح عوام کے بیان کردہ مصالح کی بنیاد پر قیام جمعہ کی اجازت نہیں دی، مولانا ابوالمحاسن سجاد صاحبؒ، مفتی کفایت اللہ صاحب کے فتوی کی یہ توجیہ ہوگی کہ وہ حضرات امیر تھے، اور اذن حاکم کی وجہ سے دیہات میں جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

رہی بات عوام کی دینی تربیت کی تو جمہور کی مخالفت کرکے جمعہ کا قیام اس کا حل نہیں؛ بلکہ اس کے لیے تعلیم، تبلیغ اور تلقین کا مضبوط و مستحکم نظام بنانا ہوگا جو کہ ہماری ذمہ داری ہے اور اس میں ہم مجرمانہ تساہل کے مرتکب ہیں، اللہ ھوالموفق۔

☆☆☆

موجودہ حالات کے تناظر میں
چالیس مسلمانوں پر مشتمل آبادی میں قیام جمعہ

مفتی محمد اشرف قاسمی☆

قریہ صغیرہ میں قیام جمعہ کے سلسلے میں ائمہ ثلاثہ کا موقف:

قریہ ودیہات میں قیام جمعہ کے لیے احناف ودیگر ائمہ کے درمیان اختلافات ہیں، دیگر ائمہ کچھ شرائط کے ساتھ قریہ وغیرہ میں قیام جمعہ کو جائز بلکہ واجب قرار دیتے ہیں، جب کہ احناف قیام جمعہ کی ایک شرط مصر قرار دیتے ہیں، اس لیے احناف قریہ صغیرہ میں اسے غیر درست قرار دیتے ہیں، لیکن احناف کے یہاں مصر کی کوئی جامع تعریف نہیں ہے، بلکہ اس کی تعریف میں کافی اختلاف ہے، ذیل میں قریہ صغیرہ میں صحت جمعہ کے سلسلے میں اولا ائمہ ثلاثہ کے اقوال اور مستدلات بیان کیے جارہے ہیں اور اس کے بعد احناف کے مستدلات بیان کرکے اپنا موقف پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

مالکیہ کا موقف:

"وأما شروط صحة الجمعة فهي خمسة:الأول:استيطان قوم ببلدة أو جهة، بحيث يعيشون في هذالبلد دائما آمنين عل أنفسهم من الطورائ الغالبة،وكماأن الا ستيطان شرط في الصحة،فهو شرط في الوجوب،... الثاني:حضورإثني عشر غير الإمام، ولايلزم حضورجميع أهل البلد نعم يشترط وجودهم في البلد أو قريبا منه بحيث يمكن استنجاد(سپاه سازی) بهم في كل جمعة۔ الثالث:الإمام، ويشترط فيه أمران: أحدهما:أن يكون مقيما أو مسافرا نوى الإقامة أربعة أيام، وقد تقدم، ثانيهما:أن يكون هو الخطيب فلو صلى بهم غير خطيب، فالصلوة باطلة، إلا إذا منع الخطيب من الصلوة مانع يبيح له الاستخلاف... الرابع :الخطبتان....الخامس:الجامع، فلا تصح الجمعة في البيوت ولا في

☆ دارالافتاء: شہرمہد پور، اُجین، ایم پی۔

أرض براح،ويشترط فى الجامع شروط أربعة، الأول:أن يكون مبنيا حوط عليه بأحجار أو طور من غير بناء؛ الثانى: أن يكون بنا ؤ ه مساويا على الأقل للبناء المعتاد أو يكون قريبا منها، الثالث: أن يكون فى البلد أو يكون قريبا منها، بحيث يصل إلى المكان المقيم به دخان البلد التى فيها الجمعة،الرابع: ان يكون المسجد واحد فلو تعددت المساجد فى البلد الوا حد فلا يصح إلا فى الجامع القديم''(الفقہ علی المذاھب الاربعۃ،عبدالرحمٰن الجزیریؒ ۲/۳۸۱مکتبۃ الحقیقۃ بشارع بفاتح،استنبال،ترکی ۱۴۱۴ھ، ۱۹۹۴ء)۔

درج بالا عبارات میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مصر یا قریہ کی بجائے بلد کا لفظ استعمال ہوا، انھوں نے مصلی پر وجوب جمعہ کے لیے اُسے بلد یا بلد کے اتنے قریب مقیم یا مستقل متوطن ہونا ضروری قرار دیا جہاں تک بلد (شہر یا محل جمعہ) میں جلنے والے چولہوں کا دھواں پہنچتا ہو، نیز خطیب کا ہونا بھی شرط قرار دیا ہے،اور جمعہ کے لیے مسجد کی تعمیر بھی ضروری قرار دی ہے، اور شہر میں متعدد مسجدیں ہونے کی صورت میں قدیم جامع مسجد ہی میں صحت جمعہ کا حکم لگایا ہے، نمازیوں کی تعداد کے بارے میں امام کے علاوہ بارہ مصلین کی تعداد کو لازم قرار دیا ہے۔

شوافع کا موقف:

''ومن شروط وجوب الجمعة عند الشافعية الاقامة بمحل الجمعة أو بمحل قريب منه كما يقول غيرهم من الأ ئمة الثلاثة، إلا أنهم فى ذالک تفصيلا، وهو أنهم يشترطون فيمن كان مقيما بمحل قريب من محل الجمعة أن يسمع الأذان أو النداء، فلا تجب الجمعة على من كان مقيما بمكان بعيد لايسمع أهله النداء، إلا إذا بلغ عددهم أربعين، فتجب عليهم فى هذه الحالة إقامة الجمعة بمحلهم ، ولا يلزمهم السعى للبد القريب منهم، ولا يشترط فى وجوب الجمعة الا ستيطان ، وهوالإقامة على التأبيد بحيث لايرحلون عن محلهم صيفا أو شتاء إلا لحاجة كالمعتاد فى القطنين ببلد، وإنما الاستيطان المذكور شر ط لانعقاد الجمعة، فلا تنعقد الجمعة إلا بمن كان مستوطنا، بمعنى أنه لو حضر من المستوطين أقل من أربعين وكمل العدد بغير متوطن، فإن الجمعة لاتنعقد، ولا تصح ، كما لاتجب عليهم من أول الأمر۔

أما شروط صحة الجمعة:عند الشافعية:فهى ستة أشياء:۔۔۔الثانى:أن تقع بأبنية مجتمعة، سواء كانت مصرا أو قرية، أوبلدا، أوغار بالجبل، أو سردابا، فلاتصح فى الصحراء، والضابط المعتمد لصحة الجمعة فى الأبنية مالا تقصرالصلاة فيه ، فتصح فيه الجمعة كفضاء داخل سور البلد

وما تقصر الصلوة فيه لا تصح فيه: ...الرابع:أن يكون عدد جماعتها أربعين بالشروط المتقدمة.....''

(الفقہ علی المذاھب الاربعۃ،عبدالرحمٰن الجزیریؒ ۲/۳۸۱،۳۸۲)۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ محل جمعہ یا محل جمعہ سے قریب مصلی کی اقامت کی شرط لگائی ہے،اس لیے کوئی اتنی دور پر مقیم ہے جہاں تک اذان کی آواز نہیں پہنچتی ہے،تو اس پر جمعہ واجب نہیں ہوگا،البتہ اگر محل جمعہ سے فاصلے پر اقامت ہے،لیکن وہاں چالیس یا اس سے زائد مصلین ہیں تو وہیں (اگر چہ وہ شہر اور محل جمعہ سے دور مقام پر ہوں) ان پر جمعہ ادا کرنا ضروری ہے،اور شہر یا محل جمعہ کی طرف سعی کرنا ان پر واجب نہیں ہے،امام مالکؒ کے برخلاف امام شافعی کے نزدیک شہر سے دور چالیس مصلین پر مشتمل لوگوں پر جمعہ کی فرضیت کے لیے اس مقام کا مستقل باشندہ ہونا ضروری نہیں ہے،البتہ جمعہ کا انعقاد (یعنی ادائیگی) اسی کے ذریعہ درست ہوگی جو وہاں کا مستقل باشندہ ہو،اس سے معلوم ہوا کہ (محل جمعہ سے دور) مصلین کی چالیس کی تعداد پوری ہوجانے کے بعد جب کہ ان کے درمیان جمعہ قائم کرنے والا وہاں کا کوئی مستقل باشندہ ہوتو ان پر سعی واجب نہیں ہوگی،بلکہ اپنے مقام پر ہی وہ جمعہ ادا کر سکتے ہیں۔

پھر ان کے نزدیک صحت جمعہ کی چھ شرائط میں یہ بھی ہے کہ قیام جمعہ کے لیے آبادی ہونا ضروری ہے،یہ آبادی خواہ شہر میں ہو یا گاؤں یا پہاڑ کے غار میں،یا سرنگ اور تہہ خانہ میں ہو،اس لیے خانہ بدوشوں،دشت نگروں،صحراء نشینوں پر یعنی جہاں مستقل بستی اور آبادی نہ ہو وہاں امام شافعیؒ کے نزدیک جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہے۔

حنابلہ کا موقف:

''فأماشروط وجوبها الزائدة على ماتقدم.....ومنها الإقامة ببناء يشمله اسم واحد كمصر، فكل القاطنين فى المدينة مصر تجب عليهم الجمعة، ولوكان بينهم وبين المحل التى تقام فيه فراسخ كثيرة،لأنها مدينة مصر تجب عليهم الجمعة، ولو كان بينهم و بين المحل التى تقام فيه فراسخ كثيرة، لأنها مدينة واحدة لها اسم واحد، وأما لجهات التى لها أسماء خاصة بها، كعين شمس، ومصر الجديدة، والزيتون ومعادى الخبيرى، ونحو ذالک، فإن كل جهة منها مستقلة بنفسها فى هذا الشرط، بحيث لاتجب الجمعة إلا على من كان متوطنا بها إذا كانت الجمعة تقام فيها، فإن لم تكن بها مساجد تقام فيها الجمعة، ولكن بجوارها جهة أخرى تقام فيها الجمعة،فإنه يجب أن يذهب إلى الجهة التى تقام فيه الجمعة، بشرط أن تكون بين جهتين مسافة فرسخ فأقل. أما كانت المسا فة أكثر فإن الجمعة لاتجب،.. ولا تجب الجمعة على سكان الخيام،ولا على أهل القرى الصغيرة التى

لایتجاوز عددسکانها أربعین فإن کا نوا أربعین فأکثر فإن الجمعة تجب علیهم إذا کانوا لا یفارقونها صیفا وشتاء،... ومن شروط وجوب الجمعة الإقامة، فلاتجب علی المسافر إلا إذا نوی الإقامة أکثر من أربعة أیام.... ثانیها:أن یکون مقیما بمدینة أو قریة علی الوجه المتقدم ذکرفی شروط الوجوب، فلاتصح الصلوة عندهم فی الصحراء أو خیمة أو نحو ذالک خلافا للحنفیة الذین قالوا:تصح فی الصحراء'' (الفقہ علی المذاھب الاربعۃ،عبدالرحمٰن الجزیریؒ ۲/ ۳۸۳، ۳۸۴)۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وجوب جمعہ کے لیے امام مالکؒ کی طرح اقامت ضروری ہے، اقامت ایسے مکان میں ہو جو شہر میں ہو، وہ مکان جس شہر میں ہو اس (شہر) کے نام کو شامل ہو، کہ یہ مکان اس شہر میں ہے، اب وہ مکان محل جمعہ سے کتنی بھی مسافت پر ہو، یہی حال محلوں اور نئی آبادیوں کا ہے، اگر وہ آبادیاں جمعہ والے شہر کا حصہ ہیں تو وہاں کے لوگوں پر بھی جمعہ واجب ہوگا، ان آبادیوں میں مستقل سکونت اختیار کرنے والوں پر جمعہ واجب ہوگی، اگر ان آبادیوں میں جمعہ نہیں قائم ہوتی ہے تو ان کے آس پاس ایک فرسخ کی مسافت پر جس بستی میں جمعہ قائم ہوتی ہے، ان لوگوں کو اس بستی میں جمعہ کی ادائیگی کے لیے سفر کرنا ضروری ہے، اور ایک فرسخ سے زائد مسافت ہے تو ایسی بستی والوں پر جمعہ واجب نہ ہوگی، جس گاؤں کی آبادی چالیس سے کم افراد پر مشتمل ہے، ان لوگوں پر اور خانہ بدوشوں وصحرانشیوں پر جمعہ کی نماز واجب نہیں ہے۔

صحت جمعہ کے لیے مذکورہ شرائط کے ساتھ وجوب جمعہ کی شرائط کا بھی پایا جانا ضروری ہے، جس میں یہ شرائط خاص طور پر قابل ذکر ہیں کہ مصلی کا شہر یا گاؤں میں مقیم ہونا ضروری ہے، غیر آباد علاقوں، صحراء یا حالت مسافرت کے خیمہ وغیرہ میں رہائش کی صورت میں جمعہ کی نماز درست نہیں ہوگی۔

پانچ کلومیٹر اور چالیس میٹر کی دوری ایک فرسخ:

قریہ جامعہ یا مصر سے کتنی دور تک کی مسافت میں جمعہ کا قیام جائز ہے، اس سلسلے میں احناف کے یہاں مختلف اقوال ہیں، علامہ عبدالرحمٰن الجزریؒ نے نقل فرمایا:

''**فمن کان محل یبعد عن مکان الجمعة فإنها لاتجب علیه وقدروا مسافة البعد بفرسخ، وهو ثلاثة أمیال، والمیل سنة آلاف ذرع، وهی خمسة کیلومیترات و أربعون مترا، وهذا هوالمختار، للفتوی**'' (الفقہ علی المذاھب الاربعۃ،عبدالرحمٰن الجزیریؒ ۲/ ۳۸۷)۔

ردالمحتار مع الدرالمختار میں ''**نحو ثلاثة أرباع فرسخ وشئی**'' کی عبارت بھی موجود ہے (ردالمحتار مع الدر ۳/ ۸/ زکریا)۔

علامہ عبدالرحمٰن الجزریؒ کے حاشیہ سے ''فرسخ'' کو کلیومیٹر میں بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے مستدلات اوران کے جوابات:

حضرت امام شافعی اور دیگر ائمہ (رحمھم اللہ) کے نزدیک گاؤں میں جمعہ جائز ہے جہاں چالیس آدمی نماز پڑھنے والے ہوں (الام ۱/ ۱۹۰، المجموع للنووی ۴/ ۳۵۵، ۳۷۰)، ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

اول: ابوداؤد کی یہ حدیث ہے، حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا:

''**إن أول جمعة جمعت فی الإسلام بعد جمعة جمعت فی مسجد رسول الله بالمدينة لجمعة جمعت بجواثی قرية من قری البحرين قال عثمان قرية من قری عبد القيس**'' (بخاری شریف، باب الجمعۃ فی القری والمدن ص ۱۲۲، نمبر ۸۹۲، ابوداؤد شریف، باب الجمعۃ فی القری ص ۱۶۰ نمبر ۱۰۶۸) (حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا جمعہ جو اسلام میں پڑھا گیا مدینہ میں مسجد رسول کے جمعہ کے بعد وہ جواثی میں تھا جو بحرین کے گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے۔ اور حضرت عثمان نے فرمایا کہ عبدالقیس کے گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے)۔

اس حدیث میں ہے کہ جواثی بحرین کے گاؤں کا نام ہے۔

جواب: ہم یہ کہتے ہیں کہ بعض مرتبہ شہر کو بھی قریہ کہتے ہیں، جیسے مکہ مکرمہ کو قرآن نے قریۃ کہا ہے:

''**وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْئَانُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ**'' (زخرف:۳۱)۔

''**وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِیَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِکَ الَّتِیْ اَخْرَجَتْکَ، اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ**'' (سورۂ محمد:۱۳)۔

فتح القدیر میں وضاحت ہے کہ جواثی (جواثا) کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ایک قلعہ کا نام ہے اور وہاں شہر تھا،

''**وفی الصحاح: إن جواثا حصن بالبحرين فهی مصر**'' (فتح القدیر ۲/ ۵۱، دارالفکر بیروت)۔

'' حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں حضرت علاء الحضرمی یہاں کے گورنر تھے، جب ایک دفعہ ارتداد رونما ہوا تو بحرین میں مرتدین کی ایک بڑی جماعت نے جواثی کا محاصرہ کرلیا، لیکن اہل جواثی ایمان پر مضبوطی سے قائم رہے، جب وہ مرتدین سے مقابلہ میں کمزور ہوگئے تو عبداللہ بن حذق نامی شاعر نے ایک قصیدہ لکھ کر حضرت ابوبکر صدیق سے مدد طلب کی، اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت علاء حضرمیؓ کو مرتدین سے مقابلہ کے لیے بھیجا، حضرت علاءؓ نے شدید قتال کے بعد مرتدین کو مغلوب کیا، اور ایک مدت تک جواثی میں بحیثیت گورنر مقیم رہے'' (التعلیق الحسن علی آثار السنن، ص ۲۳۱)۔

اس لیے یہ حدیث ان کا مستدل ہے جو قیام جمعہ کے لیے مصر کی شرط لگاتے ہیں، کیوں کہ مدینہ منورہ کے بعد پہلی

مرتبہ جواثی جیسے قلعہ میں نماز جمعہ ہوئی ہے، اگر گاؤں میں جمعہ جائز ہوتا تو بحرین کے فتح سے پہلے بے شمار گاؤں فتح ہو گئے تھے ؟ان میں بھی نماز جمعہ ہوتی، قریہ جات میں جمعہ نہ ہونا اس بات پر دلیل ہے کہ شہر میں جمعہ جائز ہے گاؤں میں جائز نہیں ہے۔

دوم: ''**عن كعب بن عجرة أن النبى ﷺ ''جمّع أول جمعة حين قدم المدينة فى بنى سالم فى مسجد عاتكة**'' (آثار السنن ص ۲۳۲/ باب اقامۃ الجمعۃ فی القری)۔

(رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلا جمعہ قباء سے آتے ہوئے محلّہ بنی سالم میں ادا کیا)۔

جواب: محلّہ بنی سالم مدینہ طیبہ کے مضافات میں داخل تھا، اس لیے اس میں جمعہ پڑھنا مدینہ طیبہ میں جمعہ پڑھنے کے حکم میں ہے، بخاری، حدیث نمبر: ۸۹۲، ابوداؤد حدیث نمبر: ۱۰۶۸ کی جو روایت ابھی نقل کی گئی کہ سب سے پہلے جمعہ کی نماز مدینہ میں ادا ہوئی اس سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

سوم: حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے: ''**أنهم كتبوا إلى عمر يسألونه عن الجمعة فكتب جمّعُوا حيث كنتم**'' (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب من کان یری الجمعۃ فی القری، ج ۲ ص ۱۰۱ و ۱۰۲)۔

جواب: اس روایت میں حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ جہاں رہو وہاں جمعہ پڑھو، لیکن حضرت امام شافعیؒ قریہ میں چالیس مصلین کی شرط لگاتے ہیں، جب کہ اس راویت میں چالیس کی قید نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ خود حضرت امام شافعیؒ ہر قریہ میں جمعہ کے جواز کے لیے اس روایت کے اطلاق کے قائل نہیں ہیں، بلکہ اس کو مقید مانتے ہیں، اسی طرح جو لوگ مصر کی قید لگاتے ہیں وہ بھی اس روایت کو شہر کے ساتھ مقید کرتے ہوئے کہتے ہیں جس شہر میں رہو وہاں جمعہ قائم کرو، کیونکہ یہ سوال شہر سے ارسال کیا گیا تھا۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ ہر جگہ قیام جمعہ کو درست نہیں سمجھتے تھے، اسی لیے سوال کر کے حضرت عمرؓ سے مسئلہ معلوم کیا، اگر ہر جگہ جمعہ جائز ہوتا تو حضرت ابو ہریرہؓ کو سوال کرنے کی ضرورت نہیں تھی، اور پھر سوال شہر سے موصول ہوا تھا، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شہروں میں قیام جمعہ کا حکم فرمایا۔

چہارم: ''**عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، وَكَانَ قَائِدَ أَبِيهِ بَعْدَ مَا ذَهَبَ بَصَرُهُ، عَنْ أَبِيهِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ كَانَ إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ تَرَحَّمَ لِأَسْعَدَ بْنِ زُرَارَةَ، فَقُلْتُ لَهُ: إِذَا سَمِعْتَ النِّدَاءَ تَرَحَّمْتَ لِأَسْعَدَ بْنِ زُرَارَةَ، قَالَ: لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ جَمَّعَ بِنَا فِي هَزْمِ النَّبِيتِ مِنْ حَرَّةِ بَنِي بَيَاضَةٍ فِي نَقِيعٍ، يُقَالُ لَهُ: نَقِيعُ الْخَضَمَاتِ، قُلْتُ: كَمْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ ؟ قَالَ: أَرْبَعُونَ** (ابوداؤد، حدیث نمبر: ۱۰۶۸)۔

(کعب بن مالکؓ جب جمعہ کے دن اذان سنتے تو اسعد بن زرارہؓ کے لیے رحمت کی دعا کرتے، عبدالرحمٰن بن

کعبؓ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ جب آپ اذان سنتے ہیں تو اسعد بن زرارہؓ کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: میں ان کے لیے رحمت کی دعا اس لیے کرتا ہوں کہ یہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ہمیں قبیلہ بنو بیاضہ کے حرہ نقیع الخضمات میں واقع (بستی، گاؤں) ھزم النبیت میں جمعہ کی نماز پڑھائی، میں نے پوچھا: اس دن آپ لوگ کتنے تھے؟ کہا: ہم چالیس تھے)۔

جواب: مصنف عبدالرزاق (۳/ ۱۵۹-۱۶۰ برقم الحدیث ۵۱۴۴/) میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن سیرینؒ کی روایت نقل کرتے ہوئے مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اس کا جواب دیا:

''ان حضرات نے اپنے اجتہاد سے فرضیت جمعہ پہلے ہی پڑھ لیا تھا، مصنف عبدالرزاق میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن سیرینؒ سے مروی ہے:

"**جمع أهل المدينة قبل أن يقدم رسول اللهﷺ وقبل أن تنزل الجمعة وهم الذين سموها الجمعة، فقالت الأ نصار: لليهود يوم يجتمعون ونذكر الله ونصلي ونشكره فيه أو كما قال، فقالوايوم السبت لليهود، ويوم الأحد للنصارى، فاجعلو ه يوم العروبة وكانوا يسمون يوم الجمعة يو م العروبة، فاجتمعوا إلى أسعد بن زُرارة ، فصلى بهم يومئذ وذكّرهم فسموه الجمعة حتى اجتمعوا إليه فذبح لهم أسعد بن زُرارة شاة فتغدوا وتعشّوا من شاة واحد وذالک لقلتهم فأنزل الله فى ذالک بعدذالک، اِذَا نُودِیَ لِلصَّلٰوةِ مِن یَوْمِ الْجُمُعَةِ فاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ للّٰهِ**''۔

یہ حدیث اس پر صریح ہے کہ یہ جمعہ صحابہ کرامؓ نے اپنے اجتہاد سے پڑھا تھا اور اس وقت تک جمعہ کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے، لہذا اس واقعہ سے کوئی استدلال نہیں کیا جا سکتا ہے'' (درس ترمذی ۲/ ۲۷۲ مفتی محمد تقی عثمانی، مکتبہ رشیدیہ سہارنپور، ۲۰۰۲ء)۔

قریہ صغیرہ میں جواز جمعہ کے قائلین بطور مستدل درج ذیل دو احادیث بھی پیش کرتے ہیں، حضرت ام عبداللہ الدوسیہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہﷺ فرماتے تھے: "**الجمعة واجبة على أهل كل قرية وإن لم يكونوا إلا ثلاثة وأربعهم إمامهم**" (دارقطنی، باب الجمعۃ علی اہل القریۃ ۲/ ۷، حدیث نمبر: ۱۵۷۸) (جمعہ واجب ہے ہر گاؤں والوں پر، اگرچہ نہ ہوں مگر تین آدمی اور چوتھا ان کا امام)، اس حدیث میں ہے کہ گاؤں میں جمعہ واجب ہے۔

جواب: اس حدیث میں تین آدمیوں کی موجودگی میں بھی قیام جمعہ کا حکم ہے، جب کہ ائمہ ثلاثہ میں سے کوئی بھی تین آدمیوں کی موجودگی میں صحت جمعہ کا قائل نہیں ہے۔

حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**علی الخمیس جمعة لیس فیما دون ذلک**'' (دارقطنی، ذکر العدد فی الجمعۃ ۲/ ۴، حدیث نمبر: ۱۵۶۴ ابوداؤد شریف، باب الجمعۃ فی القری/ ۱۶۰، حدیث نمبر: ۱۰۶۹)۔

جواب: ان دونوں روایتوں کے مقابلے میں قوی سندوں کے ساتھ نصوص موجود ہیں، جسے احناف کے مستدلات کے ذیل میں نقل کیا جائے گا۔

اصحاب ظاہر کے مستدلات:

ائمۂ متبوعین کے علاوہ غیر مقلدین نے مصر وقریہ سے آگے بڑھ کر جنگل وصحر، مکانات، میدان ہر جگہ جمعہ کو جائز قرار دیا ہے (فقہ السنۃ ۱/ ۳۶۲، علامہ السید سابق علیہ الرحمہ، ترجمہ: مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، المنار پبلیشنگ ہاؤس، دہلی، 2019ء)۔

ائمہ اربعہ علیہم الرحمۃ کے ذریعہ بیان کئے گئے شرائط جمعہ کے ذیل میں بغیر ان کے مستدلات کو ذکر کئے ان کے موقف کے بارے میں السید سابق فرماتے ہیں:

اس طرح کے دیگر اقوال جن کی پشت پر کوئی علمی دلیل موجود نہیں ہے، اور نہ ان کے متعلق کتاب وسنت میں ایک حرف ملتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ چیزیں جمعہ کی فرضیت کے لیے شرط یا فرض کا رُکن ہیں، رائے اور قیاس کی وجہ سے اس طرح کی حیرت انگیز چیزیں وجود میں آتی ہیں، ان کی عقلوں سے جو خرافات نکل آتی ہیں وہ مجلسوں اور محفلوں میں بیان کیے جانے والے قصے اور کہانیوں کی طرح ہیں (فقہ السنۃ ۱/ ۳۶۷، علامہ السید سابقؒ، ترجمہ: مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، المنار پبلیشنگ ہاؤس، دہلی، 2019ء)۔

موصوف نے فقہ وفقہاء سے نفور کے نتیجے میں فقہاء کے مستدل کے طور پر کتاب وسنت میں ایک حرف نہ ہونے کا دعوی کر کے کتاب وسنت میں اپنے علمی رسوخ کی نفی کے ساتھ اپنی دیانت داری اور اپنی اس کتاب کی عظمت کو مجروح ومشکوک بنادیا، اور ساتھ ہی ائمہ اربعہ سے اپنی عداوت وعناد کا اظہار بھی کیا، یہ اور ان جیسے غیر مقلدین ہر جگہ قیام جمعہ کے مستدلات میں دوسری باتوں کے علاوہ قرآن کریم کی درج ذیل آیت کریمہ بھی پیش کرتے ہیں:

''**يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓاْ إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوۡمِ الۡجُمُعَةِ فَاسۡعَوۡاْ إِلَىٰ ذِكۡرِ اللَّهِ وَذَرُواْ الۡبَيۡعَ ذَٰلِكُمۡ خَيۡرٞ لَّكُمۡ إِن كُنتُمۡ تَعۡلَمُونَ**'' (سورۂ جمعہ: ۹)۔

اس آیت میں نداء کو بنیاد بناتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ پنج وقتہ نمازوں کے لیے اذان دینے سے کہیں نہیں منع ہے، اس لیے جہاں بھی مسلمان ہوں اذان پڑھیں گے تو اس کی نداء کی بنیاد پر وہاں جمعہ ادا کرنا ضروری ہے۔

اس آیت میں نداسن کر سعی کا حکم ہے، اگر جائے ندا پر جمعہ درست ہے تو پھر سعی کا کوئی مطلب باقی نہیں رہے گا،

نیز وَذَرُواْ الْبَيْعَ فرمایا گیا، سعی کے لیے جنگل میں بیع وغیرہ چھوڑنے کا تصور بھی نہیں ہوسکتا ہے، اس لیے یہ آیت کریمہ غیر مقلدین کے خلاف آبادی بلکہ شہر میں قیام جمعہ پر صریح ہے، اور جنگلوں وغیرہ میں قیام جمعہ کی نفی پر دال ہے۔

احناف کا موقف:

احناف کے یہاں قیام جمعہ کے لیے ایک شرط مصر ہے، جس مقام پر دیگر شرائط جمعہ کے ساتھ مصر کی شرط نہ پائی جائے وہاں جمعہ قائم کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ ابتداء میں باتیں آچکی ہیں:

''**لاتصح الجمعة إلا فی مصر جامع أو فی مصلی المصر ولا تجوز فی القری**'' (قدوری، باب صلوۃ الجمعۃ)۔

دلائل:

قریۂ صغیرہ میں قیام جمعہ کے عدم جواز کے قائلین کے دلائل حسب ذیل ہیں:

اول:یأیها الَّذِينَ آمَنُوٓاْ إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْاْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ''(سورۂ جمعہ:۹)۔

دوم: صحیح بخاری، سنن ابوداود دیگر کتب احادیث میں آتا ہے کہ سب سے پہلے مدینہ میں جمعہ قائم ہوئی (جب کہ مدینہ منورہ کے علاوہ اطراف ومضافات میں بھی مسلمان تھے، لیکن کہیں قیام جمعہ کا ثبوت نہیں ملتا ہے)، اس کے بعد بحرین کے جواثی (جواثا) میں (جو کہ بڑا ساحلی شہر تھا جیسا کہ روایت نقل کی گئی) جمعہ قائم ہوا۔

'' **إن أول جمعة جمعت فی الإسلام بعد جمعة جمعت فی مسجد رسول اللهﷺ بالمدينة لجمعة جمعت بجواثی من البحرين**'' (بخاری ۱/ ۱۲۲، ابوداؤد ۱/ ۱۵۳)۔

سوم: چھوٹے گاؤں یعنی قریہ صغیرہ میں رسول اللہﷺ سے جمعہ کی نماز ادا کرنا ثابت نہیں ہے۔

''**إن رسول اللهﷺ لم يصلی الجمعة فی القری ولم يأمر بها فيها فلهم بهذا إن القری ليست محل إقامة الجمعة**'' (بذل المجہود ۵/ ۶۳، تحقیق الشیخ تقی الدین الندوی، مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی)۔

چہارم: مدینہ کے قرب وجوار میں بہت سے گاؤں تھے جس کو عوالی کہتے ہیں وہاں جمعہ نہیں پڑھتے تھے، بلکہ وہاں کے لوگ مدینہ آتے اور مسجد نبوی میں نماز پڑھتے تھے، اور اگر گاؤں میں جمعہ جائز ہوتا تو سوال اٹھتا ہے کہ عوالی میں کیوں جمعہ نہیں پڑھتے تھے؟ کیوں دھوپ اور گرمی میں مشقت برداشت کر کے لوگ مدینہ طیبہ آتے؟ حدیث بخاری ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

"كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم والعوالي فيأتون في الغبار فيصيبهم الغبار والعرق"

(لوگ جمعہ پڑھنے اپنے گھروں سے اور عوالی سے باری باری آتے تو وہ غبار میں آتے تو ان کو غبار اور پسینہ لگتا) (بخاری شریف، باب من این تؤتی الجمعۃ وعلی من تجب/ ۱۲۳، حدیث نمبر ۹۰۲، ابوداؤد، باب من تجب علیہ الجمعۃ/ ۱۵۸، حدیث نمبر: ۱۰۵۵)۔

اس سے معلوم ہوا کہ عوالی کے گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا تھا، صرف مدینہ جیسے شہر میں جمعہ ہوتا تھا۔

بخاری اور مصنف ابن ابی شیبۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ جمعہ کے دن وہ اپنے گھر میں ظہر کی نماز ادا کرتے تھے اور اگر جمعہ پڑھنا ہوتا تو وہ بصرہ تشریف لے جاتے۔

" عن البختری ؒ قال رأيت أنساً شهد الجمعة وهي فرسخان من من البصرة" (بخاری ۱/ ۳۲۱)۔

''كان أنس في قصره أحيانا يجمّع وأحيانا لايجمع وهو بالزاوية على فرسخين" (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱/ ۱۰۲)۔

اگر ان کے اپنے مقام پر جمعہ درست ہوتا تو وہ اپنے مقام پر ہی راوی کے ساتھ جمعہ کی نماز ادا کر لیتے، لیکن وہ ایسا نہیں کرتے تھے۔

"عن علي قال لا جمعة ولا تشريق، الا في مصر جامع ،وكان يعد الأمصار البصرة والكوفة والمدينة والبحرين" (مصنف عبدالرزاق، باب القری الصغار ۳/ ۱۶۷، حدیث نمبر: ۵۱۷۵، مصنف ابن ابی شیبۃ، من قال لا جمعۃ ولا تشریق إلا فی مصر جامع، حدیث نمبر: ۵۰۵۹) (حضرت علی نے فرمایا جمعہ اور تشریق نہیں ہے مگر جامع شہر میں)۔

اس سے معلوم ہوا کہ: بڑے شہر میں جمعہ جائز ہے اور گاؤں میں جائز نہیں ہے۔

حضرت علیؓ کے اسی اثر کو عموماً احناف کی طرف سے بطور مستدل پیش کیا جاتا ہے۔

جس بستی میں جمعہ کا قیام درست نہیں:

جس بستی میں جمعہ کا قیام درست نہیں ہے وہاں کے مسلمانوں پر ظہر کی نماز فرض ہوتی ہے، اس لیے وہاں اذان واقامت کے ساتھ ظہر کی نماز باجماعت ادا کی جائے۔

''من لاتجب عليهم الجمعة من أهل القرى والبوادي لهم أن يصلوا الظهر بجماعة يوم الجمعة بأذان وإقامة" (الفتاوی الھندیۃ ۱/ ۱۴۵)۔

''من لاتجب عليهم الجمعة لبعد الموضع صلوا الظهر بجماعة" (ردالمحتار مع الدرالمختار ۳/ ۳۳، طبع زکریا)۔

وہاں کے لوگوں کو نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے دور کسی دوسری بستی میں جانا ضروری نہیں ہے، اگر کوئی دور بستی میں جا کر جمعہ کی نماز ادا کرلے تو اس سے ظہر کی فرضیت ساقط ہوجائے گی۔

"**من لاجمعة عليه إن أدى، جاز عن فرض الوقت، كنز:من كان أهلا للوجوب كالمريض والمسافر والمرأة يجزيهم، ويسقط عنهم الظهر**"(البحرالرائق ۲/ ۲۶۴، الدرالمختار، کتاب الصلوۃ، باب الجمعۃ ۲/ ۲۳۹، طبع زکریا)۔

ایسی بستیوں میں قیام جمعہ کے جو فوائد (مثلاً اجتماعیت، دینی فکر کی نشو ونما، دینی تعلیم وتعلم کا سلسلہ) سمجھ میں آرہے ہیں وہ جزوی طور پر تبلیغی جماعت کے معمولات کے ذریعہ حاصل کیے جاسکتے ہیں، اس لیے وہاں جمعہ قائم کرنے کے بجائے اذان واقامت کے ساتھ باجماعت نماز ظہر ادا کریں، اور تبلیغی جماعت کے نظام کے مطابق مسجد اور گھر کی روزانہ تعلیم، ملاقات، یومیہ مشورہ، ماہانہ جوڑ، جماعتوں میں چلہ، چار ماہ یا تین دن لگانے کا وہاں کے مسلمانوں کو اہتمام کرنا چاہئے۔

نیز جمعہ کے دن وہاں جمعہ کی رونق پیدا کرنے کے لیے تمام لوگ غسل وطہارت حاصل کریں، صاف ستھرا کپڑا پہنیں (بخاری ۱/ ۱۲۰ و ۱۲۱، کتاب الجمعۃ، باب فضل الغسل یوم الجمعۃ، ومسلم ۱/ ۲۸۰، کتاب الجمعۃ، ترمذی ۱/ ۹۱/ باب فی الوضوء یوم الجمعۃ)، مرد حضرات خوشبو لگائیں (بخاری، برقم الحدیث ۸۰۸)، قرآن مجید خصوصا سورہ کھف کی تلاوت کا اہتمام کریں (شعب الایمان للبیھقی، برقم الحدیث ۲۴۴۴، ۳۰۳۸)۔ اس دن کو خصوصی طور پر دیگر ایام سے ممتاز کرنے کے لیے ظہر کی نماز کے وقت کو حسب سہولت آدھا گھنٹہ آگے یا پیچھے کردیں، اور کوشش کی جائے کہ اس دن کسی نماز میں جماعت سے قبل یا بعد میں کچھ دیر کے لیے دینی واصلاحی موضوعات پر کسی عالم کا بیان بھی ہو، اگر کوئی عالم بیان کرنے والا نہ ملے تو معارف القرآن، معارف الحدیث، منتخب احادیث، حکایات صحابہ، فضائل اعمال سے کچھ پڑھ کر حاضرین کو سنایا جائے، اگر پردہ کے ساتھ خواتین کے بیٹھنے کا انتظام ہو تو مائک کا کنکشن کرکے مسجد کی تقریر یا مسجد میں پڑھی جانے والی کتاب خواتین کو بھی سنائی جائے، ان سب کاموں کے ساتھ بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کے لیے مکتب کی تعلیم میں کسی قسم کی غفلت نہ کی جائے۔

مصر یا محلِ جمعہ کی تعریف:

ایک اہم بحث مصر یعنی محل جمعہ کی تعریف وتعیین ہے، احناف کے نزدیک وجوب جمعہ کے لیے ایک شرط مصر بھی ہے:

"**أما المصر الجامع: فشرط وجوب الجمعة وشرط صحة أدائها عند أصحابنا حتى لاتجب الجمعة إلا على أهل المصر ومن كان ساكنا فى توابعه، وكذا لا يصح أداء الجمعة إلا فى المصر**

وتوابعه، فلاتجب على أهل القرى التى ليست من توابع المصر، ولا يصح أداء الجمعة فيها" (بدائع الصنائع ۱/ ۵۸۳)۔

احناف کا موقف دیگر ائمہ کے مقابلے میں کافی قوی ہے، لیکن مصر کی تعریف میں علماء احناف کے درمیان اختلاف ہے، اوران میں خاص طور پر حاکم، قاضی، خطیب، منبر، بازار، آبادی، کا ہونا ضروری قرار دیا جاتا ہے، ان میں کچھ ایسی تعریفات ہیں جن میں توسع ہے، اور وہ تعریفات تقریبا دیگر ائمہ خصوصا امام احمد ابن حنبل اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک تک پہنچادیتی ہیں، ذیل میں احناف کے نزدیک مصر کی کچھ تعریفات نقل کی جاتی ہیں:

۱۔ ردالمحتار میں ہے :"**ولاتجوز فى الصغيرة التى ليس فيهاقاضى ومنبر وخطيب**"(ردالمحتا مع الدرالمختار ۳/ ۷ زکریا)۔

۲۔شہر کی دوسری تعریف میں تینوں باتوں کے ساتھ، امیر، آبادی میں غیر متفرق مکانات، اورقوانین حدود وقصاص وغیرہ کی تنفیذ کا پایا جانا بھی ضروری ہے(مصنف عبدالرزاق ۳/ ۱۶۸، برقم ۵۱۷۹)۔

۳۔شہر کی تیسری تعریف میں، مذکورہ باتوں کے ساتھ آبادی میں مختلف گلیاں وراستے اور بازار کو بھی شامل کیا گیا ہے، اوراسی کے ساتھ قوت قاہرہ کا مالک ایسے حاکم کا ہونا بھی ضروری قرار دیا گیا جو مظلوموں کو انصاف دلا سکے (ردالمحتا مع الدرالمختار ۳/ ۵، ۶، طبع زکریا)۔

ان تینوں تعریفات میں قاضی شریعت، حکومت اسلامیہ، عملی یا قانونی لحاظ سے اجرائے حدود وقصاص کے نہ پائے جانے کے باجود قیام جمعہ کا سلسلہ جاری ہے۔

۴۔ "**وفى رواية إذا اجتمع فى قرية من لايسعهم مسجد واحد بنى لهم الإمامُ جامعاً ونصب لهم من يصلى بهم الجمعة**"(بدائع الصنائع ۱/ ۵۸۴، طبع زکریا)۔

۵۔ایک تعریف یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ بستی میں ایسی صلاحیت ہو کہ وہاں دشمنوں سے حفاظت ممکن ہو، ایسی بستی کو شہر قرار دے کر خلیفۃ المسلمین وہاں حاکم مقرر کرے جو شہر میں احکام کو جاری کرے، اجرائے احکام کی تشریح یہ کی گئی ہے: اگر دوفریق اس کے پاس آئیں تو ان کے درمیان فیصلہ کر سکے (بدائع الصنائع ۱/ ۵۸۵ زکریا)۔

چونکہ حکومت اسلامیہ نہیں ہے، اس لیے حکومت اسلامیہ کی طرف سے نصبِ حاکم کا سلسلہ تقریبا ختم ہو چکا ہے، مسلمانوں کے دینی وعائلی معاملات کے سلسلے میں عام مسلمانوں کی مشاورت ومعاونت سے قضاۃ، وخطباء اورائمۃ جمعہ کے تقرر کا سلسلہ جاری ہے۔

"فلو االولاة الكفار يجوز للسلمين إقامة الجمعة ويصير القاضى قاضيا بتراضى المسلمين"

(ردالمحتا مع الدرالمختار ۲/ ۱۴۴ طبع: سعید)۔

اس ہدایت کے مطابق جن مقامات پر مسلمان باہم مشاورت سے کسی مسلمان کو اپنا مقتدی بنا کر اس سے اپنے باہم معاملات کو حل کیا کرتے ہیں، تو ان دونوں (چہارم و پنجم) تعریفات کی روشنی میں وہاں مسلمانوں کی مجلس شوری یا کمیٹی کے ذریعہ بنائے گئے امیر یا صدر وغیرہ کی سربراہی میں وہاں کے مسلمان اگر وہاں جمعہ کے لیے کسی امام وخطیب کا تقرر کرلیں تو ایسی بستیوں میں جمعہ جائز ہونی چاہیے۔

۶۔"عن أبى عبدالله البلخى أنه قال:أحسن ماقيل فيه إذا كانوا بحال لو اجتمعوا فى أكبر مساجدهم لم يسعهم ذالک حتى احتاجوا إلى بناء مسجد الجمعة، فهذا مصر تقام فيه الجمعة" (بدائع الصنائع ۱/ ۵۸۳ زکریا)۔

اس تعریف پر علامہ عبدالرحمٰن الجزریؒ فرماتے ہیں:

"ولهذا جرى جمهور محققى الحنفية على أن المصر هو ماكان أكبر مسجد فيه لايسع أهله الذين تجب عليهم الصلوة وإن لم يحضروا فعلاً" (الفقہ علی المذاھب الاربعۃ، عبدالرحمٰن الجزیریؒ ۲/ ۳۷۹)۔

۷۔شہر کی دوسری تعریف یہ ہے: "عمر بن دینار کہا کرتے تھے کہ ایسی مسجد جس میں جماعت کی نماز ہوتی ہو اس میں جمعہ پڑھ سکتے ہیں" (مصنف عبدالرزاق، باب القری الصغار ۳/ ۱۷۰ نمبر ۵۱۸۴)۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان جس مقام پر مسجد میں پابندی سے اذان کے ساتھ باجماعت پنج وقتہ نمازیں پڑھتے ہوں تو اس مسجد وبستی میں جمعہ بھی جائز ہے۔

مصر کی تعریفات بالا کا خلاصہ:

ایک سے تین تک کی تعریفات میں جو قیودات ہیں عصر حاضر میں کہیں بھی آبادی کے علاوہ ان میں سے کسی کی رعایت نہیں پائی جاتی ہے، تعریف چہارم کے مطابق پانچ کی بھی تعریف بیان ہوئی ہے، البتہ پنجم میں مزید یہ قید ہے کہ وہاں دشمنوں سے حفاظت کی صلاحیت پائی جاتی ہو، لیکن یہ صلاحیت کس قسم کی ہو اور کس قسم کے دشمنوں سے حفاظت کی ہو؟ یہ مبہم ہے، اس لیے تعریفِ پنجم میں تعریف چہارم کا جزوء ہی باقی بچتا ہے کہ: اس آبادی میں حاکم وقت کی طرف سے وہاں ایسا امیر مقرر کیا جائے جو مخاصمین کے درمیان فیصلہ کرسکے، اس وقت حالات یہ ہیں کہ موجودہ حکومتوں کے زیر انتظام حکام کے جو فیصلے ہوتے ہیں وہ بھی شہر سے آگے بڑھ کر اعلی عدالتوں تک جاتے ہیں، اور وہاں سے بھی آگے سپریم کورٹ تک پہنچتے

ہیں، تو بستی میں مخاصمین کے جس قسم کے معاملات کے تصفیہ کی صلاحیت یہاں مراد ہے وہ بھی مبہم ہے، اب صرف بستی کے مسلمانوں میں امام وخطیب کے تقرر کی صلاحیت باقی بچتی ہے، یعنی ایسی صورت میں بستی کے مسلمانوں کی باہم مشاروۃ اور انتظامی صلاحیت پر وہاں امام وخطیب کے تقرر کا مسئلہ منحصر ہوجاتا ہے، اس لیے تعریف نمبر چہارم وپنجم کی رو سے جس بستی میں مسلمان امام وخطیب کا تقرر کرسکیں وہاں ان دونوں تعریفات کی روشنی میں جمعہ کا قیام درست ہے۔

تعریف ششم میں کثرت آبادی کی بنا پر خلیفۃ المسلمین کی طرف سے جامع مسجد کی تعمیر اور امام جمعہ وخطیب کے تقرر کی بات کہی گئی، لیکن خلیفۃ المسلمین کے بجائے عام مسلمانوں کی طرف سے ائمہ وخطباء کے تقرر کا سلسلہ جاری ہے، اس لیے اس تعریف میں صرف آبادی کی شرط کی رعایت ہوسکتی ہے کہ: اگر بڑی مسجد میں آبادی کے تمام نمازیوں کی گنجائش نہ ہو تو وہاں عام مسلمانوں کے باہم مشاورت کے بعد امام وخطیب کا تقرر کرکے جمعہ کا قیام درست ہوگا، تعریف نمبر سات میں تو کسی بستی میں ایسی مسجد کا ہونا جس میں پنج وقتہ اذان وباجماعت نماز ہوتی ہو وہاں جمعہ کا قیام درست ہے۔

جوابات:

ان تعریفات کی روشنی میں عرض ہے کہ:

۱- موجودہ دور میں مصر یعنی محل جمعہ کی قدیم تعریفات میں احناف کے یہاں بھی بہت کچھ تبدیلی ہوچکی ہے، جمعہ کا ایک اہم مقصد اسلام کی تبلیغ اور اظہار شوکت بھی ہے، موجودہ تبدیلیوں اور وسائل کی فراوانی کی وجہ سے یہ کام چھوٹی بستیوں میں بھی ہوسکتے ہے، مصر کی تعریفات چارم تا ششم جس بستی کے مسلمان اپنی پنچایت (کمیٹی وغیرہ) بنا کر مسجد کے انتظام اور آپسی معاملات کو اس پنچایت یا کمیٹی کے ذریعہ حل کراتے ہوں، اور خاص طور تعریف ہفتم کے مطابق ایسی بستی جہاں مسجد کی عمارت ہو اور وہاں پنج وقتہ نمازیں پابندی سے ادا کی جاتی ہوں تو وہ بستی مصر یعنی محل جمعہ کے حکم میں ہے۔ صحت جمعہ کے لیے امام شافعیؒ نے جو چالیس مصلین کی شرط ٹھہرائی ہے ان کی اس شرط کی رعایت اور ابوداود میں حضرت اسعد بن زرارہؓ کے لیے حضرت کعب بن مالکؓ کی دعائے رحمت والی روایت 1069 (جس میں چالیس نمازیوں کی تعداد ہے) کے مطابق چھوٹی بستیوں کی تعیین مناسب ہے کہ جہاں کم از کم چالیس مصلین وہیں کے متوطن ہوں، اگرچہ اس تعداد میں لوگ نمازوں میں نہ حاضر ہوسکیں وہ بستی مصر یعنی محل جمعہ ہے۔

۲۔ جواب اول کے مطابق جو بستی مصر یعنی محل جمعہ ہو وہاں کی مسلم پنچایت (کمیٹی وغیرہ) اگر وہاں قائم وآباد مسجد میں خطیب وامام کا تقرر کرسکتی ہو تو وہاں جمعہ کی نماز جائز (بلکہ واجب) ہے، اور اگر وہاں مسجد نہیں ہے یا مسجد تو ہے لیکن وہاں مسلمانوں کی پنچایت یا کمیٹی نہیں ہے یا دونوں باتیں ہیں، لیکن وہاں کے مسلمان امام وخطیب کا انتظام نہیں کرسکتے ہیں، تو پھر

ایسی بستی میں جمعہ درست نہیں ہے۔

۳۔(الف) جواب نمبر ایک میں مصر یا محل جمعہ کی وضاحت کے مطابق چھوٹی بستیوں میں چار شرطوں (۱۔مسلم پنچایت ہو، ۲۔مسجد کی عمارت ہو، ۳۔چالیس مسلمان مصلین وہیں کے متوطن ہوں اگر چہ وہ سب نماز میں نہ حاضر ہوں۔ ۴۔وہاں کی مسلم پنچایت میں امام وخطیب کے تقرر کی صلاحیت ہو) کی رعایت کے ساتھ قیام جمعہ کی اجازت ہوگی۔

(ب) اگر وہاں مسلمانوں کی پنچایت یا کمیٹی نہیں ہے اور نہ مسجد ہے، یا مسجد اور کمیٹی ہے، لیکن وہاں امام وخطیب کا تقرر کی استطاعت نہیں ہے یا وہاں کے متوطن مصلین کی تعداد چالیس سے کم ہے، تو ایسے مقامات پر مسلمانوں پر جمعہ واجب نہیں اور نہ ہی ان کو وہاں جمعہ کے قیام کی اجازت دی جاسکتی ہے، کیوں کہ صرف جمعہ قائم کر دینا اسلام کی شوکت اور مسلمانوں کو جوڑنے کا ذریعہ نہیں ہے، بلکہ جمعہ میں اجتماع اور خطبات وغیرہ کے ذریعہ دینی تربیت بھی ہونا ضروری ہے، اگر اس بستی کے مسلمانوں کی پنچایت نہ ہو، یا وہاں مسجد یعنی مرکز اتحاد وتربیت نہ ہو یا وہاں کے متوطن مصلین کی تعداد چالیس سے کم ہے یا وہاں تعلیم وتربیت کے لیے خطباء ومعلم کا تقرر نہ ہو سکے تو وہاں قیام جمعہ سے فساد کا زیادہ امکان ہے۔

☆☆☆

حکم الجمعۃ فی القری

مولانا عبدالتواب اناوی☆

اللہ تعالی کا فرمان ہے:"**یأیها الذین آمنوا إذا نودی للصلاة من یوم الجمعة فاسعوا إلی ذکر الله وذروا البیع، ذلکم خیرلکم إن کنتم تعلمون**"(سورۂ جمعہ:۹)(اے ایمان والو جب بروز جمعہ برائے نماز تمہیں پکارا جائے تو تم اپنی تجارت چھوڑ کر فورا اللہ کی یاد کی طرف دوڑ پڑو یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا اگر تم سمجھ سکو)۔

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"**من ترک ثلاث جمع تهاونا بهاطبع الله علی قلبه**"(اخرجہ احمد فی مسندہ ۳/ ۴۲۴ وابوداؤد فی سننہ رقم الحدیث ۱۰۵۲، واخرجہ الترمذی فی الجامع والنسائی فی المجتبی، وصححہ البوصیری، ابن خزیمہ والحاکم والذہبی، وابن حبان وغیرہ)(جو شخص سستی اور لاپرواہی کے نتیجے میں مسلسل تین جمعہ چھوڑ دیتا ہے اللہ رب العزت اس کے قلب پر مہر لگا دیتے ہیں)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"**لا جمعة ولا تشریق إلا فی مصر جامع**" (جمعہ اور تکبیر تشریق صرف شہر میں ہوں گی دیہات میں نہیں)۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے:"**لا جمعة لا تشریق ولا فطر ولا أضحی إلا فی مصر جامع**" (اخرجہ عبدالرزاق فی المصنف ۲/ ۱۰۱ وفی السنن الکبری للبیہقی ۳/ ۱۷۹)(حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ شہر کے علاوہ کسی اور مقام پر جمعہ ہوگا نہ عید بقرعید اور تکبیر تشریق)۔

مذکورہ آیت کریمہ اور احادیث مبارکہ سے مفہوم ہوا کہ جمعہ، عیدالفطر وعیدالاضحیٰ اور تکبیر تشریق شہر یا شہر نما بستیوں کے علاوہ کسی اور مقام پر جائز نہیں ہیں۔

مصر کا مصداق:

مصر کی حد متعین کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے، حنفیہ کے یہاں تقریبا ۱۴ اقوال ہیں:

☆ جامعہ اسلامیہ ناگرمئو، اناؤ۔

۱-حضرت امام ابوحنیفہؒ مصر کی تعرف میں کہتے ہیں کہ جس بستی میں انسان کی دینی و دنیاوی ضرورتیں بآسانی پوری ہوجاتی ہوں وہ بستی مصر کے درجہ میں ہے، وہاں جمعہ کی نماز پڑھنا درست ہے، امام ابو یوسفؒ سے حد مصر کے تعلق سے تین روایات منقول ہیں:

۲-ہر وہ بستی جس میں امیر ہو، قاضی ہو جو لوگوں کے درمیان احکام کو نافذ اور حدود کو قائم کرتا ہو اور بڑی حد تک اس میں مکانات تعمیر ہوں تو وہ بستی جامع مصر کہلانے کی حقدار ہے۔

۳-ہر وہ بستی جس کی بڑی مسجد میں اس بستی کے مسلمان جمع ہوجائیں تو وہ مسجد تنگ ہوجائے تو وہ بستی مصر جامع ہوگی، اسی قول کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ مذہب ابوحنیفہ وابی یوسف کے زیادہ قریب ہے اور جو کچھ بھی حدود مصر کے تعلق سے فقہاء کے اقوال ہیں یہ سب میں لائق اور بہتر ہے۔

۴-امام ابو یوسفؒ کا تیسرا قول یہ ہے کہ جس بستی میں کم از کم دس ہزار افراد رہتے ہوں، وہاں حاکم بھی ہو اور لوگوں کو مسائل شرعیہ بتانے کے لئے عالم یا مفتی ہو، نیز اس میں بہت سے فنی کاریگر ہوں جو لوگوں کی حاجت براری کریں اور اس میں حاکم یا قاضی موجود ہو جو لوگوں کے درمیان انصاف کرے اور حدود قائم کرے تو ایسی بستی کو مصر جامع کہا جائے گا۔

۵-مصر کی تعریف میں بعض فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ ہر وہ بستی جس میں مستقل بازار لگتا ہو اس میں سخت حاکم اور معتبر فقیہ نیز ماہر طبیب رہتا ہو وہ مصر جامع ہے۔

۶-بعض علماء نے کہا کہ مصر ایسی بستی کو کہتے ہیں جس میں ہر فن کے بہترین اور ماہر کاری گر رہتے ہوں جن کے ذریعہ عوام کی مکمل ضرورت پوری ہوتی ہو، یعنی ایک ہی کام کو ایک کاری گر کے پاس کچھ کرا کر مزید دوسرے کاریگر کے پاس لے جانے کی حاجت نہ ہو تو ایسی بستی کو مصر جامع کہیں گے۔

۷-امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ امام یعنی حاکم جس بستی کو مصر بنائے وہ مصر ہوگی حتی کہ اگر امام کسی دیہات میں اپنا نائب برائے جریان حدود یا برائے فیصلہ کسی قاضی کو بھیجے تو ان کے رہنے تک وہ بستی یعنی دیہات مصر کہلائے گا، پھر اگر ان کو واپس بلالے اور اس دیہات کو اسے پرانے احوال پر چھوڑ دے تو وہ بستی پھر غیر مصر ہوجائے گی، اور وہاں جمعہ پڑھنا درست نہ ہوگا۔

۸-بعض فقہاء کی رائے یہ بھی ہے کہ جس گاؤں سے متصلا چھوٹے چھوٹے گاؤں بھی ہوں اور اس گاؤں میں والی اور حاکم بھی ہو تو وہاں جمعہ درست ہوگا، یعنی وہ گاؤں مثل مصر جامع سمجھا جائے گا۔

۹-بعض فقہاء نے مصر کی تعریف یہ بھی کی ہے کہ جس بستی کے رہنے والے عزت دار، شان وشوکت کے حامل اور

ایسے صاحب قوت ہوں کہ جب کبھی کوئی دشمن ان کی طرف بڑھے تو وہ سب مل کر از خود اپنا دفاع کر لیں تو ایسی بستی کو مصر جامع کہا جائے گا۔

۱۰-بعض نے مصر کی تعریف یہ بھی کی ہے کہ جس بستی میں انسانوں کی پیدائش اور وفات روزانہ واقع ہوتی ہو تو ایسی بستی مصر جامع کہلائے گی۔

۱۱-بعض نے کہا جس بستی کے رہنے والوں کی تعداد بلا مشقت نہ شمار کی جاسکتی ہو وہ بستی مصر جامع ہے۔

۱۲-حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جس بستی کو عوام الناس مطلقا مصر سمجھتے ہوں وہ مصر ہوگا جیسے سمرقند و بخاریٰ کہ انہیں عوام الناس از خود مصر سمجھتے ہیں، اس لئے وہ مصر ہیں، اور جسے عوام الناس آپس میں مصر نہ سمجھتے ہوں ان پر مصر کی حد صادق نہیں آتی۔

۱۳-حضرت شمس الائمہ علامہ سرخسی فرماتے ہیں کہ حنفیہ کا ظاہر مذہب یہی ہے کہ جس بستی میں لوگوں کی بہت سی جماعتیں (گروہ) ہوں، جامع مسجد ہو، اہل تجارت کے لئے مستقل روزانہ کھلنے والا بازار ہو، سلطان (حاکم) اور قاضی ہو جو لوگوں کے درمیان حدود قائم کرتا ہو، نیز اگر سلطان اور والی مفتی نہ ہوں تو ایک عدد مفتی ہو جو لوگوں کو مسائل شرعیہ بتاتا ہو تو ہر ایسی بستی مصر جامع کہلائے گی۔

۱۴-حضرت امام ابوحنیفہؒ سے مصر کی یہ بھی تعریف منقول ہے کہ جس بستی میں سڑکیں ہوں، مستقل بازار ہو، ڈاکخانہ ہو، حاکم ہو جو لوگوں کے درمیان واقع امور میں فیصلہ پر قدرت رکھتا ہو بایں طور کہ وہ صاحب حشم ہو اور علمی بصیرت و لیاقت کا حامل ہو، لوگ مواقع حوادثات میں اس کی طرف رجوع ہوتے ہوں تو ہر ایسی بستی شرعا بلد کبیرہ یا مصر جامع یا قریہ کبیرہ یعنی قصبہ کہلائے گی اور جمعہ وعیدین وہاں درست ہوگی اور اسی کو اکثر فقہاء کرام نے زیادہ صحیح قرار دیا ہے (فتاوی تاتارخانیہ ۲/ ۵۴۷ تا ۵۴۹، بدائع ۱/ ۵۸۴، ۵۸۵ دیوبند)۔

مصر کی تعریف میں اقوال فقہاء کے درمیان تطبیق:

فقہاء کرام کے اقوال پر بار بار نظر کرنے کے بعد یہی مفہوم ہوتا ہے کہ تمام فقہاء کرام نے عرف پر نظر رکھتے ہوئے اپنے انداز میں بڑی بستی کا تعاف پیش کیا ہے، یعنی ہر تعریف کے پس پردہ یہ امر ملحوظ ہے کہ جس بستی میں مذکورہ صفات موجود ہوں وہ بڑی بستی ہے، چنانچہ فقہاء کرام کے اقوال سے مستفاد چند چیزیں جو ان کی نظر میں بڑی بستی ہونے کی دلیل ہیں وہ پیش کی جاتی ہیں:

۱-بستی میں سلطان، یا حاکم کا ہونا، ۲-مسائل شرعیہ کی لیاقت کا حامل عالم یا مفتی یا قاضی کا ہونا، ۳-بستی میں مستقل کھلنے والا بازار ہونا، ۴-اہل بستی کی ضروریات کے اعتبار سے بستی میں مستری اور کاریگروں کا ہونا، ۵-دس ہزار یا لاتعداد افراد پر بستی کا مشتمل ہونا، ۶-بستی میں سڑکیں، ڈاکخانہ، مطب، محلات، تعمیر شدہ مکانات موجود ہوں، مذکورہ صفات جس بستی میں ہوں وہ بالاتفاق تمام اقوال فقہاء کرام کے مصر جامع ہے، اس بستی میں بہرصورت جمعہ وعیدین وتکبیر تشریق درست ہے۔

مصر کی تعریفات فقہاء کرام اور آج کی صورت حال:

۱-بستی میں سلطان، حاکم، قاضی کا ہونا: یہ شرط بظاہر ان بستیوں میں پوری ہوسکتی ہے جو اسلامی حدود سلطنت میں واقع ہوں اور جو بستیاں غیر اسلامی ریاست میں ہیں وہاں یہ شرط ممکن نہیں ہے اور جو امر ممکن نہ ہو مسلمان اس کا مکلّف نہیں ہوتا، اس لئے ہندوستان اور اس جیسے تمام غیر اسلامی ممالک میں جمعہ کے جواز کے لئے بستیوں میں سلطان، حاکم اور مفتی و قاضی کی شرط لازم نہ ہوگی۔

"**وفی الشامیة قال:وأما بلاد علیها ولاة کفار فیجوز للمسلمین إقامة الجمع والأعیاد، ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین فیجب علیهم أن یلتمسوا والیا مسلما منهم**"(ردالمحتار علی الدر المختار ۸/ ۴۳)"**ومنها أیضا، فلو الولاة الکفار یجوز للمسلمین إقامة الجمعة وقال موضع آخر:تصح فی البلاد التی استولی علیها الکفار**"(شامی ۸/ ۴۴)۔

مذکورہ عبارات سے واضح ہوا کہ غیر اسلامی ریاستوں میں بھی تمام امصار میں جمعہ وعیدین قائم کی جائیں گی، اور وہاں کے سلطان وحکما کو قائم مقام سلطان ووالی مان لیا جائے گا، البتہ اگر مسلمانوں کو کوئی مسلم حاکم دستیاب ہو تو وہ اس کی طرف رجوع ہوں اور اگر تمام حاکم کافر ہوں تو مسلمان اپنے معاملات میں مسلمانوں میں ہی کسی کو فیصل بنالیں اور اس کے فیصلے کو تسلیم کریں یہی ان کا سلطان وقاضی ووالی ہوگا۔

حضرت مفتی نظام الدینؒ فرماتے ہیں:"ایسے ممالک جہاں کبھی اسلامی حکومت ہوئی نہ ہو، لیکن وہاں حکومت وقت کی جانب سے امن وامان قائم رہتا ہو، بدامنی وشرفساد کو حکومت روک دیتی ہو تو ایسے ممالک میں جمعہ وعیدین کا قائم کرنا اور رکھنا مسلمانوں پر بشرائطہا واجب ہوجاتا ہے، اور مسلمانوں پر لازم ہوجاتا ہے کہ اپنی آپس کی رضامندی سے کسی کو خطیب، امام مقرر کرکے اس فریضہ کو انجام دیں"(نظام الفتاوی ۱/ ۳۳۵)۔

ہندوستان میں قریات کے مسلم پردھان والی کے حکم میں:

ہندوستان کے مواضعات میں مسلم پردھان بھی مسلمانوں کی طرف سے والی اور حاکم تسلیم کئے جاسکتے ہیں خواہ وہ انتخاب میں کامیاب ہوئے ہوں یا نہ ناکام، مسلمانوں کے حق میں بہر دوصورت حکم یکساں ہونا مستلزم ہے۔

۲-بستی میں، قاضی، مفتی، عالم کا ہونا:

یہ شرط بھی ممالک اسلامیہ کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ وہاں جس قاضی یا مفتی کو بستی کے مسائل حل کرنے کے لئے مقرر کیا جاتا ہے اس کی ضروریات واخراجات کا انتظام حکومت کے ذمہ ہوتا ہے، غیر اسلامی ممالک میں یہ ممکن نہیں، کیونکہ وہاں ان کا اپنا حکومتی عدالتی نظام ہوتا ہے جو تمام ملکی باشندوں کے لئے لازم ہوتا ہے تو مسلمانوں کے لئے الگ سے انتظام کے کیا معنی، اور ہر بستی میں مسلمان اپنے خرچ پر امام ومفتی اور قاضی کو رکھ سکیں یہ امر محال ہے، اس لئے غیر مسلم ممالک میں جن بستیوں میں مسلمان ہیں اور انہوں نے اپنی مساجد میں امام مقرر کر لئے ہیں وہی ان کے قائم مقام قاضی ہوں گے۔

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند ایک مقام پر لکھتے ہیں: ''بلاد کفار میں نیز ان مسلمانوں کی ریاستوں میں جو ماتحت کفار کے ہیں، جس طریق سے جمعہ جاری ہے اس طرح درست ہے، مسلمان جس کو امام مقرر کردیں صحیح ہے'' (فتاوی دارالعلوم (عزیز الفتاوی) ۱/ ۲۸۴، دیوبند)۔

۳-بستی میں مستقل کھلنے والا بازار ہونا:

''وفی المعجم الوسیط، السوق أسواق: وهو الموضع الذی یجلب إلیه المتاع والسلع للبیع ولابتیاع-واصطلاحا: مکان یجتمع فیه الناس للبیع والشراء وهی الطریقة التی یتم بها اتصال البائعین والمشترین''۔

(لغت میں بازار اس جگہ اور مقام کو کہا جاتا ہے جہاں سامان ضرورت کو فروخت کے لئے لایا جاتا ہو اور برائے خرید وہاں لوگ پہنچتے ہوں، اصطلاح میں ہر وہ مقام جہاں خرید وفروخت کے لئے لوگ جمع ہوں کیونکہ بائع ومشتری کا باہم اتصال اسی طور آسانی ممکن ہے)۔

اردو زبان اور عوامی عرف میں بازار ایک ایسی کھلی جگہ کو کہتے ہیں جہاں دکانوں، ٹھیلوں، زمینوں اور پھٹوں پر چیزوں کو فروخت کے لئے رکھا جاتا ہے، انگریزی میں اسے اسٹریٹ مارکیٹ کہا جاتا ہے۔

دور حاضر میں بازار کی دوسری شکلیں وجود لے چکی ہیں جسے شہروں میں بگ بازار یا سپر مارکیٹ کہتے ہیں جس کے

اندر تقریبا انسانی ضرورت کا ہر سامان موجود ہوتا ہے، اسی کی ایک چھوٹی قسم ہے جسے جنرل اسٹور اور پرچون کی دکان کہا جاتا ہے، یہ دکانیں تقریبا آج کی ہر چھوٹی بڑی بستیوں میں موجود ہیں، بلکہ دیہات کی پرچون دکان شہر کی پرچون دکان سے زیادہ وسیع ہوتی ہے، یعنی دیہاتی پرچون دکان پر تقریبا تمام ضرورت انسانی لازمی جمع کیا جاتا ہے۔

شریعت کا اصل مقصود بازار نہیں بلکہ دفع حاجت ہے:

شریعت کا مقصود نفس بازار نہیں بلکہ عام انسانی ضروریات کی تکمیل ہے، خواہ ایک دکان سے ہو یا مختلف دکانوں سے، مقصود ضرورتوں کا پورا ہونا ہی ہے، اس لئے دیہات کی پرچون دکان ایک مستقل بازار کی حیثیت رکھتی ہے، اور مزید یہ کہ تقریبا ہر دیہات میں کئی کئی پرچون دکانیں ہوتی ہیں جس کے پیش نظر ایک بڑی حد تک انسانی ضروریات ان پرچون دکانوں سے پوری ہوجاتی ہیں، نیز آج کے تقریبا ہر دیہات میں کسی نہ کسی درجہ میں ہر طرح کی دکانیں بھی دستیاب ہیں، اس لئے ان تمام کے مجموعے کو بلا خلاف مذہب بازار کا حکم دیا جاسکتا ہے۔

۴-بستی میں مختلف فنون کے ماہر کاری گروں کا ہونا:

آج کے ٹیکنکل اور مشنری دور میں یہ شرط بھی مفقود نظر آتی ہے، ہر کام تقریبا مشینوں سے ہو رہا ہے، دستکاری تقریبا ختم ہوچکی ہے، زراعت کے تمام ہی کام تقریبا مشنری پر منحصر ہیں، خیاطی، دباغی، نجاری وغیرہ تمام فنون کے لئے بے شمار مشینیں وجود لے چکی ہیں، جن کے ذریعہ اعلی ترین اشیاء تیار ہو رہی ہیں حتی کہ جسمانی امراض کی تحقیق اور شناخت کے لئے بھی ہر طرح کی مشینیں موجود ہیں جن کا استعمال کئے بغیر کوئی طبیب کسی مریض کو دوا دینے کو تیار نہیں تو پھر اس دور میں کسی بستی میں جواز جمعہ کے لئے ماہر کاریگروں کے ہونے کی شرط بے معنی محسوس ہوتی ہے، کیونکہ مشینوں کے آگے کاریگروں کا وجود اب نا کے برابر ہے۔

۵-دس ہزار یا غیر محدود افراد کی آبادی کا ہونا:

جس وقت جمعہ کے قیام کا عمل وجود میں آیا اس وقت مدینہ منورہ کی آبادی تقریبا دس ہزار افراد پر مشتمل تھی، لیکن مدینہ کے علاوہ دیگر شہروں میں بوقت جمعہ آبادیاں دس ہزار سے کم تھیں، اس لئے دس ہزار یا لاتعداد افراد کی قید مشروط نہیں رہ جاتی، اسی لئے دیگر ائمہ کے یہاں بھی اتنی بڑی تعداد کی کوئی قید نہیں ملتی، حنفیہ کے یہاں تین ہزار کی آبادی پر جواز جمعہ کے بے شمار فتاوی موجود ہیں، بلکہ بعض اکابر مفتیان نے تو دو ہزار کی آبادی پر بھی جواز جمعہ کا فتوی دیا ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہاں گلی کوچے اور دکانیں ہوں۔

مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ ایک استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں: ''دو ہزار آبادی جس بستی میں ہو وہ قریہ کبیرہ ہے یا نہیں سو ظاہر یہ ہے کہ وہ قریہ کبیرہ ہے، اگر اس میں بازار دکانیں ہوں تو جمعہ وہاں ادا ہوگا ورنہ نہیں.....''، مزید یہ لکھتے ہیں: ''آدمیوں کی تعداد صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے، بلکہ عرف میں جس کو قریہ صغیرہ سمجھیں وہ قریہ صغیرہ ہے اور جسے قریہ کبیرہ سمجھیں وہ قریہ کبیرہ ہے'' (عزیز الفتاوی ۱/ ۲۹۲)۔

مفتی موصوف نے ایک مقام پر بارہ سو تیسرہ سو کی آبادی والے گاؤں میں جہاں دکانوں پر ضروری سامان دستیاب ہیں جمعہ کے جواز کا فتوی دیا ہے (فتاوی دار العلوم دیوبند عزیز الفتاوی ۱/ ۲۸۸)۔

۶- آج کے دور میں چھوٹی سے چھوٹی سے بستی بھی ایسی نہیں ہے جہاں گلی اور کوچے نہ ہوں، اسی طرح ہر بستی میں سڑکیں اور گلیاں موجود ہیں، ہر بستی میں تقریبا ۸۰ فیصد مکانات پختہ ہو چکے ہیں، رہی بات مطب اور طبیب کی تو یہ بھی ہر بستی میں موجود ہے، اسی طرح ڈاکخانہ اگر چہ ہر بستی میں نہیں مگر ان کی سروس اور سہولت تقریبا ہر چھوٹی بڑی بستی سے وابستہ ہے، نیز اب فون اور انٹرنیٹ وغیرہ کے سلسلہ نے تقریبا ۷۰ فیصد ضرورت ویسے ہی کم کر دی ہے، پیغام رسانی وغیرہ کا سلسلہ تقریبا برائے نام رہ گیا ہے، سارے پیغام میل اور دیگر ذرائع ابلاغ سے منسلک ہو چکے ہیں۔

''وقال الشيخ العلامه محمد انور شاه الكشميرى: عبارات أصحابنا من تفسير المصر كلها متوافقة فى المعنى وإنما اختلفت التعبيرات والألفاظ-إلى أن قال-فالحاصل أن تفسير المصر محول على العرف واللغة، نعم فى بعض عباراتهم ان القرية الصغيرة مجتهد فيهاعندنا''۔

(یعنی مصر کی تعریف میں ہمارے ائمہ حنفیہ کی جس قدر روایات منقول ہیں وہ سب متحد المعنی ہیں، اختلاف صرف لفظی وتعبیری ہے، یعنی معنون سب کا ایک ہے، فرق صرف عنوان کا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مصر کی تعریف عرف اور لغت پر محمول ہے اور جس قدر بھی تعریفیں مذکور ہیں وہ اپنے اپنے عرف اور زمانہ کے مطابق کی گئی ہیں، ان میں کوئی تعارض نہیں ہے، البتہ بعض فقہاء کی عبارات میں ہے کہ قریہ صغیرہ ہمارے نزدیک مجتہد فیہا ہے، یعنی صغیرہ کبیرہ کی تعیین میں اجتہاد کی گنجائش ہے) (فتاوی دار العلوم دیوبند عزیز الفتاوی ۱/ ۲۹۷، ۲۹۸ دیوبند)۔

مذکورہ تمام تصریحات کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آج کے دور میں غیر مسلم ممالک میں جس بستی کو عرفا بستی کہا جاتا ہے کہ جس کی آبادی تقریبا سات آٹھ سو تک پہنچ رہی ہو اور اس میں دکانیں ہوں جن کے ذریعہ بستی کے لوگوں کی عام ضرورتیں پوری ہو جاتی ہوں وہ آج کے عرف میں قریہ کبیرہ ہے، اس طرح کی ہر بستی میں جمعہ کی نماز واجب ہے، عید الفطر وعید الاضحیٰ اور تکبیر تشریق اس بستی کے رہنے والوں پر واجب ہوں گی، جیسا کہ فتاوی شامیہ میں ہے: **''وتقع فرضا فى**

القصبات والقری الکبیرۃ التی فیھا أسواق''(فتاوی شامی)۔

یعنی جمعہ فرض ہے قصبات میں اور قریہ کبیرہ میں اور قریہ کبیرہ وہ ہے جہاں بازار ہو، اسی عبارت کے ذیل میں مفتی عزیز الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں کہ اس عبارت سے ظاہر ہے کہ جمعہ قصبات اور بڑے قریہ میں ادا ہوتا ہے، جس میں بازار ہو(فتاوی دارالعلوم دیوبند عزیز الفتاوی ۱/ ۲۸۹)۔

مفتی موصوف مزید ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ جس قریہ میں دو ہزار آدمی آباد ہوں اور وہاں دکانیں بھی ہوں تو اگر اس کو قریہ کبیرہ قرار دیا جائے تو مستبعد نہیں ہے(عزیز الفتاوی ۱/ ۲۸۹)۔

ارشاد باری تعالی ہے:''**یأیھا الذین آمنوا إذا نودی الصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا إلی ذکر اللہ وذروا البیع، ذالکم خیرلکم إن کنتم تعلمون**''(سورۂ جمعہ:۹)۔

مذکورہ آیت شریفہ میں صرف بیع کے ترک کرنے کا حکم صادر ہوا ہے، اس کے علاوہ دیگر کوئی شرط آیت میں مذکور نہیں ہے، البتہ 'ذروا' صیغہ جمع استعمال کیا گیا ہے جس کا مفہوم بازار لیا گیا ہے ،یعنی بہت سے بائع بازار ہی ہوتے ہیں اور مستقل بازار بڑی بستی میں ہوتا ہے اس وجہ سے فقہاء کرام نے بڑی بستی کی قید لگا دی، لیکن گھر اور افراد متعین نہیں کئے، کیونکہ اس کی کوئی صراحت قرآن وحدیث میں نہیں ہے، اسی وجہ سے بڑی بستی کی مختلف تعبیراتیں سامنے آئیں ،لیکن مقصود سب کا بڑی بستی ہونا ہی ہے، لیکن یہ تعبیرات عرف زمانہ پر محمول رہی ہیں اور بدلتی رہی ہیں۔

جمعہ کا صیغہ تین بائع پر بھی صادق آسکتا ہے یعنی اگر ایک بستی میں تین دکانیں خواہ کسی بھی چیز کی ہوں تو آیت کا مصداق مکمل ہوجائے گا، اسی طرح اگر ایک ہی دکان میں کئی شریک دار ہیں اور وہ سب دکان پر موجود ہیں تو ایک دکان سے بھی مقصود پورا ہوجائے گا، خواہ عرف میں اسے بازار نہ کہا جائے، مگر شریعت کا مقصود حاصل ہوجائے گا، یعنی جس بستی میں تین دکانیں یا تین بائع موجود ہوں تو وہ بستی وجوب جمعہ کے زمرے میں داخل ہوگی، خواہ وہ کمیت کے اعتبار سے چھوٹی ہو یا بڑی، البتہ عرف میں اسے گاؤں یا بستی کہا جاتا ہو، عموما اس کی آبادی کا تناسب پانچ چھ سو کی آبادی پر بھی ہوسکتا ہے، اور اس سے زیادہ پر بھی۔

معلوم ہوا کہ جس گاؤں یا بستی کو عرف میں گاؤں کہا جاتا ہے جس کی آبادی کم سے کم پانچ سو افراد پر مشتمل ہو اور وہاں کئی دکانیں موجود ہوں تو وہ شرعا قریہ کبیرہ ہے، اس میں رہنے والوں پر جمعہ کی نماز فرض ہے ظہر کی نہیں، اسی طرح ان پر عیدین کی نماز بھی واجب ہے؛ خواہ مسجد اور عیدگاہ ہو یا نہ ہو، بہرصورت ان پر نماز جمعہ وعیدین واجب ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے، انہوں نے کہا:''**إن أول جمعۃ جمعت بعد جمعۃ فی**

مسجد رسول الله ﷺ فی مسجد عبد القیس بحواثی من البحرین"(فتح القدیر ۲/۴۶۰ باب الجمعۃ فی القری والمدن بیروت، رقم الحدیث ۸۹۳)۔

اور بخاری ہی میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: "**کلکم راع وزاد اللیث قال یونس: کتب رزیق ابن حکیم إلی ابن شهاب وأنا معه یومئذ بواد القری، هل تری أن أجمع ورزیق عامل علی أرض یعملها وفیها جماعة من السودان وغیرهم، ورزیق یومئذ علی أیلة، فکتب ابن شهاب وأنا أسمع، یأمره أن یجمع**"(فتح الباری بشرح البخاری رقم الحدیث:۸۹۳)۔

اور فتح الباری میں ہے: "**وعن عمر أنه کتب إلی أهل البحرین أن جمعوا حیثما کنتم وهذا یشمل المدن والقری۔أخرجه ابن أبی شیبه، وروی البیهقی من طریق الولید بن مسلم سألت اللیث بن سعد فقال: کل مدینة أو قریة فیها جماعة أمروا بالجمعة، فإن أهل مصر وسواحلها کانوا یجمعون الجمعة علی عهد عمر وعثمان بأمرهما وفیهما رجال من الصحابة، وعند عبد الرزاق بإسناد صحیح عن ابن عمر أنه کان یری أهل المیاه بین مکة والمدینة یجمعون فلا یعیب علیهم، فلما إختلف الصحابة وجب الرجوع إلی المرفوع**"(فتح الباری ۲/۴۶۱ باب الجمعۃ فی القری والمدن)۔

دارقطنی میں حضرت ام عبداللہ الدوسیۃ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**الجمعة واجبة علی کل قریة وإن لم یکن فیها إلا أربعة، ورواه أیضا، الجمعة واجبة علی أهل کل قریه وإن لم یکونوا إلا ثلاثة ورابعهم إمامهم**"(دارقطنی ۲/۷، باب الجمعۃ علی اہل القریۃ واخرجہ البیہقی ۳/۱۷۹، وابن عدی ۲/۶۲۱)۔

دارقطنی میں ہی حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**من کان یؤمن بالله والیوم الآخر، فعلیه الجمعة یوم الجمعة، إلا مریض أو مسافر أو إمرأة أوصبی أو مملوک فمن استغنی بلهو أوتجارة استغنی الله عنه والله غنی حمید**"(دارقطنی ۲/۳، باب من تجب علیہ الجمعۃ واخرجہ البیہقی ۳/۱۸۳)۔

دارقطنی میں حضرت طارق بن شہابؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**الجمعة واجبة فی جماعة إلا علی أربع: عبد مملوک أو صبی أو مریض أو إمرأة**" (دارقطنی ۲/۳ باب من تجب علیہ الجمعہ وابوداؤد رقم ۱۰۶۷، بیہقی ۳/۱۷۳، حاکم ۱/۲۸۸)۔

مذکورہ روایات وآثار سے مستفاد ہوتا ہے کہ جمعہ قریۃ صغیرہ میں بہرصورت جائز ہونا چاہئے، جیسا کہ ائمہ ثلاثہ اور علماء جمہور کے نزدیک ہر چھوٹی بڑی بستی میں جمعہ کے جواز کا فتوی ہے۔

حنابلہ مطلقا بستی کی قید بھی نہیں لگاتے ،ان کے نزدیک صحرا میں بھی جمعہ جائز ہے،شوافع بستی کی قید تو لگاتے ہیں مگر مکانوں کی نہیں،یعنی اہل بستی کے مستقل گھر ہونے چاہئے خواہ وہ لکڑی وغیرہ ہی کے کیوں نہ ہوں، مالکیہ، پختہ یا غیر پختہ مگر مستقل پختہ مکانات اور استیطان کی قید لگاتے ہیں جبکہ حنفیہ قریہ کبیرہ اور بازار وغیرہ سے جمعہ کی نماز کو مشروط کرتے ہیں۔

مذکورہ تمام قیودات کو اگر بنظر عمیق دیکھا جائے تو ہر ایک سے نتیجہ یہی مرتب ہوتا ہے کہ ایسی بستی جو مستقل ہو لوگ اسے اپنا وطن مانتے ہوں وہاں سے کوچ کرنے کا ارادہ نہ رکھتے ہوں، ظاہر ہے جب کسی بستی کو مستقل وطن تسلیم کرلیا جائے تو اس کے مساکین اس میں مستقل پختہ وغیر پختہ مکانات تعمیر کرتے ہیں، مکانوں کے درمیان راستہ اور گلیاں بناتے ہیں، اپنی ضروریات کی خاطر دکانیں کھولتے ہیں، بازار قائم کرتے ہیں، آپسی نزاعات کے دفعیہ کے لئے اپنے ہی درمیان کسی کو حاکم اور فیصل متعین کرتے ہیں، ضرورت بھر کے لئے مساجد کنواں وغیرہ بناتے ہیں، امام منتخب کرتے ہیں اور یہی قریہ کبیرہ اور مصر کی علامت ہیں اور آج تقریبا ہر چھوٹی بڑی بستیوں میں یہ شکل موجود ہے، اس لئے ہر بستی میں جمعہ جائز ہونا چاہئے ؛خواہ چھوٹی ہو یا بڑی بشرطیکہ اس میں جواز جماعت کی حد تک مسلمان آباد ہوں۔

حکمت جمعیت جمعہ کا ایک خاص پہلو:

صحیح بخاری میں حضرت سلمان فارسیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" **لایغتسل رجل یوم الجمعة، ویتطهر مااستطاع من طهر، ویدهن من دهنه، أویمس من طیب بیته، ثم یخرج فلا یفرق بین إثنین، ثم یصلی ماکتب له، ثم ینصت إذا تکلم الإمام، إلاغفر له ما بینه وبین الجمعة الأخری**"(صحیح البخاری باب الدہن للجمعۃ، رقم الحدیث: ۸۸۳)(جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور ممکن حد تک صفائی، ستھرائی اور پاکیزگی حاصل کرے، اور تیل لگائے اور اگر میسر ہو تو خوشبو لگائے خواہ بیوی سے مانگ کر ہی کیوں نہ ہو، پھر مسجد کی طرف برائے جمعہ نکل پڑے مگر کسی دو کے درمیان تفریق کا عمل نہ کرے پھر جو موقع ہو نفل نماز پڑھے اس کے بعد جب امام خطبہ دے تو اسے غور سے سنے تو اللہ رب العزت اس کے ایک ہفتہ کے (صغیرہ) گناہ بخش دے گا)۔

سنن ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا::" **من اغتسل یوم الجمعه ثم مس من طیب امرأته إن کانلها، ولبس من صالح ثیابه،ثم لم یتخط رقاب الناس، ولم یلغ عند الموعظة کانت کفارة لمابینهما، ومن لغا او تخطی کانت له ظهرا**"(ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۴۷،صحیح ابن خزیمۃ رقم الحدیث ۱۰۸۰،طحاوی شرح معانی الآثار: ۲۱۶۶)(جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے پھر خوشبو لگائے اور عمدہ لباس زیب تن کرے پھر مسجد پہنچ کر لوگوں کی گردنیں نہ پھاندے اور خطبہ نصیحت بغور سنے، بوقت خطبہ کوئی لغو کام نہ کرے جس سے خطبہ سننے میں خلل واقع ہو تو اس کے ایک ہفتہ کے صغیرہ گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں اور جو شخص عند الخطبہ لغویات سے خود کو نہ بچا سکے اس کا

جمعہ ظہر ہوجائے گا)۔

نماز جمعہ کی منجملہ اور خصوصیات کے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ نماز جمعہ لوگوں کو اپنی طرف فطرۃ راغب کرتی ہے جس کی وجہ سے لوگ ازخود نماز جمعہ کی تیاری کرتے ہیں اور جائے نماز جمعہ پہنچنے کی سعی کرتے ہیں، جس کا ہر کوئی مشاہدہ کرسکتا ہے، خواہ جمعہ شہر میں ہو یا دیہات میں۔

مذکورہ احادیث میں مصلیان جمعہ کو غسل، اچھے کپڑے، خوشبو، تیل، مسواک، اختیار کرنے کو کہا گیا ہے، نیز خطبہ کو بغور سننے کی تلقین کی گئی ہے، بلکہ خطبہ بغور سننے میں خطا کرنے والے کو کہا گیا کہ اس کی نماز جمعہ نہیں بلکہ نماز ظہر ہوگی، مذکورہ ہدایات پر غور کیا جائے تو مفہوم ہوتا ہے کہ اس پورے مجموعہ جمعہ کا ماحصل خطبہ ہی ہے، اسی خطبہ کے مقدمات نماز فجر میں سورہ سجدہ اور سوہ دہر کی تلاوت سے شروع ہوکر نماز جمعہ میں سورہ اعلی اور سورہ غاشیہ کی تلاوت پر مکمل ہوتے ہیں، اسی وجہ سے بیوم جمعہ نماز فجر باجماعت ادا کرنے کی خاص تلقین ذخیرہ حدیث میں موجود ہے، تاکہ صبح سے ہی تمام لوگ سماع خطبہ جمعہ کے لئے تیار ہوجائیں، پھر غسل کا حکم دیا گیا، تاکہ جسمانی کسلان ختم ہوجائے، عمدہ لباس پہنو تاکہ قلب میں فرحت پیدا ہو، مسواک کرو تاکہ کسی کے منہ کی بدبو کسی کو خطبہ سننے میں مخل نہ ہو، تیل لگاؤ تاکہ دماغ تروتازہ ہوجائے اور خوشبو لگاؤ تاکہ دماغ معطر ہوجائے، پھر مسجد جلدی جاؤ تاکہ خطبہ سے پہلے پہنچ کر کچھ نوافل پڑھ سکو اور طمانینت میسر آئے جو سماع خطبہ میں تمہاری معین ہوسکے، قرآن حکیم میں کہا گیا ہے: ''**فاسعوا إلى ذكر الله**'' ذکراللہ سے اکثر حضرات مفسرین نے خطبہ ہی مراد لیا ہے، اسی وجہ سے بعض فقہاء کرام نے غیر عربی خطبہ کے جواز کا فتوی بھی دیا ہے، اگرچہ ان کے فتاوی غیر معمول بہا ہی رہے۔

وجودہ دور کی صورت حال:

موجودہ وقت میں خصوصا ہندوستان کے تقریبا ہر علاقہ میں بے شمار ایسی بستیاں ہیں جہاں مسلمان بستے ہیں مگر ان کی پوری کی پوری زندگی بغیر سجدے کے گزر جاتی ہے، کچھ میں مسجدیں ہی نہیں، کچھ میں ہیں مگر کچھ خالی پڑی ہیں، کچھ میں ایک دو لوگ کسی وقت آ گئے تو آ گئے کسی وقت وہ بھی نہیں، ان حالات میں ان دین سے بے گانہ لوگوں کو کس طرح جمع کر کے انہیں دین اسلام کی باتیں سمجھائی جائیں، ظاہر ہے وہ جواز جمعہ کے سوا کسی دوسرے راستہ سے ممکن نہیں، کیونکہ جمعہ کے لئے لوگ ازخود جمع ہوتے ہیں، قیام جمعہ کا مقصد اصلی ہے، مشروعیت جمعہ اسی بات کی طرف مشیر ہے۔

بہرکیف ہندوستان اور اس جیسے تمام غیر مسلم ممالک جہاں اس طرح کی آبادیاں ہوں جن میں رہنے والے مسلمانوں کے ایمان واسلام کی بقاء اور تحفظ کا مسئلہ درپیش ہو ان تمام بستیوں میں خواہ وہ چھوٹی ہوں یا بڑی قیام جمعہ کی اجازت دی جانی چاہئے۔

☆☆☆

دیہات میں قیام جمعہ موجودہ حالات کے پس منظر میں

مفتی محمد عاشق صدیقی ندوی☆

الحمد لله رب العالمين۔والصلاة والسلام على سيد الأنبياء و المرسلين وعلى آله وأصحابه أجمعين ومن تبعهم ودعا بدعوتهم إلى يوم الدين۔أما بعد!

قال الله عز وجل :"يأيها الذين آمنوا إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع ذلكم خير لكم إن كنتم تعلمون"(سورۃ الجمعۃ:۹)۔

اسلامی شریعت میں نماز کی اہمیت معلوم ومتعین ہے،جس سے ہر مسلمان بخوبی واقف ہے؛ خواہ عملاً وہ نماز سے دور ہو،عام دنوں کی نمازوں میں جمعہ کی نماز کی اہمیت اس سے بھی آگے ہے؛اگر چہ فرضیت میں وہ تمام نمازوں کے برابر ہی ہے،اب چونکہ جمعہ سید الایام ہے،اس لئے اس کی نماز کی اہمیت کا اہتمام زیادہ کیا جاتا ہے اور بالخصوص عوام کو اس کا بڑا اہتمام رہتا ہے،جو لوگ پنج وقتہ نمازیں نہیں پڑھتے جو ظاہر ہے کہ غلط اور سراسر غلط ہے،لیکن جمعہ کی نماز سو فی صد اہتمام کے ساتھ پڑھتے ہیں،شہروں میں بھی اور دیہاتوں میں بھی،حتی کہ نماز جمعہ کے نمازیوں ہی کی وجہ سے مسجدیں تنگ ہوجاتی ہیں اور کئی کئی منزلہ بنتی ہیں اور ساری منزلیں بھر جاتی ہیں، بلکہ مسجد کے باہر بھی ایک تعداد رہتی ہے، یہ اسی قدر اور اہتمام کی بدولت ہے۔

جمعہ اسلام کا ایک مقدس فریضہ ہے اس کی فرضیت ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں ہی ہو چکی تھی،حضور اکرم ﷺ نے سفر ہجرت میں قبا سے روانہ ہونے کے بعد مدینہ منورہ کے محلّہ بنو سالم میں جمعہ ادا فرمایا،لیکن قبا میں پندرہ دن قیام کے باوجود جمعہ ادا نہیں فرمایا، اس کی وجہ علماء یہ بیان کرتے ہیں کہ جمعہ کے لئے شہریت شرط ہے اور قبا مصر اور شہر نہیں تھا، بلکہ ایک دیہات تھا،اس لئے وہاں آپ ﷺ نے جمعہ ادا نہیں فرمایا اور بنو سالم چونکہ مدینہ منورہ کا محلّہ تھا اس لئے وہاں جمعہ ادا کیا گیا۔

چوں کہ جمعہ کے قیام کے لئے مستقل اصول اور شرطیں ہیں،اس لئے ہر چھوٹی بڑی بستی میں جمعہ قائم نہیں ہوتا ہے،جبکہ عصر

☆ قاضی دار القضاء آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ۔پھلت،مظفر نگر۔

حاضر میں جمعہ کے قیام کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے اس کی افادیت سے بہت سی بستیاں اور آبادیاں محروم ہورہی ہیں تو کیوں نہ ایسی راہیں تلاش کی جائیں جن کی روشنی میں یہ طے کیا جاسکے کہ فقہی لحاظ سے اس کے دائرہ کو وسیع کیا جاسکتا ہے کہ نہیں ؛ تاکہ اس اہم ضرورت کی تکمیل ہو، اسی کے پیش نظر ہندوستان کے معروف علمی و فقہی ادارہ اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) نے اپنے سمینار کے لئے اس کو موضوع بحث بنایا ہے اور حالات حاضرہ کے تناظر میں سوالات مرتب کئے ہیں انہیں سوالات کے جواب دینے کی ذیل میں طالب علمانہ کوشش کی جارہی ہے، وھوالموفق والمصوب۔

۱- یہ بات تو مسلّم ہے کہ احکام کے اعتبار سے نماز جمعہ کا معاملہ عام نمازوں سے مختلف ہے، جمعہ ہر چھوٹی بڑی آبادی یا آبادی والے ہر مقام کے لئے نہیں ہے، بلکہ اس کی شرائط ہیں، اگر جمعہ دیہات وشہر ہر جگہ فرض ہوتا تو مدینہ کے قرب وجوار یا جہاں جہاں مسلم آبادی تھی وہاں جمعہ قائم ہوتا، لیکن ان جگہوں میں قائم نہ ہونا اس کی واضح دلیل ہے کہ جمعہ ہر چھوٹی بڑی آبادی میں فرض نہیں، بلکہ اس کی کچھ مخصوص شرائط تمام ائمہ مذاہب کے یہاں مسلم ہیں، کسی کے یہاں تعداد کی شرط ہے، مثلاً امام شافعی وغیرہ کے یہاں نمازیوں کی تعداد زیادہ ہونی چاہئے، چار چھ سے وجوب نہیں ہوتا اور نہ صحت ہوتی ہے، کسی کے یہاں مصریت کی شرط ہے، کسی کے یہاں مسجدیت کی شرط ہے، احناف کے یہاں شہریت اور مصر جامع کی شرط ہے اور یہ شرط اس اعتبار سے قوی ہے کہ یہ باقاعدہ منصوص ہے، جیسے چار نمازیوں کی بات منصوص ہے: "**فاسعو إلى ذكر الله**" (سورۃ الجمعۃ: ۹، ردالمحتار ۲/ ۱۵۱)۔

احناف کے نزدیک اگر مصر وشہریت نہیں پائی جاتی تو ایسی بستی میں نماز ظہر اداء کی جائے گی، جمعہ نہیں پڑھیں گے، اس لئے کہ حضرت علیؓ سے مروی ہے: "**لا جمعة ولا تشريق ولا صلوٰة فطر ولا أضحىٰ إلا في مصر جامع ومدينة عظيمة**" (نصب الرایۃ ۲/ ۱۹۵)۔

چونکہ حدیث پاک میں (مصر) شہر سے مراد کیا ہے یہ واضح اور متعین نہیں ہے، اس لئے مصر وشہریت کی تعریف میں علماء کے مابین مستقل اختلاف رہا ہے اور زمانہ وحالات کے لحاظ سے علماء اس کی تشریح کرتے رہے ہیں، چنانچہ مصر کی تعریف میں صاحب مذہب سے جو قول منقول ہے وہ یہ ہے: "**صرح به في التحفة عن أبي حنيفة أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر على انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره ويرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح**" (ردالمحتار ۳/ ۵)، یعنی ہر ایسی آبادی جس میں روزمرہ کی ضروریات بآسانی مل جاتی ہوں اور قریب کے لوگ اپنی ضروریات کے لئے اس کی طرف رجوع بھی کرتے ہوں۔

مصر کی تفصیل وتطبیق میں فقہاء احناف کے یہاں مستقل اختلافات پائے جاتے ہیں، علامہ ظفر احمد عثمانی تھانویؒ نے مصر کی تعریف پر مفصل کلام کے بعد اس کا ماحصل بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''پس اس بناء پر ہم کہتے ہیں کہ اصل معیار مصر تو مکہ اور مدینہ کی حالت موجودہ فی زمن النبی ﷺ ہے اور اس معیار کی احسن تفسیر وہ ہے جو امام صاحبؒ سے خود منقول ہے اور آج کل اس تعریف کا مصداق ہندوستان میں ہمارے نزدیک ہر وہ موضع ہے جس کی آبادی قریب چار ہزار کے ہو یا اس سے زیادہ اور وہاں ایسا بازار موجود ہو جس میں تیس چالیس دوکانیں متصل یکجا ہوں'' (امداد الاحکام ۲/ ۳۷۷)۔

لیکن دوکانوں کا اتصال اور یکجائیت یہ محل نظر ہے، امداد الفتاوی میں حضرت نے اتصال اور یکجائیت کی شرط نہیں لگائی ہے، حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ سوق کے اشتراط کا حاصل یہ ہے کہ ہر وقت حوائج ضروریہ میں وہاں کے سکان دوسرے مصر کے محتاج نہ ہوں۔

''حيث قال يفتى بأن المصر موضع يندفع حاجة الإنسان الضرورية من الأكل بأن يكون هناك من يبيع طعاما والكسوة الضرورية وأن يكون هناك أهل حرف يحتاج إليهم كثيرا. وأيضا ويأيده ما فى المضمرات فى تعريف المصر هوأن يعيش كل محترف بحرفته من سنة إلى سنة من غير أن يحتاج إلى حرفة أخرى'' (مجموعۃ الفتاوی مولانا عبدالحئی ۳/ ۶۲، امداد الفتاوی ۱/ ۶۲۴)۔

حضرات فقہاء نے مصر کی جتنی تعریفیں کی ہیں سب کا حاصل یہی ہے، چنانچہ امداد الفتاوی میں ہے کہ جس قدر تعریفیں فقہاء نے کی ہیں سب کا مرجع ومآل یہی ہے کہ سب عنوانات مختلف ہیں معنونِ واحد کے اور اس سے زیادہ جامع ومانع تعریف جس سے تحدید تام ہو جائے امور غیر مقدرہ فی النص میں خود امام صاحب کے مسلک کے خلاف ہے **''لأنه زيادة فى الدين''**۔

تعریف بالا سے ظاہر میں مستفاد ہوتا ہے کہ رقبہ کی کم متصل یعنی مقدار یا آبادی کی کم منفصل یعنی شمار پر اس کا مدار نہیں؛ بلکہ ہیئت آبادی اس کا معیار ہے (امداد الفتاوی ۱/ ۶۱۸)، یعنی آبادی کی لمبائی چوڑائی مردم شماری پر مصریت موقوف نہیں، بلکہ مصریت تحقق آبادی کے محل وقوع اور ہیئت سے ہوگا اور اس کے علاوہ بقیہ جو چیزیں مصر کی تعریف میں بیان کی جاتی ہیں وہ رسم اور علامت کی قبیل سے ہیں اور اس میں بھی بعض شرائط یعنی حاکم، قاضی کا وجود مصریت کے لئے نہیں بلکہ انتظامی ہے، **''كما فى الهداية: لأنه تقام لجمع عظيم وقد تقع المنازعة الخ''** روایت اولی سے معلوم ہوا کہ شرط وجود سلطان لذاتہ نہیں بلکہ بحکمت سد فتنہ کے ہے (امداد الاحکام ۱/ ۴۴۳)۔

بعض حضرات نے مصرِ جامع سے قریۂ کبیرہ مراد لیا ہے اور وہ قریۃ صغیرۃ وقریۃ کبیرۃ کی بنیاد پر مصریت کی تشریح کرتے ہیں، اس تعریف میں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ آبادی کی کوئی متعین تعداد مصریت کی تحدید نہیں کرتی ہے، بلکہ بالعموم تین چار ہزار کی آبادی والی بستیاں بھی قریۃ کبیرہ کا حکم رکھتی ہیں، جہاں جمعہ جائز ہوگا، چنانچہ فتاوی دارالعلوم میں ایک استفسار کے جواب میں جس میں تخمینہ آبادی صرف دو ہزار ہے لکھا گیا ہے کہ موضع مذکور فی السوال بظاہر بڑا قریہ ہے وہاں جمعہ صحیح ہوجاوے گا (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۵/ ۵۸)۔

بعض فتاوی کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے اکابرین نے اس بات کا بھی لحاظ رکھا ہے کہ وہ آبادی وہاں کے لوگوں کی نظر میں قصبہ یا بڑی آبادی کے طور پر مشہور ہے یا نہیں، پھر اس میں شہریت والی باتیں پائی جاتی ہیں یا نہیں، یعنی روزمرہ کا سامان زندگی مل جاتا ہے کہ نہیں، اگر یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں تو وہ بھی قریہ کبیرہ کے حکم میں ہی ہے اور وہاں جمعہ جائز ہے، اس سے مصریت کی تعریف میں مزید توسیع ہوجاتی ہے اور عموماً کسی بھی آبادی پر اگر ان چیزوں کا اطلاق ہوتا ہے تو وہ قریہ کبیرہ کے حکم میں ہوکر جواز جمعہ کا مقام بن سکتی ہیں۔

اگر کسی بستی کی بابت یہ مشہور ہو کہ وہ بڑا گاؤں ہے، اگرچہ اس کی آبادی مختصر ہے تب بھی اس میں نماز جمعہ کو جائز قرار دیا گیا ہے، چنانچہ فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے: ایک بستی جس کو لوگ بڑا گاؤں مانتے چلے آرہے ہیں اور آبادی اس کی صرف ۱۲۵۴ ہے، تب بھی مفتیان دیوبند نے وہاں نماز جمعہ کو جائز ٹھہرایا ہے اور اجازت دی ہے (۵/ ۹۵۴)۔

اوپر ذکر کی گئی تفصیلات سے بخوبی یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مصر کی تعبیر وتشریح میں ہر دور میں علماء کے درمیان آراء کا اختلاف رہا ہے، اپنے اپنے زمانہ کی ضرورتوں کے اعتبار سے انہوں نے اس کی مراد متعین کی ہے اور اسی کے موافق فتوی جاری کیا ہے۔

اس ضمن میں اگر مصر کی تعریف کچھ اس طرح کی جائے کہ ایسی آبادی جس میں روزمرہ کی ضروریات زندگی کا سامان دستیاب ہو اور وہاں اس کے لئے دوکانیں موجود ہوں، لوگ اس کو قریہ کبیرہ سمجھتے ہوں، اس معنی کر کہ وہاں زندگی گزارنا آسان ہے، آبادی بھی دو تین ہزار کے قریب ہو یا اس سے کم ہو لیکن ضروریات زندگی دستیاب ہوں تو یہ مناسب تعریف ہوگی اور اس کو مصریت کے دائرہ میں لانے سے کافی وسعت پیدا ہوسکتی ہے اور نماز جمعہ جو کہ اس وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، اس کے لئے ضابطوں کی گنجائش پیدا کی جاسکتی ہے، لہذا ایسی بستی میں قیام جمعہ شرعاً جائز ودرست ہوگا، کیونکہ ارباب افتاء کے نزدیک جو بات بالعموم پائی جاتی ہے وہ یہی ہے کہ شہریت کی تفصیل میں جو امور ذکر کئے جاتے ہیں وہ امارات وعلامات کی قبیل سے ہیں، جس کے لئے ان میں سے ہر ایک کا پایا جانا ضروری نہیں، فی الجملہ ان علامات کا پایا جانا بھی کافی ہے اور یہ بھی

کہ آبادی کا اتنا معیار کافی ہے جس کی بناء پر اس بستی کو قریہ کبیرہ کہا جا سکے، بھلے ہی وہ دو ہزار کے قریب ہو، اس لئے کہ آبادی کے تناسب میں عرف تبدیل ہوتا رہتا ہے جیسا کہ بعض مثالیں ذکر کی گئی ہیں۔

البتہ فقہاء کے نزدیک جو مفہوم مصر کا راجح ہے وہ یہ ہے کہ اگر اس جگہ کے تمام لوگ وہاں کی بڑی مسجد میں جمع ہو جائیں تو مسجد ناکافی ہو جائے:

"**المصر وهو مالا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها وعليه فتوى أكثر الفقهاء**" (ردالمحتار:۲/۱۴۸)، "**وفي رواية قال :إذا اجتمع في قرية من لا يسعهم مسجد واحد بنى لهم الإمام جامعا و نصب لهم من يصلي بهم الجمعة**" (بدائع الصنائع ۱/ ۵۸۴)۔

نیز کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعہ میں صراحت کی گئی ہے کہ فقہاء احناف کا عمل اسی پر ہے:

"**ولهذا جرى محققي الحنفية على أن المصر هو ماكان أكبر مسجد فيه لا يسع أهله الذين تجب عليهم الصلوة**" (۱/ ۳۸۵)۔

بہر کیف مصر کی کوئی ایسی جامع و مانع تعریف جس سے مصر اور قریہ کے درمیان ایسا فرق ہو جائے کہ کسی قسم کا اشتباہ باقی نہ رہے یہ ممکن نہیں، اس لئے کہ شریعت کی طرف سے کوئی ایسی تحدید نہیں کی گئی ہے کہ جس سے مصر اور قریہ کے درمیان فرق واضح ہو جائے البتہ جو تفصیلات اوپر ذکر کی گئی ہیں ان کی روشنی میں مصر کا دائرہ وسیع تر ہو سکتا ہے اور قیام جمعہ کی شکل نکل سکتی ہے۔

۲- آج کے دور میں طرح طرح کے فتنے ہر چہار سو پھیلے ہوئے ہیں، نت نئے مسائل کا امت کو سامنا ہے، اچھے خاصے تعلیم یافتہ مسلمان بھی پروپیگنڈوں کا شکار ہوتے نظر آرہے ہیں تو عوام کا کیا کہنا، ایسے میں جمعہ کے قیام کی سہولت بہت سی مشکلات کا حل بن سکتی ہے اور عوام وخواص کے لئے جمعہ کی جو برکات ہیں ان کے اثرات دکھائی دیتے ہیں، اس لئے کوشش ہونی چاہئے کہ جہاں ممکن ہو وہاں قیام جمعہ کی کوشش کی جائے اور نماز سے قبل وعظ ونصیحت کا سلسلہ قائم کیا جائے کیونکہ عوام الناس کا جمعہ میں اہتمام زیادہ ہوتا ہے۔

قیام جمعہ کی اہمیت یقیناً بہت ہے، البتہ ہمیں حکم شریعت اور اس کا نقطہ نظر بھی دیکھنا ہے کہ شریعت کیا کہتی ہے، چنانچہ ایسی آبادی جو کم ہو یا زیادہ، جماعت کا باقاعدہ نظم ہو یا نہ ہو، آبادی مستقل ہو یا نہ ہو اگر مذکورہ بالا تفصیلات کے مطابق وہاں مصریت پائی جاتی ہے، یعنی آبادی اتنی ہو کہ بڑی مسجد میں نہ سما سکے، لوگ اس کو بڑا گاؤں سمجھتے ہوں، روزمرہ کی ضروریات زندگی وہاں دستیاب ہوں تو اس جگہ شرعاً قیام جمعہ جائز ودرست ہے، اور کوشش ہونی چاہئے کہ ایسی بستیوں میں نہ صرف اجازت دی جائے بلکہ اس کے لئے کوشش بھی کی جائے، البتہ اگر اس بستی پر یہ تعریف صادق نہیں آتی ہے تو پھر اس جگہ نماز

جمعہ کا قیام احناف کے مسلک کے مطابق درست قرار نہیں پائے گا، بلکہ وہاں کے مسلمان جمعہ کے دن بھی نماز ظہر اداء کریں گے، البتہ جمعہ کے طرز پر ہی نماز سے قبل وعظ ونصیحت کا اہتمام والزام کرلیں، ممکن ہے کچھ تدارک ہوجائے۔

۳- مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے متعدد فتاویٰ میں ان دیہات وگاؤں میں جہاں جمعہ ہوتا ہو، اس کو روکنے وبند کرنے سے منع فرمایا، اور اس کی وجہ فساد ذکر کی ہے، یہ فساد ماحول کا بھی ہوسکتا ہے اور فکر وعقیدہ کا بھی (کفایت المفتی ۳/ ۲۲۷)۔

البتہ صرف اس غرض سے کہ مسلمان آبادی دین اسلام پر باقی رہے یا ہفتہ واری تربیت کا ان کو موقع ملتا رہے صرف اس غرض سے قیام جمعہ کی اجازت ہر مسلم بستی میں نہیں دی جاسکتی ہے کہ چاہے وہاں مذکورہ بالا نوعیت پر بھی مصریت پائی جاتی ہو کہ نہ پائی جاتی ہو، اس لئے کہ مصر کی قید خود حضور اکرم ﷺ نے قائم فرمائی اور اس کو بلا ضرورت شدیدہ کے ختم نہیں کیا جاسکتا ہے، اس لئے ہر چھوٹی بڑی بستی میں علی الاطلاق قیام جمعہ کی اجازت صرف اس بنیاد پر دینا شرعاً درست نہیں، ہاں اگر خدا نخواستہ ملک میں ایسے حالات ہی پیدا ہوجائیں کہ اس کے سوا کوئی دوسری شکل باقی یا کارگر نہ ہورہی تو اس سلسلہ میں غور کیا جاسکتا ہے۔

ظاہر ہے مسلمانوں کی ابتر صورتحال کا یہ پہلا موقع نہیں ہے، بلکہ ہر دور میں اس قسم کی ضرورت پیش آتی رہی ہوگی، لیکن علی الاطلاق کبھی دیگر نمازوں کی طرح علماء کرام نے قیام جمعہ کو ہر جگہ جائز قرار نہیں دیا، بلکہ جہاں تک ممکن ہوا مصر کی تعریف میں وسعت پیدا کرکے اجازت دی، تاکہ حدیث کے خلاف نہ ہوجائے، چنانچہ اس ضمن میں بعض فتاوی سے رہنمائی ملتی ہے۔

امداد الفتاوی میں بعض مصالح کی بنیاد پر دیہات میں جمعہ سے متعلق استفسار کا جواب اس طرح دیا گیا ہے:

"روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے مجتہد کے قول پر عمل کرنا یا تو اس وقت جائز ہے جب اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آوے اور یا موضع ضرورت میں جائز ہے اور ظاہر ہے کہ جمعہ میں نہ تو کوئی ضرورت ہے اور جو مصلحتیں لکھی ہیں یہ حد ضرورت کو نہیں پہنچتیں، کیوں کہ ضرورت کی حقیقت یہ ہے کہ بدون اس کے کوئی ضرر لاحق ہونے لگے، اور ضرر سے مراد حرج اور تنگی اور مشقت ہے، سو یہ امور متحقق نہیں اور جمعہ پڑھنے سے اپنے مذہب کے چند مکروہات کا ارتکاب بھی لازم آتا ہے، اول نفل کی جماعت، دوم نوافل نہار میں جہر، سوم غیر لازم کا التزام، چہارم ترک جماعت فرض ظہر، پنجم اگر کوئی ظہر نہ پڑھے تو ترک فریضہ کہ حرام اور فسق ہے اور یہ معلوم ہے کہ مصر شرائط جواز جمعہ سے ہے، شرائط وجوب سے نہیں، پس یہ احتمال بھی دفع ہوگیا کہ اگر واجب نہیں تو جائز تو ہوجاوے گا، لہذا صورت مسئولہ میں جمعہ پڑھنا حنفیہ کے نزدیک ممنوع اور ناجائز ہے (امداد الفتاوی ۱/ ۴۵۱)۔

ایک دوسرے فتوی میں حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

''جمعہ فی القری میں شافعیہ کے مسلک پر عمل کرنے کے وقت تلفیق کا ظن غالب ہے، لہذا نہ تو حنفیہ کے مطابق نماز صحیح ہوگی، نہ شافعیہ کے نزدیک'' (امداد الفتاوی ۱/ ۶۸۹)۔

ہاں اگر اس صورت کے سوا اور کوئی چارہ کار باقی نہ رہے اور متعین ہو جائے کہ جمعہ کی نماز ہی اصلاح کی شکل بچتی ہے تو پھر یہ مجتہد فیہ مسئلہ ہوگا اور اس کے سلسلہ میں اجازت عام دی جاسکتی ہے، چونکہ جمعہ کی شرائط دلائل ظنیہ سے ہیں اور قاعدہ ہے کہ جہاں ظنّیت ہوتی ہے حکم میں تخفیف بھی پیدا ہوتی اور اختلاف بھی حکم میں تخفیف کا ذریعہ بن جاتا ہے، اب چونکہ فقہاء کے مابین قیام جمعہ کی شرط مصریت میں اختلاف ہے اور خود احناف کے یہاں تطبیق و تفصیل میں اختلاف و وسعت ہے، ادھر عوام الناس کا انتہائی بے دینی کے ماحول میں بھی جمعہ کا وہ اہتمام کہ اسی کی بدولت ان کا مسجد سے رشتہ و تعلق، ہفتہ میں ایک ہی دن کا سہی، پر وابسطہ تو ہے، اس کی وجہ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کم از کم ہر ایسے گاؤں میں جہاں مسلمانوں کی ایک مناسب آبادی ہو اور اس اختلاف رائے سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہو تو تخفیف پیدا کر کے جمعہ کی اجازت دیدی جائے، اگر چہ اس کا حکم عام نہیں ہوگا کہ ہر جگہ ہی قیام جمعہ جائز قرار پائے۔

☆☆☆

جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط موجودہ حالات کے پس منظر میں

مولانا جلال الدین چودھری☆

۱- علماء احناف کے نزدیک نماز جمعہ صحیح ہونے کے لئے مصر ہونا شرط ہے، اس بات پر فقہاء احناف متفق ہیں، لیکن نصوص شرعیہ سے مصر کا مفہوم اور مطلب واضح نہیں، اس لئے فقہاء کرام کے اس پر مختلف اقوال ہیں، بعض نے علامات سے مصر شناخت کرنے کی کوشش کی ہیں اور بعض نے تعریف کلی پیش کرنے کی کوششیں کی ہیں، اس کے متعلق جتنے اقوال ملتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱-امام ابویوسفؒ سے مروی ہے: "**هو كل موضع يكون فيه كل محترف ويوجد فيه جميع ما يحتاج إليه الناس من معايشهم عادة وبه قاضي يقيم الحدود**"(عمدۃ القاری ۶/ ۲۳)۔

"**وقد قال بعض مشائخنا رحمه الله تعالى أن يتمكن كل صانع أن يعيش بصنعته وفيه لا يحتاج فيه إلى التحول إلى صنعة أخرى**"(المبسوط ۲/ ۲۳)۔

۲-امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے: "**أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر على انصاف المظلوم من الظالم والناس يرجعون إليه في الحوادث وهو الأصح**"(تحفۃ الفقہاء ۱/ ۱۶۲، بدائع الصنائع ۱/ ۲۶۰)۔

۳-امام محمدؒ سے مروی ہے "**موضع مصره الإمام فهو مصر حتى أنه لوبعث إلى القرية نائبا لإقامة الحدود والقصاص قصير مصرا، فإذا عزله ودعاه بالحق بالقرى**"(عمدۃ القاری ۶/ ۲۶۱)۔

۴-"**والفصل في ذلك أن مكة والمدينة مصران تقام بهما الجمعة من زمنه عليه الصلاة والسلام اليوم لكل موضع مثل أحدهما فهو مصر**"(غنیۃ المستملی المعروف بالحلبی الکبیری/ ۴۸۴)۔

۵-امام ابوحنیفہؒ سے ہی مروی ہے:"**كل موضع بلغت أبنيته أبنية منى وفيه مفتى وقاض يقيم**

☆ دارالحدیث، جامیرا، آسام۔

الحدود وينفذ الأحكام فهو مصر جامع"(عمدۃ القاری)۔

۶-"**وظاهر المذهب فی بيان حد المصر الجامع أن يكون فيه سلطان أو قاضی لإقامة الحدود وتنفيذ الأحكام**"(المبسوط ۲/ ۲۳)۔

۷-"**وقيل: إذا بلغ سكانه عشرة الآف**"(عمدۃ القاری ۶/ ۲۷۱)۔

۸-"**إذحكی فی جامع الرموز عن المضمرات قول ألف رجل أيضا**"(حاشیۃ کوکب الدری ۱/ ۱۹۹)۔

۹-"**وقيل ما فيه أربعة آلاف رجال**"(کوکب الدری ۱/ ۱۹۹)۔

۱۰-"**المصر الجامع ما يعد الناس مصرا عند ذكر الأمصار المطلقة**"(بدائع الصنائع ۱/ ۲۶۰)۔

۱۱-"**المصر وهو مالايسع أكبر مساجده أهله المكلفين فيه**"(الدر المختار مع رد المحتار ۳/ ۶۰۷)۔

وہ سب تعریفیں مصر کے حد کے لئے کافی نہیں ہیں، جو پوری امصار پر صادق آئے، بلکہ یہ علامات ہیں اور اس سے مصر کی پوری واقفیت نہیں ہو رہی ہے، کیونکہ یہ تعریفیں اس زمانے کے مطابق پیش کی گئی ہیں، اس وقت کے شہروں کے یہ ہی حالات تھے، لیکن ہمیشہ یہ تعریفیں صادق نہیں ہوں گی، "**كما فی كوكب الدری: وحاصله إدارة الأمر على رأی أهل كل زمان فی عدهم المعمورة مصرا**"(کوکب الدری ۱/ ۴۳)۔

اس لئے فقہاء کرام اور محدثین نے فرمایا کہ مصر کی تعریف کا مدار عرف پر ہے، اگر عرف میں کسی بستی کو شہر یا قصبہ سمجھا جاتا ہے، وہاں نماز جمعہ جائز ہوگی، ورنہ نہیں، ہمارے وطن عزیز ہندوستان میں اسی بستی کو شہر تسلیم کیا جاتا ہے جو حکومت کے سرکاری دستاویز کے مطابق اور قانون قیود میں شہر شمار کیا جاتا ہے، اس لئے ۲۰۱۱ء کی مردم شماری میں شہر اور گاؤں کی جو تعریفیں پیش کی گئی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

ٹاؤن/اربن علاقہ (Town/Urban):

میونسپلٹی کارپوریشن، کنٹونمنٹ بورڈ، یا نوٹیفائیڈ ٹرم ایریا کمیٹی والی تمام جگہوں کو قصبہ سمجھا جاتا ہے اور اسے قانونی شہر کہا جاتا ہے:

(All places with a municipality corporation, cantonment board or notified town area committee, etc are treated as town. This is also known as statutory town).

مردم شماری شہر (Census Town):

۲۰۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق کسی بستی کو شہر قرار دیا جاتا ہے اگر اس کی آبادی کم از کم ۵۰۰۰ ہو، کم از کم ۷۵ فیصد مرد کام کرنے والی آبادی غیر زرعی کاموں میں مصروف ہو، آبادی کی کثافت کم از کم ۴۰۰ افراد فی مربع کیلومیٹر ہے، اسے مردم شماری کا شہر بھی کہا جاتا ہے۔

(A habitation is declared Urban if it has a minimum population of 5000; at least 75% of the male working population is engaged in non-agricultural pursuits; and the population density is at least 400 persons per sq.km. This is also called Census town).

نگر یا بڑے شہر (City):

ایک لاکھ یا اس سے زیادہ کی آبادی والے قانونی شہر کو بڑے شہر یا سٹی کہا جاتا ہے:

(Statutory towns with population of one lakh and above are called as city)

میونسپلٹی (Municipality)

مردم شماری کے مطابق، میونسپلٹی ایک شہری مقامی ادارہ ہے جو ایک ایسے شہر کا انتظام کرتا ہے جس کی کم از کم آبادی ۱۰۰۰۰۰ لیکن ۱۰۰۰۰۰۰ سے کم ہو۔

(Municipality is an Urban local body that administers a city with a minimum population of 100,000 but less than 1000,000).

گاؤں (Village):

گاؤں ایک چھوٹی سی بستی ہے جو عام طور پر عام دیہاتی ماحول میں پائی جاتی ہے، کچھ جغرافیہ دان خاص طور پر ایک گاؤں کی تعریف کرتے ہیں جس کی آبادی ۵۰۰ سے ۲۵۰۰ کے درمیان ہو (مستفاد من ۲۰۱۱ء کی مردم شماری)۔

(A village is small sttlement usually found in a rural setting. Some gegraphers specially define a village as having between 500 and 3500 in habitants)

اس مردم شماری کے مطابق ہندوستان میں کسی بستی کو شہر اور گاؤں اور دوسرے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اس لئے اس عرف کی بناء پر اگر کسی موضع کو صحت جمعہ کی شرط مصر کو اطلاق کیا جائے تو ایسے بہت سے بستیوں کو قریہ کہنا پڑے گا جو شہر ہے اور شہر کو قریہ کہنا پڑے گا، اس لئے موجودہ حالات کے پس منظر میں کسی ایک تعریف کو متعین کیا جائے جو شہر کی تعریف میں جامع ہو اور وسعت کو شامل ہو۔

دوسرے طرف پورے ہندوستان کو سیاست اور جغرافیہ کے حیثیت سے تقسیم کیا گیا، جیسے پورے ملک کے مختلف صوبہ، ضلع، سب ضلع، بلاک، گاؤں، پنچایت اور وارڈ میں تقسیم کی گئی ہیں، سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی کی وجہ سے اسباب ضروریات کی مہیا اور سہولیات آسان ہو گئے، آج اپنی رہائش گاہ سے سب کچھ ملنے کی سہولت سامنے آچکی ہے، پرانے زمانے میں جو شہر میں ملتا تھا آج وہ گاؤں میں ملتا ہے، ہمارے پورے شمال مشرقی ہند کی جنگلات میں بازار اور اسباب ضروریات کی سہولیت بہت وسیع طرح پایا جاتا ہے، بسا اوقات جو شہر میں ملتے ہی نہیں، اس لئے سماجی سائنس دانوں نے پورے دنیا کو گلوبلائیزیشن (Globalization) کے اثر سے ایک گاؤں تسلیم کر رہے ہیں، دوسری طرف اسواق کی جو بات فقہاء کی تصریحات میں ہے اگر اس کی تعریف علم اقتصاد کے حوالے سے کیا جائے تو پورے ہندوستان کو بازار اور متصل بازار ماننا پڑے گا، عدل اور انصاف کے لئے عدالتی نظام پورے ہندوستان میں قائم ہو چکے ہیں، ہر ہر ضلع میں عدالتیں قائم ہیں، اور حکمرانی نظام گاؤں تک بچھے ہوئے ہیں۔

فقہاء کرام نے صحت جمعہ کے لئے مصر کی جو شرط لگائی ہے اس کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ سارے فقہاء احناف شرط مصر پر متفق ہیں، ان باتوں پر غور وفکر کے بعد احقر کو یہ محسوس ہوا کہ حضرت امام ابو یوسفؒ سے منقول جو تعریف ہے اس کو قبول کیا جائے، اس لئے کہ اس میں وسعت ہے اور وہ یہ ہے:

"**المصر وهو مالايسع أكبر مساجده أهله المكلفين فيه**" (الدرالمختار)۔

قریب قریب معانی میں مختلف الفاظ کے ساتھ تعریف منقول ہیں، اس تعریف کو نقل کرتے ہوئے علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں: "**وعليه فتوى أكثر الفقهاء ومجتبى لظهور التوانى فى الأحكام**" (الدرالمختار ۳/۵)۔

علامہ شامیؒ نے طحطاوی سے تنقیدی آراء نقل کرتے ہوئے اس کی وہ عبارت پیش کی ہے: "**هذا يصدق على كثير من القرى**"، یہ قول تعریف مذکور کی وسعت کو حامل ہونے پر دلالت کرتا ہے، معاصر علماء میں سے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے "جدید فقہی مسائل" میں اس تعریف کو اختیار کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ آراء وخیالات کے ان اختلافات سے فائدہ اٹھا کر شہر کے مفہوم میں جس قدر توسع

ممکن ہو پیدا کی جائے کہ جمعہ محض ایک عبادت ہی نہیں، بلکہ تذکیر ودعوت بھی ہے، مسلمانوں کی اجتماعیت کا اظہار بھی ہے اور اسلام کا ایک شعار بھی، فقہاء نے اس قول کو ترجیح دیا ہے کہ جس جگہ کے تمام لوگ اگر وہاں کی بڑی مسجد میں جمع ہوجائیں تو وہ مسجد ناکافی ہوجائے، اس آبادی پر شہر کا اطلاق ہوگا، یہ قول ایسا ہے کہ اس سے مصر کا دائرہ وسیع ہوجاتا ہے، لہذا مناسب ہے کہ اس قول پر فتوی دیا جائے'' (جدید فقہی مسائل ۱/ ۱۶۸)۔

حضرت ابوعبداللہ بلخیؒ نے اس تعریف کو بہتر کہا ہے اور وہ فرماتے ہیں:''**أحسن ماقيل فيه إذا كانوا بحال لواجتمعوا في أكبر مساجدهم لم يسعهم ذلك حتى احتاجوا إلى بناء مسجد الجمعه فهذا مصر تقام فيه الجمعة**'' (بدائع الصنائع ۱/ ۵۴۸، مبسوط ۴/ ۲۳)۔

علامہ تمرتاشیؒ نے اس پر اکثر فقہاء کا فتوی نقل کیا ہے، جو پہلے گزر چکا ہے۔

۲- صحت جمعہ کا مدار ہر ایک آبادی کی صلاحیت اور عدم صلاحیت پر ہے، اگر کسی آبادی میں صحت جمعہ کے شرائط پائے جائیں تو جمعہ صحیح ہے ورنہ نہیں، اس پر اگر مصر یا قریہ کبیرہ کا اطلاق ہو تو وہاں صلاۃ جمعہ جائز ہوگی، نماز جمعہ کے لئے مسجد کی شرط نہیں، اگر مسجد جامع ہو تو وہاں افضل ہے، ورنہ دوسرے کسی جگہ پر جمعہ پڑھی جاتی ہے، اگر کسی جگہ پر مصر یا قریہ کبیرہ کا اطلاق نہ ہو اور وہ قریہ صغیرہ ہے اس پر نماز جمعہ جائز نہیں، جیسا کہ شامی میں ہے:''**لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاضي (إلى قوله) ألاترى أن في الجواهر: لوصلوا في القرى لزمهم أداء الظهر الخ**'' (ردالمحتار ۳/ ۷)۔

''**أما شروط الأداء فستة أيضا: الشرط الأول: المصر أو فناؤه، فلا تجوز في القرى عندنا**'' (غنیۃ المستملی/ ۵۴۹)۔

''**وعبارة القهستاني: تقع فرضا في القصبات، والقرى الكبيرة التي فيها أسواق**'' (ردالمحتار ۳/ ۵، ۶)۔

آبادی کی دو حیثیت ہوتی ہے جس کو امداد الفتاوی سے مولانا تیسیر احمد قاسمی نے فتاوی قاسمیہ میں نقل کیا ہے:

۱- کمیت آبادی یعنی مردم شماری کے اعتبار سے جس آبادی میں بسنے والے افراد کی تعداد تین ہزار یا اس سے اوپر ہو تو اس کو بڑا گاؤں کہا جائے گا، اس میں جمعہ جائز نہیں۔

۲- حیثیت آبادی یعنی اگر مردم شماری کے اعتبار سے کسی آبادی میں لوگوں کی تعداد کم ہو، لیکن شرعی اعتبار سے اس پر مصر کا اطلاق ہوتا ہے تو ایسی جگہ پر حیثیت آبادی کی وجہ سے جمعہ جائز ہے، جیسا کہ ردالمحتار میں القہستانی کی وہ عبارت جو پہلے مذکور ہے وہ اس پر شاہد ہے۔

اگر مسلمانوں کی کسی باقاعدہ آبادی ان دونوں میں سے کسی حیثیت سے صلاحیت رکھے تو اس میں صلاۃ جمعہ جائز

ہے، اور جس آبادی میں ان دونوں حیثیت سے مصر اور اس کے آثار نہیں ہیں تو ایسے آبادی میں جمعہ جائز نہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

۳- جمعہ کی اہمیت اور اس کی خصوصیت عام نمازوں سے کہیں بڑھ کر ہے، اسی وجہ سے اقامت جمعہ کے لئے فقہاء کرام نے متعدد شرائط ذکر کی ہیں، جیسا کہ بدائع الصنائع میں ہے:

"**ولأن الجمعة من أعظم الشعائر، فتختص بمكان إظهار الشعائر وهو مصر**"(بدائع الصنائع ۲۵۹/۱)۔

فقہاء احناف کے نزدیک اقامت جمعہ کے لئے مصر یا قریہ کبیرہ ہونا شرط ہے اور قریۃ صغیرۃ میں جمعہ جائز نہیں، علاوہ ازیں تمام مذاہب میں جمعہ ہر جگہ عموم کے ساتھ ہونے پر کسی سے منقول نہیں، شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں تحریر کیا ہے کہ حضرات صحابہ کرام نے جب بلاد عرب وعجم کو فتح کیا تو کہیں منقول نہیں کہ کسی گاؤں میں کوئی جامع مسجد بنائی ہو یا منبر قائم کیا ہو، بلکہ یہ کام صرف شہروں کے ساتھ مخصوص رکھا ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات بھی اس پر متفق تھے کہ آداء جمعہ کے لئے مصر شرط ہے، حنفیہ کی تمام کتب متون، شروح اور فتاوی میں جمعہ کے لئے مصر یا قریہ کبیرہ کو شرط قرار دی گئی ہے اور چھوٹے گاؤں میں جمعہ کو ناجائز قرار دیا ہے، کسی سے چھوٹے گاؤں میں جمعہ کا جواز کے قول منقول نہیں، گرچہ دوسروں میں یہ شرط نہیں ہے، اس کے باوجود مذہب غیر پر عمل نہیں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ ضرورت شدیدہ میں مذہب غیر پر فتوی کی گنجائش ہے، لیکن کسی فقیہ نے اس مسئلہ میں دوسرے مذہب کے مطابق عمل کرنے کا ذکر نہیں کیا ہے، اور اسے تلفیق کی وہ صورت درپیش ہوتی ہے جو باجماع باطل ہے، حنفی مذہب میں گاؤں میں جمعہ کے جواز کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ امام مسلمین جمعہ پڑھنے کا حکم دیں اور یہ صورت ہمارے مسلک میں نہیں ہے:

"**وفي القهستاني: إذن الحاكم ببناء الجامع في الرستاق أذن بالجمعة اتفاقا على ماله قاله السرخسي وإذا اتصل به الحاكم صار مجمعاعليه فليحفظ**"(الدرالمختار ۱۳۸/۲)۔

موجودہ زمانہ میں فتنہ ارتداد خاص طور پر ذہنی ارتداد مسلمانوں کے درمیان بے حد بڑھتا جارہا ہے، جہالت اور بے علمی کی وجہ سے عام طبقات اس فتنہ کے شکار ہیں، عیسائی مشنریز اور اسلام مخالف طاقتیں اپنے اپنے دھرم کی دعوت بے حد حکمت کے ساتھ دے رہے ہیں، ان حالات میں فتنہ ارتداد سے مسلمانوں کے ایمان واعمال کی حفاظت کرنا ایک اہم ذمہ داری ہے، اصول دین کا تحفظ عام ضروری مقاصد شریعت پر مقدم ہے، علامہ شاطبی اور برہان الدین مرغینانیؒ اس پر تحریر کرتے ہیں، جیسا کہ الموافقات میں ہے:

"ومجموع الضروريات خمسة وهي حفظ الدين والنفس والنسل والمال والعقل"(الموافقات ۲/۲۰)۔

اور ہدایہ میں ہے:**"إذا ارتد مسلم عن الإسلام والعياذ بالله عرض عليه الإسلام فإن كانت له لشبهة كشفت عنه"**(ہدایۃ اولین/ ۴۲۳)۔

لیکن تحفظ دین کا کام صرف جمعہ کے ساتھ خاص نہیں؛ بلکہ اس کے علاوہ اور بہت صورتیں اور ذرائع ہیں، ہر زمانہ میں جمعہ شعائر اسلام میں عظیم شعار تھا اور وہ ایسے موضع کے ساتھ خاص کر دیا گیا تھا جہاں شعائر کا اظہار ہو اور وہ مصر ہے، جمعہ کی جو حکمت بیان کی گئی وہ ہر زمانہ میں یکساں تھی اور آج بھی۔

"والخلاصة أن تكرار الوعظ والتذكير الدائم كل أسبوع له أثر واضح في إصلاح الفرد والجماعة"(الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۲/ ۲۳۵)۔

جمعہ کا خطبہ صرف وعظ نہیں، بلکہ یہ ذکر بھی ہے، اس وجہ سے علماء احناف خطبہ عربی زبان میں ہونے کے قول کو اختیار کرتے ہیں، خطبہ کے علاوہ جو دعوت وتبلیغ وعظ ونصیحت کا عمل آج رائج ہے وہ جمعہ کے نماز کا کوئی جز نہیں، گرچہ دو ایک روایت جو صحابہ سے مروی ہے وہ اتفاقی عمل ہے، اس بہانہ سے شرط مصر کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

کما فی روح المعانی:**"المفسدة إذا ترجحت على المصلحة اقتضت تحريم الفعل"**(روح المعانی ۲/ ۱۷۳)۔

وفی الأشباہ والنظائر:**"إذا كان فعل الإمام مبنيا على المصلحة فيما يتعلق بالأمور العامة لم ينفذ أمره شرعا إلا إذا وافقه، فإن خالفه لم ينفذ"** (الاشباہ والنظائر/ ۱۸۹، القاعدۃ الخامسۃ "تصرف الإمام علی الرعیۃ منوط بالمصلحۃ)۔

ان جزئیات پر غور وفکر کے بعد احقر کو محسوس ہوا کہ صحت جمعہ کی شرط مصر کے دائرہ کو وسعت دی جائے اور اس کے مطابق رائے اختیار کی جائے، کیونکہ شرط مصر پر علماء احناف کی متفقہ رائے ہے اور ان کے نزدیک قریۃ صغیرۃ میں جمعہ جائز نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆

قیام جمعہ کے لیے مصر ہونے کی شرط، موجودہ حالات کے پس منظر میں

مولانا محمد شفیق بڑودوی☆

جمعہ کی فرضیت کا ثبوت:

اللہ تعالیٰ کے احکام میں جمعہ کے دِن کا ایک اہم فریضہ نمازِ جمعہ ہے، اس کی فرضیت چاروں شرعی دلائل سے ثابت ہے، ارشادِ الٰہی ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ﴾ (سورۂ جمعہ:۹)۔

(اے ایمان والو! جب تمہیں پکارا جائے نماز کے لیے جمعہ کے دِن تو دوڑ پڑو اللہ کے ذکر کی طرف اور خرید و فروخت چھوڑ دو)۔

اس آیت کریمہ میں ''ذکر اللہ'' سے مراد خطبۂ جمعہ ہے، کیوں کہ اذانِ جمعہ کے بعد پہلا عمل جو حضور ﷺ فرماتے تھے وہ نمازِ جمعہ نہیں؛ بلکہ خطبۂ جمعہ تھا، نمازِ جمعہ خطبے کے بعد ادا فرماتے تھے۔

نیز حدیث پاک میں بھی خطبۂ جمعہ کو ''ذکر'' سے تعبیر فرمایا، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: '' فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ حَضَرَتْ الْمَلَائِكَةُ يَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ''(متفق علیہ، مشکوٰۃ:۱۲۲ / باب التنظیف والتکبیر)(.....پھر جب امام خطبۂ جمعہ شروع کرتا ہے تو فرشتے اپنے صحیفے لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ سننے لگتے ہیں)۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ ''ذکر'' کا ایک مطلب خطبۂ جمعہ بھی ہے، پس جب خطبہ جو شرط کا درجہ رکھتا ہے اس کے لیے سعی اور جدوجہد واجب ہے تو ظاہر ہے کہ جمعہ کی نماز بدرجۂ اولیٰ فرض ہوگی۔

پھر آیت کریمہ میں یہ حکم کہ اذان ہوتے ہی خطبۂ جمعہ و نمازِ جمعہ کے لیے سعی کرو، یہ بھی جمعہ کی فرضیت کو ظاہر کرتا ہے کہ اذان فرض نمازوں ہی کی خاصیت ہے (فتح الباری ۲ / ۴۵، قاموس الفقہ ۳ / ۲۲۱)۔

☆ دارالارشاد، بزم صدیقی، بڑودہ۔

مزید برآں ظہر کی نماز کا جمعہ کے دِن ساقط ہوجانا اور نمازِ جمعہ کا اس کی جگہ لے لینا بھی اس کی فرضیت کا صحیح ثبوت ہے، کیوں کہ ایک فرض اسی وقت ساقط ہوتا ہے جب کہ اس کی جگہ لینے والا فرض اس سے بھی زیادہ اہم ہو۔

علاوہ ازیں جمعہ کے فرض ہونے کی تائید بہ کثرت احادیث سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:" الْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ، إِلَّا عَلٰى أَرْبَعَةٍ، عَبْدٍ مَمْلُوكٍ، أَوْ امْرَأَةٍ، أَوْ صَبِيٍّ، أَوْ مَرِيضٍ "(أبوداود،مشکوٰۃ:۱۲۱ / باب وجوبھا)۔

(جمعہ حق (اور فرض) ہے، جو جماعت کے ساتھ ہر مسلمان پر واجب ہے، البتہ چار قسم کے لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں:

(۱) غلام جو کسی کی ملکیت میں ہو۔ (۲) عورت (۳) بچّہ (۴) مریض (ومعذور))۔

اور دار قطنی کی روایت میں مسافر کا بھی ذکر ہے:" أَوْ مُسَافِرٍ "(مشکوٰۃ:۲۲۱)۔

کتاب وسنّت کی ان ہی تصریحات کے سبب جمعہ کی فرضیت پر پوری اُمّت مسلمہ کا اجماع ہے۔ اور عملاً اس کا اس قدر اہتمام کیا جاتا ہے کہ مسلم معاشرے میں اِکّا دُکّا بے توفیق لوگوں کو چھوڑ کر تمام مسلمان پابندی کے ساتھ الحمدللہ نمازِ جمعہ ادا کرتے ہیں۔

جمعہ کی ادائیگی کی شرائط:

نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے لیے چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، اُن شرائط کے بغیر نمازِ جمعہ کی ادائیگی صحیح نہیں ہوگی، لیکن شرائط جمعہ کے سلسلے میں فقہاء کے درمیان کچھ اختلافات پائے جاتے ہیں، ہمارے علمائے احناف کے یہاں نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے لیے سات شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

۱-مصر (شہر یا قریۂ کبیرہ، جہاں عام ضرورت کی چیزیں دست یاب ہوں)۔

۲-سلطان (موجودہ حالات میں مساجد کی کمیٹیاں ومتولیان، اور جہاں یہ نہ ہوں وہاں علماء وصلحاء ہی سلطان کے قائم مقام ہیں، اور مقرّر امام مسجد یا معمولاً امامت کرنے والا شخص، یا وہ شخص جس کو مقتدی حضرات آگے بڑھا دیں جمعہ قائم کرنے کے لیے کافی ہے، کیوں کہ اصل مقصود امامت کے لیے نزاع سے بچنا ہے)(قاموس الفقہ:۵۲۱)۔

۳-وقت ظہر (جمعہ کی نماز چوں کہ ظہر کے قائم مقام ہے، اس لیے جو وقت نمازِ ظہر کا ہے وہی نمازِ جمعہ کا بھی ہے)۔

۴، ۵-(نمازِ جمعہ سے قبل دو خطبے دینا)۔

عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ؓ قَالَ:" كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ يَقْعُدُ بَيْنَهُمَا "(صحیح البخاری:۱ / ۷۲۱ / کتاب الجمعۃ / باب القعود بین الخطبتین یوم الجمعۃ)۔

وَعَنِ بْنِ عُمَرَؓ قَالَ:" كَانَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ يُصَلُّوْنَ الْعِيْدَ قَبْلَ الْخُطْبَةِ"(صحیح البخاری ۱۳۱/)۔

۶-(جماعت (ابوداؤد کی روایت میں اس کا ذکر گزر گیا، جہاں جمعہ جائز ہے وہاں امام صاحب کے نزدیک اِمام کے علاوہ تین مقتدیوں سے بھی جماعت دُرست ہے)۔

۷-(اِذنِ عام (اِذنِ عام سے مراد یہ ہے کہ مسجد کے دروازے عام لوگوں کے لیے کھلے ہوں، ائمہ ثلاثہ کے یہاں اِذنِ عام کی شرط نہیں ہے۔

ردالمحتار میں ہے:" وَيُشْتَرَطُ لِصِحَّتِهَا سَبْعَةُ أَشْيَاءَ : الْأَوَّلُ : الْمِصْرُ، الثَّانِي: السُّلْطَانُ، الثَّالِثُ: وَقْتُ الظُّهْرِ، الرَّابِعُ: الْخُطْبَةُ فِيْهِ، الْخَامِسُ: كَوْنُهَا قَبْلَهَا، السَّادِسُ: الجماعة، السَّابِعُ: الْإِذْنُ الْعَامُّ" (۵/۳، طبع زکریا)۔

جمعہ شہر یا بڑے دیہات ہی میں جائز ہے:

اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے صحیح ہونے کے لیے ایک اہم شرط احناف کے نزدیک ''مصر'' یعنی شہر کا ہونا ہے، اور اگر شہر نہ ہو تو کم از کم قصبہ یا بڑے دیہات کا ہونا ضروری ہے، چھوٹے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہے۔

☆احناف کی پہلی دلیل آیت کریمہ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ﴾(سورۂ جمعہ:۹)۔

طرزِ استدلال یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں کئی اشارات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحت جمعہ کے لیے یہ آیت مطلق نہیں؛ بلکہ مقید ہے اور کئی قیودات اور شرائط کے بعد جمعہ کا قیام صحیح ہوگا، مثلاً "الَّذِيْنَ "سے کم از کم تین آدمیوں کا ہونا معلوم ہوا، "إِذَا نُوْدِيَ "میں ایک اذان دینے والا شمار ہوا، پھر "يَوْمِ الْجُمُعَةِ "میں ایک معتد بہ اور قابل ذکر اجتماع کی طرف اشارہ ہے، پھر "فَاسْعَوْا "سے کم از کم تین آدمیوں کا ہونا معلوم ہوا، "إِلىٰ ذِكْرِ اللّٰهِ "سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ مسجد میں پہلے سے کوئی نہ کوئی ذکر کرنے والا موجود ہے، علاوہ ازیں "وَذَرُوْا "بھی جمع کا صیغہ ہے، جس سے کم از کم تین افراد مراد ہو سکتے ہیں، اور لفظ "الْبَيْعَ "ایسے بازار کی طرف اشارہ کرتا ہے جہاں چہل پہل ہو، ٹھیک ٹھاک بازار ہو اور تاجروں کو حکم دیا جارہا ہو کہ بازار بند کرلو، ان اشارات سے واضح ہوتا ہے کہ جمعہ شہر یا بڑے دیہات ہی میں جائز ہے۔

☆ائمۂ احناف کی دوسری دلیل بخاری شریف میں سیّدہ عائشہ سے مروی ایک روایت ہے:

عَنْ عَائِشَةَؓ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ:" كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُونَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ مَنَازِلِهِمْ وَالْعَوَالِيِّ، فَيَأْتُونَ فِي الْغُبَارِ، يُصِيبُهُمُ الْغُبَارُ وَالْعَرَقُ، فَيَخْرُجُ مِنْهُمُ الْعَرَقُ، فَأَتَى رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ إِنْسَانٌ مِنْهُمْ وَهُوَ عِنْدِي، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ:" لَوْ أَنَّكُمْ تَطَهَّرْتُمْ لِيَوْمِكُمْ هَذَا" (بخاری ۱/ ۴۸۹، باب الجمعۃ)۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ لوگ جمعہ کے دِن اپنے گھروں اور قریبی گاؤں سے پے در پے آتے، اُن کے پاؤں پر غبار جم جاتا.....الخ۔

اس حدیث پاک میں صراحت ہے کہ اہل قریہ، گاؤں اور دیہات کے لوگوں پر جمعہ نہیں ہے، ورنہ عوالیٔ مدینہ کے لوگ کبھی بھی باری باری نہ آتے، بلکہ فرض ہونے کی وجہ سے سب حاضر ہوجاتے اور حضور اکرم ﷺ کے پیچھے جمعہ پڑھتے، پھر واپس دیہاتوں میں چلے جاتے، جب کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لوگ مدینہ کے اطراف و دیہاتوں سے باری باری آتے تھے۔

☆علمائے احناف کی تیسری دلیل سیّدنا ابن عباسؓ کی وہ روایت ہے جس میں فرمایا کہ:

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ:" إِنَّ أَوَّلَ جُمُعَةٍ جُمِّعَتْ بَعْدَ جُمُعَةٍ فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي مَسْجِدِ عَبْدِ الْقَيْسِ بِجُوَاثٰى مِنَ الْبَحْرَيْنِ". (صحیح البخاری ۱/ ۱۲۲، أبوداؤد ۱/ ۴۵۳)۔

مسجد نبوی کے بعد اسلام میں اوّلین جمعہ بحرین کے شہر جواثٰی میں قائم ہوا تھا، یہ کوئی چھوٹی آبادی نہیں تھی؛ بلکہ بڑا ساحلی شہر تھا، جہاں مسلمانوں کو اجتماعیت حاصل تھی، یہ حدیث بھی اس بات پر واضح دلیل ہے کہ جمعہ ہر گاؤں اور بستی میں جائز ہوتا تو مدینہ طیبہ اور بحرین کے درمیان سینکڑوں گاؤں آباد تھے، اُن میں کیوں جمعہ قائم نہیں ہوا؟ صرف بحرین میں اس وقت جمعہ قائم ہوا جب سن ۸ ہجری میں یہ شہر اسلام کے جھنڈے کے نیچے آ گیا، سوچنے کا مقام ہے کہ اتنے لمبے عرصے میں اتنے سارے گاؤں میں اس فریضے کو صحابۂ کرام کے دور میں بلکہ عہد نبوی میں بھی کیوں نظر انداز کیا گیا؟ کیا اتنی طویل مدّت کے دوران کہیں اور جمعہ کا قیام نہ کیا جانا اس بات کو تقویت نہیں پہنچاتا کہ دیہات وقریہ جات میں جمعہ کا قیام نہیں ہوسکتا؟

☆ہمارے ائمہ کی چوتھی دلیل حضرت حذیفہؓ کی ایک مرسل روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

''عَن حُذَيْفَةَؓ قَالَ:" لَيْسَ عَلَى أَهْلِ الْقُرىٰ جُمُعَةٌ، إِنَّمَا الْجُمُعَةُ عَلىٰ أَهْلِ الْأَمْصَارِ، مِثْلِ الْمَدَائِنِ". (المصنف لابن أبی شیبۃ ۴/ ۴۶)۔

اس میں صراحت کے ساتھ ذکر ہے کہ اہل قریہ پر جمعہ نہیں ہے، جمعہ مدائن جیسے شہروں پر ہے، اسی طرح حضرت

علیؓ کا اثر بھی مشہور ہے:

''عَنْ عَلِيٍّؓ قَالَ:" لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيْقَ إِلَّا فِيْ مِصْرٍ جَامِعٍ ".(المصنف لابن أبي شيبة ۴ / ۴۵)۔

یعنی عیدین اور جمعہ کا قیام مصر جامع ہی میں ہوگا، ہر چھوٹی بستی اور دیہات میں جمعہ قائم نہیں ہوگا۔

۵-حضرات فقہاء احناف کی پانچویں مضبوط دلیل یہ بھی ہے کہ خود حضور ﷺ کا کسی چھوٹے سے گاؤں میں نمازِ جمعہ ادا کرنا یا اپنے اصحاب کو اس کی اجازت دینا ثابت نہیں ہے؛ بلکہ روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی طرف سے چھوٹے دیہاتوں میں جمعہ قائم نہ کرنے کا حکم تھا۔

"إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمْ يُصَلِّ الْجُمُعَةَ فِيْ الْقُرىٰ، وَلَمْ يَأْمُرْ بِهَا فِيْهَا، فَعُلِمَ بِهٰذَا إِنَّ الْقُرىٰ لَيْسَتْ مَحَلَّ إِقَامَةِ الْجُمُعَةِ"(بذل المجهود ۵ / ۶۳)۔

یہی وجہ ہے کہ جب آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے اور چودہ دِن قباء میں قیام فرمایا جو اس وقت مدینہ طیبہ کے قریب ایک گاؤں تھا، تو اگرچہ جمعہ کی فرضیت مکّہ مکرّمہ میں ہو چکی تھی پھر بھی آپ ﷺ نے قباء میں جمعہ کی نماز قائم نہیں فرمائی، حالانکہ وہاں جمعہ قائم کرنے میں کوئی اور رُکاوٹ نہیں تھی؛ بلکہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو وہاں جمعہ قائم فرمایا، اگر جمعہ چھوٹے گاؤں اور چھوٹی بستیوں میں جائز ہوتا تو کیا وجہ تھی کہ مدینہ طیبہ کے اِرد گرد آبادیوں میں نبی کریم ﷺ نے جمعہ قائم نہیں فرمایا؟ ان آبادیوں میں جمعہ قائم نہ فرمانا دلیل ہے کہ اِقامت جمعہ کے لیے بڑی آبادی شرط ہے۔

علاوہ ازیں حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ مدینہ طیبہ کے مسافر اور مکّہ معظّمہ کے غیر مسافر ہزاروں حجاج کے ساتھ عرفات میں عین جمعہ کے روز وقوف فرماتے ہیں اور جمعہ کے بجائے ظہر ادا فرماتے ہیں، کیوں کہ اس وقت عرفات، مزدلفہ اور منیٰ دیہات تھے، اور دیہات میں جمعہ قائم نہیں ہوتا، اسی لیے حضرات صحابۂ کرامؓ نے بھی عہد نبوی کے بعد ہزاروں شہر فتح کیے؛ لیکن جمعہ بعض بعض مقامات میں قائم کیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے چھتیس ہزار شہر فتح کیے؛ لیکن جمعہ صرف نو سو جامع مسجدوں میں قائم فرمایا، کیوں کہ جمعہ کے لیے مصر جامع ضروری ہے (مستفاد از توضیحات ۳ / ۱۸، قاموس الفقہ ۳ / ۷۲۱)۔

غالباً ان ہی وجوہات کے پیش نظر حضرات ائمۂ اربعہ نے بھی جمعہ کی ادائیگی کے لیے کچھ شرائط طے فرمائیں، شرائط کے بغیر سوائے غیر مقلدین کے کسی نے بھی جمعہ کی فرضیت کی بات نہیں کی ہے۔

امام مالکؒ نے فرمایا کہ کم سے کم ایسا گاؤں ہو جہاں مسجد یا بازار موجود ہو، خانہ بدوش جو کسی جگہ مقیم ہوں، اُن کی

تعداد کم ہو یا زیادہ، ان کے لیے جمعہ نہیں ہے، شوافع اور حنابلہ کا خیال ہے کہ ایسی آبادی ہو جس میں کم از کم چالیس عاقل و بالغ مرد آباد ہوں، اور مستقل طور پر اس آبادی میں سکونت اختیار کر چکے ہوں (قاموس الفقہ ۳ / ۵۲۱)۔

حالانکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ نمازِ جمعہ عام پنج وقتہ نمازوں کی طرح نہیں ہے، جسے کہیں بھی اور کبھی بھی ادا کیا جا سکتا ہو، دونوں میں کئی طرح کا فرق ہے، جیسا کہ ابوداؤد شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے (مشکوۃ: ۱۲۱)۔

مصر کی تعریف:

اب سوال یہ ہے کہ مصر کی تعریف کیا ہو سکتی ہے؟ شہر، قصبہ یا بڑا گاؤں کسے کہتے ہیں؟ کیوں کہ نصوص میں ''مصر'' کا مفہوم واضح طور پر بیان نہیں ہوا ہے، اسی وجہ سے خود ہمارے فقہائے احناف کے درمیان بھی ''مصر'' کے مفہوم کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، چنانچہ اس سلسلے میں متعدد اقوال ذکر کیے جاتے ہیں:

۱- امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ جہاں مفتی، امیر اور قاضی موجود ہوں، احکام وحدود قائم ہوں، یا کم از کم قائم کیے جا سکتے ہیں، اور اُس جگہ کے مکانات منیٰ کے برابر ہوں (فتاویٰ عالم گیری ۱ / ۵۴۱)، خلاصۃ الفتاویٰ میں اسی تعریف کو قابل اعتماد بتایا گیا ہے۔

۲- ''مصر'' کی دوسری تعریف یہ ہے کہ شہر وہ جگہ ہے جہاں پیشہ وخدمت کا آدمی موجود ہو، عام انسانی ضروریات کی چیزیں موجود ہوں، قاضی بھی موجود ہو جو اسلامی سزا بھی جاری کرتا (یا کر سکتا) ہو، امام ابو یوسفؒ کی یہی رائے ہے۔

۳- امام محمدؒ سے مروی ہے کہ امیر (عصر حاضر میں میونسی پالٹی کے ذمّے دار) جس کو شہر قرار دے وہ شہر ہے۔

۴- مصر کی ایک تعریف یہ ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں مکّہ و مدینہ کی جو کیفیت تھی اس کے مطابق جو جگہ ہو وہ شہر ہے۔

۵- حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے یہ تعریف کی ہے کہ ''مصر'' وہ ہوتا ہے جہاں کی مردُم شماری کے اعتبار سے کم وبیش تین ہزار آدمی رہتے ہوں۔

۶- مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ تین ہزار آدمیوں کے بجائے اگر ڈیڑھ ہزار بھی ہوں مگر ٹیلی فون موجود ہو، ڈاک خانہ موجود ہو، بچّوں کا اسکول موجود ہو، آٹا پیسنے کی مشین (چکّی) ہو، ضروری اشیاء خریدنے کے لیے دُکانیں ہوں، موچی، کمہار، بڑھئی، لوہار اور دھوبی موجود ہوں تو ایسے مقام پر جمعہ دُرست ہے۔

۷- عاجز کا خیالِ ناقص بھی یہی ہے کہ کسی بھی جگہ کے شہر، قصبہ یا بڑا گاؤں ہونے کا مدار لوگوں کے عرف پر ہے، جسے لوگ شہر کہیں وہ شہر ہے، اور جسے لوگ قصبہ یا بڑا دیہات سمجھیں وہ قصبہ یا بڑا دیہات ہے، ایسی جگہ بلاشبہ نمازِ جمعہ جائز ہے۔

اس لیے کہ موجودہ دور میں جو ترقّی ہوئی ہے اس کے تحت جو سہولتیں کسی زمانے میں چھوٹے موٹے شہروں میں میسّر ہوتی تھیں وہ اب بہت سے بڑے دیہاتوں میں بھی مہیّا ہوگئی ہیں، ایسے بڑے دیہاتوں میں جمعہ کے عدمِ قیام پر سختی مناسب نہیں ہے، البتہ جو واقعی چھوٹا سا گاؤں ہو وہاں جمعہ کا قیام دُرست نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

"وَتَقَعُ فَرْضًا فِیْ الْقَصْبَاتِ وَالْقُرٰی الْکَبِیْرَةِ الَّتِی فِیهَا أَسْوَاقٌ .وَفِیمَا ذَکَرْنَا إِشَارَةٌ إِلیٰ أَنَّهَا لَا تَجُوْزُ فِی الصَّغِیْرَةِ" (الشامی ۳ / ۷، زکریا)۔

کیا لوگوں کو دین سے وابستہ رکھنے کے لیے جمعہ فی القریٰ کی گنجائش ہوسکتی ہے؟

اس سلسلے میں ہمارے علماءِ عصر کے چار اقوال سامنے آئے:

۱- جہاں جمعہ کی شرائط نہیں پائی جاتیں وہاں جمعہ قائم کرنا آج بھی جائز نہیں۔

لہٰذا جو شخص اس جگہ جمعہ پڑھ لے تو اس سے وقت کا فریضہ ساقط نہیں ہوگا، اس کے ذمہ ظہر کی ادائیگی لازم ہوگی۔

جمہور علماءِ عصر اسی کے قائل ہیں۔

۲- جہاں جمعہ کی شرائط تو نہیں پائی جاتیں، لیکن ایک زمانے سے وہاں جمعہ قائم ہو رہا ہے، ایسی جگہوں میں بھی کسی حکمت عملی کے ساتھ اسے ختم کر کے نمازِ ظہر باجماعت کا اہتمام کیا جائے، کیوں کہ جہاں جمعہ جائز نہیں وہاں جمعہ بند کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

۳- شرائط کے تحقّق کے بغیر جن دیہاتوں میں ایک زمانے سے جمعہ قائم ہو رہا ہے، بہتر یہی ہے کہ ایسے مقامات پر جمعہ جاری رکھا جائے، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے اسی طرح فتویٰ جاری فرمایا تھا (کفایت المفتی ۲ / ۵۰۲)۔

واقعہ یہی ہے کہ آج بہت سے مسلمان اپنی غفلت یا جہالت کی وجہ سے پنج وقتہ نمازوں کا اہتمام نہیں کرتے، صرف جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ دیگر نمازوں میں مصلیوں کی ایک ڈیڑھ صف ہوتی ہے؛ لیکن جمعہ میں پوری مسجد بھر جاتی ہے، اگر مسجد کی کئی منزلیں ہوں تو تمام منزلیں پر ہوجاتی ہیں، شہروں میں تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ مسجد کے باہر سڑکوں پر بھی نماز ادا کی جاتی ہے، یہ اسی وجہ سے ہے کہ جمعہ کا خصوصی اہتمام لوگوں کے ذہن میں ہے، اگرچہ صرف جمعہ پر اکتفا کرنا اور دیگر نمازوں کی ادائیگی سے غفلت برتنا حد درجہ ناپسندیدہ بات ہے؛ لیکن اس کا ایک اچھا پہلو بھی ہے کہ جمعہ کچھ نہ کچھ حد تک مسجد سے اور مسجد کے واسطے سے دین سے ان کے رِشتے کو اُستوار رکھتا ہے، جمعہ میں ان کو عموماً (جہاں بیان کا اہتمام ہوتا ہے) دینی باتیں سننے سمجھنے کا موقع بھی مل جاتا ہے، اور اس ہفتہ واری وعظ ونصیحت کے تسلسل سے اُن کے مزاج میں مثبت تبدیلی آتی ہے، جب وہ دوسرے مسلمان بھائیوں سے ملتے ہیں تو مسلم معاشرے کا حصّہ ہونے کا تصوّر اُن کے ذہنوں میں

راسخ ہوتا ہے، نیز ارتداد کے فتنوں سے بچانے میں بھی جمعہ کا اجتماع بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔

خود ہمارے بزرگوں کا طریقہ بھی یہی رہا تھا کہ وہ دین وایمان کے تحفظ کے لیے بعض دفعہ فروعات سے صرفِ نظر کرلیا کرتے تھے، جیسے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مسلمانوں کی ایک بستی کے حالات دیکھ کر تعزیہ داری کی اجازت دے دی اور استفسار پر فرمایا کہ یہ بدعت اُن کے لیے وقایۃ الکفر ہے۔

اس پس منظر میں قیامِ جمعہ واقعی اُن کے ایمان کی حفاظت کا ذریعہ ہے، تو ضروری ہے کہ پھر ایسے دیہاتوں میں جمعہ بند نہ کرایا جائے۔

۴- یوں تو جمعہ فی القریٰ کی اجازت نہیں، کیوں کہ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہؓ سے جمعہ فی القریٰ ثابت نہیں، جیسا کہ ماقبل کی تفصیلات سے معلوم ہوا، اور اسی پر فقہاء احناف کا اجماع بھی ہے، علّامہ شامیؒ کے بقول جمعہ فی القریٰ مکروہِ تحریمی ہے، کیوں کہ وہ ایک غیر صحیح عمل میں مشغول ہونا ہے۔

"**تُكْرَهُ تَحْرِيْمًا، أَىْ : لِأَنَّهُ اشْتِغَالٌ بِمَا لَا يَصِحُّ، لِأَنَّ الْمِصْرَ شَرْطُ الصحة**" (ردّالمحتار علی الدر المختار، باب العیدین)۔

لیکن اگر کسی دیہات میں واقعتہً جمعہ کا اجتماع ہی وہاں کے لوگوں کے دین وایمان کی حفاظت اور دین سے وابستگی کا ذریعہ ہو تو پھر ایسی جگہ دین وایمان کی حفاظت اور دین سے وابستگی کے پیشِ نظر قیامِ جمعہ کی گنجائش دینی چاہیے۔

☆☆☆

جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط اور موجودہ حالات

مولانا سعید احمد ندوی☆

تمہید:

نماز جمعہ متعدد ایسی حکمتوں اور مصالح پر مشتمل ہے جن سے مسلمانوں کے اندر عبادات، تقرب الی اللہ، اتحاد و اتفاق وتعاون علی البر والتقوی کا نیا جذبہ اور ولولہ پیدا ہوتا ہے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ جمعہ کی حکمتیں و مصلحتیں کچھ اس انداز میں بیان فرماتے ہیں: ''**الجمعة شرعت لدعم الفكر الجماعي، وتجمع المسلمين وتعارفهم وتآلفهم، وتوحيد كلمتهم، وتدريبهم على طواعية القائد والتزام متطلبات القيادة وتذكيرهم بشرع الإسلام دستورأو أحكاما وأخلافا وآداباوسلوكا، وتنفيذا لأوامرالجهاد، وماتتطلبه المصلحة العامة فى الداخل والخارج، والأمر بالمعروف والنهى عن المنكر، والخلاصة: إن تكرار الوعظ والتذكير الدائم كل أسبوع له أثر واضح فى إصلاح الفرد والجماعة لقوله تعالى:''وذكرفإن الذكرى تنفع المؤمنين**'' (الذاریات:۵۱، الفقہ الاسلامی وأدلتہ: فضل السعی إلی الجمعۃ وحکمتہا ۲/۱۲۸۰)۔

(امت مسلمہ کی ذہن سازی، اتحاد واتفاق، باہمی تعارف، آپسی محبت ومودت کو فروغ، امیر کی اطاعت و فرمانبرداری کی تاکید، قائدانہ صفات وخصائص سے آراستہ کرنا، اسلامی ومرونواہی، اخلاق وآداب سے واقف کرانا، جہادی سرگرمیوں کی ترغیب دینا اور داخلی وخارجی حالات امت کے سامنے رکھنا، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضہ کی انجام دہی انہیں مصالح کے پیش نظر جمعہ کو مشروعیت ہوئی، خلاصہ کلام یہ ہے کہ ''**وذكرفان الذكرى تنفع المؤمنين**''(اور سمجھاتے رہئے بے شک سمجھانا ایمان لانے والوں کو (بھی) نفع دے گا) کی رو سے ہر ہفتہ کے وعظ ونصیحت کا انفرادی واجتماعی زندگی پر بڑے گہرے اثرات پڑتے ہیں)۔

☆ مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور، رائے بریلی۔

نماز جمعہ کے قیام کے تئیں فقہاء کرام کے مابین خاصا اختلاف ہے، احناف اس کے لئے مصر جامعہ یا قریہ کبیرہ (قصبہ) کی شرط لگاتے ہیں، پھر مصر کی تحدید میں فقہاء احناف کے مختلف اقوال ہیں، امام شافعیؒ کے نزدیک چالیس بالغ افراد کی شرط ہے، گویا ان کے یہاں توسع ہے، اور جمعہ فی القری کی اجازت ہے۔

موجودہ حالات کو اگر دیکھیں تو ایک طرف جہاں ہمیں گاؤں گاؤں مختلف مذاہب کی مشنریاں اور تنظیمیں نظر آئیں گی جو اپنے مذہب کی ترویج واشاعت میں سرگرم عمل ہیں، اور اسلام سے پھیرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی ہیں اور کسی بھی حد تک جانے کو تیار ہیں، انہیں مذہبی وسیاسی رہنماؤں کی سرپرستی حاصل ہے اور دوسری طرف مسلمانوں کی اسلام سے دوری سنت وشریعت سے بے توجہی پر نگاہ ڈالیں تو انتہائی افسوسناک صورتحال ابھر کر سامنے آتی ہے۔

ان نازک حالات میں جبکہ امت کے ایمان کی حفاظت سب سے بڑا مسئلہ بن چکا ہے اس کا شدید تقاضہ ہے کہ گاؤں میں بھی جمعہ کے قیام کی صورت نکالی جائے۔

جمعہ فی القری اور احناف:

نماز جمعہ کی شرائط کو لے کر فقہاء کے مابین اختلاف ہے، جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے ایک شرط احناف کے نزدیک شہر یا بڑا گاؤں (قصبہ) ہونا ضروری ہے، یعنی جمعہ کے درست ہونے کے لئے ایسی جگہ کا ہونا شرط ہے جو دیہات نہ ہو شہر ہو، البتہ مضافات شہر (فناء) بھی شہر ہی کے حکم میں ہے اور اس میں بھی جمعہ ادا کرنا جائز ہے۔

شامی میں ہے:"**وتقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرة التی فیها أسواق، إلی قوله؛ وفیماذکرناإشارة إلی أنه لاتجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض**"(ص:٦)(جمعہ قصبہ اور ایسے بڑے گاؤں میں واجب ہے جہاں بازار ہو، ان چھوٹی بستیوں میں جائز نہیں جہاں قاضی نہ ہو)۔

بدائع الصنائع میں ہے:"**أما المصر الجامع فشرط وجوب الجمعة وشرط صحة أدائها عند أصحابنا حتی لا تجب الجمعة إلاعلی أهل مصرومن کان ساکنا فی توابعه وکذالایصح أداء الجمعة إلافی المصر وتوابعه فلاتجب علی أهل القری التی لیست من توابع المصر ولا یصح أداء الجمعة فیها**"(۱۸۸/۲)۔

(جہاں تک مصر جامعہ کا تعلق ہے تو ہمارے نزدیک جمعہ کے وجوب وصحت کی شرط ہے، حتی کہ جمعہ صرف ان لوگوں پر واجب ہے جو شہر یا مضافات شہر میں مقیم ہوں، یعنی شہر ومضافات کے علاوہ جمعہ ادا کرنا درست نہیں ہے، چنانچہ گاؤں والوں پر جمعہ واجب نہیں ہے اور نہ وہاں جمعہ ادا کرنا درست ہے)۔

المبسوط میں ہے:"أما المصر فهو شرط عندنا"(اقامت جمعہ کے لئے شہر ہونا ہمارے نزدیک شرط ہے)(ص:۲۳)۔

دلائل:

عام طور پر احناف کا مستدل حضرت علیؓ کا یہ قول ہے:

۱-"**لاجمعة ولاتشريق إلافی مصر جامع**"(مصنف عبدالرزاق:باب القری الصغار ۳/ ۱۱۵:الرقم ۵۲۳۱،مصنف ابن ابی شیبۃ:من قال:لاجمعۃ ولاتشریق إلا فی مصر جامع ۲/ ۵۳۵،الرقم:۵۰۹۶)(جمعہ وعید مصر جامع ہی میں درست ہیں)۔

۲-"**لاجمعة ولاتشريق ولاصلاة فطر ولا أضحى إلافی مصر جامع أو فی مدينة عظيمة**" (مصنف ابن أبی شیبہ ۲/ ۵۳۶:الرقم:۵۰۹۷،علامہ ابن حجر نے اس حدیث کی سند کو صحیح بتایا ہے)(جمعہ وعیدین مصر جامع یا بڑے شہر ہی میں درست ہے)۔

مصر جامع سے کیا مراد ہے؟

''مصر جامع'' کی تعیین وتحدید میں علماء احناف کے مابین کافی اختلاف ہے۔

فتاوی تاتارخانیہ میں امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول منقول ہے:

۱-"**روی عن أبی حنيفة أن المصر الجامع مايجتمع فيه مرافق أهلها دينا ودنيا**" (۲/ ۵۴۷) (امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ مصر جامع وہ جگہ ہے جہاں دین ودنیا کی تمام سہولیات مہیا ہوں)۔

''مراقی الفلاح'' میں امام صاحبؒ سے دوسرا قول منقول ہے:"**والمصر كل موضع له مفت وأمير وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود وبلغت أبنيته أبنية منی**"(شہر وہ ہے جہاں مفتی وقاضی ہو جو احکام نافذ کرے اور حدود قائم کرے اور اس کے مکانات منی کے مکانات کے برابر ہوں)(ص:۱۹۲)۔

امام صاحبؒ کا ایک قول اور کتب فقہ میں ذکر کیا گیا ہے:"**المصر كل بلدة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق، ووال لدفع المظالم، وعالم يرجع إليه فی الحوادث**"(مجمع الأنہر فی شرح ملتقی الأبحر ۱/ ۲۴۷)۔

(شہر وہ جگہ ہے جہاں بازار اور سرائے ہوں، ایک حاکم ہو جو ظلم وستم نہ ہونے دے اور ایک عالم ہو جس کی طرف لوگ رجوع کریں)۔

البحر الرائق میں امام ابو یوسف کا دوسرا قول منقول ہے:"**وفی المجتبی وعن أبی يوسف أنه ماإذااجتمعوا فی أكبر مساجدهم للصلوات الخمس لم يسعهم وعليه فتوى أكثر الفقهاء**"(۲/ ۲۴۷)۔

(مجتبیٰ میں امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ جب لوگ سب سے بڑی مسجد میں پنج وقتہ نمازوں کے لئے جمع ہوں تو مسجد اتنی وسعت نہ رکھے اور اسی پر اکثر فقہاء کا فتوی ہے)۔

فتاوی تاتارخانیہ میں امام ابو یوسفؒ کا تیسرا قول نقل کیا گیا ہے:"**كل موضع يسكن فيه عشرة آلاف نفر**"(۲/۵۴۷)(جہاں دس ہزار افراد ہوں)۔

مجمع الأنہر میں امام محمدؒ سے منقول ہے کہ:"**وعن محمد أن كل موضع مصره الإمام فهو مصر**"(۱/۲۴۷) (امیر جس کو شہر قرار دے دے وہ شہر ہے)۔

الکوکب الدری لجامع الترمذی میں ہے:"**وقيل:مافيه أربعة آلاف رجال**"(باب ماجاء من کم یؤتی یوم الجمعۃ ۱/۴۱۵)(جہاں چار ہزار افراد ہوں)۔

مصر جامع کی تعیین وتحدید سے متعلق مختلف اقوال ہیں، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔

بعض فقہاء احناف کا کہنا ہے کہ: ایسا مرکز ہو کہ ایک پیشہ ور کسی اور پیشہ میں لگے بغیر ایک سال تک صرف اپنے پیشہ سے زندگی بسر کر سکے۔

امام ابو یوسفؒ کی اس تعریف ''اس آبادی کے لوگ وہاں کی بڑی مسجد میں اکٹھے ہو جائیں تو مسجد اس کے لئے ناکافی ہو، نئی مسجد تعمیر کرانی پڑے'' سے متعلق علامہ کاسانی نے ابو عبداللہ بلخی سے'' أحسن ما قيل فيه'' کے الفاظ نقل کئے ہیں۔

علامہ حصکفی نے کہا ہے کہ اسی پر اکثر فقہاء کا فتوی ہے (الدر المختار باب الجمعۃ: ص ۱۰۷)۔

جمعہ فی القری اور ائمہ ثلاثہ:

ائمہ ثلاثہ میں سے کسی نے بھی شہر ہونے کی شرط تو نہیں لگائی،'' موسوعہ فقہیہ''میں ہے:"**ولم تشترط المذاهب الأخرى هذا الشرط**"(دوسرے مذاہب نے یہ شرط نہیں لگائی)(موسوعہ فقہیہ ۲۷/۱۹۶)۔

البتہ مطلق اجازت بھی نہیں دی، بلکہ ہر ایک نے کسی نہ کسی درجہ میں کوئی شرط رکھی ہے:

مالکیہ کے نزدیک ایسا گاؤں ہو جہاں مسجد یا بازار موجود ہو، خانہ بدوش جو کسی جگہ مقیم ہوں ان کی تعداد کم یا زیادہ ہو ان پر جمعہ نہیں ہے۔

فقہ مالکی کی مشہور کتاب'' بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد''میں ہے:"**ولم يرمالك المصرولا السلطان شرطا في ذلك لكونه غير مناسب لأحوال الصلاة**"(۱/۳۸۵)(امام مالکؒ نے جمعہ کے وجوب وصحت کے لئے شہر اور سلطان کی شرط نہیں لگائی ہے، کیونکہ یہ نماز کے مناسب نہیں)۔

لیکن امام مالک نے بھی مستقل سکونت کی شرط لگائی ہے، خلاصۃ الجواہر الزکیۃ فی فقہ المالکیہ میں ہے:

"الخامس: موضع الاستيطان فلا تقام الجمعة إلا فى موضع يستوطن فيه، ويكون محلا للإقامة يمكن المنوى فيه بلدا كان أو قرية" (ص ۶۴)۔

(پانچویں شرط جمعہ کے لئے مستقل آبادی کا ہونا ہے، وہ جگہ رہنے لائق ہو شہر ہو یا گاؤں اس سے فرق نہیں پڑتا)۔

شوافع اور حنابلہ کا خیال ہے کہ ایسی آبادی ہو جہاں کم از کم چالیس عاقل بالغ مرد آباد ہوں اور مستقل طور پر اس آبادی میں سکونت اختیار کرتے ہوں، المغنی میں ہے: **"فأما الأربعون، فالمشهور فى المذهب أنه شرط لوجوب الجمعة وصحتها"** (۲/۲۰۴) (چالیس کی تعداد جمعہ کے وجوب وصحت کی شرط ہے)۔

"ولاتجب على مسافر ولا على مقيم فى قرية يظعن أهلها عنها فى الشتاء دون الصيف، أو فى بعض السنة، فإن خربت القرية أو بعضها، وأهلها مقيمون بها عازمون على إصلاحها فحكمها باق فى إقامة الجمعة بها وإن عزموا على النقلة عنها لم تجب عليهم" (المغنی ۲/۲۰۶) (جمعہ کی نماز مسافر پر اور ایسے گاؤں میں مقیم شخص پر واجب نہیں جہاں کے رہنے والے پورے سال گاؤں میں نہ رہتے ہوں، اگر مکمل گاؤں یا اس کا کچھ حصہ اجڑ جائے یا منہدم ہو جائے اور لوگوں کا ارادہ اس کی اصلاح کا ہو گاؤں چھوڑنا نہ چاہتے ہوں تو جمعہ کا حکم باقی رہے گا اور نماز جمعہ ہوتی رہے گی اور اگر وہاں سے کوچ کا ارادہ ہو تو جمعہ ان پر واجب نہیں)۔

امام شافعیؒ کی ''الأم'' میں ہے: **"قال الشافعیؒ: فإذا كان من أهل القرية أربعون رجلا، والقرية: البناء والحجارة، واللبن، والسقف، والجرائد، والشجر، لأن هذا بناء كله، وتكون بيوتها مجتمعة، ويكون أهلها لايظعنون عنها شتاء ولاصيفا إلا ظعن حاجة، مثل ظعن أهل القرى، وتكون بيوتها مجتمعة اجتماع بيوت القرى، فإن لم تكن مجتمعة فليسوا أهل قرية ولايجمعون، ويتمون إذا كانوا أربعين رجلا حرابالغا، فإذا كانوا هكذا رأيت والله تعالى أعلم أن عليهم الجمعة فإذا صلوا الجمعة أجزأتهم"** (۲/۲۷۹)۔

(امام شافعیؒ نے فرمایا: اگر بستی میں چالیس آدمی ہوں اور مکانات کچے یا پکے ہوں کہ یہ سب تعمیر کے حکم میں ہیں اور وہاں کے لوگ ضرورت کے تحت سفر کرتے ہوں جیسے کہ عام طور سے لوگ کرتے ہیں، اور تمام مکانات ایک ساتھ ہوں اگر ایک ساتھ نہیں ہیں تو پھر بستی والے جمعہ نہیں پڑھیں گے بلکہ ظہر کی نماز ادا کریں گے ان پر قریہ کا حکم نہیں لگے گا، ان شرطوں (چالیس کی تعداد، ذکورت، آزادی اور بلوغت) کے پورا ہونے پر میرے نزدیک جمعہ واجب ہوگا اور ادا ہو جائے گا واللہ اعلم)۔

دلائل:

۱-بخاری شریف کی یہ روایت ہے:''**عن ابن عباس قال إن أول جمعة جمعت جمعة المدينة لجمعة جمعت بجواثی من البحرين من قری عبد القيس**''(صحیح البخاری: باب الجمعۃ فی المدن والقری ۱/ ۲۴۳، حدیث نمبر: ۸۵۲)۔

(حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد کے بعد اسلام میں اولین ''جمعہ'' بحرین کے علاقہ جواثی میں عبدالقیس کی مسجد میں ہوا)۔

۲-''**روی كعب بن مالک أنه قال: ''أسعد بن زراة أول من جمع بنا فی هزم النبيت من حرة بنی بياضة فی نقيع يقال له نقيع الخضمات**''(ابوداؤد: باب الجمعۃ فی القری ۱/ ۲۸۱، حدیث نمبر: ۱۰۷۱)۔

(حضرت کعب بن مالکؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اسعد بن زرارہؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ہم لوگوں کو حرہ بنی بیاضہ کے مقام ہزم النبیت میں جمعہ کی نماز پڑھائی)۔

''**عن أبی هريرةؓ: أنهم كتبوا إلى عمر يسألونه عن الجمعة؟فكتب: ''جمعوا حيثما كنتم**''(مصنف ابن أبی شیبۃ: من کان یری الجمعۃ فی القری وغیرہا: الرقم: ۵۱۰۶؛ ۲/ ۵۳۷، المغنی ۳/ ۲۰۹)۔

(حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ بحرین کے لوگوں نے حضرت عمرؓ کو خط لکھ کر جمعہ قائم کرنے کے بارے میں دریافت کیا؟ آپ نے جواب دیا: جہاں بھی ہو جمعہ ادا کرو)۔

راقم کی رائے:

حفاظت دین شریعت کے اولین اور اہم مقاصد میں ہے اور ان مقاصد کو جس چیز سے تحفظ فراہم ہو اس کو ''مصلحت'' کہتے ہیں، اور جو چیز ان مقاصد میں حائل ومانع ہو اس کو ''مفسدہ'' کہا جاتا ہے، اور اس کا ازالہ ودفاع ''مصلحت'' کہلاتا ہے، امام غزالیؒ اسی کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''**ومقصود الشرع من الخلق هو أن يحفظ عليهم دينهم ونفسهم وعقلهم ونسلهم ومالهم، فكل ما يتضمن حفظ هذه الأصول الخمسة فهو مصلحة، وكل ما يفوت هذه الأصول فهو مفسدة ودفعه مصلحة**''(المستصفی ۲/ ۴۸۲)۔

''مفسدہ'' اور ''مصلحت'' کی اس جامع تعریف کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ آج کے اس بے دینی والحادی ماحول میں مسلمانوں کے دین وایمان کو تحفظ بخشنا شریعت کا عین مقصود ہے، اس لئے جمعہ کے قیام کی شکلیں نکالی جائیں۔

دوسری طرف آج حالات بھی یکسر تبدیل ہو چکے ہیں، دنیا کافی آگے نکل چکی ہے، موبائل اور انٹرنیٹ گاؤں گاؤں پہنچ چکے ہیں، پہلے کے بالمقابل گاؤں اور شہر میں زیادہ فرق نہیں رہا، عام طور سے ساری بنیادی ضرورتیں گاؤں میں ہی پوری ہوجاتی ہیں، ساری اہم سہولتیں مہیا ہوچکی ہیں، اب وہ دور نہیں رہا کہ معمولی معمولی کاموں کے لئے شہر کا رخ کیا جاتا، گاؤں کی اس برق رفتار ترقی کو مدنظر رکھتے ہوئے اور دوسری طرف ملت اسلامیہ کو درپیش چیلنجز کو دیکھتے ہوئے کہ اس وقت امت کے ایمان کی حفاظت کا انتظام وقت کا سب سے بڑا تقاضہ ہے اور اس میں سب سے اہم کردار نماز جمعہ ہے، جہاں ہر ہفتہ مسلمان گاؤں گاؤں قریہ قریہ آسانی سے جمع ہوجاتے ہیں، راقم کی رائے ہے مسلک غیر کو اختیار کرنے کی فقہ حنفی میں نظیر ملتی ہے، زوجہ مفقود الخبر کے تعلق سے امام مالکؒ کے مسلک کو اختیار کیا گیا، آج اس سے زیادہ خطرناک بات کیا ہوگی اور کونسا نازک موقع ہوگا کہ امت کا ایمان اور اعمال خطرہ میں ہے، اس لئے امام ابوحنیفہؒ کا پہلا قول جو اوپر گذرا اسکو اختیار کیا جائے، مصلحتاً جمعہ قائم کرنے کی اجازت دی جائے، اور نماز جمعہ قائم کیا جائے اور جہاں پہلے سے قائم ہے اسے برقرار رکھا جائے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں: ''حقیقت یہ ہے کہ مصر (شہر) ان اصطلاحات میں سے ہے کہ کتاب وسنت میں اس کی تحدید وتعیین نہیں کی گئی ہے، اس لئے اس کا مدار ''عرف'' پر ہے، قوموں کے عرف میں جس زمانہ میں جو جگہ شہر کہلائے اور حکومت کی طرف سے جس کو شہر کی حیثیت دی جائے وہی ''شہر ہے''، تاہم ہندوستان وغیرہ کے موجودہ حالات میں کہ بعض علاقوں میں جمعہ ہی سے مسلمانوں کی شناخت رہ گئی ہے، اور اسی کے ذریعہ نماز اور اسلام سے لوگ اپنی وابستگی کا احساس کرتے ہیں، ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ آراء وخیالات کے ان اختلافات سے فائدہ اٹھا کر شہر کے مفہوم میں جس دقدر توسع ممکن ہو پیدا کی جائے کہ جمعہ محض ایک عبادت ہی نہیں، تذکیر ودعوت بھی ہے، مسلمانوں کی اجتماعیت کا اظہار بھی ہے اور اسلام کا شعار بھی'' (قاموس الفقہ ۳/ ۱۲۵)۔

☆☆☆

عصر حاضر میں جمعہ کے لیے مصر ہونے کی شرط

مولانا جنید احمد قاسمی☆

اللہ رب العزت نے ہفتہ کے تمام ایام میں یومِ جمعہ کو فضیلت بخشی ہے، جمعہ کے دن کا ایک خاص اور اہم فریضہ جمعہ کی نماز ہے، جو اہلِ ایمان پر فرض ہے، قران کریم میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

''یأیھاالذین آمنوا إذانودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا إلی ذکراللہ وذرواالبیع ذٰلکم خیرلکم إن کنتم تعلمون'' (سورۂ جمعہ:۹)۔

آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے "ذکراللہ " کی طرف سعی کا حکم فرمایا ہے، خواہ "ذکراللہ" سے نماز مراد ہو یا خطبہ؛ بہرصورت اس سے جمعہ کی نماز کی فرضیت ثابت ہوتی ہے:

جیسا کہ اس آیتِ کریمہ کے تحت علامہ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں: **"رتب الأمربالسعی للذکرعلی النداء للصلاۃ ، فالظاھرأن المرادبالذکرالصلاۃ ویجوزکون المرادبہ الخطبۃ وعلیٰ کل تقدیریفیدافتراض الجمعۃ''** (فتح القدیر ۲/۴۷)۔

اسی طرح سنن ابوداؤد میں طارق ابن شہابؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **"اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ إِلَّا أَرْبَعَةً: عَبْدٌ مَمْلُوكٌ، أَوِ امْرَأَةٌ، أَوْ صَبِيٌّ، أَوْ مَرِيضٌ "** (ابوداؤدا/۲۸۰، حدیث نمبر:۱۰۶۸)۔

اس کے علاوہ متعدد احادیث وروایات ہیں جن سے جمعہ کی فرضیت ثابت ہوتی ہے ،سرِ دست ہم انھیں پر اکتفا کرتے ہیں۔

فرضیتِ جمعہ کا حکم عام مطلق نہیں ہے:

قرآن واحادیث سے جمعہ کی فرضیت ثابت ہے اور اس پر تمام ائمہ کرام اور علماء عظام کا اتفاق ہے، البتہ یہ حکم عام

☆ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم بیناضلع ساگر (مدھیہ پردیش)۔

مطلق نہیں ہے، کیونکہ روایاتِ معتبرہ صحیحہ سے یہ امر ثابت ہے کہ فرضیتِ نماز جمعہ مکہ معظّمہ میں ہجرت سے پہلے ہوچکی تھی، مگر مکہ معظّمہ میں کفار کے غلبہ کے سبب اقامتِ جمعہ سے عاجز رہے، البتہ اہلِ مدینہ کو آپ ﷺ نے اقامتِ جمعہ کا حکم فرمادیا تھا۔

چنانچہ علامہ شوکانی نیل الاوطار میں فرماتے ہیں:"**وذلک أن الجمعة فرضت علی النبی ﷺ وهوبمكة قبل الهجرة كما أخرجه الطبرانی عن ابن عباس ؓ: فلم يتمكن من إقامتهاهنالک من أجل الكفار۔ فلماهاجرمن هاجرمن أصحابه إلى المدينةكتب إليهم يأمرهم أن يجمعوافجمعوا**'' (نیل الأوطار ۳/ ۱۰۷، بحوالہ اُوثق العریٰ ۱۸)۔

اگر یہ حکم ظہر کی نماز کی طرح عام ہوتا تو اللہ کے رسول ﷺ مکہ معظّمہ میں بھی جمعہ کی نماز ادا کرتے ،لیکن ایسا نہیں ہوا، اسی طرح سنن ابوداؤد کی مذکورہ روایت جس سے جمعہ کی فرضیت ثابت ہوتی ہے، مخصوص عنہ البعض ہے، جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جمعہ کی نماز کا حکم دیگر نمازوں کی طرح ہر جگہ اور ہر شخص کے لئے نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ تمام ائمہ کرام جنگلوں اور دریاؤں کو اس حکم سے خاص کرتے ہیں، چنانچہ جنگل اور دریا میں کسی کے نزدیک بھی جمعہ ادا نہیں ہوتا (اوثق العریٰ ۲۷)۔

ذیل میں صحتِ جمعہ کے لیے محل کے اعتبار سے چاروں ائمہ کی شرائط تقریب مرام کی خاطر مختصراً ذکر کی جاتی ہیں:

محل کے اعتبار سے مالکیہ کے نزدیک اقامتِ جمعہ کی شرائط:

امام مالکؒ کے نزدیک اقامتِ جمعہ کی صحت کے لیے ایسی جگہ کا ہونا شرط ہے جس کو وطن بنایا جائے، جسے اقامت کا محل بنایا جائے اور جس میں ٹھہرا جاسکے، البتہ گاؤں اور شہر دونوں اس حکم میں برابر ہیں۔

چنانچہ التلقین فی الفقہ المالکی میں ہے :"**وهی فرض علی الأعيان وشروط وجوبها ستة: البلوغ والعقل والذكورية والحرية والإقامة وموضع يستوطن فيه ويكون محلاً للإقامة به يمكن الثواء فيه بلداً كان أو قرية**"(التلقین/۲۵۱)۔

امام مالکؒ کے نزدیک ویران جگہ میں جمعہ کی نماز جائز نہیں، جیسا کہ "الشامل فی فقہ المالک "میں اس کی صراحت موجود ہے:"**تجب الجمعة على كل ذكر حرٍّ بالغٍ عاقلٍ بلا عذر مستوطن .وقيل: تكفي الإقامة، والمعروف أن الجماعة يمرون بقرية خالية وينوون الإقامة بها أنهم لا يُجَمعُون ولا تكون عند مالک إلا داخل المصر**'' (الشامل فی فقہ الامام مالک ۱/ ۱۳۳)۔

جبکہ ایک روایت کے مطابق مالکیہ کے نزدیک مصر یا قریبِ مصر ہونا ضروری ہے، اور قریۂ صغیرہ میں صحت جمعہ کے لیے اس میں بازار ہونا شرط ہے، جس قریۂ صغیرہ میں بازار نہ ہو وہاں جمعہ جائز نہیں۔

چنانچہ الکافی فی فقہ أہل المدینۃ میں ہے :"وتجب الجمعة أيضا على أهل القرى إذا كانت القرية كثيرة فيها سوق وجامع وأزقة وعدد تقام به الجمعة عشرون ولم يحد مالک فی ذلک شيئا وحد فيه بعض أصحابه ثلاثين ومن أهل المدينة من حد فی ذلک أربعين ومنهم من قال: خمسين ومنهم من قال: تجوز بثلاثة سوى الإمام ولغيرهم فی ذلک أقاويل غير هذه والاحتياط فی هذا أولى.ولا تجب الجمعة فی القرى الصغار ولا على أهل العمود والقياطين.

وللجمعة شروط هی فرائضها لا تتم إلا بها وهی: المصر، أو ما يشبهه من ديار الإقامة، والإمام، والخطبة، والجماعة، والوقت، واليوم والمسجد عند مالک أو مكانه إن عدم "(کتاب الکافی فی فقہ أہل المدینۃ ۱/۲۴۸)۔

محل کے اعتبار سے شوافع کے نزدیک اقامتِ جمعہ کی شرائط:

امام شافعیؒ کے نزدیک جمعہ کی نماز کی صحت کے لیے ایسی جگہ شرط ہے جہاں کم از کم چالیس مرد اقامت پذیر ہوں، گرمی اور سردی ہر موسم میں وہ جگہ آباد رہے، لوگ اسے خالی چھوڑ کر دوسری جگہ اقامت کی غرض سے سفر نہ کریں۔

جیسا کہ امام شافعیؒ کی کتاب "الأم "میں یہ تفصیل موجود ہے: "لَمَّا كَانَتْ الْجُمُعَةُ وَاجِبَةً وَاحْتَمَلَتْ أَنْ تَكُونَ تَجِبُ عَلَى كُلِّ مُصَلٍّ بِلَا وَقْتِ عَدَدِ مُصَلِّينَ وَأَيْنَ كَانَ الْمُصَلِّي مِنْ مَنْزِلِ مُقَامٍ وَظَعْنٍ فَلَمْ نَعْلَمْ خِلَافًا فِي أَنْ لَا جُمُعَةَ عَلَيْهِ إلَّا فِي دَارِ مُقَامٍ وَلَمْ أَحْفَظْ أَنَّ الْجُمُعَةَ تَجِبُ عَلَى أَقَلَّ مِنْ أَرْبَعِينَ رَجُلًا وَقَدْ قَالَ غَيْرُنَا :لَا تَجِبُ إلَّا عَلَى أَهْلِ مِصْرٍ جَامِعٍ"(الأم للشافعی ۱/۲۱۹)۔

اور "اللباب فی الفقہ الشافعی "میں ہے : "والجمعة تجب بأربعة شرائط : المقام، والعدد، والوقت، والخطبة.فأما المقام، فهو: أن تكون الدار دار إقامة.وأما العدد، فيتعيَّن أربعون رجلا، دون الإمام فی أحد القولين، وأن يكونوا مسلمين، بالغين، عاقلين، أحرارا، ذكورا، مقيمين، لا يظعنون عنها شتاءً ولا صيفاً، إلا ظعْن الحاجة "(اللباب فی الفقہ الشافعی ۱/۱۲۱)۔

محل کے اعتبار سے حنابلہ کے نزدیک اقامتِ جمعہ کی شرائط:

حنابلہ کے نزدیک صحتِ جمعہ کے لیے کم از کم ایسا گاؤں ہونا شرط ہے جس میں چالیس مکلفین بالجمعۃ رہتے

ہوں، خانہ بدوش نہ ہوں، گرمی اور سردی ہر موسم میں وہاں مقیم رہیں، عرفِ عام میں جس طرح گاؤں ہوا کرتے ہیں ویسا ہی گاؤں ہو، خیمے اور عارضی کیمپوں پر مشتمل گاؤں نہ ہو۔

الکافی فی فقہ الامام أحمد میں صحتِ جمعہ کی شرائط کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"الشرط الثانی: أن یکون فی قریة مبنیة بما جرت العادة ببناء القری به، من حجر أو طین أو لبن أو قصب، مجتمعة البناء بما جرت به العادة فی القریة الواحدة، یسکنها أربعون من أهل الجمعة سکنی إقامة، لا یظعنون عنها صیفاً ولا شتاءً، فأما أهل الخیام وبیوت الشعر فلا جمعة لهم؛ لأن ذلک لا ینصب للاستیطان، ولذلک کانت قبائل العرب حول المدینة، ولم یأمرهم النبی – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – بجمعة، وإن کانت قریة یسکن فیها بعض السنة دون بعضهم، أو متفرقة تفریقاً لم تجر به العادة، لم تصح فیها الجمعة، فإن اجتمعت هذه الشروط فی القریة، وجبت الجمعة علی أهلها، وصحت بها۔" (الکافی فی فقہ الامام أحمد ۱/ ۳۲۵)۔

احناف کے نزدیک اقامتِ جمعہ کے لیے مصریت کی شرط:

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ کسی بھی امام کے نزدیک یہ حکم محل کے اعتبار سے بھی مطلقاً عام نہیں ہے، بلکہ ہر ایک نے کچھ نا کچھ تخصیص کی ہے؛ تو اسی طرح احناف نے احادیث وآثار کی بنیاد پر گاؤں کو خاص کرلیا اور صحتِ جمعہ کے لیے مصر کو شرط قرار دیا۔

احناف کی دلیل حضرت علیؓ کی یہ روایت ہے:

''عبد الرزاق، عَنِ الثَّورِیِّ، عَن زُبَیْدٍ، عَن سَعْدِ بْنِ عُبَیْدَةَ، عَنْ أَبِی عَبدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِیِّ، عَنْ عَلِیٍّ، قَالَ: لاَ جُمُعَةَ وَلاَ تَشْرِیقَ إِلاَّ فِی مِصْرٍ جَامِعٍ'' (مصنف لعبد الرزاق ۳/ ۱۱۵۔ حدیث نمبر: ۵۲۳۳، ط مصر)۔

یہ روایت درجہ کے اعتبار سے صحیح ہے، متعدد طرق سے مروی ہے، البتہ یہ موقوف ہے حضرت علیؓ پر، لیکن مالا یدرک بالقیاس میں موقوف مرفوع کا درجہ رکھتی ہے؛ لہذا اس سے تخصیص درست ہے۔

امداد الاحکام میں اس کے طرق پر تفصیلی تقریر دل پذیر کے بعد آخر میں تحریر فرما گیا: ''اس تحقیق سے یہ امر واضح ہو گیا کہ اس حدیث کے دو طریق صحیح ہیں اور ایک طریق میں حارثِ اعور ہے، وہ بھی اگر صحیح نہیں تو حسن ضرور ہے'' (امداد الاحکام ۱/ ۷۲۷)۔

اسی طرح مدینہ منورہ سے باہر جو مسلمان عوالی میں مقیم تھے وہ باری باری جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے مدینہ منورہ

حاضر ہوا کرتے تھے، اگر گاؤں میں جمعہ کی نماز صحیح ہوتی تو پھر عوالیٔ مدینہ کے باشندے باری باری مدینہ منورہ نہ آیا کرتے۔

بخاری شریف میں ہے: "عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَتْ: كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُونَ يَوْمَ الجُمُعَةِ مِنْ مَنَازِلِهِمْ وَالعَوَالِيِّ، فَيَأْتُونَ فِي الغُبَارِ يُصِيبُهُمُ الغُبَارُ وَالعَرَقُ، فَيَخْرُجُ مِنْهُمُ العَرَقُ، فَأَتَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنْسَانٌ مِنْهُمْ وَهُوَعِنْدِي، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ:لَوْ أَنَّكُمْ تَطَهَّرْتُمْ لِيَوْمِكُمْ هَذَا" (صحیح البخاری ۲/۶، حدیث نمبر:۹۰۲، ط مصر)۔

یہی حدیث سنن ابوداؤد میں مختصراً ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے: "حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ، أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جَعْفَرٍ، حَدَّثَهُ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُونَ الْجُمُعَةَ مِنْ مَنَازِلِهِمْ وَمِنَ الْعَوَالِي "(سنن ابی داؤد ۱/۲۷۸، حدیث نمبر:۱۰۵۵)۔

مصر کی تعریفات میں اختلاف کی حیثیت:

صحتِ جمعہ کے لیے احناف کے نزدیک مصر شرط ہے، اس میں سب متفق ہیں؛ البتہ مصر کی تعریف میں اختلاف ہے، لیکن یہ اختلاف حقیقت و ماہیت کا اختلاف نہیں ہے، بلکہ عنوان کا اختلاف ہے۔

اسی مضمون کو امداد الاحکام میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:

"یہ اختلاف عنوان کا ہے، حقیقت کا اختلاف نہیں، مراد سب کی ایک ہے، یعنی اتنی بڑی بستی جہاں انسانی تمام ضروریات مل جاتی ہوں، لیکن ہر زمانے میں ایسی بستیوں کی مختلف علامتیں رہی ہیں، اس لئے فقہاء کی عبارات میں مختلف الفاظ وارد ہوگئے، جیسے: ہم کسی سے یوں کہیں کہ مسلمانوں کی علامت یہ ہے کہ ان کی داڑھی لمبی اور مونچھیں کتری ہوئی ہوں اور نماز پڑھتے ہوں، ایک زمانہ ایسا آیا کہ مسلمانوں نے ان کاموں میں سستی کردی، پھر کسی نے یہ تعریف کی کہ جن کے کرتے لمبے، پائجامے ٹخنوں سے اوپر ہوں، کچھ دنوں کے بعد مسلمانوں نے یہ وضع بھی ترک کردی تو اب یہ تعریف کی کہ جوڑکی ٹوپی پہنتے ہوں، تو اب ان مختلف تعبیروں کے بدلنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مسلمانوں کی حقیقت بدل گئی، نہیں حقیقت ایک ہی ہے، لیکن ہر زمانے کے اعتبار سے ان کی علامت جدا ہوگئی، اسی طرح شہر کے معنیٰ سب لوگ جانتے ہیں، گو اس کی علامتیں ہر زمانے میں جدا ہوں۔"

علامہ انور شاہ کشمیریؒ مصر کی تعریفات کے مابین اختلاف کے بارے میں فرماتے ہیں:

"عبارات أصحابنا فی تفسیر المصر کلها متوافقة فی المعنیٰ وإنما اختلفت التعبیرات

والألفاظ فاشتراط القاضی فی ظاهرالروایة بناء علی اشتراط المصرلنفاذالقضاء فی ظاهرالروایة أیضاکما فی التنویرمن باب القضاء، وتعریف المتأخرین بأنه لایسع أهله مبنی علی تعددالمساجد هناک لکثرة الأبنیة فآل الی القریة الکبیرة، وفی العنایة : زیادة مالایسع أکبرمساجده أهله المکلفین بهاحتی یحتاجوا إلی بناء مسجدجامع، والحاصل أن تفسیر المصرمحول علی العرف واللغة" (فتاوی دارالعلوم ۵/۵۱، دارالاشاعت کراچی)۔

مصر کی کچھ تعریفات:

مذکورہ بالاتحریر سے یہ بات منقح ہوگئی کہ مصر کی تعریفات میں اختلاف صرف عنوان کا ہے، اب فقہاء کرام کی بیان کردہ کچھ تعریفات ذکر کی جاتی ہیں:

۱۔امام ابوحنیفہؒ سے مصر جامع کی یہ تعریف منقول ہے: ''مصر ہر ایسی بستی ہے جس میں گلیاں، بازار اور محلے ہوں اور حاکم ہو جو مظلوم کو ظالم سے انصاف دلا سکے اور کوئی عالم ہو جس کی طرف پیش آمدہ مسائل میں رجوع کیا جائے'' (فتح القدیر ۲/۵۰)۔

اسی تعریف کو صاحبِ تحفۃ الفقہاء نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے: "**وروی عن أبی حنیفةؒ : هوبلدة کبیرة فیهاسکک وأسواق ولهارساتیق وفیهاوال یقدرعلی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمه وعلمه أوعلم غیره ویرجع الناس إلیه فیما وقع لهم من الحوادث هذاهوالأصح** "(تحفۃ الفقہاء ۱/۱۶۲)۔

۲۔امام ابو یوسفؒ سے مصر کی تعریف اس طرح مروی ہے کہ جس بستی کی سب سے بڑی مسجد میں وہاں کے مکلّف مردوں کی گنجائش باقی نہ رہے ؛ایسی بستی مصر جامع ہے : "**وعنه (عن أبی یوسفؒ) أنهم إذااجتمعوافی أکبرمساجدهم لم یسعهم**"(ہدایہ ۱/۱۶۸)۔

اور اسی قول کو علامہ شامیؒ نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے: "**مالایسع أکبرمساجده المکلفین بها**"(ردالمحتار ۳/۵)۔

۳۔ان دو مشہور تعریفوں کے علاوہ امام ابو یوسفؒ سے مصر کی ایک اور تعریف منقول ہے، وہ یہ ہے کہ مصر وہ بستی ہے، جہاں دس ہزار کی آبادی ہو، چنانچہ فتح القدیر میں ہے: "**عن أبی یوسفؒ روایة أخری غیرهاتین الروایتین وهو کل موضع یسکنه عشرة آلاف نفر**"(فتح القدیر ۲/۵۱)۔

۴۔امام ابو یوسفؒ سے مصر کی ایک تعریف اور منقول ہے کہ: مصر ہر وہ جگہ ہے جس میں ہر پیشے کے لوگ آباد ہوں

اور وہاں لوگوں کی زندگی کی ضروریات دستیاب ہوں، فتوی دینے والا فقیہ اور حدود قائم کرنے والا قاضی موجود ہو۔

"وكذاروى عن أبى يوسفؒ فى غيرهاتين الروايتين أنه كل موضع يكون فيه كل محترف ويوجد فيه مايحتاج الناس إليه فى معاشهم وفيه فقيه يفتى وقاض يقيم الحدود" (مجمع الأنھر ۱/ ۱۶۷، دار التراث العلمی)۔

۵۔ امام محمدؒ سے مصر کی یہ تعریف منقول ہے کہ جس جگہ کو حاکمِ وقت شہر قرار دے وہ شہر ہے، یہاں تک کہ اگر کسی گاؤں میں حدود قائم کرنے کے لئے نائب مقرر کرکے بھیج دے تو وہ گاؤں شہر کے حکم میں ہوگا۔

"و عن محمدؒ أن كل موضع مصره الإمام فهومصر، حتى لوبعث إلى قرية نائباً لإقامة الحدود والقصاص تصير مصراً، فإذاعزله يلتحق بالقرى" (مجمع الأنھر ۱/ ۱۶۷، دار التراث العلمی)۔

ان کے علاوہ کچھ اقوال اور بھی ہیں، جن کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ ان کے درمیان حقیقتاً کوئی اختلاف نہیں ہے، بلکہ یہ تمام ہی اقوال مصر کی علامت ونشانیوں کو ظاہر کرنے کے لیے ہیں، نیز ان اقوال میں غور کرنے سے یہ بات بھی منقح ہوجاتی ہے کہ مختلف زمانوں میں شہر کی آبادی اور حالات مختلف ہوسکتے ہیں، بسا اوقات بیان کردہ بعض تعریفات قریہ کبیرہ پر بھی صادق آجائیں گی، اسی لیے قریۂ کبیرہ میں جمعہ کے وجوب کا فتوی دیا جاتا ہے، جیسا کہ فتاوی شامی میں ہے:

"وعبارة القهستانى: تقع فرضاًفى القصبات والقرى الكبيرة التى فيهاأسواق" (ردالمحتار ۳/ ۶، دار الکتب العلمیہ)۔

اور دار الافتاء جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے مفتیان ایک استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں:

"جواب: واضح رہے کہ جمعہ کے لیے شہر، فناءِ شہر، قصبہ بڑا گاؤں ہونا شرط ہے، اور بڑا گاؤں وہ ہے جس کی آبادی ڈھائی تین ہزار تک ہو اور اس کے ساتھ تمام تر ضروریات زندگی بسہولت ہمیشہ ملتی ہوں۔"

فتوی نمبر: ۱۴۴۳۰۶۱۰۰۲۴۹ دار الافتاء: جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن۔

جبکہ فتاویٰ دار العلوم دیوبند کے مطابق دو ہزار کی آبادی والا گاؤں بھی قریۂ کبیرہ ہے، اگر اس میں بازار اور دوکانیں ہوں تو وہاں جمعہ کی نماز قائم کرنا جائز ہے (فتاوی دار العلوم دیوبند ۵/ ۳۷، ۳۸)۔

موجودہ حالات میں مصر کی کیا تعریف ہوسکتی ہے، جس سے اس کے اطلاق کا دائرہ وسیع ہوجائے۔

مصر کی جتنی بھی تعریفیں اوپر ذکر کی گئیں ان میں غور کرنے سے چند باتیں سامنے آتی ہیں:

۱۔آبادی کثیر ہو، البتہ آبادی کی قلت وکثرت عرف پر محمول ہوگی، اس کی کوئی خاص تعداد صحیح روایاتِ معتبرہ سے ثابت نہیں۔

اسی لئے صاحبِ بدائع نے فرمایا: "وَقَالَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ: الْمِصْرُ الْجَامِعُ مَا يَعُدُّهُ النَّاسُ مِصْرًا عِنْدَ ذِكْرِ الْأَمْصَارِ الْمُطْلَقَةِ" (بدائع ۲/۱۸۹)۔

نیز فتاوی دارالعلوم میں ہے:" آدمیوں کی تعداد صحیح روایات سے ثابت نہیں ہے، بلکہ عرفاً جس کو قریہ کبیرہ سمجھیں وہ قریہ کبیرہ ہے، اور جس کو قریہ صغیرہ سمجھیں وہ قریہ صغیرہ ہے" (فتاوی دارالعلوم ۵/۳۷، ۳۸)۔

۲۔ضروریاتِ زندگی کا سامان دستیاب ہو۔

۳۔سرکاری طور پر لوگوں کے آپسی جھگڑوں کا تصفیہ اور امن وامان قائم رکھنے والے موجود ہوں۔

۴۔اس بستی کو گردونواح کی بستیوں کے مقابلے میں مرکزیت ومرجعیت حاصل ہو۔

لہذا یہ چیزیں جس آبادی میں پائی جائیں گی اس میں جمعہ کی نماز قائم کرنا جائز ہوگا، اور جہاں یہ امور نہ پائے جائیں وہاں جمعہ کا قیام جائز نہیں ہوگا۔

مذکورہ بالا تعریفات میں سے کسی ایک کو متعین ومقرر کرنا مناسب نہیں۔

البتہ مندرجہ بالا تعریفات میں سے کسی بھی ایک تعریف کو متعین کرکے اسی کو اختیار کرنے کے بجائے مختلف تعریفوں کے درمیان اختیار کو عام رکھا جائے کہ جس جگہ مصر کی جو تعریف صادق آئے اس کے مطابق عمل کرلیا جائے، اس لئے کہ مذکورہ بالا تعریفات میں سے مثلاً پہلی دو تعریفیں جو مشہور ہیں، ان کے درمیان عموم خصوص من وجہٍ کی نسبت ہے، کسی مقام پر ایسا ہوسکتا ہے کہ زندگی کی ساری ضروریات دستیاب ہوں اور مصر کی پہلی تعریف صادق آجائے، لیکن صرف ایک ہی مسجد ہو، جس کی وجہ سے دوسری تعریف صادق نہیں آئے گی، اسی طرح کسی جگہ ایک سے زائد مسجدیں ہونے اور بڑی آبادی ہونے کے باوجود مکمل ضروریاتِ زندگی دستیاب نہ ہوں تو دوسری تعریف صادق آجائے گی، پہلی تعریف صادق نہیں آئے گی، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایک تعریف کے الفاظ پر حکم کو منحصر نہ کیا جائے؛ بلکہ متعدد تعریفوں کے مفہوم ومقصد کو سامنے رکھتے ہوئے اقامتِ جمعہ کے جواز یا عدمِ جواز کا حکم لگایا جائے، کیونکہ یہ تعریفات محض علامات ونشانیوں کا اظہار ہے، جیسا کہ اوپر تفصیل سے تحریر کردیا گیا ہے۔

جمعہ کس بستی میں قائم کیا جاسکتا ہے؟

اس تقریر کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ جمعہ مندرجہ ذیل مقامات پر قائم کیا جاسکتا ہے:

۱۔شہروں میں۔ ۲۔قصبات میں۔

۳۔بڑے گاؤں میں جہاں ضروریاتِ زندگی کے اسباب دستیاب ہوں۔

۴۔ایسے بڑے گاؤں میں جہاں متعدد مسجدیں ہوں؛اور بڑی مسجد میں گاؤں کے بالغ مرد سما نہ سکتے ہوں۔

ان کے علاوہ دیگر بستیوں میں فقہاء احناف کی تصریحات کے مطابق جمعہ کا قیام جائز نہیں ہے۔

جہاں مسلمانوں کی باقاعدہ آبادی ہو، باجماعت نماز کا اہتمام ہو، وہاں جمعہ کا نظام:

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ جمعہ کی نماز عام نمازوں کی طرح نہیں ہے، بلکہ اس کی ایک امتیازی شان ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں باقاعدہ الگ سے اس کی فرضیت کا حکم نازل ہوا اور رسولِ کریم ﷺ نے متعدد احادیثِ کریمہ میں اس کی اہمیت کو اجاگر کیا، اور مکہ مکرمہ میں فرض ہوجانے کے باوجود آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں جمعہ قائم نہیں فرمایا؛ حالانکہ دیگر نمازوں کی طرح جمعہ کی نماز بھی ادا کی جاسکتی تھی؛لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جمعہ ہر جگہ قائم نہیں کیا جاسکتا۔

نیز چوں کہ جمعہ شعائرِ اسلام میں سے ہے، اس کے مناسب بھی یہی ہے کہ وہ بڑی جگہوں پر ہی قائم کیا جائے، اگر ہر آبادی میں جمعہ قائم کرنے کی اجازت دے دی جائے تو پھر جمعہ کی اہمیت اور اس کی شانِ امتیازی ختم ہوجائے گی، اس لیے جن مقامات پر مصر کی کوئی بھی تعریف صادق آتی ہو، صرف وہیں جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے، اور جہاں مصر کی کوئی تعریف نہ پائی جائے وہاں جمعہ قائم نہیں کیا جاسکتا، البتہ اکابرِ دیوبند میں سے مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ نے امام ابوسفؒ سے مروی دوسری تعریف کے الفاظ کے پیشِ نظر ایسے چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی نماز قائم کرنے کے جواز کا فتوی دیا ہے جس میں کم از کم دو مسجدیں ہوں اور بڑی مسجد میں گاؤں کے سارے مکلّف مرد سما نہ سکتے ہوں، چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

"اس لئے فقہاء کرام نے امام ابو یوسفؒ کی دوسری تعریف: **"مالایسع أکبر مساجده أهله المکلفین بها"** کو معمول بہ مفتیٰ بہ بنالیا، اور فقہاء کا خود اقرار ہے کہ یہ تعریف بہت سے قُریٰ پر صادق آتی ہے: **"وهذا یصدق علی کثیر من القری"** (ردالمحتار)، پس اگر مسئول عنہ موضع پر یہ تعریف صادق آتی ہو کہ اس میں کم از کم دو مسجدیں ہوں اور ان میں سے بڑی مسجد میں مکلفین بالجمعۃ نہ سما سکیں تو اس میں مذہبِ حنفی مفتیٰ بہ کے موافق نمازِ جمعہ جائز ہے (کفایت المفتی ۳/۲۲۸)۔

واضح رہے کہ مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ کے علاوہ دیگر اکابرین اس قول پر مطلقاً فتوی نہیں دیتے۔

موجودہ زمانہ میں اس رائے پر عمل کرنے کی گنجائش نکل سکتی ہے، اس سے زیادہ وسعت فقہِ حنفی کے مطابق نہیں دی جاسکتی۔

اتحاد بین المسلمین اور حفاظتِ ایمان کی خاطر گاؤں میں جمعہ کا قیام:

جہاں تک مسلمانوں کے عام طبقات کو دین سے جوڑنے، ان کے ایمان کی حفاظت اور گمراہ فتنوں سے آگاہی کی ضرورت کی بات ہے تو یہ کام جمعہ کے قیام کے بغیر دیگر طریقوں سے بھی کیا جاسکتا ہے، اس کے لیے ہر علاقے کے مدارس والے اپنے علاقے کے گاؤں میں ہفتہ واری طلباء کی جماعت بھیج کر یا ہفتہ واری اجلاس کی شکل میں گاؤں کے اندر ہی لوگوں کو جمع کر کے یا کسی اور مفید طریقے سے دینی بیداری اور فتنوں سے آگاہی کا کام انجام دے سکتے ہیں۔

چھوٹے گاؤں میں جمعہ قائم کرنے کے لیے مذہب احناف سے عدول کرنا لازم ہوگا، تبھی جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے، لیکن مذکورہ وجوہات اس درجہ کی نہیں ہیں جن کی وجہ سے مذہب احناف سے عدول کرنے کی ضرورت ہو؛ کیوں کہ یہ امور قیامِ جمعہ کے علاوہ اس کے متبادل کے ذریعہ بھی انجام پاسکتے ہیں، تو جب تک اس کا احتمال ہے تب تک عدول عن المذہب نہیں کیا جائے گا۔

آخر میں حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام صاحب قاسمیؒ کے الفاظ پر اختتام کرتے ہیں:

"مسائل میں سے ہر مسئلہ کو اس کی جگہ رکھنے اور رسوم کی اتباع کے بجائے حقیقتِ دین اور صحیح احکام سے امت کو روشناس کرانے کی ضرورت ہے، ورنہ آہستہ آہستہ عوامی دباؤ کے سامنے صحیح مسائل کا اظہار دشوار ہوجائے گا" (مباحثِ فقہیہ/ ۱۹۴)۔

☆☆☆

جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط موجودہ حالات کے پس منظر میں

مفتی ارشاد پالنپوری☆

۱- اتنی بات تو متفق علیہ ہے کہ نماز جمعہ کا حال دیگر صلاۃ خمسہ کی طرح نہیں کہ جہاں بھی (آبادی) اور جیسے بھی (تنہا یا جماعت سے) پڑھی جائے تو درست ہوکر فریضہ ذمہ سے ساقط ہوجایا کرے۔

امام ابوبکر رازی ''احکام القرآن'' میں فرماتے ہیں: ''**اتفق علماء الأمصار على أن الجمعة مخصوصة بموضع لايجوز فعلها فى غيره لأنهم مجمعون على أن الجمعة لا تجوز فى البوادى ومناهل الأعراب فقال أصاحبنا هى مخصوصة بالأمصار ولا تصح فى السواد**'' (احکام القرآن ۳/ ۵۹۵، مکتبہ شیخ الہند دیوبند)۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں: ''**ولأن الجمعة من أعظم الشعائر فتختص بمكان إظهار الشعائر وهو المصر**'' (بدائع الصنائع ۱/ ۵۸۴)۔

لہذا جمعہ کے لئے کچھ خصوصیات اور شرائط ہیں جو اور نمازوں میں نہیں ہیں، ان میں سے ایک شرط مصریت بھی ہے اور مصر کی تعریف میں بہت سے اقوال ہیں، چند نقل کئے جاتے ہیں:

۱- امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ وہ جگہ جہاں گلی کوچے اور بازار ہوں، محلے ہوں، حاکم اور والی ہو جو اپنے علم وحکمت سے مظلوم کو ظالم سے انصاف دلانے پر قادر ہو اور لوگ مختلف مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے ہوں (بدائع الصنائع ۱/ ۵۸۵ طبع زکریا)۔

۲- امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ وہ جگہ جہاں ہر پیشہ اور حرفت کے لوگ موجود ہوں اور عام انسانی ضروریات کی سب چیزیں مل جاتی ہوں اور قاضی ہو جو اسلامی سزا جاری کرتا ہو۔

۳- جس کی مجموعی آبادی دس ہزار ہو، ۴- جہاں جنگ کے قابل دس ہزار لوگ ہوں، ۵- اگر دشمن حملہ کرے تو آبادی کے لوگ اپنا دفاع کرسکیں، ۶- جہاں امیر اور قاضی موجود ہو جو حدود کو قائم کرتا ہو، ۷- ایسی بڑی جگہ ہو کہ ایک پیشہ کا

☆ مدرسہ جامع العلوم، ضلع سریندرنگر، گجرات۔

آدمی دوسرے پیشہ میں لگے بغیر ایک ایک سال تک صرف اپنے پیشہ سے زندگی بسر کر سکے، اس آبادی کے لوگ وہاں کی بڑی مسجد میں جمع ہوجائیں تو وہ مسجد ان کے لئے ناکافی ہو (عمدۃ القاری ۵/ ۴۰)۔

یہ سب اقوال ہیں، اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔

تعداد اور مردم شماری کے متعلق فقہاء کے مختلف اقوال ہیں، حتی کہ عمدۃ القاری میں ایک قول یہ ہے کہ دس ہزار مردم شماری ہو جو مذکورہ بالا اقوال میں سے ایک قول ہے، حضرت گنگوہیؒ نے چار ہزار کا تخمینہ تحریر فرمایا ہے۔

"**وقيل ما فيه أربعة آلاف رجالا إلى غير ذلک وليس هذ اكله تحديدا له بل إشارة إلى تعيينه وتقريبا له إلى الأذهان** "(الکوکب الدری ۱/ ۱۹۹، بحوالہ ہامش فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۲۷)۔

لہذا حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ مصریت کی تعریف جو کی جاتی ہے وہ حد حقیقی نہیں کہ (جنس اور فصل سے مرکب ہوکر اجزاء حقیقیہ پر مشتمل ہو) بلکہ وہ تعریفیں محض علامت کے طور پر ہیں اور علامت عرف کے بدلنے سے بکثرت بدلتی رہتی ہیں (مستفاد از فتاوی محمودیہ زکریا ۱۲/ ۲۱۷)۔

اور مصر کی تعریف میں "**لو اجتمعوا إلى أكبر مساجدهم لم يسعهم** "والے قول میں اگرچہ کافی وسعت ہے، لیکن اس تعریف پر نقض وارد ہوسکتا ہے، اس طور پر کہ کسی قریہ صغیرہ دو تین مسجدیں ہوں اور ان میں سے جو بڑی مسجد ہے وہ بستی کے سب لوگوں کے لئے ناکافی ہو تو دیکھو قریہ صغیرہ پر مصر کی تعریف صادق آتی ہے اور کچھ دیہات ایسے ہوتے ہیں جن میں دو تین مسجدیں ہوتی ہیں، لیکن ابھی وہ اس پوزیشن میں نہیں ہوتے ہیں کہ ان کا شمار بڑے گاؤں قصبات میں ہو۔

اور بعض اوقات یہ تعریف بڑے سے بڑے شہر پر بھی صادق نہیں آتی، جیسا کہ خود حرمین شریفین کی مساجد پر صادق نہیں آتی، کیونکہ مسجد حرام تمام اہل مکہ سے بلکہ باہر والوں کو ملا کر بھی کبھی نہیں بھرتی اور وسعت اس میں باقی رہتی ہے، معلوم ہوا کہ یہ مصر کی تعریف حقیقی نہیں، بلکہ مصر کی علامت باعتبار غالب کے ہے، کیونکہ بڑے بڑے شہروں میں جہاں مردم شماری بہت زیادہ ہوتی ہے، غالبا ایسا ہوتا ہے کہ وہاں کی بڑی سے بڑی مسجد میں بھی تمام مکلفین نہیں سما سکتے، پس محقق ہوا کہ تعریف مذکور عام تعریف نہیں ہے (مستفاد از عزیز الفتاوی ۱/ ۲۹۳)۔

نیز علامہ کاسانی فرماتے ہیں کہ ظہر فرض ہے، لہذا قطعی نص کے بغیر اس کو چھوڑا نہیں جائے گا، اور جمعہ کی وجہ سے ظہر کو چھوڑنا شہروں اور قصبات میں وارد ہوا ہے۔

"**ولأن الظهر فريضة فلا يترک إلا بنص قاطع والنص ورد بتركها إلى الجمعة في الأمصار**"(بدائع الصنائع زکریا ۱/ ۵۸۴)۔

لہذا مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں بندہ کے نزدیک مصر کی تعریف کے سلسلے میں احتیاط والا قول یہ ہے کہ مصر کا مدار عرف پر رکھا جائے کہ جو مقام اپنی آبادی اور دیگر ضروریات بازار وغیرہ کے لحاظ سے قصبہ کے مانند ہو اور اس گاؤں میں روز مرہ کی حوائج پوری ہوجاتی ہوں اور کسی دوسری جگہ جانے کی ضرورت پیش نہ آتی ہو تو وہ قریہ کبیرہ ہے جو کہ قصبہ کے حکم میں ہے، لہذا وہاں جمعہ جائز ہوگا۔

"**واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لاتكاد تنضبط بحال وإن نص ولذا ترک الفقهاء تعريف المصر على العرف**"(فیض الباری ۲/ ۲۳۹)۔

"**واختلاف ألفاظ الفقهاء في تعريف مبني على اختلاف العرف في زمان**"(اعلاء السنن ۸/ ۱۰، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)۔

۲- پوری امت متفق ہے کہ نماز جمعہ کی صحت کے لئے تمدن ضروری ہے، جمعہ کا حکم ہر جگہ اور ہر مقام کے لوگوں کے لئے عام ہوائمۃ اربعہ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے، البتہ جمعہ کی صحت کے لئے کس درجہ کا تمدن ضروری ہے اس بارے میں اختلاف ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جمعہ کے واجب ہونے کے لئے اور جمعہ کی صحت کے لئے شہر شرط ہے، لہذا شہر والوں پر جمع فرض ہے اگر وہ ظہر پڑھیں گے تو گنہگار رہوں گے (تحفۃ القاری ۳/ ۲۱۰)۔

"**إمام المصر الجامع فشرط وجوب الجمعة وشرط صحة أدائها عند أصحابنا حتى لاتجب الجمعة إلا على أهل المصر ومن كان ساكنا في توابع المصر**" (بدائع الصنائع ۱/ ۵۸۳ طبع زکریا)۔

اور قصبات اور بڑے دیہاتوں میں جمعہ درست ہے، یعنی وہاں کے باشندے اگر جمعہ پڑھیں تو وقت کا فریضہ ادا ہوجائے گا، لیکن اگر وہ ظہر پڑھیں تو بھی درست ہے، ترک فرض کا گناہ نہیں ہوگا، کیونکہ جمعہ ان پر فرض نہیں، قہستانی کے حوالے سے علامہ شامی لکھتے ہیں: "**تقع فرضا في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق**"(شامی ۳/ ۶ طبع زکریا)۔

فرض واقع ہونے کا یہی مطلب ہے کہ ان پر جمعہ فرض تو نہیں لیکن اگر وہ جمعہ پڑھیں تو وقت کا فرض ادا ہوجائے گا (تحفۃ القاری ۳/ ۲۱۲)۔

تو حنفیہ کے نزدیک صحت جمعہ کے لئے مصر کا ہونا امام صاحب اور صاحبین سب اس میں متفق ہیں، حنفیہ کی دلیل مصنف ابن عبدالرزاق کی یہ حدیث ہے:

"**اخبرنا معمر عن أبي اسحاق عن الحارث عن علیؓ قال لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر**

جامع رواه عبد الرزاق فی مصنفه "،اور مصنف ابن ابی شیبہ میں دوسرے طریق سے یہ حدیث مروی ہے:

"حدثنا عباد ابن العوام عن حجاج عن أبی اسحاق عن الحارث عن علیؓ قال لا جمعة ولا تشریق ولا صلاة فطر ولا أضحی إلا فی مصر جامع أو مدینة عظیمة" (اعلاء السنن ۳/ ۸، بذل المجہود ۵/ ۶۱)۔

اس حدیث کے بارے میں جو کہا جاتا ہے کہ موقوف ہے مرفوع نہیں ہے تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ صاحب بذل المجہود فرماتے ہیں کہ امام محمد نے اس کو مرفوع نقل کیا ہے۔

"فان قلت قال النووی حدیث علی ضعیف متفق علی ضعفه وهو موقوف علیه بسند ضعیف منقطع"۔

"قلت کأنه لم یطلع إلاعلی الأثر الذی فیه حجاج بن ارطاة ولم یطلع علی طریق جریر عن منصور فإنه سند صحیح ولو اطلع لم یقل ما قاله وأما قوله متفق علی ضعفه زیادة من عنده فلا یدعی من سلفه فی ذلک علی أن أبازید زعم فی الأسرار أن محمد بن الحسن قال رواه مرفوعا معاذ وسراق بن مالک"(بذل المجہود ۵/ ۶۲)۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ غیر مدرک بالقیاس میں قول صحابی مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔

"قال السیوطی فی تدبیر الراوی ومن المرفوع أیضا ماشاء من الصحابی ومثله لا یقبل من قبل الرأی ولا مجال للاجتهاد فیه فیحمل علی سماعه جزم به الرازی فی المحصول وغیرواحد من أئمة الحدیث"۔

اور ظاہر ہے کہ صحت جمعہ وفطر واضحیٰ کے لئے حضرت علی کا ایک ایسی شرط لگانا جو دوسری نمازوں کے لئے نہیں ہے محض رائے اور قیاس سے ممکن نہیں، پس یہ بھی قاعدہ محدثین پر مرفوع میں داخل ہے (امداد الاحکام ۲/ ۳۴۲)۔

حنفیہ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ صحابہ نے شہروں اور بستیوں کو فتح کیا، لیکن منابر اور جامع مسجد کی تعمیر صرف امصار میں کی تھی، کسی گاؤں میں ہرگز صحابہ نے منبر اور جامع مسجد کو تعمیر نہیں کیا، ایسا ہوتا تو روایت میں ضرور اس کی اصل ملتی۔

"(قال ابن الهمام) لم ینقل عن الصحابة أنهم فتحوا البلاد اشتغلوا بنصب المنابر والجمع إلا فی الأمصار دون القری ولو کان لنقل ولآحاد"(فتح القدیر ۲/ ۵۰)۔

نیز سورۂ جمعہ میں متعدد اشارے موجود ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ قیام جمعہ کے لئے ایسا تمدن شرط ہے کہ جہاں کے لوگوں کی معیشت کا مدار کاروبار پر ہو، مثلاً وذروا البیع یعنی اذان سن کر اللہ کی یاد کی طرف چل پڑو اور خرید وفروخت موقوف

کردو، معلوم ہوا کہ جمعہ کا حکم ایسی جگہ کے لئے ہے جہاں کوئی بڑا بازار اور منڈی وغیرہ ہو اور لوگ وہاں خرید وفروخت کے معاملات میں بہت زیادہ مصروف ہوں اور یہ بات شہروں ہی میں ہوتی ہے گاؤں میں ایسی مصروفیت کے بازار کہاں ہوتے ہیں، آگے فرمایا..... "فإذا قضيت الصلاة" (نماز پوری ہونے کے بعد زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالی کا رزق تلاش کرو یعنی کاروبار شروع کردو، یہ بات بھی شہر کی طرف اشارہ کررہی ہے۔

غرض یہ متعدد اشارے ہیں کہ نماز جمعہ کے مخاطب شہر اور قصبات کے لوگ ہیں جن کی معیشت کا مدار خرید وفروخت پر ہوتا ہے اور وہ خرید وفروخت کے معاملات میں بہت زیادہ مصروف رہتے ہیں، دیہات کے لوگ جن کی معیشت کا مدار کاشت کاری وغیرہ دیگر ذرائع پر ہوتا ہے وہ جمعہ کے مخاطب نہیں (تحفۃ القاری ۳/ ۲۱۲، درس ترمذی ۲/ ۲۶۷)۔

ایک دلیل حضرت عائشہؓ کی حدث ہے، وہ فرماتی ہیں کہ لوگ اپنے گھروں اور عوالی سے باری باری جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے آتے تھے۔

"عن عائشةؓ زوج النبی ﷺ قالت كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم والعوالی" (رواہ البخاری)۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جمعہ شہر قصبہ اور بڑے گاؤں ہی میں ہوتا ہے، چھوٹے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ورنہ یہ گاؤں والے یا تو سارے آتے یا اپنے یہاں جمعہ قائم کرتے جبکہ واقعہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کی حیات طیبہ میں نہ تو قبا کی مسجد میں جمعہ قائم ہوا اور نہ عوالی کی کسی مسجد میں، پس معلوم ہوا کہ گاؤں میں جمعہ نہیں ہوسکتا (مستفاد تحفۃ القاری ۳/ ۲۲۳)۔

ان دلائل سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ حنفیہ کے پاس اس مسئلہ میں دلیل نقلی صحیح وعقلی موجود ہیں، پس حنفی المذہب لوگوں کو چھوٹے گاؤں میں جہاں مسلمانوں کی باقاعدہ آبادی ہو اور نماز باجماعت کا نظام ہو وہاں جمعہ کا نظام بنانا اور جمعہ پڑھنا جائز نہ ہوگا۔

شافعیہ کے دلائل کا جائزہ:

شافعیہ کی مشہور دلیل: "عن ابن عباس أول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول الله ﷺ فی مسجد عبد القيس بجواثی من البحرين"، اس سے بعض ائمہ نے جواز جمعہ فی القری پر استدلال کیا ہے، مگر اس استدلال کا تمام ہونا اس پر موقوف ہے کہ پہلے جواثی کا گاؤں ہونا ثابت کیا جائے، حالانکہ اب تک یہ بات ثابت نہیں ہوسکی جن لوگوں نے جواثی کو گاؤں کہا ہے ان کی دلیل صرف یہ ہے کہ بعض روایات میں اس کی نسبت قریۃ من البحرین کا لفظ آیا ہے، لیکن یہ دلیل کافی نہیں، کیونکہ اول تو لفظ قریہ کا اطلاق لغۃ عرب میں عام ہے، شہر کو بھی قریہ کہہ دیتے ہیں، چنانچہ

خودقرآن کریم میں ہے:"**وقالوا لولا نزل هذا القرآن على رجل من القريتين عظيم**"۔

مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت میں قریتین سے مکہ وطائف مراد ہیں، پس ممکن ہے کہ جواثی شہر ہو جس کو معنی لغوی عام کی بناء پر قریہ کہہ دیا گیا ہو اور اس احتمال کی تائید ان اقوال سے ہوتی ہے:

"**حكى ابن التين عن الشيخ ابن الحسن أنها مدينة وفي الصحاح للجوهري والبلدان للزمخشري: جواثى حصن من البحرين وقال أبوعبيد البكرى هي مدينة بالجرين لعبد القيس**"(عینی علی البخاری بحوالہ امداد الاحکام طبع زکریا)۔

ان اقوال سے جواثی کا شہر ہونا معلوم ہوتا ہے، پس دیگر ائمہ کا استدلال ساقط ہے اور اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ جواثی گاؤں ہی تھا اور وہاں صحابہ نے جمعہ پڑھا تو پھر بھی اس حدیث سے استدلال کرنا اس پر موقوف ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ حضور ﷺ کو صحابہ کے اس فعل کی اطلاع بھی ہوئی اور آپ ﷺ نے سکوت فرمایا، حالانکہ اطلاع نبوی کا ثبوت اب تک کوئی نہیں ملا (امداد الاحکام ۲/ ۳۴۳)۔

شافعیہ کا استدلال مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بھی ہے:"**إنهم كتبوا إلى عمر يسلونه عن الجمعة فكتب جمعوا حيث كنتم**"۔

علامہ عینی اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ "**معناه حيث كنتم من الأمصار**" اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ لفظ حیث یہاں اپنے ظاہری عموم پر محمول نہیں ہے، کیونکہ ظاہری عموم کا تقاضا یہ ہے کہ صحراؤں میں بھی جمعہ جائز ہو، حالانکہ صحراؤں میں جمعہ کے عدم جواز پر امت کا اجماع ہے، چنانچہ امام شافعیؒ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں....."**إن كان هذا حديثا يعنى ثابتا ولا أدرى كيف هو فمعناه فى أى قرية كنتم.....نقله البيهقى فى المعرفة**" (کذا فی آثار السنن علی ہامش درس ترمذی ۲/ ۲۷۱)۔

توجس طرح امام شافعیؒ نے حیث کے عموم کو قری کے ساتھ مخصوص کیا اسی طرح حنفیہ اس کو امصار کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں اور حنفیہ کی تخصیص تین وجوہ سے راجح ہے: ایک یہ کہ دوسرے دلائل جمعہ کے لئے اشتراط مصر پر دلالت کرتے ہیں، دوسرے یہ کہ امام شافعی کی تخصیص کو ثابت کرنے کے بعد بھی ان کا مسلک ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ ان کے نزدیک بھی ہر قریہ میں نماز درست نہیں، بلکہ شرط یہ ہے کہ اس میں چالیس آزاد آدمی موجود ہوں، بلکہ بعض روایات میں انہوں نے چالیس گھروں کی شرط لگائی ہے.....تیسرے اس لئے کہ دراصل اس حدیث کا پورا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حضرت ابوہریرہؓ علاء ابن الحضرمی کی جگہ بحرین کے گورنر بنا دیئے گئے تھے، انہوں نے وہیں سے حضرت عمرؓ سے سوال کیا تھا

کہ ہم یہاں جمعہ پڑھیں یا نہیں؟ اور ظاہر ہے کہ جہاں گورنر مقیم ہو وہاں جمع نہ ہونے کا کوئی سوال نہیں، اس لئے جواب میں حضرت عمر نے فرمایا: "**جمعوا حیثما کنتم یعنی جمعوا حیثما کنتم من المدن**" (درس ترمذی ۲/۲۷۱-۲۷۲)۔

الغرض صحت جمعہ کے لئے مصریت کی شرط پر حنفیہ کے پاس مضبوط دلائل موجود ہیں اور جمعہ فی القری کی صحت پر دیگر ائمہ کے دلائل پر کافی کلام ہوسکتا ہے؛ جیسا کہ عمدۃ القاری، بذل المجہود واعلاء السنن وغیرہ میں کیا گیا ہے تو حنفیہ المذہب لوگوں کے لئے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں، بلکہ روزانہ کی طرح جمعہ کے دن بھی ظہر کی نماز فرض ہے اور ایسے جمعہ پڑھنے سے ظہر کا فریضہ ادا نہیں ہوگا اور جس نماز کو جمعہ سمجھ کر پڑھیں گے وہ نماز نفل ہوگی اور نفل کو فرض اعتقاد کرنا اور نفل پڑھ کر یہ سمجھنا کہ فرض ادا ہوگیا اور نفل کے لئے اذان کہنا اقامت کہنا جماعت علی سبیل التداعی پڑھنا نفل نہاری میں قرآت بالجہر کرنا یہ سب محظورات شرعیہ لازم آئیں گے (فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۳۰۴)۔

اب ایک بات رہ جاتی ہے کہ عند الحنفیہ قریہ صغیرہ میں جمعہ جائز تو نہیں ہے، لیکن اگر کسی جگہ پہلے سے جمعہ ہوتا چلا آتا ہے اور اب موقوف کرنے سے بڑا فتنہ پیدا ہوتا ہے کہ لوگ غلبہ جہالت کی وجہ سے پنجگانہ نماز بھی چھوڑ دیں گے اور دین سے بیزار ہوجائیں گے، ارتداد پر آمادہ ہوجائیں گے، مسجد کو ویران کردیں گے تو ایسے فتنوں سے بچنا لازم ہے، نہایت تدبیر کے ساتھ کام کیا جائے۔

تو جن بستیوں میں صحت جمعہ کے شرائط مفقود ہونے کے باوجود سالہا سال سے وہاں جمعہ جاری ہے اور موقوف کرنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے ایسی جگہوں کے متعلق مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایسی جگہوں پر جمعہ کو بند کرنا مناسب نہیں، کیونکہ نماز چھوڑ دینے سے تو یہی بہتر ہے کہ جمعہ پڑھ لیں، اس لئے کہ جمعہ حسب اختلاف روایات یا اختلاف مجتہدین ایسی جگہ پڑھنا جائز تو ہے اور ترک صلاۃ سخت کبیرہ گناہ ہے (کفایت المفتی ۳/ ۲۰۲)۔

"**واستشهد له بما فی التجنیس عن الحلوانی أن کسال العوام إذا صلوا الفجر عند طلوع الشمس لایمنعون لأنهم إذا منعوها ترکوها أصلاوأداؤها مع تجویز أهل الحدیث لها أولی من ترکها أصلا**" (ردالمحتار بحوالہ کفایت المفتی ۳/ ۲۰۳)۔

یہاں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے جن بستیوں میں شرائط جمعہ مفقود ہونے کے باوجود فتنہ کے اندیشے سے جمعہ جاری رکھنے کی اجازت دی ہے احناف کے اعتبار سے اس کی کوئی اصل نہیں ہے، صرف فتنہ سے بچنے کے لئے شامی کے ایک جزیہ کے پیش نظر اس کی اجازت دی ہے، لہذا مسئلے کا تعلق ضرورت کی وجہ عدول عن المذہب کرنے اور عمل مذہب غیر سے ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ بستیاں جن میں شرائط جمعہ مفقود ہونے کے باوجود سالہا سال سے جمعہ جاری ہے اور اب موقوف کرنے میں بڑے فتنے کا اندیشہ ہے تو فتنے سے بچنے کے لئے جمعہ جاری رکھنا بندہ کی رائے میں ضرورت بمعنی حاجت ہے، لہذا اس ضرورت کے پیش نظر عدول عن المذہب کرتے ہوئے شوافع وغیرہ کا مذہب اختیار کرتے ہوئے جمعہ صحیح ہونا چاہئے، لیکن جب کسی مسئلہ میں مذہب غیر کو اختیار کیا جائے تو اس مذہب میں اس مسئلہ سے متعلق جتنی شرائط ولوازمات ہوں ان سب کی پابندی اور رعایت کرنا واجب ہے ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں ہے کہ مسئلہ تو دوسرے امام کا لیا جائے مگر اس کی شرائط کی پابندی نہ کی جائے، اس لئے کہ ایسی صورت میں تلفیق لازم آجاتی ہے، لہذا جمیع شرائط کی پابندی کے بغیر مذہب غیر کے کسی بھی مسئلہ پر عمل جائز نہ ہوگا۔

بہت سی بستیاں ایسی ہیں جن میں شرائط جمعہ مفقود ہونے کے باوجود سالہا سال سے جمعہ جاری ہے اور بند کرنے میں بڑا فتنہ اور خلفشار ہوتا ہے، اس لئے ایسی جگہوں میں جمعہ پڑھنا بندہ کی رائے میں شدید ضرورت عموم بلوی کے درجہ میں ہے، لہذا فتنہ سے بچنے کے لئے شدید ضرورت اور عموم بلوی کی بنا پر شوافعیہ وغیرہ کا مذہب اختیار کرتے ہوئے جمعہ پڑھنے سے بندہ کی رائے میں جمعہ درست ہونا چاہئے لیکن عند الاحناف چونکہ شرائط جمعہ مفقود ہیں، لہذا آئندہ بغیر کسی قسم کے فتنہ اور خلفشار کے جمعہ بند ہوجائے اس کی کوشش جاری رکھنی چاہئے۔

۳- کسی گاؤں یا بستی میں جہاں جمعہ کے شرائط نہ پائی جاتی ہوں اس مقصد کے پیش نظر جمعہ ادا کرنے کی اجازت دینا کہ جمعہ کا نظام عام مسلمانوں کو کسی نہ کسی درجہ میں دین سے جوڑ کر رکھے گا اور ان کے ایمان کی حفاظت کرے گا اس کی گنجائش نہ ہوگی، اس لئے کہ حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لئے شہر قصبہ بڑا گاؤں جو کہ اپنی آبادی اور دیگر ضروریات بازار وغیرہ کے لحاظ سے قصبہ کے مانند ہو شرط ہے، چھوٹے گاؤں میں جمعہ ادا نہیں ہوتا، وہاں ظہر کی نماز فرض ہے۔

"ویشترط لصحتها المصر(تنویر) لاتجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض ومنبر وخطیب (الی قوله) لوصلوا فی القری لزمهم أداء الظهر" (شامی ص۸)۔

دیہات میں لوگوں کو دین سے جوڑے رکھنے کے لئے اور ان کے ایمان کی حفاظت کے لئے دوسری تدابیر اختیار کی جائیں، مثلاً وقتاً فوقتاً وعظ کیا جائے، انفرادی اور اجتماعی تبلیغ کی جائے۔

اب رہا اس کے لئے عدول عن المذہب کرتے ہوئے دوسرے ائمہ کا مذہب اختیار کرنا تو اس کی اجازت نہ ہوگی، اس لئے کہ عدول عن المذہب کرکے کسی مسئلہ میں دوسرے امام کا قول اختیار کرنا وہ شدید ضرورت اور عموم بلوی کے وقت اس کی گنجائش ہے (الحیلۃ الناجزۃ ص ۶۴)۔

اور مسئلہ ہذا میں شدید ضرورت اور عموم بلوی نہیں ہے، اس لئے کہ لوگوں کو دین سے جوڑے رکھنا اور ان کے ایمان کی حفاظت کی فکر کرنا یہ ضرورت وعظ ونصیحت کی مجالس قائم کرنے اور اجتماعی انفرادی تبلیغ کرتے رہنے سے کسی نہ کسی درجہ میں پوری ہوتی رہے گی ان شاء اللہ، لہذا اس ضرورت کے خاطر عدول عن المذہب کر کے دوسرے امام کا قول اختیار کرتے ہوئے اس طرح کے دیہات میں جمعہ ادا کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

☆☆☆

دیہات میں اقامت جمعہ سے متعلق مسائل

مفتی سیف الاسلام اصلاحی☆

مصر کی شرط:

"**عن علی قال: لاجمعة ولا تشریق إلا فی مصر جامع**" (رواہ عبدالرزاق فی مصنفہ: الرقم، ۱۵۷۵، وابن أبی شیبۃ فی مصنفہ: الرقم ۵۰۹۸، ونیل الأوطار للشوکانی: ۳/ ۳۸۷، الرقم: ۱۲۵۵، وقال: اسنادہ صحیح إلی علی موقوفا. لاتصح الجمعۃ إلا فی مصر جامع مختصر القدوری ص ۴۵ صلاۃ الجمعۃ)۔

ادائے جمعہ کیلئے مصر کی شرط احناف کے تمام ائمہ اور فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہے، کسی حنفی امام وفقیہ کو اس میں کلام نہیں، امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور تمام فقہاء حنفیہ کی تصریحات میں ہے کہ ادائے جمعہ کیلئے مصر شرط ہے۔

صحابہ اور تابعین میں سے حضرت علی، حضرت حذیفہ، عطاء، حسن بن حسن، ابراہیم نخعی، مجاہد، محمد بن سیرین اور سفیان ثوری رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے (کذا فی الشرح الکبیر للمنیۃ: ص ۴۶۵)۔

مصر کی تعریف میں مختلف اقوال:

علماء احناف کے یہاں مصر کی تحدید اور اس کے مصداق کی تعیین میں شدید اختلاف واضطراب ہے، مشہور محدث وفقیہ علامہ بدرالدین عینیؒ نے شرح بخاری میں تحریر فرمایا ہے:

"**اختلف أصحابنا فی المصر الذی تجوز فیه الجمعة**" (عمدۃ القاری علی شرح البخاری: ۵/ ۴۰. الجمعۃ فی القری والمدن)۔

۱۔ "**روی عن أبی حنیفة: أنه بلدة کبیرة فیها سکک وأسواق ولها رساتیق وفیها وال یقدر علی انصاف المظلوم بحکمه وعلمه أوعلم غیره والناس یرجعون إلیه فی الحوادث**" (بدائع الصنائع للکاسانی ۱/ ۵۸۴، شرائط الجمعۃ)۔

☆ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، اعظم گڑھ یوپی۔

(یعنی وہ بڑی جگہیں جس میں گلیاں، بازار اور محلے ہوں، جہاں ایسا حاکم ہو جو مظلوم کو ظالم سے انصاف دلا سکے، مسائل معلوم کرنے کیلئے عالم دین ہو کہ لوگ اس کی طرف ضروریات دینیہ میں رجوع کر سکیں)۔

۲۔"عن أبی یوسف:هو کل موضع یکون فیه کل محترف،ویوجد فیه جمیع ما یحتاج إلیه الناس من معایشهم عادةوبه قاض یقیم الحدود".

(امام یوسف سے مروی ہے کہ ہر وہ جگہ جہاں پر ہر صنعت وحرفت کے افراد موجود ہوں، اور انسانی ضروریات کی اشیاء مہیا ہوں اور اسکے ساتھ ساتھ قاضی بھی ہو جو احکام شریعت کو نافذ کر سکے)۔

۳۔"وقیل:إذا بلغ سکانه عشرة آلاف"(جس کی مجموعی آبادی دس ہزار ہو)۔

۴۔ "وقیل:عشرة آلاف مقاتل"(جہاں ایسے دس ہزار افراد ہوں جو جنگ میں کام آئیں)۔

۵۔"وقیل:بحیث أن لوقصدهم عدولأمکنهم دفعه"(اتنی آبادی ہو اگر دشمن حملہ آور ہو تو وہ اپنا دفاع کر سکیں)۔

۶۔"وقیل :کل موضع فیه أمیر وقاض یقیم الحدود"(ہر وہ جگہ جہاں امیر وقاضی ہو جو شرعی قوانین نافذ کر سکے)۔

۷۔"وقیل:أن لواجتمعوا إلی أکبر مساجدهم لم یسعهم"(اس آبادی کے لوگ وہاں کی بڑی مسجد میں اکٹھے ہو جائیں تو مسجد ان کے لئے ناکافی ہو)۔

۸۔"وقیل:أن یکون بحال یعیش کل محترف من سنة إلی سنة من غیر أن یشتغل بحرفة أخری"(آبادی کا محل وقوع اس طور پر ہو کہ ایک پیشہ ور انسان دوسرے پیشے کو اختیار کئے بغیر ایک سال تک معاشی گزارا کر سکے)۔

۹۔"وعن محمد: موضع مصره الإمام فهو مصرحتی أنه لوبعث إلی قریة نائباً لإقامة الحدود والقصاص تصیر مصراً،فإذا عزله ودعاه یلحق بالقری". یعنی امیر جس کو شہر قرار دے وہ شہر تسلیم کیا جائے گا(عمدۃ القاری علی شرح البخاری للعینی:۷/۴۰،الجمعۃ فی القری والمدن،الرقم:۸۹۲)۔

راجح کی تعیین:

علامہ سمرقندی،علامہ کاسانی،علامہ شامی،مفتی کفایت اللہ اور علامہ کشمیریؒ نے امام صاحب سے مروی مصر کی

تعریف ''أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق الخ'' کوراجح قرار دیا ہے(تحفۃ الفقہاء للسمرقندی:۱/۱۶۲،شرائط الجمعۃ،بدائع الصنائع للکاسانی:۱/۵۸۵،شرائط الجمعۃ،الفتاوی الشامی:۳/۱۶الجمعۃ،کفایت المفتی:۳/۲۰۴فیض الباری علی شرح البخاری للکشمیری:۲/۴۲۴)۔

اس کے برخلاف علامہ حصکفی نے درمختار میں اور علامہ ولوالجی الفتاوی الولوالجیۃ میں ونیز دیگر متاخرین احناف نے امام یوسف کی تعریف ''مالایسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها ''کوترجیح دی ہے۔

چنانچہ علامہ حصکفی درمختار میں لکھتے ہیں: ''وعليه فتوى أكثر الفقهاء لظهور التوانى فى الأحكام''،اس کے بعد علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں: ''وعليه مشى فى الوقاية ومتن المختار وشرحه وقدمه فى متن الدرر على القول الآخر وظاهره ترجيحه،وأيده صدر الشريعة بقوله: لظهور التوانى فى أحكام الشرع سيما فى إقامة الحدود فى الأمصار''(شامی ۳/۵،الجمعۃ)۔

مصر کی مفتی بہ تعریف مالایسع اکبر مساجدھم پر نقض:

دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی عزیز الفتاوی میں تحریر فرماتے ہیں: مصر کی یہ تعریف ''وهو مالايسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها'' منقوض ہے،صحیح یہ ہے کہ عرفاً وہ بستی شہر یا قصبہ کہلائے جانے کی مستحق ہو،اور قریہ کبیرہ جو مثل قصبہ کے ہو اور ضروریات مردماں وہاں ملتی ہوں وہ بھی بحکم مصر ہے،شامی میں ہے:''وتقع فرضا فى القصبات والقرى الكبيرةالتى فيها أسواق إلى أن قال:وفيها ذكرنا إشارة إلى أنه لا يجوز فى الصغيرة التى ليس فيها قاض ومنبر وخطيب الخ،شامى فى باب العيدين من الدرالمختار عن القنية: صلاة العيد فى القرى تكره تحريما أى لأنه استعمال بما لايصح لأن المصر شرط الصحة'' (درمختار)،شامی میں ہے:''ومثله الجمعة''۔

پس معلوم ہوا کہ قریہ صغیرہ میں جمعہ درست نہیں ہے،حالانکہ تعریف ''مالايسع أكبر مساجدهم الخ'' بہت سے قریوں پر صادق آتی ہے،اسی لئے علامہ شامی نے شامی میں اس تعریف کے ذیل میں نقل فرمایا ہے:''قوله ومالايسع هذايصدق على كثير من القرىٰ الخ''اور اس تعریف پر یہ بھی نقض کیا گیا ہے کہ حرمین شریفین کی مسجد حرام اور مسجد نبوی اس تعریف سے خارج ہوجاتی ہیں کیوں کہ وہاں ''مالايسع ''صادق نہیں آتا، بلکہ ان مساجد میں وہاں کے رہنے والوں سے بہت زیادہ وسعت ہے(کذافی الشرح المنیۃ،عزیز الفتاوی:ص۲۹۱)۔

قریہ کبیرہ وصغیرہ عرف پر مبنی:

علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں :"**القرية والمصر من الأشياء العرفية التى لاتكاد تنضبط ولذاترک الفقهاء تعريف المصر على العرف كما ذكره فى البدائع وفى هامشه**"(فیض الباری علی شرح البخاری ۲/ ۲۲۴،الجمعۃ)۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ نے لامع میں حضرت گنگوہی کیؒ 'الکوکب'' کے حوالے سے لکھا:"**ليس هذا كله تحديداله بل إشارة الى تعيينه وتقريب له إلى الأذهان وحاصله إدارة الأمر على رأى أهل كل زمان فى عدهم المعمورة مصرا فما هو مصر فى عرفهم جازت الصلاة فيه إلى آخر مابسط من أقوال الفقهاء فى ذلک فارجع إليه لوشئت تفصيل كلام الشيخ قدس سره، ولاريب أن مدار القرية الكبيرة التى يقال لها فى لساننا قصبه على العرف**"(لامع الدراری ۲/۱۰)،مذکورہ عبارت میں شیخ نے دوچیزوں کی طرف نشاندہی فرمائی ہے:

۱۔گزشتہ اوراق میں مصر کی جوتعریف ذکر کی گئی وہ علی سبیل التحدید نہیں ہے، بلکہ اذہان کواس سے قریب کرنے کیلئے ایک تمثیل ذکر کی گئی ہے۔

۲۔قریہ کبیرہ وصغیرہ کی تعیین عرف وعادات پر چھوڑ دی گئی ہے۔

مصراور قصبہ کی تعریف عرفی چیز ہے جوعرف کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہے، نیز اس قدر عام ہے کہ بغیر تعریف کئے بھی عوام اور بے علم آدمی بھی جانتے ہیں کہ فلاں بستی چھوٹا گاؤں ہے اور فلاں بستی قصبہ ہے(فتاوی محمودیہ:۲/ ۳۱۵،باب الجمعۃ والعیدین)۔

حضرت تھانویؒ نے'' امدادالفتاوی ۲/ ۶۰۵ طبع زکریا'' میں میرٹھ کے موضع ساران جس کی کل آبادی اس وقت تین ہزار تین سو کی تھی،قصبہ کے حکم میں قرار دیکر جمعہ کے جواز کا فتوی دیا۔

مفتی شبیر احمد صاحب نے فتاوی قاسمیہ میں پچیس سوافراد پر مشتمل مرد وعورت مسلم وغیر مسلم آبادی میں جمعہ کے جواز کا فتوی دیا ہے خواہ دیگر چیزیں مفقود ہوں(فتاوی قاسمیہ:۹/ ۱۷۱،الجمعۃ)۔

شاہ ولی اللہ، بحر العلوم مولانا عبد العلی اور مفتی کفایت اللہ کا موقف:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے'' حجۃ اللہ البالغۃ'' میں تحریر فرمایا ہے کہ جمعہ کیلئے قریہ جامعہ شرط ہے،اور قریہ جامعہ وہ

ہے جس میں پچاس آدمی ہوں "لماکان حقیقة الجمعة إشاعة الدين فی البلد وجب أن ينظر إلى تمدن وجماعة ،والأصح عندی أنه يكفی أقل مايقال فيه قرية،لماروی من طرق شتی يقوی بعضها بعضاً "خمسة لا جمعة عليهم" وعدمنهم أهل البادية قال النبی ﷺ :"الجمعة على الخمسين رجلا " أقول: الخمسون يتقرى بهم قرية وقال النبی ﷺ :"الجمعة واجبة على كل قرية"وأقل مايقال فيه:جماعة لحديث الانفضاض والظاهر أنهم لم يرجعوا والله أعلم فإذا حصل ذلک وجبت الجمعة ومن تخلف عنها فهو الآثم" (حجۃ اللہ البالغۃ للشاہ ولی اللہ الدہلوی:۲/۳۰،الجمعۃ)۔

لہٰذا شاہ صاحب کی تحقیق کے مطابق ایسے گاؤں میں جہاں پچاس افراد ہوتو ان کے ذمہ جمعہ کی نماز پڑھنا ضروری ہے اور نہ پڑھنے کی وجہ سے وہ گناہ گار بھی ہوگا۔

مولانا عبدالعلی لکھنویؒ اپنی کتاب ''رسائل الارکان'' میں فرماتے ہیں:

"كان مطلع الأسرار أبی قدس سره يفتی بأن المصر موضع يندفع حاجة الإنسان الضرورية من الأكل بأن يكون هناک من يبيع طعاما والكسوة الضرورية وأن يكون هناک أهل حرف يحتاج إليهم كثيرا،ولاأدری أهذا كله كان عن اجتهاده قدس سره أووجد رواية. والله اعلم" (رسائل الأركان :ص ۱۱۴)۔

چنانچہ حضرت مولانا عبدالعلی صاحب نے اپنے والد گرامی قدر مولانا نظام الدین لکھنوی کے رجحان کو معیار قرار دیا کہ نماز جمعہ ہر اس جگہ صحیح ہے جہاں پر انسانوں کی بنیادی ضروریات خواہ کھانے پینے کی ہوں یا کپڑے وغیرہ کی پوری ہوسکے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ ''کفایت المفتی'' میں لکھتے ہیں ایسا قریہ جس پر مصر کی کوئی تعریف بھی صادق آجائے مثلاً "مالايسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها"، اس میں اقامت جمعہ جائز ہے، اگر کوئی تعریف بھی صادق نہ آئے جب بھی اس مسئلے میں حنفیہ کیلئے مصالح عامہ اسلامیہ کے لحاظ سے شوافع کے مسلک پر عمل کرلینا جائز ہے (کفایت المفتی ۳/۲۱۷)۔

ان حضرات کے موقف پر فتوی دینے سے حنفی مذہب سے عدول لازم نہیں آتا:

مفتی کفایت اللہ دہلوی نے کفایت المفتی میں تحریر کیا ہے کہ اگر کوئی حضرت شاہ ولی اللہ کے اس قول کے موافق عمل

کرے یا فتوی دے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اس مسئلے میں اپنے امام کی تقلید چھوڑ کر شاہ ولی اللہ یا مولانا بحر العلوم کی تقلید کی، ان دونوں بزرگوں نے اس میں اگر حنفیہ کے اصل مذہب سے عدول کیا تو حنفی ہونے سے نہ نکلیں گے، کیونکہ ان کا تبحر اور درجہ تحقیق بہت اعلیٰ ہے (کفایت المفتی ۳/ ۲۰۵)۔

شاہ ولی اللہ دہلوی، بحر العلوم مولانا عبد العلی اور مفتی کفایت اللہ کی فکر پر مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی اور مفتی محمد شفیع صاحب کا اظہار خیال:

مفتی اعظم دار العلوم دیوبند عزیز الفتاوی میں لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی جو کچھ تحقیق جمعہ کے بارے میں ہے اس میں کوئی خفا اور استعجاب نہیں، اکابر کے کلام میں ایسے مضامین بیشتر ہوتے ہیں، دیہات میں جمعہ کا نہ ہونا یہ بھی امر مسلم ہے جس کو شاہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے، پھر اپنی تحقیق سے جس قریہ کو انھوں نے جامعہ خیال فرمایا اس میں حکم جمعہ کا ارقام فرمایا، اس میں شک نہیں کہ قریہ جامعہ میں سب کے نزدیک جمعہ کا ادا ہونا مسلم ہے، ابوحنیفہؒ بھی قریہ جامعہ میں حکم جمعہ کا فرماتے ہیں، باقی یہ امر اور تحقیق ثانی ہے کہ قریہ جامعہ کس کو کہا جائے گا، امام صاحب امصار وقصبات وقری کبیرہ کو جن میں ضروریات انسانیہ کا بہم پہنچانا سہل ہو، بازار دوکانیں وہاں ہوں، حکام کی قیام گاہ ہو، قریہ جامعہ فرماتے ہیں اور اس میں حکم جمعہ فرماتے ہیں اور قریہ صغیرہ کو جس میں اوصاف مذکورہ موجود نہ ہوں محل جمعہ قرار نہیں دیتے۔

بخاری کی حدیث جس میں اہل قریہ کا مدینہ شریف میں نوبت بنوبت جمعہ کیلئے آنا ثابت ہے وہ قوی دلیل ہے اس پر کہ اہل قری پر جمعہ واجب نہیں ورنہ سب کا آنا ضروری ہوتا، نوبت بنوبت آنا کیسے جائز ہوسکتا تھا، اور یہ بھی مسلم ہے کہ خود ان قری میں جمعہ نہ ہوتا تھا جو یہ خیال کیا جائے کہ جو صحابہ مدینہ شریف میں نہ آئے وہ وہاں جمعہ پڑھ لیتے ہونگے، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اتنی بات میں تو متفق ہیں کہ قریہ جامعہ جمعہ کیلئے ضروری ہے باقی یہ ان کی تحقیق ہے کہ جس قریہ میں پچاس آدمی ہوں اس کو وہ قریہ جامعہ خیال فرماتے ہیں اور دیگر ائمہ مثل امام مالک وامام شافعی کی تحقیق کو اس بارے میں اختیار فرماتے ہیں، ہر محقق امت کی ایک تحقیق ہے جو اس کو مختار وپسندیدہ ہے دوسروں پر اس کچھ التزام نہیں، مجتہدین امت کی تحقیقات کو اگر ملاحظہ کیا جائے تو بہت مواقع میں ایسے امور نظر آتے جن میں بظاہر ان کا کلام متعارض معلوم ہوتا ہے مگر درحقیقت تعارض نہیں، ہر ایک تحقیق کا محل ومنشاء دوسرا ہے، حضرت شاہ صاحب بھی انھیں محققین ومرجحین میں سے ہیں کہ ان کی تحقیق کا مرتبہ جدا اور ممتاز ہے، عام آدمیوں کو ان کی تحقیقات کا احصار کیسے ہوسکتا ہے کہ خواص بھی اس میدان میں حیران ہوتے ہیں، پس اس قصہ سے قطع نظر کیجئے کہ ان اکابرین کی تحقیق فلاں جگہ کیا ہے اور فلاں جگہ کیا ہے، اپنے مجتہد امام کی تقلید

کرنی چاہئے کہ اس قسم کے خطرات سے امن رہے امام ابوحنیفہ کا مسلک ومذہب دوبارہ جمعہ معلوم ومحقق ہے جس کو احقر نے بھی کچھ لکھ دیا ہے اور کتب فقہ میں مبین ومبرہن ہے اس کو اختیار کرنا چاہئے اور باقی تحقیقات اپنی وسعت فہم وادراک سے باہر سمجھ کر اس سے اغماض وسکوت چاہئے (عزیز الفتاوی ر ۲۷۸)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب جواہر الفقہ میں لکھتے ہیں: اگر بالفرض کسی حنفی المذہب عالم محقق کی تحقیق ان سب حضرات کے خلاف بھی واقع ہو کہ یہ شرط ضروری نہیں تب بھی از روئے عقل ونقل حنفی المذہب مسلمان کا فرض یہی ہوگا کہ ان عالم محقق کی تحقیق کا احترام باقی رکھتے ہوئے ان کی طرف سے تاویل کریں اور عمل میں جمہور فقہاء کا اتباع کریں، کیونکہ یہی دستور امت کے سنجیدہ حضرات اہل سنت والجماعت کا ہے کہ اتباع ہمیشہ جمہور کا کیا جاتا ہے اور اگر کسی بزرگ سے کوئی حکم ان کے خلاف ثابت بھی ہو اس کی تاویل کی جاتی ہے اور تاویل بھی نہ ہو سکے تو سکوت کیا جاتا ہے، تمام علمائے امت کا سلفاً وخلفاً یہی معمول رہا ہے، علامہ محقق ابن ہمام حنفیہ کے ایک نہایت محقق امام ہیں جن کی جلالت قدر سے کوئی حنفی یا غیر حنفی انکار نہیں کرسکتا، لیکن جب ان کی کوئی تحقیق جمہور حنفیہ کے خلاف واقع ہوئی تو کوئی حنفی ان کی اقتداء اس مسئلے میں نہیں کرتا ہے۔ اور اسی لئے قاسم بن قطلوبغا جو ابن ہمام کے شاگرد رشید ہیں فرماتے ہیں: ''تفردات شیخی غیر مقبولة'' (شرح عقود رسم المفتی) مسلمہ امر ہے کہ تفردات ابن ہمام مقبول نہیں، صاحب ہدایہ کو گرچہ اصحاب ترجیح میں شمار کیا گیا ہے، لیکن بہت سے مواضع میں ان کے قول کو تمام حنفیہ نے بوجہ مخالفت جمہور ترک کردیا ہے (ص ۱۱۵، گاؤں میں جمعہ کے احکام)۔

قبل جمعہ وعظ ونصیحت کو معیار قرار دیکر چھوٹے گاؤں میں جمعہ کے جواز کا فتوی قابل التفات نہیں:

مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں: ''امام اعظم ابوحنیفہ کے مذہب پر نماز جمعہ شہروں اور قصبات ہی میں ادا ہوسکتی ہے اور ایسے بڑے گاؤں جو مثل قصبات کے ہوں ان میں بھی جائز ہے جیسا کہ علامہ شامی نے تصریح فرمائی ہے، اس کے علاوہ چھوٹے گاؤں میں جمعہ ہرگز جائز نہیں اور کسی کا یہ کہنا بالکل صحیح نہیں کہ لوگ اس بہانے سے نماز پڑھ لیتے ہیں، مسلمان تو احکام شرعیہ کے مامور ہیں، حدود مذہب کے اندر لوگوں کو نماز کیلئے جمع کرنا چاہئے اور اگر وہ کسی ایسی صورت میں جمع ہوں جو شرعاً جائز نہ ہو تو ایسے اجتماع ہی سے کیا فائدہ ہے جب نماز جمعہ چھوٹے گاؤں میں ادا نہیں ہوگی تو پھر ایسی نماز کے لئے اگر جمع بھی ہوگئے اور پڑھ بھی لی تو کیا فائدہ؟ اس لئے مسلمانوں کو فتوے پر عمل کرنا چاہئے، جس کی قسمت میں نماز اور عبادت لکھی ہے

اور جس کو خدا کا خوف ہے وہ پھر بھی پڑھے گا اور جو بدقسمت نہ پڑھے تو اس کی فکر کسی کے ذمے نہیں وہ اپنی قبر کا خود سامان کرے گا (امداد المفتیین: ص ۳۱۵، جواہر الفقہ: ص ۱۱۳)۔

☆☆☆

جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط
اور موجودہ حالات

مفتی حبیب اللہ نعمانی ☆

یہ انتہائی اہمیت کا حامل موضوع ہے، یہ موضوع (حنفیہ کے یہاں) کم وبیش ہر جگہ موضوع بحث رہتا ہے، اور اس سلسلے میں استفتاء وافتاء کا سلسلہ عموماً چلتا رہتا ہے، خصوصاً اس اعتبار سے کہ جس جگہ جمعہ کی شرائط موجود ہونے کی وجہ سے جمعہ درست ہوتا ہے اس میں اور جہاں درست نہیں ہوتا اس میں واضح حد فاصل کیا ہے، جس کی بنا پر ہر کوئی جواز یا عدم جواز کا قطعی فیصلہ کر سکے، تو چونکہ یہ فیصلہ شرائط جمعہ کی یقینی تطبیق سے ہی ممکن ہوتا ہے، جس میں تعریف مصر اور تعریف قریہ کبیرہ سب سے بنیادی عنصر ہے، اور ان کی جامع مانع تعریف دائمی طور پر طے کرنا قدرے مشکل ہے؛ کیونکہ اس سلسلے میں فقہاء حنفیہ کی تشریحات مختلف ہیں، متقدمین ومتاخرین کی تشریحات میں کئی پہلوؤں سے فرق ہے؛ اس لئے اس موضوع پر موجودہ حالات کے تناظر میں ایک حتمی رائے طے ہونی چاہیے، جس سے یہ مسئلہ کما حقہ حل ہو، اور بیجا اضطراب ختم ہو، اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے سوالنامہ میں اس موضوع کے تمام اہم پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے، اور نہایت جامع انداز میں اس مسئلے کے حل طلب گوشوں کا احاطہ کیا گیا ہے، جو تین بنیادی نقطوں پر مشتمل ہے؛ اس لئے ہم انہیں تین نقطوں پر اپنی معروضات پیش کرنا چاہتے ہیں:

تعریف مصر:

مصر سے متعلق اتنی بات یقینی ہے کہ یہ شرط حنفیہ کے تمام ائمہ اور فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہے، امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد رحمہم اللہ اور تمام فقہاء حنفیہ کے نزدیک ادائے جمعہ کے لئے مصر شرط ہے، صحابہ وتابعین میں سے حضرت علی، حذیفہ بن یمان، عطاء، حسن ابن الحسن، ابراہیم نخعی، مجاہد، محمد بن سیرین، اور سفیان ثوری رضی اللہ عنہم اجمعین کا بھی یہی مذہب

☆ ناظم اعلی دار العلوم صفہ، ضلع جودھپور راجستھان۔

ہے؛ جو کچھ اختلاف ہے، وہ اس کی مراد کی تعیین وتحدید اور تطبیق خارجی میں ہے، اسی غرض سے مصر اور قریہ جامعہ کی تعریف کی جاتی ہے، اسی طرح تعریف مصر کے متعلق یہ تو طے ہے کہ اس کی کوئی ایسی تعریف نہیں کی جاسکتی جس سے وہ دیہات اور چھوٹے گاؤں پر بھی صادق آنے لگے، یہ تو تبھی ممکن ہے، جب اصل شرط کو سرے سے چھوڑ دیا جائے، جبکہ بہت واضح اور قوی احادیث وآثار اور حنفیہ کے عظیم ائمہ کی تصریحات کے ہوتے ہوئے سرے سے اس شرط کو ختم کرنا ممکن نہیں، لہذا زیادہ سے زیادہ یہی ہوسکتا ہے، کہ اس کی ایسی واضح تشریح ہوجائے جس سے اس کی تطبیق آسان اور موافق زمانہ ہوجائے۔

تعریف مصر کے متعلق یہ بھی قطعی ہے کہ تمام فقہاء کی تعریفات میں سے کوئی تعریف ایسی نہیں ہے، جس کو حد حقیقی کہا جائے، اور وہ مصر کے دائمی عناصر ترکیبی کو بیان کرتی ہو، بلکہ تمام تعریفات علامات وعوارض پر مشتمل ہیں، جو وقتی وجزئی تعیین کے لیے مفید ہیں، اجزائے حقیقیہ کسی میں بیان نہیں ہوئے، لیکن تمام تعریفات کے قدرے مشترک کو دو بنیادی عناصر میں سمیٹا جاسکتا ہے، اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ حنفیہ کے یہاں جس جگہ جمعہ قائم کرنا درست ہے، اس کے لئے دو چیزیں لازم ہے:

۱-تمدن ومرکزیت ہونا۔

۲-عرف میں مصر اور قریہ کبیرہ کی حیثیت حاصل ہونا، چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ: ''**وقد تلقت الأمة تلقيا معنويا من غير تلقى لفظى :أن يشترط فى الجمعة الجماعة ونوع من التمدن** ''(حجۃ اللہ البالغۃ) کہ امت نے (آپ ﷺ سے) صرف لفظی طور پر نہیں بلکہ معنوی طور پر یہ چیز پائی ہے کہ جمعہ میں جماعت اور یک گونہ تمدن شرط ہے)۔

اسی طرح صاحب فقہ السنن والآثار مفتی عمیم الإحسان مجددی نے اس سلسلے میں مختلف احادیث وآثار نقل کی ہیں، جن سے تمدن ومرکزیت کا لازم ہونا معلوم ہوتا ہے:

''**عن عائشةؓ قالت كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم والعوالى .أخرجه الشيخان، وللبخارى عن بن عباس أنه قال أول جمعة جمعت بعد جمعة فى مسجد رسول الله ﷺ فى مسجد عبد القيس بجواثى من البحرين .قلت وذالک بعد ست سنة، ويفيد هذا أن الجمعة تخص بالمدن كالمدينة وجواثى.وقدقال علىؓ لاتشريق ولاجمعة إلا فى مصر جامع :أخرجه عبدالرزاق، وصححه الحافظ وابن حزم .وقال حذيفةؓ ليس على أهل القرى جمعة...**''(فقہ السنن والآثار ۳۰۲، ۳۰۳)۔

یہ احادیث وآثار صراحۃ اس بات پر دال ہیں کہ جس مقام میں جمعہ قائم کیا جائے، اس میں تمدن ومرکزیت ہونا لازم ہے، اس کے بغیر جمعہ درست نہیں ہوگا۔

مفتی عزیز الرحمانؒ فرماتے ہیں کہ: جس مقام کو عرفاً شہر کہا جاتا ہے، وہاں بلاشبہ جمعہ کی نماز صحیح ہے، اور شہر وقصبہ ہونا آبادی کی کثرت پر ہوتا ہے، اگرچہ کفار آباد ہوں اور مسلمان قلیل ہوں (جواہر الفقہ ۴/ ۱۲۹)۔

کفار کی آبادی کا مؤثر ہونا بھی اسی طرف مشیر ہے کہ اصل چیز تمدن ومرکزیت ہے، مسلمانوں کی آبادی ہی اصل نہیں ہے، اور قریہ کے فیصلہ کی بنیاد عرف عام پر ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں: شہر وہی ہے جس کو ہماری بول چال میں کہتے ہیں، اور فقہاء کی عبارتیں جو کچھ اس میں منقول ہیں، وہ حکم شرعی طور پر نہیں ہے، بلکہ اپنے اپنے عرف کے اعتبار سے ہے (جواہر الفقہ ۴/ ۱۲۵)۔

لہذا مصر جامع اور قریہ کبیرہ کے لیے یک گونہ تمدن، مرکزیت اور عرف میں مرجع ومرکز کی حیثیت سے مسلم ہونا ضروری ہے، اس سے کم پر مصر یا قریہ کا اطلاق درست نہیں، ہاں وہ شرطیں جو فقہاء نے ذکر کی ہیں، کہ قاضی ہو امام ہو، بازار ہو، گلیاں ہوں، یہ سب اپنے اپنے وقت کے عرف کے اعتبار سے بطور علامت ذکر کی جاتی رہی ہیں، اصطلاحی معنی میں کوئی مستقلا شرط نہیں ہے۔

یہی حنفیہ کا قول فیصل ہے۔

مسلمانوں کی آبادی کی بنیاد پر قیام جمعہ:

دوسرا نقطہ یہ ہے کہ جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو، اور نماز باجماعت کا نظم ہو، مسجد ہو یا نہ ہو، وہاں جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے؟ ظاہر ہے ایسے مقام میں مذہب حنفیہ پر قیام جمعہ کا جواز ممکن نہیں ہے، کہ مطلق آبادی یا نظم جماعت ایفائے شرط کے لیے کافی نہیں ہے، ایسا مقام قریہ صغیرہ ہی ہوگا، جس میں نہ کامل درجہ کی مرکزیت ہوگی، نہ عرف میں اس کا بطور مرکز متعارف ہونا ممکن ہوگا؛ اس لئے کہ تمدن ومرکزیت صرف آبادی یا نظم جماعت سے ممکن نہیں، کیونکہ عبارات فقہاء اور سیاق نصوص سے واضح ہے کہ یہاں ہمہ گیر قسم کا تمدن اور مرکزیت مطلوب ہے، جیسا کہ تعریفات مصر میں امام وقاضی اور أسواق ورساتیق کی شرطیں مذکور ہیں، وہ شرطیں اگرچہ علامتی اور اپنے اپنے وقت کے عرف کے اعتبار سے ہیں، لیکن اس سے تمدن ومرکزیت کی جنس اور نوع متعین ہوجاتی ہے کہ وہ صرف دینی ضروریات کے لئے مرکز نہ ہو؛ بلکہ مطلقا ضروریات کے لئے مرکز ومرجع ہو، اور ہر مسلم آبادی چاہے اس میں نماز باجماعت کا نظم ہو، ضروری نہیں کہ ہمہ گیر مرکزیت کی حامل ہو، لہذا ایسے مقام میں اقامت جمعہ کا جواز قری صغیرہ میں قیام جمعہ تک مفضی ہے، جو مکروہ تحریمی ہے۔

"**صلاة العيد فى القرى تكره تحريما؛ لأنه اشتغال بما لايصح؛ لأن المصر شرط الصحة، ومثله الجمعة**" (درمختار-شامی)۔

بستیوں میں عید کی نماز مکروہ تحریمی ہے؛ کیونکہ یہ ایسی نماز میں مشغول ہونا ہے، جو درست نہیں ہے، اس لئے کہ مصر صحت کے لیے شرط ہے، اور جمعہ عید کی طرح ہے، (لہذا قری صغیرہ میں اور بستیوں میں جمعہ بھی مکروہ تحریمی ہے) اور شاہ ولی اللہ صاحب "المصفی "شرح موطا إمام مالک میں فرماتے ہیں: ''درزمان آنحضرت ﷺ دربدو جمعہ نمی بودند، وبا آنحضرت ﷺ جمع کثیر از اہل مکہ درعرفہ بودند، ایشاں را بجمعہ نفرمودند، وسفر اگر سبب عدم تحتم درحق آنحضرت ﷺ واہل مدینہ می تواند شد درحق اہل مکہ علت نمی تواند شد ..... إلا بودن ایشاں درصحراء'' (إعلاء السنن)۔

(آنحضرت ﷺ کے زمانے میں دیہات اور گاؤں میں جمعہ نہیں تھا، آپ ﷺ کے ساتھ اہل مکہ کا بڑا مجمع .... (جمعہ کے روز) عرفہ میں موجود تھا، آپ نے ان کو جمعہ کا حکم نہیں فرمایا، اگر سفر آپ ﷺ اور اہل مدینہ کے حق میں جمعہ فرض نہ ہونے کی وجہ تھا؛ تو اہل مکہ کے حق میں تو یہ اس کی علت نہیں ہوسکتا تھا، سوائے اس کے کہ وہ صحراء میں ہوں)۔

اور مفتی شفیع صاحب دیوبندی لکھتے ہیں: ''شمس الائمہ نے مبسوط میں فرمایا ہے، کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب بلاد عرب وعجم کو فتح کیا تو کہیں منقول نہیں کہ کسی گاؤں میں کوئی جامع مسجد بنائی ہو، یا منبر قائم کیا ہو، یہ کام صرف شہروں کے ساتھ مخصوص رکھا ہے ..... کذا فی المبسوط'' (جواہر الفقہ ۴/ ۱۱۵)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گاؤں دیہات یا مطلق آبادی والے قریہ صغیرہ میں صحابہ نے جمعہ قائم نہیں فرمایا اور علامہ یوسف بنوری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث "**كان الناس ينتابون يوم الجمعة من منازلهم والعوالى** ". پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **ينتابون أى يأتون نوبة فنوبة، تحضر طائفة فى جمعة وطائفة أخرى فى جمعة أخرى .فهذا يفيدنا فى عدم إقامة الجمعة فى القرى .وقد أوضحه مولانا الشيخ رشيد احمد الكنكوهى فى رسالته أوثق العرى فى توضيح الجمعة فى القرى وأبسط منه فى أحسن القرى للشيخ محمود حسن الديوبندى .....فقالا ردا على القرطبى : ....لأنه لوكان واجبا على أهل العوالى، ماتنابوا ولكانوا يحضرون جميعا ....وإلا فكيف يستقيم أن يرضى البقية من الصحابة الذين لم يحضروا مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يتخلفوا عن إقامة الجمعة التى قدحث الشارع على فضائلها، ورغب إليها الناس ....ثم لايقيمون الجمعة فى مسجدهم بقباء، وهو صلى الله عليه وسلم يعلم كل ذالک، ثم لايأمرهم بالمعروف ولاينهاهم عن المنكر...؛ فهذا أوضح دليل وأقوى حجة على أن الجمعة ماكانت تلزمهم فى مثل تلک القرى الصغيرة؛ وإلا ماكانت تفوت بقيتهم فى العوالى**''، اس تفصیل سے واضح ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں صحابہ عوالی مدینہ اور قباء وغیرہ مختلف مقامات سے باری

باری جمعہ پڑھنے آتے تھے، اور اپنی بستیوں میں جمعہ قائم نہیں کرتے تھے، اور یہ سب کام آپ ﷺ کے سامنے ہوتے، آپ اس پر خاموش رہتے تھے، یہ اس بات کی بہت ہی واضح اور قوی دلیل ہے کہ گاؤں اور دیہات میں جمعہ قائم نہ کرنا آپ ﷺ کے زمانے سے مسلسل چلا آرہا تعامل ہے۔

مخصوص مصالح کے پیش نظر گاؤں میں جمعہ کا حکم:

جب جمعہ فی القری کا عدم جواز نہایت واضح اور قوی دلائل سے ثابت ہے؛ تو اس کے مقتضی پر عمل کرنا لازم ہے، اس کے خلاف کرنا درست نہیں ہے، لوگوں کو جوڑنا یا قادیانیت وغیرہ فتن سے آگاہ کرنا مسلک کے خلاف فتوی کی علت تامہ نہیں ہے، ان مقاصد کو دیگر طریقوں سے بھی حاصل کیا جاسکتا ہے، اور یقیناً حاصل کیا جاسکتا ہے، یہ ممکن نہیں کہ کوئی چیز دین میں مطلوب ہو یا دین کے لیے مقصود ہو، اور اس کے حصول کا مشروع راستہ نہ ہو، مصالح مشارالیہ کے حصول کے بھی متعدد طریقے موجود ہیں، جو بغیر کسی شک وشبہ کے مفید مطلوب ہیں، اس لئے شک والا راستہ ترک کرکے یقین والے طریقے پر عمل کیا جائے، اور ایسے مصالح کی وجہ سے گاؤں میں جمعہ قائم نہ کیا جائے، چنانچہ مفتی شفیع صاحب فرماتے ہیں: ''چھوٹے گاؤں میں جمعہ ہرگز جائز نہیں ہے، اور کسی کا یہ کہنا بالکل درست نہیں کہ لوگ اس بہانے نماز پڑھ لیتے ہیں، یا جڑ جاتے ہیں اور فتن سے واقف ہوجاتے ہیں، مسلمان تو احکام شرعیہ کے مامور ہیں، حدود مذہب کے اندر لوگوں کو نماز کے لئے جمع کرنا چاہئے، اور اگر وہ کسی ایسی صورت میں جمع ہوں، جو شرعاً جائز نہ ہو تو ایسے اجتماع ہی سے کیا فائدہ؟ جب نماز جمعہ چھوٹے گاؤں میں ادا نہیں ہوگی؛ تو پھر ایسی نماز کے لئے اگر جمع بھی ہوگئے، اور پڑھی بھی تو کیا فائدہ! اس لئے مسلمانوں کو تو فتوی پر عمل کرنا چاہئے، جس کی قسمت میں نماز اور عبادت لکھی ہے، اور جس کو خدا کا خوف ہو، وہ پھر بھی پڑھے گا، اور جو بدقسمت نہ پڑھے تو اس کا فکر کسی کے ذمہ نہیں، وہ اپنی قبر کا خود سامان کرے گا'' (جواہر الفقہ ۴/ ۱۱۳)۔

قال الشيخ جلال الدين الدوانی ...فی "شرح العضدية "فرض على الناس وجود عالم فيهم على مسافة غدوية لكی يرجع إليه القوم فی مسائل الدين؛ وإلا فهم آثمون" (معارف السنن ۴/ ۳۴۵)، کہ قوم پر فرض ہے کہ معمولی مسافت پر ان میں ایک عالم موجود ہو، جس کی طرف مسائل دین سیکھنے کے لئے رجوع کیا جائے، ورنہ پوری قوم گنہگار ہوگی، اگر اس فرض پر عمل شروع ہوجائے؛ تو مصالح مذکورہ بالا کے لیے گاؤں میں جمعہ قائم کرنے اور مسلکی پابندی سے صرف نظر کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی، کیونکہ جو شخص ایسے مواقع پر جمعہ کے لئے جوڑے گا اور فتن وغیرہ سے مطلع کرے گا، وہ انہیں ایک واقعی فرض پر عمل کے لیے بھی آمادہ کردے گا، یوں ان میں مستقل عالم کی موجودگی سے بتدریج مکمل نظام دین زندہ ہوگا اور وہ دو گناہوں سے محفوظ ہوجائیں گے: ایک تو گاؤں میں اقامۃ جمعہ کی کراہۃ کا گناہ، دوسرا تعلیمِ

مسائلِ دین سے اعراض کا گناہ جو مقاصد ہم مصلحۃً اجازۃِ جمعہ فی القری سے حاصل کرنا چاہتے ہیں، یہی مقاصد یا ان کے مثل مقاصد صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی فتوحات کے زمانے میں نئے فتح ہونے والے علاقوں میں حاصل کیے تھے، لیکن انہوں نے گاؤں میں جمعہ قائم کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، جیسا کہ شمس الائمہ سرخسی کا قول اوپر گزرا؛ تو آج بھی یقیناً اس کی ضرورت نہیں ہے، اگر مصلحۃً وقتی طور پر مسلکی پابندی کے التزام سے صرف نظر کیا جائے؛ اور فروعات میں توسیع کی جائے؛ تو ایسا نہیں ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ مصلحتی رخصت ختم ہوکر حکم اپنی اصل کی طرف لوٹ جائے گا، اور دینی ترقی کے بعد لوگ گاؤں میں جمعہ پڑھنا ترک کردیں گے، بلکہ اس پر قیاس کرکے بہت سے ایسے مقامات میں جمعہ قائم کرنے کی کوشش شروع ہوجاتی ہے، جہاں سرے سے کوئی ضرورت یا مجبوری نہیں ہوتی، مشاہدہ ہے کہ بہت سے وہ احکام جن میں وقتی ضرورت اور معمولی مجبوری کے تحت توسیع کی تھی؛ وہ مجبوری ختم ہوجانے کے بعد اپنی اصل کی طرف نہیں لوٹ سکے، اور ان کو اصل کی طرف لوٹانے میں اس سے زیادہ محنت پڑی جتنی ابتداءً اصل حکم کو معمول بہ بنانے میں ہوئی تھی، بلکہ وہ مسلکی پابندی میں مداہنت کا سبب بننے لگے، اور اچھا خاصا متحد معاشرہ خوامخواہ تفریق کی نظر ہوگیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا جو یہ معمول اوپر بیان ہوا کہ وہ قباء وغیرہ اطراف کی بستیوں سے مدینہ میں جمعہ پڑھنے آتے تھے، اس کے متعلق علامہ بنوری نے لکھا ہے کہ:

''**إنما كانوا يحضرون الجمعة مناوبة لكي يتفقهوا في الدين، ويتعلموا مسائل الشرع المبين، ولينذروا قومهم ويعلموهم دينهم إذا رجعوا إليهم .....فكانوا يتناوبون من أجل تلك المصالح الشرعية، لأن الجمعة كانت واجبة عليهم**'' (معارف السنن ۴/۳۴۵)۔

(صحابہ باری باری جمعہ میں اس لئے حاضر ہوتے تھے، تاکہ دین کو سمجھیں اور دین مبین کے مسائل سیکھیں، اور جب اپنی قوم کے پاس واپس جائیں تو انہیں ڈر سنائیں اور دین سکھائیں، تو صحابہ صرف ان شرعی مصالح کی وجہ آتے تھے، اس وجہ سے نہیں کہ جمعہ ان پر فرض تھا)، اس سے معلوم ہوا کہ جہاں لوگ اپنے مقام پر جمعہ قائم کرکے دین نہیں سیکھ سکتے وہ صرف مسائل دین معلوم کرنے کے لیے دور کی جامع مسجد جائیں، اور واپس آکر دیگر حضرات کو بھی وہ مسائل بتائیں، یہی صحابہ کا اسوہ ہے، گویا مرکز کو اپنے پاس لانے کے بجائے خود مرکز کی طرف رجوع کریں، دقت نظر سے غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ صلوات خمسہ میں یومیہ پانچ بار جماعت کو لازم کرنا، پھر ہفتہ وار ترتیب پر جمعہ واجب کرنا، پھر سالانہ دورانیہ میں عیدین لازم کرنا، اور مطلق زندگی اور عمر کے دورانیہ میں ایک بار حج فرض قرار دینا، یہ درحقیقت ملت اسلامیہ کی جماعتی تربیت کے چار درجات ہیں، ایک فرد مومن ان چار درجوں میں تربیت پاکر کامل ملی و جماعتی مزاج کا حامل بنتا ہے، چنانچہ یومیہ پانچ بار مقامی مسجد میں نماز باجماعت کے لیے دیہات بستی قریہ شہر سب برابر ہیں، اور یہ جماعت صرف دو شخصوں کی شرکت سے بھی درست

ہوجاتی ہے، اور دوسرے درجے میں ہفتہ وار ترتیب پر نماز جمعہ کے لیے زمانی دورانیہ نمازیوں کی تعداد اور خطبہ وغیرہ کئی چیزیں اس کے موافق بڑھائی گئی، تو یقیناً توسیع مکانی بھی ہوگی، اور ہر اس مقام میں جہاں جماعت ہوسکتی ہے جمعہ درست نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ اس کے ہمہ گیر تقاضائے تدریجی کے خلاف ہے، معلوم ہوا کہ اگر اجازت جمعہ فی القری سے کچھ مصالح کا حصول آسان ہوتا ہے، تو وہیں اس میں متعدد مصالح مطلوبہ کا فوات بھی لازم آتا ہے، لہذا مجموعی طور پر اس کو جائز نہ قرار دیا جائے۔

☆☆☆

موجودہ حالات میں مصر کی تعریف اور قیام جمعہ

مولانا راسخ الاسلام قاسمی اراریاوی☆

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ جمعہ کا حال پنجگانہ نماز کی طرح نہیں ہے کہ شہر ہو یا گاؤں، آبادی ہو یا جنگل، حضر ہو یا سفر، زمین ہو یا سمندر کی سطح، تنہا ہو یا جماعت، ادا ہو یا قضاء ہر طرح پڑھنے کی اجازت ہو جائے، جیسا کہ امام ابو بکر جصاصؒ احکام القرآن میں اس کی صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اتفق فقهاء الأمصار على أن الجمعة مخصوصة بموضع لا يجوز نقلها فى غيره لأنهم مجمعون على أن الجمعة لا تجوز فى البوادى ومناهل الأعراب" (احکام القرآن للجصاص / سورۂ جمعہ فصل ۳/۶۶۶ قدیمی)۔

لامحالہ جمعہ کے لئے کچھ شرائط ہیں، ان شرائط میں سے ایک اہم شرط مصر ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے: **"لا جمعه ولا تشريق إلا فى مصر جامع"** (اعلاء السنن/ ابواب الجمعہ/ باب عدم جواز الجمعہ فی القری ۸/ ۳ مکتبہ اشرفیہ دیوبند، مصنف عبدالرزاق ۳/ ۱۶۷ برقم: ۵۱۷۵ مکتبہ بیروت)۔

چونکہ مصر کی بعض تعریفیں قصبہ اور قریہ کبیرہ (بڑی بستی) پر صادق آتی تھی، اس لئے فقہاء احناف نے قصبات اور قریات کبیرہ کو مصر کے حکم میں مانا ہے (کفایت المفتی ۳/ ۲۰۴ مکتبہ زکریا)۔

اور قیام جمعہ کے لئے مصر یا قریہ جامعہ ہونے کی شرط لگائی، لہذا جو مقام مصر قرار پائے گا وہاں جمعہ جائز ہوگا، (خواہ وہ شہر کہلاتا ہو یا قصبہ یا بڑا گاؤں) اور جو مقام قریہ صغیرہ یعنی چھوٹی بستی قرار پائے اس میں جمعہ جائز نہیں ہوگا، چنانچہ فقہ حنفی کی مایہ ناز کتاب ردالمحتار میں ہے:

"وتقع فرضا فى القصبات والقرى الكبيره التى فيها أسواق وفيما ذكرنا إشاره إلى أنه لا تجوز فى الصغيرة" (ردالمحتار مع درالمختار/ کتاب الصلاہ/ باب الجمعۃ (۳/ ۶ مکتبہ زکریا)۔

☆ استاذ حدیث وفقہ ادارہ فیض القرآن ٹھکری باڑی ضلع اتر دیناج پور بنگال۔

ہدایہ میں: "لا تصح الجمعة إلا فی مصر جامع أو فی مصلی العید ولا تجوز فی القری "(الہدایہ/ الصلاۃ ۱/ ۱۷۷)، علامہ کاسانی کی بدائع الصنائع میں ہے: "وکذا لا یصح أداء الجمعه الا فی المصر وتوابعه ولا تجب علی أهل القری التی لیست من توابع المصرولا یصح أداء الجمعة فیها" (بدائع الصنائع ۲/ ۱۹۰ مکتبہ فیصل دیوبند، مجمع الانہر ۱/ ۶۵)، نصوص میں مصر کی تعیین اور اس کا مفہوم واضح طور پر نہیں آیا ہے، اسی سبب فقہاء حنفیہ کے مابین بھی مصر کی تعریف میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ مصر کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "أنه بلدة کبیرة فیها سکک وأسواق ولها رساتیق وفیها وال یقدر علی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه وعلم غیره ویرجع الناس إلیه فیما یقع من الحوادث وهذا هو الأصح" (ردالمحتار مع درالمختار باب الجمعہ ۳/ ۵، مکتبہ زکریا)۔

امام کرخیؒ نے مصر کی تعریف ان الفاظ سے کی: "إن المصر الجامع ما أقیمت فیه الحدود ونفذت فیه الأحکام" (بدائع الصنائع ۲/ ۱۹۲)۔

امام ابو یوسفؒ سے مصر کی تعریف اس طرح منقول ہے: "کل مصر فیه أمیر وقاض ینفذ الأحکام ویقیم الحدود فهو مصر جامع تجب علی أهله الجمعة" (بدائع الصنائع ۲/ ۱۹۲)۔

امام ابوعبداللہ ثلجی سے مصر کی تعریف ان الفاظ سے مروی ہے: "أحسن ما قیل فیه إذا کانوا بحال لواجتمعوا فی أکبر مساجدهم لم یسعهم حتی احتاجوا إلی مسجد الجمعة فهذا مصر تقام فیه الجمعة" (بدائع الصنائع ۱/ ۱۹۲)۔

حضرت سفیان ثوریؒ مصر کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "المصر الجامع ما یعده الناس مصرا عند ذکر الأمصار المطلقة" (بدائع الصنائع ۲/ ۱۹۲)۔

ان تعریفات کے علاوہ مزید اور تعریفات کتب فقہ میں منقول ہیں مصر کی ان تعریفات کے مختلف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نصوص سے مصر کی تعیین ثابت نہیں ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ جب نصوص شرعیہ سے کسی حکم شرعی کی تعیین نہ ہو تو پھر اس کی تعریف وتعیین کا مدار عرف پر ہو جاتا ہے، چنانچہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ فیض الباری میں ارشاد فرماتے ہیں: "واعلم أن القریة والمصر من الأشیاء العرفیة التی لا تکاد تنضبط بحال وإن نص و لذا ترک الفقهاء المصر علی العرف" (فیض الباری، باب الجمعہ فی القری ۲/ ۳۲۹)۔

اسی بنا پر فقہاء کرام نے مصر کی تعریف کا مدار عرف پر رکھتے ہوئے اپنے اپنے زمانے کے عرف کے لحاظ سے

تعریف بیان کیا ہے، لیکن یاد رہے کہ ان تعریفات میں سے کوئی بھی تعریف حد تام نہیں ہے کہ ہر زمانہ اور ہر حالت کے لئے اسی کو معیار بنایا جائے، اس لئے کہ یہ تعریفات بالکنہ نہیں ہیں کہ ذاتیات وجنس وفصل کے ذریعہ ان کو حد تام قرار دیا جائے؛ بلکہ ان تعریفات سے درحقیقت علامات کے ذریعے تقریب الی الفہم مقصود ہے، چوں کہ عرف کے تغیر سے بھی علامات متغیر ہوتی رہتیں ہیں اور جغرافیائی حیثیت سے بھی تغیر ہوتا ہے؛ پس زمان ومکان دونوں ہی موثر ہیں (احسن الفتاوی ۴/ ۱۸۷، فتاوی محمودیہ ۸/ ۶۲، ۶۳)۔

چنانچہ الکوکب الدری میں ہے: "**وليس هذا كله تحديدا له بل إشارة إلى تعيينه وتقريب له إلى الأذهان وحاصله إدارة الأمر على رأى أهل كل زمان فى عددهم المعمورة مصرا فما هو مصرفى عرفهم جازت الجمعة فيه وما ليس بمصر لم يجز فيه إلا أن يكون فنا ء المصر**" (الکوکب الدری، باب ماجاء فی ترک الجمعۃ من غیر عذر ۱/ ۱۹۹ مکتبہ یحیویہ سہارنپور)۔

فتاوی شامی میں علامہ شامی نے بھی لکھا ہے کہ علامہ ابن شجاع نے کہا ہے کہ مصر کے تعلق سے فقہاء کے جو اقوال منقول ہیں (جیسا کہ اوپر گزر چکا) ان میں احسن قول یہ ہے کہ مصر اس مقام کو کہتے ہیں جہاں ایسے مسلمان جن پر نماز جمعہ واجب ہے اس قدر رہوں کہ اگر سب مل کر وہاں کی بڑی مسجد میں جمع ہونا چاہیں تو اس مسجد میں ان سب کی گنجائش نہ ہو، بلکہ دوسری مسجد کی ضرورت پڑے، درمختار میں ہے کہ اسی پر اکثر فقہاء کا فتوی ہے اور فتوی ولوالجیہ میں ہے کہ یہی تعریف صحیح ہے، اس کو صاحب وقایہ، صاحب متن مختار ودرمختار نے اپنایا ہے اور صدر الشریعہ صاحب شرح وقایہ نے احکام شرعیہ میں لوگوں کی سستی وکاہلی کے بنا پر اسی قول کو ترجیح دیا ہے (فتاوی شامی، باب الجمعہ ۳/ ۶، مکتبہ تھانوی دیوبند، البحر الرائق، الجمعہ ۲/ ۲۴۷، مکتبہ زکریا)۔

ہدایہ کی شرح عنایہ میں یہی عبارت ہے، البتہ اس میں اتنا اضافہ ہے کہ پہلے قول (یعنی مصر وہ جگہ ہے جہاں حاکم وقاضی رہتے ہوں اور وہ حدود قائم کرنے پر قادر ہوں) اس کو امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے اور یہی ظاہر الروایۃ ہے اور اسی پر اکثر فقہا ہیں اور دوسرے قول کو امام ابوعبداللہ ثلجی نے اختیار کیا ہے: "**والأول اختيار الكرخى وهو ظاهر الروايه وعليه أكثر الفقهاء والثانى اختيار أبى عبد الله الثلجى**" (العنایہ شرح الہدایہ علی ہامش فتح القدیر، باب الجمعۃ ۲/ ۵۲ مکتبہ مصطفی البانی مصر بحوالہ فتوی محمودیہ ۸/ ۷۵ مکتبہ دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی)۔

موجودہ دور میں جو ترقیاں ہوئی ہیں جن کے سبب پہلے جو سہولتیں چھوٹے موٹے شہروں میں میسر ہوتی تھیں وہ اب بہت سے دیہاتوں میں بھی مہیا ہوگئیں ہیں جہاں ضرورت کی تقریبا ساری چیزیں ملتی ہیں، بلکہ انٹرنیٹ اور آن لائن شوپنگ

نے تو ضرورت اور تعیش کے سامان کو ہر جگہ میسر کر رکھا ہے اور پنچایتی اور پولیس کے نظام نے تو کسی خطے کو اپنے دائرے سے باہر نہیں رکھا ہے، حکومتی عملہ کسی نہ کسی صورت میں ہر جگہ موجود رہتے ہیں گویا کل کے شہر آج کے دور کے گاؤں اور دیہات کے مساوی ہے، نیز یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جمعہ اور خطاب جمعہ بہت سے ناخواندہ یا کم خواندہ مسلمانوں کے ایمان واعمال کے تحفظ کا ذریعہ بھی ہے، اس پس منظر میں مصر کی وہ تعریف جس سے اس کے اطلاق کا دائرہ وسیع ہو جائے حسب ذیل ہے:

۱- اکابر کے فتاوی اور تحریروں سے اس بارے میں جو کچھ مستفاد ہے وہ یہ ہے کہ قیام جمعہ کے لیے ایسی بستی ہونی چاہیے جو حوائج اصلیہ کے لئے جامع ہو جسے شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں کہا جائے، وہاں گلی کوچے ہوں، محلے ہوں، حکیم یا ڈاکٹر ہوں، مقدمات ونزاعات کا فیصلہ کرنے کے لئے عدالت یا پنچایتی نظام ہو اور روزمرہ کی ضروریات ہمیشہ ملتی ہوں، ضروری پیشہ ور ہوں اور مسائل ضروریہ بتانے والا کوئی عالم ہو۔

آج کل ہندوستان کے اکثر جگہوں میں تقریباً دو ڈھائی ہزار کی آبادی میں عموماً یہ سب علامات جمع ہو جاتی ہیں، بلکہ اب تو تمدن تیزی سے بڑھ رہا ہے اور قیام جمعہ کا مدار محض مردم شماری پر موقوف نہیں ہے، اس لیے اگر اس سے کم میں بھی یہ سب چیزیں موجود ہو جائیں تو وہ مصر اور قریہ کبیرہ شمار ہوگی، اور وہاں نماز جمعہ ادا کرنا بلا تردد صحیح اور درست ہے (امداد الاحکام، باب الجمعہ والعیدین ۱/ ۷۵۶، ۷۵۹ مکتبہ دارالسلام کراچی بحوالہ فتاوی محمودیہ ۸/ ۶۴ محقق ومدلل جدید مسائل ۱/ ۱۳۳)۔

۲- جہاں مسلمانوں کی باقاعدہ آبادی ہو چاہے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو اور وہاں مسجد میں یا مسجد کے بغیر باقاعدہ باجماعت نماز کا نظام ہو اور وہاں کے مکلّف مسلمانوں کی تعداد اس قدر ہو کہ اگر سب مل کر وہاں کی کسی پنجوقتہ بڑی مسجد میں جمع ہونا چاہیں تو اس مسجد میں ان سب کی گنجائش نہ ہو تو ایسی جگہ میں ابوعبداللہ ثلجی کے واسطے سے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی تعریف مصر کی روشنی میں قیام جمعہ کی گنجائش ہے۔

اس لئے ہمارے یہاں جن بستیوں میں مصر کی یہ تعریف صادق آتی ہے اور وہاں جمعہ کی نماز بھی ہوتی ہے تو اگر وہاں کے لوگ اپنے اوپر جمعہ کی نماز فرض سمجھ کر ادا کریں تو کیا حرج ہے، جبکہ جمعہ سے روکنے میں اختلاف کا اندیشہ ہے، علماء سے بدظنی اور ان بستیوں میں نماز جمعہ پڑھنے والے اکابرین سے بدگمانی یقینی چیز ہے (فتاوی محمودیہ ۸/ ۷۵)۔

۳- قیام جمعہ کا مقصد صرف نماز جمعہ ادا کرنا نہیں ہے، بلکہ اس کے مقاصد میں یہ بھی شامل ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کو کسی نہ کسی درجے میں مسجد سے مربوط رکھ کر انہیں دین سے جوڑے رکھا جائے اور خطاب جمعہ میں موجودہ دور کے

گمراہ کن فتنوں سے آگاہ کرکے ان کے ایمان کی حفاظت کرنے کی کوشش کی جائے، گویا بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جمعہ اشاعت دین کا عظیم ذریعہ ہے، اس پس منظر میں گاوں دیہات کا وہ حصہ جس پر مصر کی تعریف صادق نہیں آتی ہے اس میں نماز جمعہ کے تعلق سے اکابر کی تحریرات سے جو بات مستفاد ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ چوں کہ پورے ملک میں جمعہ فی القری عموماً عملاً نافذ ہے، اب اس کو ترک کرنا مفاسد عظیمہ کا حامل ہوسکتا ہے (احسن الفتاوی ۴/۲۱۱)، اس لیے جن چھوٹے گاؤں میں پہلے سے جمعہ قائم نہیں ہے وہاں جمعہ قائم نہ کیا جائے اور جن بستیوں میں قدیم زمانے سے جمعہ پڑھا جاتا ہے اور اب جمعہ چھڑانے سے لوگوں کے بالکلیہ نماز کے ترک کا اندیشہ ہے یا جمعہ چھڑانے میں فتنے کا ڈر اور خوف ہے تو ایسے مقامات پر جمعہ کو بند نہ کیا جائے، بلکہ ان بستیوں میں جمعہ بدستور جاری رکھا جائے، تاکہ اسلام کی رونق اور شوکت قائم رہے۔

"واستشهد له بما فی التجنیس من العوالی: أن کسالی العوام إذاصلواالفجر عند طلوع الشمس لایمنعون لأنهم إذامنعوا ترکوها وأدائها مع تجویز أهل الحدیث لها أولی من ترکها أصلا" (ردالمحتار/العیدین ۳/۶۰ مکتبہ تھانویہ- کفایت المفتی ۳/۲۱۱)۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا فتوی:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ "حجۃ اللہ البالغہ "میں فرماتے ہیں کہ جمعہ کا مقصد شہر آباد لوگوں میں دین کی اشاعت ہے اس لیے تمدن اور جماعت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے میرے نزدیک اصح یہ ہے کہ کم از کم جسے قریہ کہا جاسکے جمعہ کے لئے وہ کافی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پچاس آدمیوں پر جمعہ فرض ہے، حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اسی تعداد پر قریہ کا لفظ بولا جاتا ہے، نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "ہر بستی پر جمعہ واجب ہے" (حجۃ اللہ البالغہ، الجمعہ ۲/۷۶، قدیمی کتب خانہ بحوالہ: فتاوی محمودیہ ۸/۸۲، احسن الفتاوی ۴/۱۸۰)۔

مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا فتوی:

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ چھوٹے گاؤں میں قیام جمعہ کے متعلق ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ گاؤں میں جمعہ نہ ہونا مجتہدین میں مختلف ہے حنفیہ کے نزدیک جواز جمعہ کے لئے مصر ہونا شرط ہے، لیکن مصر کی تعریف میں اختلاف عظیم ہے تاہم جس مقام میں زمانہ قدیم سے جمعہ قائم ہے وہاں جمعہ کو ترک کرنے میں جو مفاسد ہیں وہ ان مفاسد سے بدرجہا زیادہ سخت ہیں جو سائل نے جمعہ پڑھنے کی صورت میں ذکر کئے ہیں، جو لوگ جمعہ کو جائز سمجھ کر جمعہ پڑھتے ہیں ان کا فرض ادا ہوجاتا ہے (کفایت المفتی ۳/۲۰۷ مکتبہ زکریا)۔

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی رائے:

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ جمعہ کے مسئلے میں نرمی فرماتے تھے اور جن جگہوں کا قریہ صغیرہ یا کبیرہ ہونا مختلف فیہ ہو ان کے بارے میں آپ فرمایا کرتے تھے کہ وہاں نزاع نہ کیا جائے بایں وجہ کے کسی درجے میں قیام جمعہ کی گنجائش ہے (فتاوی دارالعلوم دیوبند بحوالہ: خیرالفتاوی ۳/ ۱۰۸)۔

مذکورہ عبارتوں اور فتووں سے ظاہر ہوا کہ جمعہ فی القریٰ کے مسئلہ میں بضرورت دفع فتنہ دوسرے مذاہب پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، خصوصا جب کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور اختلاف مجتہدین سے مسئلہ میں تخفیف ہو جایا کرتی ہے، پس حنفیہ کے اصول کے بموجب اگرچہ دیہات میں اقامت جمعہ درست نہیں، مصر جواز جمعہ کے لئے شرط ہے، لیکن خود مصر کی تعریفیں مختلف منقول ہیں جن میں سے ابوعبداللہ ثلجی کے واسطے سے امام ابو یوسف سے مروی مصر کی تعریف پر بہت سے مشائخ حنفیہ نے فتوی بھی دیا ہے اور اس پر بعض مشائخ کا عمل بھی رہا ہے، نیز جمعہ فی القری کا مسئلہ عموم بلوی بھی ہے، اس لیے اس فتنہ و فساد کے دور میں اس مسئلہ میں زیادہ سختی کا موقع نہیں ہے، پس نماز جمعہ کی اہمیت اور موجودہ دور کے مصالح عامہ مہمہ عالیہ اسلامیہ اس امر کے مقتضی ہیں کہ اقامت جمعہ سے نہ روکا جائے تو بہتر ہے، خصوصا ایسی حالت میں جب کہ مدت دراز سے جمعہ قائم ہو، اس کو روکنا بہت سے مفاسد عظیمہ کا موجب ہوسکتا ہے (کفایت المفتی ۳/ ۲۱۸ مکتبہ زکریا)۔

☆☆☆

جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط اور موجودہ حالات

مولانا محمد سیف اللہ عرشی قاسمی☆

اللہ کے نزدیک اجتماعیت کمال عبدیت کے ساتھ بہت محبوب ہے، نماز اجتماعیت کا مظہر ہے، اس عظیم الشان عبادت میں مکمل اہتمام کے ساتھ اجتماعیت کے اظہار کا دائرہ پوری بستی اور محلّہ وعلاقہ پر وسیع کرنے کے لیے ہفتے میں ایک بابرکت دن رکھا گیا اور اسی دن خصوصی نماز ادا کرنے کا حکم دیا گیا . اسی نماز کو ''نماز جمعہ'' کے نام سے منسوب کیا گیا ہے، اسی لیے یہ نماز ''افضل الصلوات'' ہے اور جس دن ادا کی جاتی ہے وہ ''افضل الایام'' (جمعہ) ہے۔

مولانا ادریس کاندھلویؒ آیت جمعہ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

یوم جمعہ درحقیقت انسان کو اس کا مبداء ومعاد یاد دلانے والا دن ہے، اس دن اس کو چاہیے کہ اپنے مبداء پر غور کرے، اور پھر یہ کہ قیامت میں پھر مبعوث ہونا ہے، اور اس طرح اس کی فکر اور تیاری کا قلب میں تقاضا پیدا کرے۔

صحت جمعہ کے لئے شرط:

جمعہ کی فضیلت دیگر تمام نمازوں پر ہونے کے سلسلے میں تمام فقہاء متفق ہیں، شرایط جمعہ کے سلسلے میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے، لیکن فوقیت جمعہ پر کسی کو اختلاف نہیں، ائمہ مجتہدین نے وجوب جمعہ اور صحت جمعہ کے لیے الگ الگ شرطیں لگائی ہیں، ان کے مابین فرق بہت زیادہ نہیں ہے، احناف نے اس سلسلے میں حضرت علیؓ کی روایت کو بنیاد بنایا ہے؛ جس پر نہ سندًا کلام ہے، نہ متناً، ہر پہلو سے وہ قابل حجت ہے۔

عن معمرعن أبی إسحاق عن الحارث عن علیؓ قال:"لا جمعة ولا تشریق إلا فی مصر جامع''(مصنف عبدالرزاق ۳/ ۱۶۸ حدیث نمبر: ۵۱۷۷ مصنف بن ابی شیبۃ ۱/ ۴۳۹، حدیث نمبر:۵۰۶۶)۔

اس روایت پر جتنے کلام بعض فقہاؤ محدثین نے کئے ہیں علامہ ظفر احمد عثمانی تھانویؒ نے اعلاء السنن جلد ۸ میں ان تمام کا تفصیلی جواب دیا ہے، احناف نے آیت جمعہ میں مصر کی قید لگائی ہے اور دیگر ائمہ مجتہدین نے بھی کچھ نہ کچھ شرط ضرور

☆ جامعہ ہدایت الاسلام، اندور، مدھیہ پردیش۔

لگائی ہے۔

حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام صاحب قاسمیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''دوسرے ائمہ مجتہدین اگرچہ مصر کی قید نہیں لگاتے، لیکن انہوں نے بھی آیت کو اپنے عموم میں باقی نہیں رکھا اور جمعہ کو بعینہٖ مثل ظہر کے تسلیم نہیں کیا، بلکہ جمعہ کی صحت اور اس کے وجود کے لیے کچھ نہ کچھ تخصیص ضرور کرتے ہیں'' (مباحث فقہیہ:۲۶۰)۔

مصر کی تعریف:

مصر کی جامع اور مشہور تعریف جو اکثر فقہاء نے ذکر کی ہے جو امام صاحب کی طرف منسوب ہے:

''**كل موضع له أمير وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود**'' (تبیین الحقائق ۱/۲۱۷)۔

حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ تحریر فرماتے ہیں:

''**وأولى الحدود ما روى عن أبى حنيفة رحمه الله تعالى: كل بلدة فيها سكك و أسواق ولها رساتيق "و ترجمته باندى"، ووال ينصف المظلوم من ظالمه،وعالم يرجع إليه فى الحوادث . وعند أبى يوسف رحمهما لله تعالى وذكره أصحاب المتون:أنه كل موضع له أميروقاضى ينفذ الأحكام ويقيم الحدود، وهذاالحد ناظرإلى مافى "الدرالمختار" من كتاب القضاء أن المصر شرط لنفاذ القضاء فى ظاهر الرواية، فالقضاة لا ينصبون إلا فى المصر عندنا، ولذا عرف به أصحاب المتون**'' (فیض الباری علی صحیح البخاری ۲/۴۲۴)۔

صاحب تحفۃ الفقہاء ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں: ''**وروى عن أبى حنيفة هو بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمه وعلمه أو علم غيره ويرجع الناس إليه فيما وقع لهم من الحوادث وهذا هو الأصح**'' (تحفۃ الفقہاء ۱/۱۶۲)۔

متعدد فقہاء نے مصر کی مشہور تعریف کے ساتھ ساتھ دیگر تعریفات بھی ذکر فرمائی ہیں، علامہ کاسانی، علامہ زیلعی رحمہا اللہ علیہ وغیرہما نے جامع اسلوب میں اس بحث کو ذکر کیا ہے، علامہ زیلعیؒ نے دس تعریفات ذکر کی ہیں، علامہ سرخسیؒ نے بھی مصر کی تین سے زائد تعریف ذکر فرمائی ہیں۔

مصر کی وسیع تعریف جو صیغہ تحسین کے ساتھ ہے، مصر کی ایک جامع تعریف جس میں وسعت بہت ہے، اکثر فقہاء نے اسے ذکر بھی فرمایا ہے بعض نے اسے بغیر صیغہ تحسین وتصحیح کے ساتھ بیان کیا جیسے صاحب تبیین الحقائق وغیرہ نے اور بعض

حضرات نے صیغہ تحسین کے ساتھ بیان کیا ہے۔

علامہ ابن نجیم مصریؒ تحریر فرماتے ہیں:"**وفی المجتبی وعن أبی یوسف أنه إذا ما اجتمعوا فی أکبر مساجدهم للصلوات الخمس لم یسعهم**"اس تعریف کوذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''**وعلیه فتوی أکثر الفقهاء وقال أبو شجاع هذا أحسن ما قیل فیه وفی الولوالجیة وهو الصحیح**'' (البحرالرائق ۲/ ۱۵۲)۔

علامہ سرخسیؒ نے بھی اس تعریف کو''احسن ما قیل فیہ'' کے الفاظ سے ذکر فرمایا،مبسوط سرخسی ۲/ ۳۲،علامہ کاسانیؒ نے بھی انہیں الفاظ سے ذکر فرمایا ہے، صاحب عنایہ نے''وعلیہ أکثر الفقہاء'' کے الفاظ سے ذکر فرمایا ہے (العنایہ شرح الہدایہ ۲/ ۲۵۱)۔

معلوم ہوا کہ مصر کی یہ تعریف وسیع تر ہے اور بعض بڑے دیہات میں اس کی روشنی میں جمعہ کی اجازت دی جاسکتی ہے، اس تعریف کی نسبت احناف کے بڑے امام امام ابو یوسفؒ کی طرف ہے اور امام ابو یوسفؒ کا مقام اہل علم پر مخفی نہیں ہے۔

مصر کی ایک اور اہم تعریف:

متعدد فقہاء نے مصر کی تعریفات میں ایک اور تعریف ذکر فرمائی ہے جو دیہات میں کئی طرح کے اہل حرفت اور کچھ ذاتی کام کرنے والوں پر منطبق ہوتی ہے اور اس تعریف کی بنیاد پر وہاں جمعہ کی اجازت ہونا چاہیے۔

''**وقال بعض أصحابنا المصر الجامع ما یتعیش فیه کل محترف بحرفته من سنة إلی سنة من غیر أن یحتاج إلی الانتقال إلی حرفة أخری**''(بدائع الصنائع ۱/ ۲۶۰)۔

الفاظ کے بعض اختلاف کے ساتھ علامہ سرخسیؒ نے بھی یہی تعریف ذکر فرمائی ہے (مبسوط سرخسی ۱۴/ ۲، محیط برہانی ۲/ ۳۵۱)۔

اس وقت ملک بھر کے چھوٹے بڑے دیہات میں کئی ایسے کام ہیں جو کئے جاتے ہیں، جیسے دودھ، کرانا اور دیگر ضروریات کی اشیاء فراہم رہتی ہیں، سال بھر کسی اور کام کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تو جواز جمعہ فی القری کے سلسلے میں اس پر بھی غور کیا جاسکتا ہے۔

محل جمعہ کی تفصیل مجتہد فیہ ہے منصوص نہیں، آیت جمعہ کی روشنی میں حکم جمعہ منصوص ہے، البتہ اس کا محل اس کی شرائط اور دیگر تفصیلات مجتہد فیہ ہیں، بریں بنا حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے

ہیں:

'' گاؤں میں جمعہ کا صحیح ہونا نہ ہونا مجتہدین میں مختلف فیہ ہے، حنفیہ کے نزدیک جواز جمعہ کے لیے مصر ہونا شرط ہے، لیکن مصر کی تعریف میں اختلاف عظیم ہے (کفایت المفتی ۳/ ۱۳۲)۔

جمعہ کی جزئیات وفروعات کے سلسلے میں یہ واضح ہے کہ وہ منصوص نہیں ہے، اور ہندوستان کے قصباتی اور دیہاتی حالات میں دینی، علمی اور اسلامی ماحول نہ ہونے کی وجہ سے وہ بد سے بدتر کی طرف بڑھ رہے ہیں، بریں بنا علماء وفقہاء کی جماعت اجتماعی غور وفکر کے نتیجے میں شرائط میں کچھ خفت پیدا کر لیتی ہے تو یہ عمل نصوص کے خلاف نہیں ہوگا اور کئی چھوٹے بڑے دیہاتوں میں دین وایمان کی حفاظت آسان ہوجائے گی۔

جمعہ فی القری کے جواز کے لیے ایک فقہی حل:

قدیم فقہاء کے یہاں جمعہ کی اجازت میں امیر، قاضی، حاکم کا بھی ذکر ہے، امیر یا حاکم جسے مصر قرار دے دے وہ ''مصر'' ہے، جسے قریہ قرار دے دے وہ قریہ ہے۔

فقہ حنفی کا مضبوط مستدل، مفتیان کرام کی ایک اہم مرجع کتاب '' فتاوی شامی'' میں بہت وضاحت اور صراحت کے ساتھ اسے تحریر کیا گیا ہے۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:'' **قال أبوالقاسم هذا بلا خلاف إذا أذن الوالی أو القاضی ببناء المسجد الجامع وأداء الجمعة لأن هذا مجتهد فيه فإذا اتصل به الحكم صار مجمعاعليه**''(شامی ۲/ ۱۳۸)۔

اس عبارت میں حاکم اور امیر کے حکم کے بعد جواز جمعہ پر اشکال نہیں ہونا چاہیے، اور ''**إذا اتصل به الحكم**''کی تعبیر قابل غور ہے، '' حکم حاکم رافع اختلاف ہے''، یہ تو فقہاء کا قدیم اصول ہے، اس کی روشنی میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جہاں چھوٹے دیہات ہیں وہاں کے حضرات حاکم وقاضی سے رابطہ کریں اور قاضی وحاکم صاحب صورت حال کا جائزہ لے کر اگر صحت جمعہ کا فیصلہ کرتے ہیں تو یہ قابل قبول ہونا چاہئے اور شرعی طور پر درست ہونا چاہئے۔

اس کے آگے علامہ شامیؒ مزید یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کسی چھوٹی بستی میں جمعہ ادا کیا جہاں قاضی، ممبر اور خطیب نہیں ہے تو جمعہ درست نہیں ہوگا اور ظہر ادا کرنی ہوگی اور یہ اس وقت ہے جب کہ حاکم کا حکم نہ ہو بصورت دیگر جمعہ درست ہوگا۔

''**وفيماذكرناإشارة إلى أنه لاتجوز فی الصغيرة التی ليس فيها قاض ومنبر و خطيب كمافی المضمرات والظاهرأنه أريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة ألا ترى أن فی الجواهرلوصلوافی القرى لزمهم أداء الظهر وهذا إذا لم يتصل به حكم فإن فی فتاوى الديناری إذا بنی مسجد فی**

الرستاق بأمرالإمام فهوأمر بالجمعة اتفاقاعلی ماقال السرخسی اه فافهم،والرستاق القری کمافی القاموس''(شامی ۲/۱۳۸ شاملہ)۔

حکم حاکم مجوز امر (جمعہ) ہے،علامہ علاء الدین حصکفیؒ نے حکم حاکم کے مسئلے میں ''إذا اتصل به الحکم'' کی شرط ذکر فرمائی ہے،اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ شامیؒ رقم طراز ہیں:

''أن مجرد أمر السلطان أو القاضی ببناء المسجد وأدائها فيه حكم رافع للخلاف بلا دعوی وحادثة''(شامی ۲/۱۳۸ بحوالہ شاملہ)۔

حاکم کا حکم اور قاضی کا فیصلہ اختلاف ختم کر کے بہت سے مسائل میں جواز فراہم کر دیتا ہے،ایسے مسائل میں جس کی شریعت میں بھی گنجائش ہو،فقہ میں اس کی اور بھی کئی نظیریں ہیں۔ایک صاحب نظر اور صاحب قلم عالم دین تحریر فرماتے ہیں:

اسلامی ہند کے سقوط کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کے لئے جمعہ کے جواز کا مسئلہ بہت نازک بن گیا تھا،اس لئے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت حنفی ہے،اور حنفیہ کے نزدیک جواز جمعہ کے لئے مصر بھی شرط ہے اور مسلمان حاکم کی موجودگی بھی شرط ہے،حاکم جمعہ میں حاضر ہو یا اس کی اجازت سے کوئی اس کا نائب جمعہ قائم کرے،ہندوستان پر غیر اسلامی تسلط کے بعد کسی مسلم حاکم کا تصور بھی باقی نہ رہا،حنفیہ کے نزدیک مصر یا قریہ کبیرہ کی شرط بھی دراصل حاکم کی شرط کی تقویت کے لئے ہے،اس لئے کہ عموماً سرکاری حکام بڑے مقامات پر ہی ہوتے ہیں،اس طرح دیہات تو دیہات شہر میں بھی جمعہ کا جواز مشکل ہو گیا،یہ اس ملک میں بالکل نئی صورت حال تھی،صدیوں سے مسلمان شہر شہر اور قریہ قریہ جمعہ پڑھتے آئے تھے، وہ کسی بھی حال میں جمعہ سے دستبردار نہیں ہو سکتے تھے،اس دور کے دیگر علماء وفقہاء کی طرح مولانا محمد سجادؒ بھی اس مسئلہ کے حل کے لئے فکرمند تھے،جمعہ کا ترک دین اور نصح وخیر کے بہت سے دروازوں کو بند کر سکتا تھا،مسجدیں ویران ہو سکتی تھیں،علماء سے عوام کا رابطہ کٹ سکتا تھا،چنانچہ انہوں نے ایک طرف مذہب کی ان روایات اور علماء مذہب کے ان اقوال کو لائحہ عمل بنانے کا فیصلہ کیا جو قبل سے معمول بہ کا درجہ نہ رکھتے تھے،لیکن خروج عن المذہب کے مقابلے میں یہ محفوظ راستہ تھا،اسی پس منظر میں انہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی رائے کے مطابق ہر ایسے مقام پر جمعہ کے جواز کا فتویٰ دیا جہاں تھوڑا سا بھی تمدن پایا جاتا ہو،اور چالیس (۴۰) یا پچاس (۵۰) گھر کی آبادی ہو،اس طرح مصر اور حاکم دونوں شرطوں کے معروف تصورات کی لازمیت ختم کر دی گئی،اس لئے کہ غیر مسلم ہندوستان کے حالات مسلم ہندوستان سے مختلف تھے (حیات ابوالمحاسن ص ۱۲۷، چھٹا باب علمی مقام ومرتبہ)۔

گاؤں میں جمعہ کے سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی رائے:

فقہاء کے بیان کردہ اصول کی روشنی بعض مسائل میں اکابرین مفتیان کرام نے عدول عن المذہب کیا ہے، تاہم گاؤں میں جمعہ کے سلسلے میں خروج عن المذہب کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، کیونکہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے جواز جمعہ کے لیے لطیف نکات پیش فرمائے ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ نے تمدن اور جماعت کو ضروری قرار دیا، اسے دور نبوی سے لے کر دور مجتہدین وصالحین تک کے عمل سے دلیل کشید کی ہے۔

"وقد تلقت الأمة تلقيا معنويا من غير تلقى لفظى، أنه يشترط فى الجمعة الجماعة، ونوع من التمدن، وكان النبى ﷺ وخلفاؤه رضى الله عنهم ، والأئمة المجتهدون رحمهم الله تعالى :يجمعون فى البلدان، ولا يؤاخذون بها أهل البدو، بل ولا يقام فى عهدهم فى البدو ففهموا من ذلك قرنا بعد قرن ،وعصرا بعد عصر أنه يشترط لها الجماعة والتمدن" (حجۃ اللہ البالغۃ/۱۱۴)۔

اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ جمعہ کے مقصد کو واضح فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ اس کا مقصد شہر اور آبادیوں میں دین کی نشر واشاعت ہے، بالفاظ دیگر نماز جمعہ کی صحت وعدم میں خصوصاً اسے پیش نظر رکھا جائے۔

"أقول وذلك لأنه لما كان حقيقة الجمعة إشاعة الدين فى البلد وجب أن ينظر إلى تمدن وجماعة" (حجۃ اللہ البالغۃ/۱۱۵)۔

شاہؒ صاحب کے قول کے مطابق کتنی آبادی پر جمعہ ہے؟

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ جمعہ ومتعلقات جمعہ پر کلام فرماتے ہوئے حدیث کی روشنی میں اسے مستدل فرماتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس مقام کو پچاس افراد نے اپنا وطن اور سکونت بنالیا ہو اور وہاں پر جمعہ کی نماز نہ ہوتی ہو تو ایسے مقام پر جمعہ کی نماز درست ہے، شاہ صاحب کے نزدیک جماعۃ اور مدینہ کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، مزید براں جسے قریہ کہا جائے جمعہ کے لیے کافی ہے، حضور ﷺ سے باختلاف طرق مروی ہے (جو ایک دوسرے کے موید ہیں) پانچ قسم کے لوگوں پر جمعہ فرض نہیں، ان میں خانہ بدوش، بادیہ نشینوں کو شمار فرمایا، حضور ﷺ نے فرمایا پچاس آدمیوں پر جمعہ فرض ہے، شاہ صاحب فرماتے ہیں اسی تعداد پر قریہ کا لفظ بولا جاتا ہے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے: "ہر بستی پر جمعہ واجب ہے"۔

"والأصح عندى: أنه يكفى: أقل مايقال فيه: قرية، لماروى من طرق شتىٰ ،يقوى بعضها بعضا ((خمسة لاجمعة عليهم)) وعد منهم أهل البادية۔ قال ﷺ:"الجمعة على الخمسين رجلا"۔

أقول الخمسون يتقرى بهم قرية ، وقالﷺ **((الجمعة واجبة على كل قرية))، وأقل ما يقال فيه :جماعة ، لحديث الانفضاض ، والظاهر أنهم لم يرجعوا،والله اعلم**" (حجۃ اللہ البالغۃ/۲۱۵)۔

پھر پوری بحث کا خلاصہ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''**فإذا حصل ذلک وجبت الجمعة ،ومن تخلف عنها فهو الآثم، ولا يشترط أربعون ، وإن الأمراء أحق بإقامة الصلاة ، وهو قول على كرم الله وجهه((أربع إلى الإمام))۔ ۔ ۔ .الخ، وليس وجود الإمام شرطا**'' **واللہ اعلم بالصواب** (حجۃ اللہ البالغۃ/۲۱۵)۔

قرآن وحدیث سے استنباط کر کے فقہ حدیث وفقہ اسلامی بیان کرنے والے اس عظیم جبل علم کو اگر کوئی یہ لکھ دے کہ شاہ صاحب محدث ہیں فقیہ نہیں، یا یہ کہ شاہ صاحب کا قول ضعیف احادیث پر مبنی ہے یا یہ کہ یہ ان کا تفرد ہے تو شاید یہ انصاف نہیں ہے، حقائق ودلائل سے روگردانی ہے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ کا بھی فتوی ماقبل میں ذکر کیا گیا ہے اس سے بھی گاؤں میں جمعہ کا جواز سمجھ میں آتا ہے، آئندہ صفحات میں مزید بعض کبار علماء کی آراء پیش کی جارہی ہیں جن کی روشنی میں موجودہ حالات میں شدید ضرورت ہے کہ مفتیان کرام جواز جمعہ فی القری پر غور فرمائیں۔

مولانا ابوالمحاسن سجاد صاحبؒ کا فتوی:

ماقبل میں حکم حاکم کے سلسلے میں حضرت مولانا ابوالمحاسن سجاد صاحبؒ کا عمل ذکر کیا گیا تھا، آپ نے شاہ صاحب کے قول کی روشنی میں فتوی بھی دیا ہے، فتاوی امارت شرعیہ میں اس سلسلے میں چند فتاوی موجود ہیں، گاؤں میں جمعہ کے سلسلے میں روشنی ڈالتے ہوئے ایک اہم فتوی حضرت محمد سجاد صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

'' دیہاتوں میں نماز جمعہ کے جواز وفرضیت میں علماء ہند صدیوں سے مختلف الخیال ہیں، عالمگیرؒ سلطان ہند کے زمانے میں بھی اس مسئلہ میں اختلاف رہا، ملاجیون صاحب نے تفسیرات احمدیہ میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ کے علماء کے تین (۳) گروہ ہیں، ایک یہ ہے کہ ہر گاؤں میں نماز جمعہ کو جائز سمجھتے ہیں اور پڑھتے ہیں، اور لوگوں کو پڑھنے کا حکم دیتے ہیں، دوسرا گروہ وہ جو دیہاتوں میں جمعہ اگر ہو تو خود پڑھتے ہیں، لیکن دیہاتوں میں پڑھنے کا عام حکم نہیں دیتے، اور تیسرا گروہ وہ ہے جو دیہاتوں میں نماز جمعہ کو حرام کہتا ہے، اور لوگوں کو منع کرتا ہے، اور یہ تمام گروہ علماء احناف ہی کے ہیں۔

ہمارے نزدیک جس گاؤں میں مسلمانوں کی مستقل آبادی ہو اور جماعت کے لئے بالغ مرد کافی ہوں، وہاں نماز جمعہ ہوسکتی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ بھی اس کے قائل ہیں، صرف وہ یہ فرماتے ہیں کہ چالیس ۴۰ مسلمان

وہاں موجود ہوں، حجۃ اللہ البالغۃ وغیرہ میں انہوں نے بوضاحت لکھا ہے‘‘ (فتاوی امارت شرعیہ ۱/ ۵۲، ۵۳)۔

امارت شرعیہ کا مثالی کردار:

امارت شرعیہ کے ذریعہ اجراء جمعہ کے حل کو اہل علم کے حلقہ میں کافی پذیرائی ملی، اور دیگر مفتیان کرام بھی چھوٹی بستیوں میں جمعہ کے جواز کے لئے مسلمانوں کو امارت شرعیہ سے رجوع کرنے کا مشورہ دینے لگے، فتاویٰ امارت شرعیہ میں ایک فتویٰ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کا ہے جس پر مفتی ابراہیم احمد آبادیؒ، مفتی سہول احمد بھاگلپوریؒ سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ وسابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند اور مولانا اصغر حسین بہاریؒ صاحبان کے دستخط ہیں، استفتاء میں ایک چالیس (۴۰) گھر کی آبادی والے گاؤں (اکٹیر) میں جمعہ کے جواز کے بارے میں دریافت کیا گیا ہے، مذکورہ بالا علماء نے مسلک حنفی کے مطابق یہ جواب تحریر فرمایا:

’’مذکورہ دیہات میں جمعہ جائز نہیں ہے، اٹھا دینا چاہئے، ہاں اگر اہل دیہات جمعہ قائم کرنا چاہتے ہیں، تو ان کو چاہئے کہ امیر شریعت صوبہ بہار کی خدمت میں دیہات کی آبادی وغیرہ بیان کرکے درخواست کریں، اگر وہ جمعہ قائم کرنے کا حکم دیں تو جمعہ جائز ہوگا ورنہ نہیں‘‘۔

چنانچہ حضرت ابوالمحاسنؒ نے اس گاؤں میں جمعہ کی اجازت مرحمت فرماتے ہوئے تحریر فرمایا:

’’موضع اکٹیر مذکور الصدور میں مشائخ وائمہ حنفیہ کے اصول وفروع ومصالح امت کو پیش نظر رکھ کر اقامت جمعہ کی میں بحیثیت نائب امیر شریعت کے اجازت دیتا ہوں‘‘۔ فقط واللہ تعالی اعلم۔ ابوالمحاسن محمد سجاد ۲۱ صفر ۱۳۴۷ھ (فتاوی امارت شرعیہ ۱/ ۶۱، ۶۲)۔

دیگر صوبوں میں حاکم کا متبادل:

یہ پہلو قابل غور ہے کہ اس وقت حاکم کا متبادل کیا ہوسکتا ہے؟

اس سلسلے میں تین پہلو برائے غور وفکر پیش خدمت ہیں:

نمبر ۱۔ اس وقت دارالقضاء کا نظام ملک کے مختلف صوبوں میں ترقی کی شاہراہ پر ہے، ہر صوبے میں دارالقضاء جو قدیم ہو اور وہاں کا قاضی فقیہ اور مفتی بھی ہو، ناقص رائے یہ کہ یہ مسئلہ وہاں کے قاضی سے متعلق کیا جائے، اور قاضی صاحب مسئولہ مقام واطراف کے علماء، دینی اور سماجی ذمہ داروں سے معاملہ کی تحقیق کرکے اجازت دے دیتے ہیں تو پھر ایسے مقام پر جمعہ کی گنجائش ہونا چاہئے۔

نمبر ۲۔اسی طرح امارت شریعہ بہار اور محکمہ شرعیہ دہلی کے سامنے یہ تجویز رکھی جائے کہ وہ مخصوص مسائل کے لئے اپنی جانب سے ہر صوبے میں ایک امیر شریعت طے کردے اور حکم حاکم کے بعد جمعہ درست سمجھا جائے۔

نمبر ۳۔ایک شکل یہ بھی ممکن ہے کہ دارالقضاء بورڈ کے ماتحت ہے، اور اس کا ملکی سینٹر دہلی ہے جو دارالسلطنت بھی ہے تو اجازت جمعہ جیسے مسائل کے سلسلہ میں صدر بورڈ و دفتر بورڈ کو امیر شریعت ملک ہند قرار دے کر یہ مسئلہ بورڈ کے ساتھ متعلق کردیا جائے اور صدر بورڈ کی اجازت کے بعد وہاں پر جمعہ درست ہوجائے۔

جواز جمعہ فی القری پر حضرت علی میاںؒ کی رائے:

حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ اپنی معرکۃ الآرا کتاب ''ارکان اربعہ'' میں تفصیل کے ساتھ جمعہ ومتعلقات جمعہ تحریر فرماتے ہوئے ایک عنوان قائم فرماتے ہیں:'' جمعہ ہفتے کی میزان ہے''، اس میں بعض فضائل ومصالح تحریر کرنے کے بعد حاشیہ قائم کرکے چند اہم نکات تحریر فرماتے ہیں اور اسی سے گاؤں میں جمعہ کے جواز کا رجحان ظاہر ہوتا ہے اور ہندوستانی دیہاتوں کے منظر کشی اور دینی زبوں حالی کا جو درد پیش فرمایا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے:

''جمعہ ہندوستان کے بعض علاقوں خصوصا دیہاتوں اور قصبوں میں اور بہت سے دوسرے اسلامی ممالک میں بھی زراعت پیشہ اور اہل حرفت طبقہ اور اسلام کے درمیان رابطہ کی بہت اہم اور واحد شکل ہے، اس میں وہ اہتمام سے غسل کرتے ہیں، پہلے سے نماز کی تیاری کرتے ہیں، اسلام کے شعائر واحکام سے واقف ہوتے ہیں، ان کے اندر اسلام کا شعور واحساس پیدا ہوتا ہے اور وہ اس پر فخر ومسرت محسوس کرتے ہیں، اور اس حصار کی برکت سے وہ ارتداد وبے دینی کے فتنوں اور شرک و بت پرستی کی تحریکوں اور دعوتوں سے محفوظ ومامون رہتے ہیں، اگر جمعہ اور اس کے مقدمات وانتظامات واجتماعات نہ ہوتے تو مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس جاہلی معاشرہ (جس میں وہ سانس لیتی ہے) میں جذب ہوجاتی اور ارتداد کی موجیں جو اس کے ماحول سے ٹکرا رہی ہیں اس کو نگل لیتیں اور کچھ دن بعد یہ پتہ چلنا بھی دشوار ہوجاتا کہ اس کا اسلام سے کچھ تعلق بھی رہ چکا ہے''۔

بعدہ حضرت علی میاںؒ اس کا لب لباب ان الفاظ میں پیش فرماتے ہیں:'' یہی وہ مصالح تھے جن کے پیش نظر عہد آخر کے بعض علماء احناف نے اس میں سختی وتنگی روا نہیں رکھی؛ بلکہ توسع اختیار کیا ہے'' (ارکان اربعہ/ ۸۸)، یہ تحریر متقاضی ہے کہ علما کی جماعت اپنے مسلک پر رہتے ہوئے ۵۰ گھر کی آبادی والے گاؤں میں جمعہ کے اجازت دینے پر غور کرے۔

دیہاتوں میں جمعہ کیوں ضروری ہے؟

ملک کی موجودہ صورتحال میں جمعہ فی القری کا جواز دین اور تعلیمات دین سے دور مسلمانوں کے لئے کسی بھی دینی

تقریب وتحریک میں شامل نہ ہونے اور ناخواندہ یا کم خواندہ ہونے کی وجہ سے ''نقطہ اتحاد ونقطہ اجتماع'' ہے، عاجز نے مدھیہ پردیش کے متعدد دیہات کا جائزہ اس سوال نامہ کے آنے کے بعد مزید لیا تو معلوم ہوا کہ جن بڑے دیہات میں جمعہ نہیں ہو رہا ہے وہ قریب کی جمعہ والی جگہ پر بھی اکثر نہیں جا پاتے اور مقام پر ظہر روز کی طرح ہی غفلت کی نذر ہو جاتی ہے، بلکہ بعض علاقے ایسے ہیں جہاں عیدین کے لیے بھی بعض مسلمان نہیں جا پاتے، چھوٹے دیہاتوں کا تو ذکر ہی کیا۔

اگر اب بھی اجازت نہ دی گئی تو دین کی ساری تحریکات: مدارس، مکاتب، تبلیغی جماعت، خانقاہی نظام کے ہوتے ہوئے بھی ارتداد ان تک دستک دے رہا ہے، بعض مقامات پر شرکیہ اعمال غیروں کے اختلاط کی وجہ سے شروع ہو چکے ہیں، اس لئے کہ یہ تحریکیں اکثر چھوٹی جگہوں پر پہنچ نہیں پاتیں ہیں جبکہ جمعہ ایک آسان ثابت شدہ اور مستقل تحریک ہے جو کسی نہ کسی درجے میں ایمان پر باقی رکھ سکتی ہے اور آنے والی نسلوں کو ضائع ہونے سے بچا سکتی ہے، حالانکہ یہ بھی واضح ہے کہ سارے امور جمعہ سے ہی قابو میں نہیں آ سکتے؛ تاہم اس کے بنیادی کردار ہونے سے انکار شاید مشکل ہے۔

خوف کے موقع پر شریعت کی رخصت:

اسلامی مزاج میں نفسیات وضروریات دونوں کی ہی رعایت ہے، عدم تحفظ کا خوف یہ نفسیاتی مسئلہ ہے خواہ وہ جان کا ہو، مال کا ہو، آل واولاد کا ہو یا زمین وجائیداد کا ہو خصوصا کاروبار اور گھر میں مستورات کے عدم تحفظ کا خوف، ذرا غور فرمائیں کہ اگر دیہات کے مسلمان شہر آ جاتے ہیں جیسا کہ بعض مقامات پر علماء کے مکان وقیام یا دینی ماحول ہونے کی وجہ سے اور وہاں جمعہ کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے متوسط اور چھوٹے دیہات کے افراد کو گاؤں کے ذمہ داران انہیں قریب کی جمعہ والی بستی میں لے کر آ جاتے ہیں یا منفرد او ہ از خود جاتے ہیں تو یہ پورے بالغ مردوں کا اپنے گھر اور مستورات کو چھوڑ کر باہر جانا، گھر، کھیت، کاروبار سب چیز سے دور ہو کر نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے نکلتے ہیں تو ان سب چیزوں کے عدم تحفظ کا خوف کس قدر بڑھ جاتا ہے؟، کیا موجودہ دور میں تعصب کے جراثیم جس تیز روی سے بڑھتے جا رہے ہیں اور خاص مذہب کے افراد اور ان کے گھر کاروبار کو ضائع کرنے کا منصوبہ کسی موقع کی تلاش کا ماحول بنا ہوا ہے تو سب کچھ داؤ پر لگا کر جمعہ کی ادائیگی کی اجازت دی جا سکتی ہے؟، اس سلسلے میں شریعت کا یہ پہلو بھی دیکھا جائے کہ انسانی جان کا تحفظ کس قدر اہم ہے کہ صلاۃ الخوف باضابطہ اسلامی احکام کے اندر ایک اہم حکم ہے اور وہاں پر دو دو رکعت کر کے نصف جماعت کا دشمن سے برسر پیکار رہنا اور نصف جماعت کا نماز پڑھنا یہ کس طرف مشیر ہے؟۔

اور یہ صورت تو ظاہر ہے کہ دیہاتوں کی دینی بے رغبتی انہیں ظہر کی طرف نہیں لا رہی ہے کہ اس دن وعظ ونصیحت ہو سکے تو بلآخر جمعہ کی ہی شکل بچتی ہے، بریں بنا کم علم عاجز کی رائے یہی ہے کہ ۵۰ افراد پر مشتمل چھوٹے دیہات میں جمعہ

کی اجازت دی جائے۔

جمعہ نقطہ اتحاد بھی اور نقطہ انتظام بھی، سوال نامے کا آخری سوال میں ذکر کردہ جو ضرورت ہے وہ اہم ہے کہ جمعہ عام طبقات کو، پوری بستی کو، بستی کے نونہالوں کو بلکہ گاؤں کے چودھری، ذمہ داروں کو مسجد کی committee کو عنوان سے ایک کرنے میں نقطہ اتحاد ہے، جمعہ کی جس قدر اہمیت ہے وہ واضح ہے، بہت سے دیہاتوں میں ابھی بھی امام کی تنخواہ، مدرس کا مشاہرہ اور مسجد کے اخراجات ہر ماہ پابندی سے پورے ہونا مشکل ہو جاتے ہیں، اس کے مقابلے میں جمعہ کے اندر دیگر فوائد کے ساتھ ایک اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ اس میں اعلان، وصولی، پیٹی، رومال کے ذریعے چندے کے عمل سے بہ سہولت اخراجات پورے ہو جاتے ہیں یا بڑی معاونت ہو جاتی ہے اور یہ زمینی طور پر بہت حد تک محسوس کیا گیا ہے۔

تبلیغی جماعت، اتفاقی جلسے اور دینی مکاتب کافی ہیں؟

اس طرح کے مسائل پیش کرنے کے بعد علماء کرام کی ایک جماعت یہ حل پیش کرتی ہے کہ دیہاتوں میں ایمانی بقا اور ارتداد سے تحفظ کے لیے تبلیغی جماعت کے گشت، چلت پھرت، جوڑ کو بڑھایا جائے جبکہ سینکڑوں مقامات کے تجربے میں مشاہدہ میں آیا خود شہر میں تبلیغی امور مکمل اصولوں کے مطابق عمل میں لانا مشکل ہو رہے ہیں اور بنجر بستی کے عنوان سے جو محنت ہے موقع بہ موقع اور اتفاقی ہیں، مکتب بھی اس کا مکمل حل نہیں ہے کہ اس میں کم عمر طلبہ آتے ہیں اور گھریلو ماحول دینی نہ ہونے کی وجہ سے مکتب کے تمام امور کو مکمل بجالانا ہی مشکل ہو جاتا ہے، اتفاقی اور موسمی مجلسیں اور جلسے ایمانی تحریک کا ذریعہ تو بن سکتی ہیں لیکن عمل پر کھڑا کرنے کے لیے مستقل وعظ ضروری ہے اور جمعہ کا دن اہل دیہات کے لیے بہت اہم رہتا ہے اور وہ اس کا مکمل اہتمام کرتے ہیں اور یہ ایک ایسا عمل ہے جو ان کے لئے مستقل تحریک ہے جو انہیں ارتداد سے بچا کر ایمان کے ماحول میں کسی طرح باقی رکھ سکتی ہے۔

☆☆☆

قریہ میں قیام جمعہ اور موجودہ حالات

مفتی اسعد بن مولانا عبدالرزاق پالن پوری فلاحی ☆

۱- کتب فقہ وفتاوی میں مصر کی تعریف الفاظ کے قدرے اختلاف کے ساتھ بیان کی گئی ہے؛ لیکن سب کا ماحصل اور نتیجہ ایک ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصر کی صحیح تعریف یہ ہے جس کو صاحب ہدایہ علیہ الرحمہ نے اختیار فرمایا ہے: ''مصر وہ ہے جہاں امیر اور قاضی ہو، جو فیصلوں کو نافذ کر سکے اور حدود وغیرہ قائم کر سکے؛ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کے نزدیک بڑا شہر وہ ہے جس میں مختلف گلیاں، بازار اور مختلف علاقے ہوں اور وہاں ایسا والی اور ذمہ دار ہو جو اپنے رعب ودبدبے اور علم کے ذریعے یا دوسروں کو پوچھ کر ظالم سے مظلوم کو انصاف دلوانے کی قدرت رکھتا ہو اور لوگ اپنے مسائل کے بارے میں اس کی طرف رجوع کرتے ہوں؛ تمام تعریفات میں یہی تعریف اصح ہے۔

نیز ہمارے اکابر مفتیان کرام نے شہر یا قریۂ کبیرہ کے تحقق کے لیے ضروریات زندگی کی مکمل فراہمی اور آبادی کا بھی لحاظ کیا ہے؛ چناں مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی فتاوی قاسمیہ میں متعدد مقامات پر مختلف مفتیان کرام کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ شہر، قصبہ یا بڑے گاؤں کے تحقق کے لیے آبادی کے لحاظ سے اس کا کم از کم تین ہزار افراد پر مشتمل ہونا ضروری ہے، خواہ مسلم وغیر مسلم ملا کر ہی کیوں نہ ہو، اس سے کم آبادی پر شہر یا قصبے کا اطلاق نہیں ہوگا اور ضروریات زندگی کی مکمل فراہمی کا بھی اعتبار کیا ہے۔

چنانچہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں: ''ہندوستان جیسے ملک میں جمعہ اور عیدین کے لیے اہم ترین شرط یہ ہے کہ آبادی کی حیثیت شہر نما ہو؛ یعنی اس میں بازار ہو، ہر چیز ہر وقت ملتی ہو، ڈاک خانہ اور تھانہ وغیرہ ہو تو وہاں جمعہ اور عیدین جائز ہے، چاہے آبادی کی تعداد کم کیوں نہ ہو اور تین ہزار کی آبادی ہو جائے، بازار وغیرہ وہاں موجود نہ ہو تو وہاں بھی جمعہ اور عیدین جائز ہے؛ اس لیے کہ تین ہزار کی آبادی کو قصبے کے حکم میں تصور کیا جاتا ہے'' (مستفاد: فتاوی محمودیہ، مطبوعہ ادارہ صدیق ڈابھیل ۸/۹۱، بہشتی زیور ۱۱/۸۰؛ بحوالہ فتاوی قاسمیہ ۹/۹۰)۔

☆ دارالعلوم مرکز اسلامی انکلیشور، بھروچ، گجرات۔

مفتی محمود صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''آبادی چاہے کم ہو یا زیادہ؛ لیکن باضابطہ بازار اور حکومتی عملہ ہو، ضروریات زندگی کی تمام چیزیں وہاں فراہم ہوں، تو ایسی جگہ جمعہ کی نماز لازم ہے'' (مستفاد: فتاوی محمودیہ، مطبوعہ ادارہ صدیق ڈابھیل ۸/ ۹۷، فتاوی دارالعلوم ۵/ ۴۴)۔

''اور ضروریات زندگی کی تمام اشیا فراہم ہوں یا نہ ہوں؛ لیکن آبادی کی مردم شماری تقریباً تین ہزار یا اس سے زیادہ ہو، تو اتنی بڑی آبادی کو چاہے اس میں ضروریات زندگی کی اشیاء فراہم نہ ہوتی ہوں، تب بھی قصبے کے حکم میں قرار دیا گیا ہے، اس میں جمعہ پڑھنا جائز ہے'' (مستفاد: بہشتی زیور ۱۱/ ۸۰؛ بحوالہ فتاوی قاسمیہ ۹/ ۹۲)۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالی امداد الفتاوی میں تحریر فرماتے ہیں:

''جمعہ کے جواز کے لیے شہر، قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا شرط ہے، چاہے آبادی ہندوؤں کی ہو یا مسلمانوں کی، اس میں کوئی فرق نہیں ہے اور بڑے گاؤں کی شکل تین ہزار کی آبادی میں ہوجاتی ہے، اس سے کم میں چھوٹا گاؤں یا دیہات مانا جاتا ہے؛ اس لیے وہاں جمعہ جائز نہیں ہوتا ہے'' (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/ ۶۲۰، عزیز الفتاوی: ۲۷۸، امداد المفتیین: ۳۹۶؛ بحوالہ فتاوی قاسمیہ ۹/ ۱۲۷)۔

نیز یہ ایک عرفی چیز ہے، یعنی چھوٹے اور بڑے گاؤں کا دارومدار عرف پر ہے؛ عرف میں جس کو لوگ بڑا گاؤں سمجھتے ہیں وہ بڑا کہلائے گا اور جس کو چھوٹا سمجھتے ہیں وہ چھوٹا کہلائے گا۔

فتاوی محمودیہ میں ہے: ''حنفیہ کے نزدیک جمعہ کی نماز کی صحت کے لیے شہر یا قصبے یا بڑے گاؤں کا ہونا ضروری ہے اور بڑا گاؤں وہ کہلائے گا جس میں لوگوں کی روزانہ کی ضرورتیں جیسا کہ پوسٹ آفس، دواخانہ، مدرسہ، بازار وغیرہ کے لحاظ سے بڑا ہونے کے مانند ہو اور تین چار ہزار کی آبادی ہو اگر گاؤں ایسا نہ ہو، تو وہاں نماز جمعہ جائز نہیں''۔

پھر اخیر میں لکھا ہے: ''شہر اور گاؤں کی پہچان عرفی چیز ہے، جو عرف کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہے اور یہ اتنا عام ہے کہ تعریف کے بغیر بھی عوام اور لاعلم شخص ہر ایک جانتا ہے کہ فلاں بستی بڑا گاؤں ہے اور فلاں بستی قصبہ ہے'' (فتاوی محمودیہ، مطبوعہ ادارۃ الصدیق ۸/ ۱۰۲، ۱۰۴؛ فتاوی دارالعلوم دیوبند ۵/ ۵۴)۔

مذکورہ بالا تمام تعریفات کی روشنی میں مصر یا قریۂ کبیرہ کے تحقق کے لیے حسب ذیل باتیں ضروری معلوم ہوتی ہیں:

۱- احکام نافذ کرنے اور حدود قائم کرنے والے قاضی کا ہونا۔

۲- مختلف گلیوں اور مختلف علاقوں والے بازار کا ہونا۔

۳- مفتی بہ قول کے مطابق اتنی بڑی آبادی کا ہونا کہ وہاں کی سب سے بڑی مسجد پوری آبادی کے مصلیوں کے

لیے ناکافی ہو۔

۴- باضابطہ بازار اور حکومتی عملے اور ضروریات زندگی کی تمام چیزوں کی فراہمی کا ہونا اور اگر ضروریات زندگی کی تمام اشیا فراہم نہ ہوں، تو مردم شماری کے اعتبار سے تقریباً تین ہزار یا اس سے زیادہ کی آبادی ہونا، جس کو عرف میں لوگ قصبہ یا بڑا گاؤں سمجھتے ہوں۔

۵- ہر پیشہ ور شخص کا کسی دوسرے پیشے کی طرف التفات کیے بغیر اپنے اپنے پیشے پر باقی رہتے ہوئے پورا سال بآسانی گزارہ کر لینا۔

خلاصہ اور اپنی رائے: مذکورہ بالا پوری تحریر کی روشنی میں مصر کی تعریف کے متعلق بندے کی رائے یہ ہے کہ مصر ایسے شہر کو کہیں گے جس میں مختلف گلیوں، مختلف خطوں اور علاقوں والا ایسا بازار ہو، جہاں سے وہاں کے باشندوں کی تمام ضروریات زندگی فراہم ہوسکتی ہوں، نیز مفتی بہ قول کے مطابق اس کی سب سے بڑی مسجد وہاں کے تمام باشندوں کے لیے ناکافی ہو اور آبادی کے لحاظ سے تعداد مسلم وغیر مسلم سب ملا کر تین ہزار یا اس سے کچھ زیادہ ہو، جس کو لوگ عرف میں قصبہ یا بڑا گاؤں سمجھتے ہوں اور اگر تعداد تین ہزار تک نہ پہنچتی ہو، تو شرط یہ ہے کہ وہاں حکومتی عملہ (جس میں پولیس محکمہ، ڈاک خانہ، ہسپتال، سرکاری دفاتر، سرکاری آفیسر اور اسکول وغیرہ) موجود ہوں؛ کیوں کہ ان تمام چیزوں کی وجہ سے آبادی کے کم ہونے کے باوجود اس کی حیثیت بڑھ جاتی ہے۔

نوٹ: اگر سرکاری قاضی یا پولیس محکمہ نہ ہو، بلکہ مفتیان کرام اور علماء دین کی جماعت وہاں موجود ہو تو یہ سرکاری قاضی اور پولیس کے قائم مقام نہیں ہوں گے، جیسا کہ بعض حضرات اس کے قائل ہیں؛ کیوں کہ کتب فقہ وفتاوی میں جہاں صحت جمعہ کے لیے قاضی و والی ہونے کی شرط ہے، وہاں "**ينفذ الأحكام و يقيم الحدود بحشمته**" کے الفاظ بھی موجود ہیں، جس کا صاف اور واضح مطلب یہی ہے کہ وہ اپنے رعب ودبدبے کی وجہ سے لوگوں کے درمیان احکام نافذ کر سکتا ہو اور جرائم پیشہ لوگوں کے اوپر حدود قائم کر سکتا ہو، ظاہر سی بات ہے کہ یہ کام صرف سرکاری قاضی و والی اور پولیس محکمہ ہی کر سکتا ہے، مفتیان کرام اور علماء دین کے بس میں یہ کام نہیں، وہ تو دینی احکام کی صرف رہنمائی کر سکتے ہیں، ان کے اندر وہ پاور نہیں ہوتا، جو ایک سرکاری قاضی اور پولیس کے اندر ہوتا ہے؛ اس لیے ان حضرات کو سرکاری قاضی اور پولیس محکمے کے قائم سمجھنا قابل غور بات ہے، الا یہ کہ وہ محکمۂ شرعیہ یعنی شرعی پنچایت کا قاضی ہو تو اور بات ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۲- قیام جمعہ کے لیے اس کی شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، جن میں ایک شرط شہر یا قریۂ کبیرہ کا ہونا بھی ہے، جس کا سوال نمبر ایک کے جواب میں تفصیلی ذکر آچکا ہے؛ پس مذکورہ بالا صفات کے حامل شہر یا قصبے میں جمعہ قائم کرنا شرعاً درست ہوگا

اور جو شہر یا قصبہ ان صفات کا حامل نہ ہو تو وہاں جمعہ قائم کرنا درست نہ ہوگا، وہاں کے باشندوں پر نماز ظہر ادا کرنا لازم ہوگا۔

۱-مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت علیؓ سے ایک روایت منقول ہے:

۱''لا جمعة، و لا تشريق، و لا صلاة فطر، و لا أضحى، إلا فی مصر جامع أو مدينة عظيمة''

(المصنف لابن أبی شیبۃ، کتاب الصلاۃ ۴/۴۶، رقم الحدیث:۵۰۹۹)۔

۲-اور مصنف بن ابی شیبہ ہی میں حضرت حذیفہؓ سے منقول ہے:

''ليس على أهل القرى جمعة؛ إنما الجمعة على أهل الأمصار مثل المدائن''(المصنف لابن أبی شیبۃ، کتاب الصلاۃ، مؤسسۃ علوم القرآن ۴/۴۶، رقم الحدیث:۵۱۰۰)۔

ان دونوں احادیث سے واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ گاؤں اور دیہات میں نماز جمعہ جائز نہیں؛ کیوں کہ اگر گاؤں اور دیہات میں نماز جمعہ جائز ہوتی تو خلیفۂ راشد حضرت علی کرّم اللہ وجہہ اور جلیل القدر صحابی حضرت حذیفہ بن الیمانؓ ہرگز یہ نہ فرماتے کہ جمعہ صرف شہر ہی میں ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ کسی جگہ نماز کا ہونا یا نہ ہونا کوئی ایسا امر نہیں ہے جس میں اپنی رائے اور قیاس کا دخل ہو، ضرور ان حضرات تک حضور ﷺ سے اس سلسلہ میں کوئی ہدایت پہنچی ہوگی، جس کی بنیاد پر ان حضرات نے یہ بات کہی ہوگی۔

بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے ایک طویل روایت میں ہے:

''.....حتى نزل بهم فی بنی عمرو بن عوف؛ وذالک يوم الإثنين من شهر ربيع الأول ، فقام أبوبكررضی الله عنه للناس وجلس رسول الله ﷺ صامتا فطفق من جاء من الأنصار ممن لم ير رسول الله ﷺ يجيء أبابكررضی الله عنه حتى أصابت الشمس رسول الله ﷺ، فاقبل أبوبكر حتى ظلل بردائه، فعرف الناس رسول الله ﷺ عند ذالک فلبث رسول الله ﷺ فی بنی عمروبن عوف بضع عشرةليلة، و أسس المسجد الذی أسس على التقوى الخ۔

و فی روايةأنس بن مالک رضی الله عنه أربع عشرةليلة؛وأسّس المسجد على التقوى وصلى فيه رسول الله ﷺ، ثم ركب راحلته، فسار يمشی معه الناس حتى بركت عند مسجد الرسول ﷺ بالمدينة و هو يصلی فيه يومئذ رجال من المسلمين و كان مربدًا للتمر لسهيل و سهل غلامين يتيمين فی حجر أسعد بن زُرارة، فقال رسول الله ﷺ: حين بركت به راحلته هذا إن شاء الله المنزل؛ ثم دعا رسول الله ﷺ الغلامين فساومهما بالمربد ليتخذه مسجدًا؛ فقالا: بل نهبه لک

یا رسول اللہ! فأبی رسول اللہ ﷺ أن یقبلہ منہما ہبتہ حتی ابتاعہ منہما ثم بناہ مسجدًا'' (رواہ البخاری، باب ہجرۃ النبی ﷺ وأصحابہ إلی المدینۃ ۱/ ۵۵۵؛ رقم الحدیث: ۳۹۰۶)۔

مذکور حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ نے جب مکہ معظّمہ سے ہجرت فرمائی تو مقام قبا میں (جو مدینہ سے تین کوس کے فاصلے پر ہے) پیر کے دن پہنچے اور قبیلہ بنی عمرو بن عوف کے یہاں نزول اجلال فرمایا، وہاں مسجد کی بنیاد ڈالی گئی؛ عام مسلمانوں کے ساتھ باجماعت علانیہ نماز ہونے لگی اور آپ ﷺ نے حضرت انسؓ کی روایت کے مطابق چودہ شب وہاں قیام فرمایا؛ پھر آپ نے وہاں سے مدینہ طیبہ کوچ کیا اور بنونجار کے محلے میں پہنچ کر حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان میں تشریف فرما ہوئے اور چند مہینے آپ نے وہاں قیام فرمایا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے لیے مسجد ومکانات تعمیر ہو گئے۔

جب کہ صحیح بخاری کی ایک حدیث سے ثابت ہوا کہ آپ نے قبا میں چودہ روز قیام فرمایا تھا تو لازمی بات ہے کہ اس دوران دو جمعے بھی آئے ہوں گے، مگر کسی بھی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے وہاں جمعہ کی نماز ادا کی ہو؛ بلکہ آپ کی پہلی نماز جمعہ یا تو مدینہ طیبہ میں ہوئی یا بنوسالم کی مسجد عاتکہ میں جو مدینے کا ایک محلّہ ہے جو شہر سے باہر ہے۔

اب قابل غور بات یہ ہے کہ باوجود یکہ اس وقت نماز جمعہ فرض ہو چکی تھی، قبا میں آپ نے نماز جمعہ کیوں ترک فرمائی؟ اگر آپ مسافر تھے تو آپ نے قبا والوں کو حکم کیوں نہیں دیا؟ اور جب مسافر کے لیے جمعہ جائز ہے اور بالفرض قبا والوں پر نماز جمعہ فرض تھی تو آپ قبا میں نماز جمعہ ضرور قائم فرماتے، آپ کے خود جمعہ قائم نہ فرمانے سے اور اہل قبا کو جمعہ قائم کرنے کا حکم نہ دینے سے ثابت ہوتا ہے کہ قبا میں نماز جمعہ درست ہی نہ تھی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دیہات والوں پر جمعہ فرض نہیں۔

۴- رسول اللہ ﷺ کے حج کے بارے میں ایک طویل حدیث میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا: ''**فأجاز رسول اللہ ﷺ حتی عرفۃ، فوجد القبۃ قد ضربت لہ بنمرۃ فنزل بہا حتی إذا زاغت الشمس أمر بالقصواء فرحلت لہ فأتی بطن الوادی، فخطب الناس.....إلی أن قال: ثم أذّن ثم أقام فصلی الظہر، ثم أقام فصلی العصر ولم یصل بینہما شیئًا**'' (رواہ مسلم، باب حجۃ النبی ﷺ ۱/ ۳۹۷؛ رقم الحدیث: ۱۲۱۸)۔

اس حدیث شریف سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ نے نویں ذی الحجہ کو مقام عرفات میں وقوف فرمایا تو گرچہ آپ ﷺ کے مسافر ہونے کی وجہ سے وہاں آپ پر نماز جمعہ فرض نہ تھی، مگر اہل مکہ پر تو نماز جمعہ فرض تھی؛ لیکن انہوں نے بھی جمعہ کی نماز نہیں پڑھی، ظہر کی نماز پڑھی تھی؛ پس آپ ﷺ کے ساتھ اہل مکہ کا نماز جمعہ نہ پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ غیر آبادی کی وجہ سے مقام عرفات نماز جمعہ کا محل ہی نہ تھا اور اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل قریہ پر جمعہ فرض نہیں۔

۵-حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''**كان الناس ينتا بون الجمعة من منازلهم والعوالى**.....'' (رواہ البخاری، باب أین توتی الجمعۃ ۱/ ۱۲۳، رقم الحدیث: ۹۰۲)۔

اس حدیث سے بھی ثابت ہورہا ہے کہ اہل عوالی جمعہ میں شریک ہونے کے لیے نوبتاً بعد نوبتٍ یعنی باریاں مقرر کر کے آیا کرتے تھے؛ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ اہل عوالی پر جمعہ کی نماز فرض نہیں تھی؛ کیوں کہ اگر اہل عوالی پر جمعہ کی نماز فرض ہوتی تو وہ وہیں پر جمعہ کی نماز قائم کرلیا کرتے، انہیں اتنی دور آنے کی ضرورت نہیں تھی؛ لیکن کسی حدیث سے بھی ان کے عوالی میں جمعہ کی نماز قائم کرنا ثابت نہیں؛ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دیہات میں جمعہ کی نماز جائز نہیں۔

۶-حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے: ''**إن أول جمعة جمعت بعد جمعة فى مسجد رسول الله ﷺ فى مسجد عبد القيس بجواثى من البحرين**'' (رواہ البخاری، باب الجمعۃ فی القری والمدن ۱/ ۱۲۲، حدیث نمبر: ۸۹۲)۔

اس حدیث شریف سے صاف طور پر یہ بات ثابت ہورہی ہے کہ جب تک مقام جواثی میں نماز جمعہ قائم نہیں ہوئی، مسجد نبوی کے سوا کسی اور مقام میں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی تھی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ہجرت کے کتنے دن بعد مقام جواثی میں جمعہ قائم ہوا؟

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق اہل جواثی نے نماز جمعہ اس وقت قائم کی تھی جب ان کا وفد مدینہ طیبہ آکر واپس گیا اور قاضی عیاض وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ یہ لوگ سن ۸ ھ میں مدینہ طیبہ آئے تھے؛ اس سے معلوم ہوا کہ مقام جواثی میں جمعہ آٹھ سال بعد قائم ہوا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس طویل مدت میں سینکڑوں اہل عوالی اور اہل قریہ مسلمان ہو چکے تھے، اسلام دور دراز کی بستیوں تک پہنچ چکا تھا؛ بہت سی بستیاں مسلمانوں کے قبضے میں تھیں، خیبر بھی فتح ہو چکا تھا، جابجا مسجدیں بھی تھیں، پھر مسجد نبوی کے علاوہ کسی اور جگہ نماز جمعہ کیوں قائم نہیں ہوئی؟ حتی کہ مقام قبا جو مدینہ طیبہ سے تین کوس کے فاصلے پر تھا اور جہاں آپ ﷺ ہر ہفتہ تشریف لے جاتے تھے، یہاں کی مسجد کی اتنی بڑی فضیلت ہے کہ اس کی بنیاد خود آپ ﷺ نے رکھی، جس کی شان میں قرآن مجید میں أسّس علی التقوی وارد ہوا؛ ایسی متبرک مسجد میں بھی آپ نے نہ تو اس وقت جمعہ کی نماز قائم فرمائی؛ حالاں کہ آپ نے ہجرت کے بعد وہاں پہلا قیام فرمایا تھا اور نہ مدینہ طیبہ کے قیام کے بعد؛ اگر وہاں نماز جمعہ صرف جائز بھی ہوتی تو فرض نہ سہی، مقام جواثی سے بہت پہلے ضرور جمعہ قائم ہو جاتا، تاکہ جو لوگ جمعہ کے روز قبا میں رہ جاتے تھے اور مدینہ طیبہ نہیں آسکتے تھے وہ نماز جمعہ سے محروم نہ رہتے۔

پس مقام قبا وغیرہ میں نماز جمعہ نہ ہونا بلکہ مسجد نبوی کے بعد پہلا جمعہ ہجرت کے آٹھ سال بعد مقام جواثی میں قائم

ہونا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو مقامات اور جو چھوٹی بستیاں اور گاؤں نماز جمعہ قائم کرنے کے محل نہ تھے وہاں جمعہ جائز نہیں ہے۔

۸-حضرت ابوعبید کہتے ہیں: ''**ثم شهدت العيد مع عثمان بن عفان، فجاء فصلى ثم انصرف فخطب وقال: إنه قد اجتمع لكم في يومكم هذا عيدان؛ فمن أحب من أهل العالية أن ينتظر الجمعة، فلينتظرها فمن أحب أن يرجع فقد أذنت له**'' (مؤطا إمام مالک، الأمر بالصلاة قبل الخطبة في العيدين: ۱۶۵؛ رقم الحدیث: ۴۹۱)۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عید کی نماز کے بعد اہل عوالی کو اجازت دے دی کہ جس کا جی چاہے جمعہ کا انتظار کرے اور جس کا جی چاہے گھر واپس چلا جائے، اس کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ اہل بادیہ ہونے کی وجہ سے ان پر نماز جمعہ فرض نہ تھی، اس لیے آپ نے انہیں گھر جانے کی اجازت دے دی۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''**و تقع فرضًا في القصبات و القرى الكبيرة التي فيها أسواق .....أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض و منبر و خطيب، لو صلوا في القرى لزمهم أداء الظهر**'' (ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ، مطبوعۃ مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/ ۶، ۷)۔

''**و كذا لا يصح أداء الجمعة إلا في المصر، وتوابعه؛ فلا تجب على أهل القرى التي ليست من توابع المصر، و لا يصح أداء الجمعة فيها**'' (بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ، مطبوعۃ مکتبۃ زکریا دیوبند ۱/ ۵۸۳)۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی رحمہ اللہ تعالی اپنی کتاب موسوعۃ الفقہ الاسلامی میں تحریر فرماتے ہیں:

''**و الخلاصة: لابد لإقامة الجمعة عند الجمهور من كونها في مدينة أو قرية؛ و لابد أن تكون القرية كبيرة عند الحنفية، فلا تجب على سكان القرى الصغيرة**'' (موسوعۃ الفقہ الإسلامی ۲/ ۲۴۶، ۲۴۷)۔

''**صلاة العيد في القرى يكره تحريمًا؛ لأنه اشتغال بما لا يصح؛ لأن المصر شرط الصحة**''

(ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ، مطبوعۃ مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/ ۴۶)۔

ان تمام فقہی عبارات کی روشنی میں بھی یہ بات بہ خوبی واضح ہوتی ہے کہ قیام جمعہ کے لیے مصر، قصبے یا قریۂ کبیرہ کا ہونا ضروری ہے، دیہات والوں پر نہ جمعہ واجب ہے اور نہ ان کے لیے جمعہ قائم کرنا صحیح ہے؛ بلکہ اگر انہوں نے جمعہ کی نماز قائم کی، تو مکروہ تحریمی ہوگا اور اعادۂ ظہر لازم ہوگا۔

خلاصہ اور اپنی رائے: مذکورہ بالا احادیث، آثار صحابہ، نصوص اور تمام فقہی عبارات کی روشنی میں بندے کی مضبوط رائے یہ ہے قیام جمعہ کے لیے مصر یا قریۂ کبیرہ کا ہونا ضروری ہے، ایسا قریہ جہاں ضروریات زندگی کی سہولیات مہیا نہ ہوں،

وہاں جمعہ کی نماز قائم کرنا درست نہیں؛ پس سوال میں جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے: کہ جہاں مسلمانوں کی باقاعدہ آبادی ہو، چاہے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو، نماز باجماعت کا مسجد کے ساتھ یا مسجد کے بغیر نظام ہو، کیا وہاں جمعہ کی نماز کا نظام بنایا جاسکتا ہے؟

صرف اس کو بنیاد بنا کر ایسے چھوٹے اور معمولی قسم کے دیہاتوں میں جمعہ کی نماز قائم کرنا شرعاً درست نہیں ہے، نیز نماز جمعہ اور عیدین وغیرہ اسلامی شعائر میں سے ہیں، ان کو اپنے شعائر پر باقی رکھنے ہی میں مسلمانوں کے لیے خیر ہے، بالخصوص اس پرفتن دور میں تو ضروری ہوگیا ہے کہ چھوٹی چھوٹی جماعتیں بنا کر جمعہ قائم کرنے کے بجائے بڑی تعداد میں لوگ جمع ہوکر نماز جمعہ ادا کریں، تاکہ مسلمانوں کے رعب ودبدبے اور شان وشوکت کا بھی ظہور ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

۳- جمعہ کی نماز قائم کرنے کی شرائط میں سے ایک شرط مصر یعنی شہر کا ہونا بھی ہے، دیہات میں جمعہ کی نماز قائم کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

و كذا النبي ﷺ كان يقيم الجمعة بالمدينة؛ و ما روى الإقامة حولها؛ و كذا الصحابة فتحوا البلاد و ما نصبوا المنابر إلا في الأمصار، فكان ذلك إجماعًا منهم على أن المصر شرط'' (بدائع الصنائع، مطبوعہ مکتبہ زکریا دیوبند ۱/ ۵۸۴)۔

''**و في القينية صلوة العيد: (و مثله صلوة الجمعة)في القرى تكره تحريمًا؛ أي: لأنه اشتغال بما لايصح؛ لأن المصر شرط الصحة**'' (الدرالمختار مع الرد، مطبوعہ مکتبہ زکریا دیوبند ۳/ ۴۶)۔

مذکورہ بالا نصوص اور فقہی عبارات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہورہی ہے کہ دیہات میں جمعہ کی نماز قائم کرنا درست نہیں ہے؛ حضرات صحابہ کو جب مختلف شہروں کی اللہ رب العزت نے فتح نصیب فرمائی، تو انہوں نے قیام جمعہ اور عیدین کے لیے چھوٹے دیہاتوں کے بجائے شہروں میں منبروں کے بنانے کا اہتمام کیا تھا؛ یہ بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ جمعہ کی نماز دیہاتوں میں قائم کرنا صحیح نہیں۔

البتہ جو گاؤں شہر کی طرح ہو، جس کو قصبہ کہا جاتا ہے اور جہاں ضروریات زندگی کی ساری چیزیں مہیا ہوجاتی ہوں اور لوگ بھی اسے قصبہ سمجھتے ہوں اور اپنی ضروریات کی ساری چیزیں خریدنے کے لیے وہاں آتے ہوں، تو ایسی جگہ جمعہ قائم کرنا شرعاً درست ہے اور اگر ایسا نہ ہو، تو اس پر قصبے کا اطلاق نہیں ہوگا اور وہاں جمعہ قائم کرنا درست نہیں ہوگا۔

ایک بات بطور خاص جاننا ضروری ہے کہ لوگوں کو خوش کرنے اور ان کی اصلاح کی فکر میں اللہ تبارک وتعالی کی نافرمانی کرنا غلط بات ہے؛ شرائط کی روشنی میں جس گاؤں میں جمعہ قائم کرنا صحیح نہ ہو، تو محض لوگوں کے وعظ ونصیحت کی خاطر جمعہ قائم کرنا درست نہیں، اصلاح کے دوسرے بہت سے طریقے ہیں؛ مثلاً: ہفتے میں ایک دومرتبہ کسی عالم دین کو بلا کر بیان کروانا یا تبلیغی جماعتوں کو اپنے گاؤں میں بلا کر ان کو جوڑنا؛ دعوت وتبلیغ کے کام کی محنت کرنا، عمومی اور خصوصی گشت کر کے

لوگوں کی ملاقاتوں کا اہتمام کرنا اور اسی کے ساتھ اللہ رب العزت سے دعائیں بھی کرتے رہنا؛ ان سارے کاموں کے کرنے سے اللہ تعالی کی ذات سے قوی امید ہے کہ ان شاء اللہ ایسے چھوٹے گاؤں اور دیہاتوں کا ماحول اچھا بنے گا اور لوگوں میں دین داری پیدا ہوگی۔

نیز لوگوں میں دینی بیداری لانے اور ان کی اصلاح کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ایسے چھوٹے اور پس ماندہ دیہات والوں کے لیے اطراف کے بڑے گاؤں اور قصبے والے فکر کریں اور وہ اپنے یہاں سے کسی نیک، صالح، اچھے، دین دار اور باصلاحیت عالم دین کا انتخاب کر کے یا اپنے اطراف کے کسی بڑے مدرسے اور دار العلوم کے لائق و فائق استاذ کا انتخاب کروا کے ایسے دیہاتوں میں ہفتے میں ایک دو مرتبہ بعد نماز عشا ان کا اصلاحی بیان و وعظ کا پروگرام منعقد کرائیں، جس میں ان کے سامنے ایمان و عقائد کی بنیادی باتیں بیان کر کے دشمنان اسلام کی سازشوں سے بھی ان کو واقف کرائے، اس سے امید ہے کہ ان کی اصلاح کا کام کسی نہ کسی درجے میں پورا ہوگا اور اللہ تعالی کوئی بہتر راستہ کھولے گا۔

مفتی محمود صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فتاوی محمودیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''شریعت میں مصلحت کی رعایت اس وقت ہوتی ہے جب وہ حکم شرعی کے خلاف نہ ہو اور جب مصلحت حکم شرعی کے خلاف ہو، تو پھر مصلحت کی اجازت ہرگز نہ ہوگی؛ بلکہ حکم شرعی پر عمل کرنا لازم ہوگا؛ پس جس گاؤں میں شرائط جمعہ موجود نہ ہوں، تو پھر کسی دینی فائدے اور مصلحت کے پیش نظر جمعہ پڑھنا درست نہیں ہے؛ بلکہ ظہر باجماعت ادا کرنا ضروری ہے، جس کی قسمت میں نماز اور عبادت لکھی ہے اور جس کو خوف خدا ہے، وہ پھر بھی ادا کرے گا اور جو بدقسمت ادا نہ کرے، اس کی فکر کسی کے ذمے نہیں، وہ اپنی قبر کا سامان خود کرے گا'' (مستفاد: فتاوی محمودیہ، مطبوعہ ادارہ صدیق ڈابھیل ۸/ ۱۵۲)۔

روح المعانی میں لکھا ہے: ''**المفسدة إذا ترجحت على المصلحة اقتضت تحريم الفعل**'' (روح المعانی مطبوعہ زکریا دیوبند ۲/ ۱۷۳)۔

اور الاشباہ والنظائر میں ہے: ''**إذا كان فعل الإمام مبنيًّا على المصلحة فيما يتعلق بالأمور العامة لم ينفذ أمره شرعًا إلا إذا وافقه، فإن خالفه لم ينفذ**'' (الأشباہ والنظائر، قدیم: ۱۸۹)۔

خلاصہ اور اپنی رائے: جن مقامات پر جمعہ جائز نہیں ہے، وہاں صرف لوگوں کی اصلاح کے خاطر خواہ مخواہ جائز کرنے کی کوشش کرنے سے جمعہ جائز نہیں ہوگا؛ لوگوں کی اصلاح کے اور بہت سے طریقے ہیں جن کو اپنایا جانا چاہئے۔

☆☆☆

تیسرا باب

مختصر تحریریں

جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط موجودہ حالت کے پس منظر میں

ڈاکٹر قاری ظفر الاسلام صدیقی ☆

۱- اولا وہ اقوال پیش کئے جارہے ہیں جن میں توسع سے کام لیا گیا ہے: ''**وقال الشافعی وأحمد کل قریة فیها أربعون رجلا أحراراً بالغین عقلا ء مقیمین بها.....فالجمعة واجبة علیهم.....بشرط أن تکون الأبنیة مجتمعة فإن کانت متفرقة لم تصح.....وقیل إن لو اجتمعوا إلی أکبر مساجدهم لم یسعهم لأن أول من جمع بنا فی هزم النبیت من حرة بنی بیاضة فی نقیع یقال له نقیع الخضمات قلت کم أنتم یومئذ؟قال أربعون أخرجه أیضا ابن ماجه وابن خزیمة والبیهقی.....وفی حدیث کعب جمع بهم أسعد وهم أربعون**'' (عمدۃ القاری ۵/۴۰ زکریا) (امام شافعی و امام احمد رحمہما فرماتے ہیں کہ اگر چالیس مرد آزاد بالغ مقیم عقلمند ہوں تو وہاں جمعہ قائم ہوسکتا ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر ان کی بڑی مسجد میں سب جمع ہوجائیں تو وہ مسجد ناکافی ہو، کعبؓ کی حدیث میں ہے کہ ان کو اسعد نے جمع کیا جن کی تعداد چالیس تھی)۔

مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: ''**أقول وذالک لأنه لما کان حقیقة الجمعة إشاعة الدین فی البلد وجب أن ینظر إلی تمدن وجماعة والأصح عندی أنه یکفی أقل ما یقال فیه قریة، روی من طرق شئ یقوی بعضها بعضا.....قال ﷺ الجمعة علی الخمسین رجلا قلت الخمسون یتقری بهم قریة وقال ﷺ الجمعة واجبة علی کل قریة**'' (حجۃ اللہ البالغہ ۲/۴۷ دار الجیل القاہرۃ)۔

مصر کی تعریف متعدد ہے، قرون اولی سے اس میں اختلاف چلا آرہا ہے جس کے سبب کسی ایک یقینی اور حتمی تعریف تک پہنچنا کار دارد، اس لئے حضرت مولانا عبدالاول جونپوری تحریر فرماتے ہیں: فقہاء کے اقوال تعریف مصر میں مختلف ہیں جن کی تعداد اٹھارہ پہنچتی ہے (ایذان الوری/۵)۔

فی زمانہ دل سے لگتا ہوا قول جو مقصد سوال سے زیادہ ہم آہنگ ہے حضرت شاہ صاحب کا ہے۔

☆ سابق شیخ الحدیث و پرنسپل، دار العلوم مئو۔

۲- اگر باقاعدہ مسجد ہو جس میں پنج وقتہ امام ومؤذن متعین ہوں اور عورت و بچے چھوڑ کر مکلّف پچاس مرد ہوں اور اس گاؤں میں سکک واسواق بھی ہوں اور روزہ مرہ کی اشیاء ضروریہ دستیاب ہوں تو جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے، انشاء اللہ وہ عند اللہ ماخذ نہ ہوں گے، حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں: اگر کسے درد ہے جمعہ قائم کند دست وگریبانش نہ زنند (فیوض قاسمیہ/۲۸)، لیکن اس کے ساتھ ایک گذارش ہے کہ مقامی علماء کے استصواب رائے کے بعد ہی قیام عمل میں آئے، ورنہ ممکن ہے انتشار کا باعث ہو، نیز یہ کہ کرونا کے اضطراری حالات کی وجہ سے یہ حکم ہے اور قیام کے بعد جمعہ مستقل ہوجائے گا، قیام کے بعد روکنے کو فقہاء نے منع کیا ہے، اس لئے مقامی علماء کے تال میل سے یہ کام ہونا چاہئے۔

۳- اس کا جواب اول ودوم کے جوابات سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

قیام جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط اور موجودہ حالات

مفتی حبیب اللہ قاسمی☆

۱- مصر کی تعریف میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے: ایک تعریف یہ کی کہ مصر وہ جگہ ہے جہاں قاضی اور امیر ہوں، احکام کو نافذ کرتے ہوں اور حدود کو قائم کرتے ہوں، یہ قول حضرت امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے، دوسرا قول حضرت امام ابو یوسفؒ کا یہ ہے کہ وہاں کے تمام لوگ وہاں کی بڑی مسجد میں جمع ہو جائیں تو مسجد نا کافی ہو جائے، مصر کی سب سے جامع اور بہتر تعریف یہی ہے، کیونکہ اس سے شہر کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے اور ضرورت اس وقت یہی ہے کہ شہر کا ایسا مفہوم متعین کیا جائے کہ زیادہ سے زیادہ مقامات پر نماز جمعہ کی گنجائش نکل آئے۔

''والمصر الجامع كل موضع له أمير و قاض ينفذ الأحكام و يقيم الحدود و هذا عن أبى يوسفؒ و عنه إذا اجتمعوا فى أكبر مساجدهم لم يسعهم'' (ہدایہ ۱/۱۴۸، باب صلوۃ الجمعۃ، شامی ۱/۵۳۶، کتاب الفتاوی ۳/۳۷)۔

مصر کی تعریف میں اختلاف ہے، لیکن بظاہر عرف پر مدار ہے، عرفاً جس شہر اور قصبہ کی آبادی زیادہ ہو، بازار گلیاں ہوں، اشیاء ضرورت سب ملتی ہوں، وہ شہر ہے (فتاوی دار العلوم دیوبند ۵/۱۰۲)۔

۲- فقہاء حنفیہ کی عبارات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جہاں جمعہ کی شرطیں جن میں خصوصاً شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں جن میں تین ہزار یا اس سے زائد کی آبادی ہو وہاں جمعہ کا قائم کرنا درست ہے اور جہاں شرائط نہیں پائے جاتے ہوں وہاں جمعہ کا نظام قائم کرنا درست نہیں۔

''عن حذيفةؓ قال ليس على أهل القرى جمعة إنما الجمعة على أهل الأمصار مثل المدائن'' (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴/۴۶)۔

''و شرائط أدائها المصر أى شرط صحتها أى تودىٰ فى مصر حتى لاتصح فى قرية ولا مفازة

☆ بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، اعظم گڈھ، یوپی۔

لقول علیؓ لاجمعة و لا تشریق ولا صلو ة فطر ولا أضحی إلا فی مصر جامع أو فی مدینة عظیمة" (البحر الرائق زکریا ۲/ ۲۴۵، کوئٹہ ۲/ ۱۴۰)۔

"لاتجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاضی و منبر وخطیب ألا تری أن فی الجواهر "لو صلوا فی القری لزمهم أداء الظهر" (شامی، کراچی ۲/ ۱۳۸، شامی زکریا ۳/ ۷، فتاوی قاسمیہ ۹/ ۱۲۶)۔

۳- قدیم فقہاء کی عبارات سے مذکورہ مقصد اور علت کی وجہ سے اس گاؤں میں جہاں شرائط جمعہ نہیں پائی جاتیں ہوں جمعہ ادا کرنے کی اجازت نہیں ملتی، البتہ یہ مسئلہ قابل غور اور فقہاء کرام کے لئے موجودہ حالات میں کچھ گنجائش نکالنے کا متقاضی ہے کہ اگر کسی گاؤں کے حالات نہایت خراب ہوں اور وہاں جمعہ بند کرنے سے ان کے ایمان اور عقیدہ کے بگڑنے کا خطرہ ہو تو "**الضرورات تبیح المحظورات**" کے قاعدہ سے قیام جمعہ کی گنجائش ہونی چاہئے۔

چنانچہ حضرت مولانا سجادؒ صاحب (بانی امارت شرعیہ پٹنہ) دیہات میں نماز جمعہ کو جائز قرار دیتے ہیں، چنانچہ "فتاوی امارت شرعیہ" میں مرقوم ہے: "ہمارے نزدیک جس گاؤں میں مسلمانوں کی مستقل آبادی ہو اور جماعت کے لئے بالغ مرد کافی ہوں وہاں نماز جمعہ ہوسکتی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ محدث دہلوی بھی اس کے قائل ہیں، صرف وہ یہ فرماتے ہیں چالیس مسلمان وہاں موجود ہوں تو پڑھنا چاہئے، چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ میں ہے اہل بادیہ پر جمعہ نہیں، ہاں اگر اتنے لوگ وہاں آباد ہوجائیں جس کی وجہ سے اس پر قریہ کا اطلاق ہوسکے تو وہاں جمعہ واجب ہوگا۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: "**و ذلک لأنه لما کان حقیقة الجمعة إشاعة الدین فی البلد وجب أن ینظر إلی تمدن و جماعة والأصح عندی أنه یکفی أقل ما یقال فیه قریة لما روی من طرق شتی یقوی بعضه بعضا "خمسة لا جمعة علیهم" و عد منهم أهل البادیة قال علیه السلام "الجمعة علی الخمسین رجلا" أقول الخمسون یتقری بهم قریة و قال صلی الله علیه وسلم الجمعة واجبة علی کل قریة**" (حجۃ اللہ البالغہ ۲/ ۳۰، فتاوی امارت شرعیہ پٹنہ ۱/ ۵۳)۔

مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی رائے بھی یہی ہے کہ حنفیہ کے نزدیک دیہات میں جمعہ جائز نہیں، لیکن جہاں قدیم زمانہ سے جمعہ قائم ہے اور اس کے بند کرنے سے مفاسد اور انتشار کا خوف ہو تو دیہات میں بھی نماز جمعہ درست ہے، چنانچہ حضرت مفتیؒ صاحب رقمطراز ہیں: "گاؤں میں جمعہ کا صحیح ہونا نہ ہونا مجتہدین میں مختلف فیہ ہے، حنفیہ کے نزدیک جواز جمعہ کے لئے مصر ہونا شرط ہے، لیکن مصر کی تعریف میں اختلاف عظیم ہے، تاہم جس مقام میں زمانہ قدیم سے جمعہ قائم ہے وہاں

جمعہ کو ترک کرانے میں جو مفاسد ہیں وہ ان مفاسد سے بدرجہا زیادہ سخت ہیں جو سائل نے جمعہ پڑھنے کی صورت میں ذکر کئے ہیں، ان کا فرض ادا ہوجاتا ہے'' (کفایت المفتی ۳/۲۳۱)۔

جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط اور موجودہ حالات:

مصر کی تعریف میں فقہاء کا اختلاف ہے، سب سے بہتر اور جامع تعریف یہ ہے کہ وہاں کی آبادی اتنی ہو کہ بڑی مسجد میں سب لوگ جمع ہوجائیں تو وہ مسجد ناکافی ہوجائے، اس تعریف کی روشنی میں زیادہ سے زیادہ مقامات میں جمعہ کی گنجائش نکل آئے گی، فقہاء احناف کے نزدیک جمعہ کے جائز ہونے کے لئے شہر یا قصبہ، یا بڑا بڑاؤں جہاں تین ہزار کی آبادی ہو ضروری ہے، دیہات میں جمعہ جائز نہیں۔

لیکن اگر کسی جگہ زمانۂ دراز سے جمعہ قائم ہو اور اس کے بند کرنے سے فتنہ کا اندیشہ ہو یا اس کا خوف ہو کہ لوگ جمعہ کے بند کرنے سے ظہر سے رک جائیں گے تو موجودہ حالات میں وہاں جمعہ کو بند نہ کیا جائے، ہاں لوگوں کو صحیح مسائل سے واقف کردیا جائے اور اس میں شدت نہ برتی جائے، جیسا کہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے فتوی سے ظاہر ہوتا ہے اور شاہ ولی اللہؒ اور مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کی رائے بھی یہی ہے کہ'' دیہات میں نماز جمعہ جائز ہے جہاں چالیس آدمی ہوں''۔

☆☆☆

موجودہ صورتحال میں جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط

ڈاکٹر مفتی محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی ☆

سب کو معلوم ہے کہ جمعہ کے دن ایک فریضہ نماز جمعہ ہے، جمعہ کا فرض ہونا قرآن، حدیث متواتر اور اجماع امت سے ثابت ہے؛ اسی لئے شروع اسلام ہی سے مسلم معاشرہ میں بڑے اہتمام اور پابندی کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھی جاتی ہے، الحمدللہ آج بھی لوگوں کے ذہن ودماغ میں جمعہ کی اہمیت بیٹھی ہوئی ہے؛ اسی وجہ سے نماز جمعہ بڑی پابندی اور بڑے اہتمام کے ساتھ پڑھتے ہیں، گووہ پنج وقتہ نمازوں کا اہتمام نہ کرتے ہوں، یہی وجہ ہے کہ پنج وقتہ نمازوں میں مصلیوں کی ایک ڈیڑھ صف ہوتی ہے؛ لیکن جمعہ میں پوری مسجد بھر جاتی ہے، اگر مسجد کی کئی منزلیں ہوں تو تمام منزلیں پُر ہوجاتی ہیں، شہروں میں تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ مسجد کے باہر سڑکوں پر بھی نماز ادا کی جاتی ہے، موجودہ حالات جن میں لوگوں میں دین سے دوری بلکہ مذہب بیزاری عام ہے، ایسے میں جمعہ کی نماز فی الجملہ مسجد سے اور مسجد کے واسطہ سے دین سے ان کے رشتہ کو استوار رکھتی ہے، جمعہ میں ان کو دینی باتیں سننے اور سمجھنے کا موقع فراہم ہوتا ہے، اور اس ہفتہ وار وعظ ونصیحت کے تسلسل سے ان کے مزاج میں بھی مثبت تبدیلی آتی ہے، جب وہ دوسرے مسلمان بھائیوں سے ملتے ہیں تو مسلم معاشرہ کا حصہ ہونے کا تصور ان کے ذہنوں میں راسخ ہوتا ہے، نیز اس وقت صورت حال یہ ہے کہ عیسائی مشنریز، قادیانی، قادیانیوں کی طرح شکیل بن حنیف کا فتنہ اور بعض دوسرے نو پید فرقے اور منکرین حدیث وغیرہ دیہات وقصبات میں بسنے والے مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں، بلکہ ہمہ وقت درپے رہتے ہیں، اسی طرح بعض روشن خیال، مغرب زدہ ذہن کے حامل اور جدت پسند پرانے لوگ گمراہ وباطل فرقے جیسے معتزلہ، مرجئہ اور خوارج کے باطل نظریات کو نئے انداز اور اسلوب میں پیش کررہے ہیں اور ان کو فروغ دے رہے ہیں، اور مسلم تعلیم یافتہ نوجوانوں کے ذہن وماغ کو پراگندہ کررہے ہیں اور ان کے دلوں میں دین کے تعلق سے شکوک وشبہات کو جنم دے رہے ہیں، مشاہدہ ہے کہ بسا اوقات دین اسلام کے بعض مسلّمات کے انکار تک نوبت پہنچ جاتی ہے؛ اس لئے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ارتداد کے فتنوں سے بچانے میں بھی جمعہ کا اجتماع بہت اہم کردار ادا کرتا

☆ عمید کلیۃ البحث والتحقیق جامعۃ العلوم، گڑہا- گجرات۔

ہے، اس پس منظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کی طرف سے ارسال کردہ سوالات کے جواب قارئین کی خدمت میں حاضر ہیں:

۱-مصر کی تعریف:

امام زیلعیؒ نے لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ سے کچھ بھی منقول نہیں ہے (نصب الرایہ للزیلعی ۱ / ۵۹۱، باصلاۃ الجمعۃ)، اب ظاہر ہے کہ مصر کی تعریف کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہونا ناگزیر ہے؛ تاہم یہاں اختلاف ذکر کرنے کا کوئی زیادہ فائدہ محسوس نہیں ہوتا ہے؛ اس لئے موجودہ حالات کے تناظر میں جس تعریف سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، وہ یہ ہے، جیسا کہ علامہ عبد الرحمٰن جزیریؒ نے محقق جمہور علماء احناف سے نقل کیا ہے: "**جری جمهور محققی الحنفية على أن المصر هو ما كان أكبر مسجد فيه لا يسع أهله الذين تجب عليهم الصلاة، وإن لم يحضروا فعلاً**" (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۱ / ۷۹۲، شروط الجمعۃ)۔

(محقق فقہاء احناف کے نزدیک مصر اس جگہ کا نام ہے جہاں اتنی بڑی مسجد ہو، جس میں وہاں کے وہ باشندے سما نہ سکیں، جن پر نماز فرض ہے، گو وہ عملی طور پر حاضر نہ ہوں)۔

اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر ہونے کی اصل بنیاد بڑی مسجد کا وہاں ہونا ہے، نہ کہ ضروریات زندگی کہ وہاں کیا چیزیں مل رہی ہوں یا کیا نہ مل رہی ہوں، یقیناً اس تعریف کی رو سے بہت سارے گاؤں و دیہات میں جمعہ قائم کرنا درست ہو جائے گا۔

۲-گاؤں میں نماز جمعہ:

موجودہ صورتحال میں ایسی جگہوں اور علاقوں میں جمعہ کے قیام کا نظام بنانا درست ہے، جہاں مسلمانوں کی باقاعدہ آبادی ہو، چاہے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو، نماز باجماعت کا مسجد کے ساتھ یا مسجد کے بغیر نظام ہو۔

اگر وہاں مسجد میں نماز باجماعت ہوتی ہو اور امام بھی مقرر ہو اور مسجد اتنی بڑی ہو کہ وہاں کی عاقل بالغ مسلم آبادی سما نہ سکیں، خواہ وہ عملاً حاضر ہوں یا نہ ہوں، تو جمعہ کے قیام کے نظام بنانا درست ہے، اس پر حضرت ابن عمرؓ کے قول سے استدلال کیا جا سکتا ہے: "**لَا جُمُعَةَ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ الْأَكْبَرِ الَّذِي فِيهِ الْإِمَامُ**" (معرفۃ السنن والآثار، الصَّلَاةُ فِي مَسْجِدَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ، حدیث: ۶۷۵۶) (جمعہ قائم نہیں ہوگا مگر اس بڑی مسجد میں جس میں امام مقرر ہو)، مسجد کا چھوٹی بڑی ہونا وہاں کی آبادی کے لحاظ سے اضافی شی ہے؛ یہی وجہ کہ محقق فقہاء احناف کے قول کے مطابق مصر کی جو تعریف کی گئی ہے، اس میں بڑی مسجد

کے سلسلہ میں کہا گیا: جس میں وہاں کے وہ باشندے سماں نہ سکیں، جن پر نماز فرض ہے، گو وہ عملی طور پر حاضر نہ ہوں (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۱ / ۷۹۲، شروط الجمعۃ)، اس میں لوگوں کی تعداد کی کوئی تحدید ذکر نہیں کی گئی ہے۔

دور حاضر جو ایک پرفتن زمانہ ہے اور ایمان کے لٹیرے ہر جگہ سرگرم ہیں، اور مسلمان کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے ہر وقت کوشاں ہیں، کچھ تو علانیہ گھر واپسی کے نام پر لوگوں کو مرتد کر رہے ہیں، کچھ آستین کے سانپ بنے ہوئے ہیں جیسے قادیانی اور شکیل بن حنیف کے حامی، اور کچھ دشمنان اسلام اور ان کی فکر سے متاثر افراد جو مسلمانوں کے صفوں میں موجود رہ کر مسلمان کے اندر اسلام کے خلاف شکوک وشبہات پیدا کرنے کا کام کر رہے ہیں اور باطل نظریات کو فروغ دے رہے ہیں، جس کی وجہ سے بہت سے لوگ ان گمراہ افکار ونظریات کے حامل ہونے کے بعد نام کے مسلمان باقی رہتے ہیں اور ان پر مسلمان ہونے کا لیبل لگا رہتا ہے اور اور ان کے دلوں سے حقیقی ایمان نکل چکا ہوتا ہے اور ایسے لوگوں کو کبھی کبھار کھلے طور پر مرتد ہوتے دیر بھی نہیں لگتی، اس طرح کی صورت حال میں خیال ہوتا ہے کہ جہاں بھی مسلم آبادی ہو خواہ وہ چھوٹی ہی کیوں نہ ہو، وہاں مسجد ہو یا مسجد نہ ہو، بہر دو صورت وہاں جمعہ کے قیام کا نظام بنانا درست ہوگا؛ تاکہ ان کو مسلمان باقی رکھا جائے؛ اس لئے کہ جمعہ کے قیام کی شرطیں قیاسی یا ظنی دلائل سے ثابت ہیں، اور ایمان کی حفاظت وبقا دلیل قطعی سے ثابت ہے، اور احکام کے درجات کے باب میں مقاصد شریعت جو چھ بیان کئے جاتے ہیں، ان میں اول نمبر پر حفظ ایمان ہی ہے، جس کی حفاظت کے لئے جان ومال کی قربانی بھی روا ہے، اسی وجہ سے فقہاء کرام نے ان گاؤں میں جمعہ قائم کرنے کو درست قرار دیا ہے جہاں مسجد نہیں ہے، اسی طرح لب شہر صحراء میں جمعہ کے قیام کے نظام کو صحیح قرار دیا ہے جہاں مسجد نہیں ہے اور وہاں سے مسجد کافی دور ہے، غرضیکہ ہر اس جگہ جمعہ قائم کرنا درست ہے جہاں لوگوں کا اجتماع وبھیڑ ہو اور وہاں کوئی مسجد نہ ہو، یہ جمہور فقہاء حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے۔

اس سلسلہ میں اس حدیث سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے جو گو کہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہے تاہم بعض فقہاء نے اختیار کیا ہے، وہ حدیث یہ ہے: حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے والے حضرات صحابہ کرامؓ میں سے سب سے پہلے جس صحابی جلیل نے ہجرت کی وہ حضرت مصعب بن عمیرؓ ہیں، مدینہ منورہ کی طرف سے آپ ﷺ کی ہجرت سے پہلے حضرت عمیر بن عمیرؓ نے مدینہ منورہ میں نماز جمعہ کو قائم فرمایا۔

"أَوَّلُ مَنْ قَدِمَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ الْمَدِينَةَ: مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ، وَهُوَ أَوَّلُ مَنْ جَمَعَ بِهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ جَمَعَهُمْ، قَبْلَ أَنْ يَقْدِمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَصَلَّى بِهِمْ" (المعجم الأوسط للطبرانی، حدیث:۴۹۲۶)، یہ حدیث ضعیف ہے، اس لئے کہ اس کی سند میں ایک راوی صَالِحُ بْنُ أَبِي الْأَخْضَرِ ہیں جن کے بارے میں محدثین نے کلام کیا ہے اور ان کو ضعیف

قرار دیا ہے (مجمع الزوائد للہیثمی، بَابٌ فِی اَوَّلِ مَنْ صَلَّی الْجُمُعَۃَ بِالْمَدِیْنَۃِ، حدیث: ۶۷۰۳)، ''وَفِی إِسْنَادِهِ صَالِحُ بْنُ أَبِی الْأَخْضَرِ وَهُوَ ضَعِیفٌ'' (التخیص الحبیر للحافظ ابن حجر: کِتَابُ الْجُمُعَۃِ، حدیث:۵۲۶)۔

وجہ استشہاد اتنا ہے کہ اس وقت مدینہ منورہ میں کوئی مسجد نہیں تھی، جمعہ کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو اسلام پر باقی رکھا جائے اور ایک اسلامی ماحول تیار کیا جائے؛ تاکہ لوگ اپنا رشتہ اسلام سے قائم رکھیں اور اور ان کا تعلق اسلام سے خوب مستحکم رہے۔

نیز حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ مسجد نبوی میں جمعہ کا نظام قائم ہونے کے بعد بحرین کے ایک دیہات بنام جواثی میں جمعہ قائم ہوا (ابوداؤد، باب الجمعۃ فی القری، حدیث:۴۶۰۱، بخاری تعلیقا، باب الجمعۃ فی القرن والمدن، حدیث: ۲۹۸)، وجہ استشہاد یہ ہے کہ حدیث سے معلوم ہوا کہ گاؤں دیہات میں جمعہ قائم کرنا درست ہے، اس میں تعداد کا کوئی صراحت نہیں ہے، اور یہ واقعہ عہد نبوی کا ہے، ظاہر ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ نبی کریم ﷺ کی حکم واجازت کے بغیر اتنا بڑا کام نہیں کر سکتے، وہ بھی یہ عمل شرعی امور سے متعلق ہے، معلوم ہوا کہ یہ حدیث اصولی اعتبار سے مرفوع تقریری ہے (دیکھئے: فتح الباری، باب الجمعۃ فی القری والمدن ۲ / ۷۶۴)۔

نیز مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اہل بحرین کو خط لکھا کہ جہاں تم لوگ چاہو جمعہ قائم کر سکتے ہو، (راوی کا بیان ہے) اس میں گاؤں اور شہر دونوں شامل ہیں (مصنف ابی شیبہ، مَنْ کَانَ یَرَی الْجُمُعَۃَ فِی الْقُرَی وَغَیْرِہَا، حدیث: ۸۶۰۵)، اس روایت سے معلوم ہوا کہ گاؤں میں جمعہ قائم کرنا درست ہے، اس میں بھی تعداد کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

پس مذکورہ بالا نصوص اور مصلحت ومقصد شرع سے واضح ہوجاتا ہے کہ موجودہ صورتحال میں ایسی جگہوں اور علاقوں میں جمعہ کے قیام کا نظام بنانا درست ہے، جہاں مسلمانوں کی باقاعدہ آبادی ہو، چاہے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو، نماز باجماعت کا مسجد کے ساتھ یا مسجد کے بغیر نظام ہو۔

گاؤں میں نماز جمعہ کے قیام کی اجازت کیوں دی جائے؟

۳- سوال میں گاؤں میں جمعہ قائم کرنے کے جواز کے جس مقصد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وہ مقصد بجا ہے، اسی طرح اوپر ابھی جو نصوص اور مصلحت اور مقصد شرع ذکر کئے گئے ہیں ان کے پیش نظر بھی گاؤں میں جمعہ ادا کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے، اسی طرح اس گاؤں کے صوبہ کا قاضی شریعت اجازت دے دے تو بھی گاؤں میں جمعہ قائم کرنا جائز ہوگا۔

☆☆☆

نماز جمعہ اور اس کی شرائط

مولانا حفیظ الرحمٰن اعظمی مدنی خیرآبادی☆

جمعہ کے لیے مصر ہونے کی شرط اور موجودہ حالات:

جمعہ کا دن افضل الایام ہے اور بہت سی حدیثوں میں اس دن کی فضیلت وارد ہوئی ہے، نسائی شریف کی حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے، جمعہ کا دن ہے، اسی طرح حدیث میں اس کی فضیلت کی بہت سی وجوہات بیان کی گئی ہیں، اسی طرح جمعہ کی نماز اسلام کا شعار ہے اور جمعہ کے دن کا ایک اہم فریضہ نماز جمعہ ہے، اس کی فرضیت قرآن، حدیث متواتر اور اجماع امت سے ثابت ہے، نماز جمعہ مکہ معظّمہ میں فرض ہوچکی تھی؛ لیکن سب سے پہلے ادائیگی مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کے حکم سے اسعد بن زرارہؓ نے فرمائی، جس میں ۴۰ حضرات شریک ہوئے، اس کے بعد سب سے پہلا جمعہ آپ ﷺ نے ہجرت کے موقع پر قبا میں چند روز قیام کے بعد مدینہ منورہ روانگی کے وقت راستے میں بنوسالم بن عوف کے محلے میں سن ۱۰ھ میں ادا فرمایا، اسی جگہ بعد میں ایک مسجد تعمیر کی گئی جس کا نام مسجد جمعہ رکھا گیا۔

چونکہ نماز جمعہ نماز ظہر کے قائم مقام ہے؛ اس لیے ظہر کا وقت ہی جمعہ کا وقت ہوگا اور نماز جمعہ اسلام کا شعار ہے اور مسلم معاشرہ کی اجتماعیت اور شیرازہ بندی کا اہم ذریعہ ہے؛ اسی لیے قرون اولیٰ سے لے کر آج تک متواتر اس نماز کا اہتمام اور پابندی جاری ہے اور امت کے اندر اس کی طرف سے تغافل اور کاہلی نہیں پائی گئی۔

اور جمعہ ہی نہیں؛ بلکہ فرض عبادات میں سے ہر ایک کے اندر اجتماعیت ملحوظ ہے، پنج وقتہ نمازیں جماعت کے ساتھ فرض ہیں: ''اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا'' (سورۂ نساء:۱۰۳) روزے پوری دنیا کے مسلمانوں پر رمضان المبارک کے ایک مہینہ کے فرض ہیں، ''فَمَنْ شَہِدَ مِنْکُمُ الشَّہْرَ فَلْیَصُمْہُ'' (سورۂ بقرہ:۱۸۵) اسی طرح حج کے اعمال ومناسک کو شرائط کے ساتھ اوقات معینہ اور مقامات معینہ میں ادا کرنا فرض ہے: ''اَلْحَجُّ اَشْہُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ'' (سورۂ

☆ استاذ: مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیرآباد، مئو (یوپی)۔

بقرہ:۱۹۷) اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فرائض میں اجتماعیت سب سے زیادہ مہتم بالشان اور قابل لحاظ ہے اور اس میں اسلام کی شان وشوکت ظاہر ہوتی ہے، ساتھ ہی امت مسلمہ کے لیے جمعہ میں اسلامی تعلیم وتبلیغ کے ذریعہ اسلام سے قربت کا پہلو بھی ہے؛ لیکن یہ پہلو جمعہ کے فریضہ (نماز اور خطبہ) سے الگ ہے، اس کی حیثیت تذکیر وتبلیغ کی ہے، فریضہ کی نہیں ہے، "وَ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ" (سورۂ ذاریات:۵۵) اور تذکیر وتبلیغ کا کام فرض نمازوں میں سے کسی کے بعد یا شبینہ مجلسوں کے ذریعہ لیا جاسکتا ہے۔

ان چند تمہیدی باتوں کی روشنی میں نماز جمعہ کی شرائط اور اس کی اہم شرط مصر جامع کی متعدد تعریفات میں کسی ایک کو راجح قرار دیا جانا سہل ہوگا۔

جمعہ کے لیے مصر ہونے کی شرط اور موجودہ حالات:

فقہائے حنفیہ نے بعض دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے قیام جمعہ کے لیے مصر یا قریۂ جامعہ ہونے کی شرط لگائی ہے؛ لیکن نصوص میں مصر کا مفہوم واضح طور پر نہیں آیا ہے، فقہائے حنفیہ کے درمیان بھی اس میں خاصا اختلاف ہے، موجودہ دور میں جو ترقی ہوئی ہے، اس کے تحت پہلے جو سہولتیں چھوٹے موٹے شہروں میں میسر ہوتی تھیں، وہ اب بہت سے دیہاتوں میں بھی مہیا ہوگئی ہیں اور جیسا کہ اوپر ذکر آیا موجودہ دور میں جمعہ بہت سے ناخواندہ اور کم خواندہ مسلمانوں کے ایمان کے تحفظ کا ذریعہ ہے، اس پس منظر میں موجودہ حالات میں مصر کی کیا تعریف ہوسکتی ہے، جس سے اس کے اطلاق کا دائرہ وسیع ہوجائے۔

صحتِ جمعہ کے لیے سات چیزیں شرط ہیں: (۱) مصر (۲) سلطان (۳) وقت ظہر (۴) خطبہ (۵) خطبہ کا نماز سے پہلے ہونا (۶) جماعت (۷) اذن عام۔

"(قوله شرط أدائها المصر) أی شرط صحتها أن تؤدی فی مصر حتی لا تصح فی قرية، ولا مفازة لقول علی – رضی الله عنه – لا جمعة، ولا تشريق، ولا صلاة فطر، ولا أضحی إلا فی مصر جامع أو فی مدينة عظيمة رواه ابن أبی شيبة وصححه ابن حزم" (البحر الرائق ۲/۲۴۵ زکریا دیوبند)۔

"(ويشترط لصحتها) سبعة أشياء:الأول: (المصر وهو ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها) وعليه فتوى أكثر الفقهاء وفی الشامی: عن أبی حنيفة أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر علی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث وهذا هو الأصح" (درمختار وشامی ۳/۶، زکریا)۔

"لا تصح الجمعة إلا فی مصر جامع أو فی مصلی المصر ولا تجوز فی القری" (ہدایہ باب صلاۃ

الجمعۃ ۱/ ۱۶۸، اشرفی دیوبند)۔

"وشرط صحتها أن تؤدى فى مصر حتى لا تصح فى قرية، ولا مفازة لقول على – رضى الله عنه – لا جمعة، ولا تشريق، الخ" (البحر الرائق ۲/ ۲۴۵ زکریا دیوبند)۔

اس کے علاوہ بھی علماء احناف کے نزدیک مصر جامع کی تعریف کی گئی ہے:

"عن ابن جريج قال: قلت لعطاء: ما القرية الجامعة؟ قال: ذات الجماعة، والأمير، والقصاص، والدور المجتمعة غير المفترقة، الآخذ بعضها ببعض كهيئة جدة قال: والقصاص قال: فجدة جامعة والطائف قال: وإذا كنت فى قرية جامعة فنودى للصلاة من يوم الجمعة، فحق عليك أن تشهدها إن سمعت الأذان أو لم تسمعه" (المصنف لعبد الرزاق رقم ۳/ ۱۶۸، رقم: ۵۱۷۹)۔

"أن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – لم يصل الجمعة فى القرى، ولم يأمر بها فيها، فعلم بهذا أن القرى ليست محل إقامة الجمعة" (بذل المجہود ۵/ ۶۳ تحقیق الشیخ تقی الدین الندوی مرکز الشیخ)۔

"وأما القرى، فإن أراد الصلاة فيها فغير صحيحة على المذهب" (البحر الرائق، ہدایہ ۱۶۸، فیصل دیوبند)۔

"البلد: أى كونها فى مصر جامع، أو فى مصلى المصر عند الحنفية: وهو كل موضع له أمير وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود، هذا فى مشهور المذهب الحنفى، لكن المفتى به عند أكثر الحنفية، أن المصر كما قدمنا: هو ما لا يسع أكبر مساجدها أهلها المكلفين بالجمعة" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/ ۱۲۹۴ دار الفکر دمشق للدکتور وہبہ الزحیلی)۔

مذکورہ نصوص فقہیہ اور احادیث کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ مصر جامع یا قریۂ کبیرہ کے اطلاق میں دینی ودنیاوی ضروریات کے پوری ہونے کا اعتبار ہے، یا اس آبادی کی بڑی مسجد میں جمعہ کے مکلّف بندوں کی گنجائش نہ ہو؛ لہذا آبادی اگر چھوٹی بھی ہو تو وہاں کے باشندوں کی دینی ودنیاوی ضرورت پوری ہونے ہی کی صورت میں وہاں جمعہ صحیح ہوسکتا ہے، رہی دین سے جوڑنے اور جہالت دور کرنے کی ضرورت تو اس کے لیے دوسرے ذرائع بھی ہوسکتے ہیں۔

۲- نماز جمعہ کی صحت کا دارومدار نماز باجماعت پر نہیں ہے؛ بلکہ جمعہ کے صحیح ہونے کی اہم شرط مصر جامع یا قریۂ کبیرہ جو ضروریات کی فراہمی یا تعداد کی کثرت کی بنیاد پر بلد کے حکم میں ہو اور تعداد کی کثرت کا اندازہ علمائے محققین نے تین ہزار کی تعداد سے کیا ہے؛ لہذا اس کی بنیادی شرطوں کے مفقود ہوتے ہوئے صرف نماز باجماعت کے نظام کی بنیاد پر نماز جمعہ کو صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اور مصر جامع وقریۂ کبیرہ کی تعریف مصنف عبدالرزاق کی حدیث اور نصوص فقہیہ کی روشنی میں مفتیٰ بہ قول کے مطابق سوال نمبر(۱) کے جواب میں گزر چکی ہے، نیز شامی میں ہے:

"**تقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرة التی فیها أسواق**"[شامی ۳/۶، ۷ زکریا] ۔

"**عن علیؓ قال:لا جمعة ..... إلا فی مصر جامع، أو مدینة عظیمة**" (المصنف لابن ابی شیبۃ ۴، ۴۶/، رقم:۵۰۹۹)۔

فتاوی دارالعلوم میں جمعہ فی القریٰ کا تفصیلی جواب مذکور ہے، جواب مولانا ابوالفیض حبیب الرحمٰن صاحب، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی، اور مولانا علامہ محمد انور شاہ صاحب کا ہے، سب کا خلاصہ یہی ہے کہ قریۂ صغیرہ میں عندالحنفیہ جمعہ صحیح نہیں ہے اور یہ سارے فتاوی نصوص فقہیہ اور احادیث کی روشنی میں ہیں (فتاوی دارالعلوم دیوبند، ناشر: مکتبہ دارالعلوم دیوبند ۵/ ۴۴ تا ۴۹)۔

مذکورہ سارے دلائل وشواہد کی روشنی میں یہ بات واضح اور ثابت ہورہی ہے کہ چھوٹی آبادی میں نماز باجماعت کا نظام مسجد میں یا مسجد کے بغیر ہونے کے باوجود اقامت جمعہ کا نظام نہیں بنایا جاسکتا۔

۳- اس سوال کے دو پہلو ہیں: ایک گاؤں یا چھوٹی بستی میں نماز جمعہ کا حکم اور یہ کہ نماز جمعہ کے لیے کیا شرائط ہیں کہ ان کے بعد ہی جمعہ صحیح ہوسکتا ہے، اور دوسرا پہلو عام مسلمانوں کو اس اجتماع کے ذریعہ دین سے جوڑنا، ان کے ایمان کی حفاظت اور گمراہ کن فتنوں سے آگاہ کرنا، اور ساتھ ساتھ اس بات کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ ایک مقصد کو حاصل کرنے کے لیے دوسرا حکم شرعی پامال نہ ہونے پائے۔

جہاں تک نماز جمعہ کی صحت کا مسئلہ ہے تو کثیر احادیث اور نصوص فقہیہ اس پر شاہد ہیں کہ اس کی صحت کے لیے شرائط ہیں، جن کے بغیر جمعہ صحیح نہیں ہوسکتا؛ بلکہ نماز ظہر ادا کی جائے گی۔

"**الخلاصة: لا بد لإقامة الجمعة عند الجمهور من کونها فی مدینة أو قریة، ولابد أن تکون القریة کبیرة عند الحنفیة، فلا تجب علی سکان القری الصغیرة، أی لا بد من المصر عندهم، أما عند غیرهم فلا یشترط المصر، والقریة والبلد سواء**" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۲۹۵ علامہ وہبہ زحیلیؒ)۔

"**وفی العتابیة: لو صلی الجمعة فی قریة بغیر مسجد جامع، والقریة کبیرة لها قریٰ، وفیها وال وحاکم، جازت الجمعة بنوا المسجد أولم یبنوا، وإن کان بخلاف ذلک لایجوز، وهو قول أبی القاسم الصفار، وهذا أقرب الأقاویل إلی الصواب**" (الفتاوی التاتارخانیہ تحقیق: المفتی شبیر احمد قاسمی، ۲/ ۵۴۸ کتاب الصلاۃ/

شرائط الجمعۃ)۔

"**بخلاف القریٰ؛ لأنه لاجمعة علیهم فکان هذا الیوم فی حقهم کغیره من الأیام**"(شامی ۳/۳۲،زکریا) ۔

"**لاتجوز فی الصغیرة لیس فیها قاض ومنبر وخطیب، کما فی المضمرات، ألاتری أن فی الجواهر: لوصلوا فی القری لزمهم أداء الظهر**"(شامی ۴/۷،زکریا)۔

"**وعبارة القهستانی: تقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرة التی فیها أسواق..... وفیما ذکرنا إشارة إلی أنه لاتجوز فی الصغیرة لیس فیها قاض ومنبر وخطیب، کما فی المضمرات**"(شامی ۳/۷،۶،زکریا،البحرالرائق ۲/۱۴۱،فتاوی دارالعلوم دیوبند ۵/۱۷۳،بدائع الصنائع ۱/۵۸۵)۔

نصوص فقہ واحادیث میں اس سلسلے میں انتہائی شدت ہے کہ قطعاً قریہ صغیرہ میں جمعہ قائم نہیں کیا جاسکتا؛حتیٰ کہ اگر کسی بستی کے بارے میں مصر ہونے میں شک ہو، جب کہ وہاں کے لوگوں نے جمعہ قائم کردیا ہوتو چاہیے کہ جمعہ کے بعد چار رکعت ظہر کی نیت سے احتیاطاً پڑھ لیں۔

"**ثم فی کل موضع وقع الشک فی کونه مصرا وأقام أهل ذلک الموضع الجمعة بشرائطها فینبغی لأهل ذلک الموضع أن یصلوا بعد الجمعة أربع رکعات ینوون به الظهر احتیاطاً**"(الفتاوی التاتارخانیہ ۲/۵۴۹)۔

ان تمام نصوص سے واضح ہے کہ کسی بھی وقتی مصلحت کی وجہ سے جمعہ کے حکم شرعی میں تبدیلی ممکن نہیں، رہی بات عام مسلمانوں کے دین وایمان کی فتنوں سے حفاظت کی یا دین سے قریب کرنے کی تو اس کے لیے دینی مجلسیں اور درس قرآن وحدیث کا سلسلہ قائم کرنا چاہیے، جیسا کہ زمانۂ رسالت وبعد میں یہ سلسلہ جاری رہا ہے اور آج تک پوری دنیا میں تبلیغی جماعت کے ذریعہ یہ سلسلہ جاری ہے۔

☆☆☆

مصر کی تعریف اور گاؤں میں نماز جمعہ

مولانا محمد ابرار خان ندوی☆

نماز جمعہ کے لئے مصر کی شرط:

حنفیہ کے نزدیک صحت جمعہ کے لئے ''مصر'' کی شرط ہے، حضرت علیؓ کا قول ہے:''**لاجمعة ولاتشريق إلا في مصر جامع**''(مصنف عبدالرزاق ۳/۱۶۷، باب القری الصغار)(جمعہ اور عیدین نہیں مگر شہر میں)۔

مصر کی تعریف اور فقہاء کے اقوال:

البتہ مصر کی تعریف کے سلسلہ میں فقہاء احناف کے اقوال وآراء مختلف ہیں، ذیل میں چند تعریفات ذکر کی جاتی ہیں:

علامہ ابن عابدین شامیؒ نقل فرماتے ہیں: ''**عن أبي حنيفة أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولهارساتيق وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم**.....**يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الصحيح**''(ردالمحتار ۱/۵۳۶، باب الجمعۃ)(امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شہر وہ ہے جہاں سڑکیں ہوں، بازار ہوں، محلے ہوں، اور وہاں والی وحاکم ہو جو ظالم سے مظلوم کو انصاف دلانے پر قادر ہو، اور پیش آمدہ مسائل میں لوگ اس سے رجوع کرتے ہوں، شہر کی یہی درست تعریف ہے)۔

شیخ عالم بن العلاء الأنصاری نے امام صاحب کی طرف منسوب یہ تعریف نقل کی ہے:

۲-''**المصر الجامع ما يجتمع فيه مرافق أهلها دينا ودنيا**''(الفتاوی التاتارخانیہ ۲/۵۴۷)(شہر اس کو کہتے ہیں جہاں کے باشندوں کی دینی ودنیاوی ضروریات وسہولیات فراہم ہوں)۔

امام ابویوسفؒ سے کئی تعریفات منقول ہیں، ایک یہ ہے:''**وفي رواية أخرى عنه، كل موضع أهلها بحيث لواجتمعوا في أكبر مساجدهم لم يسعهم ذلك، فهو مصر جامع**''(المحیط البرہانی ۲/۴۳۹)(امام

☆ جامعۃ الہدایہ جے پور، راجستھان۔

ابو یوسفؒ سے دوسری روایت یہ ہے کہ اس حکم کے وہ تمام افراد جن پر نماز فرض ہے وہاں کی سب سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو مسجد کی وسعت ان کے لئے ناکافی ہوجائے، وہ جگہ شہر کہلائے گی)۔

امام ابو یوسفؒ کی اسی تعریف کو اکثر فقہاء احناف نے ترجیح دی ہے،"**وعليه فتوى أكثر الفقهاء**" (الدرالمختار ۱/ ۱۹۳) (اکثر فقہاء احناف کے یہاں مفتی بہ یہی ہے کہ سب سے بڑی مسجد ناکافی ہوجائے)۔

ایک تعریف یہ بیان کی جاتی ہے:"**هو أن يعيش كل محترف بحرفته من سنة إلى ستة من غير أن يحتاج إلى حرفة أخرى**" (مجمع الأنہر ۱/ ۱۹۳) (شہر وہ ہے جہاں پیشہ والا اپنے پیشہ سے پورے سال زندگی بسر کرسکے، اسے دوسرے پیشہ کی ضرورت نہ ہو)۔

مصر کی تعریف منصوص نہیں:

مذکورہ تعریفات اس پر شاہد ہیں کہ مصر کی تعریف کے سلسلہ میں کوئی نص نہیں ہے، یعنی نص میں اس کی کوئی حد بندی نہیں ملتی ہے اور نہ ہی فقہاء نے اس کی معین تحدید کی ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض علماء کی رائے میں مصر کی تعریف عرف پر مبنی ہے، عرف میں جسے شہر کہا جائے وہ شہر ہے اور جسے گاؤں وقریہ کہا جائے وہ گاؤں ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:"**واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التى لاتكاد تنضبط بحال وإن نص، ولذا ترك الفقهاء تعريف المصر على العرف**" (فیض الباری ۲/ ۳۲۹، باب الجمعۃ فی القری) (معلوم ہو کہ مصر وقریہ کی تعریف ان عرفی امور میں سے ہے جن کی حد بندی نہیں ہوسکتی ہے، اسی لئے فقہاء نے مصر کی تعریف کو عرف پر چھوڑ دیا ہے)۔

لیکن آج کے عرف میں شہر وقصبہ کا معیار بہت بلند اور حکومت کی شرائط وضوابط کے وجود پر منحصر ہے، زمانہ ماضی کا قصبہ آج کے عرف کے لحاظ سے "قریہ" ہے، عرف کا اعتبار کیا جائے تو کل جس طرح کی آبادی میں جمعہ ہوتا تھا آج درست نہ ہوگا۔

راقم الحروف کی رائے:

راقم الحروف کی رائے میں نماز جمعہ کے لئے فقہاء احناف نے مصر اور قریہ کبیرہ کی جو شرط وقید لگائی ہے، منشاء و مقصود یہ ہے کہ نماز جمعہ اپنی امتیازات وخصوصیات کے سبب ہر جگہ جنگل وبیابان اور صحراء میں نہیں پڑھی جاسکتی ہے، یہ اجتماعی عبادت ہے، اجتماعیت کا اظہار واعلان اس کا مقصود وامتیازی شان ہے، اسی لئے جماعت ضروری ہے، تنہا ادا کرنا درست نہیں ہے، اور صرف آبادی کا ہونا کافی نہیں ہے، بلکہ وہاں انسانوں کی بنیادی ضروریات زندگی غذا، تعلیم اور علاج کی سہولیات

حاصل ہوں، مصر اور قریہ کبیرہ کی قید کا مقصود یہی ہے کہ وہاں بنیادی ضروریات آسانی سے مہیا ہوجاتی ہیں، امام اعظم ابوحنیفہؒ کی تعریف سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے۔

"عن أبی حنیفة أن المصر الجامع مایجتمع فیه مرافق أهلها دینا ودنیا" (الفتاوی التاتارخانیہ ۲/ ۵۴۷)۔

حکومت کی فلاحی اسکیموں اور ترقیاتی منصوبوں کے نتیجہ میں موجودہ دور کا گاؤں وہاں آباد باشندوں کے لئے سہولیات کے لحاظ سے زمانہ قدیم کے قصبات سے کم ترقی یافتہ نہیں ہے، ضروری سامان، کھانے پینے کی چیزیں، غذائی اشیاء کی دوکانیں، ابتدائی علاج ومعالجہ کے لئے طبی سہولیات، پختہ راستے وگلیاں، سرکاری راشن کی دوکان، آنگن باڑی، تعلیم کے لئے سرکاری و پرائیویٹ پرائمری وہائی اسکول سطح کے تعلیمی ادارے، دینی تعلیم کے لئے مکتب ومدرسہ، یہ وہ بنیادی ضروریات ہیں جو آج کل گاؤں میں حاصل ہیں، لہذا جن دیہاتوں وگاؤں میں بنیادی ضروریات پائی جائیں وہاں نماز جمعہ پڑھنا درست ہے۔

فقہاء احناف نے نماز جمعہ کے لئے "مصر" کی جو شرط ذکر کی ہے مقصود یہی ہے کہ جس جگہ سہولیات زندگی میسر ہوں وہاں جمعہ قائم کیا جائے، امام ابوحنیفہ کی جانب مصر کی جو تعریف منسوب ہے کہ جہاں دینی ودنیاوی ضروریات وہاں کے لوگوں کو میسر ہوں وہ مصر کہلائے گا، گاؤں کو شہر تو نہیں کہا جاسکتا، البتہ نماز جمعہ ان گاؤں میں پڑھنا درست ہوگا جو انسانوں کی سہولیات وضروریات رکھتے ہوں۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کا فتوی:

اس کی تائید دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے فتوی سے ہوتی ہے جو ایک استفتاء کے جواب میں ہے۔

"اسی طرح مصر کی جو شرطیں ہیں وہ پوری طرح سے اگر نہیں پائی جائیں تو بڑی آبادی اور عام ضروریات کی چیزیں جہاں ملتی ہیں تو وہاں بھی جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے" (فتاوی ندوۃ العلماء لکھنؤ ۳/ ۲۰۰-۱۹۹)۔

خلاصہ کلام: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مصر کی تعریف کی روشنی میں مصر سے مراد ہر وہ آبادی ہے جہاں آباد لوگوں کی دینی ودنیاوی بنیادی ضروریات غذا، تعلیم اور علاج ومعالجہ کی سہولیات فراہم ہوں۔

چھوٹی آبادی میں نماز جمعہ:

حنفیہ کا اصل مسلک تو یہی ہے کہ قریہ صغیرۃ یعنی چھوٹے گاؤں میں نماز جمعہ جائز نہیں ہے۔

شیخ علاء الدین حصکفی تحریر فرماتے ہیں: "لاتصح الجمعة إلا بستة شروط .....المصر وفناؤه حتی

لاتجوز فی المفازة ولا فی القری'' (مجمع الأنہر ۱/ ۱۶۵، باب الجمعۃ) (صحت جمعہ کے لئے چھ شرطیں ہیں.....ان میں سے ایک شرط شہر وفناء شہر ہے، بیابان وگاؤں میں نماز جمعہ درست نہیں ہے)۔

لیکن مسلمانوں کی دینی غفلت ودیگر مصالح کے پیش نظر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ وحنابلہ کے مسلک جہاں چالیس مسلمان بالغ مرد آباد ہوں وہاں نماز جمعہ درست ہے، کو اختیار کرنا قرین انصاف ہے اور حالات کا تقاضا بھی ہے، رہا یہ سوال اگر اس بستی میں مسجد نہیں ہے تو نماز جمعہ کی صحت کے لئے جماعت تو شرط ہے، مسجد شرط نہیں ہے۔

شیخ عالم بن العلاء الأنصاری نقل فرماتے ہیں:''**وفی العتابیة: لوصلی الجمعة فی قریة بغیر مسجد جامع، والقریة کبیرة لها قری، وفیها وال وحاکم جازت الجمعة بنوا المسجدأو لم یبنوا**''(الفتاوی التاتارخانیہ ۲/ ۵۴۸) (عتابیہ میں ہے کہ اگر گاؤں بڑا ہو، اس کے تحت بہت سے گاؤں ہوں اور اس گاؤں میں والی وحاکم موجود ہو تو اس میں نماز جمعہ درست ہے، وہاں مسجد ہو یا نہ ہو)۔

تحفظ ایمان کے مقصد سے نماز جمعہ کی اجازت:

جمعہ مسلمانوں کو ایمان وعقیدہ توحید، اور بنیادی شرعی احکام ومسائل سے واقف کرانے کا بہترین ذریعہ ہے، موجودہ زمانہ میں مسلم نوجوان نسل دین سے غافل، توحید وشرک کے فرق سے نابلد، سنت رسول سے بے خبر، مادیت کی دلدادہ اور دینی بے حسی کا شکار ہے، مغربی افکار ونظریات سے ان کے ذہن ودماغ متاثر ومسموم ہیں، باطل تحریکا، گمراہ فرقے قادیانیت، شکیلیت، وہندومت کے علمبردار سادہ لوح دینی طور پر پسماندہ مسلمانوں کو الحاد وبے دینی کے دلدل میں ڈھکیلنے کے لئے تن من دھن سے کوشاں ہیں، ناخواندہ وجہالت میں مبتلاء مسلمانوں کی ایک تعداد ان کے جال میں پھنس بھی جاتی ہے، دور دراز علاقوں میں آباد مسلمان اقلیت، اکثریت کے افکار دیومالائی تہذیب سے متاثر بھی ہوجاتے ہیں، جہالت کا اثر ہے کہ وہ پنج وقتہ نمازوں کی نہ پابندی کرتے ہیں اور نہ ہی مساجد کا رخ کرتے ہیں، البتہ ابھی دین کی اتنی رمق اور احساس ان میں زندہ ہے کہ وہ جمعہ کا خاص اہتمام کرتے ہیں، اور نماز جمعہ کی اہمیت ان کے دلوں میں زندہ ہے کہ وہ دور دراز ونزدیک کی بستی جہاں جمعہ قائم ہے وہاں نماز کے لئے جاتے ہیں، لیکن نوجوانوں کی ایک تعداد بارش، سردی وگرمی موسم کا بہانا بنا کر نماز جمعہ کے لئے نہیں جاتے ہیں۔

حالات کا تقاضہ اور دینی مصلحت ہے کہ گاؤں میں آباد مسلمانوں کے ایمان وعقیدہ کے تحفظ اور دیومالائی تہذیب وثقافت سے حفاظت کے پیش نظر دیہات میں نماز جمعہ کے قیام کی اجازت دی جائے، کیونکہ جمعہ کے منبر سے ہر فرد مسلم تک توحید کی دعوت پہنچ جائے گی اور اہل ایمان کو غلط افکار ونظریات کے مفاسد ومضرتوں سے بچایا جاسکے گا۔

دیہات میں جمعہ اور مولانا ابوالمحاسن سجادؒ کے فتاوی:

مولانا ابوالمحاسن سجادؒ نے متعدد استفتاءات کا جواب دیتے ہوئے دیہات میں نماز جمعہ کے قیام کا فتوی دیا ہے۔

۱-''ہمارے نزدیک جن گاؤں میں مسلمانوں کی مستقل آبادی ہو اور جماعت کے لئے بالغ مرد کافی ہوں، وہاں نماز جمعہ ہوسکتی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ بھی اسی کے قائل ہیں، صرف وہ یہ فرماتے ہیں کہ چالیس مسلمان وہاں موجود ہوں تو پڑھنا چاہئے''(فتاوی امارت شرعیہ ۱/۵۶)۔

۲-''میرے نزدیک حق یہ ہے کہ چالیس گھر مسلمانوں کی مستقل آبادی جہاں ہو، وہاں جمعہ وعیدین جائز ہے، اور میں یہ حکم دیتا ہوں کہ ایسی بستی میں جمعہ قائم کیا جائے''(فتاوی امارت شرعیہ ۱/۵۹)۔

ندوۃ العلماء کا فتوی:

استفتاء: دیہات میں جمعہ ہونے سے بد دین آدمی بھی پڑھ لیتا ہے، اگر قائم نہ کیا جائے تو کبھی مسجد کا رخ نہیں کریں گے، کیا ایسی صورت میں جمعہ قائم کرسکتے ہیں؟

اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:''جن دیہاتوں میں جمعہ قائم نہیں ہے قائم کرنے دیں، احتیاط ضروری ہے، تاکہ نہ کوئی فتنہ وفساد پیدا ہو اور نہ ہی کوئی فقہی قباحت پیدا ہو''(فتاوی ندوۃ العلما ۳ء/۲۰۰)۔

جمعہ فی القری اور ائمہ ثلاثہ کا مسلک:

احناف کے علاوہ دیگر ائمہ ثلاثہ کے یہاں دیہات وقریہ میں نماز جمعہ درست ہے، موجودہ حالات میں ان ائمہ کی آراء سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، ذیل میں ان کے مسالک وآراء کو پیش کیا جاتا ہے:

مالکیہ کا مسلک:

مالکیہ کے یہاں نماز جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے شہر وگاؤں کی کوئی قید نہیں ہے، جس جگہ مستقل آبادی ہو (کم ہو یا زیادہ) وہاں نماز جمعہ درست ہے۔

"وقال مالک فی القریة المجتمعة التی قد اتصلت دورها کان علیها وال أولم یکن، قال أری أن یجمعوا الجمعة"(المدونۃ الکبری ۱/۱۴۲، فیمن تجب علیہ الجمعۃ)(امام مالکؒ فرماتے ہیں ایسی آبادی جہاں مکانات متصل ہوں، وہاں حاکم ہو یا نہ ہو امام مالکؒ فرماتے ہیں میرے نزدیک وہاں موجود وآباد مسلمان نماز جمعہ پڑھیں)۔

شوافع کا مسلک:

فقہاء شوافع کے یہاں شہر شرط نہیں ہے، البتہ جائے اقامت ہو، مشہور محدث وشافعی فقیہ امام نووی فرماتے ہیں:

"**الشرط الثانی: دارالإقامةِ فیشترط لصحة الجمعة دارالإقامة، وهی الأبنیة التی یستوطنها العدد الذین یصلون الجمعة، سواء فیه، البلادو القری**" (روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ۲/ ۴) (فرضیت وصحت جمعہ کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ ایسی جگہ ہو جہاں اقامت اختیار کی جاسکے، یعنی نماز جمعہ پڑھنے والوں کا وہ وطن ہو، اس میں شہر ودیہات دونوں کا (حکم) یکساں ہے)۔

حنابلہ کا مسلک:

حنابلہ کے نزدیک جس جگہ چالیس مسلمان آباد ہوں وہاں نماز جمعہ درست ہے، شہر کی قید نہیں ہے، شیخ منصور بن یونس بن ادریس البہوتی فرماتے ہیں: "**ولایشترط للجمعة المصر**" (کشاف القناع عن متن الإقناع ۲/ ۲۸، فصل یشترط لصحتہا (الجمعۃ) (نماز جمعہ کے لئے شہر کی شرط نہیں ہے)۔

☆☆☆

جمعہ کے لیے مصر ہونے کی شرط

قاضی عبدالجبار طیب ندوی☆

۱- سب سے پہلے ہم اس مسئلہ کا فقہی حیثیت سے جائزہ لیتے ہیں، ایک طبقہ کا خیال یہ ہے کہ جمعہ ہجرت سے پہلے ہی واجب ہو چکا تھا، چنانچہ نیل الاوطار میں ہے:

''**وذلک أن الجمعة فرضت علی النبی ﷺ وهو بمكة قبل الهجرة كما أخرجه الطبرانی عن ابن عباس فلم يتمكن من إقامتها هنالک من أهل الكفار فلما هاجر من هاجر من أصحابه إلى المدينة كتب إليهم يأمر أن يجمعوا فجمعوا**''۔

(جمعہ رسول اللہ ﷺ پر ہجرت سے پہلے مکہ میں فرض ہو چکا تھا، جیسا کہ طبرانی نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت نقل کیا ہے، لیکن چونکہ وہاں جمعہ کا قیام اہل مکہ کی وجہ سے ممکن نہ ہوسکا، چنانچہ جن صحابہ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی آپ ﷺ نے خط لکھ کر ان کو حکم دیا کہ جمعہ قائم کریں)۔

اس لئے اسعد بن زرارہؓ اور دوسری روایت کے مطابق سیدنا مصعب بن عمیرؓ نے آپ ﷺ کی مدینہ منورہ آمد سے قبل مدینہ میں جمعہ قائم کیا تھا (تفسیر منیر ۱۴/ ۵۸۴)۔

اس کے بعد "**إذا نودی للصلوة من يوم الجمعة** "نازل ہوئی، آیت کریمہ گرچہ کہ عام ہے مگر ائمہ مجتہدین نے خواہ احناف ہوں یا دیگر ائمہ کسی نے بھی عموم کو باقی نہیں رکھا ہے، جمعہ کی صحت اور اس کے وجوب کے لئے کچھ نہ کچھ تخصیص ضرور کرتے ہیں، لیکن فرق یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے یہاں شہر کی قید کی وجہ سے تخصیص بڑھ گئی ہے جبکہ دیگر ائمہ کے نزدیک تخصیص کم ہوگئی ہے۔

بہر حال فقہاء حنفیہ نے جن دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے قیام جمعہ کے لئے مصر یا قریہ جامعہ ہونے کی شرط رکھی ہے، ان سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا ہے، دیگر ائمہ کے نزدیک گرچہ کہ گاؤں اور دیہاتوں میں بھی نماز جمعہ کا جواز کا فتوی ملتا ہے،

☆ ناظم جامعۃ الصالحات، کڑپہ، آندھرا پردیش۔

مگر اس بات میں ذرہ بھی شک نہیں ہے کہ تمام ائمہ نے مطلق ہر جگہ نماز جمعہ کے قیام کی اجازت نہیں دی ہے، ہر امام کے نزدیک نماز جمعہ کے قیام کے لئے کچھ شرائط وقیود اور پابندیاں ہیں، سب سے پہلے ہم امام ابوحنیفہؒ کی بات کرتے ہیں، چنانچہ احناف کے نزدیک مصر جامع یا فناء مصر صحت اداء جمعہ کے لئے شرط ہے۔

احناف کے دلائل:

۱- رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جمعہ اور عید صرف شہر میں ہوسکتی ہے۔

۲- حضرت علیؓ کا قول: "**لا جمعة ولا تشريق ولا صلاة فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة**"۔

۳- حضرت حذیفہؓ نے فرمایا: "**ليس على أهل القرى جمعة إنما الجمع على أهل الأمصار مثل المدائن**"۔

۴- حضرت حسن اور محمد رضی اللہ عنہما نے کہا: "**الجمعة في الأمصار**"۔

۵- "**عن الحسن أنه سئل على أهل الأيلة جمعة ؟ قال : لا**"۔

۶- "**عن أبي بكر بن محمد أنه أرسل إلى أهل ذي الحليفة أن لا تجمعوا بها وأن تدخلوا إلى المسجد مسجد الرسول** ﷺ"۔

رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں صرف مسجد نبوی میں جمعہ کی نماز قائم کیا کرتے تھے، مدینہ منورہ کے اردگرد نماز جمعہ کے قیام کی کوئی روایت نہیں آتی ہے۔

آثار صحابہ:

صحابہ کرام نے شہروں کو فتح کیا، مگر منبر صرف شہروں میں قائم کیا، گاؤں اور دیہات میں قائم نہیں کیا، گویا صحابہ کرام کے عمل سے اجماع ثابت ہے کہ مصر وجوب جمعہ کے لئے شرط ہے۔

اور اس لئے بھی کہ نماز جمعہ گاؤں میں جائز نہیں، کیوں کہ ظہر کی نماز فریضہ محکمہ ہے، اس طرح کے فرائض کو نص قطعی سے ہی چھوڑا جاسکتا ہے، نیز اس سلسلہ میں جتنی بھی روایتیں وارد ہوئی ہیں وہ سب مصر میں نماز جمعہ کے لئے وارد ہوئی ہیں، نہ کہ گاؤں اور دیہات میں نماز جمعہ کے قیام کے لئے۔

چنانچہ علامہ مرغینانی صاحب ہدایہ نے لکھا ہے: "**لا تجوز في القرى**" (ہدایہ ۱/۱۶۸) (کہ نماز جمعہ قریہ میں جائز نہیں)۔

ہر جگہ نماز جمعہ کے قیام کی اجازت کسی بھی مجتہد نے نہیں دی ہے، گویا فقہاء امت کا یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

تاہم مصر کی تعریف اور قریہ کی تعیین میں فقہاء کے درمیان اختلاف شدید ضرور پایا جاتا ہے۔

چنانچہ امام شافعیؒ نے مصر کی شرط تو نہیں رکھی ہے، البتہ قریہ کی تحدید اور تخصیص تعداد سے کردی، چنانچہ امام شافعی کے نزدیک ہر اس قریہ میں نماز جمعہ کا قیام واجب ہے جس میں چالیس مقیم آزاد افراد رہتے ہوں۔

امام شافعی کے دلائل:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے:" **إنَّ أوَّلَ جُمُعَةٍ جُمِّعَتْ بَعْدَ جُمُعَةٍ فی مَسْجِدِ رَسولِ اللَّهِ ﷺ، فی مَسْجِدِ عبدِ القَيْسِ بجُواثٰی مِنَ البَحْرَيْنِ**"(بخاری:۸۹۲)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے: "**إنَّ أوَّلَ جمعةٍ جمِّعت فی الإسلامِ بعدَ جمعةٍ جمِّعت فی مسجدِ رسولِ اللَّهِ ﷺ بالمدينةِ لجمعةٌ جمِّعت بجواثاءَ قريةٍ من قری البحرين .قالَ عثمانُ قريةٌ من قری عبدِ القيس**"(صحیح أبی داود، حدیث نمبر:۱۰۶۸)۔

حضرت عمر ابن خطابؓ کو جو خط حضرت ابو ہریرہؓ نے لکھا تھا اس کو دلیل بناتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ احناف نے اس کا جواب بھی دیا ہے کہ جواثی قریہ نہیں، مصر ہے، اور بحرین میں واقع ہے، بسا اوقات بڑے شہروں کے لئے بھی قریہ کا لفظ استعمال کردیا جاتا ہے؛ چنانچہ سورہ یوسف میں ہے: "**واسئل القرية التی كنا فيها**"(سورہ یوسف:۸۲)، اور یہ بات معروف ہے کہ یہاں قریہ سے مراد مصر ہے، اور سورہ محمد میں ہے:" **وكأين من قرية هی أشد من قريتک التی أخرجتک**"(سورہ محمد:۱۳)، یہاں قریہ سے مراد مکہ ہے جو کہ شہر یعنی مصر تھا۔

فقہاء کرام نے شہر اور بڑی بستی کی مختلف تعریفیں کی ہیں، علامہ عینی ہدایہ کی شرح البنایہ میں فرماتے ہیں:

"**والمصر الجامع كل موضع له أمير وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود ش: هذا تفسير المصر الجامع، وقد اختلفوا فيه، فعن أبی حنيفة: هو ما يجتمع فيه مرافق أهله دنيا ودينا**".

"**وعن أبی يوسف: كل موضع فيه أمير وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود فهو مصر تجب على أهله الجمعة، وهكذا روى الحسن عن أبی حنيفة فی كتاب صلاته وفيه أيضا، قال سفيان الثوری: المصر الجامع: ما يعده الناس مصرا عند ذكر الأمصار المطلقة كبخاری وسمرقند**".

"**وقال الكرخی: المصر الجامع ما أقيمت فيه الحدود، ونفذت فيه الأحكام، وهو اختيار الزمخشری، وعن أبی عبد الله البلخی أنه قال: أحسن ما سمعت إذا اجتمعوا فی أكبر مساجدهم فلم**

يسعهم فهو مصر جامع، وعن أبى حنيفة: هو بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق..... ويرجع الناس إليه فيما وقعت لهم من الحوادث، وهو اختيار صاحب "التحفة ."

"وقال أبو يوسف فى "نوادر ابن شجاع :"إذا كان فى القرية عشرة آلاف فهو مصر، وعن بعض أصحابنا: المصر ما يعيش فيه كل صانع بصناعته ولا يحتاج إلى التحول إلى صنعة أخرى".

"وفى "المستصفى :"أحسن ما قيل فيه إذا وجدت فيه حوائج الدين وهو القاضى والمفتى والسلطان فهو مصر جامع، وعن أبى حنيفة: المصر كل بلدة فيها سكك وأسواق ووال ينصف المظلوم من ظالمه وعالم يرجع إليه فى الحوادث وهو الأصح. (کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ الجمعۃ، شروط صحۃ الجمعۃ، صلوۃ فی القری ۳/ ۴۵، ط: دار الکتب العلمیۃ)۔

مذکورہ بالا عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ مصر کی چند تعریفیں ہیں:

۱-جس میں ضرورت کی اشیاء ملتی ہوں

۲-جس میں امیر وقاضی ہوں جو اسلامی قوانین اور حدود نافذ کرتے ہوں۔

۳-جس کو عام لوگ شہر کہتے ہوں

۴-جس کی بڑی مسجد میں مقامی لوگوں کو جمع کیا جائے تو مسجد تنگ دامنی کا شکوہ کر رہی ہو۔

۵-جس میں گلیاں، کوچے اور بازار ہوں جس کی طرف لوگ بوقت ضرورت رجوع کرتے ہوں۔

اس کے علاوہ دیگر تعریفیں بھی فقہاء سے منقول ہیں، تاہم محققین فرماتے ہیں کہ یہ سب شہروں کی علامتیں ہیں، جنہیں ہر مجتہد یا فقیہ نے اپنی صوابدید کے موافق بیان کی ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں: **"والحاصل أن تفسير المصر محول على العرف واللغة"** (فتاوی زکریا ۲/ ۶۴۳)۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے واضح ہوجاتا ہے کہ فقہاء نے ہر جگہ نماز جمعہ کے قیام کی اجازت نہیں دی ہے، یہ متفق علیہ مسئلہ ہے، فقہاء نے مصر کی تعریف یا قریہ کی تعیین میں اختلاف کیا ہے، لہذا اس اختلاف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایسی تعریف کو اختیار کرنا چاہئے جس سے اس کے اطلاق کا دائرہ وسیع ہوجائے۔

اس لئے احقر کے نزدیک عرف وعادت کے مطابق اہل زمانہ جسے قریہ کہیں وہ قریہ ہے اور جسے مصر یا قریہ کبیرہ کہیں اسے مصر یا قریہ کبیرہ تسلیم کیا جائے، ہذا من اختلاف عصر وزمان لا من حجۃ وبرہان۔

۲- جہاں مسلمانوں کی آبادی باقاعدہ ہو چاہے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو اس جگہ نماز جمعہ کا قیام اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ کہ مصر جامع کا اطلاق اس پر ہوتا ہو، کیوں کہ قریہ میں نماز جمعہ کا قیام جائز نہیں (جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے)، وہاں اصل نماز یعنی ظہر ہی پڑھی جاسکتی ہے، نماز ظہر ترک کر کے نماز جمعہ پڑھنے کے لئے مصر کی جو شرط لگائی گئی ہے، وہ نص قطعی سے ثابت ہے، اس لئے مصر میں تو نماز جمعہ کا قیام صحیح ہے جبکہ قریہ میں نہیں، اس لئے کہ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ **"لاجمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع"**، جمعہ وعیدین شہر میں ہی ہوسکتی ہے (نصب الرایۃ ۲/ ۱۹۵)۔

تاہم قصبہ اور بڑے گاؤں میں حنفیہ کے نزدیک جمعہ جائز ہے، چھوٹے گاؤں میں جائز نہیں ہے۔

بڑا گاؤں سے مراد وہ گاؤں ہے جس میں گلی کوچے ہوں، بازار ہوں، روزمرہ کی ضروریات ملتی ہوں، تین چار ہزار کی آبادی ہو، ان میں مسلمان خواہ اقلیت میں ہوں یا برابر یا زائد (فتاوی محمودیہ ۸/ ۹۸، نیز ملاحظہ ہو: فتاوی رحیمیہ ۵/ ۵۴، امداد المفتین ۱/ ۲۷۸، امداد الاحکام ۱/ ۷۵۶)۔

اگر دیہات ہے اور پہلے سے نماز جمعہ کا سلسلہ نہیں ہے تو ظہر ہی پر اکتفاء کرنا چاہئے، البتہ پانچ وقت کی نماز کے لئے آبادی کے کسی خاص معیار کی شرط نہیں ہے، اس لئے کوشش کرنی چاہئے کہ پانچ وقت جماعت کا اہتمام ہو ورنہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی سخت پکڑ کا اندیشہ ہے۔

۳- کسی بھی گاؤں میں جمعہ صرف اس لئے قائم کرنا کہ لوگوں نے نماز پڑھنا چھوڑ دیا ہے، جائز نہیں ہے؛ کیونکہ نص قطعی سے ثابت ہے کہ ایسی جگہ جمعہ نہیں ہے؛ لہذا ظہر ہی کی نماز پڑھی جائے گی، ظہر کی جگہ جمعہ اس لئے بھی نہیں پڑھی جائے گی، کیوں کہ ظہر فرض ہے اور جمعہ واجب ہے، لہذا فرض کو چھوڑنا لازم آئے گا، جو کہ از روئے شرع جائز نہیں ہے۔

اسی طرح پانچ وقت کی فرض نماز کی اہمیت جمعہ سے زیادہ، اس کے ترک کرنے سے عوام کو روکنے کی فکر زیادہ ضروری ہے، نہ کہ جمعہ کی فکر زیادہ ضروری ہے۔

اس کے اندر دینداری کو قائم اور باقی رکھنے کے لئے دوسرے بہت سے ذرائع ہیں اس کا استعمال ہونا چاہئے، مثلاً جماعت کے احباب اس علاقہ میں محنت کریں، ارباب مدارس، علماء وصلحاء ایسے علاقوں کا دورہ کریں، وعظ ونصیحت کے ذریعہ راہ راست پر لانے کی سعی وکوشش کریں۔

☆☆☆

جمعہ فی القری درست نہیں

مفتی جنید پالنپوری☆

۱- جمعہ کے لئے مصر ہونا نصوص سے بالکل واضح ہے، جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے۔

۱-حضرت علیؓ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا:''**لا جمعة ولا تشريق إلا فی مصر جامع**''، **أخرجه أبوعبيد بإسناد صحيح إليه موقوفا ومعناه لاصلوة جمعة ولا صلوة عيد كذا فی فتح البارى الخ**'' (اعلاء السنن)۔

۲-صحیح روایات سے ثابت ہے کہ جمعۃ الوداع کے موقع پر وقوف عرفات جمعہ کے دن ہوا تھا پھر اس پر بھی تمام روایات متفق ہیں کہ حضور ﷺ نے اس روز عرفات میں جمعہ ادا نہیں فرمایا، بلکہ ظہر کی نماز پڑھی، اس کی وجہ بجز اس کے کوئی نہیں ہوسکتی کہ جمعہ کے لئے مصر شرط ہے۔

حضرت عمرؓ سے مروی ہے:''**أن رجلا من اليهود قال له: يا أمير المؤمنين! آية فی كتابكم تقرؤنها..... قال عمرؓ: قد عرفنا ذلک اليوم والمكان الذى نزلت فيه على النبیﷺ وهو قائم بعرفة يوم جمعة**'' (صحیح بخاری)۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے رسول اللہ ﷺ کے حج سے متعلق طویل حدیث مروی ہے، انہوں نے کہا:''**فأجاز رسول الله ﷺ حتى أتى عرفة فوجدالقبة قد ضربت له بنمرة فنزل بها حتى إذا زاغت الشمس أمر بالقصوى فرحلت بطن الوادى، فخطب الناس-إلى أن قال-ثم أذن ثم أقام فصلى الظهر ثم أقام فصلى الظهر الخ**''(صحیح مسلم)۔

۳-ابوداؤد میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے، انہوں نے فرمایا:''**كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم ومن العوالى**''(ابوداؤد)۔

☆ دارالافتاء والارشاد، مجلس البرکہ، ممبئی۔

اہل عوالی باریاں مقرر کر کے جمعہ میں شریک ہونے کے لئے مدینہ طیبہ آیا کرتے تھے، اگر چھوٹی بستیوں میں جمعہ جائز ہوتا تو ان کے جمعہ کے لئے باریاں مقرر کر کے مدینہ آنے کی ضرورت نہ تھی؛ بلکہ وہ عوالی ہی میں جمعہ قائم کر سکتے تھے۔

حنفیہ ان ہی دلائل کی وجہ سے جمعہ وعیدین کے لئے مصر، فنائے مصر، قصبہ وغیرہ میں ہی جمعہ وعیدین کی فرضیت کے قائل ہیں۔

الدر المختار میں ہے:"**أو يشترط سبعة أشياء الأول المصر الخ–في الكنز: شرائط أدائها المصر الخ**"۔

البتہ مصر کی تعریف میں فقہاء کرام رحمہم اللہ کے اقوال مختلف ہیں:

''الدر المختار''میں ہے: "**وظاهر المذهب أنه كل موضع له أمير وقاض ينفذالأحكام ويقيم الحدود كما حررناه فيما علقناه على الملتقى**"(درمختار ۳/۵)۔

''اور سکب الأنہر میں ہے :"**المصر كل موضع له أمير وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود عند أبي يوسف وهو ظاهر المذهب كما في الهداية وغيرها، والمراد القدرة على إقامة الحدود الخ**"(سکب الأنہر علی ملتقی الأبہر علی ہامش مجمع الأنہر ۱/۳۴۶)۔

شہر وہ جگہ ہے جہاں حاکم اور قاضی ہو جو شرعی احکام اور حدود جاری کرتا ہو۔

الدر المختار میں ہے:"**ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول المصر وهو مالايسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها الخ**"(درمختار ۳/۵)۔

سلف کی ایک بڑی جماعت نے مصر کی یہ تعریف کی ہے کہ اس میں اس قدر آبادی ہو کہ اس شہر کی سب سے بڑی مسجد ان کے لئے ناکافی ہو۔

البدائع الصنائع میں ہے:"**وروى عن أبي حنيفة أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رسايتق وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمه وعلمه أوعلم غيره والناس يرجعون إليه في الحوادث وهو الأصح الخ**"(۱/۲۶۰)۔

مصر کی ان مذکور بالا تعریفات کے علاوہ فقہاء کرام سے مصر کی اور بھی تعریفات منقول ہیں، لیکن بہ نظر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ تمام تعریفات مصر کی علامات ہیں، تحقیق یہ ہے کہ مصر کا مدار عرف پر ہے، لہذا جس زمانہ میں عرف جس کو شہر کہے گا وہی شہر ہوگا۔

حضرت رشید احمد گنگوہیؒ ارشاد فرماتے ہیں: ''مصر کی شرط تو تسلیم ہے؛ لیکن شہر کے متحقق ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے.....خلاصہ یہ ہے کہ ہر زمانے کے لوگ اپنے عرف میں جس جگہ کو شہر سمجھتے ہیں تو وہ شہر کہلائے گا اور وہاں جمعہ پڑھنا صحیح ہوگا اور جو شہر نہ ہو وہاں جمعہ پڑھنا صحیح نہ ہوگا''۔

کوکب دری میں ہے:''**وأما ما قال بعضهم من أن شرطه المصر فمسلم، لكنهم اختلفوا فيما تتحقق به المصرية، فقيل: ما فيهم أمير يقيم الحدود وليس فيه تصريح بإقامة الحدود بل المراد بذلک قدرة الأمير على ذلک.....وقيل:ما فيه أربعة ألاف رجال إلى غير ذلک وليس هذا كله تحديدا له بل إشارة إلى تعيينه وتقريب له إلى الأذهان و حاصله إدارة الأمر على رأى أهل كل زمان فى عدهم المعمورة مصرافما هو مصر فى عرفهم جازت الجمعة فيه، وما ليس بمصر لم يجز فيه**''(الکوکب الدری ۱/ ۴۱۳، ۴۱۴)۔

اعلاء السنن میں ہے:''**وأيضا فإن المصر والقرية كلاهما عرفية قدتميز مصداق كل منهما عن الأخر عند أهل العرف فى كل زمان**''(اعلاء السنن ۸/ ۱۱)۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:''اور تحقیق شرط مصر کا مدار عرف ہی ہے، علی الاصح الخ''(امداد الفتاوی ۳/ ۴۴۱)۔

حضرت مفتی عزیز الرحمٰنؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا سید زوار حسین شاہؒ، حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ، حضرت مفتی عبد الرحیم صاحبؒ، اور مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ مصر کی اصل تعریف یعنی حد تام یہ ہے کہ اسے عرف عام میں شہر شمار کیا جاتا ہو۔

۲- مصر کی تعریف مختلف ضرور ہے مگر کسی بھی فقیہ نے قریہ صغیرہ کو اس میں شمار نہیں کیا ہے، نیز عرف میں بھی قریہ صغیرہ کو مصر تو چھوڑیئے قصبہ بھی کوئی نہیں کہتا، لہذا عند الاحناف قریہ صغیرہ میں جمعہ درست نہیں۔

''**ومذهب أبى حنيفةؒ لا تصح الجمعة إلا فى مصر جامع أو فى مصلى المصر ولا تجوز فى القرى**''(عمدۃ القاری ۷/ ۲۷۰)۔

''**صلوة العيد فى القرى يكره تحريما:لأنه اشتغال بما لا يصح؛ لأن المصر شرط الصحة**''(شامی)۔

۳- یہ متفق علیہ امر ہے کہ بغیر ضرورت شدیدہ مذہب غیر پر عمل کرنا درست نہیں ہے، اگر واقعی ضرورت داعیہ (بمعنی اضطرار یا ناقابل برداشت تکلیف) پائی جائے، تب تو گنجائش ہوگی۔

جبکہ یہاں ایسی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہورہی ہے، عام مسلمانوں کو دین سے جوڑے رکھنے، نیز فتنوں سے آگاہ کرنے کے لئے اور بھی راستے استعمال کئے جاسکتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ قریہ صغیرہ میں جمعہ درست نہیں ہوگا، بلکہ کسی نے پڑھ لیا تو اعادہ ظہر ضروری ہوگا۔

☆☆☆

موجودہ حالات کے تناظر میں اشتراطِ مصر کی شرعی حیثیت

مفتی عبدالغفار قاسمی☆

خالقِ کائنات کا پیدا کیا ہوا آفتاب اور اس آفتاب کی کرنیں ہر روز نکلتی ہیں اور سینۂ گیتی پر روشنی بکھیرتی ہیں؛ بلکہ اسے مکمل روشن کر دیتی ہیں، لیکن اس کی کرنیں اور روشنی جس دن سب سے اہم ہیں، اور باعثِ خیر اور لائقِ تکریم ہیں وہ یومِ جمعہ ہے، جمعہ اجتماع سے مشتق ہے، یہ کئی وجہوں سے ظاہر ہے، جیسے اسی دن اولادِ آدم جمع کی جائیں گی، آدم وحوا علیہما السلام اسی روز ملے تھے (فتح القدیر)۔

یہی سید الایام ہے اور خیر الایام بھی، یہی افضل الایام ہے اور اشرف الایام بھی، یہی عید المؤمنین ہے اور اجتماع المؤمنین بھی، "إذا نودی للصلاۃ" جس کا اعلان اور " فاسعوا إلیٰ ذکر اللہ" جس کا شاہکار ہے، یہ سب اسی بات کو واضح کر رہے ہیں کہ اس دن کا اہم فریضہ بہت سی خصوصیات بلکہ بہت سی شرائط کا حامل ہے۔

اسی لیے فقہاء نے جمعہ اور صلوۃ جمعہ کو مستقلا بیان کیا، اس کی شرائط اور اس کے قیام کے لیے ضروری امور ذکر کیے، کیونکہ یہ عام نماز نہیں؛ بلکہ شعارِ اسلام ہے، اور شعار امتیازات کا متقاضی ہے؛ اس لیے اس شعار کو شوکت وسطوت، اہمیت و منزلت کے اظہار کے طور پر باقی رکھنا ضروری ہے، یہ اسی وقت ممکن ہے کہ حالات کتنے ہی متغیر ہو جائیں تاہم اسلامی خطوط اور احکام اپنی جگہ باقی رہیں۔

آئندہ سطور میں اولا صحت جمعہ کے شرائط، بعد ازاں جمعہ کے متعلقہ بحوث میں سے "مصر واشتراطِ مصر" اس کی تعریفات اور اس کی وسعتوں پر روشنی ڈالی جائے گی، اس پر بحث کی جائے گی کہ قیامِ جمعہ کے لیے مصر کا کیا درجہ ہے؟ فقہاء اس سلسلے میں کیا فرماتے ہیں؟

صحتِ جمعہ کے لیے شرائط:

صلاۃِ جمعہ ایک مخصوص عبادت ہے؛ بلکہ شعائرِ اسلام میں سے ہے، جو بہت ہی اہتمام سے پڑھا جاتا ہے، بریں بنا

☆ استاذ جامعہ مختار العلوم سیر پور بانک اندور۔

صحتِ جمعہ کے لیے چند شرائط ہیں، جماعت، خطبہ، اذنِ عام، شہر یا قصبہ نما بڑے گاؤں کا ہونا: "**ويشترط لصحتها ستّة أشياء: المصر أو فنائه والخطبة و الإذن العام و الجماعة ملخصا**" (نورالایضاح ص ۱۱۷، ۱۱۸)، "**لاتصح الجمعة إلا فی مصر جامع**" (ہدایہ ۱/ ۱۴۸)، "**أما المصر الجامع : فشرط وجوب الجمعة و شرط صحة أدائها عند أصحابنا حتى لاتجب الجمعة إلا على أهل المصر و من كان ساكنا فی توابعه**" (بدائع الصنائع ۱/ ۵۸۳)۔

مذکورہ بالا شرائط میں سے اہم شرط مصر یا قصبہ یا اس کا ''فنا'' ہے، جس سے تمام شروح ومتون وفتاویٰ مذہب حنفی مملو ومشحون ہیں۔

صحتِ جمعہ کے لیے اشتراطِ مصر پر احناف کے دلائل:

تمام فقہاء احناف کے یہاں قیامِ جمعہ کے لیے مصر کا یا قریۂ کبیرہ کا ہونا شرط ہے، چنانچہ قریۂ صغیرہ میں قیامِ جمعہ درست نہیں ہے۔

(۱) صحیح روایات سے ثابت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر وقوفِ عرفات جمعہ کے دن ہوا تھا، پھر اس پر بھی تمام روایات متفق ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے اس دن جمعہ نہیں ادا نہیں فرمایا؛ بلکہ ظہر کی نماز پڑھی، اس کی وجہ بجز اس کے اور کوئی نہیں ہوسکتی کہ جمعہ کے لیے مصر شرط ہے (صحیح مسلم ۱/ ۳۹۷)۔

(۲) حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے: "**إن أول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول الله ﷺ فی مسجد عبد القيس بجواثی من البحرين**" (صحیح بخاری ۱/ ۱۲۲، ابوداؤد ۱/ ۱۵۳)۔

ضروری وضاحت: اس میں قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ جمعہ سن ایک ہجری میں فرض ہو چکا تھا، اور یہ بات مسلم ہے کہ جواثی میں بنوعبدالقیس کا جمعہ پڑھنا سن ۶ ہجری کے بعد کا واقعہ ہے، قابلِ غور بات یہ ہے کہ درمیان کے چھ سال کی مدت میں حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ روایت کے مطابق مسجدِ نبوی کے علاوہ کسی بھی جگہ جمعہ کا قیام عمل میں نہیں آیا، حالانکہ سن ۶ ہجری تک اسلام کی نشر واشاعت دور دراز کی بستیوں تک ہو چکی تھی، بے شمار بستیاں مسلمانوں کے قبضے میں آ گئی تھیں، اس طویل مدت میں مسجد نبوی کے علاوہ کسی اور جگہ جمعہ کا قائم نہ ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قریۂ صغیرہ میں قیام جمعہ درست نہیں ہے۔

(۳) قریۂ صغیرہ میں حضور اکرم ﷺ سے جمعہ کی نماز ادا کرنا ثابت نہیں ہے۔

''**إنّ رسول الله ﷺ لم يصل الجمعة فی القرىٰ ولم يأمر بها فيها فلهم بهٰذا أنّ القرىٰ ليست محل إقامة الجمعة**" (بذل المجہود ۵/ ۶۳)۔

(۴) حضرات صحابہ کے اقوال وافعال سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قریۂ صغیرہ میں جمعہ کا قیام درست نہیں، یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ حضرات صحابہ کوئی ایسی بات جو عقل وقیاس سے باہر ہو رسول اکرم ﷺ سے سنے بغیر خود ہی اپنی طرف سے کہہ دیں اور دیہات میں جمعہ کا درست ہونا اور نہ ہونا یہ قیاس میں آنے والی بات نہیں ہے، اسی وجہ سے ان کا فرمانا بھی حضور ﷺ ہی کا فرمانا ہوگا۔

چنانچہ حضرت علیؓ کا اثر مروی ہے: ''**عن علیؓ قال: لاجمعة ولاتشریق ولا صلاة فطر ولا أضحیٰ إلا فی مصر جامع أو مدینة عظیمة**'' (مصنف ابن أبی شیبۃ ۲/۱۰۱)۔

(۵) ''**عن عائشة زوج النبی ﷺ قالت: کان الناس ینتابون الجمعة من منازلهم والعوالی فیأتون فی الغبار**.....'' (صحیح البخاری ۱/ ۱۲۳، حدیث نمبر: ۹۰۲)۔

ضروری وضاحت: عوالی کی حد مدینہ پاک سے آٹھ میل تک ہے، بریں بنا مدینہ پاک سے وہاں تک نہ جانے کتنے دیہات تھے مگر آپ ﷺ کے عہد میں نہ کسی گاؤں میں گاؤں والے جمعہ پڑھتے تھے اور نہ آپ ﷺ نے پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

(۶) اگر دیہات میں جمعہ کی نماز درست ہوتی تو پھر حضور اکرم ﷺ قباء میں چودہ یا چوبیس دن مقیم تھے، ضرور جمعہ کی نماز ادا کرتے مگر کسی روایت میں بھی اس کی تصریح نہیں، جب کہ اس کے برعکس روایات میں ہے کہ سب سے پہلے جمعہ کی نماز مدینہ طیبہ میں ہوئی، اس سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے نہ خود دیہات میں جمعہ کی نماز ادا کی اور نہ حکم فرمایا، لہٰذا دیہات میں جمعہ کی نماز کیسے درست ہوسکتی ہے۔

(۷) ''**کان أنس فی ''قصره'' أحیانا یجمع و أحیانا لا یجمع وهو بالزّاویة علی فرسخین**'' (صحیح البخاری ۱/ ۱۲۳)۔

مذکورہ روایت میں أحیانا تجمع ہے جس کی تفسیر مصنف ابن ابی شیبہ میں مروی ہے کہ وہ جمعہ پڑھنے کے لیے بصرہ جایا کرتے تھے، قابل توجہ بات یہ ہے کہ ان کے اپنے مقام پر جمعہ درست ہوتا تو وہ اپنے مقام پر ہی جمعہ ادا کرتے۔

مصر کی تعریفات:

مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قیام جمعہ کے لیے مصر کا ہونا شرط ہے؛ تاہم مصر کسے کہتے ہیں؟ اس کا مصداق کیا ہے؟ اس میں اچھا خاصا اختلاف ہے، درجِ ذیل سطور میں مصر کی چند تعریفات لکھی جاتی ہیں:

''ذكر الكرخي أنّ المصر الجامع ما أقيمت فيه الحدود ونفذت فيه الأحكام''(بدائع الصنائع ۱/ ۵۸۴)۔

''قال سفيان الثوري: المصر الجامع ما يعدّه الناس مصرا عند ذكر الأمصار المطلقة''(بدائع الصنائع ۱/ ۵۸۴)۔

''روى عن أبي حنيفة أنّه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحكمه وعلمه أو علم غيره، والناس يرجعون إليه في الحوادث''(بدائع الصنائع ۱/ ۵۸۵، فتاوی ہندیہ ۱/ ۱۴۵)۔

''عن أبي عبدالله البلخي أنه قال: أحسن ما قيل فيه إذا كانوا بحال لو اجتمعوا في أكبر مساجدهم لم يسعهم ذلك حتى احتاجوا إلى بناء مسجد الجمعة فهذا مصر تقام فيه الجمعة''(بدائع الصنائع ۱/ ۵۸۴)۔

حضرت امام ابو یوسفؒ سے مصر کی تعریف کے سلسلے میں تین روایات منقول ہیں:

''كل مصر فيه منبر وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود فهو مصر جامع تجب على أهله الجمعة''۔

وفي رواية: ''إذا اجتمع في قرية من لا يسعهم مسجد واحد بنى لهم الإمام جامعا ونصب لهم من يصلي بهم الجمعة''(بدائع الصنائع ۱/ ۵۸۴)۔

وفي رواية: ''لو كان في القرية عشرة آلاف أو أكثر أمرتهم بإقامة الجمعة فيها''(بدائع الصنائع ۱/ ۵۸۴)۔

''قال بعض أصحابنا المصر الجامع ما يتعيش فيه كل محترف بحرفته من سنة إلى سنة من غير أن يحتاج إلى الانتقال إلى حرفة أخرى''(بدائع الصنائع ۱/ ۵۸۴)۔

صاحبِ ہدایہ سے مصر کی تعریف ان الفاظ سے مروی ہے:

''المصر الجامع كل موضع له أمير وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود''(ہدایہ ۱/ ۱۶۸)۔

مصر کی تعریفات کا خلاصہ:

بستی اتنی بڑی ہو کہ اس میں گلی کوچے ہوں، بازار ہوں، روزمرہ کی ضروریات کی چیزیں بسہولت فراہم ہو جاتی ہوں، قرب وجوار کے گاؤں والے ضروریات وہیں سے پوری کرتے ہوں، وہاں قاضی یا مفتی یا کوئی ذی اثر شخص ہو جو روز مرہ کے چھوٹے موٹے جھگڑے کا فیصلہ کر سکتا ہو اور مظلوم کا حق ظالم سے دلوا سکتا ہو، ایسی بستی کا ہونا جہاں کی سب سے بڑی مسجد وہاں کے تمام مکلّف مردوں کو سما نہ سکے۔

مذکورہ تفصیلات بالا کی روشنی میں سوال نامہ میں ذکر کردہ سوالوں کے جوابات احقر کی نظر میں اس طرح ہوں گے:

۱- اس سلسلے میں عرض ہے کہ تمام فقہاء احناف نے صحت جمعہ کے لیے مصر کو شرط قرار دیا ہے اور ہر دور میں فقہاء نے مصر پر تفصیل سے گفتگو کی ہے، اس کے حدود قائم کیے، اس کی تعریفات بیان فرمائی ہیں، قابل غور بات یہ ہے کہ جس دور میں فقہاء نے مصر کی تعریف ذکر کی ہے یہ بات ناممکن ہے کہ اس دور میں وہاں کے دیہات میں چھوٹی چھوٹی مسلم آبادیوں میں جہالت و بے دینی نہ رہی ہو، خود ہندوستان میں قدیم زمانے سے اسلام موجود ہے، فقہاء موجود ہیں، ایسا کیوں کر ممکن ہوسکتا ہے کہ ان کے سامنے ہندوستان کا منظر نامہ نہ رہا ہو، ان سب کے باوجود جب عالمی طور پر عالم کے فقہاء نے خواہ متقدمین ہوں یا متاخرین اور ماضی قریب کے اکابر ہوں تقریباً تمام ہی نے مصر کی شرط لگائی ہے اور مصر کی مذکورہ بالا تعریفات کی ہیں، اس سے یہی بات مستفاد ہوتی ہے کہ مصر کا پہلو ایسا نہیں ہے کہ جس میں وسعت دی جاسکے، لہٰذا اسی پر قائم رہنا مناسب ہوگا۔

۲- اس سلسلے میں عرض ہے کہ صحتِ جمعہ کا اصل مدار ہر بستی کی صلاحیت اور عدمِ صلاحیت پر ہے، یعنی رقبہ کی کمی و زیادتی اور مردم شماری پر اس کا مدار نہیں ہے؛ بلکہ ہیئت آبادی اس کا معیار ہے، اس بنا پر اگر آبادی مثل شہر و قصبہ کے ہے تو محل جمعہ کہیں گے؛ ورنہ گاؤں کہیں گے اور گاؤں میں جمعہ درست نہ ہوگا۔

۳- اب جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ جہاں پر مسلمانوں کی آبادی کمزور ہے وہاں پر دینی بیداری اور فتنۂ ارتداد سے بچاؤ کے لیے جمعہ کا کردار بہت اہم ہوسکتا ہے، اس سلسلے میں عرض ہے کہ جن مقامات پر جمعہ قائم ہے وہاں دینی بیداری کے لیے جو دیگر اعمال پائے جاتے ہیں انہیں اعمال کو دیہاتوں میں اس سے اعلی پیمانے پر اختیار کرنا انتہائی موزوں ہوگا؛ کیونکہ ایسا نہیں ہے کہ جن شہروں میں جمعہ قائم ہے وہاں دینی بیداری بہت عروج پر ہو، دینی بیداری کا سلسلہ بہت اعلیٰ سطح پر ہو، وہاں پر بھی جہالت کا ایک بڑا سیلاب ہے، بے دینی کا بڑا رواج ہے، لہٰذا جو صورتیں اور شکلیں دینی بیداری کے لیے شہروں میں اختیار کی جاتی ہیں انہیں شکلوں اور صورتوں کو دیہاتوں میں اس سے بڑے پیمانے پر اختیار کرنے سے مقصد میں بہت حد تک کامیابی مل سکتی ہے۔

پس فقہاء کی مذکورہ عبارتوں سے صاف یہی معلوم ہوتا ہے کہ جہاں مصر کی تعریف صادق آئے گی وہاں جمعہ کا قیام درست ہوگا؛ ورنہ درست نہ ہوگا۔

اس کے باوجود اگر کسی جگہ کی بدحالی، بے حالی اور بے دینی کی وجہ سے وہاں کے فقہاء کرام اضافی طور پر انفرادی حیثیت سے وہاں کے لیے کوئی الگ حکم طے کریں تو اس کی گنجائش ہوسکتی ہے، جیسا کہ حضرت تھانویؒ نے مسلمانوں کی ایک بستی کے حالات دیکھ کر تعزیہ داری کی اجازت دیدی اور استفسار پر فرمایا کہ بدعت ان کے لیے وقایۂ کفر ہے، تاہم اس سلسلے میں عام حکم مناسب نہیں، ورنہ جمعہ کو اس کی اہمیت و شان پر باقی رکھنا مشکل ہوجائے گا۔

جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط موجودہ حالات کے پس نظر میں

شیخ محمد صالح الزماں قاسمی ازہری☆

۱- تحفۃ الفقہاء، بدائع الصنائع، فتح القدیر، تاتارخانیہ، محیط برہانی، شرح وقایہ، درمختار وغیرہ کتب فقہ میں "مصر" کی تعریف وتحدید کے تعلق سے حضرات ائمہ ثلاثہ ودیگر متقدمینِ احناف کے متعدد اقوال مذکور ہیں، ان میں سے جس قول کو مختلف حضرات جیسے صاحب فتح القدیر، علامہ سرخسی وغیرہ نے ظاہر الروایہ وظاہر مذہب قرار دیا ہے وہ یہ ہے: ''**كل موضع فيه أمير و قاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود فهو مصر**'' اور یہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے اقوالِ ثلاثہ میں سے ایک ہے جسے امام کرخیؒ نے پسند فرمایا ہے، لیکن صاحب شرح وقایہ وصاحب درمختار (علامہ حصکفی) وغیرہ نے اس کے بجائے حضرت امام ابو یوسفؒ کے دوسرے قول جسے امام ابوعبداللہ الثلجیؒ نے پسند فرمایا ہے: ''**كل موضع أهله بحيث لو اجتمعوا في أكبر مساجدهم لم يسعهم ذالك فهو مصر جامع**'' کو ترجیح دی ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ تغیر زمانہ کی بناء پر اقامت حدود وتعزیرات کے باب میں عامۃ الناس غایت درجہ کوتاہی کی بناء پر ظاہر الروایہ کو اپنایا نہیں جاسکتا۔

چنانچہ اس وجہ کی مزید توضیح کرتے ہوئے علامہ لکھنویؒ لکھتے ہیں کہ اگر ظاہر الروایہ پر فتوی دیا جائے تو اکثر اسلامی ممالک میں بھی اقامت جمعہ درست نہیں ہوگی: ''...**فلو أخذ بهذا التفسير لزم عدم صحة الجمعة في كثير من بلاد الإسلام لعدم صدق تعريف المصر عليه، فلذلك اختار التفسير الثاني**'' (غایۃ العنایۃ علی عمدۃ الرعایۃ/۳۲۰)، گویا تغیر زمانہ کی وجہ سے ظاہر الرویہ پر فتوی نہیں دیا جائے گا جیسا کہ "الفقہ الاسلامی وادلتہ" کے اندر باب جمعہ میں "مصر" کی تعریف وتحدید کے سلسلے میں احناف کا مذہب نقل کرتے ہوئے اکثر احناف کے نزدیک مفتی بہ قول اسی دوسرے قول کو قرار دیا ہے، لکھتے ہیں: ''**المطلب الخامس: شروط صحة الجمعة...البلد: أي كونها في مصر جامع أو في مصلى المصر عند الحنفية: وهو كل موضع له أمير و قاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود، هذا مشهور في المذهب الحنفي، لكن المفتى به عند أكثر الحنفية أن المصر كما قدمنا هو**

☆ جامعہ اشرف العلوم محمود آباد کیندراپاڑہ، اڑیسہ۔

مالایسع أکبر مساجدها أهلها المکلفین بالجمعة'' (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۲/۱۲۹۱)۔

نیز! حالات، زمانہ اور عرف کے تغیر کی بناء پر "مصر" کی متعدد تعریفات میں سے ہر زمانہ میں عرف وحالات کو مد نظر کرتے ہوئے الگ الگ تعریف ومصداق پر فتوی دیا جاسکتا ہے، اس کی تائید "فتاوی محمودیہ " کے کئی فتاوی سے ہوتی ہے؛ چنانچہ حضرت مفتی صاحب ایک جگہ رقمطراز ہیں: ''اتنا تو بالاتفاق احناف کے نزدیک مسلم ہے کہ قریہ صغیرہ میں جمعہ درست نہیں، لیکن قریہ صغیرہ وکبیرہ کی علامات اور تعین میں عرف کے بدلنے سے فرق پڑتا رہتا ہے'' (۱۲/۲۵۱-مکتبہ محمودیہ میرٹھ) ،ایک اور جگہ لکھتے ہیں: ''مصر کی تعریف میں بہت سے اقوال ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ مصر اور قریہ ہونا عرفی چیزیں ہیں جس زمانہ میں جیسا عرف ہوا ویسی ہی علامات متعین کر کے علماء نے تعریف کر دی'' (المصدر السابق/ ۲۴۳)۔

نیز مفتی تقی عثمانی صاحب نے اس طرح کی چیزوں میں جہاں ایک چیز کی تعیین وتحدید میں متعدد اقوال ہوں اور مختلف اقوال کے ساتھ وجہ ترجیح بھی مذکور ہو اپنی کتاب "اصول الافتاء وآدابہ " کی الأصل الثامن: معرفۃ المرجحات میں بطور خلاصہ ونتیجہ کے تحریر فرماتے ہیں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک طرف ایک قول کے لئے ایک وجہ ترجیح ہوتی ہے اور دوسری طرف دوسرے دوسرے قول کے لئے بھی مرجح ہوتا ہے، اور اس باب میں کوئی ایسا ضابطہ کلیہ نہیں ہے جو تمام صورتوں کو محیط ہو اور ہر حالت میں وہی مرجح ہو، بلکہ اس طرح کے موقع سے یہ معاملہ ایک مستند مفتی کے مزاج ومذاق اور اس کے فقہی ذوق سے وابستہ ہوتا ہے جو مختلف اصول وقواعد کو مدنظر رکھتے ہوئے جس قول کو راجح قرار دے اس کی گنجائش ہوگی اس شرط کے ساتھ کہ وہ مفتی کسی مستند متجر ب مفتی کے پاس زانوء تلمذ تہ کیا ہو، اور کسی بھی ایک قول کو راجح قرار دینے میں قطعا ہوائے نفس کا دخل نہ ہو، بلکہ وہ عامۃ الناس کے دینی مفاد کے پیش نظر ہو (۲۲۶-۲۷) نیز: مفتی موصوف نے "معرفۃ المرجحات" کے تحت آٹھویں وجہ ترجیح یہ بیان کی ہے: "**والثامن: إذا کان أحدهما أوفق بالزمان کان راجحا علی غیره**"۔

لہذا! اگر اس ضابطہ کو بھی مدنظر رکھا جائے تو "مصر " کے تعلق سے حضرات فقہاء کرام کی متعدد آراء میں حضرت امام ابو یوسفؒ کا وہ قول جس میں آپ نے فرمایا: "اگر کسی علاقہ کی بڑی مسجد وہاں کے مصلیان کے لئے ناکافی ہو اگر وہ اکٹھا ہو جائیں تو وہ مصر ہے "، موجودہ زمانہ کے اعتبار سے راجح معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ مولانا عبد الحی لکھنویؒ کا تبصرہ ماقبل میں گزرا، نیز صاحب بدائع وغیرہ نے امام ابو عبد اللہ الثلجیؒ سے اس کے "احسن الاقوال" ہونا نقل کیا ہے، نیز مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے بھی "قاموس الفقہ " کے اندر عصر حاضر کے اعتبار سے اسی قول کی ترجیح کی جانب اپنا رجحان ثابت کیا ہے (۱۲۶، ۱۲۷)۔

نوٹ! علامہ شامیؒ کے اس تبصرہ: **وفی الرد : "قوله "مالایسع "هذا یصدق علی کثیر من**

القری (۳/۵-زکریا) (کہ اگر حضرت امام ابو یوسفؒ کے اس قول کو اختیار کیا جائے جسے امام ابوعبداللہ الشلبی نے پسند فرمایا ہے تو موجودہ زمانہ کے لحاظ سے اکثر گاؤں پر مصر کا اطلاق درست ہوگا) سے بظاہر لگتا ہے کہ علامہ شامیؒ اس قول پر فتوی دینے سے راضی نہیں ہیں، جیسا کہ فتاوی محمودیہ میں ایک مقام پر حضرت مفتی صاحبؒ نے اسی کی جانب اشارہ کیا ہے، لکھتے ہیں: "شرح وقایہ میں جو مصر کی تعریف کی گئی ہے اس کی تنقید بھی شامی میں مذکور ہے، لہذا شرح وقایہ کی تعریف پر سہارا لینا خود مزیف ہے، اس لئے طحطاوی نے لکھا ہے: "**هذا يصدق على كثير من القرى**" (۱۲/۲۴۰)۔

اس لئے مصر کی اس تعریف "**كل موضع أهله بحيث لو اجتمعوا فى أكبر مساجدهم لم يسعهم ذالك فهو مصر جامع**" پر فتوی دینے میں غایت درجہ احتیاط کی ضرورت ہے، کہیں ایسا نہ ہو اس تعریف کو مدار بنانے میں ایک امر منہی عنہ یعنی قریہ صغیرہ میں اقامت جمعہ پر فتوی صادر کرنا لازم نہ آئے، جبکہ اکثر فقہاء احناف جیسے علامہ کاسانی، علامہ ابن ہمام، علامہ عینی وغیرہ اور اکابر دیوبند میں خاص کر حضرت شیخ الحدیث اور حضرت محدث سہارن پوریؒ صاحبان نے کافی تحقیق وتدقیق کے ساتھ دلائل عقلیہ ونقلیہ کی روشنی میں قریہ صغیرہ میں عدم صحت جمعہ کو راجح قرار دیا ہے۔

اس لئے احقر کی رائے ہے کہ "مصر" کی محض اسی تعریف پر اکتفاء نہ کیا جائے، بلکہ اس کے ساتھ کچھ اور قیود کا بھی اضافہ کرلیا جائے جیسے پختہ مکانات کافی تعداد میں ہوں، پختہ سڑکیں ہوں، محلے ہوں، ڈاکخانہ ہوں، شفاء خانہ یا حکیم ہو، مدرسہ یا اسکول، مستقل دکانیں ہوں، روزمرہ کی ضروریات ہمیشہ ملتی ہوں، ضروری پیشہ ور ہوں، کچہری یا نزاعات کا فیصلہ کرنے کے لئے پنچائتی نظام ہو اور لوگوں کے ذہنوں میں وہ بڑا گاؤں سمجھا جاتا ہو وغیرہ (مزید تفصیل کے لئے دیکھیں: فتاوی محمودیہ ۱۲/۲۲۹)۔

۲- محض مسلمانوں کی مستقل آبادی کو بنیاد بنا کر وہاں اقامت جمعہ کا نظم کرنا شرعا درست نہیں ہے، بلکہ اس کی وجہ سے ایک امر محظور کا ارتکاب کرنا لازم آئے گا۔

"**لاجمعة و لاتشريق إلا فى مصر جامع**" "**ما رواه عبد الرزاق عن علىؓ موقوفا**" (الفقہ الاسلامی و ادلتہ ۲/۱۲۹۱)۔

نیز اس میں ضرورت شدیدہ کے بغیر خروج عن المذہب بھی ہے جس کی اجازت نہیں ہے، چنانچہ فتاوی محمودیہ میں حضرت مفتی صاحبؒ نے اس مسئلہ کو متعدد جگہ کافی بسط وتفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

نیز ایک اور موقع پر سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: "حضرت مولانا تھانویؒ نے صحیح فرمایا ہے، احتیاط حنفی مذہب پر عمل کرنے میں ہے، چھوٹے گاؤں میں جمعہ نہیں ہے" (۱۲/۲۸۴)۔

۳- محض اسی مقصد کے پیش نظر جبکہ اس کی متبادل شکل موجود ہے گاؤں میں شرائط جمعہ نہ پائے جانے پر بھی اقامت جمعہ کا نظام کرنے میں امر محظور کا ارتکاب لازم آتا ہے، جیسا کہ ماقبل میں تفصیلا اس پر روشنی ڈالی جا چکی، لہذا گاؤں میں جمعہ قائم کرنے کی شرعا اجازت نہیں ہوگی، جیسا کہ "فتاوی محمودیہ "میں حضرت مفتی صاحبؒ اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: "اگر دیہات میں لوگ نماز نہیں پڑھتے تو ان کو نمازی بنانے کے لئے دوسری تدابیر اختیار کی جائیں مثلا وعظ تبلیغ سے اگر کام نہ چلے تو انجمنیں قائم کی جائیں اور اس میں تارک صلاۃ کے لئے مختلف سزائیں مقرر کر دی جائیں، مثلاً تارک صلاۃ کے یہاں کوئی شادی نہیں کرے گا، برادری کے کاموں میں شریک نہیں کیا جائے گا وغیر وغیر، یہ کیا ضروری ہے کہ ان کو نمازی بنانے کے لئے ایک ناجائز فعل کا ارتکاب کیا جائے، اگر اقامت جمعہ کی وجہ سے انہوں نے نماز پڑھ لی تو دیگر نمازوں کے لئے کیا کیا جائے گا" (۱۲/ ۲۴۲)۔

اس لئے دیہات کے باشندگان کے ایمان وعقائد کے تحفظ کے لئے امر منہی عنہ کے ارتکاب کے بجائے کوئی ایسی تدبیر اپنائی جائے جو بے غبار اور مؤثر ہونے سمیت کسی بھی طرح ناجائز فعل پر مشتمل نہ ہو، نیز ہم میں سے بھی بہت سارے ایسے لوگ ہیں جو قریہ کبیرہ کے باشندگان کے احوال سے بخوبی واقف ہیں کہ جمعہ میں لوگ کتنی تاخیر سے پہنچنے کے عادی ہیں اور محض اقامت جمعہ یا اس سے پہلے کی وعظ ونصیحت ان کے حق میں ناکافی ہوتی ہے، بلکہ الگ سے چھوٹی چھوٹی تنظیمیں ان امور کے لئے الگ الگ اسلوب وانداز پر کام کر رہی ہیں اور الحمدللہ وہ کافی حد تک کامیاب بھی ہیں، اس لئے اس طرح کی کوئی اور شکل اپنائی جائے نہ کہ دیہات میں جمعہ کا نظم کر کے حدیث اور فقہی عبارات کے خلاف کیا جائے، نیز غیر مدرک بالقیاس میں قول صحابی حکم میں مرفوع حدیث کے ہے اور حضور ﷺ وصحابہ رض سے دیہات میں جمعہ پڑھنا کسی روایت سے ثابت نہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆

عصر حاضر میں جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط

مفتی رضی احمد رحمانی ندوی☆

مسلمانوں کے لئے جمعہ کا دن بڑی اہمیت کا حامل ہے، اس دن کو اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے لئے ہفتہ کی عید قرار دیا ہے، لہٰذا مسلمان اس کا اہتمام کرتے ہیں، نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے مسجدوں میں حاضر ہوتے ہیں اور اپنے رب کے سامنے سربسجود ہوکر نماز دوگانہ ادا کرتے ہیں۔

جمعہ کی نماز ہر اس مسلمان عاقل و بالغ، مقیم، صحت منداور آزاد شخص پر فرض عین ہے، جو ایسی جگہ مقیم ہو جہاں جمعہ کے شرائط پائے جاتے ہوں، کسی بھی مقام پر جمعہ قائم کرنے اور وہاں کے مسلمانوں پر جمعہ فرض ہونے کے چند شرائط ہیں، ان میں سے ایک شرط فقہاء احناف کے نزدیک مصر کا ہونا ہے، جو جگہ مصر کی تعریف میں نہیں آئے گی وہاں پر جمعہ قائم نہیں کیا جائے گا، یہ شرط صرف ائمہ احناف کے نزدیک ہے، ان کے علاوہ جمہور امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک جمعہ قائم کرنے کے لئے مصر شرط نہیں ہے، ان حضرات کے نزدیک گاؤں میں بھی جمعہ کی نماز ادا کی جاسکتی ہے، نیز فقہاء احناف کے نزدیک بھی مصر کی تعریف میں اچھا خاصہ اختلاف ہے، اور مصر کا مفہوم بھی نصوص میں واضح نہیں ہے، ایسی صورت میں جبکہ دلائل بھی مختلف ہیں، اور مصر کی تعریف میں بھی مختلف اقوال ہیں، اور جمعہ کا قیام موجودہ وقت میں مسلمانوں کی شناخت اور اس کے ایمان و دین و شریعت کی حفاظت کا ذریعہ بھی ہے، مصر کی ایسی تعریف اور تحدید ہونی چاہئے جس سے زیادہ سے زیادہ مقامات پر جمعہ قائم کرنا ممکن ہوسکے، مصر کی تعریف سے پہلے ہم مصر کے سلسلے میں فقہاء احناف کے چند اقوال کو پیش کرنا چاہتے ہیں، تاکہ مصر کی تعریف و تحدید میں آسانی ہوسکے:

(۱) علامہ کرخی نے مصر کی تعریف میں لکھا ہے کہ: مصر ایسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں حدود قائم کئے جائیں اور احکام نافذ کئے جائیں:

" **ذكر الكرخي أن المصر الجامع ماأقيمت فيه الحدود و نفذت فيه الأحكام**"(بدائع الصنائع ۲/ ۱۹۲)۔

☆ قاضی شریعت دارالقضاء امارت شرعیہ خانقاہ رحمانی مونگیر۔

(۲) امام ابو یوسفؒ نے مصر کی تعریف میں لکھا ہے کہ: مصر ہر وہ جگہ ہے جہاں منبر ہو، قاضی ہو، احکام وحدود نافذ کئے جاتے ہوں:

"کل مصر فیه منبر و قاض ینفذ الأحکام و یقیم الحدود فهو مصر جامع تجب علی أهله الجمعة" (حوالہ سابق)۔

(۳) ابو عبداللہ بلخیؒ نے مصر کی تعریف میں لکھا ہے اور اسے سب سے بہتر قول قرار دیا ہے: مصر وہ جگہ ہے جہاں کے تمام لوگ وہاں کی بڑی مسجد میں جمع ہو جائیں تو وہ مسجد ان کے لئے ناکافی ہو جائے، یہی ایک رائے امام ابو یوسفؒ کی ہے:

"أحسن ما قیل فیه إذا کانوا بحال لو اجتمعوا فی أکبر مساجد هم لم یسعهم ذلک" (بدائع الصنائع ۲/ ۱۹۲)۔

(۴) علامہ قہستانی کے حوالے سے علامہ شامی نے لکھا ہے کہ مصر ایسے بڑے گاؤں کو کہتے ہیں جہاں بازار ہو:

"وعبارة القهستانی تقع فرضا فی القصبات والقری الکبیره التی فیها أسواق" (ردالمحتار ۲/ ۱۳۸)۔

(۵) بعض علماء کرام کی رائے ہے کہ مصر کی تعریف وتحدید کو عرف ولغت پر محمول کیا جائے گا، جسے لوگ مصر سمجھتے ہیں اس کو مصر سمجھا جائے گا، یہی رائے علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی ہے۔

"والحاصل أن تفسیر المصر محمول علی العرف واللغة" (فتاویٰ دارالعلوم زکریا ۲/ ۶۴۳)۔

مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں اور موجودہ ترقی کے دور میں جب کہ بڑے دیہاتوں میں وہ تمام سہولتیں میسر ہیں جو چند سال قبل صرف شہروں میں میسر ہوتی تھیں، نیز مسلمانوں کے دین سے دوری اور شریعت اسلامی سے بیزاری کی جو صورت حال ہے ان حالات میں فقہاء کی تصریحات اور ائمہ کے اختلافات کو مدنظر رکھتے ہوئے مصر کی ایسی جامع ومانع تعریف ہونی چاہئے کہ جس سے زیادہ سے زیادہ مقامات پر جمعہ قائم کرنا ممکن ہو سکے، تاکہ مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت ہو سکے اور انہیں دین وشریعت پر کاربند رکھا جا سکے، اس لئے کہ جمعہ کی نماز میں عام طور پر ہر مسلمان خواہ وہ پنج وقتہ نماز پڑھتا ہو یا نہیں پڑھتا ہو لیکن وہ جمعہ میں اہتمام کے ساتھ مسجد میں حاضر ہوتا ہے اور دین کی باتوں کو سنتا ہے اور نماز دوگانہ ادا کر کے اپنے آپ کو مسلمان ثابت کرتا ہے، جمعہ کی یہ حاضری اس کو دین سے جوڑے رکھنے کا ایک اہم ذریعہ ہے اور اس حاضری کے نتیجے میں بہت سے ناخواندہ اور دین سے ناواقف مسلمانوں کا دین پر قائم رہنے اور گمراہ فتنوں سے محفوظ رہنے کا سبب ہے۔

اس لئے میرے نزدیک مصر کی سب سے مناسب اور بہتر تعریف یہ ہے جس کو بعض فقہاء نے بھی پسند کیا ہے:

مصر کی تعریف: مصر ہر اس بستی کو کہا جائے گا جہاں کی بڑی مسجد میں وہاں کے تمام لوگ جمع ہو جائیں تو وہ مسجد نا کافی ہو جائے۔

یہ شہر کی ایسی تعریف ہے جس سے شہر (مصر) کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے اور اس سے بہت سے مقامات پر نماز جمعہ قائم کرنے کا موقع میسر ہوگا اور مسلمانوں کو اپنے دین وشریعت سے جڑے رہنے کا موقع ملے گا۔

۲- ایسی جگہ جہاں مسلمانوں کی باقاعدہ آبادی ہو، مسلمان وہاں بود و باش اختیار کئے ہوئے ہوں، اگرچہ مسلمانوں کی آبادی کم ہو، اور اس آبادی میں جمعہ کے شرائط پائے جاتے ہوں، یعنی وہ مصر ہو، یا ایسا بڑا دیہات ہو جہاں ضروریات زندگی کے لئے بنیادی چیزیں، غلہ (راشن)، کپڑا، دوا، اور برتن وغیرہ ملتے ہوں، تو وہاں کے مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسے مقامات پر جمعہ قائم کریں اور ایک جگہ جمع ہو کر ایک ساتھ نماز جمعہ ادا کریں، خواہ وہاں باضابطہ مسجد بنی ہوئی ہو یا نہیں، اس لئے کہ جمعہ کے لئے مسجد کی شرط امام مالکؒ کے علاوہ کسی بھی امام کے نزدیک نہیں ہے، جیسا کہ علامہ عبدالرحمان الجزیریؒ لکھتے ہیں:

"**الحنفية قالوا لا يشترط لصحة الجمعة أن تكون في المسجد بل تصح في الفضاء**" (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۱/ ۲۳۵)۔

جہاں تک چھوٹی آبادی کا سوال ہے مثلاً ایسا گاؤں جہاں پچاس ساٹھ مسلمان ہیں جو جماعت میں حاضر ہو سکتے ہیں اور اس گاؤں پر مصر کی تعریف بھی صادق نہیں آتی ہو، نیز وہاں ضروریات زندگی کے لئے بنیادی سامان بھی نہیں ملتے ہوں، پھر بھی مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت کے لئے اور انہیں دین سے جوڑے رکھنے کے لئے وہاں جمعہ کی اجازت دی جاسکتی ہے، اس لئے کہ امام شافعیؒ کا مسلک یہی ہے کہ ہر اس قریہ میں جمعہ کی نماز قائم کی جاسکتی ہے جہاں چالیس مصلی ہر موسم میں جمعہ کی نماز میں جمع ہو سکتے ہوں، اسی طرح علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا فتویٰ ہے کہ اگر گاؤں میں پچاس آدمی ہو تو اس گاؤں میں جمعہ کی نماز پڑھی جائے گی، شاہ صاحبؒ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں لکھا ہے:

"**قال ﷺ الجمعة على خمسين رجلاً أقول الخمسون يتقرى بهم قرية، وقال ﷺ الجمعة واجبة علىٰ كل قرية**" (حجۃ اللہ البالغہ ۲/ ۴۷۸)۔

اسی طرح مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ فرماتے ہیں کہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے اور مفاسد الامۃ علی مذہب الغیر کے لئے وجہ جواز ہے (کفایت المفتی ۳/ ۱۹۳)۔

۳- مسلمانوں کے ایسے گاؤں جہاں مکلّف مسلمانوں کی تعداد چالیس سے بھی کم ہوں جو جمعہ میں حاضر ہو سکے، اور

وہاں ضروریات زندگی کی بنیادی چیزیں بھی نہیں ملتی ہوں، ایسے گاؤں اور دیہات میں جمعہ قائم کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، وہاں کے لوگوں کے لئے جمعہ کے بجائے ظہر کی چار رکعت نماز پڑھنا ضروری ہے، اس لئے کہ ظہر کی نماز کا ثبوت قرآن وحدیث سے ہے اور قریہ میں جمعہ کی نماز پڑھنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے، لہذا اگر وہاں کے لوگ جمعہ کی نماز پڑھیں گے تو ان کے ذمہ سے ظہر ساقط نہیں ہوگا، ظہر چھوڑنے کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک ماخوذ ہوں گے۔

جہاں تک بات مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت اور گمراہ فرقوں کے اثرات سے محفوظ رکھنے اور ان کو دین وشریعت سے جوڑے رکھنے کی ہے، اور اس کے لئے چھوٹے چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی اجازت دینے کی ہے تو جان لینا چاہئے کہ صرف اس اندیشے کی وجہ سے کہ جمعہ کی اجازت نہیں دینے کی صورت میں مسلمان دین سے دور ہو جائیں گے، یہ بات لائق توجہ نہیں ہے، اس لئے کہ مسلمانوں کو دین سے قریب کرنے اور دامن اسلام میں باقی رکھنے کے اور بھی بہت سے ذرائع ہیں، جیسے کہ ان دیہاتوں میں مکاتب کا نظام قائم کیا جائے، ہفتہ واری دینی پروگرام منعقد کئے جائیں، اور مسلمانوں کو دین سے قریب کیا جائے، اسی طرح ان کو سمجھایا جائے کہ جمعہ کے دن ظہر کی نماز چار رکعت پڑھنے سے انہیں جمعہ پڑھنے کا ثواب ملے گا، اور جمعہ کے دن ظہر کی نماز سے قبل یا بعد چند منٹ انہیں دین کی بات سمجھائی جائے، اس کے علاوہ اور بھی بہت سے طریقے ہیں جن کو اپنا کر مسلمانوں کو دین سے جوڑا جاسکتا ہے، اس لئے کہ اگر ہم ہر چھوٹے گاؤں اور دیہات میں جمعہ قائم کرنے کی اجازت دیں گے تو اس سے بہت سی خرابی لازم آئے گی، مثلاً مقصد جمعہ کا فوت ہونا، یعنی مسلمانوں کا کثیر تعداد میں جمع ہونا، اور شان اسلام کا اظہار کرنا، اسی طریقے سے لوگ کاہلی اور سستی کے شکار ہو جائیں گے، اور دور دراز علاقوں سے جامع مسجد میں جمعہ میں حاضر ہونے سے گریز کریں گے، نیز لوگوں کے دلوں میں جمعہ کی اہمیت باقی نہیں رہے گی اور نہ ہی مسلمان جمعہ کا اہتمام کریں گے، جس کا مشاہدہ ہم نے اپنی آنکھوں سے لاک ڈاؤن کے بعد کیا ہے، لاک ڈاؤن کے درمیان سرکاری پابندی کی وجہ سے لوگوں نے چھوٹے چھوٹے گاؤں اور دیہاتوں میں جمعہ کی نماز پڑھنا شروع کر دیا، اسی طرح ہر محلّہ کی مسجد میں جمعہ کی نماز ہونے لگی، نتیجہ یہ ہوا کہ لاک ڈاؤن کے بعد بھی لوگ اپنی سہولت کے لئے چھوٹے چھوٹے گاؤں اور دیہاتوں میں جمعہ کی نماز پڑھ رہے ہیں، جہاں پر جمعہ کے شرائط نہیں پائے جارہے ہیں اور چالیس پچاس مکلّف مسلمان بھی ان آبادیوں میں جمعہ میں شامل نہیں ہو پاتے ہیں، جس کی وجہ سے جمعہ کی وہ اہمیت اور اہتمام باقی نہیں رہا جو جمعہ کا مقصد ہے، جب کہ لاک ڈاؤن سے پہلے ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ چھوٹے چھوٹے گاؤں اور دیہات کے لوگ دور دراز کے علاقوں سے ایسی بڑی آبادیوں میں جہاں پر جمعہ کے شرائط پائے جاتے ہیں حاضر ہوتے تھے اور جمعہ کی نماز ادا کرتے تھے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ایک بستی والوں کو تعزیہ کی اجازت دینے کو بنیاد بنا کر ہم ہر گاؤں اور دیہات میں جمعہ کی اجازت نہیں دے سکتے ہیں، جیسا کہ حضرت مفتی محمود صاحبؒ نے ایک سوال کے جواب میں تعزیہ کی اجازت پر قیاس کر کے ہر گاؤں میں جمعہ کی نماز کی اجازت دینے سے منع کر دیا تھا (فتاوی محمودیہ ۱۳۹/۸)۔

☆☆☆

موجودہ صورتحال میں جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط

مولانا سیف الرحمٰن قاسمی☆

۱- فقہاء حنفیہ نے قیام جمعہ کے لئے مصر یا قریہ جامعہ ہونے کی شرط واضح دلیل شرعی کی بنیاد پر لگائی ہے، اس باب میں حضرت علیؓ کی روایت مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق میں موجود ہے۔

مصر کی تعریف میں متقدمین ومتاخرین فقہاء احناف کی عبارتوں کا اختلاف دراصل الفاظ کا اختلاف ہے، حقیقت کے سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، جس کو حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ مصر کی تعریف میں فقہاء حنفیہ کا اختلاف عنوان کا اختلاف ہے، معنون ہر ایک کا ایک ہے۔

مختلف فقہاء نے اپنے انداز سے اپنے الفاظ میں اپنے وقت کے حالات کے مطابق مصر کی تعریف فرمائی ہے۔

آج کے حالات میں علماء امت کو یہ طے کرنا چاہئے کہ فقہاء کی بیان کردہ تعریفات میں سے کس کا انتخاب کیا جائے جو عوام الناس کے لئے آسانی کا باعث ہو اور عدول عن المذہب بھی نہ ہو۔

فقہاء احناف کی بیان کردہ مصر کی تعریف میں مختلف عبارتیں کتب فقہ حنفی میں موجود ہیں جس سے ہر صاحب علم واقف ہے، انہیں میں سے ایک عبارت جس کو حضرت تھانویؒ نے ایک فتوی میں رسائل ارکان کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے اور وہ امداد الفتاوی میں موجود ہے:

"المصر: موضع يندفع فيه حاجة الانسان الضرورية من الأكل بأن يكون هناك من يبيع طعاما والكسوة الضرورية وأن يكون هناك أهل حرف يحتاج إليهم كثيرا" (جس جگہ کھانے پینے اور پہننے کی چیزوں کی خرید وفروخت ہوتی ہو اور وہاں لوگوں کی ضروریات کے لئے پیشہ ور افراد موجود ہوں وہ جگہ مصر (شہر) ہے)۔

مصر کی تعریف کرتے ہوئے صاحب زیلعی لکھتے ہیں: **"الموضع الذى يكون بحال يعيش فيه كل محترف بحرفته من سنة إلى سنة من غير أن يشتغل بحرفة أخرى"** (جس جگہ ہر ایک پیشہ ور کسی دوسرے پیشے

☆ دارالقضاء آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، جامعہ اسلامیہ دارالعلوم الہ آباد۔

میں لگے بغیر ایک سال تک صرف اپنے پیشے سے زندگی گزر بسر کر سکے وہ جگہ مصر (شہر) ہے)۔

موجودہ حالات میں مصر کی تعریف میں یہ عبارت کافی موزوں ہے، اس کی روشنی میں مصر کے اطلاق کا دائرہ کافی زیادہ وسیع ہوجاتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک جواز کے لئے شہر، قصبہ اور ایسا بڑا قریہ ہونا شرط ہے جس میں لگ بھگ تین ہزار کی آبادی ہو اور ضروری اشیاء مل جاتی ہوں، ضروری اشیاء میں خورد ونوش کا سامان کپڑے وغیرہ کی دوکانیں اور پیشہ وروں کا ہونا شامل ہے، جن سے لوگوں کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔

علماء اور اصحاب افتاء قیام جمعہ کے سلسلے میں مصر کی اس تعریف کو ملحوظ رکھ کر غور فرمائیں تو موجودہ حالات میں ہندوستان کے مختلف علاقوں میں قیام جمعہ کی راہ ہموار ہوگی، مختلف علاقوں میں قیام جمعہ کے نتیجہ میں اسلام اور نماز سے کسی نہ کسی درجہ میں عوام کی وابستگی باقی رہے گی، مسجد اور مسجد کے واسطے دین سے ان کے ایمانی رشتہ کو تقویہ ملے گی، نماز جمعہ سے قبل وعظ ونصیحت سے عام مسلمانوں کے مزاج میں مثبت تبدیلی ہوگی، مسلم معاشرہ میں اسلامی اخلاق کردار نظر آئے گا، نئی نسل اسلامی اقدار کی روشنی میں پروان چڑھے گی، نیز نماز جمعہ سے قبل ہونے والے بیانات افراد امت کو حالات حاضرہ کے نت نئے ارتدادی فتنوں سے بچانے میں موثر کردار ادا کریں گے۔

۲- مسلمانوں کی باقاعدہ آبادی کو بنیاد بنا کر جمعہ قائم کرنے سے جمعہ کا وجوب عام ہوجائے گا، اور جمعہ کا حکم ہر جگہ اور مقام کے لوگوں کے لئے ہوجائے گا، جہاں کہیں بھی مسلمانوں کی آبادی ہوگی خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، شہر ہو یا دیہات ان پر جمعہ کی نماز فرض ہوگی، جبکہ امام اربعہ میں سے کوئی بھی عموم جمعہ کا قائل نہیں ہے۔

اور حضرت عائشہؓ کی روایت سے گاؤں والوں پر جمعہ فرض نہ ہونا ثابت ہوتا ہے، بخاری شریف میں ہے:

"**عن عائشةؓ زوج النبی ﷺ قالت: كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم والعوالی، فيأتون فی الغبار، وفی رواية يتناوبون**"۔

اس حدیث کی تشریح میں حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے: "**لو كان واجبا على أهل العوالی ماتناوبوا ولكانوا يحضرونها جميعا**" (فتح الباری ۴/۲۸۹)۔

اس حدیث شریف سے صحابہؓ کا نماز جمعہ کے لئے نوبت بہ نوبت آنا ثابت ہوتا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ گاؤں والوں پر جمعہ واجب نہیں اور نہ گاؤں میں جمعہ ادا ہوتا ہے، ورنہ جو لوگ گاؤں میں رہتے تھے ان کو وہیں اداء جمعہ کا حکم ہوتا ہے یا ان سب کو مدینہ آنا واجب ہوتا؛ حالانکہ گاؤں میں حضور ﷺ کے زمانہ میں کسی جگہ کسی وقت میں کہیں جمعہ ہونا

ثابت نہیں۔

صاحب فتح القدیر نے فرمایا:"**لم ینقل عن الصحابة أنهم حین فتحوا البلاد واشتغلوا بنصب المنابر والجمع إلا فی الأمصار دون القری ولو کان لنقل ولو آحاد الخ**"۔

اتنی بات تو ہر ایک امام کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ جمعہ کا حکم ہر جگہ اور ہر مقام کے لوگوں کے لئے عام نہیں ہے، اس لئے اس سوال کے جواب میں نہ تو علی الاطلاق جواز کا قول نقل کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی عدم جواز کا، کیونکہ مسلمانوں کی باقاعدہ آبادی کی حیثیت کیفیت وکمیت کے اعتبار سے مختلف ہوسکتی ہے جس کی وجہ سے جواب مختلف ہوجائے گا۔

جواز اور عدم جواز کی چند صورتیں درج ذیل ہیں:

مسلمانوں کی مقیم آبادی خواہ چھوٹی ہو یا بڑی اگر شہر یا قصبہ میں ہو تو وہاں جمعہ قائم کرنا لازم وضروری ہے۔

"**عن الحارث عن علیؓ قال:لا جمعة ولا تشریق ولا صلاة فطر، ولا أضحی إلا فی مصر جامع أو مدینة عظیمة**"(مصنف ابن ابی شیبہ)۔

"**عن أبی عبد الرحمن عن علیؓ قال: لا جمعة إلا فی مصر جامع وکان بعد الأمصار البصرة والکوفة والبحرین ومصر والشام والجزیرةوربما قال الیمن والیمامة**"(مصنف عبدالرزاق)۔

"**وتقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرة التی فیها أسواق**"(شامی،باب الجمعۃ)۔

"**وشرط أدائها المصر، أی شرط صحتها أن تودی فی مصر حتی لاتصح فی قریة ولا مفازة**"(البحرالرائق،باب الجمعۃ)۔

اور اگر کسی گاؤں میں تنہا مسلمانوں کی چھوٹی آبادی ہو جو تین ہزار افراد سے کم ہو؛لیکن باضابطہ بازار ہو اور حکومتی عملہ ہو،ضروریات زندگی کی تمام چیزیں وہاں فراہم ہوں تو ایسا گاؤں پر مصر(شہر) کی تعریف صادق آتی ہے، باوجودیکہ وہ سرکاری طور پر گاؤں درج ہے اور عوام الناس میں گاؤں مشہور ہے،لیکن شرعاً وہاں پر جمعہ کا نظام قائم ہوگا۔

اگر کسی گاؤں میں مسلمانوں کی آبادی تو چھوٹی ہے لیکن غیر مسلموں کو ملا کر تین ہزار سے زائد کی آبادی ہوجائے تو ایسا گاؤں قصبہ اور قریہ جامعہ کے حکم میں ہوگا اور وہاں پر جمعہ کا نظام قائم ہوگا۔

اور اگر کسی گاؤں میں مسلمانوں کی چھوٹی آبادی ہو جو تین ہزار افراد سے کم ہو اور اسی گاؤں سے متصل دوسرا اور تیسرا گاؤں ہو ان دونوں کو ملا کر تین ہزار افراد سے زیادہ ہوجاتے ہوں اور ہر ایک گاؤں کے مابین اس قدر فاصلہ ہو کہ اجنبی آدمی بغیر بتائے اس کو ایک ہی گاؤں سمجھتا ہو،جیسا کہ مشرقی اتر پردیش کے مختلف اضلاع کی آبادی کی نوعیت ہے کہ ایک

متعین رقبہ اور آبادی پر مشتمل مختلف آبادی کے متعدد گاؤں ہوتے ہیں سب کا پردھان ایک ہوتا ہے اور گاؤں کے درمیان زیادہ سے زیادہ پانچ سو میٹر کا فاصل ہوتا ہے دیکھنے والا بغیر بتائے فرق نہیں کرسکتا اور ہر گاؤں حکومت کے ریکارڈ میں وارڈ کے نام سے درج ہوتا ہے اور ہر ایک کا مجموعی ایک نام ہوتا ہے جس کا اطلاق مذکورہ بالا ہر گاؤں پر ہوتا ہے اور درمیانی رفتار سے پانچ دس منٹ کی دوری پر ایک بڑا بازار بھی موجود ہوتا ہے جہاں سے ساری ضروریات پوری ہوتی ہیں۔

مذکورہ گاؤں قصبہ اور قریہ جامعہ کے حکم میں ہوگا اور وہاں جمعہ کا نظام قائم ہوگا۔

مولانا سید محمد امین صاحب نصیرآبادیؒ نے عملی اقدام کرتے ہوئے مذکورہ نوعیت کی آبادی والے گاؤں میں خود اپنے متعلقین کے ساتھ چل کر جمعہ کا نظام قائم فرمایا۔

"القريتان المتدانيتان المتصل بناء إحداهما بالأخرى أو التى يرتفق أهل إحداهما بالأخرى فهما كالقرية الواحدة" (موسوعہ فقہیہ ۲۷/۲۷۹)۔

"لو كان موضعان من مصر واحد وقرية واحدة فإنها صحيحة لأنهما متحدان حكما" (شامی، باب صلاۃ المسافر، البحر الرائق، باب صلاۃ المسافر)۔

اور اگر کسی گاؤں میں تنہا مسلمانوں کی چھوٹی آبادی ہو جو تین ہزار سے کم ہو اور دوسرا کوئی گاؤں متصل نہ ہو تو ایسا گاؤں قریہ صغیریہ کے حکم میں ہوگا اور قریہ صغیر میں جمعہ کا نظام نہیں بنایا جاسکتا۔

"لاتجوز فى الصغيرة التى ليس فيها قاض، ومنبر، وخطيب" (شامی باب الجمعۃ)۔

"وكذا لا يصح أداء الجمعة إلا فى المصر، وتوابعه فلاتجب على أهل القرى التى ليست من توابع المصر وإلا يصح أداء الجمعة فيها" (بدائع الصنائع باب الجمعۃ)۔

۳- گاؤں میں شرائط صحت جمعہ نہ پائے جانے کی صورت میں اس مقصد کے پیش نظر کہ گاؤں میں نظام جمعہ عام مسلمانوں کے عام طبقات کو کسی نہ کسی درجہ میں دین سے جوڑ کر رکھے گا، ان کے ایمان کی حفاظت کرے گا اور اس نظام کے واسطے سے دور حاضر کے گمراہ فتنوں سے ان کو آگاہ کیا جاسکے گا، باوجودیکہ مقصد مذکور کے لئے عملی اقدام وقت کا اہم تقاضہ ہے، پھر بھی مطلقا گاؤں میں جمعہ ادا کرنے کی اجازت شرعا نہیں دی جاسکتی، کیونکہ ایسے گاؤں جہاں شرائط صحت جمعہ نہیں پائی جاتی وہاں جمعہ ادا کرنے کی اجازت دینے میں متعدد اعتقادی عملی شرعی قباحتیں لازم آئیں گی، مثلاً:

جمعہ کے فرض نہ ہونے پر اس کے فرض ہونے کا اعتقاد کرنا۔

ظہر فرض ہونے پر اس کے فرض نہ ہونے کا اعتقاد کرنا۔

جمعہ کے قصد سے جو نماز پڑھی جائے گی وہ فرض نہیں بلکہ نفل ہوگی۔

نفل نماز کے لئے اذان واقامت اور جماعت کرنا۔

دن کے نفل میں قرات بالجہر کرنا۔

فرض ظہر مستقلا ذمہ میں باقی رہنا کرنا۔

"**والظاهر أنه أريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة**"(شامی، باب الجمعۃ)۔

"**وأما نوافل النهار فيخفى فيها حتما**"(عالمگیری، واجبات الصلاۃ)۔

"**وفى القنيه: صلاة العيد فى القرى تكره تحريما، ومثله فى الجمعة**"(شامی، باب العیدین)۔

"**ألاترى أنهم لو صلوا فى القرى لزمهم أداء الظهر**"(شامی، باب الجمعۃ)۔

اس لئے عمومی اجازت کے بجائے شرائط صحت کے دائرہ کو عام کیا جائے، تاکہ زیادہ سے زیادہ قریہ پر شرائط کا تحقق ہو سکے، کیونکہ اس میں گنجائش معلوم ہوتی ہے اور جمعہ کے وجوب کو عام کرنا نص کے خلاف ہے اور حضرات صحابہ کرام کے معمول کے خلاف ہے اور ائمہ اربعہ کے مسلک کے خلاف ہے۔

مقصد مذکور کے لئے اس کے علاوہ دیگر مناسب تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں۔

☆☆☆

قیام جمعہ کے لئے مصر کی شرط اور موجودہ حالات

مفتی محمد فاروق قاسمی☆

یہ بات تو جمہور مجتہدین اور ائمہ کے نزدیک مسلم ہے کہ جمعہ کی شریعت اسلامی میں ایک امتیازی شان ہے، اس کو شعائر اسلام میں شمار کیا جاتا ہے، اسی لئے ائمہ مجتہدین نے اقامت جمعہ کے لئے عام فرض نمازوں سے الگ شرطیں لگائی ہیں۔

فقہ حنفی میں ان مخصوص شرطوں میں سے دو اہم شرط جس پر بحث وتحقیق کی ضرورت ہے۔

۱-مصر کا ہونا، اہل قریہ پر جمعہ واجب نہیں، ۲-بادشاہ وقت یا نائب السلطنت کی اجازت ہو جسے اس نے سرداری پر مامور کیا ہو، پس اگر امام نے کسی خطیب کو اپنا قائم مقام بنادیا ہے تو اسے اختیار ہے کہ کسی اور کو اپنا قائم مقام بنادے، فقہی عبارت ملاحظہ ہو:

"**لاتصح الجمعة إلا فی مصر جامع أو فی مصلی المصر ولاتجوز فی القری**" (ہدایہ ۱/۱۶۸ باب صلوۃ الجمعۃ)، سلطان یا مامور سلطان کی شرط کے متعلق ہے:"**ولایجوز إقامتها إلا للسلطان أو لمن أمره السلطان**" (ہدایہ ۱/۱۶۸)، سلطان یا مامور سلطان کی شرط کے بارے میں ہم ضمنا بحث کریں گے، ابھی مرکزی مضمون جمعہ میں مصر کی شرط کے متعلق گفتگو ضروری ہے۔

مصر کی شرط ہونے پر دلیل حضرت علیؓ کا اثر ہے:"**لاجمعة ولاتشریق ولا صلوة فطر ولاأضحی إلا فی مصر جامع أو مدینة عظیمة**" (رواہ ابن ابی شیبہ فی مصنفہ)۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ مصر جامع کی تعریف کیا ہے، اس سلسلے میں مصر جامع کی تعریف دو ملتی ہے۔

۱-مصر جامع ہر اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں امیر اور قاضی ہو جو احکام نافذ کرتا ہو اور حدود قائم کرتا ہو۔

دوسری تعریف: مصر جامع وہ ہے جہاں تمام مسلمان مکلّف اس جگہ کی بڑی مسجد میں نہ سما سکیں، گو وہ کسی مسجد میں

☆ دارالقضاء ناگپور، مہاراشٹرا۔

فی الواقع جمع نہ ہوئے ہوں (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/ ۴۶۹)۔

تمام ائمہ کے نزدیک اتنی بات تو مسلم ہے کہ جنگل (صحراء) میں جہاں آبادی نہیں ہوتی جمعہ جائز نہیں، ورنہ مسافرین کی جماعت جہاں جاتی جمعہ قائم ہوجاتا، حضور ﷺ اور صحابہؓ وتابعین وائمہ نے سفر میں جہاں آبادی نہ ہو جمعہ قائم نہیں کیا، آبادی ہونا ضروری ہے۔

امام شافعی کے نزدیک اقامت جمعہ کے لئے مصر کی شرط نہیں ہے، گاؤں والوں پر بھی جمعہ فرض ہے۔

فقہ حنبلی میں چالیس افراد کی شرکت شرط ہے، فقہ حنبلی کی مشہور کتاب میں ہے: "**الثالث حضور أربعين لقول كعب بن مالک أول من جمع بنا أسعد بن زرارة فی هزم النبيت فی النقيع يقال له: نقيع الخضمات قلت كم انتم يومئذ؟قال أربعون رجلا**" (رواہ ابوداؤد)۔

"**قال ابن جريج قلت لعطاء أكان بأمر النبی ﷺ قال نعم، وقال أحمد بعث النبی ﷺ مصعب بن عمير إلى أهل المدينة فلما كان يوم الجمعة جمع بهم وكانوا أربعين وكانت أول جمعة جمعت بالمدينة وقال جابرؓ مضت السنة إن فی كل أربعين فما فوق جمعة بهم واضحی وفطر**" (رواہ دارقطنی، بحوالہ منار السبیل فی شرح الدلیل فقہ حنبلی)۔

فقہ مالکی کی مشہور کتاب المدونہ میں ہے: "**باب فيمن تجب الجمعة، قال مالک فی القرية المجتمعة التی قد اتصلت دورها كان عليها وال أولم يكن قال أرى أن يجمعوا الجمعة، قلت فهل حد مالک فی عظم القرية حدا؟ قال لا إنه قال مثل المناهل التی بين مكة والمدينة مثل الروحاء وأشباههما قال وقد سمعته غير مرة يقول فی القرى المتصلة البنيان التی يكون فيها الأسواق يجمع أهلها وقد سمعته غير مرة يقول فی القرى المتصلة البنيان يجمع أهلها ولم يذكر الأسواق**" (المدونۃ الکبری۔ کتاب الصلوۃ)۔

"**وقال مالک (فی أهل مصر أو قرية) وقد ساله أهل المغرب عن الخصوص المتصلة وهم جماعة و اتصال تلک الخصوص كاتصال البيوت وقالوا ليس لنا وال؟قال يجمعون الجمعة وإن لم يكن لهم وال، قال وقال مالک فی أهل مصر وقرية يجمع فی مثلها الجامع مات وليهم ولم يستخلف فبقی القوم بلا إمام؟قال إذا حضرت صلوة الجمعة قدموا رجلا منهم فخطب بهم وصلى الجمعة، قال مالک: وكذلک القرى التی ينبغی لأهلها أن يجمعوا فيها الجمعة لا يكون عليهم وال فإنه ينبغی لهم أن يقوموا رجلا فيصلی بهم الجمعة يخطب ويصلی، وقال مالک إن لله فرائض فی أرضه**

لاينقصها شئ إن وليها وال أو لم يلها نحوا من هذا يريد الجمعة، قال: وقال مالک فيمن كان على ثلاثة أميال من المدينة أرى أن يشهدوا الجمعة وقال مالک وإنما أبعد العوالي وبين المدينة ثلاثة أميال" (المدونۃ الکبری للفقہ المالکی- کتاب الصلوۃ ۱/ ۲۳۳، طبع بیروت)۔

خلاصہ یہ کہ نہ امام شافعی اور نہ امام مالک، اور نہ ہی امام احمد بن حنبل کے نزدیک شہر شرط ہے، اور نہ ہی امام یا والی شرط ہے، ہاں کچھ ائمہ کے نزدیک چالیس افراد کا ہونا شرط ہے، جیسا کہ تفصیل سے عبارت میں ذکر ہے۔

خلاصہ:

۱- مصر جامع کی شرط کسی مرفوع روایت یا مسند روایت میں نہیں ہے، ۲- اس اثر میں جس میں مصر جامع کا ذکر ہے، مصر جامع کی کوئی تعریف نہیں ہے، ۳- اس لئے مصر جامع کی یہ تعریف جہاں امیر یا حاکم یا قاضی ہو تنفیذ احکام اور اقامت حدود کرتا ہو، حنفیہ کے نزدیک بھی بہت دشوار ہے، اس لئے اکثر علماء حنفیہ نے دوسری تعریف کو اختیار کیا ہے، ۴- حاکم یا مامور حاکم کی شرط صرف دار الاسلام میں متصور ہے جو حقیقی معنی میں دار الاسلام ہو ورنہ ایسے ممالک جہاں مسلمانوں کی حکومت ہے اور اکثر آبادی مسلمان ہے وہاں یہ بھی متصور نہیں ہے، ۵- ان ممالک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں جیسے ہندوستان وغیرہ، وہاں اس شرط کا فقدان واضح ہے، لیکن جمہور علماء امت یہاں کے شہروں میں اقامت جمعہ کے قائل ہیں، ۶- جو امارت شرعیہ ریاستوں میں قائم ہیں وہ صرف مخصوص مقاصد و مسائل تک محدود ہیں، اقامت جمعہ سے ان کو ذرا بھی واسطہ نہیں نہ ان امارت کا اس میں کوئی دخل ہے، وہ مساجد کی کمیٹی سے انجام دیئے جاتے ہیں، ۷- دیگر فقہی مسالک جیسے فقہ مالکی، شافعی، حنبلی، کے نزدیک مصر جامع کی شرط نہی بلکہ سرے سے مصر کی بھی شرط نہیں، قریہ اور چھوٹی بستی میں بھی جمعہ جائز ہے چاہے والی ہو یا نہ ہو، بعض امام کے نزدیک جھونپڑوں کی آبادی جو مسلسل بنے ہوں اقامت جمعہ صحیح ہے، بعض ائمہ چالیس افراد کی شرط لگاتے ہیں۔

لہذا اس تفصیلی تحقیق کے نتیجہ میں سب سے متحقق بات یہ معلوم ہوتی ہے جو امام مالک نے کہی ہے، یہ اللہ کے فرائض ہیں جس کو کوئی چیز کم اور گھٹا نہیں سکتی۔

اس لئے مصر کی شرط کو مندرجہ بالا امور و دلائل کی وجہ سے نظر انداز کرنا فقہ اسلام کے قریب ہے، نیز وہ تمام حالات اور مصالح دینیہ جو سوال نامے میں ذکر کی گئیں قابل اعتناء ہیں جو اس بات کے متقاضی ہیں کہ گاؤں میں بھی جمعہ قائم کئے جائیں، اس سے کئی فائدے حاصل ہوں گے۔

۱-جمعہ کی اہمیت، اس کی تیاری، غسل وغیرہ کا ثواب، مسجد میں پہلے جانے کے فضائل، دعاء میں رغبت کرنا وغیرہ، یہ سب اقامت جمعہ کے ذریعہ ہی ہوسکتا ہے۔

۲-مسلمانوں کی اجتماعیت جس سے ان کے دینی، سماجی وسیاسی، تعلیمی وسیاسی، سب مسائل وابستہ ہیں اقامت جمعہ سے پورے ہوسکتے ہیں۔

تجویز: بڑے گاؤں میں جمعہ قائم کئے جائیں، اگر چھوٹا گاؤں ہو جہاں کے نمازی ۴۰ یا ۵۰ ہوجاتے ہوں وہاں بھی جمعہ جائز ہی نہیں بلکہ قائم کرنے کی سعی کی جائے اور مقامی علماء ومفتیان کرام کو حالات وتقاضے سے آگاہ کرکے اس میں فتوی دینے میں لچک پیدا کرنے کے لئے کہا جائے، اس سلسلے میں بڑے ادارے جن کے فتاوی ملک میں بڑے احترام و عقیدت سے دیکھے جاتے ہیں اور عوام اس کی پابندی کرتی ہیں، ان سے رابطہ کرکے اس بارے میں کوئی کوشش کی جائے، میری ذاتی رائے چھوٹے گاؤں میں اقامت جمعہ کے جواز کی ہے، ہاں جہاں دو تین گھر مسلمان کے ہیں کوئی مسجد نہیں ہے وہاں جمعہ قائم کرنا آسان نہیں ہے، وہاں کی بستی والے کسی بڑے گاؤں میں جہاں جمعہ قائم ہوتا ہے یا ہوسکتا ہے وہاں جمعہ پڑھ لیں اور وہ بستی زیادہ سے زیادہ تین میل کے فاصلے پر ہو۔

☆☆☆

جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط موجودہ حالات کے پس منظر میں

مفتی عبدالسلام قاسمی☆

حیثیت جمعہ:

جمعہ شعائرِ اسلام میں سے ہے، جمعہ اہل اسلام کی اجتماعیت کا مظہر ہے اور بحکم شرع مسلمانوں پر اس کی ادائیگی فرض ہے، آیات وروایات کثیرہ اس پر مؤید ہیں۔

"عن تميم الدارى رضى الله عنه ﷺ قال: "الجمعة واجبة إلا على صبى أو مملوك أو مسافر" (فتح القدیر ۲/۴۸)۔

"الحديث المشهور: وهو ماروى عن النبى ﷺ أنه قال: إن اللّٰه عز وجل فرض عليكم الجمعة فى مقامى هذا، فى يومى هذا، فى شهرى هذا، فى سنتى هذه، فمن تركها فى حياتى أو بعد مماتى استخفافاً بها وجحوداً عليها وتهاونا بحقها وله إمام عادل أو جائر فلا جمع اللّٰه شمله ولا بارک له فى أمره ألا لا صلاة له، ألا لا زكاة له، ألا لا حج له، ألا لا صوم له إلا أن يتوب، فمن تاب تاب اللّٰه عليه" (بدائع الصنائع للکاسانی ۱/۵۷۸)۔

درمختار میں ہے: **"هى فرض عين يكفر جاحدها لثبوتها بالدليل القطعى كما حققه الكمال وهى فرض مستقل آكد من الظهر"** (ردالمحتار علی الدرالمختار ۳/۵)۔

بعہد نبوی ﷺ قیام جمعہ کا پس منظر:

اقامت جمعہ کے پس منظر پر غور کرنے اور عہد نبوی کے جائزہ سے یہ بحث بے غبار ہوسکتی ہے کہ قیام جمعہ کے لئے مصر ہونا شرط ہے یا اس کے حکم میں تسہیل وگنجائش ہے۔

☆ خادم حدیث وفقہ وشعبہ افتاء دارالعلوم پوکرن راجستھان۔

چنانچہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ رقم طراز ہیں:

''روایاتِ معتبرہ صحیحہ سے یہ امر ثابت ہے کہ فرضیت نماز جمعہ مکہ معظّمہ میں قبل ہجرت کے ہو چکی تھی، مگر جناب رسول اللہ ﷺ کو مکہ معظّمہ میں اقامت جمعہ کی بسبب غلبۂ کفار کے قدرت نہ تھی۔

لہذا اقامتِ جمعہ سے عاجز رہے، لیکن اہل مدینہ کو آپ ﷺ نے واسطے اقامت جمعہ کے امر فرمایا تھا، اور حسب حکم آپ ﷺ کے مدینہ طیبہ میں جمعہ ہوا اور تا مقدم رسول اللہ ﷺ وہاں جمعہ جاری رہا۔

چنانچہ شوکانی نیل الاوطار میں فرماتے ہیں: ''**وذلک أن الجمعة فرضت علی النبی صلی اللّٰه علیه واله وسلم وهو بمكة قبل الهجرة ۔ كما أخرجه الطبرانی ،عن ابن عباسؓ فلم يتمكن من إقامتها هنالک من أجل الكفار، فلما هاجر من هاجر من أصحابه إلی المدينة كتب إليهم يأ مرهم أن يجمعوا فجمعوا**''۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جمعہ کی فرضیت مکۃ المکرّمہ میں ہی ہو چکی تھی، لیکن بسبب شہر نہ ہونے کے نبی ﷺ نے جمعہ کو قائم نہیں فرمایا، اور جب آپ ﷺ مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے تو اول جمعہ جو آپ ﷺ کو وہاں ہوا، آپ ﷺ نے نمازِ جمعہ ادا فرمائی اور اس وقت تک آیتِ جمعہ ہرگز نہ نازل ہوئی تھی، بلکہ ایک مدت کے بعد نازل ہوئی ہے۔

آیتِ جمعہ: ''**یا أیها الذین آمنوا إذا نودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعوا إلی ذکر اللّٰه**'' مدنی ہے اور فرضیتِ جمعہ اس سے پیشتر مکہ میں ہو چکی تھی۔

لیکن شہر نہ ہونے کی وجہ سے آپ علیہ السلام نے وہاں جمعہ قائم نہیں فرمایا۔

واضح رہے کہ اس آیت کے نزول سے امت پر فرضیتِ جمعہ کی ابتداء نہیں ہوئی بلکہ آیت کریمہ کا نزول فرضیت جمعہ کے بعد ہوا، بہت سے احکام اس قبیل سے ہیں کہ اول حکم نازل ہو گیا، اور آیت اس باب میں بعد میں نازل ہوئی، یہ آیت بھی اسی قسم میں داخل ہے، چنانچہ ''اتقان'' میں ہے:

''**النوع الثانی عشر: ما تأخر حكمه عن نزوله وماتأخر نزوله عن حكمه إلی أن قال ومن أمثلته أيضا : آية الجمعة ، فإنها مدنية والجمعة فرضت بمكة إلی آخر ما قال**''۔

جو علماء فرماتے ہیں کہ ہجرت کے بعد اس آیت کے ذریعہ مدینہ طیبہ میں فرضیت جمعہ ہوئی، اس سے اگر ان کی مراد یہ ہو کہ جس آیت سے ہمیں فرضیت جمعہ کا حکم معلوم ہوا وہ مدینہ میں نازل ہوئی تو ان کا قول درست ہے اور اگر مراد یہ ہو کہ

فرضیتِ جمعہ اس آیت کے ذریعہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں ہوئی تو اہل بصیرت پر واضح ہے کہ یہ رائے خلاف واقع ہے۔

الحاصل محقق ہوگیا کہ فرضیت جمعہ مکہ معظّمہ میں ہوچکی تھی، اور مکہ میں اقامتِ جمعہ سے تعذر رہا اور مدینہ طیبہ میں کہ مصر تھا اور مسلمانوں کو تمکن اقامت جمعہ کا تھا جمعہ بامر رسول اللہ ﷺ جاری رہا اور جو مواقع محلِ اقامت جمعہ نہ تھے مثل عوالی، قبا وغیرہ وہاں جمعہ جاری نہیں ہوا، حالانکہ وہاں بہت بہت مسلمان مقیم تھے، اور نہ کبھی بعد میں وہاں جمعہ پڑھا گیا'' (اوثق العریٰ فی تحقیق الجمعۃ فی القریٰ، ماخوذ از صفحہ ۱۸ رتا ۲۰)۔

سطورِ بالا سے معلوم ہوا کہ عہدِ نبوی میں مصر کے علاوہ مقام پر جمعہ قائم نہیں کیا گیا۔

اشتراطِ مصر برائے اقامتِ جمعہ:

حاشیہ ہدایہ میں ہے: ''**روی عبد الرزاق عن علی موقوفا : "لا تشریق ولا جمعة إلا فی مصر جامع" وإسناده صحیح**'' (ورواہ ابن أبی شیبۃ مثلہ، ہدایہ ۱ ۲۶۶، مطبوعہ ادارۃ الصدیق ڈابھیل گجرات)۔

حضراتِ فقہا نے جمعہ کی درستگی کے لئے چند شرطیں بیان کی ہیں: ''**وھی: المصر الجامع ، والسلطان ، والجماعة، والخطبة ، والوقت ، والإظہار (الإذن العام)**'' (البنایۃ فی تحقیق الہدایۃ)۔

جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے ایک اہم شرط احناف کے نزدیک ''شہر ہونا'' ہے، یعنی جمعہ ایسی جگہ درست ہوگا، جو دیہات نہ ہو شہر ہو، یہاں یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ جمعہ کا حکم ہر جگہ اور ہر مقام کے لوگوں کے لئے عام ہو، ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔

حنفیہ کی رائے ہے کہ جمعہ کا انعقاد شہر میں درست ہوگا، البتہ مضافات شہر (فناء) بھی شہر ہی کے حکم میں ہے اور اس میں بھی جمعہ ادا کرنا جائز ہے، لیکن خود احناف کے نزدیک اس بارے میں خاصا اختلاف ہے کہ شہر (مصر) کا اطلاق کس طرح کی آبادی پر ہوگا؟

اس سلسلہ میں متداول اقوال ذکر کئے جاتے ہیں:

(۱) قاضی ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ وہ جگہ جہاں ہر پیشہ وخدمت کا آدمی موجود ہو، عام انسانی ضروریات کی چیزیں موجود ہوں اور قاضی بھی موجود ہو، جو اسلامی سزا بھی جاری کرتا ہو۔

(۲) جس کی معمولی آبادی دس ہزار ہو۔

(۳) جہاں دس ہزار ایسے لوگ ہوں جو جنگ کے کام آئیں۔

(۴) جہاں امیر وقاضی موجود ہوں۔

(۵)اس آبادی کے لوگ وہاں کی بڑی مسجد میں اکھٹے ہوجائیں تو مسجد ان کے لئے ناکافی ہو۔

(۶)ایسا مرکز ہو کہ ایک پیشہ ور کسی اور پیشہ میں لگے بغیر ایک سال تک صرف اپنے پیشہ سے زندگی بسر کر سکے۔

(۷)امام محمدؒ سے مروی ہے کہ امیر جس کو شہر قرار دیدے وہ شہر ہے۔

(۸)امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ جہاں مفتی وامیر اور قاضی موجود ہوں، احکام وحدود قائم ہوں یا کم ازکم قائم کئے جاسکتے ہیں اور اس کے مکانات منیٰ کے برابر ہوں۔

(۹)حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں مکہ ومدینہ کی جو کیفیت تھی، جو جگہ اس کے مطابق ہو وہ شہر ہے۔

(۱۰)جہاں کی آبادی چار ہزار ہو۔

(۱۱)جہاں کی آبادی ایک ہزار ہو(قاموس الفقہ ۳/۱۲۷)۔

دورِ حاضر میں مصر کا مصداق کیا ہوسکتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ مصر(شہر) ان اصطلاحات میں سے ہے کہ کتاب وسنت میں اس کی تحدید وتعیین نہیں کی گئی ہے؛ اس لئے اس کا مدار ''عرف'' پر ہے، قوموں کے عرف میں جس زمانہ میں جو جگہ شہر کہلائے اور حکومت کی طرف سے جس کو شہر کی حیثیت دی جائے وہی ''شہر'' ہے۔

مناسب ہوگا کہ کسی ایک تعریف کے الفاظ پر حکم کو منحصر نہ کیا جائے، بلکہ متعدد تعریفوں کے مفہوم ومقصد کو سامنے رکھتے ہوئے اقامتِ جمعہ کے جواز یا عدمِ جواز کا حکم لگایا جائے، کیونکہ یہ تعریفات محض علامات ونشانیوں کا اظہار ہے، جیسا کہ اوپر تفصیل سے تحریر کردیا گیا ہے۔

باقاعدہ مسلم آبادی ودیہات میں جمعہ کا حکم:

بخاری میں ہے:''**عن عروة بن الزبير عن عائشةؓ زوج النبى صلى الله عليه وسلم قالت : كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم والعوالى**''(صحیح بخاری ۱/۱۲۳)۔

" قال العلامة ابن حجر فى شرحه قال القرطبى: فيه رد على الكوفيين حيث لم يوجب الجمعة على من كان خارج المصر ، كذا قال – وفيه نظر : لأنه لو كان واجبا على أهل العوالى ما تناوبوا ولكانوا يحضرون جميعا"۔

سبحان اللہ! ابن حجر مرحوم نے کیا انصاف اور دیانت کی بات فرمائی کہ باوجودِ تصلب اپنے مذہبِ شافعی کے حق کو ظاہر کر گئے کہ اہلِ قری پر جمعہ کی فرضیت قطعی طور پر اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتی۔

جیسا کہ قرطبی کو غلطی ہوئی، بلکہ وہ مان گئے کہ اس حدیث سے اہل قری پر جمعہ فرض نہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

مگر ہاں! اتنی کمی رہی کہ ابن حجر بنظر انصاف یہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے قریہ میں جمعہ کا ادا نہ ہونا بھی ثابت ہے، ورنہ باقی ماندگانِ عوالی اپنے قری میں جمعہ ادا کیا کرتے، اس واسطے کہ جمعہ کے فضائل اور کثرتِ ثواب جوان کے دلوں میں رچا ہوا تھا، تو تمام عمر اس سے محرومی کیونکر گوارہ کرتے۔

بلکہ صحابۂ کرام بنظر ان کی کثرتِ حرص حسنات ومسابقت الی الخیرات ایک جمعہ کا ترک بھی گوارہ نہ فرماتے، اور خود رسول اللہ ﷺ جو ارحم الناس اپنے صحابہؓ پر تھے، اور نوافل وسنن وفضائل ومستحبات کے لئے ان کو امر ندب فرماتے رہتے تھے، اس کا بھی ضرور امر فرماتے، حالانکہ کہیں اس کا پتہ نہیں، اس سے خود ہویدا ہے کہ قریہ محلِ اقامتِ جمعہ بھی نہیں ہے، چہ جائیکہ ان پر فرض ہوتا ہے (اوثق العری فی تحقیق الجمعۃ فی القریٰ)۔

اہلِ قریٰ صغیرہ کے حفاظتِ ایمان کی فکر انگیزی وطریقۂ کار:

امر لابدی ہے کہ دور افتادہ بستیوں میں رہائش پذیر ناخواندہ یا کم خواندہ مسلمانوں کے ایمان کا تحفظ ہو اور ضال ومضل فرق سے انہیں آگاہ وباخبر کیا جائے اور ان میں دینی شعور پیدا کرنے کی کامیاب پیش رفت کی جائے، اس سلسلہ میں عرض ہے کہ یہ کام قیامِ جمعہ کے سواء دیگر طریقوں سے بھی ممکن ہے، ہر علاقہ کے اہلِ علم اور دین کی واقفیت رکھنے والے حضرات، نیز دعوت وتبلیغ سے وابستہ احباب اور بالخصوص اہلِ مدارس اپنے مدرسین ومبلغین کے ذریعہ احیاءِ دین واشاعت دین کی مرتب کوشش کے لئے انفرادی یا اجتماعی، یومیہ یا ہفتہ واری یا پھر ہفتہ میں ایک سے زائد مرتبہ کا کوئی ٹھوس نظام طے کرلیں جس سے کہ عامۃ المسلمین کے بے دینی کی شرح کم سے کم تر ہوجائے اور وہ جذباتِ ایمانی سے سرشار ہوں۔

☆☆☆

اقامت جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط

مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی آواپوری☆

۱- جمعہ کے سلسلے میں حنفیہ کا مسلک برحق اور برمحل ہے، اس میں شک وشبہ کی ضرورت نہیں ہے، عصر حاضر میں مصر ہونے کی شرط کی بنا پر کچھ الجھن اور پریشانی ضرور لاحق ہوتی ہے، مگر اس پر عمل کرنے کے لئے آگے بڑھنے میں کوئی دشواری حائل نہیں ہے، اپنے دین وایمان کے تحفظ کے لئے مصر ہونے کی شرط سے صرف نظر کرتے ہوئے ہر جگہ جمعہ کی نماز قائم کر سکتے ہیں۔

عصر حاضر میں ہندوستان کا ہر شہر بڑا ہو یا چھوٹا، ہر قریہ جامعہ ہو یا غیر جامعہ، ہر حال میں ہر جگہ قیام جمعہ کے لئے اہتمام وانتظام کر کے جمعہ کی نماز ادا کرنے کی اجازت ہے، یہ دور اکتشافات واختراعات اور ایجادات وٹکنالوجی کا ہے، اس لئے یہاں کا ہر شہر اور ہر قصبہ اور ہر گاؤں مصر کی تعریف میں شامل ہے، درحقیقت جمعہ بہت سے ناخواندہ اور کم خواندہ مسلمانوں کے لئے ایمان کے تحفظ کا ذریعہ بھی ہے، اس کا ایک بہتر پہلو بھی ہے کہ جمعہ کی نماز فی الجملہ مسجد سے اور مسجد کے واسطہ سے دینی ومذہب سے ان کے رشتہ کو استوار رکھتی ہے، جمعہ میں ان کو دینی باتیں سننے اور سمجھنے کا موقع مل جاتا ہے اور اس ہفتہ وار وعظ ونصیحت کے تسلسل سے ان کے مزاج میں بھی مثبت تبدیلی آتی ہے، جب وہ دوسرے مسلمان بھائیوں سے ملتے ہیں تو مسلم معاشرہ کا حصہ ہونے کا تصور ان کے ذہنوں میں راسخ ہوتا ہے، نیز ارتداد کے فتنوں سے بچانے میں بھی جمعہ کا اجتماع بہت اہم کردار ادا کرتا ہے (موسوعہ فقہیہ ۲۷/۱۹۶، نیل الاوطار شرح منتقی الاخیار من احادیث ۳/۲۵۹ تا ۲۶۳، معارف القرآن ۸/۳۴۰ تا ۴۴۴)۔

جمعہ کا اہتمام عرب میں قبل از اسلام بھی کعب بن لوئی کے زمانہ میں ہو چکا تھا، اور اس دن کا نام جمعہ رکھنا بھی ان ہی کی طرف منسوب ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ انصار مدینہ نے قبل از ہجرت فرضیت جمعہ نازل ہونے سے پہلے اپنے اجتہاد سے جمعہ

☆ شکر پور بھروارہ، دربھنگہ بہار۔

کے روز جمع ہونے اور عبادت کرنے کا اہتمام کر رکھا تھا (معارف القرآن ۸/ ۴۴۰)۔

عصر حاضر میں ہندوستان کے ہر شہر، ہر قصبہ، ہر گاؤں میں گلی کوچے، بازار اور قاضی ہیں، دنیاوی زندگی گزارنے کے جو طریقے ہیں وہ سب یہاں پائے جاتے ہیں، موجودہ حالات میں مصر کی تعریف خود بہ خود ہوگئی ہے، اس لئے اس کے اطلاق کا دائرہ وسیع تر ہوتا چلا جائے گا، اب بلا تردد کے ہندوستان کے ہر شہر، ہر قصبہ، ہر گاؤں میں جمعہ کی نماز ذوق وشوق سے پڑھی جائے، ان تمام معروضات کی روشنی میں میری رائے ہے کہ یہاں اب رکاوٹ ومانعت حائل نہیں ہوسکتی ہے بلاخوف وخطر نماز جمعہ ہر جگہ پڑھی جاسکتی ہے اور اب ہر جگہ جمعہ کا قیام آسان ہے (نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار بن احادیث سیل الاخیار ۳/ ۲۵۹ تا ۲۶۳، امام محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی، موسوعہ فقہیہ ۲۷/ ۱۹۶)۔

۲- جہاں مسلمانوں کی باقاعدہ آبادی ہو چاہے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو، نماز باجماعت کا مسجد کے ساتھ یا مسجد کے بغیر نظام ہو تو ایسی صورت حال میں عصر حاضر کا تقاضا یہی ہے کہ وہاں جمعہ کا نظام بنایا جائے، تاکہ ناخواندہ اور کم خواندہ مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کا ذریعہ ہوجائے اور مذہب اسلام پر استقلال اور دوام کے ساتھ گامزن رہنے کی توفیق کامل نصیب ہوجائے اور باطل فرقوں کے جادوں سے محفوظ رہ سکیں۔

ارشاد باری تعالی ہے: "**وأوحينا إلى موسى وأخيه أن تبوا لقومكما بمصر بيوتا واجعلوا بيوتكم قبلة واقيموا الصلوة وبشر المومنين**" (سورۂ یونس: ۸۷) (اور ہم نے موسی اور ان کے بھائی ہارون کے پاس وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنے ان لوگوں کے لئے بہ دستور مصر میں گھر برقرار رکھو اور نماز کے اوقات میں تم سب اپنے انہیں گھروں کو نماز پڑھنے کی جگہ قرار دے لو اور یہ ضرور ہے کہ نماز کے پابند رہو اور اے موسی آپ مسلمانوں کو بشارت دے دیں)۔

"**عن سعيد بن أبى بردة عن أبيه عن جده أن النبى ﷺ بعث معاذاوأباموسى إلى اليمن فقال يسراولاتعسراوبشراولاتنفراوتطاوعاولاتختلفا**" (بخاری ۱/ ۴۲۶ کتاب الجہاد، باب ما یکرہ من التنازع والاختلاف فی الحرب، مسلم ۲/ ۸۲، کتاب الجہاد والسیر، باب تامیر الامام الامراء علی البعوث الخ)۔

(حضرت سعید بن ابی بردہؓ اپنے والد اور اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاذؓ اور حضرت ابوموسی اشعریؓ کو یمن روانہ کرتے وقت یہ ارشاد فرمایا: تم دونوں رعایا کے ساتھ آسانی کا معاملہ کروگے اور سختی کا معاملہ نہ کروگے اور ان کو خوش رکھوگے اور نفرت نہ دلاؤ گے اور ان کے ساتھ اتفاق رکھوگے اور اختلاف نہ کروگے)، اس سے یہ بات الم نشرح ہوگئی کہ سربراہ کو عوام ورعایا کے ساتھ نرمی سے پیش آنا چاہئے۔

۳- عصر حاضر کے پیش نظر گاؤں میں جمعہ کی نماز ادا کرنے کی اجازت اس مقصد کے پیش نظر دی جاسکتی ہے کہ یہ نظام عام مسلمانوں اور مسلمان کے عام طبقات کو بہر حال کسی نہ کسی درجہ میں دین سے جوڑ کر رکھے گا، ان کے ایمان کی حفاظت کرے گا اور اس کے واسطے سے آج کے گمراہ فتنوں سے ان کو آگاہ کیا جاسکے گا بالخصوص فتنہ قادیانیت، فتنہ شکیلیت وغیرہ۔

ارشاد باری تعالی ہے: "**ومن يبتغ غير الاسلام دينا فلن يقبل منه وهو فى الآخرة من الخاسرين**" (سورۂ آل عمران: ۸۵) (اور جو کوئی چاہے سوائے دین اسلام کے اور کوئی دین سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں خراب ہے)۔

☆☆☆

جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط کا اعتبار

مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی ☆

۱- موجودہ حالات میں ساری دنیا ایک گاؤں یا ایک شہر کی طرح ہوگئی ہے، ذرائع مواصلات کی کثرت ہوگئی، شہروں اور گاؤں کے درمیان اب بہت زیادہ فرق نہیں رہا، فرق صرف اتنا ہے کہ شہروں میں دس، بیس، تیس، پچاس اور سو منزلہ عمارتیں ہوتی ہیں اور دیہاتوں میں عام طور سے مکانات یک منزلہ، دو منزلہ یا تین منزلہ ہوتے ہیں، شہروں میں بڑی بڑی دکانیں، شاپنگ مال وغیرہ ہوتے ہیں، اور دیہاتوں میں چھوٹی چھوٹی دکانیں ہوتی ہیں۔

اب ہر جگہ ضروریات زندگی مل جاتی ہیں، ایسے حالات میں مصر کی مندرجہ ذیل تعریف مناسب اور بہتر ہے:

''ہر گاؤں بھی مصر ہے، صرف وہ جنگل اور بیابان مصر نہیں ہیں جہاں مستقل یا غیر مستقل طور پر انسان آباد نہ ہوں''۔

اگر کسی جنگل اور بیابان میں بھی کسی خاص جگہ پر چار مسافر مسلمان پندرہ دن کی اقامت کی نیت کرلیں تو ان پر جمعہ کی نماز واجب ہوگی۔

یہ حکم حنفی مذہب کے لحاظ سے ہے، احناف کے نزدیک نماز جمعہ کے قیام کے لئے صرف چار افراد، ایک امام اور تین مقتدی کا ہونا کافی ہے، اور پندرہ دن سے کم کی اقامت کی نیت کرنے والے مسافر پر جمعہ کی نماز واجب نہیں ہے۔

اس صورت میں شوافع اور حنابلہ کے مسلک کی رو سے مسئلہ یہ ہوگا کہ اگر کسی جنگل اور بیابان میں بھی کسی خاص جگہ پر چالیس مسافر مسلمان چار دنوں کی نیت کرلیں تو ان پر جمعہ کی نماز واجب ہوگی۔

اور جب شرعی مسافر پر جنگل اور بیابان میں جمعہ کی نماز واجب ہوگی تو مقیم پر بدرجہ اولی واجب ہوگی۔

۲- جہاں بھی مسلمانوں کی باقاعدہ آبادی ہو چاہے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو، خواہ وہاں مسجد ہو یا نہ ہو، نماز جمعہ کا نظام بنانا واجب ہے، تاکہ نماز جمعہ کے ذریعہ مسلمانوں کے ایمان کا تحفظ کیا جاسکے، اور دعوت دین کے دائرے کو وسیع کیا جاسکے۔

جس گاؤں میں بھی چار بالغ مسلمان مرد ہوں اور وہاں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی ہو، اور ان کا گاؤں اس گاؤں یا شہر

☆ استاذ حدیث وفقہ، جامعہ اسلامیہ شانتاپورم، کیرالا۔

سے ایک میل شرعی (ایک کلومیٹر آٹھ سو اٹھائیس میٹر اور اسی سینٹی میٹر 1828.80 میٹر) کی دوری پر ہو، تو ان پر دو کاموں میں سے ایک کام واجب ہوگا، قریب کے جس گاؤں یا شہر میں جمعہ کی نماز ہو رہی ہو وہاں جا کر جمعہ کی نماز پڑھیں یا اپنے گاؤں میں نماز جمعہ قائم کریں، بہتر یہ ہے کہ اپنے گاؤں میں نماز جمعہ قائم کریں، تاکہ مراکز دین کی کثرت ہو اور مسلمانوں میں زیادہ سے زیادہ دینی شعور بے دار ہو، ایک میل دور جانے میں وقت اور پیسے کی ضرورت پڑے گی، اور بہت سے کم ایمان والے مسلمان تنگی وقت، قلت مال اور بخل کی وجہ سے ایک میل (تقریبا دو کیلومیٹر) دور جمعہ کی نماز پڑھنے نہیں جائیں گے، اور جمعہ کی نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے بہت ساری محرومیوں اور بے برکتی کا شکار ہو جائیں گے۔

ایمان کا تحفظ واجب ہے، مسلمانوں میں دینی شعور پیدا کرنا واجب ہے، اور جو چیز بھی ایمان کے تحفظ کا ذریعہ ہوگی وہ چیز بھی واجب ہوگی۔

۳- تمام مسلمانوں اور مسلمانوں کے عام طبقات کو کسی نہ کسی درجے میں دین سے جوڑے رکھنے کے مقصد سے اور ان کے ایمان و یقین کی حفاظت کے عظیم مقاصد کے پیش نظر گاؤں میں جمعہ کی نماز ادا کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے، بلکہ میں اسے واجب سمجھتا ہوں۔

☆☆☆

موجودہ صورتحال میں جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط

مولانا ارشد عطاء اللہ غوری☆

مسلم معاشرہ میں جمعہ کے دن کی بڑی اہمیت ہے، اور اس دن کا اہم ترین فریضہ نماز جمعہ ہے، چونکہ نماز جمعہ کی فرضیت قرآن واحادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے، اس لئے امت مسلمہ بھی نماز جمعہ کو بڑے اہتمام اور پابندی کے ساتھ ادا کرتی رہی ہے، مگر جس طرح نماز جمعہ کی فرضیت پر تمام امت کا اتفاق ہے، اسی طرح اس بات پر بھی تمام امت کا اتفاق ہے کہ یہ نماز جمعہ عام نمازوں کی طرح نہیں ہے کہ آبادی ہو یا جنگل، جماعت سے ہو یا تنہا ہر طرح پڑھنے سے ادا ہوجائے، بلکہ نماز جمعہ کے قیام کے لئے کچھ شرائط بھی ہیں، جیسا کہ علامہ حافظ ابن قیم حنبلیؒ لکھتے ہیں:

"الحارية والعشرون من خصائص يوم الجمعة إن فيه صلوة الجمعة التى خصت من بين سائر الصلوات المفروضة بخصائص لاتوجد فى غيرها" (زادالمعاد ۱/ ۳۸۴)۔

اسی طرح علامہ عبدالرحمٰن الجزیریؒ اپنی کتاب "الفقہ علی المذاہب الأربعۃ" میں لکھتے ہیں:

"ولكن للجمعة شروط زائدة على شروط الصلاة المتقدمة" (کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعۃ ۱/ ۳۷۶)۔

البتہ ان شرائط میں فقہاء کرام کے درمیان اختلافات پائے جاتے ہیں، منجملہ ان شرائط کے نماز جمعہ کے قیام کے لئے ایک اہم شرط مصر یا قریہ جامعۃ کا ہونا بھی ہے، اور اس شرط پر تقریباً تمام فقہاء کرام کا اتفاق بھی ہے، جیسا کہ علامہ عینیؒ 'شرح الہدایۃ' میں لکھتے ہیں:

"لاتقام الجمعة فى المفازة عند الأئمة الأربعة" (عینی شرح الہدایہ ۳/ ۸۱)۔

اسی طرح علامہ ابوبکر جصاصؒ اپنی کتاب احکام القرآن میں لکھتے ہیں: **"واتفق فقهاء الأمصار على أن الجمعة مخصوصة بموضع لايجوز فعلها فى غيره، لأنهم مجمعون على أن الجمعة لاتجوز فى**

☆ جیسلمیر، راجستھان۔

البوادی ومناهل الأعراب''(احکام القرآن للجصاص ۳/ ۵۹۵)۔

ان تمام کی اصل حضرت علیؓ کی روایت ہے:''**لاجمعة ولاتشریق إلا فی مصر جامع**'' (نصب الرایہ ۳/ ۱۹۵)۔

مگر مصر یا قریہ جامعہ سے کیا مراد ہے یہ اس روایت میں متعین نہیں ہے، اس لئے فقہاء کرام نے اپنے اپنے ذوق ومزاج اور اپنے عہد کے عرف کو ملحوظ رکھتے ہوئے مصر کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی ہے، جس کی وجہ سے مصر کی تعریف میں کافی اختلاف ہوگیا ہے، اور تقریباً وہ سب تعریفات اب سے کئی صدیاں پہلے کی ہیں، اور وہ تمام تعریفات اس زمانے کی ہیں جب یا تو باقاعدہ اسلامی حکومتیں تھیں، یا اسلام کے غلبہ کا دور تھا، اب چونکہ عرف بھی کافی بدل چکا ہے، اور حالات بھی پہلے جیسے نہیں رہے، اس لئے پہلے کی تعریفات موجودہ حالات اور عرف سے مطابقت نہیں رکھتی، جیسا کہ صاحب کنز الدقائق نے مصر کی تعریف کچھ اس طرح بیان کی ہے:

''**شرط أدائهاالمصر وهو كل موضع له أمير وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود أو مصلاه الخ**''(کنز الدقائق مع البحر الرائق ۲/ ۱۵۱، ۱۵۲، طبع بیروت)۔

اگر اس تعریف کو سامنے رکھا جائے تو دنیا کے آدھے سے زیادہ لوگوں سے جمعہ ساقط ہوجائے گا، کیونکہ اب اسلامی حکومت تو ہے نہیں کہ وہ ہر شہر میں ایک امیر اور قاضی متعین کرے، بلکہ یہ سیکولرزم کا دور ہے کہ پورے ملک میں ایک بھی امیر یا قاضی حکومت کی طرف سے متعین نہیں ہوتا ہے، اور صاحب الدر المختار نے مصر کی تعریف کچھ اس طرح بیان کی ہے:''**المصروهو مالا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها**'' (الدر المختار مع رد المحتار ۳/ ۵)۔

اور علامہ عبد الرحمٰن الجزیریؒ نے بھی احناف کی طرف سے بالکل اس سے ملتی جلتی یہ تعریف کی ہے:''**أن المصر مالايسع أكبر مساجده أهله المكلفين بصلاة الجمعة، ولولم يحضروا بالفعل**''(کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعۃ ۱/ ۳۷۷)۔

اگر ان تعریفات کو سامنے رکھ کر نماز جمعہ کے قیام کے لئے بنیاد بنایا جائے تو بہت سے ایسے دیہاتوں میں بھی نماز جمعہ کے قیام کا حکم لگایا جائے گا جو عرفاً بھی دیہات یا موضع وغیرہ کہلاتے ہیں اور حقیقتاً بھی وہ دیہات یا موضع وغیرہ ہوتے ہیں، کیونکہ ان میں اکثر ضروریات زندگی کا بھی سامان نہیں ملتا، اسی طرح صاحب تاتارخانیہ نے مصر کی تعریف ایک یہ بھی کی ہے:''**كل موضع يسكن فيه عشرة آلاف نفر**''(الفتاوی التاتارخانیہ ۲/ ۵۴۷)۔

اس تعریف کو نماز جمعہ کے قیام کے لئے بنیاد بنایا جائے تو بہت سے بڑے بڑے گاؤں جو قریہ جامعہ کی حیثیت تو رکھتے ہیں مگر ان کی آبادی دس ہزار نہ ہونے کی وجہ سے وہاں کے باشندے بھی نماز جمعہ سے محروم ہوجائیں گے، غرض یہ کہ یہ

تمام تعریفات کئی صدیاں پہلے اور غلبہ اسلام کے دور کی ہیں، لہذا موجودہ عرف کے اعتبار سے مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کی تعریف زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے، جوانہوں نے ایک سوال کے جواب میں فرمائی ہے:

''جن حوائج کے بغیر وہاں کے رہنے والوں کی معاشرت دشوار ہوجائے، غلہ، کپڑا، دوا، برتن وغیرہ کہ ان کی مستقل دکانیں ہوں، اور یہ چیزیں ہمیشہ ملتی ہوں، آس پاس کے دیہات کے لوگ بھی وہاں سے اپنی حوائج کا انتظام کرتے ہوں، حکیم یا ڈاکٹر ہو، ڈاکخانہ ہو، مدرسہ، اسکول ہو، کچہری یا پنچایتی نظام نزاعات کا فیصلہ کرنے کے لئے ہو'' (فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۲۲)۔

اگر یہ آبادی ایسی بستی میں آباد ہے جو باقاعدہ مصر یا قریہ جامعہ ہے تب تو وہاں لازمی طور پر جمعہ کا نظام بنانا پڑے گا، جیسا کہ البحر الرائق میں ہے:''**شرط أدائها المصر**''(البحر الرائق ۴/ ۲۴۵)، اسی طرح الدرالمختار میں ہے:''**ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول المصر**''(الدرالمختار مع الردالمحتار ۳/ ۵)۔

اور اگر یہ آبادی کسی ایسی چھوٹی بستی میں آباد ہے جو باقاعدہ مصر یا قریہ جامعہ نہیں ہے تو وہاں نماز جمعہ کے قیام کا نظام بنانا درست نہ ہوگا، حضرت علیؓ کی روایت''**لاجمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع**'' (نصب الرایہ ۲/ ۱۹۵) کی وجہ سے، اسی طرح ردالمحتار میں علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:

''**لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض، ومنبروخطيب كما في المضمرات**'' (ردالمحتار ۳/ ۷)۔

اور علامہ ابن نجیم مصریؒ البحر الرائق میں لکھتے ہیں:''**حتى لاتصح في قرية أو مفازة**''(البحر الرائق ۲/ ۱۵۱، طبع بیروت)۔

لوگوں کے ایمان کی حفاظت یہ دنیا کے اہم ترین کاموں میں سے ہے اور اس کی ذمہ داری تمام مسلمانوں اور علماء پر خصوصا عائد ہوتی ہے کہ وہ عام مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کے لئے ہر ممکن اقدام کرے، اور عام مسلمانوں کو ہر طرح کے گمراہ فتنوں سے آگاہ کرے، اور نہ صرف آگاہ کرنے پر اکتفاء کرے، بلکہ ان سے بچاؤ کی تدابیر بھی اختیار کرے، اس کی اہمیت سے تو شاید ہی کوئی عالم ناواقف اور بے خبر ہوگا۔

لیکن کیا صرف دیہاتوں اور چھوٹے چھوٹے قصبوں میں نماز جمعہ قائم کرنے سے اس اہم مسئلہ کا حل ہوجائے گا؟ اور کیا صرف ایسا کرنے سے ہم اتنی اہم ذمہ داری سے سبکدوش ہوجائیں گے، جبکہ دیہاتوں اور قصبوں میں نماز جمعہ ادا کرنا احناف کے متفقہ فیصلے کے مطابق مکروہ تحریمی ہے، اور دیہاتوں میں نماز جمعہ ادا کرنے سے خاطر خواہ فائدہ بھی نہیں ہونے والا جیسا کہ تجربہ سے یہ بات ثابت ہے، اس کی چند وجوہات ہیں:

۱- جمعہ کے دن عوام کی اکثریت بیان جمعہ میں شریک نہیں ہو پاتی ہے، بلکہ خطبہ جمعہ اور بہت سے تو نماز جمعہ کی تکبیر کے وقت شریک ہوتے ہیں، دیہاتوں اور قصبوں کی حالت تو اور بھی بری ہے، وہاں پر جمعہ شروع ہونے کے وقت دو چار بزرگ ہی مسجدوں میں نظر آتے ہیں، باقی نوجوانوں کی اکثریت خطبہ جمعہ شروع ہونے کے بعد آتی ہے، اور فرائض ادا کر کے فوراً چلی جاتی ہے، تو ان کو جمعہ کے دن فتنوں سے کیسے آگاہ کیا جاسکتا ہے۔

۲- دیہاتوں اور قصبوں میں اکثر ائمہ حضرات یا تو صرف حافظ ہوتے ہیں، یا اکثر ایسے علماء کرام ہوتے ہیں جن کی علمی صلاحیتیں سطحی ہوتی ہیں، تو ایسے ائمہ حضرات عوام کو موجودہ گمراہ فتنوں سے کیسے آگاہ کر سکتے ہیں؟

انسداد فتن کا طریقہ کار اور فتنون کے سدباب کے لئے یہ طریقہ مفید ہوسکتا ہے کہ اچھے باصلاحیت علماء کرام کی کچھ جماعتیں تیار کی جائیں، جو دیہاتوں اور قصبوں میں باقاعدہ چھوٹے چھوٹے اجتماعات کریں، اور عوام کو ان فتنوں سے باخبر کریں۔

☆☆☆

دیہات میں قیام جمعہ موجودہ حالات کے پس منظر میں

مولانا ابومعاویہ محمد معین الدین ندوی قاسمی☆

جمعہ کی فرضیت:

جمعہ کی نماز فرض ہے اور اس کی فرضیت چاروں شرعی دلائل سے ثابت ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے: "**فاسعوا إلی ذکر الله** "(سورۂ جمعہ:۹) یہاں ذکر سے خطبہ مراد ہے اور جب خطبہ جو شرط کا درجہ رکھتا ہے، کی سعی واجب ہے تو ظاہر ہے جمعہ بدرجہ اولی فرض ہوگا، حدیثیں کثرت سے موجود ہیں اور نسائی کی روایت بالکل صریح ہے کہ ہر بالغ شخص کے لئے جمعہ میں شرکت ضروری ہے "الجمعة واجب علی کل محتلم" یہی تقاضہ قیاس ہے کہ جب جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے اور ظہر کی نماز فرض ہے تو ضروری ہے کہ جمعہ کی نماز فرض ہی ہوگی، نیز اس پر امت کا اجماع اور اتفاق بھی ہے، جمعہ کے لئے اذان کی مشروعیت بھی اس کی فرضیت کو ظاہر کرتی ہے کہ اذان فرض نمازوں کی ہی خاصیت ہے (قاموس الفقہ ۳/ ۱۲۲، زمزم پبلشرز اردو بازار، کراچی)۔

نماز جمعہ فرض عین ہے:

نماز جمعہ فرض عین ہے ہر ایسے مرد پر جو عاقل ہو، بالغ ہو، آزاد ہو، صحت مند و صحیح و سالم ہو، شہر یا قصبہ میں مقیم ہو، ''مبسوط'' میں ہے:

"**اعلم أن الجمعة فریضة بالکتاب والسنة أما الشرائط فی المصلی لوجوب الجمعة فالإقامة والحریة والذکورة والصحة لحدیث جابر رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ :من کان یؤمن بالله والیوم الآخر فعلیه الجمعة الا مسافر ومملوک وصبی وامرأة ومریض،فمن استغنی عنها بلهو أوتجارة استغنی الله عنه والله غنی حمید**"(المبسوط للسرخسی ۲/ ۲۱، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان)۔

صحت جمعہ کی شرائط:

کسی جگہ جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے سات شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے: (۱) بڑی آبادی ہونا (۲) حاکم یا اس

☆ جامعہ نعمانیہ، قاضی پیٹ، چتور ضلع، آندھرا پردیش۔

کے قائم مقام کا ہونا (۳) ظہر کا وقت پایا جانا (۴) خطبہ کا پڑھنا (۵) خطبہ کا جمعہ سے پہلے ہونا اور اتنے لوگوں کے سامنے خطبہ پڑھنا جن سے جمعہ قائم ہو سکے (۶) کم از کم ۳، مردوں کا جمعہ میں شامل ہونا (۷) جمعہ میں شرکت کی عام اجازت ہونا۔

درمختار میں ہے: ''**ویشترط لصحتهاسبعة أشياء: الأول المصر...والثانی السلطان...والثالث وقت الظهر...والرابع الخطبة فيه... والخامس كونهاقبلها...والسادس الجماعة...والسابع الإذن العام الخ**'' (ردالمحتار ۳/۵، باب الجمعۃ، زکریا دیوبند)۔

صحت جمعہ کی شرائط سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز و جماعت کا معاملہ پنجوقتہ نمازوں کے مقابلہ میں کچھ الگ اور اہم ہے، مثلاً جمعہ کی نماز ہر بالغ مسلمان پر فرض نہیں ہے، نیز ایک مقتدی کے ساتھ نہیں ادا کی جاسکتی، اور ہر جگہ اور ہر حال میں بھی نہیں پڑھی جاسکتی ہے، شرائط صحت جمعہ میں پہلی چیز مصر ہے، اسی شرط پر ابھی کتاب وسنت کے مطابق روشنی ڈالی جائے گی۔

مصر کی لغوی تعریف:

صاحب ''القاموس الوحید'' لکھتے ہیں: مصر: بڑا شہر جس میں مکانات بازار اور مدارس و دیگر لوازم زندگی موجود ہوں، سٹی، آباد جگہ (القاموس الوحید: ۵۵۹، ادارہ اسلامیات، لاہور)۔

الموسوعۃ الفقہیۃ میں ہے: ''**المصر فی اللغة:اسم لكل بلد محصور أی محدود تقام فيها الدور والأسواق والمدارس وغيرهامن المرافق العامة**'' (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ۳۳/۱۶۱، مادۃ قریۃ)، یعنی مصر لغت میں: ہر محدود شہر جہاں گھر، بازار، مدارس اور دوسری عام ضروریات کی چیزیں ہوں۔

مصر کی اصطلاحی تعریف:

الموسوعۃ الفقہیۃ میں ہے: ''**واختلفوا فی معناها الاصطلاحی :فعن أبی حنيفةرحمه الله:أن المصر بلدةكبيرةفيها سكك وأسواق،ولهارساتيق وفيهاوال يقدرعلی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمه وعلمه أوعلم غيره، والناس يرجعون فی الحوادث إليه**'' (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ۳۳/۱۶۱، مادۃ: قریۃ)۔

(اس کے اصطلاحی مفہوم میں اختلاف ہے: امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ مصر ایسی بڑی آبادی جہاں گلیاں و بازار ہوں، اس کے محلے ہوں جہاں کوئی والی و حاکم مقرر ہو جو اپنے حشم (کارندوں) اور اپنے یا دوسرے کے علم کے ذریعہ ظالم سے مظلوم کو انصاف دلا سکے، اور لوگ واقعات پیش آنے پر اس سے رجوع کریں)۔

مصر کی تعریف میں علماء احناف کا اختلاف:

جاننا چاہئے کہ مصر کی اصطلاحی تعریف میں علماء احناف کے درمیان خاصا اختلاف ہے، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

صاحب لکھتے ہیں: ''مصر سے مراد'' لیکن خود احناف کے نزدیک اس بارے میں خاصا اختلاف ہے کہ شہر (مصر) کا اطلاق کس طرح آبادی پر ہوگا؟ اس سلسلے میں متداول اقوال ذکر کئے جاتے ہیں:

(۱) قاضی ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ وہ جگہ جہاں ہر پیشہ وخدمت کا آدمی موجود ہو، عام انسانی ضروریات کی چیزیں موجود ہوں اور قاضی بھی موجود ہو، جو اسلامی سزا بھی جاری کرتا ہو، (۲) جس کی معمولی آبادی دس ہزار ہو، (۳) جہاں دس ہزار ایسے لوگ ہوں جو جنگ کے کام آئیں (مقاتل)، (۴) جہاں امیر وقاضی موجود ہوں، (۵) اس آبادی کے لوگ وہاں کی بڑی مسجد میں اکھٹے ہوجائیں تو مسجد اس کے لئے ناکافی ہو، (۶) ایسا مرکز ہو کہ ایک پیشہ ور کسی اور پیشہ میں لگے بغیر ایک سال تک صرف اپنے پیشہ سے زندگی بسر کرسکے، (۷) امام محمدؒ سے مروی ہے کہ امیر جس کو شہر قرار دیدے وہ شہر ہے، (۸) امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ جہاں مفتی وامیر اور قاضی موجود ہوں، احکام وحدود قائم ہوں یا کم از کم قائم کئے جاسکتے ہیں اور اس کے مکانات منی کے برابر ہوں، (۹) حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں مکہ ومدینہ کی جو کیفیت تھی، جو جگہ اس کے مطابق ہو وہ شہر ہے، (۱۰) جہاں کی آبادی چار ہزار ہو، (۱۱) جہاں کی آبادی ایک ہزار ہو (قاموس الفقہ ۱۲۶/۳، زمزم پبلشرز، اردو بازار، کراچی)۔

مصر، ائمہ ثلاثہ اور علماء احناف کی دلائل پر تبصرہ:

جمعہ کی نماز کا ثبوت کتاب وسنت سے ثابت ہے، قرآن مجید میں ارشاد باری تعالی ہے:

"یأیها الذین آمنوا إذانودی للصلوةمن یوم الجمعةفاسعوا إلی ذکرالله وذرواالبیع ذالکم خیرلکم إن کنتم تعلمون" (الجمعۃ:۹)۔

اس آیت سے جمعہ کی نماز کی فرضیت اور وجوب کا حکم ثابت ہے، لیکن آیت میں شہر وغیرہ کی کسی قید کا ذکر نہیں ہے، اس سے استدلال کرتے ہوئے علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

"ولنا قو ل الله تعالی:إذانودی للصلاة من یوم الجمعة فاسعوا إلی ذکرالله، وهذا یتناول غیر أهل مصر إذا سمعواالنداء، بحدیث عبدالله بن عمرو، ولأن غیرأهل المصریسمعون النداء، وهم من أهل الجمعة، فلزمهم السعی إلیها، کأهل المصر" (المغنی لابن قدامہ ۲۶۷/۲، صلاۃ الجمعۃ)۔

جبکہ علماء احناف اسی آیت سے جمعہ کے قیام کے لئے شہر کا ہونا شرط کہتے ہیں، مولانا ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

"ففی هذه الآیة إیماء علی أن إقامة الجمعة مختصةبمحل التجارة وهو المصرالجامع ولهذالاتجوزفی الصحاری والبوادی ومناهل الأعراب بالإجماع" (التعلیق الصبیح ۱۳۸/۲، باب وجوب الجمعۃ، الفصل الثانی)۔

مفتی شفیع عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''اذان جمعہ کے بعد سارے ہی مشاغل کا ممنوع کرنا مقصود تھا جن میں زراعت، تجارت، مزدوری سبھی داخل ہیں، مگر قرآن کریم نے صرف بیع کا ذکر فرمایا، اس سے اس طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ جمعہ کی نماز کے مخاطب شہروں اور قصبوں والے ہیں، چھوٹے دیہات اور جنگلوں میں جمعہ نہیں ہوگا'' (معارف القرآن ۸/۴۴۱، ادارۃ المعارف، کراچی)۔

۱-موجودہ حالات میں مصر کی تعریف:

موجودہ حالات میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے علماء احناف کا مصر یعنی شہر کے بارے میں جو گیارہ اقوال نقل کئے ہیں ان میں سے دو قول موجودہ حالات کے تناظر میں مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ دو قول یہ ہیں: ایک: اس آبادی کے لوگ وہاں کی بڑی مسجد میں اکھٹے ہوجائیں تو مسجد اس کے لئے ناکافی ہو۔

دوسرا ایسا مرکز ہو کہ ایک پیشہ ور کسی اور پیشہ میں لگے بغیر ایک سال تک صرف اپنے پیشہ سے زندگی بسر کرسکے، نیز موجودہ دور میں شاید ہی کوئی ایسی بستی یا گاوں ہو جہاں ضروریات کی چیزیں موجود نہ ہوں، اکثر و بیشتر گاوں میں اکثر و بیشتر چیزوں کی دکانیں ہوتی ہیں، ایسی صورت میں مصر کی تعریف میں وسعت ہونی چاہئے، وسعت مصر کے بارے میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں: ''حقیقت یہ ہے کہ مصر (شہر) ان اصطلاحات میں سے ہے کہ کتاب وسنت میں اس کی تحدید و تعیین نہیں کی گئی ہے..... ہندوستان وغیرہ کے موجودہ حالات میں، کہ بعض علاقوں میں جمعہ ہی سے مسلمانوں کی شناخت رہ گئی ہے اور اسی کے ذریعہ نماز اور اسلام سے لوگ اپنی وابستگی کا احساس کرتے ہیں، ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ آراء وخیالات کے ان اختلافات سے فائدہ اٹھا کر شہر کے مفہوم میں جس قدر توسع ممکن ہو پیدا کی جائے کہ جمعہ محض ایک عبادت ہی نہیں، تذکیر و دعوت بھی ہے، مسلمانوں کی اجتماعیت کا اظہار بھی اور اسلام کا شعار بھی ہے'' (قاموس الفقہ ۳/۱۲۷، زمزم پبلیشرز، کراچی)۔

مصر کے اگر لغوی معنی کو دیکھا جائے جیسا کہ صاحب القاموس الوحید نے اس کے تین معنی لکھے ہیں اس میں تیسرا معنی ''آباد جگہ'' ہے، اگر یہ معنی موجودہ حالت میں لیا جائے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، ایسی صورت میں مصر کی تعریف یہ کریں گے کہ ہر وہ ''جگہ جو آباد ہو وہ مصر یعنی شہر ہے''، اس تعریف سے خانہ بدوش نکل گیا اور یہی قول امام مالک رحمہ اللہ کا بھی ہے، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں: ''امام مالکؒ نے فرمایا کہ کم سے کم ایسا گاوں ہو جہاں مسجد یا بازار موجود ہو خانہ بدوش جو کسی جگہ مقیم ہوں ان کی تعداد کم ہو یا زیادہ ان کے لئے جمعہ نہیں'' (قاموس الفقہ ۳/۱۲۵، زمزم کراچی)۔

خلاصہ یہ ہے کہ علماء احناف کے نزدیک مصر کی تعریف میں اختلافات کثیرہ ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ مصر کی تعیین و

تحدید کتاب وسنت سے ثابت نہیں ہے، اس لئے بعض تعریفات ایسی ہیں جو آج کل بڑے بڑے شہروں میں بھی صادق نہیں آتیں اور بعض اس کے برعکس یعنی چھوٹے چھوٹے گاوں پر بھی صادق آتیں ہیں، ایسی صورت میں احقر کی رائے ہے کہ ہر وہ جگہ مصر ہے جو آباد ہو، اس جگہ جمعہ ادا کر سکتے ہیں۔

۲-مسلمانوں کی آبادی میں جمعہ کا حکم:

موجودہ دور میں مسلمان دن بدن دین وشریعت سے دور ہوتے جارہے ہیں، خاص طور سے گاوں دیہات کے لوگ نماز سے بالکل غافل رہتے ہیں، بعض گاوں میں امام صاحب تنہا اذان ونماز ادا کرتے ہیں اور جہاں کہیں امام نہ ہو تو مسجدیں ویران رہتی ہیں، ہاں! جمعہ کی نماز اور جمعہ کے دن کی اہمیت گاوں دیہات کے لوگوں میں ابھی بھی باقی ہے، اس لئے دیہات کے اکثر وبیشتر لوگ پورے ہفتہ نماز، مسجد سے دور رہتے ہیں، لیکن جمعہ کے دن جمعہ کی نماز کی وجہ سے مسجد آکر دوگانہ ادا کر لیتے ہیں، اور اس بہانہ ہفتہ میں ایک دن نماز پڑھ لیتے ہیں، دین کی باتیں سن لیتے ہیں، البتہ جس بستی یا گاوں میں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی ہے اس گاوں میں ظہر میں اتنا ہی لوگ شریک ہوتے ہیں جتنا ہفتہ بھر نمازی آتے ہیں، اس لئے گاوں یا مسلمانوں کے آبادی میں جمعہ کی نماز کی اجازت ہونی چاہئے، جمعہ کی نماز کے لئے مسجد کا ہونا ضروری نہیں ہے، گاوں یا مسلمانوں کی آبادی میں جمعہ کی نماز کی اجازت کے بارے میں مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ اپنے ایک فتوی میں لکھتے ہیں: ''حنفی مذہب کے موافق ایسی چھوٹی (جس موضع کی مسجد میں بیس یا تیس یا اس سے اور کم مجتمع ہوں ایسے دیہات میں جمعہ کی نماز ہوسکتی ہے؟ یہ سوال سے ہے، ندوی) بستی میں جمعہ جائز نہیں، مگر آج کل حنفی اس مسئلے میں شافعی مذہب کے اوپر عمل کر سکتے ہیں'' (کفایت المفتی ۳/۲۴۹، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی)۔

مذکورہ بالا فتوی کے مطابق حنفی حضرات بھی گاوں یا مسلمانوں کی چھوٹی آبادی میں جمعہ کی نماز ادا کر سکتے ہیں، احقر اس فتوی سے متفق ہے اور یہ فتوی قابل عمل ہے۔

۳-دین سے جوڑنے کی غرض سے گاوں میں جمعہ کا حکم:

جمعہ کی نماز کا اصل مقصد اجتماعیت ہے، ہفتہ میں ایک دن تمام لوگ ایک مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں، اس سے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی حالات سے بھی واقف ہوتے ہیں، حال احوال دریافت کرنے کا موقع ملتا ہے، اس سے آپس میں اتحاد اور اجتماعیت میں پختگی آتی ہے، یہ بات واضح ہے کہ جس بستی میں جمعہ نہیں ہوتا ہے وہاں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ جمعہ کا دن کون سا ہے، کیونکہ وہ ظہر ادا کرتے ہیں نیز جمعہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ جمعہ کے دن کی بہت ساری سنتوں سے بھی محروم ہی رہتے ہیں۔

اسی طرح ایک بڑی تعداد مہینوں سجدوں سے محروم رہتے ہیں، ان کے کانوں میں مہینوں اللہ رسول کی باتیں بھی نہیں آتیں، وہ دین کی موٹی موٹی باتوں سے بھی ناواقف رہتے ہیں، جب کہ جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہے وہاں کے لوگ کم ازکم جمعہ کی تقریر وغیرہ سن کر ان باتوں سے آشنا رہتے ہیں اس لئے دین وشریعت سے جوڑنے کی غرض سے گاوں میں جمعہ کی اجازت ہونی چاہئے۔

☆☆☆

جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط-موجودہ حالت کے پس منظر میں

مولانا محمد انور حسین مدنی بن محمد اشرف حسین☆

"یأیها الذین آمنوا إذا نودی للصلاة من یوم الجمعة فاسعوا إلی ذکر الله"(سورۂ جمعہ:۹)۔

"روی عن سعید بن جبیر فی قول تعالی: "فاسعوا" قال إلی الخطبة"(موسوعۃ مدرسۃ مکۃ فی التفسیر ۶/۴۰۹، الاحکام ۴/۱۸۰۵، القرطبی ۱۸/۱۰۷)۔

"عن سلمانؓ أن النبی ﷺ قال إنما سمیت جمعة لأن الله تعالی جمع فیها خلق آدم"(قرطبی)۔

"اختار الله لهذه الأمة یوم الجمعة الذی أکمل الله فیه الخلیفة کما أخرجه البخاری ومسلم"(ابن کثیر)۔

مذاہب وشرائط ائمۂ ثلاثہ لاقامۃ الجمعۃ:

مالکیہ کا مسلک جمعہ کے لئے مصر شرط ہے۔

"والجمعة تجب بالمصر لأنها لم تقم علی عهد رسول الله ﷺ والخلفاء الأربعة إلا بالمصر وقد کانت قبائل العرب حول المدینة فلم یقیموا الجمعة لما أمرهم بها النبی ﷺ ولو کان ذلک لم یخف ولم یترک نقله مع کثرته وعموم البلوی"(مسالک الدلالۃ، فی شرح مسائل الرسالۃ/۱۰۲)۔

"والجمعة مشروط هی فرائضها لاتتم إلا بها وهی المصر أو یشبهه من دیار الإقامة" (الکافی فی فقہ المالکی ۱/۱۰۲)۔

جمعہ کے لئے وطن بنانا اور مسجد کا ضروری ہونا اور جماعت کا ہونا بھی شرط ہے۔

"وموضع یستوطن فیه ویکون محلا لإقامة به یمکن الثواء فیه بلدا کان أو

☆ مدرسہ تعلیم الدین کھجرانہ اندور (مدھیہ پردیش)۔

قرية"(التلقین ۱/ ۵۲)۔

"**أن يكون المسجد واحدا فلو تعددت المساجد فى البلد الواحد فلا يصح إلا فى الجامع القديم**"(الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/ ۳۸۱)۔

امام مالک نے مسجد کی شرط مانی اور مصر وسلطان کی نہیں مانی:

"**وأما الثانى:فشرط صحة أى من شروط إقامة الجمعة أن يكون هناک جماعة لا يحصرون بعدد عند الإمام مالکؒ بل المطلوب وجود من يستقل بحيث يدفع من يقصده ويساعد بعضهم بعضا فى المعاش الحاجى وغيره**"(۱۵۴)۔

"**صحت الجمعة ولولم يحضر منهم إلا إثنا عشر رجلا باقين لتمام الصلوة مع الإمام**"(۵۴۱)(الثمر الدانی شرح رسالہ ابن ابی زید القیر وانی)۔

شوافع کا مسلک:

امام شافعی کے نزدیک مصر شرط نہیں ہے، بلکہ ایسا مکان ہو جہاں ۴۰ مرد مقیم ہو سکتے ہوں اور لوگ اس قیام گاہ کو گرمی وسردی میں خالی نہ کرتے ہوں۔

"**وقال الشافعى المصر ليس بشرط للوجوب لصحة الأداء فكل قرية يسكنها أربعون رجلا من الأحرار المقيمين**"(حکم الجمعۃ التی تقیم فی البلدان بغیر المتوطنین)۔

"**وقال الشافعیؒ إذا كانت قرية مجتمعة البناء والمنازل وكان أهلها لا يظعنون رجالا عنها إلاظعن حاجة وهم أربعون رجلا حرا بالغا غير مغلوب على عقله وجبت عليهم الجمعة**"(احکام القرآن جصاص ۳/ ۵۹۶)۔

"**تجب جمعة على مكلف ذكر حرمتوطن غير معذور وعلى مقيم وبأربعين وبمحل معدود من البلد**"(فتح المبین بشرح قرۃ العین بمہمات الدین/ ۱۹۴)۔

حنابلہ کا مسلک:

جس گاؤں میں ۴۰ مرد عاقل بالغ ہوں جو کبھی بلاضرورت وحاجت کے موسمی سفر نہ کرتے ہوں ان پر جمعہ واجب ہے، اگر گرمایا سرما میں نقل آبادی کرتے ہوں تو ان پر بھی جمعہ نہیں ہے، یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے گھر ایک ساتھ ملے ہوں

خواہ وہ لکڑی کے بنے ہوئے ہوں یا پتھروں سے یا مٹی وغیر سے، البتہ اگر ان کے گھر منتشر متفرق ہوں تو جمعہ صحیح نہیں۔

"أن يكون فى قرية مبنية بماجرت العادت ببناء القرى به من حجر أو طين أو لبن أو قصب مجتمعة البناء بما جرت به العادة فى القرية الواحدة يسكنها أربعون من أهل الجمعة سكنى إقامة لا يظعنون عنها صيفا ولاشتاء" (الکافی فقہ الامام احمد)۔

احناف کا مسلک:

حنفیہ کے یہاں جمعہ کے قیام کے لئے ایک بڑی شرط شہر یا قریہ کبیر ہے۔

"رواه عبد الرزاق فى مصنفه أخبرنا معمر عن أبى إسحاق عن الحارث عن علىؓ قال "لا جمعة ولاتشريق إلا فى مصر جامع" (وراه ابن أبى شيه فى مصنفه)**"حدثنا عباد بن عوام عن حجاج عن أبى إسحاق عن الحارث عن علىؓ قال: لا جمعة ولا تشريق ولا صلوة فطر ولا أضحى إلا فى مصر جامع أو مدينة عظيمة"** (اعلاء السنن)۔

"فقال ابن عمر وأبوهريرةؓ تجب الجمعة على من فى المصر على ستة أميال" (قرطبی)۔

خلاصہ تعریف المصر :

کتب فقہ ولغت میں مذکور مصر کی تعریف سے یہ بات اخذ ہوتی ہے کہ موجودہ حالات میں وہ چھوٹے گاؤں یا آبادی کے علاقہ جہاں ابھی تک جمعہ کا نظام قائم نہیں ہے اگر وہاں احناف کی صراحت کردہ مصر کے شرائط موجود ہوں جن میں اکثر تعریفات میں بازار، گلی، حاکم، قاضی اور مفتی حوائج دینیہ و دنیویہ کے ساتھ مثل مکۃ المکرّمہ و مدینہ طیبہ کے اور بیوت وتعمیرات کا متصل ہونا، نیز احکام وحدود کا نفاذ کے عرفا وہ شہر کہے جانے لگیں تو وہاں جمعہ کے قیام کی اجازت ہونا چاہئے، ورنہ (اعلاء السنن) کی صراحت کے مطابق ہمارے زمانہ کے غیر مقلدین یہ کہہ گزرے کہ بغیر قیود وشرائط کے ہر جگہ جمعہ درست ہے، لہذا ہمارے فقہاء کرام مصر کی تعریفات میں جو شرائط ہیں ان کا لحاظ رکھے بغیر اجازت مرحمت نہ فرمائیں، کیونکہ خود علامہ ابن رشد مالکی کا تأثر حنفیہ کے مذہب کو قوی کرتا ہے۔

علامہ ابن رشد کا تأثر:

امام ابوحنیفہؒ نے جمعہ کے لئے مصر اور سلطان کی بھی شرط لگائی ہے اور اس کے ساتھ عدد کی شرائط ان کے نزدیک نہیں ہے (یہ نفر وغیرہ) درحقیقت اس بارے میں اختلاف کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ حضور ﷺ نے جن احوال وظروف میں نماز جمعہ ادا فرمائی ہے ان احوال کو ہی شرائط صحت وجوب ماننے نہ ماننے میں فرق پڑ گیا، کیونکہ حضور ﷺ نے جمعہ کو کبھی کسی وقت

بھی بغیر جماعت کے نہیں پڑھا، بغیر شہر کے نہیں پڑھا اور بغیر کسی جامع مسجد کے نہیں پڑھا، ان سب امور میں سے کسی نے ان سب کو شرائط ووجوب سمجھا (جیسے امام صاحب نے اور آپ نے عدد کی شرائط بھی اسی لئے نہیں لگائی کہ وہ حضور ﷺ کے قول و عمل سے ثابت نہیں ہے، البتہ سب ہی ائمہ نے بالاتفاق جمعہ کے لئے جماعت کو ضروری مانا ہے، لیکن امام ابوحنیفہؒ نے علاوہ امام کے تین آدمی ضرور قرار دیئے، امام احمد وشافعیؒ نے چالیس مع امام کے بتائے) اور کسی نے بعض کو بطور شرط مانا اور بعض کو نہیں، جیسے امام مالکؒ نے مسجد کی شرط تو مانی اور مصر وسلطان کی نہیں مانی (بدایۃ المجتہد ۱/ ۱۳۶)۔

احناف کے قریہ جامعہ کی مشروطیت کو تقویت حاصل ہے، حضرت عطاء نے کہا کہ قریہ جامعہ میں جمعہ ادا کرو، نیز محدث عبدالرزاق نے ابن جریج کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے عطاء سے پوچھا کہ قریہ جامعہ کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جہاں جماعت ہو، امیر ہو، قاضی ہو، بہت سے گھر مجتمع ہوں، جیسے جدہ ہے (دوسری روایت میں مدینہ کی مثال دی ہے اور ایک دفعہ مدائن کی طرح شہروں میں جمعہ کو بتایا ہے) (فتح الباری ۱۷/ ۱۶۳ ہفتم)۔

جمعہ فی القری کے مستدلات اور ان کے قائلین:

۱- دیہات میں جمعہ قائم کرنے والوں کے پاس سب سے بڑی دلیل جواثی میں جمعہ پڑھنے کی ہے، بعض شافعیہ نے جواثی کے بارے میں یہ کہا کہ وہ حضور ﷺ کے زمانے میں چھوٹا قریہ ہوگا اور بعد میں شہر بن گیا ہوگا، اس لئے جواثی سے استدلال دیہات کے جمعہ کے واسطے صحیح ہونا چاہئے۔

۲- دیہات میں جمعہ کرنے کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ کے قول سے بھی فائدہ اٹھایا ہے، حضرت نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ جہاں پچاس آدمی ہوں وہاں جمعہ فرض ہوجاتا ہے اور مستدل میں حدیث پیش کی ہے۔

۳- علامہ ابن تیمیہ کے مجموعہ فتاوی (۱/ ۱۱۶) میں ہے کہ جمہور ائمہ مثل مالک شافعی واحمد کے نزدیک جمعہ دیہات میں بھی جائز ہے، کیونکہ جواثی میں جمعہ ہوا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز اور عبداللہ بن عمر کے ارشادات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

مستدلات کے جوابات:

۱- حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اہل عوالی اور مدینہ طیبہ کے اردگرد والوں کو جمعہ قائم کرنے کا حکم نہیں دیا، حالانکہ بکثرت چاروں طرف مسلمان ہوچکے تھے اور جو جواثی میں جمعہ کا ذکر ملتا ہے وہ خود ایک بڑا شہر تھا، علامہ عینیؒ نے اکابر علمائے حدیث واہل لغت سے یہی نقل کیا ہے، جواثی کے شہر ہونے کو علامہ نیموی نے لکھا ہے کہ جواثی کھجور کی بڑی

منڈی تھی اور علامہ عینیؒ نے چار ہزار نفوس کے وہاں رہنے کی تعداد نقل کی ہے (آثار السنن ۷/۸۱)۔

۲-کسی نے حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کو اسی قول حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بارے میں لکھا تھا تو آپ نے جواب میں کہا کہ یہ ان کی تحقیق ہوگی، ہمیں تو امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ومذہب اختیار کرنا چاہئے جو کتب فقہ میں مبین ومزین ہے، نیز حضرت شاہ ولی اللہؒ نے پچاس آدمی اور جمعہ ہر قریہ پر واجب ہے جس حدیث سے نقل کیا ہے وہ بیہقی اور طبرانی دارقطنی کی ہے جس کے راوی پر متروک ہونے کا حکم لگایا ہے۔

۳-اثر حضرت ابن عمرؓ میں ہے کہ ابن عمرؓ کا قول ہے کہ مکہ ومدینہ طیبہ کے درمیان دیہات میں امیر ہو تو وہ جمعہ ادا کرے، یہ قول اولاً سنداً مجہول ہے (آثار السنن ۲/۸۴)، نیز اس میں قید موجود ہے اور عمر بن عبدالعزیز کا قول یہ سنداً ضعیف ہے اور منقطع ہے اور ان کی رائے حجت شرعیہ نہیں ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کا دیہات میں جمعہ نہ پڑھنا:

۱-حضرت ابن عمرؓ کو خبر ملی کہ سعید بن زید عمرو بن فضل بیمار ہیں جو بدری تھے تو جمعہ کے روز ہی دن چڑھے کہ جمعہ کا وقت بھی قریب ہی تھا کہ وہ ان کی عیادت کے لئے روانہ ہوگئے اور نماز جمعہ ترک کردیا، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ وہ اس وقت ذوالحلیفہ میں تھے جو مدینہ طیبہ سے ۶ میل پر ہے، اگر جمعہ وہاں واجب ہوتا تو عیادت کے لئے ایسے وقت نہ نکلتے اور ترک فرض کا ارتکاب نہ کرتے (کتاب المغازی ۲/۵۶۹)۔

۲-ایسی جگہ جہاں نماز باجماعت کا نظام نہ ہو یا ہو اور باقاعدہ آبادی بھی ہے تو وہاں بھی حاکم اور والی کا ہونا شرط ہے۔

"وفی الفتوی الغیاثیة وصلی الجمعة فی قریة بغیر مسجد جامع والقریة کبیرة لها قری وفیها وال حاکم جازت الجمعة بنوا المسجد أو لم یبنوا وهو قول أبی القاسم الصفار وهذا أقرب إلی الصواب والمسجد الجامع لیس بشرط" (شرح منیۃ حلبی کبری)۔

۳-قرب وجوار کے اہل علم واہل دین کی آمد ورفت اور دعوت طعام وہدیہ تحائف کی سوغات دے کر ان کو دین اسلام کی تعلیم سے وابستگی اور عقائد دینیہ سے روشناس کراتے رہیں۔

☆☆☆

رحوتها باب

اختتامی امور

مناقشہ:

موجودہ حالات میں جمعہ کے لئے مصر ہونے کی شرط

مولانا عتیق احمد بستوی:

مولانا فیاض عالم قاسمی ممبئی نے پرچہ بھیجا ہے کہ عرض مسئلہ کی کاپی فراہم کی جانی چاہئے، تو اس بارے میں عرض ہے کہ تلخیص مقالات آپ حضرات تک پہنچ چکی ہیں، اور اس میں جتنی بھی آراء آئی ہیں اور جو دلائل پیش کئے گئے ہیں اس کا اس میں پورا جائزہ تفصیل کے ساتھ آچکا ہے، عرض مسئلہ تو اور بھی مختصر ہوتا ہے اور اس کا مقصد یہ ہوتا کہ جو نکات قابل بحث ہیں مقالات کی روشنی میں ان پر وہ گفتگو کریں تو اس کو سمینار میں تقسیم نہیں کیا جاتا، تاکہ آپ کا ذہن متوجہ رہے۔

ایک دو باتیں میں عرض کردوں کہ میں نے بھی تلخیص مقالات کو پورا پڑھا اور عرض مسئلہ بھی سنا، تو اس موضوع پر جو آراء آئی ہیں، اس سے متعلق تین چار سوالات میرے ذہن میں پیدا ہوئے ہیں، تو ان سوالات کے تعلق سے ایک مسئلہ تو یہ ہے کہ کیا حالات اس کے متقاضی ہیں، کیا اس کی ضرورت ہے؟ کہ فقہ حنفی میں جو مصر ہونے کی شرط ہے اس کو ہم نظر انداز کر کے دوسرے ائمہ کے موقف کو اختیار کریں، حضرت شاہ ولی اللہؒ نے جو ترجیح دی ہے کہ جمہور کے مسلک کو اختیار کرلیں، تو اس معاملہ میں کھلی ہوئی دو آراء ہمارے سامنے ہیں جو تقریبا برابر ہیں، شاید کچھ فرق ہوگا اور میں سمجھتا ہوں کہ لوگوں نے اس کی گنجائش محسوس کی ہے، وہ بھی اخلاص کی بنیاد پر، ملک کے حالات کی بنیاد پر اور جن لوگوں نے کہا کہ اس کو اختیار نہ کیا جائے، فقہ حنفی کے دائرہ میں جتنی گنجائش ہے اس کو اختیار ہم کریں تو انہوں نے بھی امت کے مفاد میں اختلاف سے بچنے کے لئے یہ رائے دی ہے، اس لئے اس کا لحاظ ہماری گفتگو میں ہونا چاہئے، دونوں موقف ہمارے لئے قابل احترام ہیں: ائمہ ثلاثہ کا موقف اور حنفیہ کا موقف، اس کی بحثیں تمام کتابوں میں آچکی ہیں، مسئلہ ترجیح دلائل کا نہیں ہے، کس کے دلائل مضبوط ہیں، یہ ہمارا مقام بھی نہیں ہے، مسئلہ صرف اتنا ہے کہ دونوں موقف ہمارے ائمہ کا ہے اور ان کے دلائل ہیں، اس وقت جو ملک کے حالات ہیں کہ ملک کے اکثر گاؤں میں بے دینی کا ماحول ہے، اور جمعہ ایک ذریعہ ہے لوگوں کی تربیت کا، دین سے لوگوں کو قریب لانے کا، تو اس مقصد کے پیش نظر اس مسئلہ میں ہمارے لئے ضرورت ہے کہ جمہور ائمہ کی رائے کو اختیار کرلیں؟۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر ہم اسکو اختیار بھی کرتے ہیں تو ائمہ کے یہاں جو شرطیں ہیں وہ تو ملحوظ رکھنی پڑے گی کہ اگر

جوآبادیاں مستقل نہیں ہیں، خیمے والوں کی آبادی ہے جو یہاں رہے پھر اٹھ کر کہیں اور چل دیئے تو ایسی جگہوں پر نماز جمعہ قائم نہیں ہوسکتی، یہ سب کا اتفاق ہے، ایسے ہی بہت چھوٹی چھوٹی آبادیاں جس میں چالیس افراد کی شرط ہے، جن کے مسئلوں کو اگر ہم لیتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ہمیں ان شرطوں کو ملحوظ رکھنا پڑے گا، یہ نہیں کہ ہم مطلقا کوئی فتوی دے دیں کہ ہر چھوٹا بڑا گاؤں چاہے وہاں دس ہی گھر کیوں نہ ہو ان میں جمعہ قائم کرنے کی گنجائش ہے، یہ نہ فقہ حنفی کے لحاظ سے صحیح ہوگا اور نہ ائمہ ثلاثہ کے رائے کے مطابق صحیح ہوگا۔

تو یہ جو مسئلہ ہے فقہ حنفی کے دائرے میں رہتے ہوئے اگر ہم سوچ رہے ہیں کہ قریہ کبیرہ یا مصر کی شرط ہم کہہ سکتے ہیں جیسا کہ تعریفات میں ہے اور ان تعریفات میں سے اگر کسی تعریف کو ہم اختیار کرتے ہیں تو یہ بھی ایک رہنمائی ہوگی، بہت سے لوگ تو ابھی اس طرح کے ہیں کہ اس میں شدت اختیار کرتے ہیں کہ ایسا گاؤں جہاں ساری ضرورتیں، سہولتیں مہیا ہیں وہاں بھی نماز جمعہ قائم کرنے میں ان کو تامل ہوتا ہے، جیسے کہ ابھی آپ نے مفتی ملک صاحب سے سنا..... بڑے بڑے گاؤں، قریہ کبیرہ ہیں، وہاں بھی گویا لوگ جمعہ قائم نہیں کررہے تھے، بڑی مشکل سے وہاں جمعہ قائم ہوا ہے۔

تیسری بات یہ کہ جن جگہوں میں جمعہ کی نماز ہورہی ہو ان جگہوں کے بارے میں ہمارے بزرگوں نے بار بار لکھا ہے کہ وہاں جمعہ سے روکا نہیں جائے گا، وہاں جمعہ کو بند کرنے کی کوشش کرنا اور جمعہ کو روکنا یہ بڑے فتنہ کا ذریعہ ہے، اس نقطہ پر ہمارا اتفاق ہوسکتا ہے، کوئی اختلاف نہیں ہوگا کہ جن جگہوں میں جمعہ پہلے سے قائم ہے وہاں کے علماء کی اجازت سے، تو وہاں ہم جمعہ کو روکنے کی کوشش نہیں کریں گے، تو یہ ایک نکتہ ہے اس پر ہم اتفاق کریں اور اس پر ہم مجتمع ہوں اور اس کا اظہار کرنا چاہئے، باقی جو مسئلہ یہ پیش کیا گیا ہے کہ ملک کے موجودہ حالات کی روشنی میں جس ضرورت کا احساس ہمارے بعض اصحاب علم کررہے ہیں کیا اس کی گنجائش ہے کہ فقہ حنفی میں مصر کی جو شرط ہے اس کو نظر انداز کر کے جمہور فقہاء کی رائے جو مصر کے شرط نہ ہونے کی ہے اس کو ہم اختیار کریں، میں سمجھتا ہوں کہ ان چند باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اگر اظہار خیال کریں گے تو ان شاء اللہ بہتر نتائج نکلیں گے۔

مفتی محمد شاہجہاں ندوی:

جمعہ کے لئے احناف کے یہاں مصر شرط ہے اور اس کے اپنے دلائل ہیں، ائمہ ثلاثہ کے یہاں شرط نہیں ہے، ان کے بھی اپنے دلائل ہیں، سوال یہ نہیں تھا کہ مصر کی کیا تعریف ہے، مصر کی تعریف تو معلوم ہے اس کا دارومدار عرف پر ہے اور احناف کے یہاں قریہ کبیرہ میں جمعہ کی صحت بھی اس کو مصر کے درجہ میں رکھنے کی وجہ سے ہے، یہ نہیں کہ وہ مصر ہے، قریہ ہی ہے، البتہ اس کو مصر کے درجہ میں رکھا جائے گا، سوال یہ تھا کہ موجودہ دور میں کون سا مفہوم لیا جائے کہ جس سے زیادہ سے

زیادہ جگہوں پر احناف کے نقطہ نظر کے مطابق جمعہ کی صحت کا فتوی دیا جاسکے، تو اس سلسلے میں بہت سے لوگوں نے بہت سی باتیں لکھی ہیں، عرض مسئلہ میں بھی وہ باتیں آئی ہیں جیسے یہ بات کہ مکاتب کا نظام چلایا جائے تاکہ لوگ دین پر رہیں، لیکن ظاہر سی بات ہے کہ مکتب کا بھی نظام وہیں چلتا ہے جہاں مسجد ہو، مسجد نہیں ہے تو مکتب کا نظام بھی نہیں چلتا ہے۔

اور دوسرے یہ کہ ذہن سازی کی جائے نماز پڑھنے کے لئے، ماشاء اللہ تبلیغی جماعت بہت زمانے سے محنت کر رہی ہے اور اس کے اثرات بھی ظاہر ہوئے ہیں، مگر اس کے باوجود بھی بڑی تعداد میں لوگ نماز سے دور ہیں تو یہ سب مسئلہ کا حل نہیں ہے، اس کے لئے ہمیں قرآن کریم کی طرف رجوع کرنا ہوگا جو ہمارا مصدر اول ہے، اس میں یہ کہا گیا ہے کہ ''وذروا البیع'' کہ خرید وفروخت کو چھوڑ دو، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اِشارۃ النص کے طور پر یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جمعہ ایسی جگہ ہونا چاہئے جہاں ضروریات زندگی دستیاب ہوں، لہذا اگر اس طرح کوئی تجویز پاس کرتے ہیں یا فیصلہ لیتے ہیں کہ جو آبادی ایسی ہو کہ جہاں ضروریات زندگی موجود ہوں، تو وہ شہر کے حکم میں ہیں، یہ نہیں کہ وہ شہر ہے، ظاہر سی بات ہے کہ ایسی تعریف تو کر نہیں سکتے کہ جو چھوٹا گاؤں ہے وہ شہر کیسے ہوسکتا ہے، لیکن یہ کہ شہر کے حکم میں ہے، عام الفاظ کے اندر اگر ہم کوئی ایسا فیصلہ کرتے ہیں تو اس سے کوئی انتشار پیدا نہیں ہوگا جیسا کہ یہ کہا گیا کہ انتشار پیدا ہوگا، تو اس سے کوئی انتشار پیدا نہیں ہوگا اور یہ مفہوم قابل قبول ہوگا اور یہ احناف کے دائرے میں رہتے ہوئے ہوگا کہ جہاں ضروریات زندگی موجود ہوں، اس لئے کہ خود احناف کے یہاں دس سے زیادہ اقوال ذکر کئے گئے ہیں اس سلسلے میں کہ مصر سے کیا مراد ہے اور بہت سی تعریفات متروک ہوچکی ہیں موجودہ دور میں زیادہ تر لوگوں نے جو لیا کہ مسجد کبیر میں وہاں کے جو مکلّف حضرات ہیں ان کی گنجائش نہ ہو، یہ کوئی قطعی چیز نہیں ہے، فقہاء نے اپنے زمانے کے لحاظ سے اس تعریف کو زیادہ مضبوط سمجھا۔

موجودہ دور میں کونسا مفہوم لیا جائے، ضروری نہیں کہ کتابوں میں جو تعریف لکھی گئی ہے اس کو ہم لیں، قرآن کریم کی روح کو دیکھتے ہوئے اور اس کے اندر جو الفاظ مذکور ہیں ان کو دیکھتے ہوئے گویا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مصر کے حکم میں ہر وہ جگہ ہے جہاں ضروریات زندگی دستیاب ہوں۔

مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی:

معذرت کے ساتھ سوال ۲ اور ۳ میں میرا نام غالباً سہواً ان لوگوں کے ساتھ آ گیا جو گاؤں میں جمعہ کی نماز کو درست قرار نہیں دیتے ہیں، حالانکہ میری رائے یہ نہیں ہے، بلکہ میری رائے گاؤں میں جمعہ کی نماز درست اور صحیح کی ہے، اور میری رائے میں دور حاضر کے اندر ایسا گاؤں، ایسی بستی جہاں چند ہی مسلمان کیوں نہ ہوں اور نماز جمعہ کی شرائط پوری ہو جارہی ہوں تو وہاں جمعہ کی نماز قائم کرنا درست اور صحیح ہے، کیوں کہ تھوڑا سا اگر ہم فقہی جزئیات سے اٹھ کر بحث کریں اور جو فقہی

اختلافات ہیں ان سے اوپر اٹھ کر بحث کریں، اور نصوص پر نگاہ ڈالیں تو معلوم یہ ہوگا کہ جمعہ کی نماز قائم کرنا ہر گاؤں اور ہر بستی میں، گو کہ وہاں مسجد بھی نہ ہو، پھر بھی درست اور صحیح ہونی چاہئے، حضور ﷺ کی ہجرت سے پہلے حضرت مصعب بن عمیرؓ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے وہاں انہوں نے جمعہ کی نماز قائم فرمایا تھا، اس کا مقصد یہی تھا کہ لوگ اسلام سے جڑیں اور ان کا تعلق مستحکم ہو اور یہ مقصد آج بھی پایا جارہا ہے، اس مقصد کے پیش نظر جائز اور درست ہونا چاہئے، بلکہ یہاں پر تو ہمیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ایک اثر بھی ملتا ہے، بلکہ یہ کہنا چاہئے اصول حدیث کی رو سے، حدیث مرفوع..... کے حکم میں ہے، اس لئے کہ روایت کے اندر آتا ہے امام بخاریؒ نے ''باب الجمعۃ فی القری'' تعلیقا روایت کی ہے اور اس میں یہ ذکر ہے کہ مسجد نبوی میں جمعہ کی نماز قائم ہونے کے بعد بحرین کے ایک دیہات بنام ''جواثی'' میں جمعہ قائم ہوا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گاؤں دیہات میں جمعہ قائم کرنا صحیح اور درست ہے، وہاں اجتہاد کا کوئی ذکر نہیں ہے، نہ مصر کی تعریف کی گئی ہے، نہ اجتہاد کا ذکر ہے، اس اعتبار سے بھی لگتا ہے کہ درست اور صحیح ہونا چاہئے، بہر حال مقاصد شریعت جو ہم پڑھتے پڑھاتے ہیں اس میں پہلا مقصد تو حفظ دین ہے، جہاں حفظ دین اور حفظ ایمان ہی مشکل ہو جائے اور ہم فقہی جزئیات کی موشگافیوں میں پھنسے رہیں اور جمعہ کو قائم کرنے نہ جائیں، میں سمجھتا ہوں کہ دوسرے مسلمان بھائی جو اسلام پر باقی رہنا چاہتے ہیں، ان کے ساتھ خیانت ہو جائے گی، اس لئے بہر حال میری رائے تو سوال ۲ اور ۳ میں یہی ہے کہ نماز جمعہ مطلق دیہات میں جائز اور درست ہے، صرف اتنا ضروری ہے کہ جمعہ کی نماز قائم کرنے کے لئے جو شرط ہے وہ پائی جائے بس۔

مولانا مفتی زبیر ندوی:

عرض مسئلہ میں سوال ۳ جو گاؤں میں جمعہ کی نماز سے متعلق ہے اس میں ایمان کی حفاظت اور گمراہیوں سے بچانے کے لئے جمعہ کے قیام کی بات کہی گئی ہے، اس سلسلہ میں میری رائے عرض مسئلہ میں غلط نقل کی گئی ہے، تلخیص مقالات میں تو درست ہے، اس لئے میں درخواست کروں کہ اگر کتاب چھپتی ہے اور آراء کا اس میں ذکر ہوتا ہے، تلخیص مقالات کے اعتبار سے ہوتا ہے تب تو بہتر ہے اور اگر عرض مسئلہ کے اعتبار سے ہوتا ہے تو میری رائے درست کر دی جائے، اور جن لوگوں نے اس کو جائز قرار دیا ہے مسلمانوں کو گمراہیوں سے بچانے کے لئے اور ان کی ایمان کی حفاظت کے لئے تو اس میں، میں نے جمعہ کے قیام کو درست قرار دیا ہے اور اس سے متعلق عبارتیں جہاں پر میں نے ذکر کی ہیں، ان میں دو باتیں بطور خاص ذکر کی ہیں:

پہلی بات تو اس میں یہ ہے کہ ہم نے قواعد فقہیہ کے مطابق نقل کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں دو قاعدے نقل کئے ہیں: پہلا ''الضرورات تبیح المحظورات'' مسلمانوں کی جو دینی ضرورت ہے وہ بہت بڑی اور اہم ضرورت ہے، حتی کہ اکثر

جن لوگوں نے قواعد فقہیہ پر اور مقاصد شریعت پر کتابیں لکھی ہیں انہوں نے دین کی ضرورت کو باقی ضروریات پر مقدم رکھا ہے، اور دوسرا قاعدہ جو میں نے اس میں ذکر کیا ہے: ''**الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة أو خاصة**'' اس میں دو پہلو بتائے ہیں کہ بعض وہ علاقے جو دیہاتوں میں ہیں اور وہاں پر بکثرت غیر اہل علم، ناخواندہ افراد کی آبادی ہے تو وہاں عمومی طور پر ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ نماز جمعہ قائم کیا جائے اور بعض علاقے ایسے ہیں یا بعض ملک ایسے ہیں جہاں خصوصی طور پر اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، تو 'عامۃ' کو دیکھا جائے تو بھی اس کا جواز معلوم ہوتا ہے اور 'خاصۃ' کو دیکھا جائے تو بھی اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

تیسری بات یہ کہ بعض فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ ''**یقدم حفظ الدین من الضروریات علی ماعداہ عند المعارضة/المعارضات لأنه المقصود الأعظم**'' تو مقصود اعظم کی رعایت کرتے ہوئے بھی یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ ایسے علاقوں میں جمعہ کی اجازت دی جائے، اس لئے میری رائے بھی درست کر دی جائے اور اگر میرے دلائل ذکر نہیں ہوئے ہیں تو ان کا بھی اضافہ کر دیا جائے۔

مفتی محمد عثمان بستوی:

مصر کی تعریف کے لئے اور جمعہ کی صحت کے لئے ایک رائے یہ ذکر کی جارہی ہے کہ شوافع کا مسلک اختیار کر لیا جائے، کہ جس آبادی میں چالیس یا اس سے زائد مسلمان جمع ہو جائیں وہاں جمعہ کی نماز ادا کر لی جائے، اس رائے کے اختیار کرنے میں ذرا غور کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ بات درست ہے کہ بہت سے دیہات ایسے ہیں جہاں چالیس یا اس سے زائد مسلمان جمع ہو جائیں گے اور وہاں شوافع کے قول کے مطابق نماز درست ہو جائے گی، لیکن ہندوستان جیسے ممالک میں بہت سے ایسے بڑے شہر ہیں جہاں مسلمانوں کی تعداد بہت قلیل ہے، چالیس، پچاس مسلمان وہاں جمع نہیں ہو سکتے، تو ایسی صورت میں ہم وہاں جمعہ کو شوافع کے قول کے مطابق اگر ترک کرتے ہیں تو ٹھیک اور اگر حنفیہ کے قول کے مطابق ادا کرتے ہیں تو تلفیق لازم آئے گی، ایک ہی مسئلہ میں ایک جگہ ہم نے شوافع کے قول کو اختیار کیا اور دوسری جگہ احناف کے قول کو اختیار کیا تو اس سے تو بچنے کی ضرورت ہے۔

دوسری بات یہ کہ ''**مالایسع أکبر مساجدہ**'' والی مشائخ حنفیہ سے جو تعریف منقول ہے اس سلسلہ میں اگر اس کو معیار بنایا جائے تو بڑی دشواری یہ لازم آتی ہے کہ ہندوستان جیسے ممالک میں بہت سے بڑے شہر ہیں جس کا شہر ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے، چھوٹا بڑا، عاقل بالغ ہر آدمی اس کو شہر کہتا ہے، لیکن وہاں نہ تو دو تین مساجد ہیں نہ مسلمانوں کی تعداد اتنی ہے کہ وہ اس کو پر کر سکیں تو وہاں کیا کریں گے، اسی طرح مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے فتوی کو بنیاد بنایا جارہا ہے کہ حضرت

مفتی صاحبؒ نے شوافع کے قول کو اختیار کرلیا یا اس تعرف کو اختیار کرلیا کہ چھوٹی آبادی میں مفتی صاحب نے جمعہ کی صحت کا فتوی دیا ہے، لیکن میں نے کفایت المفتی بغور دیکھا تو مفتی صاحب کا کوئی فتوی ایسا نظر نہیں آیا کہ ابتداء جمعہ یعنی شروع کرنے کی ہر چھوٹی آبادی میں اجازت دی ہو، مفتی صاحب کے تمام فتاوی اس سے متعلق ہیں کہ اگر جمعہ شروع کردیا گیا ہے اور بند کرنے میں نزاع کا اندیشہ ہے، مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہورہا ہے تو وہاں جمعہ کو باقی رکھا جائے گا، اگرچہ شوافع کے قول کے مطابق صحیح ہوجائے۔

بقاء جمعہ کے سلسلہ میں یہ رائے اختیار کی ہے، ابتداء جمعہ کے سلسلہ میں یہ رائے اختیار نہیں کی ہے، اگر کسی صاحب کو اس سے خلاف ملا ہو تو وہ مجھے بتائیں، جہاں جہاں میں نے دیکھا مفتی صاحب کی رائے تو مجھے یہی ملی، ورنہ حضرت مفتی صاحب کا وہی نظریہ ہے کہ حنفیہ کی تعریف کے مطابق جو مصر ہے وہاں جمعہ ہونا چاہئے۔

تیسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ والا قول اگر اختیار کرلیا جائے اور ان کے فتوی کو معیار بنایا جائے تو اس میں ہندوستان جیسے ممالک میں دشواری یہ ہے کہ بہت سی جگہ کوئی مسجد نہیں ہوتی ہے یا بہت سی ہوتی ہیں لیکن مسلمانوں کی تعداد بہت ہوتی ہے، اس لئے اس تعریف کو معیار ماننے پر مشکل حل ہوتی نہیں ہے کہ اس کو معیار ماننے پر کم از کم تین مساجد ہوں یا مسلمانوں کی تعداد کم از کم اتنی ہو کہ اس کی سب سے بڑی مسجد میں نہ آسکیں، تین مساجد کا ہونا یا تعداد کثیر کا ہونا ہندوستان جیسے ممالک میں ہر شہر میں پایا جانا دشوار ہے، البتہ اگر اس تعریف کا مطلب یہ لیا جائے کہ بالقوی آبادی میں کم از کم تین مسجد کی ضرورت ہو، شہر کی، قریہ کی، قصبہ کی آبادی اتنی زیادہ ہے کہ اگر یہ سب مسلمان ہوتے تو تین مسجد کی ضرورت ہوتی، اور اگر یہ مسلمان ہوتے تو بڑی مسجد میں سما نہ پاتے، تو اگر اس کو بالقوی پر محمول کرلیا جائے تو پھر اکابر جتنے ہیں ان سب کی رائے متفق ہوجاتی ہے کہ چار ہزار کی آبادی، تین ہزار کی آبادی اگر کسی جگہ ہو مسلمانوں کی تو وہاں جمعہ صحیح ہوجائے گا، اگر اتنی بڑی آبادی ہو تو وہاں مسجد کی ضرورت بھی پڑسکتی ہے اور وہاں کے باشندے بڑی مسجد میں سما بھی نہیں سکتے ہیں تو اس تعریف کو اختیار کرنے میں کہ چار ہزار آبادی والے جو ہیں جو شکل پوچھی گئی تھی کہ تعریف زیادہ سے زیادہ وسیع ہوجائے تو اگر تین چار ہزار والا قول جو حضرت تھانوی نے بہشتی زیور اور امداد الفتاوی میں اور بہت سے اپنے ملفوظات میں اس کو ذکر کیا ہے اگر اس کو معیار بنالیا جائے تو مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور سب کے مطابق صحیح ہوجائے گی۔

چوتھی بات جو عرض کرنی ہے کہ یہ مسئلہ تو بالکل مسلم ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ اگر ارتداد کا خطرہ ہو، ایمان کو بچانا ہو تو جمعہ کو قائم کرکے حاصل کیا جاسکتا ہے اور اس میں کوئی اختلاف ہو ہی نہیں سکتا، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہم اس کو عام تجویز کے ذریعہ نہیں، اس زمانے میں اسی کی ضرورت ہے، ہر جگہ ارتداد کا خطرہ ہے تو یہ چیز سمجھ میں نہیں آتی ہے، البتہ اس

کوانفرادی طور پر دور اندیش علماء کرام ومفتیان عظام کی رائے پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ کہیں ایسی ضرورت محسوس کرتے ہیں تو اسکی اجازت دے سکتے ہیں، اس طرح سے اس کوحل کیا جاسکتا ہے، لیکن عام تجویز کی شکل میں لانا کہ چھوٹی آبادی اس وقت چونکہ ارتداد کا خطرہ ہے اس لئے جمعہ کو قائم کردیا جائے تو یہ مناسب نہیں ہے، اس سے ایک فتنہ کا دروازہ کھلے گا، اور اختلاف عام ہوگا اور جبکہ فتنہ کو بند کرنا اور اتحاد کو قائم کرنا ہمارے ذمہ ضروری ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

مولانا عثمان صاحب کی گفتگو آپ نے سنی، کئی نکتے انہوں نے اٹھائے ہیں، ایک بات جوانہوں نے مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے بارے میں بتائی کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے جوفتوی دیا ہے وہ اس کا دیا ہے کہ جمعہ کہیں شروع ہوگیا تو اس کو بند نہ کیا جائے، لیکن موجودہ حالات کے تحت مسلمانوں کو دین سے جوڑنے کے لئے اور دینی مصالح کے تحت جمعہ شروع کرنا ایسی جگہ جوقریہ کبیرہ بھی نہیں ہے اس کا فتوی حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے کہیں نہیں دیا ہے، مولانا مفتی عثمان صاحب باخبر ہیں، مطالعہ کرتے رہتے ہیں وہ فرمارہے ہیں، اگر کسی کے پاس دوسرا کوئی فتوی ہو مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا کہ ان حالات کے بغیر بھی جمعہ شروع ہوگیا ہے جمعہ کو بند نہ کیا جائے، دینی مصالح کے تحت دیہات میں جوقریہ کبیرہ نہیں ہے جمعہ قائم کرنے کا انہوں نے فتوی دیا ہے تو اس کو بھیج دیں اور اظہار خیال کریں، تاکہ مسئلہ منقح ہوجائے۔

اور ظاہر ہے کہ تلفیق کی بات جو آپ نے فرمائی ہے جب بھی کوئی فیصلہ کیا جائے گا اور کسی مسلک کو ہم اختیار کریں گے تو اس کا لحاظ تو ضروری ہوگا کہ اس میں تلفیق نہ ہو، تلفیق کو روکنے کے لئے جو شرطیں اور جو چیزیں ضروری ہیں ان کا لحاظ تو ہمیں تجاویز میں کرنا پڑے گا، بہرحال یہ بھی ایک اہم پہلو ہے کہ جہاں جن علاقوں میں خاص طرح کی صورت حال ہے وہاں کے علماء محسوس کرتے ہیں کہ ارتداد کا اندیشہ ہے اور جمعہ قائم کرنے سے کچھ سدباب ہوسکتا ہے تو وہاں کے علماء کی رائے پر چھوڑ دیں کہ وہ اجازت دیں، ان کی رائے یہی ہے کہ عمومی طور پر اس طرح کا فتوی نہ دیا جائے، یہ پہلو بھی غور کرنے کا ہے، آپ حضرات اس پر غور فرمائیں۔

مولانا سعید الرحمٰن قاسمی:

پہلی بات جو سوال سے ہٹ کر عارض صاحب نے پیش کیا تھا کہ جہاں نماز جمعہ قائم ہے اس کو نہ بند کیا جائے، اس سلسلہ میں عرض کرنا ہے، چونکہ سوال میں وہ چیز ذکر نہیں ہے اور عام طور سے ایسے مسائل پیش آتے ہیں کہ جہاں دوسال یا چار سال سے جمعہ قائم ہے، اس بستی میں کوئی عالم آیا اور اس نے فورا فتوی دے دیا کہ یہاں نماز جمعہ جائز نہیں، اس کو بند

کردیا جاتا ہے، اس لئے یہ بات صحیح ہے کہ جمعہ کو بند نہ کیا جائے جیسا کہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے فتوی دیا ہے، اور انہوں نے سوال کے جواب میں یہ بات لکھی ہے کہ چونکہ عرصہ دراز سے قائم شدہ جمعہ کو بند کرنے میں جو فتنہ وفساد پیدا ہوتے ہیں ان کے لحاظ سے اس مسئلہ میں حنفیہ کو شوافع کے مذہب پر عمل کرلینا جائز ہے، مسئلہ مجتہد فیہ ہے اور مفاسد لازمہ عمل بمذہب الغیر کے لئے وجہ جواز ہیں (کفایت المفتی ۳/ ۲۱۵)۔

اور دارالافتاء امارت شرعیہ سے، وہاں کے مفتیان اور ہم لوگ یہی جواب لکھتے ہیں کہ وہاں جمعہ کو قائم رکھا جائے بند نہ کیا جائے، میری رائے یہ ہے کہ جب تجاویز مرتب کی جائے تو تجاویز میں اس بات کی صراحت ہونی چاہئے، تاکہ آئندہ کسی قسم کے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

دوسری بات چھوٹے دیہات میں نماز جمعہ سے متعلق ہے، تو اس سلسلہ میں بھی عرض یہ کرنا ہے کہ اکابر امارت شرعیہ کا مسئلہ اس سلسلہ میں توسع کا رہا ہے، چونکہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے اور مجتہد فیہ مسئلہ میں توسع کی گنجائش ہوتی ہے اور توسع ہونی چاہئے، یہی وجہ ہے کہ بانی امارت شرعیہ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ جنہیں علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے فقیہ النفس کہا ہے، ان کے کئی فتاوی فتاوی امارت شرعیہ میں موجود ہیں کہ انہوں نے دیہات میں بھی نماز جمعہ کو جائز قرار دیا ہے، اسی طرح حضرت قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحبؒ نے بھی فتاوی امارت شرعیہ جلد دوم میں بعض بستی میں، چھوٹی بستی میں نماز جمعہ کے قائم کرنے کا فتوی دیا ہے، لیکن اس بات میں کہ مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت، وتحفظ کی خاطر نماز جمعہ کو قائم کرنا چاہئے، میرے خیال میں ایسا ہونا چاہئے، یہ مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ اس لئے کہ بہت سے دیہات اب بھی ایسے ہیں، چونکہ امارت شرعیہ کی نسبت سے بہت سارے گاؤں میں جانے کا اتفاق ہوتا ہے، ان سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ آپ کلمہ سنایئے تو وہ کلمہ نہیں سنا پاتے، وہ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف جمعہ کی نماز پڑھ لیتے ہیں، محنتیں بہت ہورہی ہیں تبلیغی جماعت کے واسطے سے، مکاتب قائم کرکے، بہت سے ایسے دیہات ہیں جہاں نماز جمعہ قائم کرنے کی اجازت ہونی چاہئے، لیکن شرط یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے شرط کے مطابق ہو، ایسا نہیں ہے کہ جہاں دوگھر چارگھر کی آبادی ہو وہاں نماز جمعہ قائم کرنے کی اجازت دے دی جائے۔

اور یہ بات بار بار آرہی ہے کہ اگر حنفیہ کے مسلک سے عدول کریں گے تو انتشار کا خطرہ ہے، ظاہر ہے کہ جب اکیڈمی نے اس مجمع نے حنفیہ کے مسلک سے عدول کیا ہے اور اس میں انتشار بھی ہوا ہے یہ بھی ایک حقیقت ہے تو پھر انتشار کے ڈر سے اگر واقعہ قوی دلیل ہے اور کسی قوت کی بنیاد پر ہے تو فیصلہ کیا جاسکتا ہے اور میرے خیال سے انتشار سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

بار بار ہم لوگوں کی گفتگو میں فتنے کا مسئلہ آرہا ہے اور یہ اہم بھی ہے، لیکن فتنے میں بھی درجات مقرر کرنے ہوتے ہیں، ایک ہے: فتنہ اختلاف کہ جس سے مسلمانوں میں کہیں اختلاف پیدا ہوجائے، اور دوسرا ہے فتنہ ارتداد کہ جس سے آدمی دائرہ ایمان سے باہر چلا جائے تو ان دونوں میں فتنہ ارتداد بڑھ کر ہے فتنہ اختلاف سے اور اس کی زیادہ رعایت بھی ہونی چاہئے، ارتداد کی وجہ سے عورت کا نکاح ختم ہوجائے گا یا نہیں یہ مشہور مسئلہ ہے، ظاہر روایت کے مطابق نکاح ختم ہوجائے گا، اس کے مقابلے میں دوسرا قول ہے کہ نکاح باقی رہے گا، لیکن فتنہ ارتداد کو روکنے کے لئے حضرت تھانویؒ نے اس مسئلہ میں ظاہر الروایت کو چھوڑ کر دوسرے قول کو اختیار کیا ہے، حالانکہ اس زمانے میں اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف بھی ہے، ایک بات اور ذہن میں رکھنی چاہئے کہ ہندوستان میں پہلے جو ارتداد کے واقعات پیش آتے رہے ہیں، چاہے ۱۸۵۷ء کے ہوں یا ۱۹۴۷ء کے ہوں اور اس کے علاوہ ہوں وہ ایک اتفاقی فتنہ ارتداد تھا جو خوف کی وجہ سے ہوا تھا، لیکن اب اس وقت ہمارا ملک جس صورت حال سے گذر رہا ہے اس میں علی الاعلان ارتداد کی دعوت دی جارہی ہے، لوگوں کو اکسایا جارہا ہے کہ وہ مسلمانوں کو مرتد بنائیں اور انہیں اپنے دین سے ہٹائیں۔

اسی لئے ایسی تعلیمی پالیسی لائی گئی ہے کہ اس کے تحت جب ہمارے بچے تعلیم حاصل کریں گے تو اس بات کا بہت اندیشہ ہے کہ ہماری آئندہ نسلیں حقیقی معنوں میں مسلمان باقی نہیں رہیں گی، مشرکانہ تصورات ان کے ذہنوں میں رچائے جارہے ہیں، تو ان حالات میں اس فتنہ کی سنگینی کو بہت زیادہ محسوس کرنے کی ضرورت ہے، اگر آپ غور کریں تو گاؤں اور دیہات میں دین کی بات کہنے کے لئے آپ کے پاس ایک ہی میڈیا یا ایک ہی اسٹیج ہے، ہمارے یہاں مدرسوں کے سالانہ جلسے ہوتے ہیں عام طور پر شہروں میں سال میں ایک دفعہ ہوتا ہے، اس میں ہم لوگ مدارس کی اہمیت بتاتے ہیں، ربیع الاول میں سیرت کے جلسے ہوتے ہیں، لیکن بہت کم وہ بامقصد ہوتے ہیں، دعوت وتبلیغ کا کام ہے بڑا اہم کام ہے، لیکن اس میں بہت کم لوگ جمع ہوتے ہیں، اختلاف مسلک کی بنا پر بھی لوگ بہت کم آتے ہیں۔ لیکن جمعہ کا پلیٹ فارم ایک ایسا پلیٹ فارم ہے جس کے ذریعہ ہم ایک عام سے عام آدمی تک دین کی بات پہنچا سکتے ہیں، اگر کوئی ارتدادی فتنہ اٹھ رہا ہے تو اس کے بارے میں لوگوں کو آگاہ کرسکتے ہیں اور لوگ اثر بھی قبول کرتے ہیں اور اس پہلو کو صرف فقہی پہلو سے نہیں بلکہ دعوتی پہلو سے بھی دیکھا جانا چاہئے اور جو شرط ہوتی ہے تو وہ ابتداء عمل کے لئے بھی وہی ہوتی ہے اور بقاء عمل کے لئے بھی وہی ہوتی ہے، لیکن ہمارے علماء نے مسلمانوں کو اختلاف وانتشار سے بچانے کے لئے ابتداء جمعہ میں اور بقاء جمعہ میں فرق کیا ہے۔

فقہ کی کتابوں میں شاید اس کی مثال نہ ملے، یقیناً یہ ہمارے بزرگوں کا بڑا بصیرت مندانہ فیصلہ ہے حالات کو دیکھتے ہوئے، تو ہمیں آج کے حالات میں یہ دیکھنا چاہئے کہ کیسے عام سے عام گاؤں دیہات میں جہاں مدرسہ، تبلیغی جماعت کا مضبوط کام اور علماء کی آمد ورفت نہیں ہے وہاں جمعہ کا نظام قائم ہو اور خطیب کو بات کرنے اور سمجھانے کا موقع مل جائے تو کیا ہم اس موقع کو بھی گنوادیں، کیا اس سے ہم فائدہ نہ اٹھائیں، تو اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے اور اس وقت اس ملک میں یہ بڑی ضرورت ہے، اور اسی پس منظر میں یہ عنوان رکھا گیا ہے، مجھے توقع ہے کہ آپ حضرات اس پہلو پر بھی غور فرمائیں گے۔

مفتی عبدالرحیم قاسمی:

فتاوی محمودیہ میں ہے کہ اگر گاؤں میں جس میں شہریت بالکل نہ ہو جمعہ جائز ہوتا تو حضور ﷺ اور صحابہ سے ضرور منقول ہوتا، جیسا کہ شہر میں پڑھنا تواتر سے منقول ہے، اگر گاؤں میں جمعہ جائز ہوتا تو گاؤں والوں پر جمعہ پڑھنا فرض ہوتا، تو اہل عوالی سے سات سات میل دور سے مدینہ طیبہ میں جمعہ پڑھنے کے لئے علی سبیل المناوبۃ کیوں جایا کرتے تھے، اپنے یہاں کیوں نہیں پڑھا کرتے تھے اور جو نہیں جاتے تھے تو کیا ان پر فرض نہیں تھا۔

بدائع میں ہے کہ ہماری دلیل وہ حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "**لاجمعة ولاتشريق إلا في مصر جامع**"، حضرت علیؓ سے بھی روایت ہے کہ جمعہ اور تشریق اور عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ نہیں ہوسکتے مگر جامع شہر میں، حضور ﷺ مدینہ میں جمعہ قائم فرمایا کرتے تھے اور آپ ﷺ نے مدینہ کے آس پاس جمعہ قائم نہیں کیا، اسی طرح صحابہؓ نے ملکوں کو فتح کیا اور صرف شہروں ہی میں منبروں کو قائم کیا تو ان کا اجماع ہوگیا اس بات پر کہ جمعہ کے لئے شہر شرط ہے، اور اس لئے کہ ظہر فرض ہے اور اس کو نص قطعی کے بغیر نہیں چھوڑ سکتے، اور نص صرف شہروں میں جمعہ کے بارے میں وارد ہوئی ہے، اسی لئے جمعہ دیہات میں ادا نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں چھوٹے گاؤں میں جمعہ ہرگز جائز نہیں اور کسی کا یہ کہنا بالکل صحیح نہیں کہ لوگ اسی بہانے سے نماز پڑھ لیتے ہیں، مسلمان تو احکام شرعیہ کے مامور حدود مذہب کے اندر ہیں، لوگوں کو نماز کے لئے جمع کرنا چاہئے، اگر وہ کسی ایسی صورت میں جمع ہوں جو شرعاً جائز نہ ہو تو ایسے اجتماع ہی سے کیا فائدہ، جب نماز جمعہ چھوٹے گاؤں میں ادا نہیں ہوگی تو پھر ایسی نماز کے لئے جمع بھی ہوگئے تو کیا فائدہ، حضرت مفتی محمود صاحبؒ فرماتے ہیں اگر دیہات کے لوگ نماز نہیں پڑھتے تو ان کو نماز پڑھانے کے لئے دوسری تدابیر اختیار کی جائیں، جہاں جمعہ جائز نہیں جمعہ پڑھنے سے فریضہ ظہر ادا نہیں ہوگا، اور جمعہ کا پڑھنا مکروہ تحریمی ہوگا، بایں ہمہ اگر جمعہ سابق سے چلا آتا ہے اور اس کو روکنے سے فتنہ کا ڈر ہے، لوگ غلبہ جہالت کی وجہ سے پنجگانہ نماز بھی چھوڑ دیں گے، ارتداد پر آمادہ ہوجائیں گے تو ایسے فتنوں سے بچنا لازم ہے، لہذا تدبیر سے کام کیا جائے (فتاوی محمودیہ)۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

مفتی عبدالرحیم صاحب گفتگوفرمارہے تھے، میں ایک بات عرض کردوں کہ اس مسئلہ میں دومسلک یا دوموقف ہیں، کسی مسلک کی تقویت کے لئے دلائل لائیں، بحث کریں، تو بہت زیادہ وقت چاہئے، یہ سمجھنا کہ گویا ائمہ ثلاثہ کا جوموقف ہے وہ کمزور ہے اور ہمارا مضبوط ہے ٹھیک ہے ہم سمجھیں، لیکن دلائل دونوں طرف کے ہیں، ائمہ ثلاثہ معمولی شخصیتیں نہیں ہیں، بات وہ نہیں کہ کون سا قول دلائل کے اعتبار سے قوی ہے، کس کا پلڑہ بھاری ہورہا ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ حنفیہ کا جوموقف ہے اس موقف کو جولوگ چھوڑنے کی بات کررہے ہیں وہ موجودہ حالات کے پیش نظر جوصورت حال ہے اس کی روشنی میں کررہے ہیں، بہرحال آپ نے جومقالہ لکھا ہے اسے پڑھنے کی یہاں ضرورت نہیں اور نہ ہی دلائل کا زور دینے کی ضرورت ہے، اپنا اپنا نقطہ نظر ہے مصالح کے تحت، وہ جائز آپ سمجھتے ہیں کہ نہیں؟ اس کا اظہار کردیں تو بہتر ہے۔

مولانا نعمت اللہ قاسمی (کھگڑیا):

آج سے تیس چالیس سال پیچھے آپ جائیں تو پہلے جوگاؤں کی صورت حال تھی کہ وہاں کوئی دکان بھی نہیں تھی، ٹوٹے مٹی کے مکانات تھے نہ پہنچنے کی سہولت تھی، نہ رابطے کی کوئی صورت تھی، مگر آج کے دور میں ملک کے مختلف صوبوں میں اگر سڑک کے ذریعہ آپ سفر کریں تو جہاں کہیں بھی آپ کو چالیس پچاس گھر نظر آئے تو دو چار دکانیں ضرور نظر آئیں گی جس میں بنیادی ضروریات زندگی کا تقریباہر سامان ملے گا، تو پہلے جوصورت حال تھی اب وہ نہیں ہے، بلکہ گاؤں تو اب بازار کی شکل اختیار کرتا جارہا ہے، تو ایسے گاؤں میں جمعہ کے جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہئے میری رائے ہے، اب رہا ایسے گاؤں کا مسئلہ جو دور دراز کاشتکاری کے علاقے میں ہے جہاں دس گھر یا پانچ گھر لوگ آباد ہیں وہاں آپ اختلاف کرسکتے ہیں، امیر شریعت رابع حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ سے میں نے عرض کیا کہ آپ تو امیر شریعت ہیں، کم سے کم بہار کی حد تک اڑیسہ کی حد تک جمعہ قائم کرنے کی اجازت دے دیجئے، تو آپ مسکرائے اور فرمایا: میں نے خاموش اجازت دے دی ہے، اور اب تو ماشاء اللہ امراء شریعت کی بھی کوئی کمی نہیں ہے، ہر صوبے میں امیر شریعت موجود ہیں، ان سے اجازت لے لیجئے، ہر گاؤں کے اندر جمعہ کی اجازت ہوجائے گی، مسئلہ مجتہد فیہ ہے، ایک شق متعین ہوجائیگی۔

مولانا فریدالدین احمد چودھری:

مذہب حنفیہ کے نزدیک شرائط صلاۃ جمعہ کے لئے مصر ہونا شرط ہے، یہ جس حدیث سے ثابت ہے اس میں بھی قیل وقال ہے، یہاں تک کہ امام احمد بن حنبل نے تو اس کو ضعیف تک کہہ دیا ہے، یہ دوسری بات ہے؛ لیکن مصر ہونا شرط ہے، مصر

کے ساتھ ساتھ تعریف میں بھی ائمہ احناف کے درمیان اختلاف ہے، کسی نے تعداد انسانی کو اختیار کیا اور کسی نے سہولیات انسانی کو اختیار کیا، پہلے زمانے میں حوائج اصلیہ ضرورت کی چیزیں ہر جگہ مہیا نہیں ہوتی تھیں، مواصلاتی نظام بھی بہت خراب تھا، لیکن اب ہر جگہ حوائج اصلیہ ملتے ہیں، مواصلاتی نظام بھی بہت بہتر ہو گیا ہے، تو ائمہ احناف جنہوں نے حوائج انسانیہ کی رعایت کرتے ہوئے مصر کی تعریف کی اجتہاد سے بھی، فی الحال ہر گاؤں مصر کے دائرہ میں آ گیا، میں ایسا سمجھتا ہوں۔

اور چونکہ ائمہ ثلاثہ مصلی کی تعداد کی حیثیت سے ان کی رائے کم از کم مصلی پر مختصر کیا، مصر کی شرط نہیں رکھا تو اس حیثیت سے جیسے کہ الحیلۃ الناجزہ میں مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مفقود الخبر وغیرہ کے عورتوں کے بارے میں فقہ حنفی کو چھوڑ کر فقہ مالکی وشافعی کو اختیار کر کے استصواب حاصل کیا، آج سب نے اس کو تسلیم کیا، اسی طرح ضرورت انسانی ''الضرورات تبیح المحظورات'' ایک اصول ہے، اس اصول کو اختیار کرتے ہوئے چونکہ ہمارے نارتھ ایسٹ میں میزورم، میگھالیہ، اروناچل پردیش یہاں کے اکثر باشندہ عیسائی ہیں، آسام کے لوگ وہاں جا کر تجارت کرتے ہیں اور کہیں کہیں انہوں نے مسجد بنایا ہے، مگر زیادہ تر گاؤں میں کرایہ کے گھر میں نماز پڑھتے ہیں، اگر ہم اس نماز سے منع کر دیں گے تو لوگوں میں انتشار پیدا ہوگا اور وہ نماز چھوڑ دیں گے، جمعہ کی نماز میں اکٹھا ہونے پر انہیں دین کی تعلیم دی جاتی ہے، جو کہ باقی نمازوں میں نہیں ہو پاتا، تو یہ بھی ایک مصلحت ہے، اور دوسری مصلحت جو ہمارے پیچھے دو سالوں میں کرونا کے دوران لاک ڈاؤن میں ہم نے گھر میں نمازیں پڑھیں، تو میں یہ عرض کرتا ہوں کہ ''الضرورات تبیح المحظورات'' کی حیثیت سے اس کو اپنایا جائے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

مولانا فریدالدین صاحب آسام سے تشریف لائے ہیں، بڑی علمی شخصیت ہیں، انہوں نے نارتھ ایسٹ کے حالات کو آپ کے سامنے رکھا، لیکن میں یہ عرض کروں گا کہ کم سے کم اس مسئلہ میں ''الضرورات تبیح المحظورات'' کا ذکر ہم نہ کریں، یہ مسئلہ جو ہے محظورات کا بالکل نہیں ہے، چاہے وہ ائمہ ثلاثہ کا موقف ہو یا وہ حنفیہ کا موقف ہو، دو موقف ہیں دلائل کی روشنی میں، اس میں اس قاعدہ کے استعمال کی ضرورت نہیں ہے، گویا ہم محظورات سمجھتے ہیں دوسرے موقف کو، میں سمجھتا ہوں کہ یہ موقف کا احترام نہیں ہے، تو بہر حال مولانا کی جو رائے ہے وہ یہی ہے کہ موجودہ حالات میں ضرورت ہے کہ اس مسئلہ میں جمہور کی رائے کو اختیار کرتے ہوئے دیہاتوں میں جمعہ کو قائم کیا جائے۔

مفتی محمد صالح الزمان قاسمی:

مصر، قریہ کبیرہ، صغیرہ یہ سب عرفی چیزیں ہیں، جیسا کہ فتاوی محمودیہ کے اندر بھی مذکور ہے کہ فقہاء کرام کا مصر کے

تعلق سے جومختلف اقوال منقول ہیں وہ اسی حیثیت سے ہیں کہ ہر فقیہ نے اپنے زمانے اور اپنے علاقے کا لحاظ کر کے اس کی تعریف کی ہے، لہذا جب یہ عرفی تعریف ہے تو اس مسئلہ کے اندر عرف کو پیش نظر رکھا جائے۔

دوسری بات یہ کہ افتاء بمذہب الغیر اور خروج عن المذہب یہ بھی بہت حساس مسئلہ ہے، مصر وغیرہ کے تعلق سے احناف کے یہاں متعدد اقوال منقول ہیں اور اگر مسئلہ کی حساسیت جو موضوع بحث ہے اور اس کے اندر ہم کچھ اس طرح توسع برتتے جارہے ہیں تو ان کی تعریفات کو مدنظر رکھیں، اگر ان میں کہیں وسعت ہوسکتی ہے تو ہم وسعت برتیں، ورنہ ہمارے اکابر کے فتاوی میں تو یہی ملتا ہے ''لا جمعۃ ولا تشریق.....''، چنانچہ ایک جگہ حضرت تھانویؒ کے قول کو نقل کرتے ہوئے فتاوی محمودیہ میں کہا گیا ہے کہ احتیاط بہر حال مذہب حنفی میں ہے کہ گاؤں کے اندر جمعہ کی اجازت نہ دی جائے۔

تیسری بات یہ کہ یہاں دو چیزیں ہیں: ایک اس کا مقصد گاؤں میں لوگوں کو نماز کا پابند بنانا ہے، یہ مقصد تو ہے نہیں بظاہر، اور یہاں پر لاک ڈاؤن کا حوالہ دینا بھی سمجھ میں نہیں آتا، ہاں دوسرا مقصد ضرور پیش نظر رہے کہ مختلف فتنے سامنے آرہے ہیں، ان کا مقابلہ کیا جاسکے یا لوگوں کو ان سے آشنا کرایا جاسکے، میرا تعلق جس گاؤں سے ہے وہاں کی صورت حال یہ ہے کہ بسا اوقات خطبہ میں بھی لوگوں کی شمولیت نہیں ہوتی، ان کے لئے جماعت میں شامل ہونا ہی کافی ہے، بعض پہلی رکعت مکمل ہوجانے کے بعد شریک ہوتے ہیں، اس دوران خطبے میں کیا بیان ہوا وہ تو اثر انداز ہوگا نہیں، اس لئے محض گاؤں کو بنیاد بنا کر وہاں پر اقامت جمعہ کی صحت کی اجازت نہ دی جائے، ہاں مصر کی تعریف کے اندر توسع برتا جاسکتا ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

ایک بات جس کی طرف مولانا عتیق صاحب نے اشارہ کیا وہ بڑی اہم بات ہے اور ہم لوگوں کو گفتگو کرتے ہوئے اس کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ کسی چیز کا محظور ہونا یہ شارع کے حکم سے ہوتا ہے اور کسی رائے کا مرجوح ہونا یہ فقہاء کے اجتہاد سے ہوتا ہے، تو ایک مسئلہ جو فقہاء کے درمیان مختلف فیہ ہو جس میں کوئی نص قطعی الدلالۃ نہ ہو اور اس پر ایک رائے کی بنیاد ہو تو آپ اس کو محظور کیسے کہہ سکتے ہیں، تعزیہ تو محظور ہے، اور یہ تو ایک قول مرجوح ہے حنفیہ کے نزدیک، کیا خصوصی حالات میں، کسی خاص ملک کے حالات میں اس قول مرجوح کو ترجیح دیا جاسکتا ہے، ہمارے یہاں آپ جانتے ہیں کہ رسم المفتی میں علامہ شامی نے بیان کیا، آپ سب نے پڑھا ہے وہ یہ کہ کتنے ہی مسائل ہیں جن میں ظاہر الروایت کے مقابلہ میں غیر ظاہر الروایت کو ترجیح دی گئی ہے کسی مصلحت کی وجہ سے، تو ہم لوگوں کو اور اہل علم کو بیان میں اپنی زبان کو محتاط رکھنا چاہئے جو رائے بہر حال ایک دلیل پر مبنی ہو، بہت سے فقہاء مجتہدین کی وہ رائے ہو اس کو آپ محظور کیسے کہہ سکتے ہیں، قول مرجوح اس کو کہہ سکتے ہیں،

مذہب مرجوح اس کو کہہ سکتے ہیں، تو یہ مولانا نے جو اس کی طرف توجہ دلائی ہے ہمارے غور وفکر کے منہج میں اس کو شامل ہونا چاہئے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی:

مولانا صالح الزمان صاحب نے جو بات فرمائی جمعہ کے حوالے سے کہ گویا جمعہ کے اندر لوگ خطبہ شروع ہونے کے بعد پہنچتے ہیں، بعض درمیان میں پہنچتے ہیں، تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ ہمیں خود اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ ہم نے کیا کوششیں کی ہیں، کیا ماحول بنایا ہے اور اس کے لئے ہم مزید کیا تیاریاں کر رہے ہیں؟ کیا ہمیں اس کی فکر ہے کہ جمعہ کے موقع پر کچھ دینی غذا دی جائے ان لوگوں کو جو جمعہ میں شریک ہوتے ہیں، اور عام طور پر خطبہ بھی عربی میں ہوتا ہے، یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے کہ اردو میں خطبہ جائز ہے یا نہیں، اگر خطبہ پوری تیاری کے ساتھ کسی موضوع پر ہو تو لوگ بھی شوق سے آتے ہیں اور سنتے ہیں، سو فیصد نہ سہی بیس فیصد تو ضرور شوق سے سنتے ہیں، تو اس میں کمی ہماری ہے کہ جمعہ کے اس موقع کو جتنا ہمیں استعمال کرنا چاہئے، جو جدوجہد کرنی چاہئے، جو ربط ہمارا ہونا چاہئے لوگوں سے وہ نہیں ہے، ہمیں اس ماحول کو بدلنا پڑے گا تب ہی جمعہ کے موقع پر کچھ تبدیلی نظر آئے گی۔

مولانا جنید احمد:

ہم نے اپنے علاقے میں بعض دیہات ایسے پائے ہیں کہ جس میں باشندگان دیہات نے زندگی میں کبھی کوئی نماز ہی نہیں پڑھی تھی، مسجد بنائی اور جمعہ کی نماز شروع کی، تب پہلی نماز انہوں نے پڑھی، نماز جمعہ اگر نہ ہو تو کوئی نماز وہ نہیں پڑھتے، ایسے دیہات میں مسلمانوں کو نماز کا شناسا بنانے کے لئے جمعہ کا قائم کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی:

اس موضوع کے دو پہلو ہیں: ایک علمی اور دوسرا عملی، علمی پہلو میں سے صرف دو باتیں میں عرض کروں گا کہ ہمیں یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب پہلی مرتبہ جمعہ قائم فرمایا تھا تو کیا وہ تمام شرطیں موجود تھیں جن کا تذکرہ ہم کر رہے ہیں، کیا وہاں تین مسجدیں تھیں جو ہم لازم کر رہے ہیں اور کیا جو شرطیں ہم بیان کر رہے ہیں وہ شرطیں تمام پائی جاتی تھیں، اس پر میں زیادہ نہ کہتے ہوئے صرف عملی صورت حال کیا ہے عرض کرتا ہوں اور دو مثال پیش کرتا ہوں، میل کھیڑلا (راجستھان) میں اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کا سمینار منعقد ہوا تھا، اس میں شرکت کرنے کا مجھے موقع ملا تھا، معلوم ہوا کہ وہاں دو ہزار طلبہ پڑھتے ہیں، طالبات بھی تقریباً ڈیڑھ ہزار ہیں، اور کافی بڑی مسجد بھی ہے، اس کے باوجود بھی وہاں جمعہ کی

نماز نہیں ہوتی ہے، اس لئے کہ وہاں پر مصر کی شرط پائی نہیں جاتی ہے۔

دوسری مثال یہ کہ ایک جگہ مجھے جانے کا موقع ملا، اچھی خاصی بڑی مسجد تھی مگر وہاں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی تھی، ہم نے جمعہ کو قائم کرنے کی وہاں کوشش کی اور الحمدللہ پوری مسجد اور باہری حصہ سب نمازیوں سے بھر گیا، لیکن افسوس کہ صرف دو تین ہفتہ ہی جمعہ کی نماز ہوسکی، کچھ علماء نے آکر جمعہ کی نماز بند کرادیا کہ یہ تو قصبہ ہے، یہاں پر مصر کا اطلاق نہیں ہوتا، اس لئے یہاں پر جمعہ کی نماز جائز نہیں، جبکہ آس پاس تقریباً سات کیلومیٹر دور تک کوئی مسجد نہیں ہے، اب وہاں جمعہ بند ہونے کے بعد وہاں کے نوجوان جن کو جمعہ پڑھنے کا شوق ہوتا ہے وہ موٹر سائیکل سے چلے جاتے ہیں، بقیہ لوگ نماز نہیں پڑھ پاتے، تو میں نے ان سے کہا کہ بالکل آپ جمعہ قائم کیجئے میں فتوی لاکر آپ کو دوں گا، جو لوگ پانچ وقت کی نماز پڑھتے ہیں وہ جتنا جمعہ کا اہتمام کرتے ہیں ان سے زیادہ جمعہ کا اہتمام وہ لوگ کرتے ہیں جو ہفتہ میں صرف ایک بار جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں، اگر ہم جمعہ کے اس موقع کو عام لوگوں کی تعلیم وتربیت کے لئے استعمال کریں تو ایک سال میں دین کی وہ تمام بنیادی باتیں بیان کرسکتے ہیں ان لوگوں کے سامنے جو ہفتہ میں ایک ہی بار نماز جمعہ ادا کرتے ہیں، ہماری تعلیم وتلقین کے نتیجہ میں امید ہے کہ ان کو مزید پنج وقتہ نمازوں کے اقامت کی توفیق ہوگی۔

مفتی عبدالرشید قاسمی:

شہر کی ایسی کوئی تعریف کی جائے کہ خروج عن المسلک جیسی کوئی چیز نہ ہو، اس سلسلے میں عرض ہے کہ ایک بات یہ آتی ہے کہ جہاں پر یہ چیز ملے اور فلاں سامان ملے نہ ملے، لیکن آج کل آن لائن کاروبار کا بھی زمانہ ہے، ہر چیز ہر جگہ دستیاب ہوجاتی ہے، چاہے وہ دیہات ہو یا شہر، تو اس اعتبار سے یہ بھی غور کرنے کی ضرورت ہے، اسی طریقہ سے ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ اب شہر کے لوگ شہر سے باہر بسنے لگے ہیں، وہ فارم ہاؤس وغیرہ بناتے ہیں، اب مسئلہ یہ ہے کہ شہر اور دیہات میں ہم اس کو کیسے تسلیم کریں، ظاہر بات ہے کہ یہاں مراد میونسپلٹی کی طرف سے یا حکومت کی طرف سے جو سرحد ہوتی ہے وہ مراد نہیں ہے؛ بلکہ مراد وہ ہے جو ہم کو نظر آئے، ہندوستان کا صوبہ کیرالہ سمندر کے کنارے کنارے بسا ہوا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہاں شروع ہوا کہاں ختم، کشمیر کا مسئلہ بھی کچھ اسی طرح کا ہے، اور اس کے علاوہ اور بھی پہاڑی علاقے جیسے اتراکھنڈ میں دیہات چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں، نینی تال بڑا شہر ہے، وہاں تو کوئی جگہ ہی نہیں ہوتی، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں جمعہ قائم ہی نہ ہو۔

ایک اہم اور بڑا مسئلہ یہ ہے کہ کبھی کبھی قلب موضوع لازم آتا ہے، وہ یہ کہ مثال کے طور پر ہم کانپور کے ہیں، کانپور

میں فیکٹریاں شہر کے اندر آپ نہیں لگا سکتے، بلکہ حکومت کی طرف سے فیکٹریاں باہر لگائی جاتی ہیں، اب شہر کے لوگ باہر ان فیکٹریوں میں کام کرنے جاتے ہیں اور ایک فیکٹری میں تقریباً ۵۰۰ ملازمین ہوتے ہیں جن میں ۳۰۰ مسلمان ہیں، یہ وہ مسلمان ہیں جو شہر کے ہیں، لیکن باہر جاتے ہیں، جمعہ کو رخصت نہیں ہوتی، فیکٹری دیہات میں لگی ہوئی ہے، اب آپ کیا کہیں گے کیا وہ تین سو مسلمان پورے سال نماز نہیں پڑھیں گے، کیونکہ وہ دیہات ہے، حالانکہ وہ شہر کے رہنے والے ہیں، تو یہ پہلو بھی غور طلب ہے، مصر کی یہ جو تعریف ہے اس تعریف کو آج کے زمانے میں کیسے پیش کریں کہ خروج عن المسلک اور بہت سی چیزوں سے بچ جائیں اور جمعہ کے ذریعہ دین کو پہنچانے کا جو ہمارا مقصد ہے وہ بھی حاصل ہو۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

آپ کے ذہن میں کوئی تعریف ہو تو لکھ کر بھیج دیں، لوگوں نے لکھا ہے تعریفیں آئی ہیں، ماشاء اللہ تعریفیں اتنی ہیں کہ اس میں سے آپ کس کو لیں گے یہ خود مسئلہ ہے، آپ کے ذہن میں کوئی تعریف ہو جو بہت صحیح اور مناسب ہو تو اس کو لکھ کر بھیج دیں۔

نامعلوم آواز:

ایک بات ابھی مفتی عثمان صاحب نے کہی تھی مصر کی تعریف میں جو بہت سارے حنفی فقہاء نے کہا ہے کہ جہاں تین مسجدیں ہوں اور سب سے بڑی مسجد وہاں کے تمام مکلّف مسلمانوں کے لئے ناکافی ہو، یہ تعریف ایسی جگہوں پر صادق نہیں آتی، بڑے شہروں پر جہاں مسجدیں تین نہیں ہیں جہاں مسلمان مرد پچاس نہیں ہیں، ظاہر ہے کہ وہ بڑے شہر جن کی شہریت اور مصریت ہر اعتبار سے مسلم ہے، ان کے مصر ثابت کرنے کا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، وہ تو مسلمہ مصر ہیں شہر ہیں، ایسا ہوسکتا ہے کہ کسی بہت بڑے شہر میں مسلمان پچاس سے کم ہوں، مسجدیں تین نہ ہوں تو وہاں کی شہریت مسلم ہے، اس لئے وہاں جمعہ ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں ہے اور اسی طرح سے مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے بھی مستقل طور پر اس تعریف کو جس میں تین مسجدوں کا ذکر ہے حنفیہ کے مسلک کو بنیاد بنایا ہے اور اس کو ترجیح دیا ہے مستقل طور پر۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

اصل میں اس پورے اجلاس میں عام رجحان ہم لوگوں کا یہ بنتا ہے کہ جمعہ کی کہاں گنجائش ہے، اس میں جتنی زیادہ وسعت ہوسکتی ہے وہ پیدا کی جائے، یہ جو فقہاء نے کہا: ''مالایسع اُکبر مساجدہٗ'' یہ بھی اسی پس منظر میں ہے، حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ اس کے لئے کوئی واضح نص موجود نہیں ہے، تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تجویز کمیٹی میں جو مختلف شکلیں ہوسکتی ہیں ان کو لکھا جائے، یہ شکل ہو یا یہ شکل ہو یا یہ شکل ہو، ان تمام صورتوں میں اس کو مصر کا درجہ حاصل ہوگا اور اس میں جمعہ قائم کرنا

درست ہوگا،تو اس انداز سے بھی تجویز مرتب کی جاسکتی ہے۔

مفتی سعید الرحمٰن فاروقی:

آپ اکابرین سے استفادہ کرتے ہوئے دو باتوں کی طرف توجہ دلانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے: پہلی بات یہ ہے کہ اگر مطلق جواز کی بات کی جائے تو منی میں جواز جمعہ کے سلسلہ میں ہم سب کی رائے کیا بنے گی؟ میرے علم میں ہے کہ بہت سے اکابرین اس کے خلاف ہیں، پھر وہاں عدم جواز کی بات نہ ہوگی؛ بلکہ یہ شاید اتفاقی مسئلہ ہوگا، منیٰ کے مسئلہ کو حل کرلیا جائے آج ہی کے مجلس میں تو بڑی بات ہوگی۔

دوسری بات جو شاید ہم لوگوں کی گفتگو سے پیدا ہوگی، اور جس کا جواب دینا آسان نہیں ہوگا، اس لئے کہ اکثر لوگوں کو جواز پر اصرار اس بنیاد پر ہے کہ فتنہ ارتداد کہیں پیدا نہ ہو یا بڑھ نہ جائے، بہت ادب سے یہ عرض ہے کہ فتنہ ارتداد مردوں سے زیادہ عورتوں میں ہے، تو یہ بھی غور کرنا پڑے گا کہ عورتوں کو مسجدوں میں آنے کی اجازت دی جائے، تاکہ وہ دین کی کچھ بات سن کر فتنہ ارتداد سے بچ سکیں، ایک عورت باندہ ضلع سے اپنی بچی کو میرے پاس لے کر آئی اور اس نے صاف صاف یہ کہا کہ اس کے باپ کو بالکل فکر نہیں کہ یہ غیر مسلم لڑکے کے ساتھ جارہی ہے، مگر میں یہ نہیں چاہتی کہ یہ حرام خوری میں پڑے، وہ عورت نماز کی زیادہ پابند نہیں؛ بلکہ مرد کسی درجہ میں نماز جمعہ، عیدین وغیرہ پڑھتا ہے، لیکن مرد کو فکر نہیں ہے جو نماز کا پابند ہے، لیکن عورت کو فکر ہے، تو جیسے ہی یہ دو باتیں کریں گے، جب جواز کی بات علی الاطلاق ہوگی تو مشکلیں کھڑی ہوں گی، اس لئے اس کا جواب بھی تیار کیجئے۔

تیسری بات یہ ہے اور میں نے جو سمجھا اور استفادہ کیا مفتی محمد عثمان بستوی صاحب کی رائے سے، وہ بہت معقول معلوم ہوتی ہے کہ جہاں جیسا موقع ہو حالات کے اعتبار سے وہاں کے تجربہ کار اہل علم، ذی بصیرت علماء فیصلہ فرمادیں جواز کا اور شروع کرنا بہتر ہے یا نہیں اور شروع ہے تو اس کو روکا نہ جائے اس سے تو بہر حال سو فیصد اتفاق ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

اللہ کا شکر ہے کہ بڑی اچھی بحث ہوئی، نصوص شرعیہ، عبارت النص، اشارۃ النص اور مصالح کو بھی ہم لوگوں نے سامنے رکھا، اور فقہاء کے اختلاف کو بھی، مولانا عبدالباسط قاسمی صاحب نے ایک تحریر بھیجی ہے: ''جہاں دیہات میں جمعہ قائم کرنے کی غرض ارتداد وغیرہ سے تحفظ ہے تو اس سلسلہ میں خواتین کی تعلیم وتربیت کا کوئی نظم نہیں ہے اور ان میں ارتداد بھی مردوں کی بہ نسبت زیادہ پایا جارہا ہے، اس سلسلہ میں بھی کوئی تجویز آنی چاہئے، تاکہ امت کی بہن بیٹیوں کے لئے بھی تعلیم

وتربیت کا نظام قائم ہو اور ان میں ارتداد کا سد باب ہو''، حالانکہ اس موضوع سے براہ راست اس کا تعلق نہیں ہے، لیکن واقعی یہ اس وقت کا بہت اہم موضوع ہے، جس طرح مسلمان لڑکیوں کے غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ جانے کے واقعات پیش آرہے ہیں، ذمہ داری تو پوری امت پر ہے، لیکن ہم لوگوں پر اس کی زیادہ ذمہ داری ہے، اس طرف ہم لوگوں کو سوچنا چاہئے، چونکہ جمعہ کا بیان، مدرسوں کے جلسے، سیرت کے جلسے، تبلیغی اجتماعات میں کہیں خواتین کی رسائی نہیں ہو پاتی ہے، بعض شرعی اور عمرانی مصالح کی وجہ سے، لیکن ہمیں کچھ نہ کچھ صورت ایسی ضرور نکالنی چاہئے کہ خواتین کی تربیت کرسکیں، اور اگر آپ لوگوں کی رائے ہوگی تو اس کو ایک الگ سے تجویز میں شامل کرلیا جائے گا، خاص کر لڑکیوں کے اسکول کے تعلق سے کہ وہ کیسے مخلوط ماحول سے بچتے ہوئے تعلیم حاصل کریں، اس پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے، اس سمینار کے واسطے سے آپ تمام حضرات سے درخواست ہے کہ ہم اپنے اپنے علاقوں میں، اپنے مدرسوں کے تحت، اپنی مسجدوں کے تحت، اپنی رفاہی تنظیموں کے تحت لڑکیوں کے لئے اسلامی ماحول میں اور بنیادی اسلامی تعلیمات کے ساتھ ماڈرن ایجوکیشن حاصل کرنے کا بھرپور انتظام کریں، اس کے بغیر ہم اپنی نسلوں کو نہیں بچا سکتے، تجویز کمیٹی میں جو حضرات ہوں گے ان شاء اللہ وہ اس بارے میں ممکن ہے کوئی تجویز طے کریں۔

صدارتی خطاب: مولانا عتیق احمد بستوی:

الحمد للہ جس ماحول میں ہمارا پروگرام چل رہا ہے وہ قابل تقلید ہے، آپ حضرات نے بہت سے پہلوؤں کو واضح کرنے کے لئے گفتگو کی، مناقشہ کیا اور ایک دوسرے کی رائے کا احترام کیا، یہ بڑی خوش آئند بات ہے اور ان شاء اللہ اس سے ہمارے سمینار کا معیار بلند اور اعتبار میں اضافہ ہوگا، اس سمینار میں شریک سب وہ علماء ہیں جنہیں اللہ نے علم بھی دیا اور خوف خدا بھی اور دیانت بھی کہ وہ مسائل کے بارے میں مطالعے کے بغیر یا کسی اپنے ذاتی مفاد کے لئے کوئی رائے قائم کریں اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جو رائے بھی پیش کی جارہی ہے اور جس نے بھی پیش کی ہے وہ شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے، مصالح شریعت کو حاصل کرنے کے لئے ہے اور احکام شریعت کی تنفیذ کے لئے یہ آراء پیش کی جارہی ہیں اور ان آراء کا احترام ایک دوسرے کے لئے ضروری ہے۔

اس پوری نشست میں جو گفتگو ہم نے کی ہے اس موضوع پر اس میں چند باتیں ایسی ہیں جن پر سب کا تقریبا اتفاق ہے، بعض نکتے ایسے ہیں کہ جس میں اختلاف ہے اور اختلاف رائے ہوتا ہے، ایک بات تو یہ ہے کہ اگر فقہ حنفی کے دائرہ میں رہتے ہوئے مسئلہ کو حل کرنا، تو سب کی یہ رائے ہے کہ جو مختلف اقوال ہیں فقہ حنفی میں مصر کی تعریف کے حوالہ سے، قریہ کبیرہ اور

اس کا معیار، آبادی اور اس کی ضروریات، یا تعداد ان میں سے جس قول کی بنیاد پر زیادہ سے زیادہ دیہاتوں میں جمعہ قائم کرنے کی گنجائش ہو اس قول کو اختیار کیا جائے، اب وہ قول کونسا ہوگا، میں سمجھتا ہوں کہ جو کمیٹی اس موضوع پر بیٹھے گی وہ آپ حضرات کے مناقشوں کا خیال رکھتے ہوئے کوئی ایسی تجویز مرتب کرے گی جو تمام پہلو کو شامل ہو۔

ایک مسئلہ یہ بھی متفق علیہ ہے کہ جن دیہاتوں میں جمعہ قائم ہے وہاں جمعہ کو بند کرنے کی کوشش نہ کی جائے، یہ فتنہ کی بات ہے، کیونکہ ایسی باتیں ہو رہی ہیں بعض جگہوں پر، کہ کچھ نوجوان عالم جن کو اتنی قوت کے ساتھ حنفیہ کا موقف سمجھا دیا گیا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ دوسرا موقف بالکل غلط اور باطل ہے، تو وہ چاہتے ہیں کہ اپنے گاؤں میں جو جمعہ چل رہا ہے اس کو ہم بند کرائیں اور اس کوشش میں انتشار ہوتا ہے، اس لئے اس پر بھی ہمارا اتفاق ہے کہ جہاں جمعہ قائم ہے وہاں اس کو بند کرنے کی سعی نہ کی جائے۔

اصل چیز جو اختلافی ہے جس میں واضح طور پر دو رائے پائی جارہی ہیں کہ کیا موجودہ حالات جہاں ارتداد و بے دینی کا سیلاب آیا ہوا ہے اور پوری پلاننگ ہے کہ ہمارے نوجوان بچے بچیوں کو دین سے دور کر کے گھر واپسی کے نام پر کسی طور دوسری طرف لے جایا جائے، خاص طور پر دیہاتوں میں جہاں کوئی دینی ماحول نہیں تو کیا اس کی ضرورت ہے کہ ہم وہاں اگرچہ فقہ حنفی کے اعتبار سے کسی بھی تعریف کے لحاظ سے وہ گاؤں مصر کی تعریف میں نہ آتا ہو، لیکن ائمہ ثلاثہ کی رائے کو اختیار کرتے ہوئے وہاں جمعہ قائم کرنے کی اجازت دیں، بشرطیکہ وہ شرطیں جو دوسرے ائمہ کے یہاں ہیں، یعنی ائمہ ثلاثہ کے یہاں جمعہ کے لئے جو شرط ہیں ان کا بھی اس میں لحاظ کیا جائے، اس میں دو رائے پائی جاتی ہیں اور تقریبا برابر برابر آراء ہیں اس مسئلہ میں، مناقشے، مقالات کی تلخیص اور عرض مسئلہ سے اس کا اندازہ ہوا، گویا اس سے یہ اختلافات واضح ہوتے ہیں تو اس مسئلہ میں ہمیں کیا موقف اختیار کرنا ہوگا، تو میں سمجھتا ہوں کہ کمیٹی جب بیٹھے گی اور غور کرے گی تو امید ہے کہ اتفاق کی کوئی شکل نکل آئے، بظاہر یہ مشکل ہے جو مزاج اس وقت ہے کہ ایک رائے پر مکمل اتفاق ہو، اگر ایک دو آدمی کی بات ہوتی تو ہم ان سے بات کرتے، لیکن صورت حال یہ ہے کہ دونوں طرف آراء ہیں، اس صورت میں کوئی فیصلہ لینا مشکل ہے۔

میں مولانا احمد سرکار صاحب برطانیہ کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے وقت نکال کر اس سمینار میں شرکت کی، مولانا بہت بڑی علمی شخصیت ہیں اور قابل احترام ہیں، مولانا ہندوستان آئے ہوئے تھے، انہیں شوق پیدا ہوا کہ سمینار کو دیکھیں تو یہ گویا اچھا ذکر سمینار کا پھیلا ہوا ہے پوری دنیا میں، اس کے نتیجے میں لوگ چاہتے ہیں کہ اس میں شریک ہوں اور دیکھیں کہ کس انداز سے مناقشے ہوتے ہیں، کس طرح بحثیں ہوتی ہیں تو میں ان کا استقبال کرتا ہوں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے عورتوں کی تعلیم و تربیت کے تعلق سے جو بات فرمائی ہے اگرچہ ہمارے

سمینار کا وہ موضوع نہیں ہے،لیکن اس وقت یہ بہت بڑی ضرورت ہے، اگر کوئی تجویز مرتب ہوتی ہے ان شاء اللہ اور ضرور ہونی چاہئے تو ایک اچھا پیغام اس کا جائے گا۔

مسجد میں عورتوں کے جانے کے تعلق سے بعض مسائل کو اچھال کر ہم کو الجھایا جارہا ہے،نوجوان خاص طور سے اس انداز سے لکھ رہے ہیں کہ گویا آخری جنگ ہے حق و باطل کی، بات منوا کر رہیں گے،تو دونوں طرف سے جو چیزیں آرہی ہیں اس میں گویا ہم استعمال ہورہے ہیں، اور اس مسئلہ میں ہمیں اعتدال کا موقف اختیار کرنا چاہئے ،بعض دفعہ بڑوں کی خاموشی بھی غلط فہمی پیدا کرتی ہے، یہ موضوع بھی اپنی جگہ اہم ہے، سپریم کورٹ میں کیس چل رہا ہے،عورتوں نے برابری کا دعوی کیا ہے، گویا کہ وہ اس سے محروم ہیں،تو ان حالات کا خیال کرتے ہوئے یہ کہنا کہ بالکل ممنوع ہے عورتوں کا مسجد میں جانا تو صحیح نہیں ہے،اس سے ہم کو اجتناب کرنا چاہئے۔

اور یہ مقاصد شریعت کے خلاف بھی ہے،ہم خود کتابوں میں پڑھتے ہیں:''**یصف الرجال ثم الصبیان ثم النساء**''، ہم صف بندی بھی کررہے ہیں، پڑھاتے ہیں،فتنوں کی بنیاد پر مسائل پیدا ہوتے رہے، ہمارے فقہاء نے سد ذریعہ کے طور پر اپنے اپنے زمانے کے حالات میں ہمارے یہاں کچھ چیزوں میں شدت بھی ہوئی،لیکن یہ تو چیز سوچنے کی ہے کہ آپ بیوی کے ساتھ نکلتے ہیں مارکیٹ میں، آپ مسجد میں جاکر نماز پڑھتے ہیں اور ان کو آپ چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ مارکیٹینگ کریں، حالانکہ نماز وہ بھی پڑھتی ہیں، نمازی ہیں،لیکن ان کے نماز پڑھنے کی کوئی جگہ ہی نہیں ہے، اگر عورتوں کو ہم نے باہر نکالا ہے، ہماری خواہی نخواہی عورتیں باہر آگئی ہیں، ملازمت کرنے کے لئے،تجارت کرنے کے لئے، بہت پہلے ایک مرتبہ برطانیہ گیا تھا تو علماء کے درمیان یہ مسئلہ بہت زور وشور سے چل رہا تھا، وہاں میں نے عرض کیا کہ جس ملک میں آپ رہتے ہیں، یہاں کے جو حالات ہیں،عورتیں ہر جگہ موجود ہیں مارکیٹ میں موجود ہیں، ملازمت کررہی ہیں، مردوں سے پیچھے نہیں ہیں،تو اگر آپ یہ کہیں گے کہ عورتوں کا مسجد میں جانا درست ہی نہیں ہے، مسجد اگر آپ بنارہے ہیں اور اس میں خواتین کے لئے ایک گوشہ کردیں گے کہ وہاں جاکر وہ نماز پڑھ سکیں یا جو بھی اس طرح کی چیزیں ہوں وہاں پر گنجائش پیدا کی جائے اور مسئلہ تربیت کا بھی ہے وہ الگ موضوع ہے،اس لئے یہ شدت اختیار کرنا کہ بالکل ناجائز وحرام ہے،مکروہ تحریمی ہے،فلاں ہے، باقی جو مسجدیں تنگ گلیوں میں ہیں، چھوٹی چھوٹی مسجدیں ہیں، وہاں مردوں کی بھی گنجائش نہیں ہے، معلوم ہوا کہ مردوں سے بھر گئی، ان مسجدوں میں بھی ہم دعوت دیں کہ خواتین وہاں جائیں، وہاں بھی نماز پڑھیں، نماز میں شریک ہوں تو یہ بڑی زیادتی کی بات ہے،تو ان مسائل میں فقہ اعتدال ہمیں تلاش کرنا چاہئے، شریعت کے جو نصوص ہیں جو مصالحہ ہیں اس کی روشنی میں ہمیں رہنمائی کرنی چاہئے، باقاعدہ اس میں اس طرح سے گتھم گتھا ہوجانا اور شدت اختیار کرنا اور شدت کے

ساتھ اپنی آراء کا میڈیا میں اظہار کرنا، اپنے مضامین لکھنا گویا اسلام کو نقصان پہنچانا ہے اور اسلام کی تصویر کو مسخ کرنا ہے، بہرحال بات آ گئی ہے تو یہ باتیں میں نے آپ کے سامنے رکھ دی ہیں اور میں امید کرتا ہوں اکیڈمی اس اعتدال کے راستے پر چلتی رہی ہے اور ان شاء اللہ آئندہ بھی چلے گی، تو آپ حضرات سے یہ امید ہے اور آپ حضرات اسی منہج پر کام بھی کر رہے ہیں، جتنی محنت کر کے آپ حضرات آتے ہیں میں بار بار اس کا اظہار کر چکا ہوں کہ ہر سمینار میں مجھے بہت ذاتی فائدہ ہوتا ہے، اب موقع وہ نہیں ہے مصروفیات کی وجہ سے اور صحت کی وجہ سے کہ ان موضوعات پر ہم تفصیل سے پڑھ سکیں، تو یہ جو ہم پڑھ لیتے ہیں تلخیص مقالات یا عرض مسئلہ تو مسئلہ کے تمام پہلو ہمارے سامنے آ جاتے ہیں، ان نوجوانوں نے ہمارے علماء نے کہاں کہاں سے اقتباسات لئے ہیں اور ہمارے لئے جمع کئے ہیں کتاب وسنت کے نصوص اور فقہاء کی تصریحات میں، میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت بڑا عظیم کام ہے جو آپ لوگ کر رہے ہیں، اللہ ہمارے یہاں جمع ہونے کو، مسائل پر غور وخوض کرنے کو قبول فرمائے اور اکیڈمی جس انداز سے کام کو انجام دے رہی ہے اللہ اس کو باقی رکھے، ان کلمات کے ساتھ میں اجازت چاہتا ہوں، وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین۔

☆☆☆